ستارہ شام



آمنہ ریاض

ستارہ شام

آمنہ ریاض

علم و عرفان پبلشرز
الحمد مارکیٹ، 40۔ اُردو بازار، لاہور
فون: 37232336 - 37352332 -042

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

نام کتاب	....	ستارۂ شام
مصنفہ	....	آمنہ ریاض
ناشر	....	گل فراز احمد (علم و عرفان پبلشرز، لاہور)
مطبع	....	زاہد و نوید پرنٹرز، لاہور
پروف ریڈنگ	....	محمد زاہد ملک
کمپوزنگ	....	انیس احمد
سن اشاعت	....	اگست 2013ء
قیمت	....	=/600روپے

بہترین کتاب چھپوانے کیلئے رابطہ کریں 0300-945091

......ملنے کے پتے......

ویلکم بک پورٹ	رشید نیوز ایجنسی
اُردو بازار، کراچی	اخبار مارکیٹ اُردو بازار، کراچی
خزینہ علم و ادب	مشتاق بک کارنر
الکریم مارکیٹ اُردو بازار، لاہور	الکریم مارکیٹ اُردو بازار، لاہور
اشرف بک ایجنسی	کتاب گھر
اقبال روڈ کمیٹی چوک، راولپنڈی	اقبال روڈ کمیٹی چوک، راولپنڈی
کلاسیک بکس بوہڑ گیٹ، ملتان	کشمیر بک ڈپو، تلہ گنگ روڈ، چکوال
رائل بک کمپنی	مکتبہ رشیدیہ، جنرل مارکیٹ
فضل داد پلازہ، کمیٹی چوک راولپنڈی	چکوال فون 0301-5785262

ادارہ کا مقصد ایسی کتب کی اشاعت کرنا ہے جو تحقیق کے لحاظ سے اعلیٰ معیار کی ہوں۔ اس ادارے کے تحت جو کتب شائع ہوں گی اس کا مقصد کسی کی دل آزاری یا کسی کو نقصان پہنچانا نہیں بلکہ اشاعتی دنیا میں ایک نئی جدت پیدا کرنا ہے۔ جب کوئی مصنف کتاب لکھتا ہے تو اس میں اس کی اپنی تحقیق اور اپنے خیالات شامل ہوتے ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ آپ اور ہمارا ادارہ مصنف کے خیالات اور تحقیق سے متفق ہوں۔ اللہ کے فضل و کرم، انسانی طاقت اور بساط کے مطابق کمپوزنگ طباعت، تصحیح اور جلد سازی میں پوری احتیاط کی گئی ہے۔ بشری تقاضے سے اگر کوئی غلطی یا صفحات درست نہ ہوں تو از راہ کرم مطلع فرمادیں۔ انشاء اللہ اگلے ایڈیشن میں ازالہ کیا جائیگا۔ (ناشر)

جلال الدین نے فائل بند کر کے میز پر کھسکا دی اور دائیں ہاتھ سے آنکھیں مسلتا ٹانگیں پھیلا کر نیم دراز ہو گیا۔

آج کا سارا ہی دن بے حد تھکا دینے والا تھا۔

نئی نئی ملازمت، کم تنخواہ لیکن ترقی کے لالچ نے اسے دن رات کولہو کے بیل کی طرح جتے رہنے پر مجبور کر دیا تھا۔ پھر لاء چیمبر کے دھکے اور آخر میں پراپرٹی ڈیلر کے ساتھ مغز ماری۔

ہر گزرتے دن کے ساتھ اسے اپنا وجود دیمک لگی لکڑی کی طرح بھر بھرا ہوتا محسوس ہوتا تھا۔

کتنے دن گزرے وہ سکون سے سو بھی نہیں سکا تھا۔

اس وقت بھی ابھی نیند نے پوری طرح اس کے ذہن پر غلبہ نہیں پایا تھا کہ کوئی چیز اس کے ہاتھ سے ٹکرائی اور وہ ہڑبڑا کے سیدھا ہو بیٹھا۔

اس کا دل بے حد، بے ہنگم طریقے سے دھڑک رہا تھا۔ آنکھیں پھاڑ کر اس نے اس چیز کو تلاش کرنا چاہا جو اس کے ہاتھ سے ٹکرائی تھی مگر ٹیبل لیمپ کی روشنی میں اسے کچھ بھی دکھائی نہیں دیا۔ کوئی بھی ایسی چیز جو کسی غیر معمولی پن کی طرف اشارہ کرتی ہو، وہ کچھ دیر اسی طرح متلاشی اور خوف زدہ نظروں سے دیکھتا رہا پھر اس کے خوف میں بتدریج کمی واقع ہونے لگی اور بالآخر اس کے لبوں پر جھینپی ہوئی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

نیند میں ڈر جانا کچھ ایسی غیر معمولی بات بھی نہیں، خصوصاً تب جب پچھلی ستر ہ راتوں میں آپ برائے نام سو پائے ہوں۔

اب بھی اسے نیند نہیں آ رہی تھی یعنی بے آرام راتوں میں ایک اور بے آرام رات کا اضافہ۔

اس کی بیوی دوسری طرف منہ کیے سو رہی تھی۔

وہ اٹھ کر کھڑکی تک آ گیا اور پردے ہٹا دیے پھر چونک سا گیا۔

شیشے پر بارش کی بوندیں جلترنگ بجا رہی تھیں اور تیز ہوا میں یوکلپٹس کے پتے پھڑ پھڑا رہے تھے۔

اس کھڑکی سے حویلی کا باغ صاف دکھائی دیتا تھا جو اس وقت گھپ اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔ بڑے پھاٹک کے لیمپ پوسٹ روشن تھے اور جن کی روشنی بارش کی بوندوں کے ساتھ گھل مل کر ڈرائیو وے کے کچھ حصے کو روشن کر رہی تھی۔

جلال الدین کو خیال آیا اگر اس سفیدے کے درختوں میں گھری ہوئی عمارت کو بالکل سامنے کھڑے ہو کر دیکھا جائے تو یہ عمارت اپنے پہلے تاثر میں بالکل آسیب زدہ سی لگے گی۔

بالکل چپ چاپ، پُرشکوہ مگر پُر ہیبت۔

اسے ایک اور خیال آیا کہ یہاں بسنے والے بھی تو نارمل نہیں ہیں۔ سب کے سب عجیب و غریب رویوں کے مالک۔

وہ یہاں ہوتی...... اس کی زندگی...... یعنی اس کے رت جگے میں شریک ہوتی تو ضرور کہتی۔

''میں تو جس روز سے اس گھر میں آئی ہوں یہی کہہ رہی ہوں...... مگر تم کو میری بات پر یقین ہی نہیں ہے۔''

یاد آئی تو بھولی بسری مسکراہٹ بھی لبوں کا احاطہ کرنے چلی آئی۔

"اب سو جانا چاہیے۔" صبح پھر کورٹ جانے کا خیال آ رہا تھا سو اس نے پردہ برابر کیا اور لیٹ گیا اور آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیا۔ کمرے میں نائٹ بلب آن تھا سو وہ بھی گل ہوا مگر دل روشن تھا یادوں سے۔ باتوں سے۔

"کیا خوب ہوتا اگر میں محبت نہ کرتا...... یہ سارا فساد اسی محبت کا پھیلایا ہوا ہے۔"

آج پژمردہ خیالات کی رات تھی، سو ایک اور بے کار سا خیال چپکے سے چلا آیا۔ دل کو رات بھر فراغت ہی فراغت تھی۔ اس نے فوراً دل کو ڈپٹا۔

"گدھے! محبت کی نہیں جاتی...... ہو جاتی ہے۔"

"اونہہ......" افسردگی پر بدمزگی چھا گئی۔

"بڑی پرانی بات ہے، دنیا کہاں سے کہاں پہنچ گئی۔"

"لیکن میرے تو ابھی بھی چار ہی خانے ہیں اور میں تمہارے بائیں جانب رہتا ہوں۔" دل نے اٹھلا کر اطلاع دی۔

"میں تم سے باتوں میں کبھی نہیں جیت سکتا۔"

"میرے معاملات میں دماغ کی دخل اندازی ترک کر دو۔ جیت تمہارا ہی مقدر ہوگی۔"

"اونہہ...... ایک ہی بار تمہاری بات مانی تھی۔ آج تک بھگت رہا ہوں۔"

بحث اور طول پکڑتی لیکن اسی وقت اس کے موبائل کی بپ بجنے لگی۔ موبائل سائیڈ ٹیبل پر رکھا تھا۔ جلال الدین نے اپنی بیوی کی نیند خراب ہو جانے کے خیال سے جھپٹ کر فون اٹھایا اور بنا نمبر دیکھے کان سے لگا لیا۔

"کیا آپ جلال الدین صاحب بات کر رہے ہیں؟" اجنبی مردانہ آواز تھی۔

جلال الدین چونکا۔ "جج...... جی ہاں۔"

"دیکھیے...... میں انسپکٹر خورشید نواز بات کر رہا ہوں۔ جنت بی بی سے آپ کا کیا تعلق ہے؟"

انسپکٹر کی آواز بے حد کرخت تھی۔

جلال الدین کی چھٹی حس نے کوئی سگنل دیا تھا۔

"جی...... وہ میری۔" انسپکٹر نے بدتہذیبی سے اس کی بات کاٹ دی۔

"وہ آپ کی کوئی بھی ہو۔ ہم نے صرف یہ بتانا تھا کہ جنت بی بی ہماری حراست میں ہے۔ تھوڑی دیر پہلے ہم نے اسے فتح شیر کالونی سے اس کے شوہر کے قتل کے الزام میں گرفتار کیا ہے۔ ہمیں خبر ملی تھی کہ آپ جنت بی بی کے رشتے دار ہیں...... مہربانی فرما کر آپ تھانے تشریف لے آئیے تاکہ کچھ ضروری نوعیت کی کارروائی پوری کی جا سکے۔"

اعلان ختم۔ فون بند۔

جلال الدین کا دماغ ماؤف ہو رہا تھا، گویا یہ تھی وہ اطلاع جس کے قبل از وقت اندیشے نے اسے سونے نہیں دیا۔

اس نے اٹھنے کی کوشش کی مگر اپنی جگہ سے ہل بھی نہ سکا۔ صدمے نے اس کی ہمت چھین لی تھی پھر وہ اٹھا اور ڈریسنگ میں گھس گیا۔ چند منٹ بعد جب اپنی برساتی پہن کر وہ بڑی خاموشی کے ساتھ اس بھوت بنگلے سے نکل رہا تھا تو اس کا دل چاہ رہا تھا، خوب چیخ چیخ کر روئے کیونکہ آسمان پر امید کا ایک بھی ستارہ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

☆☆☆

جلال الدین نے مایوسی و بے بسی کے بوجھ سے اپنے کندھوں کو جھکتے محسوس کیا تھا۔ اچھی بھلی سکون سے گزر رہی تھی۔ کیا پتا تھا کبھی ایسی صورت حال کا سامنا بھی کرنا پڑ سکتا ہے۔

ایک تو رات گئے ملنے والی بری خبر نے یوں بھی اسے ذہنی طور پر ناتواں کر چھوڑا تھا، دوسرے مقامی پولیس اسٹیشن کے عملے کا رویہ انتہائی حوصلہ شکن۔

خدا جانے وہ کیوں بھول گیا کہ وہ ملزمہ کے رشتہ دار کی حیثیت سے یہاں آ رہا ہے۔ ذہنی طور پر تیار ہو کر آتا تو یقیناً اتنی کوفت کا سامنا نہ کرنا پڑتا۔

"دیکھیے محترم......!" بڑی منتوں کے بعد اس کی بات سن لینے پر راضی ہوئے ایس ایچ او نے اپنے اسٹاف ممبرز کی طرح بدتہذیبی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس کی بات کاٹ دی تھی۔

"ہمیں اس سے کوئی غرض نہیں ہے کہ آپ کا ملزمہ سے کیا رشتہ ہے۔ آپ اس کے بھائی ہیں، باپ ہیں یا شوہر ہیں۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا......اہم بات یہ ہے کہ جنت بی بی نے اپنے شوہر کے قتل کا اعتراف کیا ہے اور آپ نے ملزمہ کو چھپا کر اس کے جرم میں اس کا ساتھ دیا ہے ......اس حساب سے تو آپ کو بھی اس وقت سلاخوں کے پیچھے ہونا چاہیے تھا، شکر کریں کہ ہم نے آپ کو کرسی پر بٹھایا ہوا ہے۔"

"آپ کیسے کہہ سکتے ہیں، میں نے جنت کو چھپا رکھا تھا۔" جلال الدین جھنجھلا کر بولا۔

"آپ کا ملازم گواہ ہے۔" ایس ایچ او مسکرایا۔ جلال الدین کے دل و دماغ میں غصے کی شدید لہر اٹھی تھی مگر اس سے پہلے کہ وہ کچھ بولتا، اس کے وکیل نے سنجیدگی سے کہا۔

"آپ میرے کلائنٹ پر بے بنیاد الزامات لگا رہے ہیں۔" پھر اس نے ایک فائل ایس ایچ او کے سامنے رکھ دی۔

"یہ جنت کی رپورٹس ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جنت شیزوفرینک (دوہری شخصیت) ہے۔ اور آج سے نہیں بلکہ پچھلے چار سالوں سے زیرِ علاج ہے، وہ جو بھی بولتی ہے یا کرتی ہے۔ اس کی صداقت کو جانچنے کے لیے اس بیماری کو مدِنظر رکھا جانا ضروری ہے۔"

وکیل صاحب تحمل سے وضاحت کر رہے تھے۔

ایس ایچ او نے چونک کر فائل پکڑ لی۔ کچھ صفحات پلٹے پھر باری باری ان دونوں کو دیکھا۔

"یعنی لڑکی پاگل ہے؟"

جلال الدین نے شدت کرب سے آنکھیں بھینچ لیں۔

"کوئی عام انسان جو اس بیماری سے واقف نہیں ہے، اس کے لیے شیزوفرینک پاگل ہی ہوتا ہے لیکن دراصل یہ ایک نفسیاتی بیماری ہے جس کی علامات ہر مریض میں الگ ہوتی ہیں۔ جیسے جنت، اسے چار سال پہلے یہ لگنا شروع ہوا تھا کہ اس نے اپنے شوہر کو قتل کیا ہے جب کہ وہ تو شادی شدہ ہی نہیں ہے۔"

جلال الدین کی رنگت خطرناک حد تک زرد ہو رہی تھی۔

"تم باہر جا کر بیٹھو...... میں معاملات نمٹا کر آتا ہوں۔" اس نے جھک کر جلال الدین سے دھیمی آواز میں کہا۔

جلال الدین خاموشی سے اٹھا اور باہر آ گیا۔ برآمدے کے آگے متوازی چھت سے پانی کی دھاریں بہہ رہی تھیں۔ بارش البتہ رک چکی تھی۔

وہ گرل پر مٹھیاں جما کر اندھیرے کو گھورنے لگا۔

کیسی تھی زندگی۔ اب تو تیز ہوا سے بکھرے پتوں کی مانند لگتی۔ جس روز اس نے رحمت اللہ اور اس کی بیوی کو جنت کی ذمہ داری سونپی، کس قدر مطمئن ہو گیا تھا کہ اب سب ٹھیک ہو جائے گا، وقت سے بڑا مرہم بھی بھلا کوئی ہے؟ گردشِ دوراں تو جانے کس کس چیز پر گرد جما دیتی ہے۔

اسے لگا جنت اب محفوظ ہے۔

لیکن آج کی رات...... قیامت کی رات تھی۔ اس کی آنکھوں میں کرچیاں سی بھر رہی تھیں۔ تب ہی ایک ہاتھ کندھے پر آ رکا۔ وہ پلٹا۔

"فکر مت کرو جلال الدین! سب ٹھیک ہو جائے گا۔" مسعود خفیف سا مسکرایا تھا۔

جلال الدین کو لگا، اس کا دوست مسکراہٹ کے چھینٹے لگا کر امید تازہ کر رہا ہے۔ مگر وہ خود مسکرا بھی نہ سکا۔

"کیا کہتے ہیں؟" مبہم سا سوال تھا۔

"ضمانت کروانا پڑے گی اور ضمانت کے لیے صبح کا انتظار کرنا پڑے گا، مسئلہ یہ ہے کہ جنت کا بیان ریکارڈ ہو چکا ہے۔ اس نے اقبالِ جرم نہ کیا ہوتا تو معاملہ نمٹانا آسان تھا۔ اب اس کیس پر محنت کرنا پڑے گی۔" مسعود نے کہا۔

"ہم صبح کا انتظار کر لیتے ہیں۔"

"پاگل مت بنو...... باقی رات یہاں بیٹھ کر نہیں بتائی جا سکتی۔ ہمیں یہاں سے جانا ہی پڑے گا۔"

"جنت یہاں کیسے رہے گی؟" جلال الدین نے خائف ہو کر کہا۔ "نہیں مسعود! میں اسے یہاں اکیلا نہیں چھوڑ سکتا۔ وہ مر جائے گی۔" وہ رو دینے کو تھا۔

مسعود نے مضبوطی سے اس کا کندھا تھام لیا۔

"مجبوری ہے جلال! یہاں بیٹھنے کی اجازت نہیں ملے گی اور جنت کی فکر نہ کرو، لیڈیز اسٹاف بھی ہے یہاں۔ اسے کوئی نقصان نہیں پہنچے

گا۔صبح عدالت کھلتے ہی میں ضمانت کے کاغذات تیار کروالوں گا۔" جلال الدین گومگو کیفیت میں کھڑا رہا پھر اس نے دل پر پتھر رکھتے ہوئے پوچھا۔

"کیا میں اس سے مل سکتا ہوں؟"

"میں پہلے ہی پوچھ چکا ہوں مگر ایس ایچ او بڑا اخرانٹ ہے۔ پرمیشن نہیں دے رہا۔اس کے لیے بھی صبح کا انتظار کرنا پڑے گا۔"

"مسعود......" بے بسی نے جیسے اسے پاگل ہی کر دیا تھا۔مسعود نے ترحم سے اسے دیکھا۔

"میں نے پہلے ہی کہا تھا یوں چھپا کر رکھنا زیادہ بڑا رسک ہوگا، تمہیں اسے پہلے ہی فاؤنٹین ہاؤس بھجوا دینا چاہیے تھا۔" مسعود کی آواز بے حد دھیمی تھی۔

"جنت پاگل نہیں ہے مسعود!"

اللہ جانتا تھا یا جلال الدین...... کہ اس لمحے اس نے خود پر کیسے ضبط کیا تھا۔غم و غصے سے اس کی آواز پھٹ رہی تھی۔ تنفس تیز ہو گیا تھا اور آنکھیں لال انگارہ ہو کر دہک رہی تھیں۔

مسعود نے بغور اس کی حالت دیکھی اور کچھ بھی کہنے سے باز رہا کیونکہ وہ جانتا تھا، اسے کچھ بھی سمجھانا بے کار ہوگا۔

اس نے دوستانہ انداز میں اس کا شانہ تھپکا اور بولا۔

"شاید تم ٹھیک کہہ رہے ہو...... آؤ گھر چلتے ہیں۔"

جلال الدین نے تھکے ہارے قدم باہر کی سمت بڑھا دیے۔

پھر جس وقت مسعود کے گھر کے باہر گاڑی روکی۔ مسعود کچھ منٹ سوچتا رہا پھر حوصلہ دینے والے انداز میں اس کا کندھا تھپتھپا کر اتر گیا۔

ابھی دو قدم ہی چلا ہو گیا کہ جلال الدین نے خوف زدہ ہو کر اسے پکار لیا۔

"تم جنت کو بچا لو گے نا مسعود؟" اس کی آواز کانپ رہی تھی۔

"میری کیا بساط ہے یار! اللہ بچائے گا۔" مسعود نے بڑھ کر اس کے کندھے کو بھرپور طریقے سے تھپکا۔ "اتنی جلدی حوصلہ ہار دو گے تو زندگی کا سامنا کیسے کرو گے۔ اللہ پہ بھروسہ رکھو۔ انسان کچھ نہیں کرتے۔ جو کرتا ہے خدا کرتا ہے۔"

جلال الدین کی آنکھیں جل رہی تھیں۔ اس نے بنا کچھ کہے گاڑی بڑھا دی اور بے مقصد بارش سے بھیگی سڑکوں پر گاڑی دوڑاتا رہا۔

اسے بار بار رحمت اللہ کا ملتجی لہجہ یاد آرہا تھا۔

"میری زنانی کی غلطی ہے صاحب! بچوں کی لڑائی میں خود کود پڑی۔ پڑوسیوں نے غصے میں آکر پولیس کو اطلاع دے دی کہ فلیٹ نمبر بارہ میں کوئی عورت چیختی رہتی ہے۔ پولیس آئی تو بی بی صاحب نے انہیں سب سچ بتا دیا...... معاف کر دو صاحب! ہم سے آپ کا نقصان ہوا مگر آپ تو مائی باپ ہو، آپ نے ہی سر سے ہاتھ اٹھا لیا تو کسی عورت کو گھر میں چھپا کر رکھنے کے الزام میں ہم غریب دھر لیے جائیں گے۔" وہ روتا جاتا تھا اور کہتا جاتا تھا۔

جلال الدین نے آنکھیں زور زور سے جھپک کر آنسوؤں کو دھکیلنا چاہا مگر سینے میں کرب کے جھکڑ سے چلنے لگے تھے۔حلق میں سسکیاں اودھم مچا رہی تھیں۔

آنکھوں میں کرچیوں کی چبھن بڑھنے لگی تھی۔

ہوا شدید تھی۔ماضی کے اوراق خود بخود پلٹنے لگے۔

اور ماضی کا سفر ہر ایک کے لیے خوش کن بھی نہیں ہوتا۔جلال الدین کا درد دو چند ہوا تھا، بڑی کوشش کے باوجود بھی وہ سینے میں دبی سسکیوں کو روک نہیں سکا۔

اور اس روز جب سڑکوں پر صبح کاذب کے آثار نمودار ہونا شروع ہوئے پژمردہ اور مایوس جلال الدین گاڑی کے اسٹیرنگ پر سر ٹکا کر بچوں کی طرح رو دیا۔ماضی کا سفر اسے آنسوؤں کی ہمراہی میں طے کرنا تھا۔

☆☆☆

گرمیوں کے طویل دن تھے۔سورج دھوپ نہیں آگ اگلتا تھا۔سارا سارا دن کھیتوں پر سنہری غبار چھایا رہتا جس سے بصارت گم ہوتی محسوس ہوتی تھی۔چرند پرند بولائے بولائے پھرتے۔

لیکن کسانوں کو یہ موسم کچھ نہیں کہتا۔انہوں نے سارا سال کٹائی کے اس موسم کی راہ دیکھی ہوئی ہے۔

اس موسم میں گائے جانے والے مخصوص گیت وہ سارا سال گنگناتے ہیں تا کہ ان کے بچے ان گیتوں کو یاد کرلیں اور جب کٹائی شروع ہو تو زور و شور سے ان گیتوں کو گائیں اور ان کی ہمت بڑھائیں۔ڈھول کی تھاپ ان کے وجود میں بجلی بھر دیتی ہے۔

اور جب ڈھول اور گیت کے بول ایک ساتھ ان کی سماعت سے ٹکراتے ہیں تو وہ ایک عجب ولولہ انگیز جذبے کے تحت اپنی درانتیاں لے کر آگے بڑھتے ہیں اور کھیتوں کے کھیت صاف کر ڈالتے ہیں۔

جب ایک کسان کا کھیت مکمل ہو جاتا ہے تو وہ دوسرے کسان کے کھیت میں اس کا ہاتھ بٹانے پہنچ جاتا ہے اور یوں کٹائی کا موسم ختم ہونے سے قبل سب کے کھیت خالی ہو جاتے ہیں۔

دین محمد بھی ان ہی کسانوں میں سے ایک تھا۔

پنجاب کے مغربی علاقے میں دیپال پور سے تھوڑا آگے اس کا گاؤں تھا۔چھ مربع زمین تھی جسے وہ بڑی چاہ سے کاشت کرتا تھا اس نے چند ملازم بھی رکھے تھے مگر بوائی اور کٹائی کے دنوں میں مالک اور نوکر کا فرق بھلا دیتا تھا۔

چھ مربع زمین اسے اپنی اولاد کی طرح عزیز تھی اور کہتا تھا۔

جب تک کھیت کو محبت نہ دوں گا تو یہ بھی پھل نہ دے گا۔

وہ اپنی زمین، اپنے کھیتوں سے محبت کرتا تھا۔

لیکن اس موسم میں اس کی عجب حالت تھی۔ وہ جو ڈھول کی پہلی تھاپ پر سر دھنتا اپنی درانتی لے کر سب سے پہلے کھیتوں میں اترتا تھا۔ آج دور کھڑا آنکھیں گاڑے اپنے بھرے ہوئے کھیتوں کو دیکھ رہا تھا۔ ایک ایک بالی سنہری اور دانوں سے بھری ہوئی تھی۔

ساتھ والے کھیت اکمل چوہدری کے تھے جن میں بس ایک دن کی کٹائی باقی رہ گئی تھی۔ پہلے کٹائی مکمل ہونے کا مطلب تھا، گندم کا پہلے منڈی میں پہنچ جانا۔ اگر اس کی گندم آخر میں پہنچتی تو اونے پونے ہی بکتی۔

"ایک دو روز میں کٹائی ہو جانی چاہیے۔"

اکمل کی سپاٹ زمین کو دیکھتے ہوئے اس نے تشویش سے سوچا مگر یہ سوچ زیادہ دیر اس کے ذہن میں نہیں رہی۔ اس کی سوچوں کا رخ ایک بار پھر اپنی بیوی کی طرف مڑ گیا تھا۔

اس کی بیوی حاملہ تھی اور چند روز میں ایک بچے کو جنم دینے والی تھی۔

اپنی شادی کے آٹھ سالوں میں وہ اپنے چھ نو مولود بچوں کو ان کی پیدائش کے اگلے ہی روز دفنا چکا تھا۔ بعض اوقات وہ سوچتا اللہ اسے آزمائش میں کیوں ڈال رہا ہے۔ حالانکہ آج تک اس نے کسی کو نقصان نہیں پہنچایا تھا وہ صوم وصلوٰۃ کا پابند مسلمان تھا۔ حقوق العباد کے ساتھ ساتھ حقوق اللہ بھی حتی المقدور پورے کرتا تھا۔ صدقہ خیرات بھی کرتا۔ گاؤں کے کئی ایسے غریب گھرانے تھے جن کی کفالت پچھلے کئی سالوں سے بالکل خاموشی سے کر رہا تھا۔ ہر روز کئی لوگوں کے ہاتھ اس کے حق میں دعا کے لیے اٹھتے تھے۔

پھر بھی...... پھر بھی اللہ نے اسے اولاد کی نعمت سے محروم رکھا تھا۔

وہ ہر بار اپنی بیوی کو ہتھیلی کا چھالہ بنا کر رکھتا تھا۔ نو ماہ وہ بالکل ٹھیک رہتی تھی لیکن جب بچہ پیدا ہوتا تو پتا چلتا وہ پیدائش سے چند روز پہلے ہی دم توڑ چکا تھا۔

اس نے بساط بھر علاج کروائے۔ دم درود سب آزمایا لیکن نتیجہ وہی صفر کا صفر۔

اور اب پھر اس کی بیوی امید سے تھی۔

دین محمد چاہ کر بھی اپنی توجہ کسی اور طرف مبذول نہیں کر پا رہا تھا۔ وہ اپنے بچے کی زندگی کے لیے تہہ دل سے دعا گو تھا مگر کہیں اندر سے دل کے کسی کونے میں وہ خوف چھپا بیٹھا تھا جس کی عمر چھ سال تھی۔

"میں کل ہی کٹائی کا کام شروع کروا دوں گا۔" اس نے پکا عہد کر لیا تھا۔

☆☆☆

جانے پہچانے راستوں پر رینگتی ہوئی ٹیکسی کا یہ کم و بیش پانچواں چکر تھا اور ثمینہ کا دل چاہ رہا تھا۔ اس بار تھوڑی سی ہمت کر کے ماوی کے سامنے اعتراف کر ہی لیں کہ ان کی یادداشت پر بھروسا کرتے ہوئے وہ دونوں ٹیکسی ڈرائیور سمیت بھٹک چکی ہیں۔

لیکن ماوی کے سامنے اعتراف...... یعنی اگلے کئی روز تک اسے خود پر ہنسنے کا موقع فراہم کرنا۔ ثمینہ نے وہیں چپکے سے کانوں کو ہاتھ لگا لیا

اور ٹیکسی کی کھڑکی میں گھس کر زیادہ شدومد سے رہائش گاہوں کے باہر لگی نیم پلیٹس دیکھنے لگیں۔

بنگلہ نمبر ستائیس نہیں مل رہا تھا سو اس چکر میں بھی دکھائی نہیں دیا۔

یہ اقبال ٹاؤن تھا اور جہاں زیب بلاک کا بنگلہ نمبر ستائیس ان کا مطلوبہ ایڈریس۔

اپنی یادداشت پر تو خیر انہیں ہمیشہ ہی بھروسا رہا تھا پھر فیض کے دوست توقیر صاحب نے ایڈریس سمجھایا بھی بڑے اچھے طریقے سے تھا۔

"مین روڈ سے بلاک میں داخل ہو کر جو پہلی گلی ہے...... بائیں ہاتھ اس میں ٹرن لے لیجیے گا پھر سیدھے جا کر تیسری گلی میں دائیں ہاتھ......اس گلی میں جو دوسری گلی ہے اس میں پھر دائیں طرف......ستائیس نمبر بنگلہ آپ کو دور سے ہی دکھائی دے جائے گا۔نیوی بلیو کلر کا گیٹ ہے اور لائٹ بلیو باؤنڈری وال......فرنٹ پر بڑا سا ماشاءاللہ لکھا ہوا ہے......سیاہ رنگ سے اور جلی حروف میں۔"

انہوں نے فون پر ایڈریس سمجھایا انہوں نے حفظ کر لیا۔

"میں نے اتنی نشانیاں بتا دی ہیں۔بنگلہ نہ ملنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔لیکن پھر بھی کوئی مسئلہ ہو تو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ ایک تو یہ کہ میں گیٹ پر ہی آپ لوگوں کا منتظر رہوں گا دوسرے میرا اسیل نمبر بھی آپ کے پاس موجود ہے۔"

ثمینہ نے نہ نمبر لکھا، نہ ایڈریس......بھروسا کیا تو وہ بھی اپنی یادداشت پہ۔

لیکن آج کی تاریخ میں اتنی خواری مقدر میں پہلے ہی طے پا چکی تھی۔پہلی گلی میں تو کامیابی سے پہنچ گئے۔اصل مسئلہ وہاں ہوا جہاں دوسرا ٹرن تھا، یہاں شامیانے لگا کر دیگیں پک رہی تھیں۔ڈرائیور بولا۔

"باجی! فکر کا کوئی بات نہیں۔ہم اگلی گلی سے گاڑی نکال لے گا۔"

باجی نے سچ مچ فکر چھوڑ دی لیکن اگلی گلی میں سیوریج پائپ لائن کے لیے کھدائی ہو رہی تھی۔اس سے اگلی گلی سے گاڑی تو نکل گئی مگر رستہ کھو گیا اور اصل وقت یہیں سے شروع ہوئی۔

اب ڈیڑھ گھنٹے سے وہ لوگ ان ہی گلیوں میں گھوم رہے تھے مگر ستائیس نمبر بنگلہ مل کر نہ دے رہا تھا۔

چھٹے چکر میں ثمینہ کو یقین ہو گیا کہ اس بار تو ٹیکسی ڈرائیور ضرور ہی ان دونوں کو زبردستی اتار کر چلتا بنے گا۔

لیکن ان کا یقین غلط ثابت ہوا۔ٹیکسی ڈرائیور سے پہلے ماوی کی ہمت جواب دے گئی تھی۔

"میں نے آپ سے پہلے ہی کہا تھا۔ممی! یا تو توقیر انکل سے مجھے ایڈریس سمجھ لینے دیں یا ایڈریس کہیں لکھ ہی لیں۔مگر مجال ہے جو آپ نے میری بات مانی ہو......آپ کبھی میری کوئی بات نہیں مانتیں۔"

ثمینہ نے ذرا کی ذرا گردن موڑ کر اپنی اکلوتی دختر نیک اختر کو دیکھا۔بلیک جینز پر براؤن کرتا پہنے سن گلاسز کو اس نے ماتھے پر ٹکا رکھا تھا اور منہ خفگی سے پھولا ہوا تھا۔

"ہاں......کیونکہ میں تمہاری ماں ہوں تم میری نہیں......تم پر میری بات ماننا فرض ہے، مجھ پر نہیں۔"

انہوں نے اطمینان سے کہتے ہوئے اپنی سابقہ دلچسپی جاری رکھی۔

''کمال ہے......ایک ایڈریس کے معاملے میں ماں بیٹی کے حقوق وفرائض کا کیا دخل؟'' ماوی نے اکتا کر کہا پھر بولی۔

''اونلی گاڈ نوز (صرف خدا جانتا ہے) یہ ستائیس نمبر بنگلہ ملے گا بھی یا نہیں۔ مجھے تو چانس نہیں لگ رہا۔ آپ کو یقین ہے ناں ممی! توقیر انکل نے ستائیس کہا تھا...... اچھا، آپ کو مالک مکان کا نام تو یاد ہوگا۔ ہم یہاں کسی سے ایڈریس پوچھ بھی تو سکتے ہیں......آپ میری بات کا جواب کیوں نہیں دے رہیں؟''

''کیا جواب دوں......تمہاری کوئی ایک بھی بات ایسی نہیں جس کا جواب دیا جاسکے۔''

''آپ مجھے ایڈیٹ سمجھ رہی ہیں؟'' صدمہ بڑا شدید تھا۔

''ماوی! چپ ہو کر بیٹھو۔'' وہ جھنجلا گئی تھیں۔

''ممی......!'' اس نے احتجاج کیا۔ ''میں بہت تھک چکی ہوں اور مجھے بہت بھوک بھی لگ رہی ہے۔ چپ ہو کر بیٹھتی ہوں تو تھکن اور بھوک سے دماغ پھٹنے لگتا ہے۔'' اس کے لہجے میں بے چارگی تھی۔

''چلو بھوک تو سمجھ میں آتی ہے کہ سفر میں تم ٹھیک سے نہیں کھا پاتیں لیکن یہ کیا تھکن تھکن کی رٹ لگا رکھی ہے۔ جیسے آئی لینڈ سے جہاز میں بیٹھ کر نہیں بلکہ جہاز کو کندھوں پر بٹھا کر یہاں تک آئی ہو۔'' انہوں نے اچھے خاصے اس کے لتے لے ڈالے۔

''ممی!......'' وہ رو دینے کو تھی۔ ''میں نے کہا تھا بلکہ اب بھی کہہ رہی ہوں، صرف آج کا دن کسی ریسٹ ہاؤس میں بھی تو رہا جاسکتا ہے پھر توقیر انکل سے رابطہ کر کے......''

''جو سکون گھر میں ملتا ہے، کہیں نہیں ملتا۔'' ثمینہ نے بات ہی ختم کر دی۔

''بھیا! ذرا ٹیکسی روکیے۔'' ماوی نے حتمی انداز میں قدرے بلند آواز سے کہا۔ ٹیکسی رکنے سے قبل ہی ثمینہ اس کا ارادہ بھانپ چکی تھیں۔

''خبردار ماوی! کسی سے ایڈریس پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اب ہمیں یہیں رہنا ہے تو کسی کو ہمارے انجان ہونے کا پتا نہیں چلنا چاہیے۔ میں اسی شہر کی رہنے والی ہوں، ایڈریس ڈھونڈ لوں گی۔ تمہیں پاکستان کے حالات نہیں پتا، اکیلی عورتوں کے لیے بڑا مسئلہ ہو جاتا ہے۔''

''آپ چودہ سال پہلے اس شہر کی رہائشی بنی تھیں، وہ بھی محض چند مہینوں کے لیے...... چودہ سال میں بہت کچھ بدل جاتا ہے ممی!'' اس نے ٹیکسی کے قریب سے گزرتے لڑکے کو بلا کر ایڈریس پوچھا۔ لڑکا چند لمحے حیرانی سے اسے دیکھتا رہا پھر بولا۔

''یہ جس گیٹ کے سامنے آپ کھڑی ہیں، یہی تو ہے۔''

دونوں ماں بیٹی کی آنکھیں بے یقینی سے پھیل گئیں۔ نیم پلیٹ تو خیر تھی ہی نہیں۔ دیواروں اور گیٹ کا رنگ بھی مختلف۔

''آر یو شیور کہ یہی ستائیس نمبر ہے؟''

''یہ ستائیس ڈی ہے۔ یقیناً آپ کو ایڈریس سمجھنے میں غلطی ہوئی ہے۔ میں آپ کا سامان اتروادوں؟''

''جی نہیں شکریہ......'' ہادی نے رکھائی سے کہا اور دونوں ماں بیٹیاں اپنی اپنی طرف کے دروازے کھول کر باہر نکل آئیں۔

☆☆☆

صبح کا وقت تھا اور گورنمنٹ کالج کے سامنے صبح کے وقت کی مخصوص افراتفری۔ پک اَپ سے اترتی طالبات، اکا دکا رکشے، دو تین موٹر سائیکلیں۔

سفید براق یونیفارم، رنگ برنگے آنچل۔ زندگی سے بھرپور تر و تازہ چہرے، خوابوں سے سجی آنکھیں۔ کون سا رنگ ہے کائنات کا، جو یہاں دکھائی نہ دیتا ہو۔ کیا جانے جتنی رعنائی کالج گیٹ کے باہر دکھائی دیتی ہے اس سے کئی گنا زیادہ اندر ہوتی ہے۔

یہ اس رعنائی کی ہی تو کشش ہے جو کئی من چلوں کو گرلز کالج کے سامنے صبح سویرے آکر کھڑے ہونے پر مجبور کر دیتی ہے۔

لیکن کچھ لوگوں کو کبھی خوب صورتی متاثر نہیں کرتی۔ وہ کبھی کسی رعنائی میں دلچسپی نہیں لیتے۔

ان کا اپنا ہی مخصوص سا، بے لچک مزاج ہوتا ہے۔ ایسا لگتا ہے پیدا ہوئے تھے تو سینے میں پتھر فٹ کروا کے آئے تھے۔ کھل کر ہنستے تھے، عید کا چاند دیکھ کر......یعنی سال میں دو بار۔ مسکراتے البتہ مہینے کے مہینے ہیں۔

آنکھیں خوب صورت ہوں تو زندگی کی چمک سے عاری۔

پیشانی روشن ہو تو ہمہ وقت سلوٹیں ڈال کر اس روشنی کو ماند کیے رکھتے ہیں۔ ایسے لوگ جن کی قسمت میں ہوں عموماً وہ اپنی قسمت سے شکوہ کناں ہی نظر آتے ہیں۔

ہمیشہ نہیں......کبھی کبھار یعنی سال میں ایک یا دو بار۔

شبیہ العباس کو دیکھ کر اسے بھی اپنی قسمت سے ایسا ہی شکوہ محسوس ہونے لگتا تھا۔

اس روز جب کالج کے سامنے گاڑی رکی۔ فورتھ ایئر کی تین لڑکیاں لاپروائی سے آنچل سر پر رکھے زور زور سے ہنستی گیٹ سے اندر جا رہی تھیں۔

عباس نے ناپسندیدگی سے انہیں دیکھا۔

''قہقہے لگاتی ہوئی عورت کتنی بری لگتی ہے۔'' اس نے سوچا پھر ساتھ بیٹھی لڑکی کو دیکھا۔ تہذیب سے چادر اوڑھے فائل سینے سے لگائے بیگ کا فیتہ مٹھی میں دبوچے اپنی طرف کا دروازہ کھولنے کی کوشش کر رہی تھی۔

عباس نے آٹومیٹک طریقے سے دروازہ ان لاک کیا۔

''واپسی پر میں پک کرنے نہیں آؤں گا ڈرائیور آئے گا۔''

گاڑی زن سے اُس کے قریب سے نکل گئی۔ اس کا ملبوس بری طرح پھڑ پھڑایا پھر شانت ہو گیا۔ دل کی البتہ الگ کہانی ہے۔

وہ سست روی سے اندر آئی۔ نمرہ اور عبیر جانے کب سے اس کی منتظر تھیں، اِدھر اس نے گیٹ عبور کیا۔ اُدھر وہ اس پر چڑھ دوڑیں۔

''گھنی، میسنی، چالاکو ماسی......'' وہ جو اپنی ہی دھن میں تھی، بری طرح سٹپٹا گئی۔

''کیا مصیبت آ گئی؟''

''مصیبت تو اب تم پر آئے گی۔'' عمیر نے لڑاکا عورتوں کی طرح کمر پر ہاتھ لگائے۔ ''غضب خدا کا ہماری سہیلی، جسے ہماری بیسٹ فرینڈ ہونے کا بڑا اشد ید دعویٰ ہے۔ ہماری ناک کے عین نیچے ایک بے تحاشا ہینڈسم لڑکے کے ساتھ ہر روز آ رہی ہے اور جا رہی ہے۔ اور ہمیں خبر ہی نہیں۔''

''بے تحاشا ہینڈسم لڑکا...... بیسٹ فرینڈ۔'' تنوی نے ہر لفظ پر حیرانی سے زور دیا پھر بولی۔

''تم لوگ کس کی بات کر رہے ہو؟''

''ماشاءاللہ...... سبحان اللہ...... کیا لاعلمی ہے بلکہ کیا ادائے بے نیازی ہے۔'' عمیرہ نے جل کر کہا۔

''ہم آپ کی بات کر رہے ہیں محترمہ تنوی صاحبہ۔'' اب نمرہ بولی تھی۔

''وہ تو آج اتفاق سے ہم تمہارا انتظار کرنے یہاں گیٹ سے قریب کھڑے ہو گئے، تب اکنامکس والی زارا نے بتایا کہ تم پچھلے ایک ہفتہ سے اسی لڑکے کے ساتھ کالج آ رہی ہو جس کی گاڑی سے ہم نے تمہیں آج اترتے دیکھا ہے۔''

''اچھا۔ میں اب سمجھی۔'' تنوی نے اطمینان سے کہا۔

''لیکن میں اب تک نہیں سمجھی کہ تم نے اتنی بڑی بات ہم لوگوں سے کیوں چھپائی۔'' عمیر نے خفگی سے کہا۔

''جس وقت زارا ہمیں بتا رہی تھی، مجھے اتنا غصہ آ رہا تھا کہ کیا بتاؤں غضب خدا کا سہیلی تم ہماری ہو اور تمہارے افیئر کے بارے میں ہمیں زارا سے پتا چل رہا ہے۔''

''کیا بک رہی ہو۔'' تنوی کو پتنگے لگ گئے۔ دل چاہا، کھینچ کے ایک تھپڑ لگائے عمیر کو۔

''وہ شبیہ العباس بھائی تھے، میرے بڑے ماموں جان کے بیٹے ہیں...... ایک ہفتے سے وہ مستقل گھر پر ہیں تو آ جاتے ہیں مجھے ڈراپ کرنے۔'' اس نے تفصیل سے بتایا، مبادا اس کی ذہین وفطین سہیلیاں کچھ اور سوچنا شروع کر دیں۔

مگر عمیر کو یقین نہ آیا بازو باندھتے ہوئے بولی۔

''لیکن تم نے تو ہمیں کبھی نہیں بتایا کہ تمہارا کزن اتنا خوب صورت ہے؟'' انداز سوالیہ تھا۔

''لاحول ولاقوۃ...... کس قدر زنانہ لفظ ہے خوب صورت۔'' نمرہ نے جھرجھری لی۔

تنوی نے گھور کر اپنی دونوں سہیلیوں کو دیکھا پھر بولی۔

''میں نے تم لوگوں کو یہ بھی تو نہیں بتایا کہ میرا کوئی کزن بدصورت ہے۔'' اس کا انداز جھنجلایا ہوا تھا۔

عمیر نے ہاتھ پر ہاتھ مار کے زوردار قہقہہ لگایا۔

''تمہیں نہیں پتا یار کزن یا بھائی۔ اگر ہینڈسم ہو، برسرروزگار ہو اور شادی کی عمر کا ہو۔ تو کالج میں اس کے گریس مارکس ملتے ہیں۔ آپ کو صرف یہ کرنا ہوتا ہے کہ اپنے بھائی کی تصویریں صرف ایک بار لا کر کالج میں افواہ کی طرح پھیلا دینی ہوتی ہیں۔ اس کے بعد آدھے کالج کی لڑکیاں

شرطیہ آپ کے بھائی کے ساتھ ساتھ آپ کی بھی گرویدہ ہو جاتی ہیں۔ پھر آپ کو رضا کارانہ طور پر نوٹس ملنے لگتے ہیں اور آپ چاہے پورا سال کلاس بنک کرتی رہیں۔ آپ کی حاضری کبھی شارٹ نہیں ہوتی...... میں تو کہتی ہوں، تم بھی یہ گُر آزما کر دیکھ لو۔ اگلے سال کے تیار شدہ نوٹس بھی نہ مل گئے تو میرا نام بدل دینا۔" اس نے کھنکھتے ہوئے لہجے میں آنکھ کا کونا دبا کر کہا تھا۔

"مجھے ایسی اوچھی حرکتیں کرنے کا کوئی شوق نہیں۔" اس نے رکھائی سے کہا اور قدم آگے بڑھایا، مگر نمرہ نے سرعت سے اس کو پکڑ کر کھینچا۔

"سنو نا! میں کیا کہہ رہی تھی کہ......" اس کا لہجہ بڑا خواب ناک سا تھا۔

"وہ شہزادہ تمہارا بھائی ہے اور میں تمہاری سہیلی، جب بھی اس کی شادی کا خیال آئے تو میرا نام ضرور ذہن میں رکھنا۔" اس نے شرمانے کی حد کر دی تھی۔

عمیر نے قہقہہ لگایا اپنے مخصوص انداز میں، ہاتھ پر تالی بجا کے۔

"لو جی، ایک نمونہ تو فوراً تیار ہے۔"

تنوی کا جھنجلاہٹ کے مارے برا حال تھا۔

"تم لوگ بالکل پاگل ہو، شبیہ بھائی میرے...... میرا مطلب ہے، وہ صرف میرے بھائی نہیں ہیں۔" اس نے تیزی سے کہا۔

"کیا مطلب؟" نمرہ نے حیرانی سے پوچھا۔ "پوری کالونی کی لڑکیوں کے بھائی ہیں؟"

"اوہو......" تنوی کی جھنجلاہٹ میں اضافہ ہوا۔

"اللہ نے دنیا بھر کی ناسمجھ اور مسخری سہیلیاں مجھے ہی کیوں دی ہیں۔" اس نے بے چارگی سے کہا۔

"شبیہ بھائی میرے منگیتر ہیں۔" اس نے نظریں جھکا کر بے زاری سے کہا، ان دونوں کے لبوں سے چیخ نکل گئی۔ قریب سے گزرتی لڑکیاں حیران ہو کر انہیں دیکھنے لگیں۔

"تم ایک عدد منگیتر کی مالک ہو اور تم نے ہمیں بتایا بھی نہیں۔" عمیر نے صدمے سے کہا۔

"آہستہ بولو خدارا...... ! کیا پورے کالج میں اعلان کروانا ہے۔"

"تنوی!" نمرہ کی تو آنکھوں میں آنسو بھی آ گئے۔

"تمہیں میرے حق پہ ڈاکہ ڈالتے ذرا شرم نہیں آئی۔" تنوی نے جھنجلا کر اسے دھپ رسید کی۔

"میں تمہارے حق پر ڈاکہ کیوں ڈالوں گی، میری منگنی تو بچپن میں ہی ہو گئی تھی۔"

"کس کے بچپن میں؟ تمہارے بچپن میں یا ان کے بچپن میں؟"

"خیر، یہ تو مذاق کی بات ہے، اب تم ہمیں بتاؤ، اتنی اہم بات ہم سے چھپا کر کیوں رکھی۔" عمیر نے سنجیدگی سے پوچھا۔

نمرہ بھی سر ہلانے لگی۔ "جبکہ ہمیں اپنی فرینڈز بھی کہتی ہو۔"

''یار! یہ اتنی اہم بات نہیں تھی کہ میں بتاتی۔'' اس نے سادگی سے کہا۔

''اچھا اب بنو مت۔'' نمرہ نے ٹوک دیا۔ ''منگنی ہونا کوئی ایسی معمولی بات بھی نہیں ہے۔ دیکھا نہیں سینئرز میں سے کسی کی منگنی ہو جائے تو وہ کیسے مٹھائی بانٹ رہی ہوتی ہیں۔''

''لیکن کوئی اہم بات بھی نہیں ہے۔'' وہ سابقہ انداز میں بولی۔ ''پھر یہ تو اتنی پرانی بات ہے کہ مجھے بتانے کا خیال ہی نہیں آیا، ابھی بھی اگر تم لوگ انفیئر والی بات نہ کرتیں تو میں کبھی نہ بتاتی۔''

''عروش کو پتا ہے؟'' عبیر نے آنکھیں مٹکائیں۔ تنوی نے گہری سانس بھر کر اسے دیکھا، وہ جتنا زیادہ عروش کے ذکر سے گریز کرتی تھی، اس کی سہیلیاں اتنا ہی اس کا ذکر کرتی تھیں، محض اسے تنگ کرنے کے لیے۔

''اسے کیسے پتا ہوگا، جبکہ تم لوگ بھی نہیں جانتیں۔'' اس نے تحمل سے کہا۔

''خدارا! اب عروش کو تو کیا کسی کو بھی مت بتانا۔''

''ہم کیوں بتائیں گے، اس بے چاری کو پتا چلا، تم منگنی شدہ ہو تو ایک بار تو ضرور ہی صدمے سے غش کھا کے گر پڑے گی، آج تو بالکل نہیں بتانا۔'' عبیر اور نمرہ نے آپس میں طے کیا۔

''صرف آج نہیں، کبھی بھی نہیں بتانا۔'' اس نے زور دے کر کہا۔

''لیکن آج تو خصوصیت سے نہیں بتانا۔ اس کی سالگرہ ہے، اتنا تیار ہو کر آئی ہے کہ لڑکی کم مسخری زیادہ لگ رہی ہے۔ کالج کی آدھی لڑکیاں اسے وش کرنے کے لیے گلاب کے پھول لے کر آئی ہیں، جبکہ وہ خود صبح سے تمہاری منتظر ہے۔ میں نے خود اسے ایک بڑا سا کیک ہاسٹل کی مدثرہ کے پاس رکھواتے دیکھا تھا۔'' نمرہ نے صاف مذاق اڑانے والے انداز میں کہا۔

''نمرہ! میں نے کتنی بار کہا ہے ایسی باتیں مت کیا کرو...... مجھے بالکل اچھا نہیں لگتا۔''

''تو پھر تم ہمیں بتا دو، تمہیں کیسی باتیں پسند ہیں، ہم وہی کر لیا کریں گے۔''

''چلو...... کلاس روم میں چلیں۔''

''پہلے وعدہ کرو ہمیں اپنے اور اپنی منگیتر کی ساری باتیں بتاؤ گی۔''

''مثلاً کون سی باتیں؟''

''ارے میڈم فرح کلاس روم کی طرف جا رہی ہیں، میں جا کر سیٹیں رکھتی ہوں، تم جلدی سے آ جاؤ...... مگر نیکسٹ پیریڈ میں سب بتانا پڑیگا۔''

''ویسے ایک بات ہے تنوی! تم دونوں ساتھ ساتھ بہت اچھے لگ رہے تھے۔ تمہارا منگیتر سچ بہت پیارا ہے۔'' عبیر اور نمرہ تیز تیز قدم اٹھاتی کلاس روم کی طرف چلتی گئیں۔

''پیارے تو خیر پہاڑ بھی ہوتے ہیں، مگر ان کے ساتھ زندگی تو نہیں گزاری جا سکتی نا!''

بوجھل دل کے ساتھ اس نے قدم کلاس روم کے بجائے اسپورٹس گراؤنڈ کی طرف موڑ لیے تھے۔

☆☆☆

''بھئی، میری ایک بات سن لیں، سب لوگ۔'' مسز آفتاب نے چائے کے مگ پر چمچہ بجا کر پہلے سب کو اپنی طرف متوجہ کیا، پھر مگ کو سر سے تھوڑا سا اوپر اٹھا کر اعلان کرنے والے انداز میں کہا تھا۔

''آپ تو پہلے ہی اتنا بولتی ہیں مسز آفتاب! کہ کسی اور کی بات سننے کی نوبت ہی نہیں آتی، اس پر سے ایسا اصرار...... چہ خوب؟'' بیگم نواز کی بات پر ایک زبردست قہقہہ لگا تھا اور ہنسنے والوں میں سب سے بلند مسز آفتاب کی اپنی آواز تھی۔

''لیکن جو بات میں اب کرنے جا رہی ہوں، وہ بہت اہم ہے، دل خوش ہو جائے گا سن کر۔''

''اچھا تو پھر کہہ ڈالیے۔'' سب ہی ہمہ تن گوش ہو گئیں۔

''بات یہ ہے کہ...... اگلی بار جب بھی سوسائٹی کی میٹنگ رکھی جائے گی، سارا انتظام مسز دانیال کے یہاں ہوگا۔'' ان کا انداز بڑا حتمی سا تھا۔ حیران تو سب ہی ہوئیں، خود ثروت بھی چونک کر انہیں دیکھنے لگیں۔

''کیوں بھئی...... ابھی پچھلے مہینے ہی تو ثروت نے اپنے یہاں انتظام کیا تھا۔'' باجی نصرت نے سب سے پہلے سوال اٹھایا۔

''اگلی میٹنگ بھی اگر نور بانو کے گھر رکھی گئی تو میری طرف سے معذرت۔ میں اپنے معدے پر اتنا ظلم نہیں کر سکتی...... ثروت کے گھر جائیں گے تو یہ تو پتا ہوگا کہ چائے اچھی پینے کو ملے گی۔''

مسز آفتاب نے ہاتھ میں پکڑے مگ کو دیکھتے ہوئے اتنی بے چارگی سے کہا تھا کہ دبی دبی سی ہنسی سارے میں بکھر گئی۔

''یہ تو بالکل ٹھیک بات کہی ہے۔ چائے تو خیر نور بانو نے بھی بری نہیں بنائی، مگر جو ذائقہ ثروت کے ہاتھ میں ہے، وہ اس بلاک کی کسی اور عورت کے ہاتھ میں نہیں۔'' باجی نصرت نے پوری سچائی سے کہا تھا۔ بیگم نواز زور، زور سے اثبات میں سر ہلانے لگیں۔

''ابھی پچھلے ہفتے کی بات ہے، عشاء کے بعد مسجد سے واپسی پر نواز کو دانیال بھائی اپنی طرف لے گئے، واپس آ کر نواز مجھ سے کہنے لگے، کسی روز جا کر ثروت بھابھی سے چائے بنوا کر پی آؤ۔ اپنے بنائے ہوئے جوشاندے اور چائے کا فرق سمجھ میں آ جائے گا۔'' اس بات پر ایک اور قہقہہ بلند ہوا۔

''تو بس پھر فائنل ہوا، اگلے مہینے کی اسی تاریخ کو ثروت کے گھر میٹنگ ہوگی۔'' مسز آفتاب نے کہا، ساتھ ہی بولیں۔

''تم بھی تو کچھ کہو ثروت! تاکہ ہمیں یہ سوچ کر شرمندگی نہ ہو کہ ہم نے خود کو تمہارے گھر سیلف انوائیٹ کیا ہے۔'' ان کا انداز بڑا دلچسپ تھا۔ ثروت اپنے مخصوص انداز میں مسکراتی رہیں۔

''اس میں شرمندگی والی تو کوئی بات ہی نہیں ہے، اگلی میٹنگ میرے ہی گھر ہوگی، بلکہ آپ لوگوں کا جب بھی دل چاہے، آپ لوگ بلاتکلف میرے گھر آ سکتی ہیں۔'' انہوں نے خوش دلی سے کہا تھا۔

"بھئی صرف چائے ہی کیوں...... ثروت تو کھانا بھی بہت لذیذ بناتی ہیں۔" شہلا بھی بولیں۔

"لو بھئی...... انہوں نے تو اب لنچ یا ڈنر کا بندوبست شروع کر دیا۔" باجی نصرت نے جملہ اچک لیا۔ سارے میں زندگی سے بھرپور ہنسی بکھر گئی۔

"کیوں نہیں...... آپ لوگ میری طرف لنچ کریں، مجھے بہت خوشی ہوگی۔" گالوں پر پڑے ڈمپل اور بے تحاشا چمک دار آنکھیں، اس وقت وہ اتنی دلکش لگیں کہ نصرت باجی دیکھتی ہی رہ گئیں۔

"ایک بات سچ سچ بتانا ثروت......! دانیال بھائی تمہاری اسی مسکراہٹ پر فدا ہوئے تھے یا نہیں۔" دانیال ان کے سگے خالہ زاد تھے اور یہ بات اس ٹولی کے ہر ممبر کو معلوم تھی۔

"صرف مسکراہٹ کیوں۔ دانیال بھائی پوری کی پوری ثروت پر فدا ہوئے ہوں گے۔" مسز آفتاب نے کہا۔

"میں نے اس کی شادی کے ابتدائی دنوں کی تصویریں دیکھی ہیں۔ یقین مانیے شادی کے اتنے سال بعد بھی اسے کچھ خاص فرق نہیں پڑا، ویسی کی ویسی ہے۔" انہوں نے رشک سے ثروت کو دیکھا۔

"اب اتنی بھی غلط بیانی نہ کریں مسز آفتاب!" ثروت نے بُری طرح جھینپتے ہوئے کہا۔ "اچھی خاصی موٹی ہو چکی ہوں میں، بلکہ دانیال نے تو شادی کے شروع میں ہی کہنا شروع کر دیا تھا کہ زیادہ سے زیادہ واک کیا کرو۔ مگر اتنے سالوں کی واک کا نتیجہ بھی آپ کے سامنے ہے۔"

"اچھا حیرانی ہے، دانیال بھائی ایسا کہتے رہے ہیں۔" بیگم نواز نے کہا۔ "دراصل مرد بہت ناشکرے ہوتے ہیں۔ چاہتے ہیں، اپنے اندر کوئی خصوصیت ہو یا نہیں، بیوی ہر لحاظ سے پرفیکٹ نظر آئے۔"

"نہیں بھئی...... دانیال تو بہت صابر انسان ہیں۔ شروع میں مجھے واک کے لیے کہتے تھے۔ اب کہتے ہیں، کیا ضرورت ہے خود کو تھکانے کی۔ تم ایسے ہی اچھی لگتی ہو۔" ثروت نے جلدی سے کہا۔

واقعی ایسا کہتے ہیں؟ بڑی اچھی بات ہے۔ ماشاءاللہ، تم لوگوں کا کپل یوں بھی پرفیکٹ لگتا ہے۔" باجی نصرت نے صدقِ دل سے تعریف کی تھی۔ سب ہی ہاں میں ہاں ملانے لگیں۔

"فاطمہ! آپ اپنے بیٹے کے لیے لڑکی ڈھونڈ رہی تھیں۔ کہاں تک پہنچی یہ مہم؟" ثروت نے موضوع بدل دیا۔ فائزہ کو اپنا دکھ سنانے کا موقع مل گیا۔

"وہیں کی وہیں ہے۔ لوگ کہتے ہیں اچھے لڑکے نہیں ملتے، ہمیں اچھی لڑکی کی تلاش میں جوتیاں گھسانا پڑ رہی ہیں۔"

"ارے مجھے یاد آیا۔" نور بانو کچن سے نکلی تھیں۔

"مسز دانیال......! جس وقت میں مارکیٹ سے آ رہی تھی آپ کے گھر کے باہر ٹیکسی رکی دیکھی تھی میں نے۔ شاید کوئی مہمان ہیں، بڑی پیاری سی لڑکی تھی۔ میں بتانا ہی بھول گئی۔"

"مہمان تو نہیں کرائے داروں نے آنا تھا آج...... ممکن ہے وہی ہوں، اچھا میں چلتی ہوں، شازیہ کو کہہ کر بھی آئی تھی، اگر کرائے دار پہنچ

جائیں تو فون کر دے۔" ثروت کھڑے ہوتے ہوئے بولیں۔

"ارے ثروت! تم اپنا بنگلہ کرائے پر چڑھا رہی ہو؟"

"پورا بنگلہ نہیں نصرت باجی! صرف انیکسی۔"

"اللہ خیر۔ آپ کو کیا ضرورت پڑ گئی کرائے وصول کرنے کی۔ دانیال بھائی کی ملازمت تو ٹھیک جا رہی ہے نا!"

نور بانو نے فکر مندی ظاہر کرتے ہوئے پوچھا۔ سب ایک دوسرے کی شکل دیکھتی رہ گئیں۔ ہر گروپ، ہر کمپنی میں ایک نہ ایک ممبر ایسا ضرور ہوتا ہے جس کی بات طنز کے بغیر مکمل نہیں ہوتی۔

"جی ہاں...... اللہ کا کرم ہے، دانیال کو تو خود بھی کرائے دار رکھنے کا شوق نہیں، لیکن ان کے بڑے قریبی دوست ہیں توقیر صاحب ان ہی کے ریفرنس سے کوئی فیملی آ رہی ہے ہماری انیکسی میں۔ آئرلینڈ سے آ رہے ہیں یہ لوگ۔ چند مہینوں کے لیے گھر چاہیے تھا۔ بلکہ شاید صرف خواتین ہی ہیں تو توقیر بھائی کہہ رہے تھے، کوئی قابلِ اعتماد لوگ ہونا چاہئیں۔ دانیال تو کرایہ لینے پر راضی ہی نہیں تھے، مگر وہ لوگ راضی نہیں ہوئے، ناچار ہمیں ہی ماننا پڑا۔"

ثروت نے محض نور بانو کی تشفی کے لیے اتنی لمبی بات کی، جتنی لمبی بات کی انہیں عادت نہیں تھی۔ مگر نور بانو بھی اپنی عادت سے مجبور تھیں۔

"ہم سب جانتے ہیں۔" والے انداز میں آنکھیں مٹکانا نہ بھولیں۔

"اچھا میں چلوں۔" ثروت نے دل ہی دل میں جھنجلاتے ہوئے کہا۔

"کیا بھئی ثروت! اتنے دن کے بعد تو ملاقات ہو رہی ہے اور تم اس قدر جلدی جا رہی ہو...... ابھی تو کتنی ساری باتیں کرنا تھیں۔" مسز آفتاب نے کہا۔

"پھر کبھی مسز آفتاب! ابھی میرا جانا ضروری ہے۔ ولی اور ولید تو ابھی گھر آئے نہیں ہوں گے اور اینا بھی آج اپنے پریکٹیکل کی وجہ سے لیٹ آنے کا کہہ رہی تھی۔"

"اچھا ثروت! نور بانو کہہ رہی ہیں، تمہاری کرائے دار بڑی پیاری لڑکی ہے۔ ذرا دیکھ بھال لینا۔ یاد ہے نا، میں اپنے بیٹے کے لیے لڑکی ڈھونڈ رہی ہوں۔"

ایک زبردست قہقہہ اس بات پر بلند ہوا تھا۔ ثروت بھی مسکراتے ہوئے باہر کی طرف چل دیں۔

☆☆☆

جس وقت یہ وہاں پہنچے اینا کو کالج سے واپس آئے چند منٹ ہی گزرے تھے۔

"اینا بیٹے! میں کسی ایمرجنسی کی وجہ سے نہیں پہنچ سکا، ثمینہ آپا سے ابھی میری بات ہوئی ہے۔ وہ گیٹ کے باہر کھڑی ہوئی ہیں۔ آپ انہیں انیکسی دکھا دیں۔"

تو قیر انکل نے فون پر کہا تھا، اینیا نے فون بند کیا، کتابیں ایک طرف رکھیں، شوز اتار کر سلیپر پہنے اور باہر آ گئی۔

شازیہ ڈرائیو وے پر تیز تیز قدم اٹھاتی اسی طرف آ رہی تھی۔

''باجی! باہر دو عورتیں......''

''تم جا کر کھانا گرم کرو، میں دیکھتی ہوں۔''

گیٹ کے باہر وہ دونوں متضاد تاثرات کے ساتھ کھڑی تھیں۔

ثمینہ منتظر، ماوی بے زار۔

اس سے پہلے کہ ثمینہ کچھ کہتیں اینیا نے کہا۔

''میری ابھی توقیر انکل سے بات ہوئی ہے۔ مجھے پتا ہے آپ ثمینہ آنٹی ہیں اور یہ......'' اس نے سوالیہ نظروں سے ماوی کی طرف دیکھا۔

''یہ ماوی ہے میری بیٹی!''

''اوہ...... پریٹی نیم...... آئی ایم اینیا...... یہ ہمارا گھر ہے۔'' اس نے مسکرا کر کہا تھا۔

''ہوں...... مالک مکان...... نائس ٹو میٹ یو۔'' ماوی نے خوش دلی سے ہاتھ بڑھایا، جسے اینیا نے مسکرا کر تھام لیا۔

''مالک مکان نہیں...... مالک مکان کی بیٹی...... آیئے آنٹی! میں آپ لوگوں کو آپ کا پورشن دکھا دیتی ہوں۔''

اینیا نے چابی لگا کر انیکسی کا دروازہ کھولا، پھر ایک طرف ہو کر ان دونوں کو اندر آنے کا راستہ دیا۔

''سامان یہیں چھوڑ دیں، میں ملازم سے کہہ کر اندر رکھوا دیتی ہوں۔'' ماوی کو سوٹ کیس اٹھاتا دیکھ کر اس نے کہا تھا۔

دروازے سے اندر داخل ہوتے ہی پہلی نظر پلازمہ ٹی وی پر پڑی، جس کی اسکرین اتنی چمک دار تھی کہ گمان گزرا ابھی ابھی پیکنگ کھولی گئی ہے۔ نرم نرم سا سبز اور گولڈن رنگ کا سینٹرل کارپٹ، دیواریں چمک دار، فرش صاف ستھرا...... پہلی ہی نظر میں ثمینہ کا دل خوش ہو گیا۔

''آیئے آنٹی! میں آپ کو باقی روم بھی دکھاتی ہوں۔'' ان کی دلچسپی بھانپ کر اینیا نے جلدی سے کہا۔ اس وقت ثروت یہاں موجود ہوتیں تو اس کا اس قدر ذمہ دارانہ رویہ دیکھ کر ضرور ہی غش کھا جاتیں۔

''یہ دو بیڈ رومز ہیں، دو اٹیچ باتھ...... یہ لاؤنج...... اس طرف کچن ہے، اور کچن کے ساتھ ہی چھوٹا سا گارڈن بھی ہے جو سینٹرل لان سے اٹیچ ہے۔ ممی نے صبح ہی یہاں کی صفائی کروائی ہے، ہوپ یو لائیک اٹ۔'' اس نے مسکرا کر پوچھا تھا۔

''گھر تو خیر بہت اچھا ہے، ہمیں دو، چار مہینے ہی یہاں رہنا ہے، اتنے عرصے کے لیے ایک سجا سجایا پورشن مل رہا ہے تو کیا بُرا ہے۔'' گھوم پھر کر دیکھ لینے کے بعد ماوی نے کہا۔

''ویسے میں یہ تو جانتی تھی پاکستان میں گھر بہت بڑے اور ویل ڈیکوریٹڈ ہوتے ہیں، مگر یہ نہیں پتا تھا کہ پاکستان کے لوگ اتنے خوب صورت ہوتے ہیں۔'' اس نے اینیا کو دیکھتے ہوئے پوری صداقت سے کہا۔

اینا ہنس دی۔

"پتا تو خیر مجھے بھی نہیں تھا کہ آئرلینڈ سے آئے ہوئے لوگ اتنے گڈ لکنگ اور گریس فل ہوتے ہیں۔" اس کا انداز شریر سا تھا، ماوی سنجیدگی سے بولی۔

"نہیں خیر، سب تو نہیں ہوتے...... کچھ کچھ ہوتے ہیں...... جیسے کہ میں۔" پھر وہ خود ہی ہنسنے لگی۔

"بہرحال اس جوابی تعریف کا شکریہ...... میں تمہیں دیکھتے ہی سمجھ گئی تھی کہ ہمارے درمیان بڑی اچھی دوستی ہو سکتی ہے، بشرطیکہ تم مجھے آپا، باجی بنانے کی غلطی نہ کرو۔" اینا ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہوگئی۔

"وائے ناٹ...... لیکن میں آپ کو آپا کیوں بناؤں گی، آپ تو اتنی چھوٹی سی لگتی ہیں۔"

"اب اس بہانے میری عمر نہ پوچھنا۔" اس نے شرارت سے کہا۔

"ٹھیک ہے، نہیں پوچھوں گی۔" پھر اسے کچھ یاد آیا تو کہنے لگی۔

"آپ لوگ فریش ہولیں، میں کھانا بھجواتی ہوں۔" ثمینہ منع کرنے کے لیے پر تول ہی رہی تھیں کہ ماوی بول پڑی۔

"صرف کھانا مت بھجوانا، کافی بھی بھجوا دینا۔"

"ماوی!" ثمینہ نے اسے بری طرح گھورا۔

"اچھا بابا! صرف کھانا ہی بھجوادو۔"

"ماوی......!" ثمینہ کا دل چاہا اپنا سر ہی پیٹ لیں۔ اینا نے ہنستے ہوئے ماں، بیٹی کو دیکھا، پھر بولی۔

"میں دونوں چیزیں بھجوا رہی ہوں۔"

پھر اس نے واپس جا کر شازیہ کے ہاتھ کھانا اور کافی بھجوائی، ساتھ ہی یہ بھی کہلوا دیا۔ کسی اور چیز کی ضرورت ہو تو بتا دیں۔

جس وقت شازیہ برتن لے کر واپس آئی۔ ثروت اسی وقت گھر میں داخل ہوئی تھیں، کرائے داروں سے ملنے کا ارادہ، پھر کسی وقت کے لیے ٹال کر وہ اپنے پورشن کی طرف بڑھ گئیں۔

☆☆☆

"دین محمد! او بھائی دین محمد!"

دین محمد نے ہاتھ روک کر دیکھا۔ چلچلاتی دھوپ میں کھیتوں کے بیچ و بیچ بچھی پگڈنڈی پر اس کا پڑوسی حنیف دوڑا چلا آ رہا تھا اور اس کی آواز اتنی بلند تھی کہ چار کوس دور تک سنائی دیتی ہوگی۔

"کیا ہوا بھائی حنیف!" اس نے کھڑے ہوتے ہوئے پیشانی کا پسینہ پونچھا۔ حنیف پیٹ پہ ہاتھ رکھے کسی قدر آگے کو جھکا بری طرح ہانپ رہا تھا۔

''جلدی چلو دین محمد......!'' اس نے بس اتنا کہا تھا۔ دین محمد کی چھٹی حس نے اسے خبردار کیا تھا، اس کا دل سوکھے پتے کی طرح کانپنے لگا۔

''ہوا کیا ہے حنیف؟'' اس نے سراسیمگی سے پوچھا۔

''مجھے فی الحال صرف اتنا پتا ہے کہ تمہاری بیوی کی حالت بہت خراب ہے۔ تھوڑی دیر پہلے میری بیوی نے دائی کو بلوایا ہے۔''

دین محمد کے ہاتھ سے درانتی چھوٹ کر نیچے گری۔ اس نے اسی پگڈنڈی پر دوڑنا شروع کر دیا جس پر سے ابھی حنیف آیا تھا۔ شاید اتنی پھرتی سے وہ اپنی زندگی میں پہلی بار دوڑا تھا، اس کا دل مستقل لرز رہا تھا۔

اپنے گھر میں داخل ہوتے ہی اسے اپنی ماں دکھائی دی، جس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا اور آنکھوں میں آنسو تھے۔

دین محمد کے پیروں نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا۔

اپنی ماں کا بوڑھا چہرہ دیکھ کر اسے اپنے بدترین خدشے کے یقین میں ڈھل جانے کی خبر ملی تھی۔

اس سے قبل کہ وہ صدمے سے بے حال ہو تا زمین پر گرتا اس کی ماں لپک کر اس کے قریب آ گئی۔

''مبارک ہو دین محمد! اللہ نے تیری سن لی، بیٹی ہوئی ہے اور بالکل تندرست۔''

دین محمد دنگ رہ گیا۔

اس کی ماں کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو تھے۔

معاً دین محمد کے سن ہوتے وجود میں بجلی سی دوڑ گئی، وہ گھٹنوں کے بل زمین پر گرا اور سجدے میں گر کر رونے لگا۔

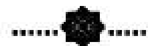
وہ بڑی دیر تک تشکر کے احساس سے روتا رہا، پھر اس نے اپنی ماں سے پوچھا۔

''زہرہ کیسی ہے؟'' اس کی ماں نے تسلی بخش انداز میں سر ہلایا تو وہ بولا۔

''میں شکرانے کے نفل پڑھنے کے لیے مسجد جانے سے پہلے اپنی بیٹی کو دیکھنا چاہتا ہوں۔''

اس کی ماں سر ہلا کر اندر کمرے میں چلی گئی، چند منٹ بعد جب وہ باہر نکلی تو بچی اس کی گود میں تھی اور خوب صورت سی چادر میں لپٹی ہوئی تھی۔ دین محمد نے لپک کر لیکن احتیاط اور محبت سے اسے اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ ننھا سا وجود آنکھیں میچے کسمسا رہا تھا۔ دین محمد کی آنکھوں میں پھر سے پانی بھرنے لگا۔ اس کا دل خوشی کے عظیم جذبے سے سرشار ہو رہا تھا۔

اس نے بچی کو احتیاط سے سینے سے لگا لیا، پھر نم آنکھوں، مگر مسکراتے لبوں کے ساتھ جھک کر اس کی نرم و نازک پیشانی کو چوم لیا۔ ''میری بچی......! میرے جگر کا ٹکڑا...... میری جنت۔'' بچی کسمسائی اس کے منہ سے ہونٹ مسکرا رہے تھے۔



صبح سویرے کا ہنگامہ عروج پر تھا۔

(یہ الگ بات ہے کہ گھڑی کی سوئیاں ساڑھے گیارہ کا وقت بتا رہی تھیں) صرف سینٹرل لاؤنج پر ہی کیا موقوف پورا فلیٹ بھانت بھانت

کی بولیوں سے گونج رہا تھا۔

سب سے بلند آواز پلازمہ ٹی وی پر نشر ہونے والے ڈرامہ کی تھی، جس کے بالکل سامنے وحید تجسس اور بے حد دلچسپی کے تاثرات چہرے پر سجائے نگاہیں اسکرین پر گاڑے بیٹھا تھا۔ وہاں موجود تمام لڑکوں میں واحد وہ تھا جو خاموش بیٹھا تھا۔

دوسرے کونے میں سعد نے میوزک سسٹم لگا رکھا تھا جس میں سمجھ میں نہ آنے والی موسیقی گونج رہی تھی۔ اور سعد جوتے پالش کرتے ہوئے بری طرح اس سمجھ میں نہ آنے والی موسیقی پر سر دھن رہا تھا اس کا سر اور جوتے کی سطح پر برش رگڑتا ہاتھ یکساں رفتار سے حرکت کر رہے تھے۔

تیسری طرف ارسل، جنید کو لطیفے سنا رہا تھا اور وہ دونوں اونچے اونچے قہقہے لگا رہے تھے۔

سب سے دلچسپ چوتھا کونہ تھا، جہاں نعمان کشنز سے ٹیک لگائے سیل فون کان سے چپکائے عشق بگھارنے میں مصروف تھا۔ یہ سمجھنا ناممکن تھا کہ اتنے شور میں وہ دوسری طرف کی بات کیسے سمجھ پا رہا ہے۔

اور اس سب کے پس منظر میں واثق کی آواز تھی جو مسلسل واش روم سے نشر ہو رہی تھی اور جو سب کی سماعت تک تو پہنچ رہی تھی مگر چونکہ سب کے سب بے حد مصروف تھے اس لیے کوئی بھی اس کی طرف متوجہ ہونے پر راضی نہیں تھا۔

جس وقت وہ کال اٹینڈ کرنے کے بعد موبائل فون مٹھی میں دبائے، سیل پر ملنے والی خبر کے زیر اثر حواس باختہ سا کمرے میں داخل ہوا۔ پورا کمرہ میدان کارزار کا منظر پیش کر رہا تھا۔

میلے کپڑوں کا ڈھیر۔

گندے جھوٹے برتن۔

الٹے سیدھے جاگرز۔

بکھری ہوئی کتابیں، اور الٹے سیدھے نوٹس۔

اور اس سب پر مستزاد ہر کونے میں لڑھکے ہوئے اس کے دوست۔ وہ بے چارہ پہلے ہی بوکھلایا ہوا تھا یہ حالت دیکھ کر رہے سہے حواس بھی ساتھ چھوڑنے لگے۔

اس کے دوستوں نے اس بار بھی اپنے وعدے پورے نہیں کیے تھے اور وہ جانتا تھا وہ خود پورا دن لگا کر بھی یہاں صاف ستھری صفائی نہیں کر پائے گا کجا کہ اسے ایک گھنٹے میں اسے اپنی اصل حالت میں لاتا۔ اسے پتا تھا اس کے دوست اتنی جلدی بوریا بستر سمیٹ کر یہاں سے جانے پر راضی نہیں ہوں گے۔ راضی ہو بھی جاتے تو صفائی میں اس کا ہاتھ بٹانے پر کبھی راضی نہ ہوتے۔ وہ چاہتا بھی نہیں تھا کہ یہ لوگ اس کی مدد کریں بس وہ یہاں سے فی الحال چلے جائیں یہی کافی تھا مگر......

''او میرا شہزادہ آ گیا......'' ابھی وہ کشمکش و پیچ میں مبتلا تھا کہ کس طرح ان سب کو وہاں سے جانے کے لیے کہے تب ہی ارسل نے اسے دیکھ کر نعرہ بلند کیا پھر بولا۔

''جے ڈی! دروازے میں کیوں کھڑا ہے یار اپنا ہی گھر سمجھ......اندر آ جا''

وہ یوں کہہ رہا تھا جیسے خود میزبان اور جے ڈی مہمان ہو۔

اس نے ابھی پہلا قدم اٹھایا ہی تھا کہ جنید نے اس کے ہاتھوں کی طرف دیکھا پھر صدمے کی کیفیت میں بولا۔

''ناشتہ کدھر ہے؟ تم تو ناشتہ لینے بازار گئے تھے ناں؟''

''میں ناشتہ لینے نہیں' کال اٹینڈ کرنے لابی میں گیا تھا۔''

''نہیں......'' جنید نے دونوں کانوں پر ہاتھ رکھ کر ایک دل خراش چیخ ماری کہ کیا کسی فلمی ہیروئن نے ماری ہو گی۔

''پچھلے آدھے گھنٹے سے میں اسی ناشتے کی آس پر زندہ تھا ورنہ میں نے تو آدھ گھنٹہ پہلے ہی بھوک کی شدت سے فوت ہو جانا تھا۔''

''جنید! تو ایک کام کر......'' سعد نے اپنی مصروفیت سے ذرا سا ٹائم نکالا۔''میری مان پہلی فرصت میں فوت ہو جا۔ ویسے بھی تیرے جیسے بندے نے زندہ رہ کر کرنا بھی کیا ہے۔ رنگ تیرا کالا ہے' قد تیرا چھوٹا ہے۔ آنکھیں بڑے غور وخوض کے بعد بھی سمجھ میں نہیں آتیں کہ بند ہیں یا کھلی......بال جتنی تیزی سے تجھے داغ مفارقت دے رہے ہیں امید واثق ہے عنقریب اس میدان میں بچے گلی ڈنڈا کھیلا کریں گے......کھاتا تو اتنا ہے کہ چار بندے بھی نہ کھاتے ہوں۔ مجھے ایک بات بتاؤ......تمہیں خود اپنا بھی کوئی فائدہ ہے......نہیں ناں......میری مان یار! تو عزت کے ساتھ فوت ہی ہو جا......''

''بات دراصل یہ ہے۔'' جنید نے آنکھیں نکال کر اسے گھورا۔

''کہ تم سب میری پرسنالٹی سے جلتے ہو......حسد کر کر کے اپنے رنگ کالے سیاہ کر لیے ہیں۔ بال اڑا لیے ہیں تم لوگوں سے میری شاندار شخصیت برداشت نہیں ہوتی، اس لیے الٹی سیدھی باتیں کر کر کے میرا دل خراب کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہو......ہونہہ تم جیسے نانجاروں کو کیا پتا کتنی لڑکیاں میری پرسنالٹی پر مرتی ہیں۔ کتنی ہیں جو مجھے رات کو خواب میں دیکھ کر خوش ہوتی ہیں۔''

اس نے نخوت سے ناک چڑھا کر کہا تھا۔

''خوش ہوتی ہیں......تعجب ہے، ان بے چاریوں کو تو خوف سے ابدی نیند سو جانا چاہیے۔'' ارسل نے بے ساختہ کہا تو سعد قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔

اس سے پہلے کہ جنید کچھ کہتا جے ڈی نے جھنجلا کر کہا۔

''میں بھی کچھ کہہ رہا ہوں، کوئی میری بھی سنو اپنی بک بک لگا رکھی ہے۔''

''اچھا ہم بک بک بند کر دیتے ہیں تم شروع کرو۔'' جنید کی بات پر ایک بار پھر ہنس ہنس کر تعریف کے ڈونگرے برسائے گئے تھے۔

''تم لوگوں نے یہاں کی حالت دیکھی ہے۔ ہر طرف کچرا ہر طرف بکھرا ہوا۔ حالانکہ تم لوگوں نے وعدہ کیا تھا اس بار ایسا کچھ نہیں کرو گے۔''

''ہم اپنے وعدے پر قائم ہیں۔'' جواب آیا۔

''یہ کپڑوں کا ڈھیر اور برتن یہ کیا ہے؟ اسے وعدہ خلافی نہیں کہتے تو کیا کہتے ہیں؟'' وہ جل کر بولا۔

''اسے گھٹیا پن اور بدتہذیبی کہتے ہیں' ارسل نے آنکھیں گھمائیں۔

''کیسے میزبان ہو تم، کپڑے برتن بھی ہم سے ہی دھلوانا چاہتے ہو۔''

''میں دھونے کے لیے کب کہہ رہا ہوں مگر یہ چیزیں سمیٹ کر بھی تو رکھی جا سکتی ہیں۔'' وہ دھیما پڑ گیا پھر کچھ یاد آیا تو بولا۔

''اور یہاں بیڈ پر میں اپنے کپڑے رکھ گیا تھا۔ استری کر کے......وہ کہاں گئے؟''

''بلیک جینز اور بلیو لائننگ والی شرٹ؟'' جنید نے پوچھا۔

''ہاں۔'' جے ڈی نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''وہ تو تھوڑی دیر پہلے سعدی پہن کر نکلا ہے۔''

''کیا......؟'' صدمے کی شدت سے اس کی آواز پھٹ گئی۔

''سعدی کا بچہ......کمینہ......چور......وہ کپڑے پہن کر مجھے کیمپس جانا تھا، اب میں کیا پہنوں گا۔'' وہ رو دینے کو ہو رہا تھا۔

''حد ہو گئی یار جے ڈی! تو تو رئیس بندہ ہے۔ شاہوں کے منہ سے ایسی کنجوسی اور تھڑدلی کی باتیں اچھی نہیں لگتیں۔ کوئی اور کپڑے پہن لو۔ سعدی کا انٹرویو تھا اس لیے وہ جلدی میں تمہارے کپڑے پہن کر نکل گیا۔'' سعد نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

جے ڈی نے جھنجھلا کر میوزک سسٹم کا پلگ نکالا۔

''مجھے سمجھ میں نہیں آتا تم لوگ میوزک ہلکی آواز میں کیوں نہیں سن سکتے۔'' ابھی یہیں تک کہا تھا کہ باتھ روم کا دروازہ دھاڑ سے کھلا اور واثق کمر کے گرد تاول باندھے تن فن کرتا نکلا۔

ارسل نے جھٹ دونوں آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر شور مچا دیا۔

''یہ بے ہودگی نہیں چلے گی۔ تمہیں پتا نہیں یہاں شریف لڑکے رہتے ہیں چلو واپس جاؤ تاول کی جگہ ٹراؤزر پہن کر آؤ۔''

''ماشاءاللہ......سبحان اللہ۔'' واثق کو تو آگ ہی لگ گئی۔

''مجھے بھی بتانا یہاں کون کون شریف ہے؟ جب سارے کے سارے خود ہاف پینٹ پہن کر گھوم رہے ہوتے ہو تب کوئی شرافت یاد نہیں رہتی۔'' اچھے خاصے لتے لے ڈالے مگر وہ سب کہاں شرمندہ ہونے والے تھے۔ جنید بولا۔

''شرافت اگر کسی لڑکی کا نام ہے تو میں اسے صبح و شام یاد رکھنے کے لیے تیار ہوں۔''

''میں اتنی دیر سے آوازیں دے رہا ہوں اور تم سب گدھوں کی طرح ڈھینچوں ڈھینچوں کیے جا رہے ہو مجال ہے جو کسی نے میری بات سنی ہو۔'' واثق نے غصے سے کہا۔

''حالانکہ تم ہم سب کے سردار ہو۔'' ارسل نے آنکھیں پٹپٹائیں۔

''کسی نے میری شیونگ کٹ دیکھی ہے؟'' اس نے پوچھا۔

''تمہاری شیونگ کٹ ہے یا ایشوریا کی تصویر......جسے ہم صبح و شام دیکھا کرتے ہیں۔'' جنید بولا۔

واثق نے روئے سخن نعمان کی طرف موڑا۔

''نعمان......'' ''او بے او خبیث نعمان! تو نے میری کٹ لی تھی؟'' نعمان نے جھنجلا کر فون بند کر دیا۔

''کیا تکلیف ہے؟''

''تم نے میری شیونگ کٹ لی تھی نا......اس میں اب شیونگ کریم نہیں ہے۔''

''ہاں تو میں کھا نہیں گیا ایک بار ہی لی تھی پھر اسی میں رکھ دی تھی...... یہ تو وہی بات ہوئی۔ بد سے بدنام بُرا، ڈیڑھ ہفتہ پہلے کریم مانگی تھی تب سے تمہیں مجھ پر ہی شک رہتا ہے۔'' وہ بھی بھڑک گیا۔

''میں نے کہا بھی تھا میرا اصل نام کوئی نہ پکارے۔ میں اپنی گرل فرینڈ سے نعمان کا دوست بن کر بات کر رہا تھا تم لوگوں نے بھانڈا ہی پھوڑ دیا۔ اب وہ مجھ پر یقین نہیں کرے گی۔''

''او کوئی بات نہیں میرے شیر! تجھے لڑکیوں کی کمی تھوڑا ہی ہے۔ واثق! تم جے ڈی کی کریم استعمال کر لو۔''

سعد نے ایک ساتھ دو معاملے نمٹائے تھے۔

جے ڈی اور بھی جھنجلا گیا اور سخت لہجے میں بولا۔

''سنو میری بات......ایک گھنٹے میں شبیہ یہاں پہنچنے والا ہے۔ تم لوگ پلیز یہاں سے چلے جاؤ۔'' اس کا انداز منت بھرا تھا۔

''ہاں تو آ لینے دو شبیہ کو، ہم نے کب منع کیا ہے۔ ویسے بھی وہ شبیہ ہے پرنس چارلس تو نہیں کہ ہم سب سینڈریلا کی طرح اپنی جوتیاں چھوڑ کر بھاگ جائیں۔''

نعمان کے اس ''اعلا درجے'' کے مذاق پہ زبردست قہقہے بلند ہوئے تھے۔

''پتا تو ہے تم لوگوں کو وہ تم لوگوں کا یہاں آ کر رہنا پسند نہیں کرتا۔'' جے ڈی نے بے چارگی سے کہا وہ دوستوں کو بھی خفا نہیں کرنا چاہتا تھا۔

''ہاں تو ہم کون سا اسے پسند کرتے ہیں۔'' جنید نے ناک چڑھا کر کہا۔

''ایک تو روڈ ا تنا ہے پھر مجھے تو تھوڑا کھسکا ہوا بھی لگتا ہے۔ یعنی کوئی تک ہے ہر روز تقریباً چار گھنٹوں کا سفر کر کے لاہور آتا ہے پھر چار گھنٹوں کا سفر کر کے واپس ساہیوال جاتا ہے کل کتنے گھنٹوں کا سفر؟'' سب نے تائید میں زور و شور سے سر ہلایا۔

''خیر، اب اتنا لمبا سفر بھی نہیں ہے۔ ذاتی کنوینس میں تو جلدی سفر کٹ جاتا ہے۔ میں نے بتایا تو تھا وہ حویلی سے زیادہ دور رہنا پسند نہیں کرتا۔'' جے ڈی نے جلدی سے اس کا دفاع کیا۔

''عجیب منطق ہے۔ حویلی سے دور رہنا اسے پسند نہیں۔ یہاں پر بھی نہیں رکتا اور ہمیں بھی نہیں رہنے دیتا۔ سچ جے ڈی! تیرا کزن تو وہ کسی اینگل سے نہیں لگتا۔''

''بالکل۔'' سعد نے ارسل کی ہاں میں ہاں ملائی۔

''تو تو اتنا ملنسار، اتنا پیارا انسان ہے کہ اگلا خود بخود تمہاری طرف کھنچتا ہے۔ تمہیں پتا ہے ہم ہر دوسرے تیسرے دن ہاسٹل سے نکل کر تمہارے پاس کیوں آجاتے ہیں۔ کیونکہ ہمیں پتا ہوتا ہے صرف جے ڈی ہے جو کھلی بانہوں سے ہمارا استقبال کرے گا...... ماؤں کی طرح کھانے بنا بنا کر کھلائے گا مگر ماتھے پر بل نہیں آنے دے گا...... سچ جے ڈی تو میرا جگر ہے۔'' جے ڈی شرمندہ سا ہو گیا۔

''مجھے تو خود بہت اچھا لگتا ہے کہ تم لوگ آؤ مگر شیبہ...... '' تب ہی دھاڑ سے باہر کا دروازہ کھلا اور سعدی گرتا پڑتا اندر داخل ہوا۔

''ایک زبردست خبر ہے۔''

''تم پریاں بیچتے ہوئے پکڑے گئے ہو؟'' واثق نے پوچھا۔

یہاں کسی بات کا سیدھا جواب دینا کفر سمجھا جاتا تھا۔

''دفع دور...... میں پڑیاں کیوں بیچوں گا جبکہ شکل سے تو یہ تمہارا آبائی پیشہ لگتا ہے۔'' سعدی نے اطمینان سے کہا اور الماری کی طرف بڑھ گیا۔

''دیکھا تم بھی دھوکا کھا گئے۔ ہمارا آبائی پیشہ تو بچے اٹھانا ہے۔'' واثق نے فخر سے کہا پھر بولا۔

''ڈھونڈ کیا رہے ہو؟''

''دوربین۔'' جواب ملا۔

''اس کا کیا کرو گے؟'' تجسس سے پوچھا۔

''ستائیس ڈی میں بڑی خوب صورت لڑکی آئی ہے، اسے دیکھوں گا۔''

''ستائیس ڈی والے انکل کی تو بڑی لڑکی بھی خاصی خوب صورت ہے۔''

''اوہو...... ان کے گھر مہمان آئے ہیں مہمان لڑکی خوب صورت ہے۔''

''اچھا......'' واثق نے کہا۔

''جو کھڑکی تک پہلے پہنچے گا۔ پہلا موقع اسے دیا جائے گا۔'' واثق نے دوڑ لگا دی۔

''خبردار۔'' سعدی نے انگلی اٹھا کر تنبیہ کی۔

''اس پر کوئی بری نظر نہیں ڈالے گا۔ میں نے اسے سب سے پہلے دیکھا ہے اس لیے وہ تم سب کی بھابھی ہے۔''

''یہ اچھی دھاندلی ہے۔'' وحید سب سے پہلے بولا۔

''پارک میں جو فیروزی دوپٹے والی نظر آئی تھی حالانکہ میں نے سب سے پہلے اسے دیکھا تھا پھر بھی تم نے اسے ہماری بھابھی بنا دیا تھا۔''

''ہاہاہا...... دو کی گنجائش تو پھر بھی باقی ہے میرے بھائی۔'' سعدی نے قہقہہ لگایا۔

''اس بار ہمیں موقع دو ورنہ ہم تھرڈ ونسٹر والے احتجاج کریں گے۔''

''پروا کسے ہے۔''

بالآخر دوربین مل گئی۔ سعدی نے ہی سیٹ کی پھر باری باری سب دیدار سے فیض یاب ہوئے۔

"ماشاءاللہ۔"

"خدا نظر بد سے بچائے۔"

"یار! پتا کرواؤ اس کی دو چار بہنیں اور نہیں ہیں۔" جنید نے تو باقاعدہ تان لگائی۔

"تم آ گئے ہو......نور آ گیا ہے۔"

سعدی نے پلٹ کر جے ڈی کو دیکھا وہ بیڈ پر بیٹھا ناپسندیدگی سے انہیں دیکھ رہا تھا۔

"وہاں کیوں بیٹھے ہو؟...... تمہیں اپنی بھابی دیکھنے سے کوئی دلچسپی نہیں؟"

"تم نے میرے کپڑے کیوں پہنے؟"

"میں نے اپنے کپڑے پہنے ہیں۔"

"جھوٹے...... یہ کپڑے میرے ہیں۔" وہ چلایا۔

"میں تمہیں بھی اپنا ہی سمجھتا ہوں۔" تجاہل عارفانہ سے کہا گیا۔

"اب میں کیا پہنوں؟" وہ جھنجھلایا

"یہ بھوکے ننگے بن کے سوال نہ کرو۔ الماری بھری پڑی ہے کوئی بھی جوڑا پہن لو۔"

"تم لوگوں نے میرے کوئی کپڑے چھوڑے بھی ہیں، آدھے ادھر میلے پڑے ہیں باقی آدھے تم لوگوں نے پہن رکھے ہیں اور یہ جو شرٹ تم نے پہنی ہے اس کا کلر مجھے بالکل پسند نہیں لیکن چونکہ صرف یہی شرٹ تم لوگوں کے شر سے محفوظ رہ گئی تھی اسی لیے میں نے اسے ہی پہننے کا ارادہ کیا مگر تم......"

"مجھے کوئی پکڑو۔" سعدی نے صدمے سے بے حال ہوتے ہوئے کہا۔

"اپنے اس دوست نواز اور ملنسار جگری یار کے منہ سے ایسی زہر والی باتیں سن کر میرا دل چور چور ہو چکا ہے اور مجھے اس دنیا میں کوئی دلچسپی محسوس نہیں ہو رہی۔ میں خودکشی کرنے لگا ہوں۔"

"پلیز یار! تو خودکشی کر لے۔ اس لڑکی سے میں شادی کر لوں گا۔" سعد نے منت سے کہا۔

"سعدی فوراً اس کے ہاتھ جھٹک کر نارمل ہو گیا۔

"اب اتنا بھی شدید صدمہ نہیں ہے فوراً خودکشی کر لوں۔" پھر اس نے کہا۔

"اور دوسری بات اس لڑکی کے بارے میں تو کوئی سوچ بھی نہیں سکتا، وہ میری ہے اور میری ہی رہے گی۔ اگر تمہیں اسے حاصل کرنا ہے تو میری لاش پر سے گزرنا پڑے گا۔" وہ رتی بھر بھی سنجیدہ نہ تھا۔

"اوئے! تم لوگوں کو ذرہ برابر شرم نہیں آتی ایک انجان لڑکی کے بارے میں اس طرح کی باتیں کرتے ہوئے۔" جے ڈی نے کہا اور

حسب توقع خوب خوب مذاق کا نشانہ بنا۔

"چونکہ جے ڈی صاحب کی اپنی کوئی سگی بہن نہیں ہے اس لیے ساری دنیا کی لڑکیوں سے بنا راکھی بندھوائے یہ ان کے بھائی بن گئے ہیں۔"

جے ڈی سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ اس کے دوست جنہیں اس سے سچی دوستی کا دعویٰ تھا اس کی مدد کرنے کے لیے تیار نہیں تھے اس کی سادگی، دوست نوازی، ملنساری، خوش خلقی کے گن گانے والوں کے نزدیک اس کی پریشانی کوئی حیثیت نہ رکھتی تھی، جبکہ جواب دہی کے خیال سے اس کا دماغ پھٹ رہا تھا۔

☆☆☆

"اب ہمارے پاس اگلا ایک گھنٹہ فری ہے۔ چلو یہاں بیٹھو اور ہمیں ساری تفصیلات بتاؤ لیکن اس سے پہلے اس پہلو پر روشنی ڈالنا مت بھولنا کہ تم نے اتنی اہم بات ہم سے کیوں چھپائی۔"

"پہلی دو کلاسز اٹینڈ کرنے کے بعد وہ تینوں ایڈمن بلاک کے پچھلی طرف آ گئی تھیں، جو عام گزرگاہ نہ ہونے کی بناء پر زیادہ تر سنسان رہتا تھا۔

"ان تینوں کی دوستی کی مدت زیادہ نہیں تھی۔ نمرہ اور عبیر اسکول کے آخری سال سے ایک دوسرے کو جانتی تھیں، جبکہ تنوی سے ان کی ملاقات کالج میں آ کر ہوئی تھی۔ پہلے سال میں ان کی دوستی خوب پروان چڑھی تھی۔ پڑھائی کے میدان میں تینوں کا ریکارڈ بہترین تھا اس کے ساتھ ساتھ وہ تینوں ہلے گلے کی بھی شوقین تھیں اور غیر نصابی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی تھیں۔ چونکہ تینوں کا بنیادی مضمون ایک ہی تھا اس لیے دوستی خوب گہری ہو رہی تھی۔ نمرہ اور عبیر ہر بات ایک دوسرے سے شیئر کرتی تھیں، بظاہر تنوی بھی ایسا ہی کرتی تھی مگر اس کی زندگی کے کچھ نہ کچھ پہلو ایسے تھے، جو اس نے اپنی بہترین سہیلیوں سے چھپا رکھے تھے۔ شبیہ العباس سے منگنی بھی ایسا ہی معاملہ تھا۔

"میں نے کون سی بات چھپائی ہے۔"

وہ بھول چکی تھی کچھ گھنٹہ پہلے اس نے کوئی انکشاف کر کے اپنی سہیلیوں کو حیران کیا ہے۔

"بھئی خوب۔" عبیر نے اس کا مذاق اڑایا۔

"میں اگر منگنی شدہ ہوں تو سوتے جاگتے کبھی اس حقیقت کو فراموش نہ کروں اور ایک یہ محترمہ ہیں......"

"چھوڑو بہن! نعمت کی قدر ہر ایک کو نہیں ہوتی......" نمرہ نے فلسفیانہ انداز میں کہا تھا، تنوی ہنس دی۔

"تم دونوں معمولی سی بات کو اتنا بڑھا رہی ہو۔ جب میں پیدا ہوئی تھی تبھی نانو جان نے میرے ہاتھ میں ننھی سی انگوٹھی پہنا کر مجھے شبیہ العباس بھائی سے منسوب کر دیا تھا۔ اس وقت بابا زندہ تھے اس لیے یہ رشتہ سب کی رضا سے ہوا تھا لیکن امی نے اپنی وفات سے چند روز پہلے وہ انگوٹھی میری انگلی سے اتار کر کہیں رکھ دی تھی اس لیے مجھے نہیں پتا وہ انگوٹھی اب کہاں ہے۔......شاید نانو کے پاس ہو مجھے پوچھنے کا خیال نہیں آیا......یار! یہ اب اتنی پرانی بات ہے کہ میں اسے چوبیس گھنٹے تو یاد نہیں رکھ سکتی۔ صبح بھی کچھ ایسی صورت حال بن گئی کہ مجھے بتانا پڑا ورنہ تم لوگوں نے اپنی طرف سے افسانہ بنا لینا تھا۔"

"اچھا......اتنی چھوٹی عمر میں زندگی کا اتنا بڑا فیصلہ۔" عبیر نے کہا۔

''تنوی......سچ سچ بتانا، تمہیں کبھی اپنی نانو کے اس فیصلے پر اعتراض نہیں ہوا؟''

تنوی نے بڑی دقت سے سچائی اپنے لبوں پر آنے سے روکی اور مسکرا کر بولی۔

''اس میں اعتراض والی کیا بات ہے۔ نانو نے مجھے پالا ہے وہ میری زندگی کے بارے میں ہر طرح کا فیصلہ کرنے کا حق رکھتی ہیں اور پھر اس فیصلے میں تو امی اور بابا کی مرضی بھی شامل تھی۔''

''اچھا اور بھی تو بتاؤ......'' نمرہ نے اشتیاق سے کہا۔

''مثلاً۔'' وہ گہری سانس بھر کر پوچھنے لگی۔

''مثلاً'' نام، کوالیفکیشن وغیرہ، وغیرہ۔''

''ہوں۔'' تھک ہار کر تنوی نے خود کو ان کے سوالات کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا یوں بھی وہ جانتی تھی گریز کا کچھ فائدہ نہ ہوگا۔

''نام شبیہ العباس، عمر چوبیس سال سات مہینے، یو ای ٹی سے سول انجینئرنگ کر رہے ہیں۔ مستقیم ماموں کے بیٹے ہیں قد چھ فٹ ایک انچ، رنگ صاف......مزاج سخت، ہنستے بھی کبھی ہیں عموماً غصے میں رہتے ہیں۔''

''تم دونوں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہو؟'' عبیر نے بہ عجلت پوچھا۔ تنوی سوچ میں پڑ گئی پھر بولی۔

''پتا نہیں میں نے کبھی اس بارے میں سوچا نہیں۔'' اس نے سادگی سے کہا۔

''دھت تیرے کی جو بات سب سے پہلے سوچنا چاہیے تھی اب تک نہ سوچی......تم کسی کام کی نہیں ہو تنوی۔'' پھر عبیر نے کہا۔

''اچھا ایک بات بتاؤ اس نے کبھی تمہیں آئی لو یو کہا ہے؟'' تنوی بیر بہوٹی بن گئی۔

''کیسے واہیات سوال کرتی ہو۔''

''تم صرف جواب دو۔ آئی لو یو کہا ہے یا نہیں؟''

''نہیں۔''

''تمہیں دیکھ کر بلاوجہ مسکراتا ہے۔''

''نہیں۔''

''تمہیں دیکھ کر اس کی آنکھوں میں چمک تو ضرور آتی ہوگی؟'' عبیر پر یقین تھی۔

''نہیں۔'' تنوی اکتا کر بولی۔

''اچھا کبھی کوئی گفٹ دیا ہے؟''

''نہیں۔''

''کارڈ؟''

''نہیں۔''

''یار!تم لوگوں میں کوئی نارمل منگیتروں والی بات بھی ہے کہ نہیں۔'' عمیر نے جھنجھلا کر پوچھا۔

''کیونکہ یہ افسانوی منگیتر ہیں۔''

''ثمرہ نے گھاس کا تنکا چباتے ہوئے بڑی سنجیدگی سے کہا تھا۔وہ دونوں ہی حیران ہو کر اس کی شکل دیکھنے لگیں۔

''مطلب؟''

''بھئی۔دیکھو ناں افسانوں میں بھی تو یہی ہوتا ہے۔منگیتر لاتعلق،لڑکی لاپروا لیکن دلوں میں محبت کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر......''

''ایک زوردار دھپ اس کا مزاج پوچھ گئی تھی۔

''تم دونوں کیوں چاہتی ہو کہ میں تم دونوں کو کوئی بہت رومینٹک سا قصہ سناؤں...... جب کہ ایسا کچھ نہیں ہے۔شبیہ بھائی نے آج تک مجھ سے ایسی کوئی بات نہیں کی جو رومینس کے زمرے میں آتی ہو بلکہ رومینٹک بات تو بڑی دور کی بات ہے وہ بات ہی بہت کم کرتے ہیں،بس بہت زیادہ ضرورت ہو تب بولتے ہیں۔''

''اس نے جیسے ان کی امیدوں پر پانی پھیر دیا تھا۔

''اوہو......میں تو سوچ رہی تھی اس بورنگ روٹین لائف میں کچھ رنگینی آرہی ہے یعنی مزے مزے کے قصے سننے کو ملا کریں گے۔'' عمیر نے مایوسی سے کہا تھا۔

''تو ٹھیک ہے تم وعدہ کرو،جب شبیہ بھائی تم سے کوئی رومانٹک ڈائیلاگ بولیں گے تو تم سب سے پہلے آکر ہمیں بتاؤ گی۔''

''بکومت۔''

''وعدہ......وعدہ'' دونوں نے شور مچا دیا ناچار تنوی کو وعدہ کرنا پڑا پھر اس نے کہا۔

''اب یہ فضول گفتگو بند کرو اور کچھ دھیان پڑھائی کی طرف بھی دو۔تم لوگوں کو پتا ہے مس تسنیم نے آج ایڈمیشن ٹیسٹ کی ڈیٹ بھی بتا دی ہے۔''

''دفع کرو یار!ایڈمیشن ٹیسٹ اور پڑھائی کو......ساری زندگی پڑھائیاں ہی کرنی ہیں۔'' عمیر گھاس پر چت لیٹ گئی پھر پیر جھلاتے ہوئے بولی۔

''ڈرامیٹک سوسائٹی کا جو نیا نوٹس لگا ہے تم لوگوں نے پڑھا؟'' پھر خود ہی بولی۔

''اس بار اینول ڈرامہ کے لیے قصہ ''سسی پنوں'' چنا گیا ہے۔مس رابعہ نے جمعرات کے روز لڑکیوں کو آڈیشن کے لیے بلوایا ہے اور دلچسپ بات یہ ہے کہ ''سسی پنوں'' کے کرداروں کے لیے لڑکیاں پہلے ہی چنی جا چکی ہیں۔''

''تمہیں کس نے بتایا؟'' تنوی نے پوچھا۔

''بھئی،یہ نہ پوچھو تم لوگوں کو نہیں پتا میری سی آئی ڈی کس قدر تیز ہے۔''

''واہ عمیر!اپنی طرف سے بڑی زوردار خبر سنائی ہے۔''

''ثمرہ نے چڑ کر کہا۔ ''جبکہ میں پہلے ہی جانتی ہوں ''سسی پنوں'' کے کردار کون کر رہی ہیں۔''

''ایں...... تمہیں کیسے پتا۔'' دونوں چونکی۔

''یار! یہ تو بڑی عام فہم بات ہے۔ پنوں کا کردار عروش کرے گی اور تنوی سسی کا...... پچھلے سال بھی تو ہیر رانجھا کے کردار ان دونوں نے کیے تھے اور کیا خوب کیے تھے۔''

''تمہیں شاید یہ نہیں پتا میں سسی کے رول کے لیے مس رابعہ کو منع کر چکی ہوں۔'' تنوی نے اطمینان سے انکشاف کیا۔

''کیوں؟'' دونوں کے منہ کھل گئے۔

''تم اتنی ٹیلنٹڈ ہو تنوی! تمہیں منع نہیں کرنا چاہیے تھا'' عبیر نے کہا۔

''ہاں عبیر! میں بھی یہ رول کرنا چاہتی تھی مگر جب مجھے پتا چلا میل رول عروش کر رہی ہے تو میں نے انکار کر دیا۔''

''لیکن کیوں...... عروش کے ساتھ کام کرنے میں کیا دقت ہے؟'' ثمرہ نے سلگ کر پوچھا۔ وہ عروش کے مداحوں میں سے تھی۔

''میں پچھلے سال ہی اس کے ساتھ کام کر کے کافی پچھتا چکی ہوں۔ میرا دماغ خراب نہیں ہے کہ ایک بار پھر اس کے ساتھ ہیروئن کا رول کر کے لڑکیوں کو باتیں بنانے کا موقع دوں۔ پہلے ہی کس قدر اوٹ پٹانگ باتیں ہو رہی ہیں۔'' اس کا صاف کھرا انداز تھا جو ثمرہ کو برا لگا۔

''تم پاگل ہو تنوی! لڑکیوں کی بے سروپا باتوں میں آ رہی ہو۔'' اس سے قبل کہ جھگڑا شروع ہوتا عبیر اٹھ کھڑی ہوئی۔

''مجھے آج پاکٹ منی ملی ہے اسی خوشی میں تم لوگوں کو ٹریٹ دیتی ہوں۔''

''یہیں لے آتے ہیں۔ چلو عبیر! میں تمہارے ساتھ چلتی ہوں۔'' ثمرہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ عبیر نے انہیں جاتے دیکھا پھر سامنے کیاری کی طرف دیکھنے لگی جہاں ایک دھوبن چڑیا پھدکتی پھر رہی تھی۔

☆☆☆

وہی ہوا جس کا ڈر تھا۔

فلیٹ کی مکمل صفائی سے پہلے ہی شبیہ العباس پہنچ گیا تھا۔

''سعدی، واثق، ارسل۔'' اس نے انگلیوں پر گنتے ہوئے کہا۔

''کیا میں جان سکتا ہوں میری غیر موجودگی میں تمہارے اور کتنے دوستوں نے یہاں ڈیرہ ڈالے رکھا ہے؟''

''تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے یار! یہاں کوئی بھی نہیں آیا۔'' بکھرے ہوئے برتن سمیٹتے ہوئے اس نے اپنے تئیں بڑی مہارت سے جھوٹ بولا تھا۔

''اچھا تو پھر یہ بکھرا وا نوری مخلوق پھیلا گئی ہو گی۔'' شبیہ نے طنز سے کہا۔ جے ڈی ہنس دیا۔

''شبیہ! مجھے بخار رہا اتنے دن! روز چونکہ صفائی نہیں ہو سکی۔ اس لیے اتنے روز کا کام اکٹھا ہو گیا، ورنہ تمہیں پتا ہی ہے۔ میں اتنا بکھراوا کبھی نہیں ہونے دیتا۔''

''یہی تو بات ہے، تمہاری فطرت سے میں اچھی طرح واقف ہوں، اسی لیے مجھے یقین نہیں آرہا پورے فلیٹ کا یہ حشر تم نے کیا ہے۔ جے ڈی! اتنی عمر ہوگئی تیری۔ اپنی بے وقوفی کے ہاتھوں لوگوں سے دھوکہ تو تو اب تک کھا رہا ہے۔ یعنی انسانوں کو پہچاننا تجھے اب تک نہیں آیا...... میرے بھائی! اور کچھ نہیں تو کم سے کم جھوٹ ہی مہارت سے بولنا سیکھ لے۔'' شبیہ نے اس کی اچھی کلاس لے ڈالی۔

''جے ڈی بالکل خاموشی سے اپنے کام میں لگا رہا۔ اسے شبیہ سے ایسی ڈانٹ سننے کی عادت تھی۔

''تجھے پتا ہے۔ جے ڈی! تیرا مسئلہ کیا ہے۔؟''

''ہاں پتا ہے۔'' جے ڈی نے لاپروائی سے کہا پھر پوچھا۔

''وہاں حویلی میں سب کیسے ہیں؟''

''ٹھیک ہیں۔'' اس نے جوتے اتار کر ایک طرف رکھے پھر بیڈ پر پیچھے کی طرف گر کر سر کے نیچے دونوں ہاتھوں کا تکیہ بنالیا۔

''عباد، مانی، اسفر، تنوی، نویرہ، حرم...... اسفر سے بات ہوئی تھی میری، وہ تو کہہ رہا تھا اس بار آئے گا تمہارے ساتھ؟''

''سب ٹھیک ہیں بھئی۔ اسفر کو کوئی کام تھا اسی لیے نہیں آیا۔'' شبیہ نے کہا۔

جے ڈی نے کچن سے نکلتے ہوئے اسے دیکھا۔ آنکھیں بند کر کے لیٹا وہ بہت تھکا ہوا لگ رہا تھا۔

''بہت تھکے ہوئے لگ رہے ہو چائے لاؤں؟'' اس نے محبت سے پوچھا۔

''اجمل کہاں ہے؟'' اس نے ملازم لڑکے کے بارے میں پوچھا۔

''اس کی ماں بیمار تھی، میں نے ایک ہفتے کی چھٹی دے دی ہے بے چارہ بہت پریشان تھا۔''

''ایک تو تمہیں ہر ایک کی ماں بنے رہنے کا بہت شوق ہے۔ جس سے دیکھو ہمدردی جتائی جارہی ہے۔'' شبیہ نے اکتا کر کہا۔

''مجھے یقین ہے اسے چھٹی دیتے ہوئے ایک بار بھی تم نے یہ نہیں سوچا ہوگا کہ کچن کون سنبھالے گا۔''

''شبیہ! ہمیں ملازموں کی کمی تھوڑا ہی ہے۔ ایک چھوڑ دس ملتے ہیں۔ میں گاؤں سے بھی ملازم منگوا سکتا تھا۔ لیکن جب اللہ نے دو ہاتھ دیے ہیں تو انہیں استعمال بھی کرنا چاہیے...... میں نے سوچا کھانا تو میں اچھا ہی بنالیتا ہوں تھوڑی بہت صفائی بھی کرلوں گا۔ بس کپڑوں کا مسئلہ تھا۔ لیکن یہ بھی اتنا بڑا مسئلہ نہیں لانڈریز کس مرض کی دوا ہیں...... پھر میں نے سوچا آج ہم کسی کی مدد کریں گے تو کل کو کوئی ہماری مدد کرے گا...... سچ کہوں میں نے حقوق العباد کا خیال رکھنے کی کوشش کی تھی۔ اچھا چھوڑو اس بحث کو۔ میں چائے لاتا ہوں۔''

''میرا سوال اپنی جگہ موجود ہے۔ تمہیں پتا ہے تمہارا مسئلہ کیا ہے؟'' شبیہ نے پوچھا۔

''میں جو بھی کہوں گا تم اسے رد کردو گے اس لیے تم ہی بتادو۔'' جے ڈی گہری سانس بھرتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

''بے وقوفی۔'' شبیہ نے سرعت سے کہا۔

''تمہارا سب سے بڑا مسئلہ بے وقوفی ہے۔ بعض اوقات تمہاری بے وقوفی پاگل پن کی حد تک بڑھ جاتی ہے۔ مجھے حیرانی ہے تم لوگوں کو

پہچان کیوں نہیں پاتے۔تم اکثر کسی نئے دوست کو مجھ سے متعارف کرواتے ہو اور کہتے ہو یہ بہترین انسان ہے اور میں اس بہترین انسان کی شکل دیکھتے ہی بھانپ لیتا ہوں وہ کتنا شاطر اور مطلب پرست ہے......تمہارے سارے دوست ایسے ہی ہیں۔وہ تمہارے پاس اپنا کوئی نہ کوئی مطلب، کوئی غرض پوری کرنے آتے ہیں۔دلچسپ بات یہ کہ تم ہر بار ان کی باتوں میں آجاتے ہو اور وہ اپنا مطلب پورا ہوتے ہی تمہیں پیچھے دھکیل دیتے ہیں۔سنا تم نے تم بہت بڑے بے وقوف ہو۔"

"بڑی نئی بات بتائی ہے۔" جے ڈی نے منہ کا زاویہ بگاڑا۔

"میں چھوٹا سا تھا تب سے اپنی شخصیت کی اس خوبی سے آگاہ ہوں۔تم سے پہلے ہی کئی لوگ مجھے بتا چکے ہیں۔"

وہ سادگی سے کہہ رہا تھا۔

"وتمہیں ذرہ بھر احساس نہیں ہے جے ڈی! تمہارے دوست تمہیں کیسے ڈاج (دھوکہ) دے جاتے ہیں۔

تمہیں اچھا لگتا ہے دوسروں کے ہاتھوں بیوقوف بننا؟" شبیہ نے جھنجلا کر پوچھا۔

"یار!" جے ڈی نے سر کھجاتے ہوئے بے چارگی سے کہا۔

"مجھے کبھی لگا ہی نہیں کہ کوئی مجھے بیوقوف بنا رہا ہے۔تم کہتے ہو میرے دوست اپنی کسی غرض کے لیے میرے پاس آتے ہیں......میری رائے مختلف ہے۔مجھے لگتا ہے میرے دوست جانتے ہیں میں ان کی مدد کر سکتا ہوں تبھی وہ میرے پاس آتے ہیں۔کسی کی تھوڑی سی مدد کرنے سے اگر اس کا مسئلہ حل ہو جاتا ہے تو میری ذات کو کیا فرق پڑ سکتا ہے۔"

"وتمہیں تمہارے دوستوں کی وجہ سے نقصان اٹھانا پڑتے ہیں......یہ تو مانتے ہو؟"

"وہ معمولی نقصان ہوتے ہیں۔" جے ڈی نے تحمل سے جواب دیا۔

"تم کسی بڑے نقصان کا انتظار کر رہے ہو۔" شبیہ نے جل کر پوچھا۔"تب سنبھلو گے؟......سنبھل جاؤ جے ڈی! مجھے ڈر ہے کسی روز تمہارے دوست اپنی باتوں میں الجھا کر تم سے قتل کروا دیں گے اور تم تب بھی ایسی ہی بودی لاجکس دیتے پھرو گے۔تمہیں محتاط رہنا چاہیے۔فی زمانہ دنیا میں کوئی اس قابل نہیں ہے کہ اس پہ بھروسہ کیا جائے......تم گدھے، احمق، پاجی! راستہ چلتوں کو دوست بنا کر مدد کرنے کھڑے ہو جاتے ہو......مجھے خدشہ ہے کسی روز کوئی بڑا نقصان نہ اٹھا بیٹھو۔"

"اگر میں حویلی جا کر کسی کو بتاؤں کہ شبیہ اتنا بولتا ہے تو کوئی میری بات پر یقین نہیں کرے گا۔" جے ڈی نے اسے چڑایا اور وہ سچ مچ چڑ بھی گیا۔

"مرو تم......جس روز بھگت رہے ہو گے تب میری یاد آئے گی۔"

"اب میں تمہارا مسئلہ بتاؤں؟" جے ڈی نے مسکرا کر پوچھا۔

"تمہارا مسئلہ یہ ہے تمہیں ساری دنیا بری لگتی ہے۔"

"اور تمہیں ساری دنیا اچھی لگتی ہے۔" وہ اپنے مخصوص اکتاہٹ بھرے انداز میں بولا۔

"دنیا اچھی ہے۔" وہ مستقل مسکرا رہا تھا۔

"میں نے کہا ناں جس دن جگنتو گے تب جانو گے۔" وہ بضد تھا۔

"تمہیں انسان برے کیوں لگتے ہیں شبیہ!" جے ڈی نے یکدم پوچھا۔

"مجھے سب انسان برے نہیں لگتے۔ صرف وہ برے لگتے ہیں جو برے ہوتے ہیں۔" دوٹوک جواب آیا۔

"میرا خیال ہے ہم یہ فیصلہ وقت کو کرنے دیتے ہیں ممکن ہے کچھ عرصہ گزرنے کے بعد ہم دونوں کی اپروچ بدل جائے۔ تمہیں دنیا اور دنیا والے اچھے لگنے لگیں اور مجھے...... خدا نہ کرے برے لگنے لگیں۔" جے ڈی نے مسکرا کر کہا۔

"یہ کبھی نہیں ہوگا۔" شبیہ نے اپنے مخصوص دوٹوک انداز میں کہا۔ "مجھے دنیا والے کبھی اچھے نہیں لگ سکتے۔"

"وجہ؟"

"بس کہہ جو دیا۔"

"ایک بات بتاؤ شبیہ؟ تم ہر بات اس قدر دوٹوک انداز میں کیوں کہتے ہو جیسے پتھر پر لکیر...... بلکہ پتھر پر لکیر بھی گزرتے وقت کے ساتھ مدھم پڑ جاتی ہے۔"

"پتا نہیں میں نے کبھی اس بات پر غور نہیں کیا۔ مجھے تمہاری بہت فکر ہے جے ڈی! کچھ مہینوں کی بات ہے۔ ہمیں بی ای کی ڈگری مل جائے گی۔ میں سوچتا ہوں جتنا تمہارے چہرے پر چغد پن ہے اسے دیکھتے ہوئے تمہیں نوکری کون دے گا۔ اکیڈیمک ریکارڈ کا پلس ہونا اور بات ہے پریکٹیکل فیلڈ میں آ کر جاب حاصل کرنا بالکل ہی اور بات۔ تمہیں چاہیے تھا کسی عام سے سبجیکٹ میں پوسٹ گریجویٹ کرتے اور سرکاری اسکول میں ماسٹر جی لگ جاتے...... تمہاری جیسی باتوں وشکل کے کئی ماسٹر جی دیکھے ہیں میں نے۔"

شبیہ کا مسئلہ یہ تھا وہ بدتمیزی کی حد تک صاف گو تھا۔ صاف گوئی بھی وہ جس میں سامنے والے کو زخمی کر دینے والی تلخی ہوتی تھی۔ جے ڈی ہرٹ ہونے کے باوجود مسکراتا رہا۔

"تم میری فکر نہ کرو مجھے جاب نہ ملی تو میں دادو کے آفس میں بیٹھوں گا فیملی بزنس کا کچھ فائدہ تو ہمیں بھی حاصل ہونا چاہیے۔"

"شاباش۔ شبیہ نے تمسخرانہ انداز میں کہا۔

"بی ای سول کر کے گنے سے چینی بنانا اور چاول چھانٹنا سیکھو گے...... بھئی خوب۔"

"تو اس میں مذاق اڑانے والی کیا بات ہے۔ ذاتی کاروبار کے اپنے مزے ہیں ہماری جو شوگر اور رائس ملز ہیں ہمیں ان سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔ پھر دادو بے چاری کب تک یہ سب کام تنہا سنبھالیں گی۔"

"اس میں کیا شک ہے۔ وہ فوراً مان گیا۔

"اچھا شبیہ! تمہارا آگے کیا کرنے کا پلان ہے؟

''میں کچھ عرصہ یہاں کسی اچھی انجینئرنگ فرم میں کام کروں گا پھر اسپشلائزیشن کے لیے انگلینڈ جاؤں گا۔تمہیں پتا ہے انگلینڈ جا کر پڑھنا میرا کتنا بڑا خواب ہے۔پھر ظاہر ہے جاب کروں گا اور اگلے دس سالوں میں اپنی ایک کنسلٹنسی بناؤں گا تم دیکھنا جے ڈی! میں بہت ترقی کروں گا؟

''انشاءاللہ۔جے ڈی نے صدق دل سے کہا پھر بولا۔

''ویسے میرا خیال ہے دادو ہم دونوں کو ہی جاب کرنے کی پرمیشن نہیں دیں گی۔اپنے بارے میں تو میں پر یقین نہیں ہوں لیکن تمہارے بارے میں مجھے سو فیصد یقین ہے وہ تمہیں باہر جانے نہیں دیں گی۔وہ ہمیشہ چاہتی ہیں تم پڑھائی ختم کر کے بزنس کی طرف آجاؤ۔

''تمہیں پتا ہے مجھے کسی کی پرمیشن کی ضرورت نہیں ہوتی۔میں وہی کرتا ہوں جو میرا دل چاہتا ہے۔

''اس نے اپنے مخصوص شاہانہ انداز میں کہا تھا۔جے ڈی خاموشی سے اسے دیکھنے لگا۔

''شبیہ العباس اس کے چچا مستقیم بھٹی کا بیٹا تھا ان دونوں کی عمروں میں محض چند دن کا فرق تھا۔ایک گھر میں رہنے اور تربیت کے لیے ایک سا ماحول میسر آنے کے باوجود ان دونوں میں زمین آسمان کا فرق تھا چونکہ شبیہ کو ہمیشہ دادو کی سپورٹ حاصل رہی تھی وہ اپنے بچوں کی اولاد میں شبیہ کو سب سے زیادہ قریب جانتی تھیں اس لیے وہ خاندان بھر میں شاہانہ مزاج نخریلا اور ضدی مشہور تھا۔دلچسپ بات یہ کہ پھر بھی پسندیدہ تھا۔وجاہت اس کی ایکسٹرا کوالیفکیشن مانی جاتی تھی۔ذہین وہ بچپن سے ہی بہت تھا۔

''شاہانہ مزاج ہونے کے باوجود اس نے آج تک اپنے بزرگوں سے بدتمیزی نہیں کی تھی۔اس کے باوجود دادو کے بعد وہ تھا جس کی زبان سے نکلا ہوا لفظ آخری مانا جاتا تھا۔حویلی میں بچوں سے لے کر بڑوں تک سب اس کی بات ماننے کے پابند تھے اور ظاہر ہے اتنے سارے اختیارات دادو نے اسے دیے تھے۔

''جے ڈی اور اس کے کزن اگر شبیہ پر رشک کرتے تھے تو یہ کوئی غیر معمولی بات بھی نہیں۔

''ہاں صاحب! یہ تم نہیں کہو گے تو کون کہے گا۔آپ شہزادہ عالم جو ٹھہرے۔بادشاہ اکبر کا سنا ہے۔ممکن ہے کسی نے ہوائی اڑائی ہو مگر سنا ہے شہزادہ سلیم کے آگے بڑی جلدی مجبور ہو جایا کرتا تھا۔وہ تو انارکلی کے معاملے میں باپ بیٹا میں تھوڑی ان بن ہو گئی اور فسانہ بن گیا۔ہماری زوردار شخصیت والی دادو بادشاہ اکبر سے بھی زیادہ مجبور ہو جاتی ہیں تمہارے آگے.....وہ تو شکر ہے کہ درمیان میں کوئی انارکلی نہیں۔

''ہوتی تب بھی ہماری ان بن نہیں ہو سکتی تھی کیونکہ میں دادو سے بہت محبت کرتا ہوں۔

''جے ڈی کچن کی طرف بڑھا۔میں چائے لاتا ہوں۔''

''ساتھ میں کچھ کھانے کے لیے بھی لانا۔''

''جے ڈی نے کچن میں آ کر جلدی جلدی آلو کاٹے اور نمک اور کالی مرچ لگا کر انہیں کڑائی میں ڈال دیا ساتھ ہی الیکٹرک کیتل کا پلگ لگا کر انتظار کرنے لگا۔

"اس کے کانوں میں شبیہ کی آواز گونج رہی تھی اور وہ شرمندہ ہو رہا تھا۔اس نے جے ڈی کے لیے بالکل درست لفظ استعمال کیا تھا ممکن ہے کوئی اور لفظ اس سے بہتر ہوتا مگر خود اسے بھی کوئی "متبادل لفظ" بے وقوف سے زیادہ جامع اور بھرپور نہیں لگ رہا تھا اس کی امی یہاں موجود ہوتیں تو کہتیں۔

"دراصل میرا بیٹا بہت معصوم اور سادہ دل ہے۔آج کل لڑکوں میں جو چالاکی و ہوشیاری ہوتی ہے وہ میرے بچے میں نام کو بھی نہیں۔

"درحقیقت معصومیت اور سادگی، بے وقوفی اور چغد پن کے مہذب نام ہیں جنہیں کبھی ہم خود اور کبھی ہم سے بے تحاشا محبت کرنے والے ہماری شخصیت سے جوڑ دیتے ہیں تا کہ حقیقت سے مستقل نظریں چراتے ہوئے دل دکھی ہونے سے بچا رہے۔اس کی امی بچپن سے یہی کرتی آرہی تھیں۔

"جے ڈی کے لیے یہ باتیں نئی نہیں تھیں اسکول میں بھی لڑکے اسے بونگا تو اکثر و بیشتر اور کبھی کبھار بھولا بادشاہ کہہ کر چڑایا کرتے تھے۔

تب سے لے کر اب تک جے ڈی سمجھ نہیں سکا تھا اس میں بھولے بادشاہ والی کون سی خصوصیت ہے۔

"اسکول میں وہ ایسی باتوں پر بددل ہو کر اسکول جانے سے انکار کر دیا تھا مگر بڑے ہونے پر اس نے اس حقیقت کو کسی حد تک تسلیم کر لیا تھا کہ انسانوں کو پہچاننے کی فطری صلاحیت اس کے اندر نہیں ہے۔لیکن وہ یہ کہہ کر خود کو تسلی دیتا تھا کہ اکثر لوگ بونگے یا بھولے نہیں ہوتے پھر بھی انسانوں کو نہیں پہچان پاتے اور دھوکہ کھاتے ہیں۔وہ یہ سوچ کر مطمئن رہتا تھا اور ہر بار اپنے دوستوں کے جھوٹ پر یقین کر کے ان کی مدد کرتا رہتا تھا۔

"مدد کرنے کی حیثیت خدا ہر ایک کو نہیں دیتا۔" وہ اکثر سوچتا لیکن اس بار اسے کچھ تشویش اور ہتک محسوس ہو رہی تھی۔اس کے دوستوں نے ہاسٹل کے بارے میں جھوٹ بول کر تین روز یہاں قیام کیا تھا اور جے ڈی کی جیب بالکل خالی کروا دی تھی۔انہوں نے کئی قیمتی ڈیکوریشن پیس توڑ دیے تھے۔واثق اس سے اجازت لیے بغیر اس کی بے حد من پسند Tissot کی گھڑی لے گیا تھا اور ارسل نے مقروض ہونے کے باوجود اس سے اس بار بھی سات ہزار ادھار نکلوائے تھے۔اور وہ جانتا تھا یہ قرض بھی نہ چکایا جائے گا۔

"آخر ہر بار وہ ان کی باتوں میں کیوں آجاتا ہے؟ اور خود سے کیے ہوئے عہد بھول جاتا ہے۔

"اب میں کسی پر اعتبار نہیں کروں گا خواہ میرے دوست ہی کیوں نہ ہوں۔کوئی میرے سامنے ایڑیاں رگڑتے مر بھی رہا ہو گا تو میں اس کی مدد نہیں کروں گا .... مجھے کیا پڑی ہے کہ ایرے غیروں کی مدد کروں اور بیوقوف بنوں۔بھولے بادشاہ نے پکا عہد کر لیا۔

"اور جس وقت وہ سگھڑ بیبیوں کی طرح ٹرے سجا کر اندر پہنچا شبیہ گہری نیند سو چکا تھا۔"

☆☆☆

"ایکسکیوزمی! کیا میں یہاں بیٹھ سکتی ہوں؟ ایڈمن بلاک کے قریب گھاس کے اس چھوٹے سے قطعے میں تنہا بیٹھے تنوی کو ابھی زیادہ دیر نہیں گزری تھی جب اپنے قریب ایک جانی پہچانی آواز سن کر اس نے سر اٹھایا اور دل ہی دل میں بیزار ہوئی۔

"عروش خواجہ سرخ گلابوں کا ایک گلدستہ ہاتھوں میں پکڑے اس کے سامنے کھڑی مسکرا رہی تھی۔جبیر نے صحیح کہا تھا آج عروش بہت تیار ہو کر آئی تھی۔بمشکل گردن تک آتے اس کے گھنگھریالے بال جنہیں وہ روٹین میں باندھے رکھتی تھی آج کھلے ہوئے تھے۔سفید اور سیاہ چیک دار اسکارف جو پورے کالج میں اس کی شناختی علامت کی طرح مشہور تھا کے دونوں سروں کو اس نے حسب معمول اپنے مخصوص انداز میں پہن رکھا تھا۔

اس کے علاوہ مردانہ انگوٹھیاں اور بینڈز تھے۔دائیں کان میں سلور کی چھوٹی سی بالی تھی۔

''یہ وہ لوازمات تھے جو ہر روز وہ کالج یونیفارم کے ساتھ استعمال کرتی تھی۔کوئی کلاس اٹینڈ کرنے کے لیے جاتے ہوئے وہ سب اتار کر اپنی کلاس کا نمائندہ رنگ کا دوپٹہ اوڑھ لیتی تھی اور واپس آ کر پھر پہن لیتی تھی۔آج کے دن کی خاص تیاری کا سب سے اہم عنصر وہ لپ گلوس تھا جس کی وافر مقدار اس نے اپنے ہونٹوں پر لگا رکھی تھی اور اس وقت بالکل عجوبہ دکھائی دے رہی تھی۔

''کیا میں یہاں بیٹھ جاؤں۔

''اسے خاموش دیکھ کر عروش نے پھر پوچھا۔دور دور تک کوئی اسٹوڈنٹ دکھائی نہیں دے رہی تھی ناچار تنوی نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ ساتھ ہی اپنی نوٹ بک کھول کر جلدی جلدی قلم گھسیٹنے لگی۔

''آپ مصروف لگ رہی ہیں۔

''عروش نے اس کے قریب بیٹھتے ہو کہا۔

''ہاں...... میں نوٹس بنا رہی ہوں۔تنوی نے بے تاثر لہجے میں کہا۔عروش اور اپنے بارے میں ہونے والی چہ گوئیاں اس نے بھی سنی تھیں اور وہ نہیں چاہتی تھی ان دونوں کو اکٹھا بیٹھے دیکھ کر لڑکیاں اور اوٹ پٹانگ باتیں کریں۔

''اوہ......عروش کے لہجے میں مایوسی کی جھلک تھی۔

''میں تو آپ سے کچھ باتیں کرنے آئی تھی۔اس نے کہا۔

''آپ بات کریں میں سن رہی ہوں۔

''آپ کو پتا ہی ہوگا آج میرا برتھ ڈے ہے۔عروش نے یوں پوچھا جیسے خود کو بہت مشہور ہستی سمجھتی ہو۔

''میں مدر ٹریسا کا برتھ ڈے یاد رکھتی ہوں یا اپنا۔تنوی جی بھر کر رکھائی کا مظاہرہ کر رہی تھی۔عروش لاجواب ہوگئی۔

''دراصل کالج کی اکثر لڑکیوں کو پتا ہے تو میں نے سوچا آپ کو بھی پتا ہی ہوگا۔

''میں ان اکثر لڑکیوں میں شامل نہیں ہوں۔

''اچھا میں آپ کو بتا تو رہی ہوں۔عروش اتنی جلدی ماننے والوں میں سے نہیں تھی۔آپ مجھے وش نہیں کریں گی؟

''ھیپی برتھ ڈے.....

''آپ کا نام بہت خوبصورت ہے۔

''شکریہ.....

''کس نے رکھا تھا؟

''میری نانو نے۔تنوی نے کہا۔انہوں نے میرا نام اپنے نام پر رکھا تھا کیونکہ وہ چاہتی تھیں میں بالکل ان کے جیسی بنوں۔''

"یہ پہلا طویل جملہ تھا جو اس نے ادا کیا۔" عروش کے لیے یہ بھی غنیمت تھا۔ کم سے کم وہ بات کرنے پر تو راضی ہوئی۔

"کیا آپ کی نانو آپ کی طرح خوبصورت ہیں۔ میں تو ان کے پاسنگ بھی نہیں ہوں۔ اس کے لہجے میں نانو کے لیے فخر ہی فخر تھا۔

"عروش مسکرائی۔

"میں بھی آپ کی نانو سے ضرور ملوں گی تا کہ پتا چل سکے وہ خاتون کتنی خوبصورت ہیں جن کے آپ پاسنگ بھی نہیں ہیں۔ حالانکہ آپ مجھے اتنی خوبصورت لگتی ہیں کہ میرا خیال ہے آپ کا مقابلہ کسی سے ہو ہی نہیں سکتا...... آپ کو پتا ہے میں آپ کو کتنا پسند کرتی ہوں...... شاید میں ٹھیک سے بتا بھی نہیں سکتی...... آپ میری فرینڈ بنیں گی۔ اس نے پوچھا۔

"نہیں۔ تنوی نے سرعت سے مستحکم لہجے میں کہا۔

"کیوں؟ عروش نے پوچھا۔

"میں ہر کسی سے دوستی نہیں کرتی ویسے بھی مجھے زیادہ فرینڈز رکھنا پسند نہیں ہے۔

"آپ اتنی سختی سے جواب نہ دیں۔ عروش نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اچھی طرح سوچ لیں پھر کوئی جواب دیں۔ میں اس کالج کی بہترین لڑکی ہوں چاروں بیجز کی لڑکیاں مجھ سے دوستی میں فخر محسوس کرتی ہیں۔ میں جس کے ساتھ چل رہی ہوتی ہوں اسے خود پر ناز ہوتا ہے۔ آپ خود سوچیں جس لڑکی پر اتنی لڑکیاں فدا ہیں اور اس سے دوستی کرنا چاہتی ہیں وہ خود چل کر آپ کے پاس آتی ہے تو اس کے پیچھے ضرور کوئی اسٹرونگ ریزن ہو گا۔

"آج بہت سی لڑکیوں نے مجھے گفٹ دیے ہیں کئی پھول دے چکی ہیں مگر میں آپ کے لیے پھول لائی ہوں...... ہماری دوستی کے لیے ہیں یہ پھول...... مجھے یقین ہے یہ پھول لے کر آپ میری دوستی سے انکار نہیں کریں گی......" اس کے ہر لفظ سے زعم جھلک رہا تھا۔ تنوی کی ناپسندیدگی میں اور اضافہ ہو گیا۔

"آپ یہ پھول واپس لے جائیں عروش! میں بتا چکی ہوں مجھے آپ سے دوستی نہیں کرنی اور جب دوستی نہیں کرنی تو پھول کس خوشی میں لوں؟ تنوی نے پہلے سے زیادہ سختی سے کہا تھا۔

"عروش مسکراتی رہی۔ تنوی کو اس کی آنکھوں سے، اس کی مسکراہٹ سے گھن آ رہی تھی اس کی آنکھیں اندر کو دھنسی ہوئی تھیں اور گندی معلوم ہوتی تھیں۔

"تنوی کو یاد آیا پچھلے سال جب اس نے اس کالج میں ایڈمیشن لیا اس کی آنکھیں ایسی نہیں تھیں۔

"آپ کو پھول نہیں لینے تو انہیں ڈسٹ بن میں ڈال دیں۔ میں انہیں لے کر نہیں جاؤں گی۔ مجھے یقین ہے چند دن کے بعد آپ مجھ سے دوستی کرنے پر راضی ہو جائیں گی۔

"وہ اسی راستے پر پلٹ گئی جہاں سے آئی تھی۔

''تنوی نے دیکھا۔اس کے پہناوے اور بول چال میں ہی نہیں چلنے کے انداز میں بھی مردانہ پن نمایاں تھا۔اس کی ناپسندیدگی وناگواری کئی گنا بڑھ گئی۔اس نے پھولوں کو بے دردی سے پرے پھینک دیا۔

''اونہہ... قوم لوط کی بھٹکی ہوئی روح۔

''وہ اپنی کتابیں سمیٹنے لگی۔

''نمرہ دوڑی چلی آرہی تھی۔

''عروش تم سے کیا بات کرنے آئی تھی۔اس نے ہانپتے ہوئے پوچھا۔

''اس کا دماغ خراب ہے۔تنوی نے بات پلٹ دی۔

''تم تو کینٹین گئی تھیں اور عمیر کہاں ہے۔

''وہ!ثمامہ کے پاس بیٹھی ہے۔وہی فورتھ ائیر کی ثمامہ جو پامسٹ ہے ہم دونوں نے اسے بڑی مشکل سے راضی کیا ہے کہ آج وہ ہم تینوں کے ہاتھ دیکھے۔

''میں چلتی ہوں لیکن ہاتھ نہیں دکھاؤں گی۔نانو کہتی ہیں اس طرح چالیس دن کی نماز قبول نہیں ہوتی۔تنوی اٹھ کھڑی ہوئی۔

''اوہو...... کچھ نہیں ہوتا تنوی۔نمرہ نے جھنجھلا کر کہا۔

''تمہیں اپنا مستقبل جاننے سے دلچسپی نہیں ہے؟

''دلچسپی تو ہے مگر...... وہ تذبذب میں گھر کر بولی۔

''کوئی اگر مگر نہیں...... تم تو دن بہ دن مس نوجتی جارہی ہو کچھ پوچھو منہ سے ناں نکلتی ہے۔خدا نہ کرے ان دنوں تمہارا نکاح شبیہ العباس کے ساتھ رکھا گیا تو بے چارے کا کباڑہ ہوجائے گا۔ظاہر ہے تمہارے منہ سے تو ناں ہی نکلے گی۔

''نمرہ اسے ساتھ گھسیٹتے ہوئے تیز تیز بول رہی تھی۔

☆☆☆

''جنت......او جنت۔

''دین محمد نے گھر میں داخل ہوتے ہی جنت کو آوازیں دینا شروع کردی تھیں۔

''آسمان کے چہرے پر شام کا سنگھار جاری تھا اور صحن میں لگے سکھ چین پر چڑیوں نے شور مچا رکھا تھا۔ننھی جنت اپنے جھولے میں لیٹی چڑیوں کے شور سے لطف اندوز ہورہی تھی باپ کی آواز سن کر وہ تیز تیز ہاتھ پیر چلانے لگی۔دین محمد نے اپنا صافہ الگنی پر ڈال دیا اور آگے بڑھ اسے گود میں لے کر پیار کرنے لگا۔

''اس کی بیوی زہرہ صحن کے ایک طرف دستی نلکے کے قریب بیٹھی کپڑے دھو رہی تھی باپ بیٹی کو لاڈ کرتے دیکھ کر مسکرانے لگی۔

"یہ آج کی بات نہیں تھی۔ جنت کی پیدائش سے لے کر اب تک...... سال بھر کے اس عرصے میں اس کا یہی معمول بن چکا تھا وہ جنت کو پکارتا ہوا گھر میں داخل ہوتا اور اسے گود میں اٹھالیتا۔ پھر جب تک گھر پر رہتا اسے گود سے اترنے نہ دیتا۔

"اور صرف دین محمد پر ہی کیا موقوف خود زہرہ اور دین محمد کی ماں کے معمولات میں بھی بے حد تبدیلی آچکی تھی۔ جنت ان سب کے لیے کھلونا تھی۔ جس نے ان کے گھر کو گھر نہیں رہنے دیا تھا جنت بنا دیا تھا، جنت دیوار پر بیٹھی ہوئی چڑیا کو پکڑنے کے لیے ہاتھ بڑھا رہی تھی دین محمد نے اسے دونوں ہاتھ سے پکڑ کر چڑیا کے قریب کیا چڑیا خطرہ بھانپتے ہی پھُر سے اُڑ گئی۔ جنت کھلکھلا کر باپ کے سینے میں منہ چھپانے لگی۔ تب ہی دین محمد کی نگاہ اس کے پیر پر پڑی وہاں معمولی سی خراش سرخ ہو کر سوکھ رہی تھی۔

"یہ اس کے پیر پر کیا ہوا ہے؟

"اپنے اندر اٹھی غصے کی شدید لہر کو دباتے ہوئے اس نے زہرہ کو مخاطب کیے بغیر پوچھا تھا۔

"زہرہ اپنے آنچل سے ہاتھ پونچھتی قریب آگئی اور بغور جنت کے پیر کو دیکھا پھر اچانک یاد آنے پر بولی۔

"اچھا یہ...... صبح چارپائی کے پائے سے خراش لگ گئی تھی۔ پاؤں پاؤں چلنے لگی ہے...... آپ کو پتا تو ہے جی! اب یہ کہاں ٹکتی ہے۔ اس نے پیار سے جنت کا گال گدگداتے ہوئے کہا۔ دین محمد نے اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔ یہ پاؤں چلتی ہے، ٹکتی نہیں ہے۔ تم کیا افیم کھا کے سوجاتی ہو۔ ذرا سی بچی کا خیال بھی نہیں رکھا جاتا۔ دین محمد نے مشتعل ہو کر کہا تھا۔ ابھی خدا نے ایک دی ہے تو یہ حال ہے۔ جو باقی چھ بھی زندہ ہوتے تو تو نے کیا کرنا تھا۔

"زہرہ شرمندہ سی ہو گئی۔

"کیا ہو گیا ہے جی آپ کو...... بچے تو چوٹیں لگواتے ہی رہتے ہیں اور میں تو سارا سارا دن اسی کے ساتھ لگی رہتی ہوں یقین نہ آئے تو اماں سے پوچھ لیں۔

"نظر آرہا ہے مجھے کتنا تو اس کے ساتھ لگی رہتی ہے۔ دین محمد کا غصہ کم نہ ہو رہا تھا۔

"اچھا میں اگلی بار خیال رکھوں گی۔ زہرہ نے مصلحت آمیزی سے کام لیا۔ دین محمد سر جھٹک کر تخت پر بیٹھ گیا اور جنت سے باتیں کرنے لگا۔

"زہرہ نے گہری سانس بھر کر شوہر اور بیٹی کو دیکھا۔ اسے دونوں سے بے حد وحساب محبت تھی لیکن دین محمد کی طرح بیٹی کی محبت میں وہ اندھی نہیں ہو رہی تھی۔ دین محمد جنت کے معاملے میں حد درجہ جذباتی تھا۔ وہ زہرہ تو زہرہ جنت کے معاملے میں اپنی ماں کی بھی معمولی سی کوتاہی برداشت نہیں کرتا تھا۔

"بعض اوقات اس کی غیر معمولی محبت وانسیت اچھی لگتی، بعض اوقات بری اور بعض اوقات ناگوار۔

"دین محمد پہلا شخص نہیں تھا جسے خدا نے طویل انتظار کے بعد باپ کے منصب پر فائز کیا تھا۔ اکثر لوگوں کے ساتھ ایسا ہوتا ہے مگر کوئی بھی اولاد کو اس طرح ہتھیلی کا چھالہ نہیں بناتا جس طرح دین محمد جنت کو بنا رہا تھا۔

"بعض اوقات زہرہ کو پریشانی ہونے لگتی کہ اتنی محبت اور جذباتیت کا نتیجہ کیا نکلے گا پھر وہ سر جھٹک دیتی کہ اس کی پریشانی قبل از وقت تھی۔

"دین محمد کا موڈ اتنی دیر میں خوشگوار ہو چکا تھا۔اب وہ زہرہ کو پکار رہا تھا۔زہرہ سر جھٹک کر متوجہ ہوئی۔

"میں نے کہا تھا ناں ہماری لاڈو بڑی نصیبوں والی ہے۔دیکھ لے جب سے دنیا میں آئی ہے ہماری زمینیں کتنا منافع دے رہی ہیں اور آج تو میرے پاس خوش خبری بھی ہے۔وہ خوشی خوشی بتانے لگا۔

"چوہدری حاکم اپنی زمینیں بیچ رہا ہے اور وہ بھی بڑی مناسب قیمت میں...... بلکہ مناسب کہنا بھی غلط ہے اونے پونے ہی سمجھ لے۔میں نے فیصلہ کیا ہے وہ اراضی خرید کے میں جنت کے نام لگاؤں گا۔

"ابھی تو یہ اتنی چھوٹی ہے...... جو ہمارا ہے وہ اسی کا تو ہے لیکن ابھی سے زمین اس کے نام لگانے کی کیا ضرورت ہے۔زہرہ نے اعتراض کیا۔بڑی ہوگی تو نام لگا دینا۔خوانخواہ بچہ نظر میں آتا ہے...... گاؤں میں کتنے حاسد ہیں ہمارے۔

"بات تو ٹھیک ہے تیری۔دین محمد نے کہا۔

"لیکن میرا دل چاہتا ہے۔ہماری جنت اس گاؤں کے تمام بچوں سے بہتر ہو۔میری خواہش ہے زہرہ! اسے پورا ضرور کروں گا اس نے قطعیت سے کہا تھا۔

"زہرہ گہری سانس بھر کر اس کے لیے کھانا لینے رسوئی کی طرف آ گئی۔اسے دین محمد کی منطق سمجھ نہ آئی تھی پھر بھی وہ مطمئن تھی کیونکہ اسے یقین تھا وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ دین محمد کی جذباتیت کم ہو جائے گی۔

☆☆☆

"ڈنر کے دوران بڑی محسوس کن سی خاموشی چھائی ہوئی تھی۔کبھی کوئی گلاس، چمچہ ٹکراتا تو آواز پیدا ہوتی پھر ویسا ہی سکوت چھا جاتا۔ثروت دیکھ رہی تھیں دانیال حسن رغبت سے نہیں کھا رہے یہاں تک کہ انہوں نے چند لقمے کھا کر پلیٹ پرے کھسکا دی اور پانی کا گلاس اٹھا لیا۔لیکن اس سے قبل کے گلاس لبوں سے لگاتے ثروت نے سرعت سے ایک باؤل ان کے سامنے رکھ دیا۔

"آپ کو سبزی پسند نہیں آئی تو یہ مٹن گریوی لے لیں۔ساتھ میں یہ وائٹ رائس...... یہ کامبی نیشن پسند ہے نا آپ کو.... آج سارا کھانا میں نے آپ کی پسند کے مطابق بنایا ہے دانیال۔

"ثروت نے مسکراتے ہوئے اپنا کارنامہ بیان کیا تھا۔

"ایک کے بعد ایک چیز میرے سامنے رکھتے ہوئے یہ ثابت نہ کریں کہ آپ کو میری پسند ناپسند کی بہت پرواہ ہے۔"

"طنز سے بوجھل سرد لہجہ...... ثروت کا رنگ پھیکا پڑ گیا۔"

"آپ نے صبح سبزی کے لیے کہا تھا اسی لیے میں نے۔" انہوں نے وضاحت دینا چاہی دانیال صاحب نے فوراً ٹوک دیا۔

"میں نے مکس سبزی پکانے کے لیے کہا تھا۔صرف گاجر پکانے کے لیے نہیں۔

"مجھے میٹنگ اٹینڈ کرنے جانا ہے۔اس لیے جو سبزی تھی گھر میں تھی وہی بنا دی...... اچھا میں کل مکس سبزی بنا لوں گی پلیز آپ ابھی تو کھانا

چھوڑ کر نہ جائیں۔ آپ کو رائس نہیں کھانے تو میں چپاتی بنا لاتی ہوں۔ فریزر میں کباب رکھے ہیں کچھ قیمے کے اگر آپ کہیں تو وہ فرائی کر دیتی ہوں یا آملیٹ بنا لیتی ہوں۔ ثروت کو کسی بھی طرح انہیں قائل کرنا تھا سو جلدی جلدی بول رہی تھیں۔

"دانیال صاحب نے ابرو اچکا کر تیکھی نظر ان پر ڈالی۔

"کل کس سبزی بنانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ حسب خواہش کوئی چیز نہ ملے تو پھر اس کی اہمیت ختم ہو جاتی ہے۔ تعجب مجھے اس بات پر ہے اتنی اہم بات آپ کی اب تک سمجھ میں کیوں نہیں آسکی۔ باقی بات رہی کباب چپاتی اور آملیٹ کی۔ آپ کو میری اتنی فکر تھی تو ان سب چیزوں کو اس وقت ٹیبل پر موجود ہونا چاہیے تھا۔

"آواز دھیمی لہجہ تلخ۔

"ڈیس ناٹ فیئر ڈیڈی! ولید نے اچانک کہا۔

"ممی نے سب کچھ آپ کی پسند کے مطابق بنایا ہے صرف آج نہیں وہ ہر روز ایسا ہی کرتی ہیں پھر بھی آپ کہہ رہے ہیں انہیں آپ کی فکر نہیں۔

"میری بات میں دخل مت دو ولید! خاموشی سے کھانا کھاؤ۔" دانیال صاحب نے اسے بری طرح جھڑک دیا تھا۔

"ولید کو ہتک کا احساس ہو" اس نے اینیا کی طرف دیکھا وہ سراسیمگی چہرے پر پھیلائے آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے خاموشی سے بیٹھے رہنے کا کہہ رہی تھی۔ ولید دل مسوس کر بیٹھا رہا۔

"ڈیڈی کا معمولی معمولی باتوں کے لیے ممی کو ڈانٹنا ولید کو کبھی اچھا نہیں لگتا تھا۔ ان کا رویہ سب کے ساتھ ایسا ہوتا تو اسے کبھی محسوس نہ ہوتا۔ بحیثیت باپ...... وہ بہت اچھے تھے۔ ان کی پڑھائی کا خیال رکھتے تھے۔ ان کے مسائل ڈسکس کرتے تھے۔ لیکن بیوی کے ساتھ ان کا رویہ ہمیشہ عجیب سا ہوتا تھا۔ کم سے کم ولید نے اپنے ہوش میں انہیں کبھی ماں کے ساتھ تحمل سے بات کرتے نہیں سنا تھا۔ اول تو وہ دونوں آپس میں بہت کم بات کرتے تھے لیکن اگر بات کرتے تو ممی کا لہجہ گھگھیایا ہوا ہوتا اور ڈیڈی کا طنز میں ڈوبا۔

"ان کے پاس اکنامکس میں پوسٹ گریجویشن کی ڈگری تھی اور ایک مشہور سرکاری بینک میں وہ بطور منیجر کام کر رہے تھے۔ اپنی فیلڈ سے متعلقہ شارٹ کورسز کے سلسلے میں وہ اندرون و بیرون ملک سفر کرتے رہتے تھے۔

"ولید کا اس معاشرے میں جو مقام تھا وہ اسے اس کے ڈیڈی کی وجہ سے ملا تھا لیکن ڈیڈی کو یہ مقام پیدا ہوتے ساتھ نہیں ملا تھا۔ انہوں نے یہ مقام اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے حاصل کیا تھا۔ وہ سیلف میڈ تھے اور ایسے سیلف میڈ تھے جنہیں لوگ قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

خود ولید اپنے ڈیڈی کو آئیڈیلائز کرتا تھا لیکن وہ جب بھی انہیں ممی سے بات کرتے سنتا وہ اسے جاہل لگتے تھے جن میں کامن سینس نام کی کوئی چیز نہیں تھی اور جو جاہل مردوں کی طرح اپنی بیوی کو دبا کر رکھنے کے لیے ہر روز اپنی زبان کی دھار تیز کرتے ہیں۔

وہ ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ اس نے ڈیڈی کو ممی سے کہتے سنا لیکن وہ چونکہ پوری طرح حاضر نہیں تھا اس لیے بات سمجھ نہ سکا۔ ممی کہہ رہی تھیں۔

"میں تو ان لوگوں سے ملنے نہیں جا سکی۔ جس وقت توقیر بھائی کا فون آیا میں گھر پر نہیں تھی۔ اینیا نے ان لوگوں کو پورشن دکھا دیا تھا۔ پھر

جس وقت میں آئی......تو میرا خیال تھا وہ لوگ آرام کر رہی ہوں گی اس لیے میں نے سوچا۔"

"اور اگر آپ سوچنا چھوڑ دیں تو ہماری زندگیوں کے آدھے مسائل تو یوں بھی حل ہو سکتے ہیں۔" وہی مخصوص تلوار کی کاٹ جیسا لہجہ۔

"اور کیا میں جان سکتا ہوں آپ گھر پر موجود کیوں نہیں تھیں۔"

"میں نے آپ کو بتایا تھا......سوسائٹی کی میٹنگ تھی آج۔" ثروت منمنائیں۔

"اور کیا ہوتا ہے آپ کی اس میٹنگ میں؟" دانیال حسن نے پوچھا۔

"چغلیاں، بدخوئیاں، اس کو لڑوا دیا، اس کو ملوا دیا......کپڑے، جیولری کی بکواس ڈسکشن......اتنی اہم میٹنگ کے دوران آپ کو تو یہ بھی پتا نہیں چلا ہوگا کہ آپ کی اکلوتی بیٹی اپنا ہاتھ جلا بیٹھی ہے......"

"کیا......" ثروت نے فکرمندی سے ایمینا کی طرف دیکھا۔

"ڈیڈی پلیز!" ایمینا نے جھنجلا کر کہا تھا۔

"ہاتھ میری اپنی غلطی کی وجہ سے جلا ہے آپ ممی کو تو بلیم نہ کریں۔"

"دانیال حسن نے نیپکن میز پر اچھالا اور بنا کسی کی طرف دیکھے ڈائننگ روم سے نکل گئے۔

"اپنا ہاتھ دکھاؤ ایمینا!" ثروت نے اس سے کہا۔

"رہنے دیں ممی!" ایمینا نے اکتا کر کہا تھا۔

"اتنا بھی نہیں جلا کہ میں بچوں کی طرح روتی پھروں۔ پتا نہیں ڈیڈی کی نظر کیسے پڑ گئی اور آپ کو جتا دیا، آپ پلیز کھانا کھائیں۔"

اس کے دوٹوک کہنے پر ثروت خاموش ہو گئیں اور اپنی پلیٹ پر جھک گئیں۔ لیکن چونکہ دل اچاٹ ہو چکا تھا اس لیے جلد ہی ہاتھ کھینچ لیا۔

☆☆☆

ثروت نے جائے نماز تہہ کر کے ریک میں رکھی اور ورد مکمل کر کے گھر کے چاروں کونوں میں پھونکیں ماریں پھر بیڈ روم میں جانے کا ارادہ موقوف کرتی دروازہ کھول کر باہر لان میں آ گئیں۔

ہوا بند تھی لیکن لان کی گھاس سے ایک فرحت بخش تازگی اور خوشبو ان تک آ رہی تھی۔

وہ وہیں برآمدے کی سیڑھیوں میں بیٹھ کر گھاس کو دیکھنے لگیں جو رات کی تاریکی میں سیاہ دکھائی دے رہی تھی۔

"کیا نام ہے میرا؟" گہری سانس بھرتے ہوئے انہوں نے سیڑھیوں کے قریب لرزتے ہوئے "چندنا" کے پودے سے پوچھا۔

"ثروت......کس قدر نامکمل، بے وزن و بے رنگ نام لیکن اگر اس نام کو یوں پکارا جائے۔ مسز ثروت دانیال حسن......تو کتنا مکمل، کتنا روشن لگتا ہے۔ جیسے مضبوط بنیاد کی عمارت۔" ثروت کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ نماز پڑھتے ہوئے بھی یہ آنسو بار بار انہیں تنگ کرتے رہے تھے۔

"اور ہمارے احباب کہتے ہیں ہماری جوڑی بہترین کپل ہے۔ ہم دونوں ساتھ ساتھ کھڑے ہوئے "میڈ فار ایچ ادر" کی عملی تفسیر لگتے

ہیں۔لیکن کوئی جانے ہمارا رشتہ کس قدر کھوکھلا ہے۔"

ایک تکلیف دہ خیال پوری طرح ان کے ذہن پر سوار تھا۔

وہ کچھ دیر اسی طرح کی باتیں سوچتی رہیں پھر گہری سانس بھر کر آنکھیں پونچھیں اور اٹھ کھڑی ہوئیں۔

یہ تو ساری عمر کا رونا تھا۔ ہر روز کہاں اہتمام سے وقت برباد کیا جاتا یوں بھی اب تو عادت سی ہو چلی تھی ان سب باتوں کی۔

دانیال حسن کی محبت تو شادی کے ابتدائی ایام میں ہی کہیں غائب ہو چکی تھی۔اب آ کر انہوں نے ثروت کی عزت نفس کو بھی زک پہنچانا شروع کر دی تھی۔

بس دکھ تھا تو اسی بات کا۔

لیکن یہ بھی شکر تھا کہ احباب کے سامنے وہ اپنا سوبر امیج برقرار رکھتے تھے۔زندگی میں بہت کچھ مل رہا ہو تو کچھ باتوں کو نظر انداز بھی کرنا پڑ جاتا ہے۔

وہ دروازہ بند کرتی کچن میں آ گئیں۔شازیہ کل وقتی ملازمہ تھی لیکن دانیال کی ہدایت پر کھانا بنانے کا کام وہیں کرتی تھی۔

اینیا سلیب پر چڑھی بیٹھی نوٹس ہاتھ میں پکڑے رٹا لگا رہی تھی۔

"تم یہاں کیا کر رہی ہو؟" انہوں نے تعجب سے پوچھا کہ اینیا جلدی سو جانے کی عادی تھی پھر اس کی کچن میں موجودگی بھی حیرانی کا باعث تھی۔

"ٹیسٹ ہے صبح......تیاری کرنے کے لیے دیر تک جاگنا پڑے گا۔اسی لیے چائے بنانے آئی تھی۔"

"ثروت نے دیکھا برنر پر ساس پین رکھا ہوا تھا۔

"آپ کیوں جاگ رہی ہیں اب تک......چائے بناؤں آپ کے لیے؟"

"ارے میری توبہ! ایک بھی سپ میرے اندر گیا چائے کا......تو فجر تک جاگتی رہوں گی۔" ثروت نے جلدی سے کہا۔

"تمہارے ڈیڈی کے لیے دودھ گرم کرنے آئی تھی۔"

وہ اپنے کام میں لگ گئیں اینیا نے ساری توجہ نوٹس کی طرف لگا دی پھر کچھ خیال آیا تو کن اکھیوں سے انہیں دیکھنے لگی۔

صاف شفاف آنکھیں، شکوے سے عاری لب۔

اسے اپنی ماں پر ڈھیروں پیار آیا۔

"تمہارا ہاتھ تو بہت جل گیا تھا اینیا! کیسے جلا؟......اور تم نے مجھے بتایا بھی نہیں۔" ایک ٹک اس کے دائیں ہاتھ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

"کیا کروں؟" اس نے گہری سانس بھرتے ہوئے کہا۔

"آپ کی بیٹی ہوں۔تکلیفوں کو چھپا چھپا کر رکھنے کی عادت آپ سے ورثے میں ملی ہے مجھے۔"

یہ بات اس نے مسکراتے ہوئے کہی تھی ثروت کے دل میں آنی کی طرح گڑ گئی۔

"باتیں زیادہ ہی بنانی نہیں آ گئی تمہیں؟ اپنی پڑھائی پر دھیان دو۔" انہوں نے اس کے سر پر ہلکی سی چپت لگاتے ہوئے کہا تھا۔

اینیا مسکرا کر کپ میں چائے انڈیلنے لگی۔

"ممی......" چند لمحے کچھ سوچتے ہوئے وہ بولی۔

"ڈیڈی...... کچھ عرصے سے زیادہ ہی روڈ نہیں ہوتے جا رہے؟" اس کا انداز جھجک آمیز تھا۔ ثروت نے ایک نظر اسے دیکھا پھر دوٹوک لہجے میں بولیں۔

"میں نے کہا اپنی پڑھائی پر دھیان دو۔ بلاوجہ اوٹ پٹانگ باتیں نہ سوچا کرو۔"

"یہ بلاوجہ کی بات نہیں ہے۔" اینیا وہیں کھڑی ہو کر چائے پینے لگی۔ "ڈیڈی نے آج جس طرح بات کی ہم تینوں کو بالکل اچھا نہیں لگا۔" اس نے بھائیوں کا بھی حوالہ دیا۔

"ولید بھی یہی کہہ رہا تھا ڈیڈی کے مزاج میں بہت تبدیلی آ گئی ہے۔ بہت ہائپر رہنے لگے ہیں، جلدی ٹمپر لوز کر لیتے ہیں۔ آپ کو کتنا کچھ سنا دیتے ہیں۔"

"تمہارے باپ کے مزاج میں یہ تبدیلی اب نہیں آئی میری جان! وہ پہلے بھی ایسے ہی تھے۔ فرق صرف اتنا پڑا ہے کہ اب وہ تم لوگوں کے سامنے مجھے سناتے ہیں۔" ثروت نے تلخی سے سوچا لیکن جب بولیں تو اچھی بیوی کا فرض نبھا رہی تھیں۔

"آفس کا کوئی معاملہ ہوگا۔ میں پوچھوں گی ان سے اینیا بیٹے! آپ بڑی ہو، بھائیوں کو سمجھایا کرو اتنی معمولی باتوں پر دھیان نہ دیا کریں۔"

"ممی! ایک بات بتائیں، آپ بھائی سے ملنے گئی تھیں؟" اینیا نے ان کی بات قطع کرتے ہوئے پوچھا۔

ثروت مگ ہاتھ میں پکڑے دودھ ابلنے کی منتظر تھیں۔ اینیا کا سوال سن کر ان کا ہاتھ لرزا تھا۔

"نہیں۔"

"اچھا......" اینیا کو مایوسی سی ہوئی۔

"مجھے لگا آپ بھائی سے ملنے گئی ہوں گی، اسی لیے ڈیڈی آپ پر اتنا غصہ کر رہے ہیں۔" اسے اپنے اندازے کی ناکامی کا افسوس تھا۔

"اینیا!" ثروت نے مگ سلیب پر پٹخا۔

"میں تم سے کیا کہہ رہی ہوں کہ بھائیوں کو سمجھایا کرو۔ مجھے یہ نہیں پتا تھا تمہارا اپنا دماغ ہی یہاں وہاں بھٹکتا رہتا ہے۔ تمہارے ڈیڈی کتنے اچھے ہیں۔ کتنی محبت کرتے ہیں تم لوگوں سے...... کبھی کسی چیز کی کمی ہونے دی۔"

"میں نے کب کہا ڈیڈی برے ہیں؟" اینیا نے پھر ان کی بات کاٹی تھی۔

"وہ بہت اچھے ہیں ممی اور ڈیڈی صرف اچھے فادر ہی نہیں ہیں۔ وہ اچھے بھائی، اچھے بیٹے، اچھے تایا، اچھے چچا، اچھے دوست بھی ہیں

لیکن......" وہ پل بھر کو رکی۔

"But he is not a good husband"

اس نے آہستگی سے پوچھا۔

ثروت ہکا بکا رہ گئیں۔

ان کی سترہ سالہ اکلوتی بیٹی...... جسے وہ اپنے تئیں بہت چھوٹا سمجھتی تھیں، ایسا گہرا تجزیہ کر سکتی ہے۔ انہوں نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا۔

اینیا نے خاموشی سے چائے کا آخری گھونٹ حلق میں اتارا مگ دھو کر اسٹینڈ میں رکھا پھر ثروت کی طرف دیکھا جو ابھی تک اسے دیکھ رہی تھیں۔

پین میں دودھ ابل ابل کر خشک ہو رہا تھا۔

"آئی ایم سوری ممی! میں آپ کو ہرٹ نہیں کرنا چاہتی مگر حقیقت تو وہی ہے جو میں نے کہی۔"

اس نے ناخن کھرچتے ہوئے کہا تھا۔

"اینیا......" ثروت نے کہنا چاہا۔

"گڈ نائٹ ممی!" اینیا نے بڑھ کر برنر بند کیا اور ثروت کی پیشانی پر بوسہ دیتی باہر نکل گئی۔

ثروت اس سے کہنا چاہتی تھیں سونے سے قبل ہاتھ پر برنال لگا لے۔ لیکن صدمے نے ان کے الفاظ ہی گم کر دیے تھے۔

☆☆☆

"مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔"

دانیال حسن کو کتاب بند کرتے دیکھ کر ثروت نے سرعت سے کہا تھا، وہ سونے سے قبل مطالعہ کے عادی تھے۔ پھر کتاب بند کر کے رکھتے تو کوئی بات سننے کے روادار نہ ہوتے، ثروت اتنی دیر سے تمہید کا کوئی پہلو تلاش کر رہی تھیں اسی دوران دانیال حسن نے دودھ کا مگ ختم کیا پھر کتاب بند کرنے لگے تو وہ جلدی سے بول اٹھیں۔

ہوتا تو ہمیشہ یہی تھا۔ معمولی سے معمولی بات بھی دانیال حسن کے گوش گزار کرنے کے لیے انہیں کئی کئی دن پہلے سے سوچ کر مضمون تیار کرنا پڑتا تھا (پھر بھی لوگ کہتے تھے دانیال حسن اور ثروت دانیال میں ذہنی ہم آہنگی کمال کی ہے) اور اس وقت تو وہ جو بات کرنا چاہ رہی تھیں، اس کے بارے میں انہیں سو فیصد یقین تھا دانیال حسن کی نازک مزاج اور حد درجہ نا پسند طبیعت پر گراں گزرے گی۔ نازک مزاج شوہر بھی کس قدر بڑی مصیبت ہے۔

محترم نازک مزاج نے کچھ چونک کر، کچھ حیران ہو کر اپنی نصف بہتر کو دیکھا۔ کیوں کہ ان کے چہرے پر عجب متذبذب سے تأثرات تھے۔ گو کہ نیا پن کچھ بھی نہیں تھا پھر بھی انہیں کوئی بات محسوس ہوئی۔

"ساری زندگی آپ کی باتیں سنتے ہی گزری ہے...... جی فرمایئے۔" طنز کے بغیر تو عرصہ ہوا ان کی کسی بھی بات نے مکمل ہونا ترک کر دیا تھا، سو اس بار بھی طنزیہ ٹون میں بولے اور کتاب ازسر نو کھول لی ثروت کا دل چاہا پوچھیں۔

''باتیں سننے گزری ہے یا سناتے؟''

لیکن وہ پوچھنے کا حوصلہ رکھنے والی ہوتیں تو آج ان کے سامنے کوئی بات کرتے ہوئے یوں نہ جھجک رہی ہوتیں۔

''آپ کتاب تو بند کر دیں۔'' گزارش۔

''میں کانوں سے سنتا ہوں۔'' ٹکا سا جواب آیا۔

ثروت نے پہلو بدلا تھوک نگل کر حلق تر کیا اور محض چند لمحوں میں دانیال حسن کی شکل دیکھتے ہوئے از سر نو سوچا انہیں کچھ کہنا بھی چاہیے یا پچھلے کئی برسوں کی طرح اس بار بھی چپ سادھ کر زندگی کو اس کی اس مخصوص ڈگر پر چلتے رہنے دینا چاہیے۔ جس کا سفر ان کے لیے بذات خود بہت بڑی اذیت تھا۔

''اگر تمہیں خاموش رہ کر میری رات ہی برباد کرنا ہے تو بتا دو۔ میرا وقت تمہاری سوچ سے بھی زیادہ قیمتی ہے۔ نام نہاد سوسائٹیز کی احمقانہ میٹنگز نہیں اٹینڈ کرنا ہوتیں۔ کام کرنا ہوتا ہے۔ ہر روز جو ہزاروں روپے اپنے للّے تللّوں پر اڑاتی ہو وہ مفت میں نہیں ملتے مجھے۔'' کتاب پر نظریں جمائے وہ ہموار آواز میں مخاطب تھے۔ ثروت کے دل کو بری طرح ٹھیس پہنچی۔

اور یہ ٹھیس کوئی پہلی بار تھوڑا ہی پہنچی تھی کہ وہ غم زدہ ہو کر بیٹھ جاتیں۔

''میں یہ کہنا چاہ رہی تھی۔ آپ کو مجھ سے جو بھی شکایت ہوتی ہے آپ نے جو بھی کہنا ہوتا ہے (جو بھی طعنے دینا ہوتے ہیں، جتنی سخت سست سنانا ہوتی ہیں) یہیں کمرے میں کہہ لیا کریں۔ بچوں کے سامنے مجھ سے اس انداز میں بات نہ کیا کریں...... پلیز گزارش سمجھ لیں اسے میری۔''

ثروت نے حسب عادت ٹھہر ٹھہر کر گھگیائے ہوئے لہجے میں بات مکمل کی تھی۔

دانیال حسن نے گردن اٹھا کر انہیں دیکھا۔

''بچوں کے سامنے کس انداز میں بات نہ کیا کروں؟''

ثروت نے اپنی گھبراہٹ پر قابو پاتے ہوئے خشک ہوتے لبوں پر زبان پھیری۔ شوہر کے سامنے آج بھی ان کی حیثیت نالائق طالب علم سے زیادہ نہیں تھی، جو استاد کے سامنے ڈھنگ سے بات بھی نہیں کر پاتا کجا کہ امتحانات میں اچھے گریڈز لانا۔

''جس طرح آپ نے ڈائننگ ٹیبل پر بات کی۔'' انہوں نے کہا۔

''بچے بڑے ہو چکے ہیں دانیال؟ بعض اوقات وہ باتیں جو ہمیں بہت معمولی محسوس ہو رہی ہوتی ہیں اسے وہ پوری شدت سے محسوس کرتے ہیں...... ہمارے معمولی اختلافات، چھوٹی چھوٹی بحثیں ان کے لیے بہت بڑی بڑی ہوتی ہیں۔ اب یہی دیکھ لیں ابھی جو بات ڈائننگ ٹیبل پر ہوئی اسے ایشا اور ولید نے بہت محسوس کیا ہے۔ ولی تو ان دونوں سے چھوٹا ہے۔ ایشا اور ولید تو آپس میں ڈسکس کر لیتے ہیں۔ اندازہ کریں ولی کے ذہن میں کتنے الجھاؤ پیدا ہو رہے ہوں گے۔''

''کہیں ایسا نہ ہو کل کو اس کی پرسنالٹی میں ان ہی باتوں کی وجہ سے کوئی منفی رخ پیدا ہو۔ ہم آج جس چیز کو نظر انداز کریں گے کل کو یہ

ہمارے لیے بہت بڑا مسئلہ بھی بن سکتی ہے۔"

"ولید نے اینیا سے آپ کے بارے میں اپنی فلینگو شیئر کی ہیں اور اینیا نے مجھ سے کہا...... مجھے اس کی باتیں سن کر بہت عجیب لگا ہے دانیال......"

"ہوں۔" دانیال حسن نے پرسوچ انداز میں کہا۔

ثروت کو بے ساختہ خوشی محسوس ہوئی۔ ان کا خیال تھا وہ دانیال تک اپنا مافی الضمیر پہنچانے میں کامیاب رہی ہیں۔

خوشی کے اس احساس سے وہ مسکرانے لگیں اور سر جھکا کر بیڈ شیٹ کے پرنٹ پر شہادت کی انگلی پھیرتی رہیں۔ اس بات پر غور کیے بنا کہ دانیال حسن نے چند بار انہیں بغور دیکھا ہے۔

"میں حیران ہوں...... بہت زیادہ حیران اتنا وقت گزر گیا اور مجھے پتا ہی نہیں چلا ہمارے بچے اتنے بڑے ہو گئے کہ انہوں نے ان باتوں پر دھیان دینا شروع کر دیا جن کو ہم قابل اعتناء ہی نہیں سمجھتے۔"

"معاف کیجئے......صرف آپ قابل اعتناء نہیں سمجھتے ہماری تو ذات ذرہ ذرہ ہو جاتی ہے۔" ثروت، دانیال حسن سے اتنا خائف تھیں کہ خیالات میں بھی معذرت کرنا نہ بھولیں۔

"لیکن اس سے بھی زیادہ حیرانی مجھے تم پر ہو رہی ہے ثروت! میرا اتنا سا سکون بھی اب تم سے برداشت نہیں ہوتا کہ میرے بچوں کے دلوں میں زہر بھرنا شروع کر دیا۔ ان کے کان بھرنے شروع کر دیے تاکہ وہ اپنے سگے باپ سے نفرت کرنے لگیں۔"

ثروت اس وقت سر جھکائے مبہم سا مسکرا رہی تھیں کہ انہوں نے دانیال حسن کے جملے سنے۔ ان کی مسکراہٹ اڑن چھو ہو گئی۔ ان کا چہرہ تاریک ہو گیا تھا۔ انہوں نے بے یقینی سے دانیال حسن کو دیکھا۔

"دانیال......" صدمے کی کیفیت میں ان کے لبوں سے بس یہی نکلا۔

"اٹھارہ سالہ رفاقت کا اچھا انعام دے رہی ہو۔" دانیال حسن نے تنفر سے کہا۔

"بس کریں دانیال!" ثروت کی برداشت آج بالکل جواب دے گئی تھی۔ آج تک دانیال حسن نے ان کے دل کو ٹھیس پہنچائی تھی۔ اب جو ضرب لگائی وہ کچھ زیادہ ہی شدید تھی۔ ثروت کا دل بالکل ہی بکھر گیا۔

"بدگمانی کی بھی بہر حال کوئی حد ہوتی ہے۔ مگر آپ کی بدگمانی لامحدود ہے، میں بچوں کے کان کیوں بھروں گی آخر وہ میرے بھی بچے ہیں۔" وہ تڑپ ہی تو گئی تھیں اس الزام پر۔

"اسی لیے تو مجھے زیادہ حیرانی ہے۔" دانیال حسن نے سابقہ انداز میں کہا۔ "اپنے ہی بچوں کو ان کے سگے باپ سے متنفر کرتے تمہیں رتی بھر احساس نہیں ہوا تم کس قدر غلط کر رہی ہو۔"

"باپ سے متنفر ہونے کے لیے انہیں وہ باتیں کافی ہیں، جو ان کا باپ ان کے سامنے ان کی سگی ماں کو وقتاً فوقتاً سناتا ہے۔ بغیر کسی غلطی

کے جھڑکتا ہے، طنز کے تیر چلاتا ہے۔ بے عزت کرتا ہے ذلیل کرتا ہے۔'' آنکھوں میں تیزی سے امڈتے آنسوؤں نے آواز بوجھل کر دی تھی۔

دانیال حسن نے گردن گھما کر ثروت کو دیکھا ان کا خوب صورت چہرہ غم و غصے سے لال ہو رہا تھا۔

انہیں یاد آیا یہ چہرہ ان کا عشق تھا۔ ان کی بے قراریوں کا سبب تھا۔ ان کی بے چینیوں کی وجہ تھا۔

ان کے جنون کا عنوان تھا۔

اور یہی وہ چہرہ تھا جس نے آج تک انہیں سکون کا سانس نہیں لینے دیا۔

ثروت کی طرف دیکھتے ہوئے معاً ان کی آنکھوں میں چمک ابھری تھی۔

''تمہیں میری باتیں بری لگتی ہیں۔ تمہیں لگتا ہے میں تمہیں بے عزت کرتا ہوں۔ ٹھیک ہے میں ایسی باتیں کرنا چھوڑ دوں گا، میں بھول جاؤں گا تمہارا کوئی ماضی تھا۔''

''میرا ماضی اٹھارہ سال پرانا ہے دانیال! کسی بات کو بھولنے کے لیے اٹھارہ سال کافی ہوتے ہیں بشرطیکہ ہم بھولنا چاہیں۔'' ثروت نے کہا۔

''ٹھیک ہے...... ٹھیک ہے کہہ تو رہا ہوں، بھول جاؤں گا بس میری ایک شرط ہے۔'' دانیال حسن نے توقف کیا۔

''صرف اتنی شرط ہے تم عباس سے ملنا چھوڑ دو۔''

''دانیال!'' ثروت جھنجھلا گئیں۔ یہ شخص ہمیشہ ایسی بات کرتا تھا، جس کی وہ توقع نہیں کر رہی ہوتی تھیں۔

''اٹھارہ سال بعد، عباس سے تین ماہ پہلے میں نے اسے دوبارہ دیکھا تھا، پھر صرف ایک بار ملی۔ یہ ملاقات چند منٹ سے زیادہ نہیں تھی، آپ اچھی طرح جانتے ہیں عباس میری شکل بھی دیکھنے کا روادار نہیں ہے...... پھر بھی آپ اسے چھوڑنے کی شرط رکھ رہے ہیں۔ خدارا اپنی اٹھارہ سال کی تلخی اور کڑواہٹ کو ایک ملاقات سے مشروط نہ کریں۔''

''مسئلہ جانتی ہو ثروت! کیا ہے؟'' دانیال حسن نے کہا۔

''تم نے کبھی مجھے دل سے قبول ہی نہیں کیا۔ پچھلوں کی یاد تمہیں اتنا ستاتی رہی کہ میرے تین بچوں کی ماں بننے کے باوجود تم نے ان کی یادوں کو تازہ رکھا۔ کبھی فراموش ہی نہیں کیا انہیں۔ اماں ٹھیک کہتی تھیں۔ مطلقہ مطلقہ ہی ہوتی ہے۔''

دانیال حسن کا سرد بے رحم لہجہ۔

ثروت کا سارا وجود بھڑ بھڑ جلنے لگا۔

''آپ نے اور آپ کی اماں نے کبھی کچھ غلط کہا ہی نہیں۔'' ثروت نے زہر خند لہجے میں کہا۔

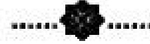
''آپ کے ساتھ گزارے ان اٹھارہ سالوں سے میں نے کچھ پایا یا نہیں، ایک سبق ضرور سیکھا ہے۔ کم ظرف کا احسان نہیں لینا چاہیے۔'' یہ ڈائریکٹ حملہ تھا دانیال حسن بلبلا اٹھے۔

''اتنا غم ہے تو اب بھی کوئی فیصلہ کر لو۔ اپنے بچوں کے لیے میں کافی ہوں اور علیحدگی میں تمہیں دقت بھی نہ ہوگی۔ عادت جو ہوئی۔''

دانیال حسن نے تیر چلائے۔ لیمپ آف کیا اور لیٹ گئے۔

رات بھر بیٹھ کر تمہیں آنسوے بہانے ہوں تو کمرے سے چلی جاؤ۔ میری نیند برباد کرنے کی ضرورت نہیں۔"

ثروت نے بھری ہوئی آنکھوں سے اس پتھر کی پشت کو دیکھا۔ جس سے اٹھارہ سال سے سر پھوڑ رہی تھی پھر کمرے سے باہر نکل گئیں۔



"ماوی! اُٹھ جاؤ اب، کب تک سوتی رہو گی؟ میں بتا رہی ہوں۔ اب بھی نہیں جاگو گی تو تمہیں جگانے کے لیے چھٹا چکر نہیں لگاؤں گی اس کمرے کا۔"

ثمینہ نے جھنجلاتے ہوئے کہا تھا، ان کا خیال تھا یہ دھمکی کارگر ثابت ہوگی، مگر ماوی کے کمبل اوڑھے وجود میں ذرا سی بھی حرکت نہ ہوتے دیکھ کر ان کا غصہ اور جھنجلاہٹ اور بھی بڑھ گئی۔

"میں کیا کہہ رہی ہوں، تمہیں سنائی نہیں دے رہا۔" انہوں نے کمبل گھسیٹا۔ تب ماوی نے تکیے سے سر اُٹھا کر نیند سے بوجھل آنکھوں کی جھری سے انہیں دیکھا۔

"مجھے سنائی بھی دے رہا ہے اور دکھائی بھی دے رہا ہے، مگر آپ کو کیوں دکھائی نہیں دے رہا کہ میں ابھی سونا چاہتی ہوں؟" اس نے بوجھل آواز میں احتجاج کیا تھا۔

"تم کب سونا نہیں چاہتیں، بارہ گھنٹوں کی نیند لے کر بھی اُٹھو گی تو تمہارے حواسوں پر نیند ہی سوار ہوگی۔" ثمینہ نے کہا۔

"اچھا پلیز نا۔ پندرہ منٹ اور......" اس نے جلدی سے آنکھیں بند کیں۔

"غضب خدا کا۔ لوگ صبح سویرے اُٹھ کر خدا، رسول ﷺ کا نام لیتے ہیں۔ ایک ہماری مہارانی ہے جو آنکھ کھلتے ہی پندرہ منٹ اور کی تسبیح پڑھنا شروع کر دیتی ہیں۔"

"چلیں۔ اب ایک روز فجر نہ پڑھنے پر کفر کا فتویٰ لگا دیں۔" وہ آنکھیں بند کیے بولی تھی۔

"فتویٰ نہیں لگاؤں گی۔ میں تو دعا کرتی ہوں، کوئی جادو کی چھڑی مل جائے مجھے، کم سے کم تمہاری اس نشیٔوں جیسی نیند سے تو پیچھا چھڑواؤں۔"

"کس قدر ظالم ماں ہیں آپ۔ لوگ اپنے بچوں کو پُرسکون نیند سوتا دیکھ کر خوش ہوتے ہیں کہ تھک کر ہمارے بچے پُرسکون میٹھی نیند سو رہے ہیں اور ایک آپ ہیں، میری گھڑی بھر کی نیند آپ کو صدیوں کے برابر لگتی ہے۔" بند آنکھوں کے ساتھ اس کی زبان فر فر چل رہی تھی۔

"ہاں...... ہاں۔ اب کہہ دو ماں ظالم ہے، سنگ دل ہے، خوف ناک ہے۔"

"ایکسکیوزمی ممی! میں نے صرف ظالم کہا تھا، باقی خصوصیات آپ خود بیان کر رہی ہیں۔"

"بکو مت۔ وہ مائیں کوئی اور ہوں گی جنہیں اولاد کا پوستیوں کی طرح سوئے رہنا اچھا لگتا ہوگا۔ میں ان ماؤں جیسی ناعاقبت اندیش نہیں

ہوں، الحمداللہ عقل وشعور ہے میرے پاس۔"

"اللہ......" ماوی نے دایاں ہاتھ بے چارگی سے سر پر رکھا۔ "اتنی مشکل اُردو...... میں نے کتنی بار کہا ہے آپ سے، ایسی اُردو نہ بولا کریں میرے ساتھ۔ سر پر سے گزر جاتی ہے۔"

"ہاں بھئی۔ تم انگلش ماں باپ کی بیٹی ہو۔ دادا، پردادا بھی انگلش اسپیکنگ ہی تھے۔ تمہیں کہاں اُردو سمجھ میں آئے گی۔" ثمینہ نے جل کر کہا۔ ماوی زور سے ہنس دی۔

"آپ کو اپنی تعریفیں کرنے کا کتنا شوق ہے ممی! دادا، پردادا اور ابا کا تو پتا نہیں لیکن خود آپ کسی اینگل سے انگلش اسپیکنگ نہیں لگتیں۔"

"تعریف اس کی کی جاتی ہے جس میں کوئی خصوصیت ہو اور مجھ میں اتنی خصوصیات ہیں کہ تعریف سننا میرا حق بنتا ہے۔ تمہیں تو خیر کبھی میری تعریف کرنے کی توفیق نہیں ہوتی لیکن اگر تمہارے ابا زندہ ہوتے تو تمہیں پتا چلتا کہ وہ میری کتنی......"

"جی، جی۔ مجھے پتا ہے۔" ماوی نے سرعت سے کہا۔ "کہ ابا آپ کی بہت تعریفیں کیا کرتے تھے۔"

"جس طرح سگریٹ نوشی کی کثرت گردوں یا پھیپھڑوں پر حملہ کرتی ہے مجھے یقین ہے، دروغ گوئی کی کثرت نے ان کے دل پر حملہ کیا ہوگا اور وہ اس دنیا سے کوچ کر گئے ہوں گے۔" ثمینہ کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔

"زبان کس قدر چلنے لگی ہے تمہاری۔ یہ سب فیض کا کیا دھرا ہے، اسی نے سر چڑھایا ہے تمہیں، لیکن یاد رکھو، یہاں فیض نہیں ہے جو تمہاری ڈھال بنے۔"

"جانتی ہوں ماما! فیض ماما یہاں نہیں ہیں اور میں ایک جلاد کے ساتھ رہنے آئی ہوں۔" اس نے منہ بنا کر کہا۔ "میری اس جلاد سے درخواست ہے، مجھے بس پندرہ منٹ اور سو لینے دے۔"

"ہرگز نہیں......بس نکلو کمبل سے۔"

"پلیز ممی!......" وہ بچوں کی طرح مچلی۔

"حد ہوگئی ماوی؟ ضد اور ہٹ دھرمی کی۔ اب مار کھاؤ گی مجھ سے۔"

"تو کون سی نئی بات ہوگی۔ آپ اپنا یہ ہنر بچپن سے ہی مجھ پہ آزماتی آرہی ہیں۔"

"جتنی دیر سے بحث کر رہی ہو، اتنی دیر میں قضا ہی سہی، نماز بھی پڑھ چکی ہوتیں۔"

"جب قضا ہی پڑھنی ہے تو کسی بھی وقت پڑھ لوں گی۔"

"ماوی! بہت ہوا۔ اب اُٹھ چکو۔ تمہیں پتا ہے، تمہیں بستر میں دیر تک دیکھ کر مجھے وحشت ہوتی ہے۔"

"اوفوہ......" ماوی جھنجلا کر بولی۔ "میں سمجھ گئی یقیناً آپ ابا کو بھی سونے پر بار بار ٹوکتی ہوں گی، اسی غم سے بے چارے مستقل سو گئے تاکہ آپ دوبارہ انہیں جگا ہی نہ سکیں۔"

کہنے کے بعد احساس ہوا، کس قدر غلط بات منہ سے نکل چکی ہے تو زبان دانتوں تلے داب لی اور پٹ سے آنکھیں کھول کر دیکھا۔

ثمینہ کے چہرے پر تاریک سا سایہ صاف دکھائی دے رہا تھا۔

''آئی ایم سوری ممی! میرا کہنے کا وہ مطلب نہیں تھا۔'' وہ اُٹھ کر بیٹھتے ہوئے جلدی سے شرمسار لہجے میں بولی۔

ثمینہ کے آگے بڑھ کر کھڑکی پر پڑے بھاری پردے ہٹا دیے۔ایک جھماکے سے نوخیز سورج کی تیز روشنی کمرے میں داخل ہو کر سارے میں بکھر گئی۔

''ممی! پلیز میری بات تو سنیں۔'' ماوی نے کہا۔ ثمینہ اسی خاموشی سے باہر نکل گئیں۔ ماوی نے جھنجلا کر کمبل پر ہاتھ مارا، پھر گرنے کے انداز میں چت لیٹ گئی۔

اس کے ساتھ وقت یہ تھی کہ ایک بار آنکھ کھلنے کے بعد وہ دوبارہ سو نہیں پاتی تھی اور اس وقت تو غالباً دس یا گیارہ گھنٹوں کی بھرپور نیند لے کر بیدار ہوئی تھی، سو دوبارہ سونے کا سوال ہی نہیں تھا۔اس پر ممی کی دل آزاری کا خیال اس قدر شدید تھا کہ بس......

اصل بات یہ تھی کہ ان دونوں میں ماں بیٹی سے زیادہ بہنوں جیسی بے تکلفی تھی۔ کسی نہ کسی معاملے پر نوک جھونک چلتی ہی رہتی تھی۔ بہت بچپن میں ہی اسے ممی کی زندگی میں موجود خلا کا احساس ہو گیا تھا۔ابا کی کمی پوری کرنا تو خیر اس کے لیے ممکن نہ تھا لیکن ان کی تنہائی دور کرنے کا طریقہ اس نے یہ نکالا کہ ممی سے اپنی چھوٹی چھوٹی باتیں بھی شیئر کرنے لگی۔ عام سی بات پر بھی ان کی رائے لیتی۔ مشورے مانگتی۔انہیں بولنے پر اُکساتی۔ بچپن کی شعوری کوششیں اب عادت بن چکی تھیں۔ممی کی خاموشی کا حصار ٹوٹ چکا تھا لیکن عادت پختہ ہو چکی تھی، اسکول اور اس کے بعد کالج سے واپس آ کر وہ ہر اہم اور غیر اہم بات بھی انہیں بتاتی تھی۔وہ دونوں بہنیں بھی تھیں، سہیلیاں بھی۔اسی نوک جھونک کے درمیان وہ جھگڑ بھی لیتی تھی، پھر من بھی جاتیں لیکن اس سارے معمول کے دوران وہ ادب و احترام کو کبھی ہاتھ سے چھوٹنے نہ دیتی تھی اور ممی کی دل آزاری کا تو سوال ہی نہ پیدا ہوتا تھا، کجا کہ ان کی خفگی مول لینا۔لیکن اس وقت ایک بہت ہی غیر مناسب بات نہایت بھونڈے انداز میں اس کے لبوں سے نکل کر ممی کے دل کو زخم لگا چکی تھی، جس کا اسے بے حد پچھتاوا محسوس ہو رہا تھا۔

''میں ممی سے ایکسکیوز کر لیتی ہوں۔'' اس نے پُرسوچ انداز میں کھڑکی کی جانب دیکھا، مشرق کے رُخ پر بنی ہوئی کھڑکی کے شیشے سے سنہری کرنیں اور آخیر اکتوبر کا تپش سے عاری سورج آسمان پر اُبھرتا دکھائی دے رہا تھا۔

''گویا ممی کبھی مجھے جگانا بھول بھی گئیں تو یہ سورج میری نیند برباد کرتا رہے گا۔'' اس نے منہ بنا کر سوچا پھر کمبل ہٹا کر اُٹھی اور واش روم میں گھس گئی۔ چند منٹ بعد باہر آئی۔موبائل اُٹھا کر ٹائم چیک کیا، پھر شال لپیٹ کر باہر آ گئی۔ کمبل میں سے نکلنے کی بنا پر ہلکی سی ٹھنڈ محسوس ہو رہی تھی، وگرنہ درجہ حرارت نارمل تھا۔

ثمینہ صوفے پر بیٹھی موبائل کان سے لگائے باتوں میں مصروف تھیں، اسے دیکھ کر رُخ پھیر لیا۔وہ جلدی سے آگے بڑھی اور ان کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گئی۔

"سوری ممی......" آواز دبا کر بولی۔

ثمینہ چونکہ موبائل کان سے لگائے ہوئے تھیں، اس لیے زبان سے کچھ نہیں کہہ سکتی تھیں۔ انہوں نے ہاتھ سے نرمی سے اسے ہٹانا چاہا، وہ اوران کی گود میں گھس گئی۔

"جب تک معاف نہیں کریں گی، اسی طرح لیٹی رہوں گی اور بات بھی نہیں کرنے دوں گی۔" اس نے ضدی بچے کی طرح مچل کر دھمکایا۔

ثمینہ جھنجلا کر بولیں۔

"جی ہاں...... ہوگئی تمہاری لاڈو کی صبح...... لو میری مجال ہے کہ کچھ کہوں۔ تم نے ہی سرچڑھا رکھا ہے۔ آپا! یہ نہ کہیں۔ یوں نہ ڈانٹیں یہ اسی بے جا لاڈ پیار کا نتیجہ ہے کہ یہ من مانی کرنے لگی ہے۔ سچ کہہ رہی ہوں، تم سب مجبور نہ کرتے تو میں کبھی اسے پاکستان آنے کی اجازت نہ دیتی۔"

اندازہ ہو گیا تھا دوسری طرف فیض ماما ہیں۔ ماوی منہ موبائل کے قریب لا کر بولی۔

"پلیز ماما! اپنی بہن سے میری سفارش کر دیں۔ صبح صبح مجھ سے ناراض ہو گئی ہیں اور اس وقت غصے میں بالکل "کالی ماتا" لگ رہی ہیں۔"

ثمینہ نے جھنجلا کر اسے پیچھے دھکیل دیا۔

"میرے کان کا پردہ کیوں پھاڑ رہی ہو۔ لو خود بات کر لو۔"

انہوں نے موبائل اسے پکڑایا اور خود اُٹھنے لگیں لیکن گود میں تو ماوی سر رکھے لیٹی تھی، اُٹھنے ہی نہیں دیا۔

"السلام علیکم ماموں جان!" وہ چہکی۔

"وعلیکم السلام ماموں کی جان۔ بیٹے! تمہیں تمہاری ماں آج کالی ماتا لگ رہی ہے، مجھے تو بچپن سے لگتی ہے۔ لڑائی کرتے ہوئے تو اس کے چار ہاتھ اور ایک لمبی سی سرخ زبان بھی نکل آتی تھی۔"

فیضان ماما کا بھی الگ ہی مزاج تھا اور ماموں بھانجی میں خوب بنتی تھی۔

"توبہ ہے ماما! آپ میری ممی کی کتنی خوف ناک تصویر بنا رہے ہیں، حالانکہ میری ممی دنیا کی سب سے خوب صورت عورت ہیں۔"

پھر موبائل کان سے لگائے لگائے ثمینہ سے مخاطب ہوئی۔

"دیکھیں ممی! میں آپ کی کتنی تعریف کر رہی ہوں، اب تو اپنا موڈ ٹھیک کر لیں اور یہ آپ کے بھائی صاحب کس قدر غلط تصویر بنا رہے ہیں آپ کی۔"

"تمہاری ماں تم سے بالکل صحیح عاجز ہے ماوی! کس قدر فسادی لڑکی ہو تم۔"

فیضی ماما کی بات سن کر اس نے قہقہہ لگایا۔ ممی اسے دھکیل کر بیڈروم میں چلی گئیں۔ لبوں پر مسکراہٹ تھی، گویا خفگی ختم۔ سفارتی تعلقات بحال۔

ماوی کے دل کی گہرائیوں میں سکون و اطمینان سرائیت کر گیا۔

"ممی کہتی ہیں، میں بالکل آپ پر ہوں۔" سر کے نیچے کشن سیٹ کرتے ہوئے اس نے اپنا مورچہ سنبھالا۔

"آپا نے تو مبالغہ آرائی کی حد کر دی۔ کہاں مجھ سا پُرامن پسند، صلح جو انسان اور کہاں تمہارے جیسی جھگڑالو، بھا بھا کٹنی لڑکی، یہ تو وہی بات ہوئی کہ مشرق کو مغرب سے ملا دیا۔ ہاں شکل کے معاملے میں آپا کی بات پر کچھ اعتبار کیا جا سکتا ہے کہ بہر حال تھوڑی سی خوش شکل تم بھی ہو......" بڑے پُرسوچ انداز میں فرمایا جا رہا تھا۔ ماوی سلگ گئی۔

"آہا...... ہا! میں تھوڑی سی خوش شکل ہوں اور جناب خود کو کیا سمجھتے ہیں۔ ٹام کروز کا چھوٹا بھائی؟"

"نہیں، ٹام کروز کا بڑا بھائی۔" فیضان نے سرعت سے کہا پھر ان دونوں نے بے ساختہ قہقہہ لگایا۔

"باقی سب کیسے ہیں؟ بڑے ماموں جان اور ممانی؟"

"ٹھیک ہی ہوں گے۔" فیضان نے کہا پھر خود ہی وضاحت کرنے لگا "میرا مطلب ہے۔ ٹھیک ہیں یعنی خیریت سے...... دراصل میں دو روز سے ان کی طرف جا نہیں سکا۔ تمہیں اور آپا کو سی آف کرنے ایئر پورٹ آیا تھا، تب ہی ملاقات ہوئی تھی۔"

"ایک تو میری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی اگر آپ کو الگ اپارٹمنٹ میں ہی رہنا تھا تو ہم سب کو وہیں سے آئی لینڈ بلوانے کی کیا ضرورت تھی۔ ہم تو وہاں بھی اچھے خاصے رہ رہے تھے۔"

"اب دیکھ لو ماوی! تم خود اپنی ناسمجھی کا اعتراف کر رہی ہو، پھر میں کہوں گا تو جھگڑو گی۔" فیض اس کی کھینچائی کا کوئی بھی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتا تھا۔

"تنہائی میں آٹھ سال گزارنا معمولی بات نہیں ہے۔ یہ آٹھ سال میں نے اپنے بزنس کو دیے۔ میرا خیال تھا تم سب لوگ آ جاؤ گے تو میری تنہائی دور ہو جائے گی لیکن جب تم لوگ یہاں آئے تو مجھے احساس ہوا، میری کاروباری مصروفیات سب کو ڈسٹرب کرنے کا سبب بن سکتی ہیں، اس لیے میں نے اپنے لیے الگ اپارٹمنٹ کا بندوبست کر لیا۔"

"ممی ٹھیک کہتی ہیں، آپ کو اب شادی کر لینا چاہیے۔ ساری تنہائی دور ہو جائے گی۔" اس نے سنجیدگی سے کہا، پھر اسی ٹون میں لوٹتے ہوئے بولی۔

"ویسے تو آپ جیسے بڈھے سے شادی کرنے کے لیے کوئی ایسی لڑکی ہی تیار ہو سکتی ہے، جو عقل سے تھوڑی پیدل ہو مگر ماما! آپ بالکل فکر نہ کریں۔ میں آپ کی پیاری بھانجی اس دُرِ نایاب کو ڈھونڈ نکالوں گی۔"

"میری فکر میں میری پیاری بھانجی کو دبلا ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے پتا ہے "دُرِ نایاب" کے نام پر تم اپنی کسی اونگی بونگی سہیلی کو لے آؤ گی اور اگر مجھے کسی اسٹوپڈ سی یونیورسٹی گرل سے ہی شادی کرنا ہوتی تو بہت پہلے کر چکا ہوتا۔ اس لیے تم اپنے مشورے اور ہمدردیاں سنبھال کر رکھو۔ میں اپنا دُرِ نایاب خود ڈھونڈ لوں گا۔" فیضان نے رکھائی سے کہا تو ماوی بولی۔

"نہیں تو نہ سہی...... اور یہ بھی بھول جائیں کہ میری کوئی سہیلی آپ سے شادی پر راضی ہو گی۔ وہ سب آپ کو اولڈ مین کہہ کر بلاتی ہیں۔"

"ڈونٹ ٹیل می۔" فیضان نے فکرمندی سے کہا۔

"یار شہروز! ذرا میری طرف غور سے دیکھو اور بتاؤ، کیا میں اتنا ایجڈ لگنے لگا ہوں کہ یونیورسٹی کی لڑکیاں مجھے اولڈ مین کہیں؟" اگر ماوی سنجیدہ نہیں تھی تو فیضان بھی نہیں تھا۔

"یہ ہوائی کسی دشمن نے اُڑائی ہے۔" عقب میں اُبھرتی شہروز کی آواز وہ لاکھوں میں نہیں تو سینکڑوں میں تو پہچان ہی سکتی تھی۔

"شہروز آپ کی طرف آیا ہوا ہے۔" وہ صوفے پر اُٹھ بیٹھی۔

"پچھلے دو ہفتوں سے یہیں ہے اور اس دوران اس نے مجھے تیرہ المیہ گیت سنائے ہیں۔ میرے کانوں کے پردے تو متاثر ہوئے ہیں، سو ہوئے ہیں۔ تمہاری جدائی میں یہ اتنا دبلا ہو چکا ہے کہ مجھے باقاعدہ مائیکروسکوپ سے اسے تلاش کرنا پڑتا ہے۔"

"لاحول ولا...... شہروز ہے یا جراثیم۔" ماوی نے مسکراہٹ دبا کر کہا۔

"تم آ کر شکل دیکھو اس کی۔ پھر کچھ آئیڈیا دینا۔ میں تو خود سمجھ نہیں پا رہا۔" وہ سیر تھی تو فیضان ماما سوا سیر۔ ہنس کر بولا۔

"چلیں...... آپ اسے دبلا ہو لینے دیں۔ میری موجودگی میں نہیں تو شاید غیر موجودگی میں اسے میری اہمیت کا احساس ہو جائے۔"

"نئی خبر ہے۔ میں سمجھتا تھا اہمیت کا احساس ہوئے بنا محبت کرنا ناممکن ہے۔" شہروز کی سنجیدہ سی آواز ماوی کے لبوں پر مسرور کن سی مسکراہٹ بکھر گئی۔

"فیض ماما کو فون دو۔ مجھے تم سے بات نہیں کرنی۔"

"کیوں؟" وہ حیران ہوا۔

"میں دو ہفتے دبئی میں رہی۔ تمہیں اتنی توفیق بھی نہیں ہوئی کہ ایک کال ہی کر لو۔ دعویٰ محبت کا ہے۔"

"یار! اس ہاؤس جاب نے مجھے کہیں کا نہیں چھوڑا۔ اتنا ٹف شیڈول ہے کہ میں اُکتا چکا ہوں۔ بار بار سوچتا ہوں، میڈیسن کی فیلڈ میں آنے کا مشورہ کس نے دیا تھا۔ بائے گاڈ ان چند مہینوں میں دماغ پلپلا ہو چکا ہے۔"

"اب ہاؤس جاب کو کچھ نہ کہو۔ تمہارا دماغ پہلے ہی پلپلا تھا۔" وہ جل کر بولی۔

"تعجب ہے، اس حقیقت سے آگاہ ہونے کے باوجود تم مجھ سے محبت کرتی ہو اور انگیج منٹ رنگ بھی پہن رکھی ہے۔ بھئی۔ میں تمہارے حوصلے سے بہت متاثر ہوا ہوں۔"

"وہ کیا کہتے ہیں......" اس نے دانستہ توقف کیا پھر مزے سے بولی۔ "محبت اندھی ہوتی ہے۔"

"اندھی ہوتی ہے بہری تو نہیں نا؟ فیض نے بالکل ٹھیک کہا ہے لیکن اس کی کیلکولیشن غلط ہے۔ تمہاری جدائی میں مَیں نے تیرہ نہیں چودہ المیہ گیت اسے سنائے ہیں۔ تم ہمہ تن گوش ہو جاؤ۔ ایک گیت میں تمہیں بھی سنانے لگا ہوں۔"

"نہیں شہروز! پلیز......" ماوی نے سراسیمگی سے کہا۔ "تم سے میری محبت اپنی جگہ لیکن اس محبت کی خاطر میں اپنے کانوں پر ظلم نہیں کر سکتی۔"

"شہروز کھسیانا ہو کر ہنس دیا۔

"کیسی منگیتر ہو یار تم...... ایک گانا نہیں سن سکتیں؟"

"منگنی کی اتنی بڑی سزا تو نہیں ملنا چاہیے۔" ماوی نے حاضر جوابی کا مظاہرہ کیا پھر دونوں ہی ہنس دیے۔

"شادی کے بعد میں ہر روز تمہیں ایک گانا سناؤں گا۔" اس نے دھمکایا۔

"اچھا ہوا تم نے خبردار کر دیا۔ اپنے فیصلے پر نظر ثانی کرنے کے لیے اب میرے پاس کافی وقت ہوگا۔" وہ ہنس دی۔

"جتنی مرضی اپنے فیصلے پر نظریں ڈالو مگر یہ بات یاد رکھنا، اس دنیا میں مجھ سے زیادہ کوئی تم کو محبت نہیں دے سکتا۔"

اس کا لہجہ اتنا پُر یقین تھا جتنا پُر یقین ماوی کا دل تھا۔

"میں جانتی ہوں۔" ماوی نے جذب سے کہا تھا۔

☆☆☆

ماوی نے دروازہ کھول کر باہر جھانکا۔

بے حد خوب صورت، چمک دار اور روشن صبح اسے خوش آمدید کہہ رہی تھی۔ درختوں کے پتوں میں چڑیاں دلکش آواز میں چہچہا رہی تھیں۔

اس نے واپس اندر جانے کا ارادہ ترک کیا اور دروازے سے کچھ قدم آگے برآمدے کی سیڑھیوں میں بیٹھ کر وہاں کا جائزہ لینے لگی۔

انیکسی پینٹ ہاؤسز کی طرز پر بنائی گئی تھی۔ اس کی چھت متوازی تھی اور تین اطراف میں اخروٹ کی لکڑی کی دیدہ زیب گرل لگی ہوئی تھی جس سے سامنے کا حصہ برآمدے کی شکل اختیار کر گیا تھا۔ ایک طرف دو کرسیاں اور چھوٹی سی میز پڑی تھی۔ دوسری طرف کین کا جھولا لٹک رہا تھا۔ برآمدے کی سیڑھیوں کے دونوں جانب آرائشی لیمپ لگے ہوئے تھے۔ انیکسی کے لیے ایک چھوٹا اور خوب صورت سا گیٹ اور پورچ بھی بنایا گیا تھا۔ دائیں طرف گھاس کا چھوٹا سا قطعہ تھا جسے سینٹرل لان سے الگ کرنے کے لیے درمیان میں باڑھ لگائی گئی تھی۔ اس قطعے کے کونے میں چھوٹے قد کا ایک درخت جس پر سفید اور زرد پھولوں کے گچھے لٹک رہے تھے اور اس کے نیچے اخروٹ کی لکڑی کا اسٹائلش سا بینچ نصب تھا۔

ادھر کا جائزہ لیتے ہوئے اس کا ذہن آئر لینڈ والے اپارٹمنٹ کی طرف مڑ گیا۔ اسے وہ سڑک یاد آنے لگی جو مکان کے سامنے پُر سکون ندی کی طرح بہتی تھی اور جس پر گرے ہوئے شاہ بلوط کے پتوں کو ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے وہ اور شہروز، اپنے پیروں سے دور تک روندتے تھے۔

شہروز اسے بڑی جانفشانی سے اپنے کالج کے قصے سناتا۔ وہ دیر تک سنتی، پھر اُکتا جاتی۔

"دل، گردے، پھیپھڑے، دس از ٹو مچ شہروز! میں ڈاکٹر نہیں بن رہی مگر تمہاری باتیں سن کر آدھی ڈاکٹر تو بن ہی چکی ہوں۔ تمہارے پاس کوئی اور ٹاپک نہیں ہے مجھ سے بات کرنے کے لیے؟" وہ سر پکڑ کر کہتی۔

"اتنی جلدی مت اُکتاؤ۔ ہمیں پوری زندگی ساتھ رہنا ہے، انشاء اللہ پوری ڈاکٹر بنا دوں گا۔" وہ متانت سے کہتا۔

"جی نہیں۔ بہت بہت شکریہ۔ میں مسز ڈاکٹر بن کر ہی خوش ہو لوں گی۔ تم پلیز، اس وقت کوئی اور بات کرو۔"

مگر شہروز کبھی کوئی اور بات نہ کرتا، وہ صرف اپنی بات کرتا، ماوی سن سن کر تھک جاتی مگر پھر بھی سنتی رہتی گو کہ وہ کوئی دبو قسم کی یا روایتی مشرقی

ذہنیت کی لڑکی نہیں تھی جو اپنی زندگی میں آنے والے واحد مرد سے دب کر یا مرعوب ہو کر رہنا زندگی کا نصب العین سمجھتی ہو، بلکہ وہ بے حد پُر اعتماد، بولڈ، نڈر، کیریر اورینٹڈ تھی۔ زندگی کے کسی بھی معاملے میں اس کی بہت سیدھی اور مثبت رائے ہوتی تھی جس پر اختلاف وہ کم ہی برداشت کرتی تھی۔

اسے جہاں جو رائے دینا ہوتی تھی، وہ بنا کسی جھجک اور خوف کے دے دیتی تھی۔ ڈرنا یا خوف زدہ ہونا اس نے سیکھا ہی نہیں تھا۔

اسے جو کہنا ہوتا تھا، کسی کی خفگی کی پروا کیے بغیر کہہ دیتی تھی لیکن شہروز کا معاملہ مختلف تھا۔ بات دل کی اور دل کے تعلق کی ہو تو بہت سے معاملات "مختلف" ہو جاتے ہیں۔ شہروز سے تعلق داری میں تو کئی گلے شکوے بھلائے جا سکتے تھے۔

نہ تو اس نے اور نہ ہی کبھی شہروز نے اس سے کوئی لمبا چوڑا اظہار عشق کیا تھا، بس انگیج منٹ سے پہلے ہی وہ دونوں جانتے تھے کہ وہ دونوں ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہیں، دراصل اکیسویں صدی کے ان عملی سوچ والے نوجوانوں کے لیے عشق ضروری تھا کہ دل کی بھی ضروریات ہوتی ہیں جب کہ اظہار عشق صرف وقت کا زیاں ہے۔

لیکن ان دنوں اسے کچھ باتیں بہت انوکھی، بہت اچھی لگتی تھیں۔ یوں جیسے سر راہ چلتے چلتے انسان کی نگاہ کسی چیز پر پڑتی ہے اور لاشعوری طور پر وہ ٹھٹک کر رُک جاتا ہے اور بے اختیار سوچتا ہے۔

"ارے یہی تو ہے وہ۔ جس کی مجھے اتنے عرصے سے تلاش تھی۔" تو اس کے ساتھ بھی یہی ہوا تھا، شہروز کے چند چھوٹے اور معمولی جملوں نے اسے تصویر کے ایک الگ رُخ سے روشناس کروایا تھا اور اس کے شہر دل میں سرشاری کی معطر ہوائیں چلنے لگی تھیں۔

جیسے اس نے ابھی فون پر بڑی بے بسی سے کہا تھا۔

"مجھے اندازہ ہوتا، میں تمہیں اتنا مس کروں گا تو ثمینہ پھپھو سے کبھی تمہیں پاکستان بھجوانے کے لیے اصرار نہیں کرتا۔"

وہ ہنس دی اور اسے چڑانے کے لیے بولی تھی۔

"بہت خوب! یعنی تمہیں اندازہ ہو جاتا تو تم میری خواہش کی بھی پروا نہیں کرتے؟"

"ہاں...... میں نہ کرتا۔" شہروز نے ترنت کہا تھا۔

"سچ تو یہ تھا کہ شہروز نے ماوی کو اپنی پڑھائی کے سلسلے میں پاکستان بھجوانے کے سلسلے میں ثمینہ سے صرف اصرار ہی نہیں کیا تھا بلکہ انہیں راضی کرنے والا بھی وہی تھا۔ گو کہ تمام ووٹ ماوی کے حق میں تھے۔ بڑے ماموں جان، ممانی جان، فیض ماما وقتاً فوقتاً ممی کو منانے کی کوشش کرتے رہے تھے مگر ممی کی "نہ" ہاں میں نہ بدلتی تھی۔

"لوگ پڑھائی کے لیے مغربی ممالک کا رُخ کر رہے ہیں۔ اسے پاکستان جانے کا شوق چڑھا ہے۔" وہ ہر بار یہی کہتیں اور ماوی دل مسوس کر رہ جاتی مگر ہر بار اپنے عزم کا اظہار ضرور کرتی۔

"آپ دیکھ لیجیے گا ممی! میں پاکستان ضرور جاؤں گی اور اُس انسٹی ٹیوٹ میں پڑھوں گی جہاں سے بابا جان نے پڑھا تھا۔"

اس ادارے سے تعلیم حاصل کرنا، اس کے بابا جان نے تعلیم حاصل کی تھی، اس کا دیرینہ خواب تھا۔ یہ خواب اس کی عمر کے ساتھ پروان

چڑھا تھا۔ سات سال کی تھی جب بابا جان کا انتقال ہوا گو کہ کسی بات کو یاد رکھنے کے لیے یہ بہت چھوٹی عمر ہے مگر بابا جان کی کئی باتیں اسے یاد رہ گئی تھیں جن میں سے ایک ان کا درس گاہ کا نام تھا۔ گورنمنٹ کالج لاہور، یہ وہ نام تھا جو پھر کبھی اس کے ذہن سے نہیں نکل سکا۔ ایک عجیب سی کشش، عجیب سا فسوں اسے اس نام میں محسوس ہوتا تھا۔ اس کا دل چاہتا تھا کہ وہ ان کاریڈورز کو دیکھے جہاں اس کے بابا جان چلے ہوں گے۔ ان آڈیٹوریمز میں جا کر بیٹھے جہاں کبھی اس کے بابا کی آواز گونجی ہو گی۔ اس لائبریری کو دیکھے جہاں بیٹھ کر بابا جان خاموشی سے کتابیں پڑھتے ہوں گے۔ رفتہ رفتہ یہ خواب، اس کی زندگی کا حصہ بن گیا۔

اسے خوب اچھی طرح یاد تھا جب پہلی بار انٹرنیٹ پر اس نے جی سی کی مرکزی عمارت کی تصویر دیکھی تھی تو دم بخود ہو کر تصویر دیکھی رہی تھی۔ اسے یوں محسوس ہوا تھا جیسے سرخ اینٹوں سے بنے مینارا سے اپنی طرف بلا رہے ہوں۔

تب پہلی بار اس نے ممی کے سامنے اپنی خواہش کا اظہار کیا کہ وہ پاکستان جا کر پڑھنا چاہتی ہے۔ اس وقت وہ قطر میں اے لیولز کر رہی تھی اور اس کے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے میں بہت وقت تھا۔

ممی نے اس کی بات سن کر سنجیدگی سے اسے ٹوک دیا تھا۔

''تمہارے بابا جان زندہ ہوتے تو مجھے تمہاری کسی خواہش پر اعتراض نہیں ہونا تھا لیکن اب معاملہ دوسرا ہے۔ میں فیض پر اور بوجھ نہیں ڈالنا چاہتی۔ مجھے پتا ہے، اسے پتا چلا تو وہ بخوشی تمہیں پاکستان بھجوا دے گا لیکن اس صورت میں اخراجات کا جو اضافی بوجھ اس پر آن پڑے گا، وہ مجھے منظور نہیں ہے۔ اس لیے بہتر ہو گا کہ تم اپنی خواہش کو یہیں ترک کر دو۔''

ماوی بے چاری کے جوش و خروش پر کھولتا ہوا پانی گر گیا اور خواہش جلتے ہوئے چھالے کی طرح ٹیس دینے لگی۔

اس نے کئی سال بڑے ذوق وشوق سے کالج کی عمارت کی تصویر اپنے کمپیوٹر کے ڈیسک ٹاپ پر لگائے رکھی۔ پھر پتا نہیں کیسے اس کی خواہش گھر کے ایک ایک فرد تک پہنچ گئی، تب فیض ماموں، ممی سے خفا ہو گئے۔

''تم نے سوچا بھی کیسے کہ میں ماوی کی اتنی سی خواہش پوری نہیں کروں گا، کیا آج تک میں نے اسے شہروز اور شزا سے کم سمجھا ہے۔ اگر شہروز کو پڑھنے کے لیے پاکستان بھجوا سکتا ہوں تو کیا ماوی کو نہیں بھجوا سکتا؟'' پھر ممی کے کچھ بھی بولنے کی گنجائش نہ رہی۔ شہروز ان دنوں علامہ اقبال میڈیکل کالج کے فرسٹ ایئر میں تھا۔ ماوی کے انڈین ہائی اسکول سے فارغ ہوتے ہی اس نے معلومات اکٹھی کرنا شروع کر دیں اور ایک روز فون کر کے ماوی کے خوب لتے لیے۔

''یو ایڈیٹ! پتا نہیں کتنے سالوں سے خواب پال کر بیٹھی ہوئی ہو، اتنی توفیق نہ ہوئی کہ خواب دیکھنے سے پہلے ساری معلومات ہی لے لو۔ جی سی بوائز کالج ہے گرلز نہیں۔ اب ایک آپ محترمہ کے شوق کی خاطر وہاں گرلز کے لیے کلاسز شروع نہیں کروائی جا سکتیں۔''

اس وقت تک یہ لوگ فیض ماما کے اصرار پر آئر لینڈ آ چکے تھے۔ شہروز سے اتنی سخت سست سن کر ماوی نے اگلے ہی روز رائل یونیورسٹی کے اکنامکس ڈپارٹمنٹ میں آنرز کی ڈگری لینے کے لیے ایڈمیشن لے لیا اور ممی نے بیا تنگ دل سکون کا سانس لیا۔

ماوی کے دل کو بری طرح ٹھیس پہنچی تھی مگر وہ مایوس پھر بھی نہ ہوئی بس اسے ایسا محسوس ہوا تھا کہ پاکستان جانے کے راستے میں اس کے سامنے ایک اور رکاوٹ آگئی ہے۔

اصل معاملہ یہ تھا کہ وہ ممی سے اپنے دل کی بات شیئر نہیں کر سکتی تھی کہ اس کے لیے کشش کا اصل مرکز جی سی سے زیادہ پاکستان رہا تھا، شاید لاشعوری طور پر وہ پاکستان جانے کے لیے کالج اور تعلیم کا نام لے رہی تھی۔ اگلے چار سال کے دوران وہ اپنا تجزیہ کرتی رہی کہ اصل میں وہ چاہتی کیا ہے۔

''گورنمنٹ کالج لاہور سے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنا یا محض پاکستان جانا؟'' لیکن کوئی سراغ اس کے ہاتھ نہ لگا۔

یونیورسٹی کے آخری سال میں جب تھیسز کرنے کا وقت آیا تو ماوی کو اپنی خواہش پوری ہونے کا ایک امکان نظر آنے لگا۔ کلاس کے ہر اسٹوڈنٹ کو تھیسز کے لیے گروپس میں تقسیم کر دیا گیا تھا اور ہر گروپ کو الگ ٹاپک الاٹ ہوا تھا، ماوی کے گروپ کا ٹاپک۔

Alleviation of poverly in developing countries

(ترقی پذیر ممالک میں غربت کی تخفیف) تھا اپنا ٹاپک سنتے ہی ماوی کی آنکھیں چمکنے لگی تھیں اور اس نے جھوٹ اور سچ پر مبنی کہانی سنا دی تھی۔

''پاکستان میں رہ کر میرے لیے اپنے ٹاپک پر ریسرچ ورک کمپلیٹ کرنا زیادہ آسان ہوگا۔ مجھے پاکستان کے علاوہ ایشیاء کے دیگر ترقی پذیر ممالک جن میں غربت کی شرح بہت زیادہ ہے، ان کے بارے میں ایگزیکٹ Facts and Figures (اعداد و شمار) اکٹھے کرنے میں سہولت مل جائے گی۔ کسی اور ملک میں جانا ممکن ہوتا تو وہاں چلی جاتی، پاکستان جانے کی بات نہ کرتی۔ پلیز ممی! کیا آپ نہیں چاہتیں کہ میرا تھیسز اچھا ہو اور مجھے Distinction ملے۔ میری پیاری ممی! پرمیشن دے دیں نا! جیسٹ اور وین ہان تو مجھ پر بھروسا کر کے بالکل ہی ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھے ہوئے ہیں۔'' اس نے اپنے گروپ ممبرز اور فرینڈز کے نام لیتے ہوئے کہا تھا۔

''مجھے بے وقوف بنانے کی کوشش مت کرو۔'' ممی نے ڈپٹ کر کہا تھا۔

''مجھے اچھی طرح خبر ہے، یہ تھیسز کا تو زرا بہانہ ہے۔ تمہیں کیا لگتا ہے میں اس گھر سے زیادہ باہر نہیں نکلتی تو مجھے دنیا کی خبر نہیں ہے۔ آخر باقی کلاس فیلوز بھی تو کتابیں کھنگال کر اور انٹرنیٹ سے معلومات اکٹھی کریں گے تو تمہیں کیا تکلیف ہے؟ اس جیسٹ اور گاڑیوں والے (وین ہان کا تعلق جاپان سے تھا اور ممی اس کے نام کے پیش نظر رکھتے ہوئے گاڑیوں والا کہتی تھیں) سے کہو نکما پن چھوڑیں اور کام کریں۔''

''واقعی ممی! آپ تو چالاکی اور ہوشیاری میں بھی میری ممی ہیں۔'' وہ کھسیانی ہنسی ہنس دی تھی۔

لیکن پھر شہروز نے ہی پتا نہیں کون سی گیدڑ سنگھی سنگھا کر ممی کو قائل کر لیا تھا۔ ماوی کا بس نہ چلتا تھا، اپنی زندگی کی سب سے بڑی خواہش پوری ہونے پر ناچنا ہی شروع کر دے۔

ممی راضی ہونے کے باوجود خفا خفا پھرتی رہیں۔ یہ خفگی ان کی ناپسندیدگی کا واضح اظہار تھی۔

''میں نے تمہاری بات مان لی ہے، اس کا مطلب یہ نہیں کہ تمہیں من مانی کرنے کا سرٹیفکیٹ دے دیا ہے۔ تم اکیلی پاکستان نہیں جاؤ گی، میں بھی تمہارے ساتھ جاؤں گی اور تین یا چار ماہ...... جتنا بھی عرصہ تمہیں ریسرچ ورک میں لگے گا میں تمہارے ساتھ رہوں گی۔ صرف اسی شرط پر

میں راضی ہوئی ہوں۔''

ماوی کو بھلا کیا اعتراض ہو سکتا تھا لیکن اپنے آئندہ ارادوں سے اس نے ممی کو آگاہ نہیں کیا تھا۔صرف فیض ماما اور شہروز اس کے ہم راز تھے۔

اس نے اسی وقت وین اور جینٹ کو کانفرنس کال ملا کر خوش خبری سنائی تھی۔

''میں اپنے بہترین تھیسز کے لیے فنگرز کراس کر چکی ہوں۔'' جینٹ نے مبارک دیتے ہوئے کہا تھا اور وین نے کہا تھا۔

''تم بہت لکی ہو ماوی، کیونکہ تمہیں اتنی کوآپریٹو اور ہیلپ فل ممی ملی ہیں۔''

☆☆☆

ایک گلہری اس کے پیر سے ٹکرا کر گزری تھی۔

ماوی کی گہری سوچوں کا ارتکاز ٹوٹ گیا۔گلہری تیزی سے درخت پر چڑھ کر دیوار کی دوسری طرف غائب ہو چکی تھی اور سورج دیوار سے تین، چار فٹ اوپر دکھائی دے رہا تھا۔

ماوی گہری سانس بھرتی گھٹنوں پر ہاتھوں کا بوجھ ڈالتی اُٹھ کھڑی ہوئی۔دروازے کی طرف پلٹ رہی تھی کہ اینیا لوگوں کے لان میں نظر چلی گئی، گیٹ کے قریب روش سے چند قدم ادھر گھاس کے قطعے پر نصب ماربل کے بینچ پر ایک باوقار سی خاتون بیٹھی دکھائی دے رہی تھیں۔کاہی مائل سبز رنگ کی شلوار قمیص، آف وائٹ گرم شال اوڑھے وہ ماحول کا بڑا دل کش حصہ معلوم ہو رہی تھیں۔نقوش میں اینیا کی جھلک اس قدر واضح تھی کہ اسے اینیا سے ان کا رشتہ سمجھنے میں ذرا سی بھی دقت نہ ہوئی۔

جس وقت ماوی نے انہیں دیکھا، وہ بھی اِدھر ہی دیکھ رہی تھیں۔ماوی نے چاہا، ہاتھ ہلا کر انہیں وش ہی کر دے۔خیر سگالی مسکراہٹ لبوں پر سجائے ہوئے اس نے ابھی ہاتھ اُٹھایا ہی تھا کہ ایک حیرت انگیز بات ہوئی۔وہ خاتون اُٹھیں اور چھوٹے چھوٹے قدم اُٹھاتی اندر چلی گئیں۔

ماوی کو بری طرح خفت محسوس ہوئی۔

''بھئی۔یہ تو سخت روڈ ہیں، اینیا جیسی خوش اخلاق لڑکی کی ممی تو نہیں ہو سکتیں۔'' اس نے سوچا۔

سوئے اتفاق اینیا کی نظر بھی اس پر اسی وقت پڑی جب وہ خاتون کے سمجھ میں نہ آسکنے والے رویے پر غور کرتی نفی میں سر ہلا رہی تھی۔

''ہیلو......گڈ مارننگ۔''

اس نے وہیں سے پکار کر کہا۔ماوی اسے دیکھ کر مسکرا دی اور اس کی طرف آ گئی۔درمیان میں مہندی کی باڑھ حائل تھی، وہ وہیں رُک گئیں، اینیا ایپرن باندھے چھوٹی سی کھرپی کے ساتھ تن دہی سے کیاری کی تلائی کر رہی تھی۔دائیں ہاتھ میں بیجوں کی دو تھیلیاں اور پانی کا برتن رکھا تھا۔

''بہت جلدی اُٹھ گئیں۔میرا خیال تھا، دو پہر تک سو گی تم۔'' اینیا نے بے تکلفی کی دیوار گراتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

''کل شام میں ہی سو گئی تھی میں، پھر اور کتنا سوتی، دیر تک سونے کی عادت بھی نہیں ہے مجھے۔'' ماوی نے کہا۔

''ممی نے بچپن سے ہی مجھے صبح جلدی اُٹھنے کی عادت ڈال رکھی ہے۔تم یقین کرو، میں دُنیا کے کسی بھی خطے میں چلی جاؤں اور چند گھنٹے

پہلے ہی کیوں نہ سوئی ہوں۔ فجر کی نماز کے لیے میری آنکھ خود بخود کھل جاتی ہے اور کبھی نہ کھل سکے تو اللہ تعالیٰ نے مجھے جیتا جاگتا الارم کلاک دے رکھا ہے۔ میری ممی کی شکل میں۔" اس نے خوش دلی سے بتایا، اینیا کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔

"آج صبح صبح گارڈننگ ہو رہی ہے۔" ماوی نے کہا۔

صرف آج نہیں میری ہر روز کی روٹین یہی ہے، نماز پڑھ کر لان میں آجاتی ہوں اور کالج جانے تک اپنے پودوں سے باتیں کرتی ہوں۔" اس نے تفصیل سے بتایا تھا۔

ماوی جواب میں مسکرائی۔

"لگتا ہے تمہیں گارڈننگ کا بہت شوق ہے۔"

"شوق۔" بیجوں کی تھیلی ہاتھ میں لیتے ہوئے اس نے پل بھر کو سوچا تھا، پھر نفی میں سر ہلا دیا۔ "نہیں یار! اسے شوق نہ کہو۔ شوق دراصل بہت محدود لفظ ہے۔ یہ لان دیکھ رہی ہو۔ اس کے بیشتر پودے میں نے لگائے ہیں، تمہیں پتا ہے ماوی! ان پیڑ، پودوں کو اپنے سامنے بڑا ہوتے دیکھ کر مجھے کتنی خوشی محسوس ہوئی ہے۔ ایک انٹرسٹنگ بات بتاتی ہوں جب کبھی میرا موڈ خراب ہوتا ہے تو میں لان میں آکر اپنے پودوں سے باتیں کرنے لگتی ہوں اور یقین کرو، دس منٹ کے اندر میرا موڈ ٹھیک ہو جاتا ہے، مجھے پتا ہے، تمہیں میری باتیں فنی لگ رہی ہوں گی۔ میرے بھائیوں کو بھی لگتی ہیں لیکن میں کیا کروں، مجھے یقین ہے، یہ پودے بول اور سن سکتے ہیں۔"

ایک چھوٹے سے بچے کی معصومیت کے ساتھ وہ بتا رہی تھی اور جیسے خود بھی محظوظ ہو رہی تھی۔

"نہیں یار! مجھے تمہاری باتیں فنی لگتیں، بشرطیکہ میں نے آج پہلی بار سنی ہوتیں۔" ماوی نے کہا۔ "مجھے تو ایسا لگ رہا ہے جیسے میرے سامنے فیضان ماما بول رہے ہوں، فیضی ماما، یو نو! میری ممی کے بھائی ہیں۔ ان کا بھی کریز ہے گارڈننگ...... بٹ ٹو بی وری آنسٹ (گستاخی معاف) تمہارا لان فیض ماما کے لان کے آگے کچھ بھی نہیں ہے۔ انہوں نے تو زمانے بھر کے پودے اکٹھے کر رکھے ہیں۔ پودوں کے ایسے ایسے نام اور کوالٹیز بتاتے ہیں جو مجھے تو آج تک سمجھ میں نہیں آسکیں۔ تم نے تو صرف اپنے پودوں کے بولنے اور سننے کا ذکر کیا ہے۔ فیض ماما تو اپنے پودوں کو چاند سورج تک سے ملا دیتے ہیں۔ ایسی ایسی تشبیہات اور استعارے انہوں نے اپنے پودوں کے لیے اکٹھے کر رکھے ہیں کہ کیا کوئی شاعر اپنی گرل فرینڈ کے لیے جمع کرتا ہوگا۔ باقاعدہ شاعری کرتے ہیں اپنے پودوں کے لیے۔ جو ان کے علاوہ آج تک کسی کی سمجھ میں نہیں آسکی۔ پاکستان آئیں گے تو ملواؤں گی تمہیں۔"

اینیا کا ہنس ہنس کر برا حال ہو گیا۔ ایک تو ماموں کی خصوصیات، دوسرے ماوی کا انداز بیان اتنا دلچسپ تھا کہ بس۔

"اوہ شیور...... میں تو خود اتنے دلچسپ ماموں سے ملنا چاہوں گی۔"

"انہیں بھی تم سے مل کر خوشی ہوگی۔ جانتی ہو، وہاں آئرلینڈ میں انہوں نے کئی ایسی سوسائٹیز اور کلب جوائن کر رکھے ہیں جو پودوں کی نگہداشت وغیرہ کے لیے کام کرتے ہیں۔ ماما کہتے ہیں، عورتوں میں پودوں سے محبت کا سینس نہیں ہوتا، اس لیے میں تمہیں ضرور ان سے ملواؤں گی، تاکہ ان کے خیالات بدل سکیں۔"

"کچھ ایسا ہی خیال میرا پاکستان کے مردوں کے بارے میں ہے۔ میری تو ممی کو بھی گارڈننگ کا شوق نہیں ہے۔"

"ابھی میں نے یہاں ایک خاتون کو بیٹھے دیکھا، کیا وہ تمہاری ممی ہیں؟۔"

"اچھا تم نے انہیں دیکھا؟ شاید ان کی نظر نہیں پڑی ہوگی، ورنہ ضرور تم سے ملتیں، شی اِز ویری سویٹ، کل بھی تم لوگوں سے ملنا چاہ رہی تھیں لیکن تب تک تم لوگ شاید سو چکے تھے۔"

"اچھا سنو...... میں تھوڑی دیر میں شازیہ کے ہاتھ ناشتہ بھجوا رہی ہوں اور پلیز مائنڈ مت کرنا۔ یوں ٹرے بھجوا دینا مناسب تو نہیں لگتا، بس ذرا میرے ایگزامز ہو جائیں پھر تمہیں اور آنٹی کو انوائٹ کروں گی۔"

"کیا پڑھ رہی ہو تم؟"

"بی ایس سی کر رہی ہوں، باٹنی میجر سبجیکٹ ہے میرا۔"

"ہوں...... اچھا سنو، ناشتہ مت بھجوانا۔ اب تک ممی تیار کر چکی ہوں گی، توقیر انکل نے کچن کا سارا سامان پہلے سے لا کر رکھ دیا تھا۔ تم ایگزامز سے فارغ ہو لو پھر ہم تمہیں اپنے یہاں انوائٹ کریں گے۔"

ماوی نے جیسے بات ہی ختم کر دی تھی۔

☆☆☆

سعدی ڈور بیل بجا کر انتظار کرنے لگا، پھر خیال آیا یہ انتظار تو بڑی صبر آزما چیز ہے، جتنی دیر جیندی صاحب نے دروازہ کھولنے میں لگا دینی ہے، اتنی دیر میں تو میں نے پشاور تک کا ایک چکر بھی لگا لینا ہے۔ اس خیال کا آنا تھا کہ اس نے گھنٹی پر انگلی رکھی اور بھول گیا۔

"دروازہ کھول دے میرے بھائی! تجھے نہیں پتا یار! تیرے فلیٹ پر آنے کے شوق میں پچھلی رات میں نے مشکل سے گزاری ہے۔"

اضطراری انداز میں گھنٹی بجاتے ہوئے وہ دہائیاں دے رہا تھا، تب ہی دروازہ کھل گیا اور جو چہرہ دکھائی دیا وہ شبیہ العباس کا تھا۔ سعدی کا گھنٹی بجاتا ہاتھ پہلو میں آ گرا، دروازہ کھلتے دیکھ کر شکل پر جو "لڈی ہے جمالو" والے تاثرات نمودار ہوئے تھے، شبیہ پر نگاہ پڑتے ہی وہاں "چھن سے جو ٹوٹے کوئی سپنا" کی رقت چھا گئی، گڑبڑاہٹ الگ کہ جیندی کے سب ہی دوست سعدی سمیت شبیہ کے خیالات سے واقف تھے۔

"وہ...... میں...... جیندی ہے گھر پہ......؟ ضروری کام تھا، بلا دو گے؟" گڑبڑاہٹ نے سب اُلٹ پلٹ کر دیا۔

شبیہ سوتے سے اُٹھ کر آیا تھا، بال بے ترتیب، آنکھوں میں نیند کی سرخی، بلیک برمودا ٹراؤزر پر بلیک ہی ٹی شرٹ جس کی آدھی آستینوں سے اس کے کسرتی بازو جھانک رہے تھے۔

سعدی کے دل میں اس کے مسلز دیکھ کر بے اختیار رشک پیدا ہوا لیکن یہ رشک کرنے کا وقت نہیں تھا۔ یہ وقت سٹپٹانے کا تھا کہ جیندی کی جگہ شبیہ آ گیا تھا، جس کی وہ توقع بھی نہیں کر رہا تھا، سو وہ گڑبڑایا، سٹپٹایا، حتیٰ کہ شرمایا بھی۔

"معاف کرنا شبیہ! میرے نوٹس رہ گئے تھے جیند کے پاس اور اپنے اتنی محنت سے بنائے نوٹس مجھے غیرت کی طرح عزیز ہیں۔ رات بھر

نیند بھی نہیں آسکی، بس اسی لیے صبح صبح لینے چلا آیا۔ بہت شرمندہ ہوں، تمہاری نیند خراب ہوگئی۔"

"متوقع بے عزتی سے بچنے کے لیے اس نے ٹھیک ٹھاک کہانی بنالی تھی۔

"ارے نہیں معذرت کی کیا ضرورت ہے اور شرمندہ تو بالکل مت ہو۔ تم جنیدی کے اتنے اچھے دوست ہو، کسی بھی وقت آسکتے ہو، آؤ اندر آجاؤ۔" شبیہ نے خوش دلی سے کہا۔

سعدی ہکا بکا رہ گیا۔ شبیہ جیسا شخص جو مسکراتا بھی سوچ سمجھ کر تھا اور کھری کھوٹی سنانے میں تو ایک منٹ کا بھی لحاظ نہیں کرتا تھا، اس وقت نہ صرف مستقل مسکرائے جارہا تھا بلکہ اندر آنے کی دعوت بھی دے ڈالی تھی۔ سعدی کی تو رہی سہی ہمت بھی جواب دے گئی۔

"نہیں شبیہ! تم آرام کرو۔ میں احمقوں کی طرح اتنی صبح ڈسٹرب کرنے آگیا، پھر آجاؤں گا۔" اپنی گڑبڑاہٹ پہ قابو پاتے ہوئے اس نے پُراعتماد انداز میں کہا۔

"اب احمقوں کی طرح اتنی صبح ڈسٹرب کرنے آہی گئے ہو تو اندر آجاؤ، جنیدی جاگنگ کے لیے گیا ہوا ہے، آتا ہوگا۔ اسے پتا چلا کہ تم دروازے سے چلے گئے تو برا لگے گا اسے۔" شبیہ زبردستی اسے اندر لے آیا۔

"تم، سچ بات تو یہی ہے کہ جنیدی کے سارے دوستوں میں نسبتاً قابلِ برداشت ہو، ورنہ باقی سارے تو ایک دم "چول" ہیں۔" وہ مسکرا کر کہہ رہا تھا۔

"مجھے اس تعریف پر خوش ہونا چاہیے یا ناراض؟" سعدی نے خود سے سوال کیا۔

"جنیدی کے روم میں بیٹھ کر انتظار کرنا چاہو تو شوق سے بیٹھ جاؤ اور وہاں چائے پینا ہو تو اس طرف کچن ہے۔ یہ مت سمجھنا، میں سگھڑ بیویوں کی طرح تمہاری خدمتیں کروں گا۔ میں سونے جارہا ہوں۔ ڈسٹرب نہ کرنا اور، اور ہاں۔" وہ پل بھر کو رُکا۔

"بیس منٹ میں سوئپر آکر بیل دے گا، کچن سے ڈسٹ بن نکال کر اسے دے دینا، جنیدی مجھے تاکید کر کے گیا تھا لیکن اب تم آہی گئے ہو تو اتنا سا کام کر لینا۔"

وہ زیرِلب مسکراتا کمرے میں غائب ہوگیا اور بند دروازہ سعدی کا منہ چڑانے لگا۔ اسے بات سمجھنے میں چند منٹ لگے تھے اور جب بات سمجھ میں آگئی تو سلگ گیا۔

"کس قدر چالاک شخص ہے یہ شبیہ۔ میں خوامخواہ حیران ہورہا تھا کہ یہ اتنا خوش اخلاق اور مہمان نواز کیوں ہورہا ہے، وہ بھی صبح صبح، کوئی بتائے اسے، میں جلوۂ محبوب کے شوق میں کشاں کشاں آیا ہوں یا جمعدار کو ڈسٹ بن دینے، اب یہ بات میں جا کر اس کے منہ پر بھی نہیں کہہ سکتا، کچھ پتا نہیں اس اُلٹی کھوپڑی کے آدمی کا، مجھے کھڑے کھڑے باہر نکال دے۔ اور نہیں تو دو، تین دھوبی پٹکے بھی دے سکتا ہے۔ اتنے زبردست تو مسلز ہیں اس کے۔"

اپنے بازوؤں پر حسرت بھری نظر ڈالتے ہوئے وہ کمرے میں آگیا۔ جنیدی کا کمرہ حسبِ معمول صاف ستھرا اور با ترتیب تھا، اس نے آگے بڑھ کر پردے ہٹا دیے۔ کمرہ ایک آن میں روشنی میں نہا گیا تھا۔ بلڈنگ کے کمپاؤنڈ کے آگے مین روڈ تھا، پھر درختوں کی قطار، آگے کالونی کی

سڑک، پھر جہاں زیب بلاک کے خوب صورت سے بنگلے۔

سعدی کے دل کی کلی کھل اُٹھی۔ دہنی طرف سے چوتھے بنگلے میں ایک آنچل لہراتا دکھائی دے رہا تھا۔ اس نے جلدی جلدی اپنے ساتھ لائے چمڑے کے بیگ سے اسٹینڈ اور ٹیلی اسکوپ نکالا اور کھڑکی کے عین سامنے صحیح زاویے سے سیٹ کرنے لگا۔

اسی وقت جنید اندر داخل ہوا۔ ٹریک سوٹ میں ملبوس، چھوٹے سے تولیے سے چہرہ پونچھتا سعدی کو دیکھ کر حیران ہوا، پھر چونکا اور گہری سانس بھر کر بولا۔

''کیا کر رہے ہو سعدی؟۔''

''جنیدی میرے دوست۔'' سعدی نے نعرہ بلند کیا تھا۔ جنیدی اُکتا کر بولا۔

''کر کیا رہے ہو؟ تمہیں اپنے ہاسٹل میں سکون نہیں ہے، جو صبح صبح آ گئے میرا دماغ کھانے۔''

''تمہارا دماغ کھانے کا کس بدبخت کو شوق ہے؟ میں تو اپنی غلط فہمی دور کرنے آیا ہوں۔'' بڑا شاہانہ سا انداز تھا۔

''کیسی غلط فہمی؟۔''

''کل شک سا پڑا تھا کہ تمہاری نئی پڑوسن سے پہلی نظر کی محبت ہو گئی ہے، میں نے سوچا، شام ڈھلنے سے پہلے کنفرم کر لوں ایسا نہ ہو غلط فہمی میں مارا جاؤں، اس لیے تمہاری ٹیلی اسکوپ سے زیادہ پاور فل ٹیلی اسکوپ لے کر آیا ہوں۔''

''اور اب یقیناً تم اس دوربین سے اس کے گھر میں جھانکو گے؟'' جنیدی نے دانت کچکچائے۔

''سبحان اللہ...... اس قدر ذہین آدمی ہو تم۔''

''سعدی! بکواس بند کرو اور سامان سمیٹ کر بیگ میں ڈالو۔ باہر سے کسی کو ذرا بھی شک پڑ گیا نا کہ یہاں دوربین لگا کر کسی لڑکی پر نظر رکھی جا رہی ہے تو مشکل میں پھنس جائیں گے۔ تمہارا کیا ہے، سامان سمیٹ کر گوجرانوالہ چلے جاؤ گے اپنے آبائی گاؤں۔ دوستوں کو مشکل گھڑی میں تنہا چھوڑ دینا یوں بھی تمہاری عادت ہے۔''

''واہ واہ...... کیا بولے ہو۔ احساسِ شرمندگی سے میری آنکھوں میں آنسو آ گئے ہیں اور ضمیر جاگ اُٹھا ہے لیکن جاگتا ہوا ضمیر مجھے اچھا نہیں لگتا، اس لیے دو تھپڑ لگا کر میں اسے دوبارہ سلانے لگا ہوں۔ تم اپنی انرجی ویسٹ نہ کرو، مجھے اپنے سابقہ ریکارڈ پر فخر ہے اور اس پر میں ذرا بھی حرف نہیں آنے دوں گا۔'' وہ بھی اپنے نام کا ایک ہی تھا، مجال ہے جو شرمندہ ہوا ہو۔

''شبیہ بالکل ٹھیک کہتا ہے۔'' جنیدی نے سلگ کر کہا۔

''کیا کہتا ہے؟'' بڑے اشتیاق سے پوچھا گیا تھا۔

''یہی کہ مجھے ایک سے بڑھ کر ایک ڈھیٹ اور ناکارہ دوست ملا ہے۔''

''او بھائی! شبیہ کا کہا کون سا آسمان سے اُتری کتاب کا حصہ ہے۔ تم اس کی باتیں دل پر نہ لو۔ بہتری کی اُمید ہمیشہ رکھنی چاہیے۔'' بڑا

عالمانہ ودوستانہ سا انداز تھا، پھر پوچھنے لگا۔

"چائے پلاتے ہو؟"۔

"زہر پلاتا ہوں۔" جنید ی نے چڑ کر کہا تھا۔

"چل وہی پلا دے جگر! اپنی پہلی نظر کی پہلی پہلی محبت کی خوشی میں آج زہر بھی پی لیں گے۔"

"پہلی محبت؟" جنید کو یہ نرا لطیفہ لگا۔

"ستر بہتر کہتے تو میں یقین بھی کرتا۔ ویسے اس منگیتر کے بارے میں کیا خیال ہے جو اپنے پنڈ (گاؤں) میں بٹھا چھوڑی ہے۔"

"ارے وہ تو اللہ میاں کی گائے ہے۔" سعدی نے بڑی چاہ سے اس کا ذکر کیا۔ "جو میں کہتا ہوں، آنکھیں اور کان بند کر کے اس پر ایمان لے آتی ہے۔ یقین کرو، تمہاری جگہ وہ ہوتی اور اسے میں اپنی پہلی نظر کی محبت کا قصہ سنا رہا ہوں تو پتا ہے اس نے کیا کہنا تھا؟"

"منگنی کی انگوٹھی تمہارے منہ پر مار کے تو نہیں جانا تھا۔ اتنے عرصے میں، میں بھابھی جان کی عادات خوب جان چکا ہوں، محاورتاً نہیں حقیقتاً اللہ میاں کی گائے ہیں۔" سعدی نے بے ساختہ قہقہہ لگایا اور خوب داد دی۔

"بالکل ٹھیک پہچانے ہو۔ چلو شاباش، اب اچھے بچوں کی طرح بڑھیا سی چائے بنا کر لاؤ۔" جنیدی سر جھٹکتا واش روم میں گھس گیا۔

سعدی نے آنکھیں دوربین سے لگائیں، تھوڑا سا زاویہ درست کیا اور دل کی کلی، جو عموماً کھلی ہی رہتی تھی، کچھ اور کھل گئی، وہ حسینہ ماہ جبینہ سبز باڑھ کے قریب کھڑی دکھائی دے رہی تھی، سعدی نے سرشار ہو کر گانا شروع کر دیا۔

"بڑی مشکل بابا! بڑی مشکل۔

گورے گورے گالوں پہ ہے کالا کالا تل، آہا۔"

باقاعدہ آہوں اور ٹھمکوں کے ساتھ گانا گایا جا رہا تھا، جس وقت شبیہ کمرے میں داخل ہوا۔ سعدی آنکھیں دوربین سے لگائے کمر پر ایک ہاتھ رکھے باقاعدہ ٹھمک رہا تھا۔ ایک تو اس کے انداز، پھر گیت کے بول، شبیہ کا موڈ خراب ہونے میں منٹ بھی نہ لگا۔

"سعدی! جیسے تم خود پھٹیچر ہو، ویسی ہی تمہاری چوائس ہے۔"

سعدی اپنی دھن میں تھا، ذرا بھی جو برا مانا ہو۔

"ارے واہ...... میری چوائس کیسے پھٹیچر ہو گئی، ذرا ادھر آ کر دیکھو، میری چوائس کتنی اعلیٰ ہے۔"

"یہ دوربین تو کوئی خاص نہیں لگ رہی۔"

"او بھائی! دوربین کے عدسے سے آنکھیں چپکا کر دیکھو، تمہیں وہ حسن کی دیوی نظر آ جائے گی، جس کے عشق میں میں گوڈے گوڈے ڈوب چکا ہوں۔"

اسٹینڈ اس کے کندھے تک آ رہا تھا، شبیہ نے جھکنے کے بجائے دوربین اسٹینڈ سے اُتار کر آنکھوں سے لگائی اور اسی ڈائریکشن میں دیکھنے

لگا، جس طرف سعدی دیکھ رہا تھا۔

''باڑھ کے قریب جو پری دکھائی دے رہی ہے، میں اسی کی بات کر رہا ہوں۔'' وہ خواب ناک لہجے میں بولا۔

''شبیہ نے دیکھا، باڑھ کے قریب والی کیاری کے پاس اینیا جھک کر پانی کا برتن اُٹھا رہی تھی۔

شبیہ کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔

''اس کی بات کر رہے ہو؟۔''

''وہاں پر کوئی اور ہے جس کی بات کروں گا؟'' سعدی نے پوچھا۔

''وہی ہے یارا جس کی مجھے اتنی مدتوں سے تلاش تھی۔ چاند کی طرح روشن چہرہ، صبح کی ہوا جیسی پاکیزہ، میرا عشق، میری محبت، اس ظالم دنیا کو میں ہمارے بیچ نہیں آنے دوں گا۔ جو درمیان میں آیا، اسے خون میں نہلا دوں گا۔ اس کا چہرہ اتنا دل کش، کیا بتاؤں، وہ جو شاعر کہتا ہے۔ اِک لڑکی کو دیکھا تو ایسا لگا، جیسے......''

سعدی نے ابھی لہکنے کا آغاز ہی کیا تھا کہ شبیہ نے غصے سے دور بین دور اُچھال دی، ایک جھٹکے سے سعدی کا گریبان تھاما اور زوردار پنچ اس کے چہرے پر جڑ دیا۔

جینڈی آواز سن کر بوکھلایا چلا آیا اور دیکھ کر حیران رہ گیا، شبیہ کا چہرہ لال انگارہ بنا ہوا تھا اور سانس پھول رہی تھی، وہ غضب ناک نظروں سے سعدی کو گھور رہا تھا، جب کہ کارپٹ پر گرے سعدی کو اس کے دو، تین گھونسوں نے ہی ادھ موا کر دیا تھا۔

جینڈی کے لیے صورت حال کو سمجھنا مشکل ہو رہا تھا، شبیہ کو دیکھ کر لگتا تھا، وہ آتش فشاں کی طرح پھٹنے کے قریب ہے، جب کہ سعدی چوٹ کھائی چھپکلی کی طرح کارپٹ پر تڑپ رہا تھا۔

اس سے پہلے کہ وہ کچھ پوچھتا شبیہ نے اس سے کہا۔

''جینڈی! اپنے دوست سے کہو، یہاں سے دفع ہو جائے، آج اسے دو پیروں پر جانے دے رہا ہوں، اگلی بار یہاں دکھائی دیا تو چار لوگوں کو کندھوں پر اُٹھا کر لے جانا پڑے گا۔

''اس نے تپائی کو ٹھوکر ماری اور غصے سے تن فن کرتا باہر نکل گیا۔ جینڈی نے جلدی سے بڑھ کر سعدی کو اُٹھا کر صوفے پر بٹھایا۔ بے چارے کی بری حالت تھی، خون نہیں نکلا تھا لیکن چوٹ کھایا چہرہ بری طرح لال ہو رہا تھا۔

جینڈی نے لا کر پانی پلایا، تب کہیں جان میں جان آئی۔

''اب کیسا محسوس کر رہے ہو سعدی؟'' جینڈی نے ہمدردی سے پوچھا۔

''میرا جبڑا ہل گیا ہے جینڈی! اب میں ساری زندگی کچھ کھا نہیں سکوں گا۔'' سعدی نے رقت بھرے لہجے میں بدقت کہا تھا۔

جینڈی دوڑ کر گیا۔ فریج سے آئس کیوبز نکال لایا، پھر رومال میں رکھ کر سعدی کے چہرے کی ٹکور کی۔ چند منٹ بعد ہی سعدی اس سے بات

کرنے کے قابل ہوا تھا۔

"تم نے کبھی بتایا ہی نہیں، شبیہ کو دورے پڑتے ہیں؟" اس نے چہرے کو سہلاتے ہوئے پوچھا، اس کے دائیں گال پر اب سوجن دکھائی دینے لگی تھی۔

"شبیہ کو...... نہیں تو۔" جیندی نے حیرانی سے تردید کی تھی۔

"پھر اس نے بلاوجہ مجھے کیوں مارا؟" سعدی جل کر بولا۔

"تم نے کچھ تو کہا ہوگا۔" جیندی نے کسی قدر پریشانی سے کہا۔ اس کے لیے بات ہی ناقابلِ یقین تھی کہ شبیہ نے اسے مارا ہے، وہ غصیل ضرور تھا، پاگل نہیں کہ بے سبب کسی کو مارنا ہی شروع کر دے۔

"میں نے کیا کہنا تھا، تمہیں تو پتا ہے، میں کتنا معصوم اور سیدھا سادا انسان ہوں۔ یہاں کھڑا تمہاری پڑوسن کو دیکھ رہا تھا اور کسی غلط نیت سے نہیں دیکھ رہا تھا، یہ تو تم بھی جانتے ہو، تو شبیہ نے آکر پوچھا، کیا کر رہے ہو۔ میں نے بتا دیا۔ ساتھ ہی کہا تم بھی آکر دیکھ لو، اس نے دیکھا، پھر مجھے مارنا شروع کر دیا۔ جیندی! اپنے اس مرتے ہوئے دوست سے وعدہ کرو، میرے کیس کے مدعی تم بنو گے اور اپنے اس عقل سے پیدل کزن کو پھانسی کے تختے تک ضرور پہنچاؤ گے۔"

سعدی میں کسی فلمی کی ہیروئی کی روح گھس گئی تھی۔ جیندی اُلجھ سا گیا، سعدی کو دھکا دے کر پرے ہٹایا، خود کھڑکی کے پاس آگیا، لیکن اتنی دور سے کچھ بھی دکھائی دینا مشکل تھا، اس نے یہاں وہاں دوربین تلاش کی، پھر چونک سا گیا۔ اینالان کی دوش پر چلتی اندر جا رہی تھی۔

جیندی کو ایک پل میں ساری بات سمجھ میں آگئی تھی۔ "کتنے گہرے ہو تم شبیہ؟"

اس نے گہری سانس بھر کر دوربین ایک طرف رکھ دی۔ والٹ اور موبائل فون جیب میں رکھا اور گاڑی کی چابی اُٹھا کے سعدی کے پاس آگیا۔

"چلو سعدی! تمہیں ہاسٹل چھوڑ دیتا ہوں۔"

☆☆☆

ایک جگہ سے نقل مکانی کر کے کسی دوسری جگہ سکونت اختیار کرنے والوں کو جتنی مشکلات کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے، اتنی ہی دقتیں ثمینہ اور ماوی کو درپیش تھیں، یہ بھی شکر ہے کہ انہیں توقیر صاحب اور ان کی بیگم کا تعاون حاصل تھا، جس کی وجہ سے انہیں کافی سہولت ہو گئی تھی۔

سب سے زیادہ وقت انہیں موسم سے مطابقت پیدا کرنے میں درپیش آرہی تھی، گو کہ چودہ سال قبل ثمینہ نے اسی خطے سے ہجرت کی تھی، وہ یہاں کے موسموں اور ان کی سختی سے بخوبی آگاہ تھیں، پھر بھی وہ مشکلات کا شکار تھیں، جس کی سب سے بڑی وجہ پاکستان کی آب وہوا میں آلودگی کا بڑھا ہوا تناسب تھا۔ ماوی آٹھ سال کی عمر میں پاکستان کو خیرباد کہہ چکی تھی، اسے بھی دقت کا سامنا تھا لیکن یہ غالباً اس کی عمر اور شوق کا تقاضا تھا کہ وہ جلدی ہار نہیں مان رہی تھی۔

پہلے روز انہوں نے مارکیٹ میں گزار کر وہ تمام چیزیں خریدیں جو ان کی ضروریات زندگی میں شمار ہوتی تھیں، اسی روز ماوی نے کسی شوروم

پر ایک سیکنڈ ہینڈ آلٹو بک کروائی تھی اور اگلے ہی روز سے اس شہر کا سب سے بہترین ڈرائیونگ اسکول جوائن کر لیا تھا، حالانکہ ڈرائیونگ وہ پہلے سے جانتی تھی لیکن یہ اقدام پاکستان کی سڑکوں اور ٹریفک سے ہم آہنگی پیدا کرنے کے لیے کیا گیا تھا۔

اگلے روز ہادی یہاں کے موسم کے مطابق کچھ کپڑے وغیرہ خریدنا چاہتی تھی لیکن ثمینہ نے جانے سے انکار کر دیا۔ ان کی طبیعت صبح سے بوجھل تھی، ناشتہ بھی برائے نام کیا تھا۔ ان کی طرف سے مایوس ہو کر ہادی نے اکیلے جانے کا فیصلہ کیا۔

اس کے جانے کے بعد ثمینہ کچھ دیر لیٹی رہیں، پھر انہیں بھوک محسوس ہونے لگی تو کچھ کھانے کے خیال سے کچن میں آ گئیں لیکن بھوک کے باوجود وہ خود کو کچھ کھانے پر آمادہ نہیں کر سکیں، پیٹ بھرنے کے خیال سے وہیں کھڑے کھڑے تین گلاس پانی نل سے بھر کر معدے میں انڈیلے۔ ذرا سکون محسوس ہوا تو آ کر لاؤنج کے صوفے پر لیٹ گئیں، لیکن یہ سکون محض چند منٹوں کا تھا، یکا یک انہیں بڑی شدید متلی محسوس ہونے لگی اور سر بری طرح چکرانے لگا تھا۔

پچھلے روز انہوں نے شازیہ سے کسی قابلِ اعتماد ملازمہ کے لیے کہا تھا، وہ انہیں اپنی خالہ زاد بہن کے بارے میں بتانے آئی تھی، جس وقت وہ ادھر آئی ثمینہ تین چار بار اُلٹیاں کر کے بے حال ہوئی پڑی تھیں۔ اس کے ہاتھ پیر پھول گئے۔ ثمینہ کو سیدھا کر کے لٹایا، پانی پلایا، دو تین سوال پوچھے لیکن ثمینہ میں ہمت ہوتی تو جواب دیتیں۔

شازیہ دوڑی گئی اور ثروت کو بلا لائی۔

ثروت کہاں کی ڈاکٹر تھیں۔ ثمینہ کی حالت دیکھ کر خود بھی بوکھلا گئیں لیکن اگلے ہی پل بوکھلاہٹ سے زیادہ چونکیں۔

''ارے ...... یہ تو......'' چہرہ مانوس تھا۔

کئی سال پہلے کا ایک لمحہ ان کے ذہن کے دریچے سے جھانکنے لگا تھا اور یہ اتنی حیران کن بات تھی کہ چند لمحے کے لیے وہ سب کچھ بھول گئیں، پھر پلٹ کر شازیہ سے بولیں۔

''ڈرائیور سے کہو، گاڑی نکالے۔''

قریب ہی ایک جنرل فزیشن کا کلینک تھا، وہ ثمینہ کو وہیں لے آئیں۔ ڈاکٹر نے چیک اَپ کیا۔ ماحول کی تبدیلی اور آب و ہوا کی تبدیلی ناسازیٔ طبع کی سب سے بڑی وجہ بتائی۔

''گھبرانے کی ضرورت نہیں، معمولی نوعیت کا ڈائریا ہے۔''

ڈاکٹر نے انجکشن لگایا، دوائیاں لکھ کر دیں، طبیعت نہ سنبھلنے کی صورت میں ڈرپ تجویز کی، کچھ پرہیز بتایا اور سختی سے تاکید کی کہ پانی اُبال کر یا اچھی کوالٹی کا منرل واٹر استعمال کیا جائے۔ واپسی تک ثمینہ اچھی خاصی مشکور ہو چکی تھیں۔

''تھینک یو سو مچ مسز دانیال! آپ نے بڑی مدد کی۔''

''اس میں شکریہ کی تو کوئی بات نہیں، انسان ہی انسان کے کام آتا ہے۔'' ثروت نے اپنی مخصوص سادہ مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا تھا۔

"بلکہ میں تو شرمندہ ہوں کہ آپ سے ملنے کے لیے پہلے نہیں آسکی۔ دراصل کچھ ایسی مصروفیات تھیں کہ چاہ کر بھی وقت نہیں نکال سکی۔"

ثروت نے لگے ہاتھوں معذرت بھی کر ڈالی کہ بہرحال اپنی اس بداخلاقی پر اچھی خاصی شرمندہ تھیں، دانیال حسن سے ہونے والی جھڑپ کے اثرات تو خیر اب تک برقرار تھے۔

"کوئی بات نہیں، میں سمجھ سکتی ہوں۔ گھرداری کی تو بہت ذمہ داری ہوتی ہے۔" ثمینہ بیڈ پر لیٹی نقاہت سے مسکرا رہی تھیں۔

"آپ آرام کیجیے اب۔ شازیہ یہیں موجود رہے گی، آپ کو کسی چیز کی ضرورت ہو تو بلا تکلف بتا دیجیے گا۔"

"آپ جتنی مدد کر چکی ہیں، میں اتنی کے لیے بے حد مشکور ہوں مسز دانیال!"

"آپ مجھے ثروت کہہ سکتی ہیں اور پلیز تکلفات میں مت پڑیں۔ تھوڑے سے حقوق تو ہمسائیگی کے بھی ہوتے ہیں، آپ اپنی کسی ضرورت کے لیے ہمیں یاد رکھیں گی تو مجھے خوشی ہوگی۔"

"بہت بہتر۔" ثمینہ مسکرائیں۔

"تھوڑا سو لیجیے۔ آپ بہتر محسوس کریں گی۔"

ثروت نے باہر جاتے ہوئے کہا، دروازہ عبور کرنے سے قبل انہوں نے ایک نظر ثمینہ کو دیکھا، وہ آنکھیں بند کیے لیٹی تھیں۔ ثروت نے بغور انہیں دیکھا، یہ سوچ کر شاید انہیں پہچاننے میں غلطی ہوئی ہو لیکن یہ محض ان کی خام خیالی تھی۔

البتہ اس بات نے انہیں کافی اطمینان بخشا تھا کہ ثمینہ انہیں پہچان نہیں سکیں، جس وقت وہ انیکسی سے نکل کر اپنے پورشن کی طرف جا رہی تھیں، بہرحال پُرسکون تھیں۔

☆☆☆

زہرہ کسی کام سے رسوئی میں آئی تھی، دودھ سے لبالب بھری بالٹی کو جوں کا توں پڑا دیکھ کر اس کی پیشانی پر بل پڑ گئے، اس نے غصے سے گھر کی کل وقتی ملازمہ کو آواز دی۔

"جی بڑی بی بی!" وسائی بوتل کے جن کی طرح حاضر ہوئی تھی۔

"کتنی کام چور ہے تو وسائی! میں نے کتنی تاکید کی تھی کہ پڑچھتی سے بڑا کڑھاؤ نکال کر دودھ کڑھنے کے لیے رکھ دینا، لیکن دودھ اب تک کڑھنا تو دور کی بات ہے، یونہی بغیر اُبالے رکھا ہے۔ زبیدہ باجی کو بھنک بھی پڑ گئی کہ اب تک کھیر پکنا شروع نہیں ہوئی تو اس نے منہ سجا کر بیٹھ جانا ہے۔"

زہرہ نے اپنی بڑی نند کا نام لیتے ہوئے کہا جو ساتھ والے گاؤں سے شوہر اور بچوں کے ساتھ دو دن گزارنے آج صبح ہی آئی تھی اور آتے ہی اس نے زہرہ سے کھیر کی فرمائش کر دی تھی۔

"ہائے بی بی! میں تو بھول ہی گئی۔" وسائی نے سر پر ہاتھ مارا۔

"میں ابھی کڑھاؤ نکال لاتی ہوں۔" وسائی باہر کی طرف دوڑی تھی۔ جتنی دیر میں وہ کڑھاؤ نکال کر لاتی، زہرہ چولہے میں لکڑیاں ڈال کر

آنچ حسب منشا کر چکی تھی۔

کڑھاؤ کو چولہے پر چڑھا کر انہوں نے سارا دودھ کڑھاؤ میں ڈال دیا، جب دودھ اُبل چکا تو زہرہ نے لکڑیاں نکال کر آنچ کم کی اور خود کڑھاؤ میں چمچہ ہلانے بیٹھ گئی۔ وسائی کو اس نے چاول صاف کرنے کے لیے کہا تھا۔

چمچہ ہلاتے ہوئے اس کی نظر باہر آنگن تک چلی گئی۔ برآمدے میں کرسیاں بچھائے دین محمد اور زبیدہ باجی کے شوہر بیٹھے تھے۔ قریب ہی پلنگ پر اماں اور زبیدہ باجی بیٹھی باتیں کر رہی تھیں۔ کچھ فاصلے پر زبیدہ باجی کے بچے اور جنت کھیل رہے تھے۔

زہرہ نے محبت پاش نظروں سے جنت کو دیکھا۔ وہ سب بچوں میں سب سے پیاری لگ رہی تھی۔

جنت چار سال کی ہو رہی تھی اور بے تحاشا پیاری بچی تھی، کچھ زہرہ اسے صاف ستھرا رکھنے کے ساتھ ساتھ بنا سنوار کے بھی بہت رکھتی تھی۔ ان کا گھرانہ گاؤں کے چند متمول گھرانوں میں سے تھا اور جنت کا لباس گاؤں کے دیگر بچوں کے مقابلے میں قیمتی اور بڑھیا ہوتا تھا۔ جنت کی پیدائش سے پہلے بھی دین محمد کے گھرانے کے مالی حالات بہت اچھے تھے۔ وہ ان کاشت کاروں میں سے تھا جن کی زمینیں سارا سال اناج دیتی ہیں اور انہیں کبھی بھی اپنی ضروریات کے لیے دوسروں کے ہاتھوں کی طرف نہیں دیکھنا پڑتا لیکن جنت کے بعد تو جیسے سب کچھ ہی بدل گیا تھا، دین محمد نے یکے بعد دیگرے بہت سی زرعی اراضی خریدی تھی اور یہ اراضی فصلوں کی صورت جیسے سونا اُگل رہی تھیں، مزارعوں اور مویشیوں کی تعداد پہلے سے تین گنا بڑھ چکی تھی۔ روپے کی فراوانی کے ساتھ ساتھ زہرہ کے سلیقے نے گھر کی حالت بھی بدل دی تھی۔ دین محمد نے گھریلو کام کاج کے لیے اسے کئی ملازمائیں رکھ کر دی تھیں لیکن وسائی کے سوا زہرہ نے سب کو فارغ کر دیا۔ اسے ہاتھ پیر توڑ کر پلنگ پر بیٹھے رہنا قطعاً گوارا نہ تھا۔

دین محمد اس ساری ترقی کو جنت کی خوش بختی قرار دیتا تھا اور اردگرد رہنے والے ننھی جنت پر رشک کرتے نہ تھکتے تھے۔

باہر آنگن میں ایک شور بلند ہوا تھا، زہرہ نے چونک کر باہر دیکھا۔

"چھوٹی بی بی کا پیر پھسل گیا ہے بی بی!" وسائی دروازے میں کھڑی اطلاع دے رہی تھی۔ زہرہ چمچہ چھوڑ کر سرعت سے باہر لپکی۔ بچے بڑے سب جنت کے گرد جمع تھے۔ جنت کی ٹھوڑی سے جھر جھر خون بہہ رہا تھا۔

"ہائے میرے اللہ!" زہرہ نے تڑپ کر دل تھام لیا۔

"کیسے لگی چوٹ؟ کیا ہوا ہے میری بچی کو؟" وہ روتے ہوئے اس کی طرف بڑھی تھی، دین محمد نے جنت کو گود میں اُٹھایا اور کمرے میں لے جا کر پلنگ پر لٹا دیا۔

زہرہ نے دوپٹے کا پلو روتی ہوئی جنت کی ٹھوڑی پر رکھ دیا۔ دین محمد باہر نکل گیا تھا۔

"وسائی! دوڑ کے جا، تھوڑی برف لے کر آ...... جلدی کر۔" زہرہ نے اپنے اعصاب پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے وسائی کو مخاطب کیا تھا۔ ساتھ ساتھ وہ جنت کو خاموش کروانے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس کی ٹھوڑی سے نکلنے والا خون زہرہ کو اپنے جسم سے نکلتا محسوس ہو رہا تھا۔

وسائی کٹورا بھر برف لے آئی، زہرہ نے برف کا ٹکڑا زخم پر لگایا، پھر جھنجلا گئی۔

''میری بھی مت ہی ماری گئی ہے بھلا برف سے بھی خون رُکتا ہے۔ وسائی! رسوئی میں نے ہلدی پیس کر رکھی تھی، جا جلدی سے لے کر آ۔'' ہلدی کی وافر مقدار لگائی، تب جا کر خون بہنا کم ہوا۔

''چھوٹی بی بی کو بڑے اسپتال لے جانا پڑے گا بی بی! زخم اتنا گہرا ہے مجھے لگتا ہے ٹانکے لگیں گے۔''

''یہ شور کیسا ہے وسائی؟''

وسائی نے دروازے سے جھانک کر دیکھا، پھر سینے پر دوہتھو مار کر بولی۔

''ہائے میں مرگئی...... بڑی بی بی! چودھری جی نے فاروق پتر کو مار مار کے ادھ موا کر دیا ہے۔''

''کیا؟'' زہرہ بوکھلا کر کھڑی ہوئی۔

''میں نے خود دیکھا تھا بڑی بی بی! جنت بی بی کا اپنا پیر پھسلا تھا۔ فاروق نے کچھ نہیں کہا۔''

زہرہ تیزی سے باہر بھاگی۔

فاروق سسکیاں بھرتا باپ کے پیچھے چھپ رہا تھا۔

''میں نے کہا نا دین محمد! فاروق کی کوئی غلطی نہیں ہے، جنت خود ہی گر گئی تھی، بچوں کو ایسی چھوٹی موٹی چوٹیں لگ جاتی ہیں۔'' زبیدہ کا شوہر کہہ رہا تھا۔

''خوامخواہ غلطی نہیں ہے، فاروق کا پیر درمیان میں نہ ہوتا تو جنت کبھی نہ گرتی۔ اس کی وجہ سے میری بچی کا اتنا خون بہا ہے، میں اسے ضرور سزا دوں گا۔'' دین محمد غصے سے آگ بگولا ہو رہا تھا۔

''اور کتنی سزا دینی ہے؟ پہلے ہی اتنی بری طرح مار چکے ہو میرے بچے کو، اب کیا جان لو گے اس کی۔'' زبیدہ نے ناگواری سے بھائی کو دیکھا۔

''میری بیٹی کو چوٹ پہنچائی ہے اس نے، جان بھی لوں تو کم ہے۔''

''دین محمد! اپنی حد میں رہو۔ میں اپنے بچے کے زخموں کا حساب لینے لگوں تو عقل ٹھکانے آ جائے۔'' زبیدہ کے شوہر نے غضب ناک ہو کر کہا تھا۔

''اپنے بچے کے لیے کیسی بڑک اُٹھ رہی ہے اور میری بچی......''

''ماما جی! میری غلطی نہیں ہے۔'' فاروق منمنایا۔

''تُو چپ کر......'' دین محمد آپے سے باہر ہو رہا تھا۔

زبیدہ کے شوہر نے غصے سے بیوی کو دیکھا۔

''فاروق کی غلطی نہ ہونے کے باوجود میں نے معافی مانگی لیکن تمہارا بھائی اب تک میرے بیٹے کو گالیاں دے رہا ہے، اب اس سے زیادہ میں برداشت نہیں کر سکتا، تجھے بھائی کے گھر رہنے کا شوق ہے تو رہ، میں اپنے بچوں کو لے کر جا رہا ہوں۔''

''ٹھہرو جی! میں بھی تمہارے ساتھ چلتی ہوں۔ یہ پہلا مرد ہے جس کی بیوی نے بیٹی جنی ہے بلکہ بیٹی بھی کیا، ملکہ کہو۔ ذرا سی بات پر آسمان سر پر اُٹھالیا، ایسی بھی کیا ناز برداریاں۔ میں جارہی ہوں اماں! جس گھر میں میرے شوہر اور بچوں کی عزت نہیں، اس گھر میں رہ کر کیا کروں گی۔''

''ہاں ہاں جاؤ۔'' دین محمد نے تنفر سے کہا۔ ''اگلی بار آؤ تو اس سنپولیے کو لے کر آنے کی ضرورت نہیں، میرے گھر کے دروازے اس پر ہمیشہ کے لیے بند ہیں۔''

دین محمد کی یہ آخری بات تابوت میں حتمی کیل ثابت ہوئی تھی۔ زبیدہ نے اپنا سامان کھینچ کھانچ کر نکالا۔ اماں اور زہرہ ''ہیں، ہیں'' ہی کرتی رہ گئیں اور زبیدہ اپنے بچوں اور شوہر کے ساتھ گھر کی دہلیز پار کر گئی۔

دین محمد نے بانس کا ٹکڑا دور اُچھالا اور کمرے کی طرف بڑھ گیا، جس کے کھلے دروازے سے جنت کی منتظر معصوم آنکھیں جھانک رہی تھیں۔

☆☆☆

''انو......'' ولید نے دروازے پر دستک دے کر کمرے میں جھانکا، اینیا رائٹنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھی کچھ لکھنے میں مصروف تھی۔ ولید کی آواز پر سر اُٹھا کر دروازے کی طرف دیکھا۔

''اگر تم مصروف نہیں ہو تو کیا میں اندر آجاؤں۔ کچھ بات کرنی ہے۔'' اسے دروازے کی طرف دیکھتا پا کر ولید نے پوچھا تھا۔

''میں پڑھ رہی ہوں ولید!'' اینیا نے ایک نظر وال کلاک پر ڈالتے ہوئے کہا تھا۔

''میں زیادہ وقت نہیں لوں گا، زیادہ سے زیادہ بھی پندرہ منٹ۔'' ولید نے اندر آکر دروازہ بند کر دیا تھا۔

''خیریت تو ہے نا ولید!'' اینیا نے کسی قدر حیران ہو کر پوچھا تھا۔ ولید سر اثبات میں ہلاتے ہوئے بیڈ کی پائنتی پر بیٹھ گیا۔

''ہاں خیریت ہے۔''

''ولی کیا کر رہا ہے؟ باتیں کرنے کا موڈ تھا تو اسے بھی لے آتے۔'' اینیا نے کرسی کا رخ اس کی طرف موڑتے ہوئے چھوٹے بھائی کے متعلق استفسار کیا تھا۔

''وہ تو کب کا سو بھی چکا اور باتیں کرنے کا موڈ نہیں تھا، مجھے پتا تھا تم پڑھائی میں بزی ہو گی بس ایک آئیڈیا ڈسکس کرنا تھا، اسی لیے آگیا ہوں۔''

''کیسا آئیڈیا؟'' اینیا استفہامیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

ولید چند لمحے پُرسوچ نظروں سے اسے دیکھتا رہا، پھر پوچھنے لگا۔

''تم ایگزامز میں مصروف ہو۔ شاید نوٹس نہ کیا ہو مگر میں محسوس کر رہا ہوں ممی، ڈیڈی کے درمیان کچھ پرابلم چل رہی ہے۔''

''کیسی پرابلم۔'' اینیا بری طرح چونکی، وہ واقعی کچھ روز سے بہت مصروف تھی کہ اپنا بھی ہوش نہ تھا۔

''اس بارے میں مَیں حتمی طور پر کچھ نہیں کہہ سکتا، لیکن میں فیل کر رہا ہوں کوئی بات ضرور ہوئی ہے۔'' وہ اُلجھا اُلجھا سا بول رہا تھا، جیسے خود بھی سمجھ نہ پا رہا ہو۔

"اس روز ڈنر پر جو بات ہوئی، اس کے بعد سے میں دیکھ رہا ہوں دونوں ایک دوسرے سے کھنچے کھنچے سے ہیں، آپس میں بات بھی نہیں کرتے۔"

"وہ پہلے بھی بات نہیں کرتے تھے، آئی مین میں نے ان دونوں کو زیادہ بات کرتے نہیں دیکھا۔" اینیا نے کہا تھا۔

"خیر، خیر یہ ایک الگ موضوع ہے۔ بس میں چاہتا ہوں مجھے میرے پیرنٹس عام پیرنٹس کی طرح نظر آئیں۔ خوش باش، مطمئن، شاید تمہیں میری بات عجیب لگے انو! لیکن مجھے ہمیشہ لگتا ہے جیسے ان دونوں کو کسی نے ساتھ رہنے پر مجبور کیا ہے۔ ممی، ڈیڈی کے ساتھ اور ڈیڈی، ممی کے ساتھ خوش نہیں ہیں۔"

"ولید! وہ لوگ اٹھارہ سال سے ساتھ ہیں، خوش نہ ہوتے تو کب کے الگ ہو چکے ہوتے۔" اینیا نے کہا، گو کہ اس کے کچھ خیالات ولید سے میل کھاتے تھے مگر اس کی رائے بہرحال مختلف تھی۔

"ہاں شاید تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔" ولید نے سابقہ اُلجھن سے کہا، پھر گہری سانس بھر کر بولا۔

"پرسوں ممی اور ڈیڈی کی ویڈنگ اینورسری ہے، میں سوچ رہا ہوں ہم لوگ اس روز کوئی سرپرائز پکنک کیوں نہ ارینج کریں۔"

"پرسوں اٹھائیس ہے؟" اینیا کو یک دم یاد آیا تھا۔

"ہاں۔" ولید نے کہا۔

"آئیڈیا اچھا ہے ولید! لیکن ممی اور ڈیڈی جانے کے لیے راضی نہیں ہوں گے، ممی تو شاید ہمارا دل رکھیں، جب کہ ڈیڈی......تم جانتے ہو وہ کتنے خلاف ہیں، آج تک انہوں نے اپنی ایک بھی اینی ورسری سیلیبریٹ نہیں کی۔"

"ڈیڈی کو راضی کرنا میری ذمہ داری ہے، ممی کی ذمہ داری تم لے لو، ڈیڈی نے سیلیبریشن نہیں رکھی تو اس بار وہ خوش ہوں گے۔ اگر واقعی میرا شک درست ہے کہ ان دونوں کے درمیان کوئی مس انڈراسٹینڈنگ چل رہی ہے تو وہ بھی ختم ہو جائے گی۔"

"ہوں......چلو ٹھیک ہے، بلکہ یہ بڑا اچھا آئیڈیا ہے۔" اینیا نے کہا، پھر اسے دیکھ کر شرارت سے بولی۔

"واہ میرے بھیا! تم تو بڑے ذہین ہو گئے ہو۔"

"ذہین تو خیر میں پہلے بھی تھا لیکن بس ذہانت کا اظہار اب کرنے لگا ہوں۔" وہ بے نیازی سے کہتا کھڑا ہو گیا۔

"میں سارے انتظامات مکمل کر کے تمہیں بتا دوں گا، میرا خیال ہے کل رات بارہ بجے ہم انہیں وش کریں اور پرسوں پکنک منائی جائے۔"

اینیا نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"پرسوں میری چھٹی بھی ہے، تم نے ولی کو بتایا؟"

"توبہ کرو، اس کے سامنے ذکر بھی مت کرنا، کل بارہ بجنے سے پہلے اسے بھی بتا دیں گے، ورنہ اس کے پیٹ میں کوئی بات رہتی ہے، ابھی جا کر سب کچھ ممی کو بتا دے گا۔ تم پڑھو، میں نے تمہیں ڈسٹرب کیا، گڈ نائٹ۔"

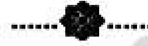
ولید جاتے ہوئے دروازہ بند کر گیا تھا، اینیا دروازے کو دیکھتے ہوئے سوچنے لگی۔

''ولید، ماشاء اللہ کتنا سمجھ دار ہو گیا ہے۔ ممی اور ڈیڈی کے مابین جو نہ سمجھ میں آنے والی ٹینشن چل رہی ہے، اسے کتنی جلدی بھانپ گیا ہے۔ خدا کرے اس کی کوشش کامیاب رہے، ورنہ میرے پیارے بھائی کو کس قدر مایوسی ہوگی۔ کیوں نہ ہم اس پکنک پہ عباس بھائی کو بھی انوائیٹ کر لیں۔''

معاً اسے خیال آیا تھا انگلیوں میں بال پوائنٹ گھماتے ہوئے وہ سوچنے لگی۔

''آفٹر آل وہ بھی تو اس فیملی کا حصہ ہیں، ٹھیک ہے میں صبح ولید سے بات کروں گی۔''

کتاب کھولتے ہوئے وہ پکا تہیہ کر چکی تھی۔



''یا اللہ...... اکس جرم کی پائی ہے سزا یاد نہیں۔ کیا یہ زمانے بھر کی کم عقل لڑکی کو میری ہی بہن بنایا جانا ضروری تھا۔''

ولید نے سخت لاچاری کے عالم میں آسمان کی طرف دیکھا پھر گردن موڑ کر اینیا کو گھورا جو خود کو زمانے بھر کی کم عقل لڑکی قرار دیے جانے پر بری طرح برا منا چکی تھی۔

''اب اپنی خوف ناک آنکھوں کے تیر چلانا بند کرو تمہارے یہ تیر مجھے حق گوئی سے باز نہیں رکھ سکتے۔''

ادائے بے نیازی سے کہتے ہوئے اس نے ماتھے پر اٹکائے گاگلز آنکھوں پر سیٹ کیے۔ کندھے پر لٹکتا تھیلا نما بیگ کا زاویہ درست کرتے ہوئے اپنے ہی گیٹ پر نصب آرائشی شیشے میں اپنا عکس دیکھ کر نظر بد سے بچاؤ کی دعا کی۔ محترم ہائی اسکول جاتے تھے اور آج کل کے دیگر بچوں کی طرح نک سک سے ہیرو بن کر اسکول جانا مذہبی فریضہ سمجھتے تھے۔ اپنی اسپورٹس بائیک کو کک لگا کر اینیا کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ اینیا اُچک کر سوار ہو گئی اور خفگی کے اظہار کے طور پر بڑی زور سے کندھا بھی دبوچ لیا۔

''اونہہ...... کیا جاہلوں کی طرح کندھا دبوچا ہے میری شرٹ پر سلوٹیں نہیں پڑنا چاہئیں۔'' ہیرو صاحب کو اپنے امپریشن کی بڑی فکر تھی سو تاکید ضروری سمجھی۔

''یار انو! ذرا مجھ پر آیت الکرسی پڑھ کر ہی پھونک دو، بالکل شہزادہ لگ رہا ہوں آج۔ کہیں اپنی ہی نظر نہ لگ جائے، اسی خدشے کے پیش نظر دیر تک مرر بھی نہیں دیکھا۔ جب تمہارے کالج کے سامنے بائیک روکوں گا تو نہ جانے کتنی حسینائیں اپنی اُنگلیاں چبا ڈالیں گی لیکن یہ کوئی پریشانی کی بات نہیں، یہ تو فخر کی بات ہے، مگر مجھے ڈر ہے کہیں کسی حاسد کی نظر ہی نہ لگ جائے اور میں صبح سویرے ضائع ہو جاؤں، پلیز آیت الکرسی اور چاروں قل پڑھ کر پھونک دو۔ کیسی بہن ہو تم۔ بھائی کا ذرا احساس نہیں۔''

کالونی کی سڑک عبور کر کے مین روڈ تک آنے میں وہ مسلسل بولتا رہا تھا۔ اینیا نے ایک زوردار گھونسا اس کی کمر پر جڑ دیا۔

''بہن کے چہیتے! کسی کی نظر سے تم ضائع ہو یا نہ ہو، اسی طرح فضول بکواس کرتے رہے تو میرے ہاتھوں ضرور ضائع ہو جاؤ گے۔'' دوسرا گھونسا پہلے سے زیادہ زوردار تھا۔

''او...... ہو...... ہو۔'' بائیک بری طرح لہرائی تھی پھر جھنجلا کر بولا۔

''الو کی بچی! کتنا بھاری ہاتھ ہے تمہارا۔ لیلیٰ علی کا ہاتھ بھی تم سے تو نازک ہی ہوگا۔ میں بتا رہا ہوں، دوبارہ مارو گی تو یہیں فٹ پاتھ پر پھینک کے کالج چلا جاؤں گا۔''

''اگلی بار مڑ کر دیکھو تو غور سے دیکھنا، تمہاری شکل بھی لیلیٰ علی سے ہی ملتی ہے۔'' وہ کہاں چوکنے والی تھی، فوراً حساب برابر کرلیا۔ ولید نے بلاتوقف قہقہہ لگایا۔

''مجھے بڑا افسوس ہے تمہارا مقصد پورا نہیں ہوا، مجھے شرمندہ کرنے کا، کیونکہ لیلیٰ علی کا صرف نام ہی لیلیٰ ہے، شکل سے تو وہ اچھی خاصی مردانہ ہے۔'' پھر ایک اور قہقہہ لگایا۔

''برا ہو اس وقت کا، جب میں نے تم سے کالج ڈراپ کرنے کو کہا تھا۔ اوٹ پٹانگ باتیں کر کے میرا دماغ چاٹ رہے ہو، اس سے اچھا تھا میں ڈیڈی کے ساتھ ہی چلی جاتی۔''

''ہم گھر سے زیادہ دور تو نہیں آئے۔ کہو تو واپس چھوڑ آتا ہوں، آرام سے ڈیڈی کی فور وہیلر میں بیٹھ کر کالج جانا، لیکن جو خیال کچھ دیر پہلے میرے سامنے ظاہر کیا ہے پلیز اسے ڈیڈی کے سامنے ضرور دُہرانا اور پھر ڈیڈی تمہارا جو حشر کریں گے نا! اس کے بعد نانی اماں نہ یاد آ گئیں تو میرا نام بدل کر لیلیٰ علی یا راکھی ساونت رکھ دینا۔'' اینا نے پھر اسے گھونسا جڑ دیا۔

''میں نے ایسا تو کچھ نہیں کہا کہ ڈیڈی خفا ہو جائیں۔''

''یہ تم تخریبی کارروائیاں تو بند کرو۔'' وہ جھنجلا کر بولا تھا پھر بولا۔

''یقین کرو انو! آج تک تمہاری دل آزاری کے خیال سے میں خود کو سچ بولنے سے روکتا رہا ہوں مگر...... آج...... مگر آج میں خود کو روک نہیں پاؤں گا، پلیز مجھے کہنے دو۔ تم جتنی شکل سے احمق لگتی ہو، اس سے کہیں زیادہ بے وقوف ہو۔ تم صرف ڈیڈی کی خفگی کی بات کر رہی ہو تمہاری بات سن کر شبیہ بھائی بھی ناراض ہو جائیں گے۔''

''لیکن کیوں؟۔''

''او میری عقل والی بہن! جو شخص ہماری شکل دیکھنے پر تیار نہیں ہے، وہ ہماری خوشی میں کیوں شریک ہوگا؟ ہمارے ممی ڈیڈی کی اینی ورسری ہمارے لیے اہم ہیں، ان کے لیے نہیں۔ میں تم سے احمقانہ بات کی توقع ہی نہیں کر رہا تھا، ممی ڈیڈی کی شادی...... مجھے بہت افسوس سے کہنا پڑ رہا ہے شبیہ بھائی کی زندگی کا المیہ ہے، کبھی کسی کو المیہ پہ خوشی مناتے دیکھا ہے۔''

ولید کا حقیقت پر مبنی تجزیہ۔ اینا قائل ہو گئی لیکن مایوس بھی۔

''کہتے تو خیر تم ٹھیک ہو لیکن ولید! مجھے ہمیشہ ایک احساس رہتا ہے جب تم، میں اور ولی ممی اور ڈیڈی کے ساتھ ہوتے ہیں تو مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے ہماری فیملی نامکمل ہے۔ شبیہ بھیا کی کمی بہت محسوس ہوتی ہے مجھے۔ پھر میں سوچتی ہوں مجھے تو کبھی ان کے ساتھ بیٹھ کر بات کرنے کا موقع بھی نہیں ملا۔ تب بھی اتنی کمی محسوس کرتی ہوں ان کی۔ ممی کیا محسوس کرتی ہوں گی؟ وہ تو بہت مس کرتی ہوں گی بھیا کو......''

''ممی نے کبھی تم سے کہا ہے؟'' ولید نے پوچھا۔

''وہ کہاں کچھ کہتی ہے انہیں تو گھٹ گھٹ کے رہنے کی عادت پڑی ہوئی ہے لیکن میں محسوس کرسکتی ہوں ان کے دل کیفیت کو۔ سچ کہوں تو شبیہ بھائی کو انوائٹ کرنے کا خیال بھی مجھے صرف ممی کی وجہ سے آیا۔ ممی کے لیے یہ ایک بہت بڑی خوشی ہوتی۔''

''اور ڈیڈی کے لیے، بہت بڑی ناخوشی۔'' ولید نے دو بدو کہا تھا۔

''پلیز ولید! کیا پتا ڈیڈی خفا نہ ہوں۔ میں نے بہت عرصے سے ممی کو بہت خوش نہیں دیکھا۔ ایسا لگتا ہے جیسے وہ بہت جبر کر کے مسکراتی ہوں۔ تم میرے ساتھ شبیہ بھائی کے پاس چلو۔'' وہ منت سے بولی۔

''میرا دماغ خراب نہیں ہے کہ جا کر بے عزتی کرواؤں، جو بندہ ہماری شکل تک دیکھنے کا روادار نہیں، اس کے گھر جا کر ذلیل نہیں ہونا مجھے۔'' ولید نے صاف کہا۔

''تم بات نہ کرنا، میں کرلوں گی۔'' اینیا نے ایک اور راہ دکھائی۔

''میں ان کے گھر جانے پر نہیں راضی۔ تم بات کی بات کرتی ہو۔''

پلیز ولید! میرے پیارے بھائی نہیں ہو۔''

''بھائی ہوں۔ پیارا بھی ہوں لیکن یہ بات نہیں مانوں گا۔''

''خیر خیر۔ تم تو میری کوئی بھی بات نہیں مانتے۔'' وہ غصے سے بولی۔

''جھوٹی ایک نمبر کی، پرسوں آئس کریم کس نے لا کر دی تھی؟ اور تمہاری اس بدصورت سہیلی کے گھر سے نوٹس کون لایا تھا؟۔''

''تو کوئی احسان نہیں کیا تھا، میں بھی تمہاری کتنی باتیں مانتی ہوں، کام بھی کتنے کر دیتی ہوں۔ پرسوں تم نے آئس کریم لا کر دی تھی تو بدلے میں شرٹ بھی تو دھلوائی تھی مجھ سے۔''

''اس میں کون سی بڑی بات ہے، شرٹ تو شازیہ بھی دھو سکتی تھی۔ تم نے کیا کمال کیا؟۔''

''ولید! تم انتہائی احسان فراموش ہو۔ اللہ کرے تمہارے شادی بھی کسی شازیہ جیسی لڑکی سے ہو جائے جس کے ناخن میل سے بھرے رہتے ہوں اور جو دس دس دن نہائی بھی نہ ہو۔''

''اور خدا کرے تمہاری شادی ببرال سے ہو جس کے سر پر......''

ایسی بددعا پر اینیا نے اسے پھر مکا جڑ دیا۔ ولید نے پلٹ کر کوئی سخت بات کہنا چاہی۔ پل بھر کے لیے سڑک سے نظریں ہٹیں۔ دو طرفہ ٹریفک تھی، ہوش اس وقت آیا جب سامنے سے آتی گاڑی سر پر پہنچ گئی۔

تقدیر کا فیصلہ......ایک زبردست تصادم۔

''ولید......!'' اینیا کے لبوں سے چیخ نکل گئی تھی۔

بائیک دور ٹوٹی ہوئی پتنگ کی طرح لہراتی فٹ پاتھ سے ٹکرائی۔ اینیا گھٹنوں کے بل فٹ پاتھ پر گری۔ ولید نے پاؤں کا سہارا لے کر بمشکل اپنی بائیک کو گرنے سے بچایا تھا مگر اس کوشش میں وہ خود ایک طرف کو لٹک سا گیا تھا۔

شبیہ نے اگر بروقت گاڑی کو بریک نہ لگائے ہوتے تو یقیناً اس وقت خوف ناک تصادم ہونا تھا۔

''ارے یہ تو ولید اور اینیا ہیں۔'' جے ڈی نے ونڈ اسکرین سے جھانکتے ہوئے کہا، پھر وہ دونوں ہی بڑی تیزی سے کار سے نکل کر ان کے پاس پہنچے۔

''چوٹ تو نہیں لگی۔'' اینیا پہلے ہی کھڑی ہو چکی تھی۔ جے ڈی نے ولید کو بائیک سیدھی کرنے میں مدد دی۔ اینیا نے خفت کے مارے جلدی سے نفی میں سر ہلا دیا، ولید خاموش رہا۔

دو تین راہ گیر صورت حال کا جائزہ لینے کھڑے ہو گئے تھے، شبیہ نے پہلے انہیں بھگایا پھر ولید کو ڈپٹ کر بولا۔

''دکھائی نہیں دیتا تمہیں۔ جب بائیک چلانی نہیں آتی تو چلاتے کیوں ہو؟'' اس کا لہجہ سخت اور اجنبی تھا جیسے ابھی تک کسی راہگیر سے مخاطب ہو۔

''چلانی تو خیر آپ کو بھی کار نہیں آتی۔ پھر آپ کیوں کوشش کرتے ہیں۔'' ولید نے خفگی سے دوبدو کہا تھا۔ شبیہ کا پارہ چڑھ گیا۔

''یو ایڈیٹ......ایک تو غلطی کرتے ہو پھر زبان چلاتے ہو۔ میں تمہیں......'' وہ آگے بڑھا، جے ڈی نے بے ساختہ اس کو شانے سے تھام کر روکا تھا۔

''پلیز شبیہ بھیا! غلطی میری تھی آپ ولید کو کچھ نہ کہیں۔'' اینیا منمنائی۔ شبیہ نے غضب ناک نظروں سے اسے گھورا۔

''شٹ اَپ......اینڈ ڈونٹ کال می بھیا۔ بلاوجہ کی رشتہ داریاں جوڑنے سے سخت نفرت ہے مجھے۔''

اس نے سخت لہجے میں کہا اور پلٹ کر کار کا دروازہ زوردار آواز سے بند کر دیا۔ جی ڈی نے ہمدردی سے اینیا کے مرجھائے ہوئے چہرے کو دیکھا، پھر ولید کو جس کا چہرہ خفت و غصے سے لال ہو رہا تھا۔ وہ بے چارہ نہ تین میں نہ تیرہ میں مخمصے میں پڑ گیا۔

''ولید! آؤ ہم تم لوگوں کو ڈراپ کر دیتے ہیں۔'' ولید جھک کر بائیک کی چوٹوں کا جائزہ لے رہا تھا، پل بھر کے لیے جے ڈی کی طرف دیکھ کر بولا۔

''وہ جن بیٹھنے دے گا اپنی گاڑی میں؟''

جن، جی ڈی کے انتظار میں ہارن پہ ہاتھ رکھ کر بھول چکا تھا۔

''ولید! بدتمیزی مت کرو۔'' اینیا نے ڈانٹ دیا۔ جے ڈی نے لاچاری سے اپنے گرد موجود ان تین کرداروں کو دیکھا جن کے درمیان اسے اپنا وجود پنگ پانگ بال کی طرح محسوس ہو رہا تھا، پھر اس نے ولید کا کندھا تھپتھپایا اور پلٹ کر کار میں جا بیٹھا۔

گاڑی زن سے ان کے قریب سے نکلی تھی۔

ولید نے پلٹ کر اینیا کو گھورا۔

''ان کو سمجھا تھا''بھیا'' تم نے...... تھا کا مطلب تو تمہیں آتا ہوگا۔

''اونہہ...... سڑیل...... بیٹھو اب چلیں گے شام کو ان کی طرف۔ تم پکنک پہ آنے کی دعوت دے لینا۔ مجھے یقین ہے وہ ہنسی خوشی راضی ہو جائیں گے۔'' اینیا کی لٹکی ہوئی شکل دیکھ کر بھی وہ طنز سے باز نہیں آ رہا تھا۔

وہ بجھے دل سے بائیک پر سوار ہوئی تو ولید نے بائیک آگے بڑھا دی۔

ولید نے کالج کے سامنے بائیک روک کر گردن گھما کر اینیا کو دیکھا، بلکہ دیکھا کیا موجودگی ہی کنفرم کی تھی۔

پندرہ منٹ کے سفر میں وہ پندرہ منٹ ہی خاموش رہی تھی۔ ولید کو پریشانی لاحق ہو گئی تھی، اتنی دیر تک تو وہ سوتے ہوئے خاموش نہیں رہتی تھی، کجا کہ جاگتے میں چپ رہنا۔ کہیں کر نہ گئی ہو مگر اینیا کی مرجھائی ہوئی شکل دیکھ کر ہنسی آ گئی۔

''یارا نو! میرے ہی جیسے کسی ذہین شاعر نے کہا ہے۔''

ذرا سی بات ہے اب بھولنا ہی بہتر ہے
دل تباہ کو اب خستہ حال کیا کرنا

اینیا چڑ کر بولی۔''ایک تو تمہارے ان واہیات اشعار سے میں بڑی عاجز ہوں۔ موقع دیکھتے ہو نہ محل...... بس شعر سنانے کی معصیت پڑی ہوتی ہے۔''

''کس قدر بد ذوق ہو تم لڑکی! اس قدر اعلیٰ پائے کا شعر تمہیں واہیات لگ رہا ہے۔'' اس نے اینیا کے ذوق پہ دل کھول کے تاسف کا اظہار کیا، پھر بولا۔

''دراصل قصور تمہارا نہیں، تمہاری کھوپڑی کا ہے جس میں دماغ کی جگہ بھوسہ بھرا ہوا ہے۔ نہ تمہیں اچھے اشعار سمجھ آتے ہیں نہ کامن سینس کی باتیں۔''

''اب کون سی کامن سینس کی بات میں نہیں سمجھی؟'' اینیا نے جل کر پوچھا۔

''دیکھو انو! جو باتیں میں کہنے لگا ہوں یہ بڑی فہم و فراست کی باتیں ہیں، اس لیے ایک ہی بار میں سمجھ لینا۔ میں بار بار نہیں دہراؤں گا، وہ جو تمہارے''بھیا'' ہیں نا، جن کا نقشہ میرا مطلب ہے جن کے مزاج کا نقشہ کچھ کچھ کسی''جن'' سے ہی ملتا ہے، وہ ہماری ممی کو بھی ماں والی ریسپکٹ نہیں دیتے، یعنی وہ ممی کو Nobody سمجھتے ہیں جو سگی ماں کو Nobody سمجھتا ہے، وہ سوتیلے بہن بھائیوں کو Some body کیسے سمجھ سکتے ہیں۔ اس لیے ان کو اہمیت دینا یا ان کی جھاڑ سن کر ہرٹ ہونا چھوڑ دو۔ تم جتنا ان کو اہمیت دو گی، اتنا ہی ان کے رویے سے ہرٹ ہو گی۔ جب ان کے نزدیک ہماری کوئی اہمیت نہیں تو ہم انہیں اہمیت کیوں دیں۔ ہم بھی انہیں Nobody سمجھیں گے۔ میں نے تمہیں کہا تھا نا، مجھ پر آیت الکرسی اور قل پڑھ کر پھونک دو۔ وہ دیکھو وہ حسینہ کب سے مجھے گھور رہی ہے لیکن اس کے دانت مجھے پسند نہیں آئے۔ اتنے لمبے ہیں کہ ٹھوڑی تک آ رہے ہیں۔

بھئی میں تو آج شہزادہ لگ رہا ہوں، کہیں یہ بگز بنی (Bugs bunny) کی سوتیلی بہن مجھے نظر ہی نہ لگا دے۔ اس لیے میں تو چلا۔“

وہ بائیک اُڑا لے گیا، اینیا مسکرا کر گیٹ عبور کر گئی۔ ولید کی باتیں اسے سمجھ میں آئی ہوں یا نہیں، شبیہ العباس کی جھاڑ سن کر ذہن پر چھائی کثافت ضرور ختم ہو گئی تھی۔

☆☆☆

رات کا دوسرا پہر تھا اور کھڑکی سے جھانکتے آسمان پر ستاروں کا ہجوم دکھائی دے رہا تھا۔

جھینگروں اور مینڈکوں کے ٹرانے کی آوازوں نے رات کے مخصوص تاثر کو بہت شدید کر رکھا تھا۔ کبھی کبھی کوئی کونج کرلاتی ہوئی گزرتی تو اس کی آواز رات کے منظر پر خراش سی ڈال دیتی تھی۔

زہرہ بڑی دیر سے کروٹ کے بل لیٹی کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی، اس کا ایک ہاتھ نامحسوس انداز میں گہری نیند سوئی جنت کو تھپک رہا تھا پھر اس نے کروٹ بدلی اور چھت کی طرف دیکھنے لگی۔

ایک اضطراب ایک بے چینی سی تھی جو دو پہر سے اسے لاحق تھی اور جس نے اس کی نیند بھی اُڑا رکھی تھی۔ کروٹیں بدلنے کے ساتھ ساتھ وہ وقتاً فوقتاً دین محمد پر بھی نظر ڈال لیتی تھی جو کچھ فاصلے پر حساب کتاب کے رجسٹر کھولے بیٹھا تھا۔ زہرہ نے ذرا سی گردن موڑ کر جنت کو دیکھا، جنت گہری نیند سو رہی تھی۔ وسائی کی پیش گوئی کے عین مطابق اس کی پیشانی پر تین ٹانکے لگے تھے، پورے سر پر پٹی بندھی ہوئی تھی اور زعفران گھلی رنگت اس وقت کملائی ہوئی سی لگ رہی تھی۔

”کوئی اور وقت ہوتا تو یقیناً بیٹی کی حالت دیکھ کر زہرہ از سر نو تڑپ جاتی مگر اس وقت اسے بڑی گہری سوچ لاحق تھی جس نے اسے فکر مندی بھی نہ ہونے دیا۔

”کیا بات ہے زہرہ! نیند نہیں آ رہی؟“ دین محمد کب سے اسے کروٹیں بدلتے دیکھ رہا تھا بالآخر پوچھ ہی لیا۔ اس کی آواز نے کمرے میں پھیلے سناٹے کو تحلیل کر دیا تھا۔

زہرہ نے بے اختیار گردن موڑ کر اس کی طرف دیکھا، دین محمد ابھی بھی رجسٹر پر جھکا ہوا تھا۔

”کچھ نہیں جی! بس ایسے ہی بے چینی سی محسوس ہو رہی ہے۔“ اس نے آہستگی سے جواب دیا۔ ”دل بڑا گھبرا رہا ہے اللہ خیر کرے۔“

”دل تو گھبرانا ہی ہے جنت کے اتنی چوٹ لگ گئی۔ ہسپتال لے کر جاتے ہوئے میرا ہاتھ خون و خون ہو گیا تھا۔ اب جب تک زخم بھر نہ جائے بے چینی ہی رہے گی۔“

دین محمد نے جنت پر پیار بھری نظر ڈالتے ہوئے کہا تھا۔ زہرہ اس کی اس حد تک مبالغہ آرائی پر ذرا بھی حیران نہ ہوئی۔ جتنی دین محمد کو جنت سے محبت تھی، اس میں خون کا ایک قطرہ بھی ندی محسوس ہونا فطری سی بات ہے لیکن زہرہ کو پہلی بار بیزاری ضرور محسوس ہوئی تھی۔

وہ یہ بھی جانتی تھی جو بات دین محمد سے کہنے کے لیے پر تول رہی ہے، اسے سن کر وہ خفا ہو گا۔ جنت سے اس کی غیر معمولی محبت ایسی ہی خفگی

کی متقاضی تھی، لیکن کہے بنا چارہ بھی کوئی نہ تھا۔

زہرہ کو پریشانی کی دلدل میں دھکیل دیا تھا جس سے نکلنے کے لیے ہاتھ پیر چلانا زہرہ کی مجبوری تھی۔

''ہوا چلنے لگی ہے۔ کھڑکی بند کر دیتی ہوں۔''

زہرہ نے کھڑکی کی طرف دیکھتے ہوئے اُٹھنے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ دین محمد نے اسے ٹوک دیا۔

''اُٹھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ چارپائی ہلنے سے جنت کی نیند خراب ہوگی، کھڑکی میں بند کر دیتا ہوں۔''

زہرہ گہری سانس بھر کر رہ گئی۔

دین محمد نے کھڑکی بند کی اور احتیاط سے چارپائی کی پائنتی پر بیٹھ کر محبت پاش نظروں سے جنت کو دیکھنے لگا۔ چارپائی احتیاط کے باوجود یہ آواز بلند چرچرائی تھی اور اس چرچراہٹ نے جنت کی نیند میں خلل ڈال دیا تھا۔

''کیسی کملا گئی ہے میری بیٹی، بھائی رفیق درمیان میں نہ آیا ہوتا تو میں نے اس فاروق کی گچی (گردن) مروڑ دینی تھی۔ دونوں میاں بیوی نے اولاد سر چڑھا رکھی ہے۔ اللہ قسم ایسے بال (بچے) میرے ہوں تو سیدھا کر کے رکھ دوں۔''

پھر اس نے اسی دھیمی اور تلخ آواز میں فاروق کو بے دریغ دو تین گالیاں دیں۔ جنت نے آنکھیں کھول کر نیند بھری آنکھوں سے باپ کو اپنے قریب بیٹھا دیکھا۔ گلابی لب پھیلا کر مسکرائی اور کروٹ بدل کر آنکھیں موند لیں۔

دین محمد اسے چاہت سے تھپکتا رہا۔

زہرہ کو جب یقین ہو چکا کہ جنت سو چکی ہے تو اس نے بہت سوچ سمجھ کر بلکہ ناپ تول کر بات کا سرا پکڑا۔

''سنیں جی! میں ایک بات کہوں اگر آپ کو برا نہ لگے تو۔''

''ہے جھلی نہ ہو تو۔'' دین محمد اس کی سادگی پر ہنسا۔

''آگے تیری کسی بات کا برا مانا ہوں؟ اور اب تو مان بھی نہیں سکتا، میری رانی کی ماں ہے تُو۔ اتنا پیارا تحفہ دینے والی کی بات بری نہیں لگ سکتی مجھے۔'' اس نے جھک کر جنت کے سر کا بوسہ لیا تھا۔

''دیکھیں جی! میری بات کو ٹھنڈے دماغ کے ساتھ سننا ہے آپ نے، سیانے کہتے ہیں بچہ جب تک چوٹ نہیں لگوا تا بڑا نہیں ہوتا۔ جتنی بار چوٹ کھائے گا اتنی بار گر کر سنبھلنا سیکھے گا۔ جنت کے چوٹ لگنا مقدر میں تھا، سو لگ گئی۔ ہم کب تک واویلا کرتے رہیں گے کہ ہماری بٹیا کے خون نکلا ہے۔ ہو سکتا ہے فاروق کی بھی کوئی غلطی ہو لیکن اتنی معمولی سی بات کے لیے رشتے ناتے تو نہیں توڑے جا سکتے نا! اور نہ ہی یہ سیانوں والی باتیں ہیں۔ ہم نے خاندان برادری سے منہ تو نہیں موڑنا نا! میری بات مانیں صبح جا کر زبیدہ باجی اور رفیق بھاء کو منا لیں۔ اماں بھی خوش ہو جائیں گی اور خاندان ٹوٹنے سے بھی بچ جائے گا۔''

''دماغ تو ٹھیک ہے تیرا۔'' دین محمد حسبِ توقع بھڑک کر بولا تھا۔

"جن کی وجہ سے میری بیٹی نے اتنی تکلیف سہی ہے، انہیں منانے جاؤں، مرنہ جاؤں اس سے پہلے۔"

"ہائے ہائے، ایسی بھی کیا تکلیف اُٹھالی ہے اس نے۔ ایسی چھوٹی موٹی چوٹیں تو بچے ہنسی خوشی سہہ جاتے ہیں۔ میں کہتی ہوں جنت کو اتنی سول جان (سہل پسند) نہ بنائیں، کل کلاں کو رخصت بھی کرنا ہے ایسی نازک مزاجیاں لڑکیوں کو نہیں سجتیں پھر آپ کو صرف بیٹی کی فکر ہے۔ یہ بھی تو دیکھیں دوسری طرف بہن ہے۔"

"تو بہن نے بھی تو بیٹے اور شوہر کے لیے مجھے پیچھے دھکیلا ہے۔ جب اس نے بھائی، بھانجی کی پروانہیں کی تو میں کیوں کروں۔ اتنے سال بہنوں کے ناز بھی تو اُٹھائے ہیں، آج اسے سب بھول گیا۔ میں اپنی بیٹی کو تکلیف پہنچانے والے کو کبھی معاف نہیں کر سکتا۔ منانے جانا تو دور کی بات ہے۔" دین محمد نے دوٹوک انداز میں کہا۔

"باقی بات رہی جنت کو رخصت کرنے کی تو اس کی فکر میں نہ پڑو، میں سوچ چکا ہوں اپنی لاڈو کے لیے ایسا لڑکا ڈھونڈوں گا جو اسی گھر میں رہے، میری جنت مجھ سے دور نہ ہو۔" زہرہ دنگ رہ گئی۔

"کیا کہہ رہے ہو جی؟ گھر جوائی بناؤ گے؟"

"ہاں یہی سوچا ہے، بس اس موضوع پر دوبارہ بات نہ کرنا۔ میری جنت ساری زندگی میرے پاس رہے گی۔ تم کیسی ماں ہو، بیٹی کی تکلیف یا دوری کی ذرا پروانہیں۔ دیکھ جنت! تیرا باپ ہی تجھ سے محبت کرتا ہے ماں کو تو بالکل بھی محبت نہیں۔"

دین محمد نے تلخی سے کہا اور کروٹ بدل لی، جب کہ زہرہ نے سر پیٹ لیا تھا۔

"اس آدمی کو تو بیٹی کی محبت نے بالکل ہی سودائی کر دیا ہے۔" یہ نہیں کہ اسے جنت سے محبت نہیں تھی لیکن چونکہ وہ عورت تھیں اس لیے بچی کی پرورش میں ہونے والی کوتاہیوں کے نتائج خدشات بن کر اسے ڈرا رہے تھے۔

وگرنہ ماں کی محبت کا بھی کوئی مقابلہ ہے؟

وہ سوچ رہی تھی اور اس کی سوچ سے بے خبر قریب لیٹی ننھی جنت کا معصوم ذہن، ماں باپ کی محبت کو اپنی سمجھ کے مطابق پسندیدگی کے ترازو میں تول رہا تھا۔

"ابا مجھ سے محبت کرتے ہیں، اماں کو بالکل پیار نہیں۔"

ننھے ذہن کی پرواز بس یہاں تک ہی تھی لیکن یہ حقیقت بھی نظر انداز نہیں کی جا سکتی، نیچی اُڑان بھرنے والے اونچی پرواز ضرور کرتے ہیں۔ جلد یا بدیر یہ فیصلہ تقدیر کرتی ہے۔

☆☆☆

"آپ کی طبیعت اتنی خراب تھی تو آپ کو مجھے بتانا چاہیے تھا میں آج گھر سے نکلتی ہی نہیں۔"

سوپ کا باؤل ثمینہ کو پکڑاتے ہوئے ہادی نے یہ بات کوئی دسویں مرتبہ دُہرائی تھی۔ اس روز واپسی میں خاصی دیر ہو گئی تھی اور گھر میں داخل

ہوتے ہی شازیہ نے خوب نمک مرچ لگا کر اسے ثمینہ کی بیماری کا قصہ سنا دیا تھا۔ وہ کچھ نہ بھی بتاتی تو ثمینہ کی زرد رنگت اور نڈھال چہرہ اسے ساری کہانی سنا دیتے۔

ماوی یک دم بے حد پریشان ہو گئی تھی۔ اپنی حد درجہ پریکٹیکل اپروچ کے باوجود وہ ماں کے لیے بہت جذباتی تھی۔ ان کی معمولی سی تکلیف بھی اسے حواس باختہ کر کے رکھ دیتی تھی۔ وہ بار بار پچھتاوے کا شکار ہوئی کہ آج گھر سے کیوں نکلی۔ ایک ہی جملہ کبھی وہ پریشانی اور کبھی خفت سے دہراتی۔ اس وقت بھی وہ واپس کچن میں جانے کے بجائے ان کے پاؤں کی جانب بیٹھ گئی تھی اور فکرمندی سے ثمینہ کا زرد رنگت والا چہرہ دیکھنے لگی تھی۔

ثمینہ کو بے ساختہ ماوی پر پیار آیا۔ ان کی بیٹی ان کے لیے ایسے فکرمند ہو رہی تھی جیسے کوئی ماں بچے کے لیے ہوتی ہے۔ ''ماوی! یہ یخنی مجھ سے نہیں پی جائے گی۔ اب تو کچھ کھانے کے لیے دے دو۔'' ثمینہ نے اس کا دھیان بٹانے کی غرض سے کہا تھا۔

''سادہ یخنی نہیں ہے، میں نے اسے سوپ کی طرح بنایا ہے۔ پی کر تو دیکھیں ممی! آپ کو پسند آئے گی۔''

''دو گھنٹے پہلے بھی ایک پیالہ تم نے مجھے یہی کہہ کر پلایا تھا، اسے تو میں نے خود پر جبر کرتے ہوئے پی لیا مگر دوسری مرتبہ ہمت نہیں کر سکتی، تم پلیز مجھے تھوڑا سا لزانیہ ہی لا دو۔''

ماوی ان کی بات سن کر ہنس دی۔

''یاد ہے کہ ایسے کئی بدذائقہ پیالے آپ نے بھی مجھے پلائے ہیں۔''

''شاباش ہے بیٹی! بڑے اچھے وقت پر بدلہ لے رہی ہو۔'' ثمینہ مسکرائیں۔

''لیکن اپنے الفاظ فوراً واپس لو، میں اتنی بری کوکنگ ہرگز نہیں کرتی۔''

''آپ بیمار ہیں اب آپ سے کیا بحث کروں۔ کیا یاد کریں گی آپ بھی لے لیتی ہوں اپنے الفاظ واپس۔'' وہ احسان کرتے ہوئی بولی۔

''اچھا جی شکریہ...... اب اُٹھو اور میرے لیے لزانیہ لے کر آؤ۔''

''جی نہیں، ڈاکٹر نے ہلکی پھلکی غذا کھانے کا کہا ہے آپ کو۔ اس لیے آپ یہی سوپ پئیں۔''

''ڈاکٹر نے ہلکی پھلکی غذا کھانے کو کہا ہے۔ یہ نہیں کہا کہ خود کو سزا دو۔''

''اب اتنا برا سوپ بھی نہیں ہے۔'' ماوی خفا ہو کر بولی۔

''ہاں میری چندا! اتنا برا نہیں ہے مگر میرے منہ کا ذائقہ بہت خراب ہو رہا ہے۔ لزانیہ کے چند نوالے کھاؤں گی تو خاصا فرق پڑے گا۔''

''آپ تو بچوں کی طرح ضد کر رہی ہیں ممی!''

''تم بھی تو میری ممی بنی ہوئی ہو۔'' وہ چڑ گئیں۔ ماوی اُٹھ کر کچن میں گئی اور لزانیہ مائیکروویو میں گرم کر کے لے آئی جو گھر آتے ہوئے ایک مشہور فاسٹ فوڈ سے پیک کروایا تھا لیکن گھر آتے ہی ممی کو دیکھ کر ایسے ہاتھ پیر پھولے کہ سب بھول گئی۔

پلیٹ میں لزانیہ کے ایک بڑے ٹکڑے کے ساتھ چھری کانٹا اور ساس رکھی ہوئی تھی۔

"ایک پیالہ سوپ کے ساتھ صرف چند نوالے ملیں گے آپ کو۔ وہ بھی منہ کا ذائقہ بدلنے کے لیے۔ ضد نہیں چلے گی۔ ایک بار طبیعت ٹھیک ہو جائے پھر جو مرضی کھائیے گا۔ میں نہیں روکوں گی۔ سچ ممی! مجھے پتا ہوتا آپ کی طبیعت اتنی خراب ہے تو گھر سے کسی قیمت پر نہ نکلتی۔"

"بھئی اتنے اہم کام تھے تمہارے۔ تم خود بتاؤ کیا کوئی ایک بھی کام ایسا تھا جسے میری خاطر ملتوی کیا جاتا۔"

"کمال کرتی ہیں آپ بھی، بھلا آپ سے زیادہ امپورٹنٹ بھی کوئی کام ہو سکتا ہے۔" ماوی نے ناراضی سے کہا۔ "لیکن آپ نے مجھے بتایا کیوں نہیں۔" اسے یہی غم کھائے جا رہا تھا۔

"اچھا چھوڑو اس بات کو...... میں نے ابھی صرف دو لقمے لیے ہیں دو اور لوں گی۔ شاپنگ مکمل ہو گئی۔" ثمینہ نے تاکید کے ساتھ ہی پوچھا تھا، ماوی مسکرا کر اسی کانٹے سے خود کھانے لگی۔

"مکمل تو خیر نہیں ہوئی لیکن کافی کچھ خرید لیا۔ منیزہ آنٹی کی وجہ سے کافی سہولت ہو گئی۔ ممی! میں آپ کے لیے بہت پیارا موو کلر کا سوٹ لائی ہوں۔ اس کا دوپٹہ دکھاتی ہوں آپ کو۔ سوٹ تو سلائی کے لیے ٹیلر کو دے آئی ہوں۔"

"بہت اچھا کیا۔ بس ٹیلر کو تاکید کر دی تھی کہ گلا گہرا نہ بنائے۔ مجھے سخت اُلجھن ہوتی ہے ڈیپ نیک سے۔"

"جی کہہ دیا تھا۔ میں برٹش کونسل بھی گئی تھی۔ شکر ہے دو تین کتابیں میرے تھیسز سے متعلق ملی ہیں مجھے، لیکن زیادہ نہیں، آدھ گھنٹے میں تو میں ڈھنگ سے پوری لائبریری نہیں دیکھ سکی، کتابیں کیا ڈھونڈتی۔ ویسے توقیر انکل سے ڈسکس کیا تھا میں نے۔ وہ کہنے لگے ان کی کوئی کزن کسی کالج میں پروفیسر ہیں اور توقیر انکل کا خیال ہے میرے ریسرچ ورک کے سلسلے میں وہی میری مدد کر سکتی ہیں۔ میں نے کہا انکل آپ سوچنے نہیں فوراً سے پیشتر ان سے میری میٹنگ ارینج کروا دیں۔"

"توقیر کا بیٹا اب کیسا ہے؟" ثمینہ نے پوچھا، اسی بیٹے کے ایکسیڈنٹ کی وجہ سے پہلے روز توقیر صاحب انہیں منزل تک پہنچانے نہ پہنچ سکے تھے۔

"پہلے سے کافی بہتر ہے۔ ٹخنہ فریکچر ہوا ہے، ٹھیک ہونے میں ٹائم تو لگے گا۔ آپ ٹھیک ہو جائیں پھر ہم عیادت کے لیے ان کے گھر چلیں گے۔"

"ہاں ٹھیک ہے، مجھے بھی پہلے ہی خیال آ رہا تھا توقیر کیا سوچتا ہوگا۔ کتنی مدد کر رہا ہے وہ ہماری اور ہمیں اتنی توفیق نہ ہوئی، ایک بار گھر جا کر اس کے بیٹے کا حال ہی پوچھ لیں۔" ثمینہ نے کہا تو ماوی نے فقط اثبات میں سر ہلا دیا۔

"آج ثروت بھی آئی تھیں۔" معاً ثمینہ کو یاد آیا تو بتانے لگیں۔

"ثروت......؟"

"مسز دانیال حسن۔" ثمینہ نے بتایا۔

"اوہ مالک مکان کی بیوی۔" ماوی نے بس اتنا کہا پھر پوچھنے لگی۔

"اینا بھی ان کے ساتھ آئی تھی؟"

''نہیں وہ تو نہیں تھی۔ مسز دانیال کو بھی شازیہ بلا لائی تھی، وہ مجھے ڈاکٹر کے پاس لے کر گئی تھیں۔''

''اچھا اس کا مطلب ہمدرد روح ہے ان کے اندر۔ شکل سے تو بڑی روڈ لگتی ہیں۔'' ماوی نے اپنا تجزیہ بیان کیا۔

''ہائے روڈ کہاں؟'' اتنی پولائٹ نیچر کی ہے وہ تو...... مجھے تو بڑی اچھی لگی۔ ویسے تمہاری ملاقات کب ہوئی؟''

''ملاقات نہیں ہوئی، انہیں چند روز پہلے لان میں بیٹھے دیکھا تھا تو میں ہیلو ہائے کرنے آگے بڑھی تو وہ منہ موڑ کر چلی گئیں۔''

''اچھا حیرت ہے۔ ایسا رویہ دکھانے والی تو نہیں لگی مجھے۔ ملن سار اور خوش اخلاق لگی تھی۔ ممکن ہے اس نے تمہیں دیکھا نہ ہو یا اپنی کسی پریشانی میں ہو۔'' ثمینہ کے پاس ہر کسی کے ناپسندیدہ رویے کی کوئی نہ کوئی توجیہہ ضرور تیار ہوتی تھی، جو اس کے گھٹتے نمبر بڑھا دے۔

ماوی نے کسی قسم کا اظہار نہ کیا، خاموشی سے کھاتی رہی۔

چند منٹ کے بعد ثمینہ نے پُر سوچ انداز میں کہا۔

''ایک بات کہوں ماوی! مجھے لگتا ہے میں نے مسز دانیال کو کہیں دیکھا ہے۔'' ماوی چونک کر انہیں دیکھنے لگی۔

''اچھا...... لیکن کہاں؟''

''یہی تو یاد نہیں آ رہا۔ میں تب سے یہی سوچ رہی ہوں کہ ثروت کا چہرہ مجھے اتنا جانا پہچانا سا کیوں لگا ہے۔ شاید اس کی شکل کسی ٹی وی آرٹسٹ سے ملتی ہے یا اس کے بولنے کا انداز ویسا ہے۔ تمہیں اس کا چہرہ دیکھ کر کسی کی یاد آئی؟''

ماوی نے نفی میں سر ہلایا تو بولیں۔

''پھر مجھے اس کا چہرہ اتنا مانوس کیوں لگا ہے؟'' انداز خود کلامی کا سا تھا۔

''ممی! میں سمجھ گئی کہ آپ کو مسز دانیال سے مانوسیت کا احساس کیوں ہو رہا ہے۔'' یک دم ماوی نے کہا۔ ثمینہ پُر اشتیاق انداز میں اس کی اگلی بات کا انتظار کرنے لگیں تو آنکھیں مٹکا کر بولی۔

''آپ انڈین موویز دیکھتی ہیں نا! ان میں ایسی ہی اسٹوریز ہوتی ہیں۔ دو جڑواں بہنیں۔ ایک کمبھ کے میلے میں گم ہو گئی، دوسری آئر لینڈ پہنچ گئی...... او گاڈ...... ممی! اسیم ٹیپکل اولڈ اسٹوری۔ مبارک ہو آپ کو آپ کی جڑواں بہن...... سوری کمبھ کے میلے میں گم ہوئی جڑواں بہن مل گئی۔''

وہ رتی بھر بھی سنجیدہ نہ تھی۔ ثمینہ نے گھور کر اسے دیکھا اور خالی پیالہ ٹرے میں پٹخ دیا۔

''تم بہت ہی بدتمیز ہوتی جا رہی ہو ماوی!''

''ارے واہ...... بہن ملی نہیں کہ بیٹی بُری لگنے لگی۔'' اس نے ہنستے ہوئے انہیں چڑایا تھا۔

''چلو اُٹھ کر برتن سمیٹو۔ میں خود ہی سوچ لوں گی، مسز دانیال کو کہاں دیکھا ہے۔''

''اوہ شیور...... میرا کولڈ ڈرنک پینے کو دل چاہ رہا ہے، آپ پئیں گی؟'' ماوی نے اُٹھتے ہوئے پوچھا تھا۔

''نہیں میرا موڈ نہیں ہے اور میرا خیال ہے فریج میں بھی کولڈ ڈرنک نہیں ہے۔ کل ہی ختم ہو گئی تھی۔'' ثمینہ نے بتایا تو ماوی بولی۔

"یہاں قریب ہی میں نے ایک شاپ دیکھی تھی، شاید بیکری تھی۔ وہاں سے لے آتی ہوں۔"

"اس وقت؟ تمہارا دماغ ٹھیک ہے ماوی!" ثمینہ نے وال کلاک کی طرف دیکھا، سات بج رہے تھے۔ "یہ لاہور ہے، ڈبلن نہیں کہ تم آدھی رات کو بھی گھر سے نکلو اور بخیریت واپس آجاؤ۔ دہشت گردوں اور ڈاکوؤں نے ہوش اُڑایا ہوا ہے، اس لیے تم چپ چاپ بیٹھ جاؤ۔ ایک دن کولڈ ڈرنک نہ پیو گی تو کچھ فرق نہ پڑے گا صحت کو۔"

"آپ ذرا باہر نکل کر دیکھیں، پورا شہر روشنیوں میں ڈوبا ہوا ہے، پھر گلی کے کارنر پر واچ مین بھی بیٹھا ہوا ہے۔ میں یوں گئی اور یوں آئی۔ آپ بے فکر رہیں، میں بچی نہیں ہوں کہ کوئی نقصان پہنچا دے۔"

ثمینہ کی آوازوں کی پروا کیے بغیر وہ تیر کی تیزی سے باہر نکل گئی تھی۔

☆☆☆

شبیہ کے دوستوں کی آمد عین اس وقت ہوئی جب وہ کچھ دیر سونے کے خیال سے بیڈ پر لیٹ چکا تھا، اس کی عادت تھی۔ سر شام سو جاتا، پھر تہجد سے پہلے اُٹھ کر طلوع آفتاب تک پڑھتا۔ چند منٹ وہ کروٹیں بدلتا باہر سے آنے والی آوازیں سنتا رہا۔ اخلاقیات کا مارا ضمیر گوارا نہیں کر رہا تھا کہ گھر میں مہمان آکر بیٹھے ہیں اور وہ نیند نہ آنے کے باوجود سوتا بنا رہے۔

ناچار اُٹھ کر باہر آگیا۔

سجاول اور عذیر واپسی کے ارادے سے کھڑے ہو چکے تھے۔ دوست تو خیر شبیہ کے تھے مگر اس سے بھی اچھے روابط تھے، تب ہی بڑی خوش خلقی سے حال احوال دریافت کیے گئے۔

"تم لوگ کھڑے کیوں ہو؟ بیٹھو، میں چائے بناتا ہوں۔"

اس نے حق میزبانی نبھانا شروع کیا۔

"ایں...... چائے تم بناؤ گے، وہ تمہارا "اجمل" کیا ہوا؟" عذیر نے پوچھا۔

"اجمل چھٹی پر گاؤں گیا ہے۔ نیا ملازم آجانے تک سب کام خود کرنا پڑیں گے۔" جے ڈی نے جواب دیا تو سجاول جلدی سے بولا۔

"معاف کرنا یار! تمہارے تجربے کی نذر میں اپنی جان نہیں کر سکتا۔"

"یار! جے ڈی اچھی چائے بناتا ہے، میں تو سوچ رہا ہوں اجمل کی مستقل چھٹی کر دی جائے۔" شبیہ نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

"اس کا مطلب...... تمہارا معدہ، پہلا تجربہ بڑی خوبی سے برداشت کر چکا ہے، چلو پھر ہم بھی ہمت کر لیتے ہیں۔" سجاول راضی ہوا تو عذیر ٹھٹک گیا۔

"جے ڈی! چائے اُدھار کر لیتے ہیں پھر کبھی سہی۔ ہم تو شبیہ کو اسائنمنٹ کی سوفٹ کاپی دینے آئے تھے۔ صبح اسائنمنٹ جمع کروانے کی آخری تاریخ ہے اور میرا تقریباً سارا ہی کام نامکمل پڑا ہوا ہے۔ ابھی جا کر سرچنگ شروع کروں گا تب بھی صبح ہو جائے گی۔"

"اچھا یاد کروایا مجھے بھی احسن نے اپنی اسائنمنٹ میں مدد کے لیے کہا تھا۔" سجاول نے کہا پھر تیزی سے بولا۔

"عذیر! تمہیں یاد ہے نا! تم نے مجھے برگر کھلانے کا وعدہ کیا تھا۔"

"برگر رہنے دو سجاول! ہمارے بلاک میں ایک نئی بیکری کھلی ہے وہاں کی چاکلیٹ پیسٹریز بہت زبردست ہیں۔ آج وہ ٹرائی کرلو۔"

جے ڈی نے اس کی معلومات میں اضافے کے ساتھ ساتھ مشورہ بھی دیا تھا۔ سجاول اور عذیر کو بھلا کیا اعتراض ہوسکتا تھا، فوراً راضی ہوگئے۔

"جے ڈی! ہم بھی ان کے ساتھ نہ چلیں؟ میرا بھی پیسٹری کھانے کا دل چاہ رہا ہے۔" شبیہ کے کہنے پر وہ چاروں ہی باہر نکل آئے۔

"ویسے یہ برگر تھا کس خوشی میں؟۔"

عذیر اور سجاول ہنسنے لگے تھے پھر عذیر بولا۔

"تم لوگوں کو حیا اور شوال والے قصے کا تو پتا ہی ہوگا، سجاول کا خیال تھا ان دونوں کا افیئر چل رہا ہے لیکن میرا خیال تھا یہ ممکن نہیں ہے کیونکہ تین مہینے پہلے حیا نے بڑی دھوم دھام سے منیب سے منگنی کروائی ہے۔ اسی بات پر ہم دونوں کی شرط لگی ہوئی تھی۔ آج صبح ہی خبر ملی ہے کہ حیا نے منیب سے منگنی توڑ کر شوال سے رشتہ پکا کروالیا ہے۔ بس یہ برگر اسی رشتے کا ہرجانہ ہے۔" وہ اپنے کلاس فیلوز کا قصہ سنا رہا تھا۔

جے ڈی کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔

"حیا نے پھر منگنی توڑ دی۔ بے چارہ منیب تو بہت ہرٹ ہوا ہوگا، وہ تو بہت مخلص تھا حیا کے ساتھ۔ منگنی کی خوشی میں اس نے اپنے دوستوں کو میریٹ میں ڈنر بھی دیا تھا۔"

"اطلاع کے لیے عرض ہے منیب نے اس بار بھی اپنے دوستوں کو ڈنر دیا ہے۔ وہ بھی میریٹ میں نہیں بلکہ پی سی میں۔" سجاول نے مزے سے کہا تھا۔

"بے چارہ صدمے سے پاگل ہوگیا ہوگا۔" جے ڈی کو اعتبار ہی نہیں آرہا تھا۔ "حیا کے ساتھ تو کتنا خوش تھا وہ۔"

لڑکے ہنسنے لگے۔

"او بدھو خان! کس دنیا میں رہتا ہے تو۔" سجاول نے اس کے سر پر چپت لگائی تھی۔ "منیب تو ہر اس لڑکی کے ساتھ خوش رہتا ہے جو اس جیسے گھامڑ کو ہر وقت گھاس ڈال رہی ہو۔ باقی بات رہی حیا بی بی کی تو اس سال میں یہ اس کی چوتھی منگنی ہے جو بالآخر اپنے انجام کو پہنچی، ہاں یہ ضرور ہے کہ اس منگنی کا دورانیہ پچھلی تین منگنیوں سے بہرحال زیادہ تھا۔ دیکھتے ہیں اب اس نئی منگنی کا کیا حشر ہوتا ہے۔"

"ایسا تو مت کہو...... کیا پتا حیا اس بار شوال کے ساتھ ہی مخلص ہو۔" جے ڈی نے حسب عادت بہتری کی اُمید رکھی تھی۔

"میرے خیالات بھی کچھ کچھ تمہاری طرح ہی تھے جے ڈی! لیکن حیا جیسی لڑکی سے کسی اچھائی یا نیکی کی اُمید غلط ہے، بلکہ وہ ہی کیا ہمارے کلاس کے اکثر لڑکے لڑکیاں ٹائم پاس کے لیے ہی سب کر رہے ہیں، بس حیا صاحبہ کی بہادری یہ ہے کہ وہ ہر افیئر ڈنکے کی چوٹ پر چلاتی ہے۔"

"نہیں عذیر! میرا دل نہیں مان رہا، یہ ساری باتیں کوئی محض ٹائم پاس کے لیے کسی کے ساتھ جینے مرنے کی قسمیں کھا سکتا ہے یہ تو سراسر

دھوکہ بازی ہے۔"

وہ بے چارہ سدا کا معصوم، چونکہ خود کسی کو دھوکہ دینا گناہ سمجھتا تھا، لہٰذا خیال یہی تھا ساری دُنیا اسی کلیے پر کاربند ہے۔

"یہ باتیں تمہیں سمجھ میں آ بھی نہیں سکتیں کیونکہ تم سرٹیفائیڈ (تصدیق شدہ) احمق ہو۔" شبیہ نے اس کا مذاق اُڑایا تھا۔

"بیکری سے پیسٹریز خرید کر وہ سڑک کے کنارے کھڑے ہو کر کھانے لگے۔ عذیر نے ڈیپارٹمنٹ میں گردش کرتے کسی نئے افیئر کا قصہ چھیڑ دیا، تب ہی سجاول نے ان سب کو متوجہ کیا تھا۔

"اس لڑکی کو دیکھنا، یہ جو بیکری کے باہر کھڑی ہے۔ یہ رابعہ مدثر نہیں لگ رہی؟" اس نے پُر سوچ انداز میں کہا تھا۔

"کون رابعہ مدثر؟ وہ جو سیکنڈ سمسٹر...... میں یونیورسٹی چھوڑ گئی تھی؟" جے ڈی نے اس لڑکی کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

"ہاں...... وہی۔"

"نہیں سجاول! یہ وہ رابعہ نہیں ہو سکتی۔ رابعہ تو اتنی لمبی تھی، اس لڑکی کی ہائیٹ تو بمشکل فائیو، تھری لگ رہی ہے۔" عذیر نے فٹافٹ اندازہ لگایا تھا۔

"یار! ویسے رابعہ بھی بڑی دلچسپ لڑکی تھی، یاد ہے شبیہ کے کیسے آگے پیچھے پھرا کرتی تھی۔" سجاول کو یک دم یاد آیا تھا اور ان سب کا مشترکہ قہقہہ گونجا تھا۔

"اور یہ ہمارا اینگری ینگ مین...... مجال ہے جو کبھی بے چاری کو ذرا سی بھی لفٹ کروائی ہو۔" جے ڈی نے کہا تھا۔

"ہاں...... ابھی لفٹ نہ کروانے پہ یہ حال تھا کہ شبیہ پر نظر پڑتے ہی ٹن ہو جاتی تھی اور اسے ٹکٹکی باندھ کر دیکھنے لگتی تھی، کبھی یہ لفٹ کروا دیتا تو اس کا کیا حال ہونا تھا۔"

ایک اور قہقہہ بلند ہوا تھا۔ شبیہ نے البتہ صرف مسکرانے پر اکتفا کیا تھا۔

"تم لوگ کھڑے ہو کر رابعہ کو یاد کرو، میں یہ کوک بدلوا کر لاتا ہوں۔ اس بوتل میں کچھ پڑا ہوا محسوس ہو رہا ہے۔"

وہ بیکری کی طرف آ گیا۔ معاً اس کے پیر کے نیچے ایک پتھر آ گیا جس سے وہ لڑکھڑا سا گیا، محض چند لمحوں کے لیے اس کی نظریں سامنے سے ہٹیں اور انہی چند لمحوں میں وہ لڑکی اس سے ٹکرا گئی۔

☆☆☆

دو گلیاں عبور کر کے وہ بیکری تھی جس کے بارے میں ماوی نے ثمینہ کو بتایا تھا۔ گیٹ سے باہر نکلتے ہی اس نے واچ مین کی موجودگی کا یقین کر لیا تھا۔ گلی میں اپنے علاوہ اسے دو کافی فربہی مائل عورتیں بھی دکھائی دی تھیں جو غالباً وزن گھٹانے کی غرض سے بہت تیز تیز چل رہی تھیں۔ ماوی کو چونکہ ایسی کسی غرض کا سامنا نہیں تھا، لہٰذا وہ چھوٹے چھوٹے قدم اُٹھاتی اردگرد کا جائزہ لیتی بیکری کی طرف چل دی۔

گو کہ ان چند دنوں میں اس علاقے کا حتی المقدور جائزہ وہ لے چکی تھیں اور قریبی مارکیٹیں بھی دیکھ لی تھیں تاکہ بوقتِ ضرورت اسے اور

ثمینہ کو کسی مشکل کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ چلتے چلتے ماوی ایک بنگلے کے سامنے ٹھٹک کر رُک گئی۔ یہ متمول افراد کا رہائشی علاقہ تھا اور یہاں تقریباً سارے ہی بنگلے، کوٹھیاں بڑے بڑے رقبے پر پھیلے ہوئے تھے۔ ان بنگلوں کی بیرونی زیبائش و آرائش پر جتنی محنت صرف کی ہوئی دکھائی دیتی تھی، اسے دیکھ کر بنگلوں کی اندرونی حالت کا اندازہ لگانا قطعاً مشکل نہ تھا۔

جس بنگلے کے سامنے ماوی کے قدم ٹھٹکے، اس کا وسیع و عریض گیٹ اور بالکونی کی گرل اتنی خوب صورت تھی کہ ماوی سراہے بنا نہیں رہ سکی۔ پاکستان آ کر اس بات کا احساس اسے بڑی شدت سے ہوا تھا کہ بیرونی ممالک دکھائے جانے والے ٹی چینلز پاکستان کی بڑی حد تک غلط تصویر کشی کر رہے ہیں۔ بلاشبہ پاکستان میں گرد و غبار تھا، انتشار تھا، بدنظمی تھی، غربت اور دہشت گردی تھی مگر پاکستانیوں کے پاس پیسہ وافر مقدار میں تھا جو ان کے مکانات اور طرز رہائش میں صاف دکھائی دیتا تھا، وہاں آئرلینڈ میں اگر کوئی بہت رئیس ہوتا تو اپنا دو تین کمروں کا ذاتی فلیٹ یا اپارٹمنٹ افورڈ کر لیتا تھا لیکن یہ عیاشی بھی ان کے حصے میں آتی جو رئیس ابن رئیس مانے جاتے تھے۔

خود ماوی بھی جب کبھی ٹی وی دیکھتی۔ پاکستانی نیوز چینلز، پاکستان کی غربت اور لامتناہی مسائل کا انبار بیان کرتے دکھائی دیتے تھے۔ یہ ان نیوز چینلز کی مہربانی ہی تھی کہ دوسرے ممالک میں بسنے والے افراد کی مجموعی رائے کے مطابق پاکستانی، پاکستان میں بھوکے مر رہے ہیں۔

ماوی نے جب اپنے تھیسز کے سلسلے میں چھان بین شروع کی تو پاکستان کی اس درجہ غربت کو بھی مدِنظر رکھا تھا۔

لیکن یہاں آتے ہی جو منظر اسے دکھائی دیا وہ اس تصویر سے قطعی مختلف تھا جو نیوز چینلز دکھا رہے تھے۔ یہاں گھر تھے جن کو دیکھ کر محلوں کا گمان ہوتا تھا۔ بڑی بڑی گاڑیاں تھیں، عالی شان شاپنگ مالز تھے اور نیشنل اور انٹرنیشنل بینکوں کی بہتات تھی۔

''یا شاید یہ صرف اسی علاقے کا منظر ہے، ضروری نہیں کہ سارے پاکستان کا یہی حال ہو، مجھے ایسے ایریاز کو بھی وزٹ کرنا چاہیے جہاں غربت صحیح معنوں میں دکھائی دیتی ہو۔'' وہ یہی سب سوچتے ہوئے بیکری تک پہنچ گئی۔

''ایک کولڈ ڈرنک دے دیں۔''

اس نے دکان دار سے کہا۔ دکان دار نے ایک طرف رکھے فریج کو کھول کر جائزہ لیا پھر اسے انتظار کرنے کا کہہ کر دکان سے منسلک ایک چھوٹے سے دروازے کے پیچھے غائب ہو گیا۔ ماوی کاؤنٹر پر ہاتھ رکھے لاپروائی سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔ پوری بیکری آرائشی روشنیوں سے جگمگ کر رہی تھی، جب کہ تاریک آسمان تلے پوری گلی اسٹریٹ لیمپس کے علاوہ بنگلوں کے باہر نصب الیکٹرک لیمپس کی روشنی میں نہائی ہوئی تھی۔ سناٹا ضرور تھا لیکن روشنی کی بہتات تھی۔

معاً ماوی کو کچھ عجیب سا احساس ہوا، لاشعوری طور پر اس نے گردن موڑ کر دائیں طرف دیکھا پھر چونک سی گئی۔ کچھ فاصلے پر الیکٹرک پول کے نیچے کچھ لڑکے کھڑے تھے اور انہوں نے ماوی کو ہی فوکس کیا ہوا تھا۔ ان کے پاس دو بائیک تھیں اور وہ کچھ کھا رہے تھے۔ ماوی کو اپنی طرف دیکھتا پا کر ایک نے دھیمی آواز میں کچھ کہا تھا، پھر وہ سب ہاتھ پر ہاتھ مار کر ہنسنے لگے تھے۔ ماوی کے چہرے پر ہلکی سی ناگواری چھا گئی۔ ان سب کو نظر انداز کرتے ہوئے اس نے کاؤنٹر کو زور سے بجانا شروع کر دیا۔

اسی وقت دکان دار باہر آیا اور اس نے کولڈ ڈرنک کی بوتل ماوی کو پکڑا دی۔ اسی وقت لڑکوں کے قہقہے کی آواز اسے پھر سنائی دی تھی۔ ان کی نظریں تو اب تک ماوی کو اپنے چہرے پر چپکی محسوس ہو رہی تھیں۔ اس نے جلدی جلدی پے منٹ کر کے وہاں سے ہٹ جانا مناسب سمجھا۔ یہ نہیں کہ ڈر یا گھبرا گئی تھی، بس یہ اس کی احتیاط پسندی تھی جو اسے ایسا کرنے پر مجبور کر رہی تھی۔

پھر پتا نہیں کیا ہوا مگر سچ تو یہ ہے کہ جو ہوا برا ہوا۔ وہ جلدی میں ضرور تھی مگر اتنی عجلت بھی لاحق نہیں تھی کہ سامنے آتا لڑکا دکھائی نہ دیتا۔ ماوی رُخ موڑ کر ایک طرف سے نکلنا چاہتی تھی مگر وہ لڑکا سیدھا چلتا اس سے ٹکرا گیا۔ ماوی ایسی حرکت کی توقع نہیں کر رہی تھی، اس لیے بری طرح لڑکھڑا گئی۔ کولڈ ڈرنک کی بوتل اُچھل کر دور جا گری لیکن لڑکے کے ہاتھ میں پکڑی بوتل کانچ کی تھی۔ زمین پر گر کر کرچی کرچی ہو گئی۔ کولڈ ڈرنک گری اس لڑکے کی شرٹ پر اور کانچ کا ایک بڑا سا ٹکڑا ماوی کی ایڑھی میں پیوست ہو گیا۔

ماوی کے منہ سے ہلکی سی چیخ نما کراہ نکلی تھی اور وہ پیر پکڑ کر نیچے بیٹھ گئی۔

''ربش...... تمہیں دکھائی نہیں دیتا، اندھی ہو کیا۔'' وہ لڑکا جھنجلا کر بولا تھا۔ اس کے دوست بھاگے چلے آئے۔

''کیا ہوا ہے شبیہ؟۔''

ماوی نے سر اُٹھا کر غضب ناک نظروں سے اس شبیہ نامی لڑکے کو گھورا جو شرٹ جھاڑتے ہوئے بار بار اسے کھا جانے والی نظروں سے گھور رہا تھا۔ ماوی اس کی اداکاری پر عش عش کر اُٹھی۔ پوری پلاننگ سے اس سے ٹکرانے کے بعد وہ اس طرح ظاہر کر رہا تھا جیسے یہ ایک حادثہ ہو جس میں ساری غلطی بھی ماوی کی تھی۔

''اندھے ہو گے تم خود اور تمہارے ساتھی۔'' ماوی نے بھی کسی لحاظ کے بغیر دو بدو کہا تھا۔

''پہلے تو آنکھیں بند کر کے چلتی ہو۔ میری ساری شرٹ خراب کر دی، اوپر سے اتنی بدتمیزی کر رہی ہو؟'' وہ غرایا۔

ماوی کو پتنگے لگ گئے۔

''تو تمہارا کیا خیال ہے، اتنا گہرا زخم لگ جانے کے بعد مجھے تمہیں پھولوں کے ہار پہنانے چاہئیں۔''

''تمہیں مجھ سے ایکسکیوز کرنا چاہیے...... حالانکہ میں تمہیں معاف تو پھر بھی نہیں کروں گا لیکن بہر حال مینرز بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔ شکل سے تو اچھی خاصی مہذب لگتی ہو۔'' شبیہ نے بد لحاظی کی حد کر دی تھی۔

''مائنڈ یور لینگوئج پلیز......'' ماوی نے سلگ کر کہا، ساتھ ہی کانچ کا ٹکڑا ایک جھٹکے سے نکال کر دور اُچھال دیا اور کھڑی ہو گئی۔ ایڑھی سے خون بھل بھل بہہ رہا تھا اور تکلیف کی لہر ایڑھی سے پنڈلی تک دوڑ گئی تھی۔

''پہلی بات تو یہ کہ تم مجھے معاف کرو یا نہ کرو، مجھے اس سے فرق نہیں پڑتا۔ فرق تو تب پڑے گا جب میں معافی مانگوں گی۔ فار یو کائنڈ انفارمیشن...... کسی کو اگر معافی مانگنا چاہیے تو وہ تم ہو کیونکہ جان بوجھ کر مجھ سے ٹکرانے کی غیر اخلاقی حرکت تم نے کی ہے، میں نے نہیں اور دوسری بات یہ کہ مینرز تمہیں سیکھنا چاہئیں کیونکہ تم تو شکل سے بھی مہذب نہیں لگتے۔''

یہ پورا جملہ اس نے انگلش میں ادا کیا تھا، پھر اُردو سے اُنگلش بولتے ہوئے وہ عربی پر آ گئی تھی اور اس نے عربی میں شبیہ کو سخت سست سنانا شروع کر دی تھیں۔ انتہائی خوشی یا غصے کی حالت میں وہ ان تینوں زبانوں کا ملغوبہ بنانا شروع کر دیتی تھی اور یہ اتنی غیر ارادی حرکت ہوتی تھی کہ اسے احساس تک نہیں ہوتا تھا کہ تینوں زبانوں میں سے کسی ایک زبان سے بھی نابلد شخص اس کی بات سمجھ نہیں پا رہا۔

اب بھی یہی ہوا تھا۔ عربی کے بہ کثرت استعمال کی وجہ سے کوئی بھی اس کی بات سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ ان سب کے لیے تو یہی بات اچنبھے کا باعث بن گئی تھی کہ اس گلابیاں گھلی چنک دار رنگت والی لڑکی نے کتنے آرام سے ان کے گروپ کے سب سے ہینڈسم اور ویل مینرڈ لڑکے کو غیر مہذب قرار دے دیا ہے۔

تب ہی ان میں سے ایک لڑکے نے بڑھ کر کولڈ ڈرنک کی بوتل اُٹھائی اور ان دونوں کے درمیان آ گیا۔

"دیکھیے غلطی کسی کی بھی سہی۔ میں آپ سے ایکسکیوز کر رہا ہوں، پلیز آپ بات نہ بڑھائیں۔" اس نے ملتجی انداز میں کہا تھا۔ ماوی نے غضب ناک نظروں سے اسے گھورا۔ جھپٹ کر اس کے ہاتھ سے بوتل لی، کھا جانے والی نظروں سے شبیہ کو دیکھا اور اپنا زخمی پیر گھسیٹتی گلی کے کونے پر غائب ہو گئی۔

☆☆☆

اس لڑکی کے منظر سے ہٹتے ہی عذیر نے گہری سانس بھرتے ہوئے آسمان کی طرف دیکھا جسے مصیبت ٹل جانے پر شکر ادا کر رہا ہو۔

"یار! اس لڑکی کو دیکھ کر لگا تو نہیں تھا کہ اس کی آواز اتنی کراری ہو گی۔" جھینپی ہوئی ہنسی کے باوجود اس کا انداز صاف مذاق اُڑانے والا تھا۔ سجاول اور جے ڈی ہنس دیے۔

"چلو یہ تو کنفرم ہوا کہ یہ رابعہ مدثر نہیں تھی۔ وہ بے چاری تو اتنی سوفٹ اسپوکن تھی پھر شبیہ کو دیکھ کر اتنے روڈ لہجے میں بات کر ہی نہیں سکتی تھی۔" سجاول کی بات پر بھی شبیہ نے اظہار رائے نہیں کیا، اس کے چہرے پر ابھی تک تناؤ دکھائی دے رہا تھا۔

وہ تینوں ہی چونکہ شبیہ کے غصے سے واقف تھے، اس لیے ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر رہ گئے، پھر سجاول نے ہی ہمت کر کے اسے مخاطب کیا۔

"اس رومال سے اپنی شرٹ صاف کر لو اور اس میں اتنا غصہ کرنے کی تو کوئی بات نہیں ہے شبیہ! جو بھی ہوا وہ مس انڈر اسٹینڈنگ کا نتیجہ تھا۔"

شبیہ نے اس کے ہاتھ سے رومال لے لیا اور اپنی شرٹ پونچھنے لگا۔ شرٹ کے اس گیلے حصے سے اسے سخت وحشت محسوس ہو رہی تھی۔ دماغ پھٹنے کے قریب تھا اور دل و دماغ میں جیسے گرم ہواؤں کے جھکڑ سے چلتے محسوس ہو رہے تھے۔ کچھ دیر اسی طرح وہ غصے کی آگ میں سلگتا رہا، یہاں تک اسے سجاول اور عذیر کے جانے کی بھی خبر نہ ہو سکی۔ پھر جے ڈی نے اس کی آنکھوں کے عین سامنے کوک کا ٹن کیا تو وہ چونک کر اسے دیکھنے لگا۔

"پی لو۔ غصہ ختم ہو یا نہ ہو، کم ضرور ہو جائے گا۔" شبیہ چند لمحے اسے دیکھتا رہا پھر ٹن لے کر کھولنے لگا۔

"سجاول اور عذیر؟"

''کب کے جا چکے۔'' جے ڈی نے مختصراً جواب دیا اور کوک پینے لگا۔

شبیہ نے وہیں کھڑے کھڑے تین چار بڑے بڑے گھونٹ حلق میں اُتارے، بھڑکتی ہوئی آگ پر چھینٹے سے پڑے تو دماغ سے لے کر پاؤں کے انگوٹھے تک ٹھنڈک کا احساس پھیلتا چلا گیا، تب اس نے جے ڈی کی طرف دیکھا، وہ بے تاثر چہرے کے ساتھ درخت کے تنے سے ٹیک لگا کر کھڑا دوسری طرف دیکھ رہا تھا۔

''اچھا ہوا تم اس لڑکی اور میرے درمیان آ گئے، ورنہ اس نے میرے ہاتھوں اپنے انجام کو پہنچ جانا تھا۔'' تنفر، بے رحم لہجہ۔

جے ڈی نے بس ایک نظر ہی اسے دیکھا تھا اور اسے لگا شبیہ کی آنکھوں سے آگ کی لپٹیں نکل رہی ہیں۔

''پرسوں اگر میں وقت پر نہ آتا تو سعدی نے تمہارے ہاتھوں اپنے انجام کو پہنچ جانا تھا۔ کل اگر میں نہ آتا تو ولید نے تمہارے ہاتھوں اپنے انجام کو پہنچ جانا تھا۔ آج تم اس لڑکی کے بارے میں یہی بات کہہ رہے ہو۔ مجھے بتا دو شبیہ! تم نے کتنے انسانوں کو ان کے انجام تک پہنچانے کا ارادہ کیا ہوا ہے...... تاکہ میں بروقت ہر بار درمیان میں پہنچ کر معصوم، بے قصور انسانوں کو تمہارے غصے سے محفوظ رکھ سکوں۔''

اس قدر غصے کے باوجود جے ڈی کے آخری الفاظ پر اسے ہنسی آ گئی۔ اکل کھرا، بدمزاج، مغرور...... وہ سب کچھ تھا، اپنی غلطی ماننے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا مگر یہ بھی سچ ہے کہ جے ڈی دنیا کا وہ واحد شخص تھا جس کے سامنے اپنا آپ ظاہر کرتے شبیہ کو کبھی جھجک محسوس نہیں ہوئی۔

بچپن سے دونوں کی دوستی مثالی تھی۔ تائی اماں کہتی تھیں دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ ایک آگ تو دوسرا پانی۔ شاید تبھی اب تک نبھتی چلی آ رہی ہے۔ مبادا دونوں آگ کی سی فطرت والے ہوتے تو اب تک ایک دوسرے کو جلا کر بھسم کر چکے ہوتے۔

''ہاں تو ٹھیک ہے...... میں اپنی غلطی مان رہا ہوں۔ مجھے تمہارے دوست پر ہاتھ نہیں اُٹھانا چاہیے تھا۔'' بڑا احسان کرنے والے انداز میں فرمایا گیا۔ جے ڈی کی جان جل کر خاک ہو گئی۔

''بہت شکریہ...... بڑا احسان کیا آپ نے اپنی غلطی مان کر۔'' غصہ کرنے کی باری اب اس کی تھی۔ اس نے خالی ٹن سڑک کے کنارے رکھے ڈسٹ بن میں اُچھالا اور بنا شبیہ کی طرف دیکھے گھر کی طرف چل دیا۔ شبیہ نے اس کی تقلید کی تھی۔

''اب غبارے کی طرح منہ کیوں پھلا لیا ہے؟ میں اپنی غلطی مان تو رہا ہوں، پھر یہ ناراضی کس خوشی میں؟ تم کیا چاہ رہے ہو ناراض محبوبہ کی طرح تمہارے قدموں میں بیٹھ کر تمہیں مناؤں؟ یہ نہیں ہو سکتا، اپنی غلطی مان رہا ہوں اسی کو میرا احسان سمجھو...... او بھائی! منہ میں کیا گلو ڈال لی ہے، بولتے کیوں نہیں ہو؟''

''تم کچھ نہ کرو۔ بس ایک احسان کرو وہ بھی مجھ پر نہیں، خود اپنی ذات پر، یہ معمولی معمولی باتوں پر بھڑکنا چھوڑ دو۔ تم پاگل تو نہیں ہو، نارمل انسان ہو، الحمدللہ...... پھر نارمل انسانوں کی طرح بی ہیو کیوں نہیں کرتے......؟ ذرا ذرا سی بات پر بھڑکنا اور مرنے مارنے پر تل جانا...... یہ تو پاگل پن کی نشانی ہے شبیہ......!''

تیز لہجے میں بولتے بولتے وہ جیسے تھک سا گیا تھا، کیونکہ یہ باتیں جو وہ آج وہ شبیہ کو سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا، کوئی نئی نہیں تھیں۔ شبیہ ایک

گھر کے باہر بنے بینچ پر بیٹھ گیا۔ جیسے دیر تک اُٹھنے کا ارادہ نہ ہو۔

"گھر نہیں جانا...... بیٹھ کیوں گئے ہو...... چلو۔" جے ڈی نے خفگی سے کہا تھا۔

"تم جاؤ...... میں تھوڑی دیر میں آجاؤں گا۔" اس نے نروٹھے پن سے کہا اور دوسری سمت میں دیکھنے لگا۔

"ناممکن!" جے ڈی نے سرعت سے کہا۔ "تمہیں اکیلے یہاں چھوڑ کر جانے کا تو میں سوچ بھی نہیں سکتا، پھر کسی سے جھگڑ پڑو گے اور میرے واپس آنے تک دو تین لاشیں تو ضرور ہی بچھادو گے...... نہ بھئی میں تو نہیں جاتا۔"

"پہلے کون سی لاشیں بچھائی ہیں میں نے؟" شبیہ نے سلگ کر پوچھا۔

"ارادہ تو آپ کا ہمیشہ سے رہا ہے۔" جے ڈی نے اس کے ساتھ بیٹھتے ہوئے طنزیہ لہجے میں کہا تھا۔ شبیہ نے اسے غضب ناک ہو کر گھورا۔

"چلو، اب بیٹھ گئے ہو میرے سرہانے تو کھول دو نصیحتوں کی پٹاری، تم تو کبھی کبھی مجھے اپنی اماں لگتے ہو جے ڈی!"

"جو سچ مچ تمہاری ماں ہیں انہیں تو اماں مانتے نہیں ہو۔" جے ڈی نے بے ساختگی میں کہہ تو دیا مگر بعد میں احساس ہوا نہیں کہنا چاہیے تھا۔ یہ تو خاموش معاہدہ تھا کہ اس موضوع پر بات نہیں کی جائے گی آج نہ کل، کبھی بھی نہیں۔

بدقسمتی سے جے ڈی خلاف ورزی کر بیٹھا۔ کوئی اور ہوتا تو اس جسارت پر جبڑا تو ضرور ہی تڑوا لیتا۔

"پلیز...... میں اس ایشو پر بات نہیں کرنا چاہتا۔" شبیہ نے کہا تو بس اتنا۔

"اچھا اپنے غصے پر کنٹرول تو کر سکتے ہو۔" جے ڈی نے سلسلہ وہیں سے جوڑا جہاں سے نادانستہ ٹوٹ گیا تھا۔

"یار نہیں ہوتا کنٹرول...... تمہیں کیا لگتا ہے میں نے کبھی کوشش نہیں کی۔" اس نے اُکتا کر پوچھا تھا۔

"لیکن یہ بھی تو دیکھو، مجھے کبھی ناحق بات پر غصہ نہیں آتا۔ اسی بات پر آتا ہے جس پر آنا بھی چاہیے۔" وہ بضد تھا۔

"سعدی کو تم نے بلاوجہ مارا...... یہ تو مانتے ہو؟" جے ڈی نے پوچھا۔

"مجھے اسے مارنا نہیں چاہیے تھا۔ یہ میں مانتا ہوں لیکن سعدی کی حرکت بھی غلط تھی۔ باہر سے کسی کو معمولی سا بھی شک پڑتا تو ہم دونوں کا نام خراب ہونا تھا یعنی ہمارے خاندان کے نام پہ حرف آنا تھا اور یہ بات مجھے کسی طرح منظور نہیں۔ بس اسی لیے ایک دم میں بھڑک گیا۔ حالانکہ سعدی کو سمجھایا بھی جا سکتا تھا مگر...... بس پتا نہیں کیسے میرا ہاتھ اُٹھ گیا۔"

"یعنی مانتے ہو کہ سعدی کو نہیں مارنا چاہیے تھا؟" جے ڈی نے پھر پوچھا۔

"ہاں۔"

"تو پھر تم یہ بھی مان لو کہ کل تم نے ولید پہ، بے سبب اتنا غصہ کیا کیونکہ اس کی غلطی نہیں تھی۔"

"ہاں، میں یہ بات مان لوں پھر تم کہو گے ابھی جو کچھ ہوا اس میں اس لڑکی کی بھی غلطی نہیں تھی...... اور مجھے یہ بھی تسلیم کر لینا چاہیے۔" شبیہ نے جل کر کہا تھا۔ جے ڈی نے متانت سے سر ہلا دیا۔

''ایگزیکٹلی، اس لڑکی کی غلطی نہیں تھی۔ میں نے دور سے دیکھا تھا وہ تو اپنے راستے پر ہی چل رہی تھی لیکن تمہارا دھیان کہیں اور تھا، اس لیے تم اس سے ٹکرا گئے۔''

''اونہہ...... تمہیں ہمیشہ میں ہی غلط لگتا ہوں...... کبھی کبھی مجھے لگتا ہے جے ڈی! میرے سوا تم ساری دُنیا کے دوست ہو۔'' وہ پھر خفا ہو گیا۔

جے ڈی نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر خلوصِ دل سے کہا۔

''میں ساری دُنیا کا دوست ہو سکتا ہوں مگر تمہارا سب سے بڑا مخلص بھی میں ہی ہوں...... اور اسی لیے چاہتا ہوں تم اس غصے پر قابو پا لو۔ یہ جو غصے کی آگ بار بار تمہارے اندر بھڑکتی رہتی ہے یہ کسی دن خدانخواستہ تمہیں ہی جلا دے گی۔ شیطان آگ سے بنا ہے اور غصہ شیطان کی طرف آتا ہے اور شیطان، انسان کو کہیں کا نہیں چھوڑتا۔''

''ویسے میں ایک بات کلیئر کر دوں، اس روز سعدی ٹیلی اسکوپ سے اینیا کو نہیں دیکھ رہا تھا۔ ان لوگوں کے گھر کوئی مہمان لڑکی آئی تھی، سعدی نے ٹیلی اسکوپ اسی لڑکی کو دیکھنے کے لیے سیٹ کی تھی۔'' جے ڈی کے انکشاف پر شبیہ کو حیرت و بے یقینی کا جھٹکا لگا تھا، یہ جھٹکا اتنا شدید تھا کہ وہ فوری طور پر اپنے تاثرات چھپا بھی نہیں سکا۔

''تو میں کیا کروں......؟ مجھے کیوں بتا رہے ہو۔'' چند لمحے بعد اس نے اپنے تاثرات چھپا کر لاتعلق نظر آنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا تھا۔

''تاکہ تم اپنی غلطی مان کر تھوڑا سا شرمندہ ہو لو اور اگلی بار اس غلطی کو نہ دُہراؤ...... اور یہ جو ایک جھگڑے کی جھنجلاہٹ میں بار بار جھگڑے کرتے پھر رہے ہو، اس سے باز آ جاؤ۔''

''جے ڈی! میرا دماغ کھانا بند کرو۔ اینیا میری کیا لگتی ہے جو میں اس کی خاطر سعدی کی پٹائی کرتا پھروں۔'' حسبِ عادت اس نے بھڑک کر کہا تھا۔

''ہاں...... اتنے ہی تو تم اچھے ہو کہ کسی بھی غیر لڑکی کو گھورنے پر کسی راہ چلتے لڑکے کی پٹائی کر دیتے ہو...... اونہہ...... جیسے میں تمہیں جانتا نہیں...... شبیہ العباس صاحب! یہ دھوکہ کسی اور کو دیجئے گا...... آپ کے دل و دماغ میں کیا کھچڑی پک رہی ہے، میں اچھی طرح جانتا ہوں۔''

''اصل معاملہ کچھ یوں ہے کہ......'' اس کو خاموش پا کر جے ڈی نے دیوار سے ٹیک لگائی اور پُرسوچ انداز میں بولنے لگا۔

''غصے میں آ کر تم نے سعدی کی پٹائی تو کر دی لیکن بعد میں احساس ہوا کہ دراصل تمہیں سعدی کا اینیا کو واچ کرنا برا لگا ہے تو تمہیں خود پر غصہ آنے لگا۔ یہ غصہ بڑھا تو جھنجلاہٹ میں بدل گیا، اسی جھنجلاہٹ کے زیرِ اثر تم نے کل ولید اور اینیا پر غصہ کیا۔ شاید ایسا کر کے تم خود کو باور کرا رہے تھے کہ تمہیں سچ مچ اینیا کی پروا نہیں ہے۔ مجھے لگتا ہے ابھی بھی تم یہی سوچ رہے تھے تبھی اس لڑکی سے ٹکرا گئے پھر اس پر بھڑکنے لگے۔ حالانکہ تم خود جانتے ہو اس بے چاری کی غلطی نہیں تھی...... یار! تم غصہ ور تو ہمیشہ سے ہو لیکن ال مینرڈ تو کبھی نہیں تھے۔''

اس نے اتنا اچھا تجزیہ پیش کیا تھا کہ شبیہ چند لمحوں کے لیے کچھ بول ہی نہیں سکا لیکن چونکہ اس کا اپنا الگ ہی مزاج تھا، اس لیے فی الفور جے ڈی سے متاثر ہونے کا ارادہ ترک کر کے جھنجلاتے ہوئے بولا۔

"تم نے بکواس فرمالی ہو تو کیا ہم گھر جا سکتے ہیں؟۔"

"تمہارا چہرہ دیکھ کر صاف پتا چل رہا ہے میری کوئی بات تمہاری عقل میں نہیں سمائی، اس کا مطلب میں نے جو بھی کہا، وہ واقعی بکواس تھی۔" جے ڈی نے تاسف سے سر ہلایا اور اُٹھ کھڑا ہوا۔

"چلو میرے بھائی! پھر گھر ہی چلتے ہیں۔"

شبیہ اس کو کھا جانے والی نظروں سے گھورتا ہوا کھڑا ہوا۔ گھر تک کا راستہ ان دونوں نے خاموشی سے طے کیا تھا۔

"میں کل حویلی جا رہا ہوں۔" بلڈنگ کا کمپاؤنڈ عبور کرتے ہوئے شبیہ نے نروٹھے پن سے آگاہ کیا۔

"اچھی بات......" جے ڈی نے بس اتنا کہا۔

"چلتے ہو؟۔"

"نہیں......کل تو ممکن نہیں......مجھے یہاں کچھ کام ہے، البتہ ویک اینڈ پر ضرور آؤں گا۔"

پہلی سیڑھی پر قدم رکھتے ہوئے شبیہ نے کن انکھیوں سے اسے دیکھا، ایک چھوٹے ضدی بچے کی طرح اسے بھی اپنی شخصیت کے کسی منفی پہلو کو مکمل طور پر تسلیم کرنے میں دقت محسوس ہو رہی تھی، پھر وہ جھنجلا گیا اور خفگی سے بول اُٹھا۔

"اچھا ٹھیک ہے میں مانتا ہوں مجھے غصہ زیادہ آتا ہے۔" اس نے بالآخر تسلیم کر ہی لیا۔

"زیادہ؟" جے ڈی نے فوراً تصحیح کروانا ضروری سمجھا۔ "تمہیں بہت زیادہ غصہ آتا ہے شبیہ!" سارا زور "بہت" پہ تھا۔

"اچھا اچھا! میں مان رہا ہوں مجھے زیادہ غصہ بلکہ بہت زیادہ غصہ آتا ہے۔" حسب عادت فوراً بھڑک اُٹھا۔

"اتنی بک بک کی تم نے......لیکن کیا فائدہ؟......غصے پر قابو پانے کا کوئی طریقہ بتایا ہوتا تو بات بھی تھی۔" اس نے ناراضی سے سر جھٹکا تھا۔

"غصے پر قابو پانے کا طریقہ......" کی ہول میں چابی لگاتے ہوئے وہ سوچ میں پڑ گیا، پھر بولا۔

"یار! مجھے ٹھیک سے تو نہیں یاد لیکن بہت پہلے میں نے کہیں پڑھا تھا، غصے کی حالت میں پانی پینا چاہیے اور وضو کرنا چاہیے۔ غصہ چونکہ شیطان کی طرف سے ہوتا ہے، اس لیے پانی شیطانی آگ کو بجھا کر ٹھنڈا کر دیتا ہے۔ تم یہ طریقہ ضرور ٹرائی کرو۔

دوسری بات......اپنا دماغ ٹھنڈا رکھا کرو۔

تیسری بات......انسانوں کی اچھائیوں پر نظر رکھو، ان کی شخصیت کی برائیاں تلاش نہ کرو......"

"تم نے تو پوری لسٹ ہی تھما دی۔" شبیہ پہلی بار مسکرایا تھا۔

"ویسے شبیہ! مجھے غصہ بھگانے کا ایک اور طریقہ بھی پتا ہے۔ ارسل بتایا کرتا تھا۔"

"انتظار کس بات کا، ارسل والا طریقہ بھی بتا دو۔"

"ذرا اپنا والٹ دینا۔

"شبیہ نے بلا تامل والٹ جیب سے نکال کر اسے تھما دیا۔ جے ڈی تیزی سے اپنے کمرے میں چلا گیا۔ چند منٹ بعد واپس آیا تو شبیہ صوفے پر نیم دراز اس کا منتظر تھا۔

"ایک دفعہ ارسل بتا رہا تھا جب بھی اسے غصہ آتا ہے وہ اپنی منگیتر کی تصویر دیکھ لیتا ہے تو اس کا غصہ غائب ہو جاتا ہے۔ میں نے تمہاری والٹ میں تمہاری منگیتر کی تصویر لگا دی ہے، تمہیں بھی جب غصہ آئے تو والٹ نکال کر تصویر دیکھ لینا، اُمید ہے......" ابھی اس کی بات پوری بھی نہ ہوئی تھی کہ شبیہ نے غضب ناک نظروں سے اسے گھورتے ہوئے والٹ جھپٹا اور پیر پٹختا اپنے کمرے کی طرف پلٹ گیا۔

"شبیہ! میں مذاق نہیں کر رہا...... تم ٹرائی تو کرو۔" جے ڈی نے ہنستی آواز میں کہا تھا۔ "اچھا یہ تو بتا دو، صبح جاگنگ کے لیے بھی جگاؤں یا نہیں...... آج کل تو ثروت آنٹی بھی پارک میں نہیں آ رہیں۔"

شبیہ نے زوردار آواز کے ساتھ دروازہ بند کر لیا۔ جے ڈی بے چارہ اپنا سا منہ لے کر رہ گیا۔

"لو جی...... اتنا اچھا مشورہ دینے پر بھی ایسی ناراضی، کوئی خراب مشورہ دیتا تو اس نے کیا کرنا تھا۔"

☆☆☆

مسز دانیال کا چہرہ ثمینہ کے ذہن سے چپک کے رہ گیا تھا۔

ماوی کے جانے کے بعد وہ کچھ دیر اس کے لیے فکر مند ہوتی رہیں، پھر خیالات کا دریا خود بخود مسز دانیال کی طرف بہنے لگا۔

"مجھے ایسا کیوں لگ رہا ہے کہ میں اس کو پہلے کہیں دیکھ چکی ہوں۔" وہ سوچتی رہیں، اُلجھتی رہیں۔ لاشعور میں دبا ہوا ایک چہرہ گزرے وقت کی دھند کے پیچھے...... نہ چھپتا تھا، نہ واضح ہوتا تھا...... فقط اُلجھتا تھا...... مخمصے میں ڈالتا تھا۔

شاید کوئی بچپن کی ہم جولی...... یا سہیلی کی سہیلی؟

اسکول کی کوئی لڑکی یا پرانے محلے کی کوئی پڑوسن؟

غیر ارادی طور پر وہ ایک ایک کر کے سبھی کو سوچتی چلی گئیں، پر وہ چہرہ جوان کی یادداشت میں باقی رہ گیا تھا، ثمینہ نے مسز دانیال کے نقوش میں ان چہروں کو تلاش کرنا چاہا لیکن......

تب ہی دروازہ ایک جھٹکے سے کھول کر ماوی اندر داخل ہوئی، اس کی چال میں لنگراہٹ تھی اور پیر سے خون بہتا دیکھ کر وہ دھک سے رہ گئی تھیں۔

"یہ...... یہ کیا ہوا ہے ماوی؟" وہ بے ساختہ اپنی جگہ سے اُٹھ کر اس کی طرف لپکیں۔

ماوی صوفے پر بیٹھ گئی۔ وہ سخت جھنجلائی ہوئی تھی۔

"کچھ نہیں ممی......! بس تھوڑی سی چوٹ لگ گئی۔" اس نے پیر کو گھٹنے پر رکھا اور زخم کا جائزہ لینے لگی۔ ایڑھی کے قریب تقریباً آدھ انچ کا کٹ لگا ہوا تھا گو کہ زخم اتنا گہرا نہیں تھا مگر خون تیزی سے بہہ رہا تھا۔

"ممی! پلیز آپ مجھے تھوڑی سی کاٹن یا ٹشو پیپر لا دیں گی۔" ثمینہ جلدی سے ٹشو پیپر کا ڈبہ اُٹھا لائیں۔ ماوی نے کئی ٹشو زخم پر رکھ دیے۔

"زخم تو بہت گہرا ہے ماوی! خون بھی کتنا بہہ رہا ہے، میں ڈاکٹر......"

"پریشان مت ہوں ممی! زخم اتنا گہرا نہیں ہے۔ ایڑھی پر لگے زخم سے تو خون زیادہ ہی نکلتا ہے۔ ڈاکٹر کی ضرورت نہیں ہے، میں خود ہی بینڈیج کرلوں گی۔"

"ضدمت کرو ماوی! خون رُکے گا تو بینڈیج کروگی اور خون خود بخود تو رُکنے سے رہا۔" ثمینہ نے فکرمندی سے ڈپٹا۔

"پانی ڈال کر دیکھتی ہوں۔" وہ اُٹھ کر واش روم کی طرف بڑھی۔

"واش روم کے کیبنٹ میں ایک اینٹی سیپٹک لیکوئیڈ بھی دیکھا تھا میں نے۔ ابھی سب ہو جائے گا، آپ فکرمند نہ ہوں۔" صرف ثمینہ کے خیال سے وہ خود کو لاپروا ظاہر کر رہی تھی، جب کہ سچ تو یہ تھا کہ تکلیف سے جان نکل رہی تھی۔

"ولیکن یہ چوٹ لگی کیسے؟"

"باہر کچھ کانچ کے ٹکڑے پڑے ہوئے تھے۔ میری نظر ہی نہیں پڑی، بس لاپروائی میں ایک ٹکڑا پاؤں میں چبھ گیا۔"

اس نے مہارت سے جھوٹ بول دیا کیونکہ سچ اسے خاصا مہنگا پڑتا۔ ثمینہ کو تو پہلے ہی پاکستان کے حالات سے شکوہ تھا۔ ماوی کے جھگڑے کا سن کر انہوں نے اور بوکھلا جانا تھا۔

"ممی سے تو میں نے جھوٹ بول دیا لیکن وہ لڑکا دوبارہ میرے ہاتھ تو لگے۔ سر نہ پھاڑ دیا تو میرا نام ماوی نہیں۔"

واش بیسن کا نل کھولتے ہوئے وہ دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا رہی تھی۔

☆☆☆

ولید گہری نیند سو رہا تھا۔

پھر کسی غیر مرئی طاقت کے زیرِ اثر اس کی نیند ٹوٹ گئی۔ کسی خدشے کے پیشِ نظر اس نے سرہانے کے قریب رکھا سیل فون اُٹھا کر وقت دیکھا اور جھٹکے سے اُٹھ بیٹھا۔ وہ مقررہ وقت سے ساڑھے تین گھنٹے لیٹ ہو چکا تھا۔ اس کا دل چاہا اپنا سر پیٹ لے لیکن اپنا سر پیٹنے سے کیا فائدہ! بہتر ہے اس کا سر پیٹا جائے جس نے بارہ بجے سے پہلے جگانے کی ذمہ داری لی تھی۔

"الو کی بچی کی تو اب خیر نہیں۔"

وہ تن فن کرتا کمرے سے نکلا۔ ایپنا کا کمرہ کون سا سات کوس پر تھا، بالکل ساتھ ہی تو تھا۔ نائٹ بلب کی روشنی میں ڈوبی ہوئی لابی کے فرش پر ایپنا کے دروازے کے نیچے سے نکلتی دودھیا روشنی کی لکیر ساکت پڑی تھی۔

ولید نے دستک دینے کے لیے ہاتھ اُٹھایا پھر ہینڈل گھما کر کمرے میں داخل ہو گیا اور یہ دیکھ کر اس کے تن بدن میں اور بھی آگ لگ گئی کہ وہ کمبل اوڑھے خوابِ خرگوش کا مزہ لے رہی تھی۔

ولید نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، بڑھ کر اس زور سے اس کی پونی ٹیل کھینچی کہ بے چاری ہلکی سی چیخ مار کر اُٹھ بیٹھی۔

''کیا ہو گیا ولید؟'' ایک تو سر میں بری طرح درد ہوا، دوسرے کچی نیند میں اس بری طرح جگانے پر دل خوف ناک انداز میں دھڑک رہا تھا۔

''قیامت آ گئی ہے۔'' وہ لڑاکا عورتوں کی طرح کمر پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ اینیا کے حواس پوری طرح بیدار نہ ہوئے تھے، سو وہ بری طرح گھبرا گئی۔

''کیا کہہ رہے ہو ولید!'' ساتھ ہی اِدھر اُدھر دیکھ کر اس کی بات کی تصدیق چاہی۔

''میرا دل چاہ رہا ہے تمہارا سر پھاڑ دوں کیا کہا تھا تم نے؟...... تم سو جاؤ ولید! میں تو ساری رات جاگ کر پڑھ رہی ہوتی ہوں۔ تمہیں اور ولی کو بارہ بجنے سے پہلے جگا دوں گی، پھر ہم ممی ڈیڈی کو اپنی ورسری وش کریں گے۔'' اس نے اینیا کی نقل اُتارتے ہوئے کہا تھا۔

''ذرا کلاک پر نظر ڈالیے محترمہ! آپ کی اس نیند کے چکر میں ہمارا سارا پلان چوپٹ ہو چکا ہے۔ صبح کے ساڑھے تین بج چکے ہیں۔'' وہ دانت کچکچا رہا تھا۔

اس نے وال کلاک کی طرف دیکھا پھر تاسف و شرمندگی سے سر پر ہاتھ رکھا۔

''آئی ایم سوری ولید! میں نے تو صرف چند منٹ کے لیے آنکھیں بند کی تھیں، کیا پتا تھا اتنا وقت گزر جائے گا۔ میں تو اسی لیے بیڈ کے بجائے صوفے پر لیٹی تھی اور لائٹ بھی آف نہیں کی تھی کہ بارہ بجے سے پہلے اُٹھنا ہے۔''

''میرا سارا پلان بگاڑ دیا تم نے۔'' وہ سخت خفا ہو رہا تھا۔

''نیا دن تو شروع ہو چکا ہے لیکن ابھی رات ہے۔ چلو ہم لوگ ابھی ممی ڈیڈی کو وش کر دیتے ہیں۔'' اینیا کو یک دم خیال آیا تھا۔

''نہیں...... جب نیا دن شروع ہونے پر وش نہیں کیا تو اب ان کی نیند خراب کرنے کا کیا فائدہ؟''

''پھر فجر کے لیے دونوں اُٹھیں گے۔ اس ٹائم وش کریں؟'' اینیا نے پوچھا لیکن اس کے اس آئیڈیے کو بھی ولید نے فوراً رد کر دیا۔

''میں اب جاگ گیا ہوں، فجر کے وقت مجھ سے اب نہیں اُٹھا جائے گا۔ جہاں اتنی دیر ہوئی وہاں کچھ اور سہی۔ اب تو جو ہوگا، بریک فاسٹ کے ٹائم پر ہوگا۔'' پھر اس نے اسے گھورا۔

''اور میری توبہ...... جو تم کو دوبارہ کوئی ذمہ داری سونپوں۔ انسان خود مشکل برداشت کرے مگر تم سے توقع نہ لگائے۔''

''ارے بابا! سوری بول تو رہی ہوں۔''

''میں کیا کروں تمہاری سوری کو اونہہ سارا پروگرام بگاڑ دیا۔'' اس کا غصہ کم ہونے میں نہ آ رہا تھا۔ اینیا بھی بگڑ گئی۔

''تو تم بھی تو میرے بال اتنی زور سے کھینچ کر بدلہ لے چکے ہو۔ اب تک سر دُکھ رہا ہے میرا۔''

''غلطی ہوئی بال کھینچنے کے بجائے گردن دبا دینا چاہیے تھی۔''

''نکلو میرے کمرے سے...... میں کوئی جان بوجھ کر تھوڑا سوئی تھی، آنکھ لگنا تھی، سو لگ گئی۔ تم کیا میرا دماغ چاٹ رہے ہو۔ تم میں ایسا احساسِ ذمہ داری تھا تو الارم لگا کر سو جاتے۔''

''اونہہ...... غضب کیا تیرے وعدے پر اعتبار کیا۔'' وہ پیر پٹختا چلا گیا۔ اینیا دروازے کو گھورتی رہی پھر سر تک کمبل تان کر سو گئی۔

اسی صبح دونوں اس جھگڑے کو بھول بھال کر شیر وشکر ہوئے بیٹھے تھے۔ پلان کے مطابق ان تینوں نے باقاعدہ گا کر ممی ڈیڈی کو وش کر کے صرف چونکایا نہیں تھا بلکہ وہ دونوں جیسے ہکا بکا رہ گئے تھے۔ ان کے بچے ان کے لیے خوش تھے۔ وہ گا رہے تھے، انہوں نے ہنگامہ مچا رکھا تھا۔ انہوں نے پھولوں کے ساتھ کیک کا بھی انتظام کر رکھا تھا اور وہ بضد تھے کہ ممی ڈیڈی مل کر اپنی اینورسری کی خوشی میں کیک کاٹیں۔

ثروت اور دانیال نے بے ساختہ ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ پھر دانیال حسن نے نظریں چرا لیں۔

اٹھارہ سال گزر چکے...... اٹھارہ سال کم نہیں ہوتے کسی کو سمجھنے، کسی پر اعتبار کرنے کے لیے...... پھر بھی، پھر بھی وہ دونوں ایک دوسرے سے کتنا دور تھے...... کتنا فاصلہ تھا ان دونوں کے درمیان۔

دانیال حسن کو یاد آیا۔ انہیں ثروت سے کتنی محبت تھی، محبت ہے۔ دل کی خوشی چہرے پر جھلکنے لگی۔ لب اپنے آپ مسکرا دیے تو انہوں نے ولی کے ہاتھ سے چھری لے کر ثروت کو مخاطب کیا۔

''کیا ہوا جو آج سے پہلے ہم نے اپنی کوئی ویڈنگ اینی ورسری نہیں منائی۔ اب بچے اتنا اصرار کر رہے ہیں تو کیک کاٹنے میں کوئی برائی بھی نہیں۔''

ثروت کی شکل الگ دیکھنے والی ہو گئی۔ ذہن پر بڑا زور ڈالنے کے بعد بھی یاد نہیں آیا، آخری بار ''سرتاج'' کو مسکراتے کب دیکھا تھا بہر حال خوش تھیں...... کفر ٹوٹا خدا خدا کر کے۔ انہیں تو اول روز سے مصالحت کا دامن تھامے رہنے کی عادت پڑی ہوئی تھی۔ اس بار خوشی خوشی بڑھ کر ہاتھ پر ہاتھ رکھا۔ دونوں نے مل کر کیک کاٹا۔ بچوں نے تالیاں بجائیں، خوب شور مچایا۔

''تھینک یو سو مچ بچو! تم لوگوں نے صبح صبح بڑا زبردست سرپرائز دیا۔'' دانیال حسن کا موڈ کچھ زیادہ ہی خوش گوار ہو چکا تھا۔

''یہ سارا پلان ولید کا تھا ڈیڈی!'' اینا نے چہکتے ہوئے کہا۔

''یعنی ہمیں ولید کا شکریہ ادا کرنا چاہیے؟'' ثروت مسکرا کر بولیں۔

''میں نے تو آپ لوگوں کو رات بارہ بجے وش کرنے کا سوچا تھا لیکن برا ہو ان محترمہ کی نیند کا جس نے سارا پلان بگاڑ دیا۔''

''ڈیڈی! ان دونوں نے مجھے اس بارے میں کچھ بھی نہیں بتایا، ابھی جب میں اسکول کے لیے تیار ہو رہا تھا تب بتایا کہ آپ دونوں کو وش کرنا ہے۔ یہ دونوں مجھے اپنے کسی پلان میں شامل نہیں کرتے۔'' ولی کا الگ ہی شکوہ تھا۔

''میں چھوٹا ہوں نا! مجھے چھوٹا ہونے کی سزا ملتی ہے۔''

''کیوں موٹے! پکنک کے بارے میں پہلے نہیں بتایا میں نے؟''

''پکنک رہنے دو ولید! آج رات کا ڈنر میری طرف سے ہوگا...... وہ بھی تم لوگوں کی پسند کے ریسٹورنٹ میں۔''

دانیال حسن کی بات پر تینوں نے پھر شور مچا دیا۔ ثروت نے خوش گوار حیرت سے دانیال حسن کو دیکھا۔ آج تو بار بار وہ حیران کیے دے رہے تھے۔ اگلی بات پر تو وہ بے چاری مارے تعجب کے بے ہوش ہوتے بچیں۔

"ثروت! میں ٹاؤن شپ کی طرف ہی جا رہا ہوں۔ آپ کو اپنی کسی سہیلی سے ملنے جانا ہے تو میں ڈراپ کر دیتا ہوں۔"

"مجھے خدیجہ کی طرف اس کی ساس کی تعزیت کے لیے جانا ہے لیکن آپ کا راستہ تو مختلف ہے۔" وہ بولیں۔

"کوئی بات نہیں۔ آپ کے لیے تھوڑا سا آؤٹ آف وے ہو جائیں گے۔" بظاہر لاپروائی سے کہتے ہوئے انہوں نے پھر اخبار اُٹھا لیا۔

ثروت تو اس بار اپنی حیرانی بھی نہیں چھپا سکیں۔ البتہ ایننا اور ولید نے اپنی بے ساختہ اُمڈتی مسکراہٹوں کو چھپانے کے لیے سر جھکا لیے تھے اور اس سے بھی پہلے ولید، ایننا کو وکٹری کا اشارہ کرنا نہیں بھولا تھا۔ وہ دونوں اپنے ماں باپ کے درمیان محسوس ہوتی اس سرد جنگ کو ختم کرنے میں کامیاب رہے تھے، جو واضح نہ ہونے کے باوجود بہر حال اپنا وجود رکھتی تھی۔



گراؤنڈ کی ایک طرف ہارسنگھار کے درخت کی چھاؤں میں وہ تینوں امِ ثمامہ کو گھیری بیٹھی تھیں۔ بارہ سے ایک کے درمیانی وقت میں چونکہ کلاسز ہو رہی ہوتی تھیں اس لیے گراؤنڈ اور روش پر اکا دکا لڑکیاں ہی دکھائی دے رہی تھیں۔

امِ ثمامہ نے نوٹ بک کھول کر گود میں رکھی ہوئی تھی اور تنوی کی بائیں ہتھیلی پر نظریں گاڑے بیٹھی تھی، ہر چند منٹ کے بعد وہ تنوی سے کوئی سوال پوچھ کر نوٹ بک میں لکھ لیتی تھی، ساتھ ہی اس کی ہتھیلی پر مختلف اینگل سے چھوٹی سی لکیر لگا دیتی تھی۔ پامسٹری میں چونکہ ان تینوں کی معلومات بالکل صفر تھیں، اس لیے بالکل خاموشی سے وہ ثمامہ کو اس کا کام کرتے دیکھ رہی تھیں۔

"تنوی! تمہاری ڈیٹ آف برتھ کیا ہے؟"

اس وقت تک تنوی اکتا چکی تھی۔ نہ صرف وہ بلکہ نمرہ اور عبیر بھی بور ہو گئی تھیں۔

"لاحول ولا، کس قدر واہیات سوال ہے ثمامہ! تمہیں کسی نے بتایا نہیں لڑکیوں خصوصاً خوب صورت لڑکیوں سے ان کی تاریخ پیدائش نہیں پوچھا کرتے؟"

"اسی لیے تو تم سے پوچھ رہی ہوں۔"

"کیا مطلب؟" تنوی کو سخت صدمہ پہنچا۔ "میں خوب صورت نہیں ہوں؟"

"ماں صدقے، تمہارے ہاتھ کی لکیریں دیکھ کر ہی مجھے اندازہ ہو گیا تھا تم کتنی حقیقت پسند ہو۔" انداز صاف مذاق اڑانے والا تھا۔

"میں نے بتایا نہیں پوچھا ہے۔" تنوی نے آنکھیں دکھائیں۔

"یار! میں سچ بول کے تمہارا دل نہیں توڑنا چاہتی۔" ثمامہ نے لاچاری سے کہا۔

"لیکن اس دروغ گوئی پر میں تمہارا سر ضرور توڑنا چاہتی ہوں۔" اس نے نوٹ بک ثمامہ کے سر پر دے ماری تھی۔

"اف...... کس قدر بدتمیز ہو تم۔" ثمامہ نے سر پکڑ کر اسے گھورا۔

"اپنی سینئر پر تشدد کرنے پر میں تم لوگوں کی شکایت کر دوں گی۔" اس نے دھمکی دی، عبیر ترنت بولی۔

''اور ہم مسز خاکوانی کا لیکچر بنک کرنے پر تمہاری شکایت کر دیں گے۔'' ہاتھ پہ ہاتھ مار کے وہ تینوں ہنسنے لگیں۔

''یاد ہے...... لیکچر میں نے تم لوگوں کی وجہ سے بنک کیا ہے۔''

''یاد ہے بھئی...... یاد ہے، مگر اب کوئی کام کی بات بتا بھی دو۔ آدھے گھنٹے سے بیٹھی تنوی کا ہاتھ دیکھ رہی ہو۔''

''تم لوگ اپنی بک بک بند کرو تو ہی میں کچھ بتاؤں۔ اس طرح تو میں کانسنٹریٹ ہی نہیں کر پا رہی''۔ ثمامہ نے کہا۔

''ہاں تو تم اپنے الفاظ واپس لو نا!'' عمیر نے کہا۔

''اگر تنوی خوب صورت نہیں ہے تو ہم جیسے تو پھر قبول صورت بھی نہ ہوئے۔''

''اوہو بھئی، یہ کوئی جھگڑے کا پوائنٹ ہے۔'' تنوی نے جھینپ کر کہا تھا۔ ''میں تو مذاق کر رہی تھی، اب ایسی حور پری بھی نہیں ہوں، کبھی اپنی امی اور نانو جان کی تصویریں لا کر دکھاؤں گی، تب پتا چلے گا، خوب صورتی کیا ہوتی ہے۔''

''خیر خوب صورت تو تم بھی بہت ہو۔'' نمرہ نے کہا۔ ''یقین نہ آئے تو جا کر عروش سے پوچھ لو، یونہی تو تمہاری دیوانی ہوئی نہیں پھر رہی۔''

''عروش کی رائے کو تو خیر تم لوگ رہنے ہی دو۔'' اتم ثمامہ نے کہا۔

''میں یہ نہیں کہہ رہی کہ تنوی خوب صورت نہیں ہے، کالج میں سے چند خوب صورت لڑکیاں منتخب کی جائیں تو ان میں ایک تنوی بھی ہو گی، لیکن عروش کی رائے بطور تائید لینا بڑی حماقت ہے وہ جس ذہنی اور اخلاقی مرض میں مبتلا ہے، اس کی رائے قطعاً صائب نہیں ہو سکتی۔''

نمرہ کا چہرہ لال ہو گیا، عمیر جانتی تھی عروش کے بارے میں، کوئی بھی ایسی بات جو ڈائریکٹ اس کی مخالفت کے زمرے میں آتی ہو، نمرہ کو ناگوار لگتی تھی کہ بہر حال وہ عروش کی فرینڈز میں سے تھی۔ تب ہی عمیر نے موضوع بدل دیا۔

''یار ثمامہ! عروش کا ذکر چھوڑو۔ تم ہمیں تنوی کے مستقبل کے بارے میں کچھ بتاؤ۔''

نمرہ نے بھی خود پر قابو پایا اور اثبات میں سر ہلانے لگی۔ ثمامہ نے از سر نو تنوی کا ہاتھ سامنے پھیلا لیا۔ چند منٹ خاموشی سے گزرے، ثمامہ نے کچھ اور لکیریں تنوی کے ہاتھ پر لگا دیں۔

تنوی کی ہتھیلی پر بال پوائنٹ کی آڑی ترچھی لکیروں کا جال سا بچھ گیا تھا۔

''میں سمجھ گئی ہوں، یہ ثمامہ ہمیں بے وقوف بنا رہی ہے۔'' نمرہ نے اچانک کہا۔ ثمامہ تو ثمامہ باقی دونوں بھی تعجب سے اس کی شکل دیکھنے لگیں۔

''نہیں خیر...... قدرت کے کاموں میں، میں دخل نہیں دیتی۔ تم نے اندازہ کیسے لگایا، اس کی وضاحت کرو۔''

''بھئی۔ سیدھی سی بات ہے، تنوی کے ہاتھ کا حشر دیکھو تم نے اتنی لکیریں لگا دی ہیں کہ ہتھیلی کا اصل رنگ بھی دکھائی نہیں دے رہا۔ یقیناً اب تم تنوی سے پوچھو گی کہ اسے صابن کون سا پسند ہے، جب یہ بتا دے گی تو تم کہو گی، جاؤ اب اس صابن سے ہاتھ دھو لو، ہے نا، یہ ہی بات ہے نا؟ شرم کرو ثمامہ! اتنی سنیئر ہو تم ہم سے، اور اتنا پرانا لطیفہ دہرا رہی ہو۔''

''میں نے کہا تھا نا، میں قدرت کے کاموں میں دخل نہیں دیتی۔'' ثمامہ نے شک آمیز نظروں سے نمرہ کو دیکھا تھا۔

''میں اتنی زیرک نگاہی سے تنوی کے ہاتھ کی لکیروں کو پڑھ رہی ہوں اور تم مجھے طعنے دے رہی ہو۔''

''لکیریں تو پڑھ رہی ہو، مگر کچھ ہمیں بھی تو بتاؤ۔ مجھے لگتا ہے کالج میں تمہاری شہرت بلاوجہ پھیل گئی ہے، تمہیں کوئی پامسٹری وامسٹری نہیں آتی۔''

''تم نے تو مجھے بالکل ہی انڈر اسٹیمیٹ کر دیا ہے۔ حالانکہ تنوی کا ہاتھ دیکھتے ہوئے مجھے پتا چلا ہے اسے ہاف بوائل ایگ بہت پسند ہے'' ثمامہ نے کہا تھا۔ تینوں کے منہ اس قدر درست اندازے پر کھلے کے کھلے رہ گئے۔

''یہ لکیروں میں لکھا ہوا ہے؟'' تنوی نے حیرانی سے پوچھا۔

''نہیں...... ناخنوں میں...... کیونکہ تمہارے ناخنوں میں اب تک انڈے کی زردی لگی ہوئی ہے۔'' اس نے سنجیدگی سے کہا۔

نمرہ اور عبیر کا قہقہہ بے ساختہ تھا، تنوی نے شرمندہ ہو کر ہاتھ کھینچ لیا۔

''لطیفوں کی کتاب سے مستعار لینے کا شکریہ۔'' اس نے جل کر کہا تھا، ثمامہ مسکراتی رہی۔

''تنوی! تم مجھ سے اپنے مستقبل کے بارے میں جو پوچھنا چاہتی ہو، ایک ایک کر کے پوچھو۔ میں جواب دینے کی کوشش کرتی ہوں۔ خود سے کچھ بتانا بہت مشکل ہے۔ دراصل یہ فن میں نے اپنے ابو سے سیکھا ہے، کوئی باقاعدہ تعلیم تو نہیں لی، اس لیے ہاتھ دیکھ کر معمولی معمولی باتیں تو میں بتا سکتی ہوں، لیکن مشکل ہاتھوں کو سمجھنا میرے لیے بڑا مشکل ہے۔ تنوی کے ہاتھوں کی لکیریں بہت پیچیدہ ہیں، اس لیے مجھے کچھ بھی بتانے میں دقت ہو رہی ہے۔ شاید میرے ابو اس کا ہاتھ دیکھتے تو اس کے مستقبل کے بارے میں صحیح رہنمائی کر سکتے تھے۔''

''تم تو ہم سے پیچھا چھڑا رہی ہو، اب ایسی بھی کیا لکیریں الجھی ہوئی ہیں کہ تم کچھ بتا ہی نہ سکو۔'' نمرہ نے زور دے کر کہا، پھر عبیر اور تنوی بھی اصرار کرنے لگیں۔ تب ثمامہ نے گہری سانس بھر کر تنوی کو دیکھا اور تسلی آمیز لہجے میں بولی۔

''دیکھو تنوی! میرے باتوں سے پریشان مت ہونا، میں نے کہا نا تمہارے ہاتھوں کی لکیریں الجھی ہوئی ہیں، ممکن ہے میرے اندازے غلط ہوں، لیکن جتنا میں تمہاری لکیروں کو پڑھ سکی ہوں ان کے مطابق تم کسی پریشانی کا شکار ہونے والی ہو، یہ پریشانی کس نوعیت کی ہوگی، اس بارے میں، میں کچھ نہیں بتا سکتی، لیکن یہ طے ہے کسی نہ کسی مسئلہ کا سامنا تمہیں کرنا پڑے گا، جس کے بڑے پریشان کن نتائج بھی سامنے آ سکتے ہیں۔ ممکن ہے تمہاری پڑھائی کا سلسلہ بھی رُک جائے۔''

''حد ہو گئی ثمامہ! تم تو تنوی کو پریشان کر رہی ہو۔'' نمرہ نے کہا تھا۔

''نہیں...... میں پریشان نہیں خبردار کر رہی ہوں۔'' ثمامہ نے کہا۔ ''میں اسی لیے نہیں بتا رہی تھی کہ یہ پریشان ہو جائے گی، حالانکہ میں کہہ چکی ہوں میرا اندازہ غلط بھی ہو سکتا ہے۔ خیر تنوی! تم پریشان مت ہو، بس نماز باقاعدگی سے پڑھو اور اس مشکل گھڑی کے ٹل جانے کی دعا کرو جو تمہاری زندگی میں آنے والی ہے۔ خدا سب ٹھیک کر دے گا۔'' وہ اس کا کندھا تھپتھپاتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

''ثمامہ! ایک سوال کا جواب دو۔'' معاً عبیر کو کچھ خیال آیا تھا۔

''کیا تنوی کو اس کا رائٹ مین مل چکا ہے؟''

ثمامہ نے پل بھر کو سوچا، پھر بولی۔ "نہیں۔" اور اپنے راستے چل دی۔

وہ تینوں دیر تک اپنی سوچوں میں الجھی رہیں، پھر تنوی نے ہی اس خاموشی کو توڑا۔

"ثمامہ کیا کہہ رہی تھی؟ کیا سچ مچ میری زندگی میں کوئی آنے والا ہے۔" اس کا انداز سراسر خود کلامی کا سا تھا۔

"جھوٹ بول رہی تھی ثمامہ! اس کی باتوں کو اتنا مت سوچو۔" عبیر نے قطعیت سے کہا تھا۔

"اس کے جھوٹ کا اندازہ اس کی آخری بات سے ہی لگالو، جبکہ تمہاری منگنی بچپن میں ہی ہو گئی تھی، اصل معاملہ کچھ یوں ہے کہ ثمامہ ارد گرد سے اکٹھی کی ہوئی معلومات فراہم کرتی ہے، لیکن چونکہ تمہاری منگنی کے بارے کالج میں کوئی نہیں جانتا، اس لیے اس نے کہہ دیا نہیں۔"

"تم اپنے سوال پر بھی تو غور کرو۔ تم نے رائٹ مین کا پوچھا تھا، منگنی کا نہیں۔ نمرہ نے اختلاف کیا۔

"بات تو ایک ہی ہے۔" عبیر بولی۔

"پھر بھی یار! ثمامہ نے کچھ کہا ہے تو سچ ہی کہا ہوگا، یونہی تو وہ کالج میں اتنی مشہور نہیں ہے۔" نمرہ نے پھر کہا تھا۔

"ایسی شہرت تو میں بھی تمہیں حاصل کر کے دکھا سکتی ہوں۔" عبیر بولی۔

"میں سب سے کہوں گی، میں بھی پامسٹری جانتی ہوں اور جس جس لڑکی کا ہاتھ دیکھوں گی، اسے پسند کی شادی ہونے کی خوش خبری سنا دوں گی۔ دنیا میں دولت شہرت کی پرسنٹیج خوب بڑھا چڑھا کر بتا دوں گی اور سب سے اہم بات کہ ان کا شریک حیات ان سے بہت محبت کرے گا۔ بس لڑکیاں اسی میں خوش ہو جاتی ہیں، تم دیکھنا کل تک میری دھوم بھی کالج کے ہر کونے میں ہوگی۔"

"شاید تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔" تنوی نے کہا۔

"میں یقیناً ٹھیک کہہ رہی ہوں۔" عبیر نے تحمل سے کہا۔

"تم اس کو باتوں پر زیادہ دھیان مت دو، کچھ لوگوں کی عادت ہوتی ہے بلاوجہ دوسروں کو پریشان کر کے خوش ہوتے ہیں، مجھے ثمامہ ایسی ہی لگی ہے۔"

وہ تنوی کو پریشانی کے حصار سے نکالنا چاہتی تھی، سو کامیاب رہی۔

☆☆☆

آنگن میں ہاڑ کی تیز چمکیلی دھوپ پگھلے ہوئے سونے کی طرح پھیلی ہوئی تھی۔ یہ دوپہر سے کچھ پہلے کا وقت تھا اور آسمان گہرا نیلا اور چمکدار دکھائی دیتا تھا۔ دیواروں پر کہیں کہیں بھوری چڑیاں پھدک رہی تھیں اور ایک بھدا سا کوا سکھ چین کی آخری پھننگ پر بیٹھا اپنی عیار آنکھوں سے سوکھنے کے لیے پھیلائی ہوئی کیریوں کو تاک رہا تھا۔

زہرہ نے چاٹی میں لسی بنانے کے لیے وہی ڈالا ہی تھا کہ اس کی نظر پڑ گئی۔

"وسائی! جلدی سے اٹھ اور ان امبیوں پہ ململ کا دوپٹہ ڈال کر کناروں پر پتھر رکھ دے۔ اس منحوس کوے نے ذرا سی بھی چونچ ماردی تو

اچار بننے سے پہلے ہی خراب ہو جائے گا۔"

وسائی پیر کے انگوٹھے میں درانتی پھنسائے مشاقی سے ساگ کاٹ رہی تھی، بی بی کی ایک آواز پر سرعت سے اٹھی اور جھٹ پٹ حکم بجالائی۔

"بی بی! اگر کوا چونچ مار دیتا تو کیا ہونا تھا؟" واپس آ کر اس نے پوچھا۔

"یہ بڑی نحوست کی بات ہوتی ہے۔ میری ماں کی ماں بتایا کرتی تھی۔" دین محمد کی ماں برآمدے میں بچھے تخت پر چرخہ رکھے سوت کات رہی تھی، یہ جواب اس نے دیا تھا۔

"کوا بڑا لعنتی پرندہ ہوتا ہے، کمبخت نے بھائی بھائی کو لڑوا دیا۔ اس سے بری بات کیا ہوگی اور زیادہ دور کیوں جائیں میری آنکھوں دیکھی بات ہے۔ میری چچیری بہن نے ہانڈی بناتے ہوئے ادرک دیوار پر رکھ دیا تھا ایک کوا اسے اچک کر لے گیا تو میری بہن نے ادرک کا دوسرا ٹکڑا ہانڈی میں ڈال دیا۔ چاچی کو اس نے پتا نہ لگنے دیا اور جو خبر ہو جاتی بزرگوں کو تو انہوں نے تو ہانڈی نہ پکنے دینی تھی اس دن خیر ہانڈی تو پک گئی لیکن جو جو سالن کھاتا جائے وہ وہ چکر کھا کے گرتا جائے۔ میرا چاچا دوڑا حکیم کو بلانے، تب دادی بولی بات کچھ اور ہے، بڑی عقل والی عورت تھی میری دادی۔ سات گاؤں کی عورتیں آتی تھیں اس کے پاس مشورہ لینے تو جب دادی نے کہا بات کچھ اور ہے تو میری چچیری بہن لگی رونے اور بتانے لگی کہ آج ادرک کا ٹکڑا کوا لے اڑا تھا۔ بس یہ پتا لگنے کی دیر تھی دادی...... نے اللہ بخشے...... چاچے کو روک دیا اور بولی کسی حکیم نے کچھ نہیں کرنا......اب کوے کی نحوست پڑ گئی ہے اس گھر پر...... سارے جی (افرادِ خانہ) مل کر اللہ اللہ کرو۔ نحوست ٹلتے ہی ساروں نے بھلے چنگے ہو جانا ہے اور وہی بات ہوئی ادھر ہم نے یاسین کی دس سورتیں پوری کیں، ساتھ میں چاروں قل پڑھے تو سب اٹھ کر بیٹھ گئے۔ بس اسی دن سے یہ بات ہمارے پنڈ میں مشہور ہو گئی کہ جس چیز کو کاگ (کوا) منہ مار دے اسے استعمال ہی نہ کرو...... تھوڑے دن بھول جاؤ۔"

دین محمد کی ماں تفصیل سے بتا رہی تھی۔ زہرہ کا تو دھیان ہی نہ تھا، یوں بھی ایسی باتیں وہ اپنے بچپن سے سنتی آ رہی تھی۔ اس گاؤں میں چھوٹی چھوٹی باتوں اور چیزوں سے اچھے اور برے شگن لیے جاتے تھے۔ توہم پرستی کا یہاں خوب چرچا تھا۔ وسائی سندھ کے کسی بے حد چھوٹے گوٹھ سے آئی تھی، وہاں تو ہم پرستی اور ضعیف الاعتقادی کا معیار کچھ اور تھا تبھی دلچسپی سے سن رہی تھی۔

"ساگ کٹ گیا وسائی؟" دین محمد کی ماں کی بات ختم ہوتے ہی زہرہ نے پوچھا۔

"کٹ چکا ہے تو اسے اُبلنے کے لیے رکھ دے پھر آ کر یہ چاٹی بھی لے جانا۔ میں نے دہی ڈال دیا ہے۔ اسے گھڑونچی پر رکھ کر ریڑکنا (پھینٹنا) شروع کر اور سن، شروع میں پانی نہ ڈال دینا۔ ورنہ ساری لسی کا ناس ہو جاتا ہے۔"

وسائی چیزیں سمیٹ کر رسوئی میں چلی گئی، دین محمد کی ماں نے تیکھی نظروں سے بہو کو دیکھا، جس نے اس کے اتنے دلچسپ قصوں کی راہ میں حائل ہو کر اسے ناراض کر دیا تھا لیکن زہرہ کے چہرے پر کسی سوچ کا عکس اتنا گہرا تھا کہ وہ چونک سی گئی۔

"کیا بات ہے، بہو! میں دیکھ رہی ہوں کام میں تیرا دھیان نہیں ہے؟ زہرہ پھیکی سی ہنسی ہنس دی۔

"کچھ نہیں اماں! بس یونہی...... اس نے از سر نو سامنے رکھی سلائی مشین میں دھاگہ ڈالتے ہوئے کہا۔

"نہ" نہ کوئی بات تو ضرور ہے۔ میں کب سے دیکھ رہی ہوں اچھی بھلی مشین چلاتے کچھ سوچتے بیٹھ جاتی ہے۔

"میں کیا اندھی ہوں مجھے نظر نہیں آتا؟" ساس ضعیف بھی تھی، نازک مزاج بھی۔

"بس ایسے ہی اماں! جنت کے بارے میں سوچ رہی تھی۔" زہرہ نے بالآخر اصل بات بتادی۔

"جنت کو کیا ہوا؟ ابھی تو یہاں کھیل رہی تھی۔"

"میں سوچ رہی تھی اماں! چھوٹے بچے تو چوٹیں لگواتے ہی رہتے ہیں۔ یہ فاروق پہ اتنا غصہ نہ کرتے تو بات نہ بڑھتی خواہ مخواہ بہن بھائی کے درمیان فاصلہ آ گیا۔" اس نے زنجیدگی سے کہا تھا۔

"ہاں۔" دین محمد کی ماں نے افسردگی سے گہری سانس بھری۔

"میری بیٹی کو سسرال میں جانے کیا کچھ سننا پڑا ہوگا۔ اس کے تو شوہر کا ہاتھ بھی عقل کی طرف سے ذرا تنگ ہے، کیا تھا جو بات کو وہیں ختم کر دیتا"۔ "معاف کرنا اماں! بھاء جی کی تو کوئی غلطی ہی نہیں تھی۔ وہ تو بات ختم ہی کر رہے تھے۔ لیکن "انہوں" نے کسی کی سنی ہی نہیں فاروق کو اتنا مارا۔ پھر بھاء جی سے زبان چلائی اور تو اور زبیدہ باجی کو بھی برا بھلا کہا، مجھے لگتا ہے ان کی ناراضی جائز ہے۔ اگر آپ کے بیٹے نے ٹھنڈے دماغ سے کام لیا ہوتا تو بات اتنی بڑھتی ہی نہیں۔"

زہرہ ڈرتے ڈرتے اور کن انکھیوں سے ساس کا چہرہ جانچتے ہوئے بول رہی تھی۔ بھلے ہی زہرہ کے ساتھ اس کا رویہ بہت اچھا تھا لیکن بیٹے کے بارے میں دی گئی کوئی بھی رائے اسے خفا کرنے کا سبب بن سکتی تھی۔

"تو ٹھیک کہہ رہی ہے زہرہ! دین محمد ہی اپنے غصے پر قابو کر لیتا تو بات اتنی نہ بگڑتی، بچوں کے جھگڑے میں میری بیٹی چھوٹ رہی ہے میں کس سے اپنا دکھ کہوں؟"

"ماں! آپ ماں ہیں۔ حکم بھی دے سکتی ہیں۔ میں کہہ رہی تھی آپ ان (دین محمد سے) سے بات تو کریں ابھی تو زیادہ دن بھی نہیں گزرے ہم جا کر زبیدہ باجی اور بھاء جی سے معافی مانگ لیتے ہیں، بچوں کے جھگڑے کے پیچھے رشتے تو نہیں توڑے جا سکتے نا"۔

"دین محمد کی ضد میں جانتی ہوں زہرہ! وہ کبھی بھی نہیں مانے گا۔" دین محمد کی ماں نے مایوسی سے کہا۔

"یہ کیا بات ہوئی اماں! آپ بات تو کریں میں نے بھی ان سے کہا تھا۔ لیکن میری بات کی تو کوئی اہمیت ہی نہیں ہے، آپ کی بات تو سن لیں گے۔"

"لے جھلی نہ ہو تو۔" دین محمد کی ماں نے اپنے ماتھے پر ہاتھ مارا۔ "او سُن لے گا، وہ میری بھی مگر کرے گا اپنے دل کی، ویسے بھی جب بات جنت کی ہو تو اسے کچھ نظر نہیں آتا۔ جنت سے مجھے بھی بڑی محبت ہے اکلوتی پوتی ہے میری۔ مگر سچ کہوں گی اولاد کی محبت میں پاگل پن نہیں کرنا چاہیے۔ آج بیٹی کے پیچھے ایک رشتہ چھوڑا ہے کل کو پوری برادری چھوڑ دے گا۔ بیٹی کے باپ کو ایسی باتیں نہیں جچتیں، سیانے کہتے ہیں جس کی بیٹی پیدا ہوا سے وقت سے پہلے سیانا ہو جانا چاہیے۔ دین محمد اسی طرح سب سے ناراضیاں مول لیتا رہا تو کل کو بیٹی کا بر کہاں سے ڈھونڈے گا۔ بیٹی بیاہنی

نہیں ہے کیا؟ ساری حیاتی گھر میں بٹھا کر رکھنی ہے کیا؟“

بیٹے کے مقابل بیٹی تھی۔ تب ہی دین محمد کی ماں اتنا بول رہی تھی، وگرنہ اپنی اولاد کے خلاف وہ ایک لفظ برداشت نہ کرتی تھی۔

”یہی بات...... بالکل یہی بات۔“ زہرہ نے سرعت سے کہا تھا۔

”میں نے بھی آپ کے بیٹے کو سمجھانے کی کوشش کی تھی مگر وہ کچھ بھی سننے کو تیار ہی نہیں...... کہنے لگے میں ایسا لڑکا ڈھونڈوں گا جو اسی گھر میں رہے۔ ہماری جنت کو رخصت ہو کر کہیں اور نہ جانا پڑے گا۔“

”حق ہا...... اب دین محمد، بیٹی کے پیچھے ساری برادری میں ناک کٹوائے گا۔“ ماں نے سر دائیں ہاتھ میں گرا لیا۔ ”آپ سمجھاؤ ناں اماں!“

”لو میری کہاں سنتا ہے...... ہزار مرتبہ سمجھا چکی ہوں لڑکی ذات ہے اتنے چاؤ لاڈ نہ کر کہ کل کو سنبھالے نہ جائیں، مگر دین محمد کی موٹی عقل کچھ نہیں سمجھتا۔“ وہ خود جلی بیٹھی تھی، آج خوب دل کی بھڑاس نکالی۔

”سن زہرہ! ایک بات آج میری پلے سے باندھ لے باپ کے ذمے اولاد کو کما کر کھلانا ہے، جبکہ تربیت پوری کی پوری ماں کی ذمہ داری، سمجھ رہی ہے نا میری بات، باپ اولاد کو کھلائے پلائے، ناز نخرے اٹھائے، اچھی بری سب مانے لیکن جوں ہی تربیت میں کوئی جھول دکھائی دے، دنیا ماں کو کوستی ہے تو بھی سمجھ لے تجھے بھی پیار محبت کے ساتھ ساتھ جنت کی ایسی تربیت کرنی ہے کہ دنیا کو انگلی اٹھانے کا موقع نہ ملے۔ الٹا جو دیکھے وہ تعریف کرے کہ اکلوتی بیٹی کو ماں کی تربیت نے ہیرا بنا دیا ہے۔ سمجھ لے ہر اچھی بری تو نے ہی اسے سکھانی ہے کبھی یہ نہ سوچنا جو بھول چوک تجھ سے رہ گئی اسے دین محمد سنبھال لے گا۔ مرد کبھی نہیں سمجھتا کہ میرے لاڈ پیار نے اولاد کو بگاڑ دیا۔ الزام ہمیشہ عورت کے سر آتا ہے، کوسا اسے جاتا ہے...... تو بھی سمجھ لے اس معاملے میں کسی نے تیرا ساتھ نہیں دینا۔ یہ کام تجھے اکیلے ہی کرنا پڑے گا۔ یہ سو آنے کی بات تھی جو میں نے تجھے مفت میں بتا دی ہے۔ کبھی یاد کرے گی کہ ساس نے گُر کی بات بتائی تھی۔“

دین محمد کی ماں نے سچ مچ گُر کی بات بتا دی تھی۔

”اماں نے بالکل صحیح کہا ہے۔ میں جنت کو ہر اچھی بات سمجھاؤں گی۔ جہاں اس کے باپ کی محبت اسے بگاڑنے کا سبب بنے گی...... وہاں میں اسے سنبھال لوں گی سنوار لوں گی، ماں اور ہوتی کس لیے ہے۔“

اس نے مسکراتے ہوئے اپنی پُرنم آنکھوں کے ساتھ آنگن کی طرف دیکھا، جہاں ہاڑ کی تیز چمکیلی دھوپ پگھلے ہوئے سونے کی طرح پھیلی ہوئی تھی۔ اسی وقت سکھ چین کی شاخ پر بیٹھے کوے نے پر پھیلا کر کیریوں کی طرف اڑان بھری تھی۔ زہرہ نے وہیں بیٹھے اسٹیل کی کٹوری اسے کھینچ ماری، کٹوری دیوار سے ٹکرا کر زمین پر گری اور گول گول گھومتی ساکت ہو گئی۔ کوا بدحواس ہو کر اپنی بھدی آواز میں چیختا اور بھاری پر پھڑ پھڑاتا آسمان پر غائب ہو گیا۔

”لو اماں نحوست تو دور کر دی ہے میں نے۔“ زہرہ نے کھلکھلاتے لہجے میں کہا اور مندی مندی آنکھوں سے آسمان کی طرف دیکھنے لگی۔

☆☆☆

''ماوی! میں نے فرائیڈے والے توقیر اور اس کی فیملی کو ڈنر پر انوائٹ کرلیا ہے۔''

ثمینہ نے ریموٹ کنٹرول اٹھا کر ٹی وی کا والیوم کم کرتے ہوئے کہا۔ ماوی کچن میں تھی اور اس نے اونچی آواز میں کوئی میوزک چینل لگا رکھا تھا۔

''آپ کی توقیر انکل سے بات ہوئی ہے؟'' ماوی نے کچن سے پوچھا۔

''نہیں توقیر سے بات نہیں ہوئی۔ منیزہ سے ہوئی ہے، وہ تو اپنے یہاں آنے پر اصرار کر رہی تھی۔ توقیر نے اپنی جس کزن کا ذکر کیا تھا وہی جو تمہارے تھیسز میں مدد کر سکتی ہے۔ منیزہ اسی کے بارے میں بتا رہی تھی کہ وہ جمعرات کو لاہور آ رہی ہے۔ اس لیے وہ ہمیں لنچ پر انوائیٹ کر رہی تھی کہ اس طرح تمہاری اس سے ملاقات بھی ہو جائے گی۔ میں نے کہا منیزہ، بہت کھالیا ہم نے تمہارا، اب کچھ کرنے کا موقع ہمیں بھی دو۔''

''آپ نے انہیں تاکید کی کہ ان خاتون کو بھی ساتھ ضرور لے کر آئیں؟''

''ہاں بھئی کر دی تھی میں نے تاکید۔''

''چلیں یہ بھی اچھا ہی ہوا توقیر انکل کی فیملی کو ہم نے انوائیٹ تو کرنا ہی تھا اب بہانا بھی بن گیا لیکن ممی۔!'' اسے یکدم خیال آیا۔

''ابھی تو آپ کی طبیعت بھی مکمل طور پر ٹھیک نہیں ہوئی اور مجھے بھی آج لازمی لائبریری جانا ہے۔ ڈنر کے سلسلے میں آپ کو کوئی ہیلپ نہیں کر سکوں گی۔''

''اوہو بھئی، میں نے ان لوگوں کو آج نہیں فرائیڈے کو انوائٹ کیا ہے۔'' ثمینہ نے جھنجلا کر تصیح کروائی۔

''اچھا میں سمجھی، آج کا کہا ہے۔'' اس نے سرسری انداز میں کہا۔

''تم ضرور جاؤ لائبریری، ملو توقیر کی کزن سے بھی، جتنی جلدی ممکن ہو اپنا تھیسز کا میٹریل اکٹھا کرو تو ہم واپس چلیں میرا تو سچ بات یہاں دل ہی نہیں لگ رہا۔''

''ممی! ہمیں یہاں آئے محض دس دن گزرے ہیں اور آپ نے واپس جانے کی باتیں بھی شروع کر دیں، کچھ بندوبست کریں اپنے دل کا'' اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

''لو یہ بھی خوب کہی تم نے۔ ذرا خود سوچو دل لگے بھی تو کیسے؟ سارا دن تو ان در و دیوار کو دیکھتے گزر جاتا ہے۔ کوئی مانوس شکل بھی دکھائی نہیں دیتی۔'' وہ بہت ہی بے زار ہو چکی تھیں۔

''آپ بھی کمال ہیں ممی!'' اس نے کچن کے دروازے تک آتے ہوئے کہا، اس نے ایک ہاتھ میں کچن گلو (دستانہ) پہن رکھا تھا دوسرے ہاتھ میں چمچا تھا۔

''پچھلے چودہ سال میں شاید ہی کوئی دن ایسا گزرا ہو، جب میں نے آپ سے ''پاکستان کی تو بات ہی کچھ اور ہے۔'' ''اپنا وطن اپنا ہوتا ہے'' اور ''وہاں تو اجنبی بھی اپنے محسوس ہوتے ہیں'' جیسے جملے نہ سنے ہوں اور اب آپ کوئی مانوس شکل دکھائی نہ دینے کا گلہ کر رہی ہیں۔''

''چودہ سال پہلے کا دور کچھ اور تھا ماوی!'' ثمینہ نے گہری سانس بھرتے ہوئے کہا۔ ''یا شاید میری غلطی ہے کہ میں چودہ سال پہلے کے اس

دور میں جی رہی ہوں ...... وہ دن بھی بڑے اچھے تھے۔ انسانوں میں اپنائیت، خلوص، محبت ہوتی تھی لیکن اب یہ کتابی باتیں ہیں۔ تمہیں شاید یقین نہ آئے ہمارے محلے میں یعنی جہاں میرا بچپن گزرا وہاں کسی ایک گھر میں مہمان آتا تھا تو وہ پورے گاؤں کا مہمان شمار ہوتا تھا، ہر شخص کی یہ کوشش ہوتی تھی کہ مہمان کم سے کم ایک وقت کا کھانا اس کے گھر ضرور کھائے۔ لیکن یہاں وقت بدل چکا ہے اپنائیت، خلوص کی جگہ بےزاری اور اکتاہٹ نے لے لی ہے۔ اب یہی دیکھ لو ہمیں کتنے دن ہو گئے یہاں آئے لیکن ساتھ والے بنگلے میں کون رہتا ہے، ابھی تک پتا نہیں چل سکا۔ شاید لاشعوری طور پر میں سمجھ رہی تھی کہ ہمارا یہاں ویسا ہی استقبال ہوگا، جیسا مہمان کا استقبال ہمارے گاؤں میں ہوتا تھا۔"

ماوی ان کی بات سن کر ایسے مسکرائی جیسے کسی بچے کی سادگی بھری باتوں پر مسکرایا جاتا ہے، پھر اسے کچھ خیال آیا تو کن اکھیوں سے انہیں دیکھتے ہوئے بولی۔

"آپ کی بوریت دور کرنے کے لیے میرے پاس ایک آئیڈیا ہے ممی!"

"اچھا وہ کیا؟" ثمینہ نے دلچسپی سے اسے دیکھا۔

"میں سوچ رہی تھی ہم پاکستان تو آئے ہی ہیں تو کیوں نہ ایک بار بابا جان کے رشتہ داروں سے بھی مل لیں۔ میر مطلب ہے ان کے بہن بھائی آپ کے پاس ایڈریس تو ہوگا نا!" اس نے بظاہر سرسری انداز میں کہا تھا۔

ثمینہ نے چونک کر دروازے کی طرف دیکھا۔

"مجھے لگتا ہے میں نے ہاکر کی سائیکل کی آواز سنی ہے۔ دیکھوں ذرا اگر وہی ہے تو اس سے کہتی ہوں ہمیں بھی نیوز پیپر اور کچھ میگزین دے جایا کرے۔ کچھ تو بوریت بھگانے کا سامان ہو۔"

ثمینہ نے اس کی بات ان سنی کر کے باہر کی طرف قدم بڑھا دیے۔ ماوی گہری سانس بھر کر رہ گئی کیونکہ وہ جانتی تھی ممی نے اس کی بات جان بوجھ کر نظر انداز کی ہے۔ ہمیشہ ایسا ہی ہوتا تھا۔ اول تو کبھی اس موضوع پر بات ہی نہیں ہوئی اور کبھی اتفاقاً ہی سہی بابا جان کے رشتہ داروں کا ذکر آتا تو ممی بات بدل دیتیں۔ انہوں نے کبھی ماوی کو ٹوکا نہیں تھا، نہ ہی کبھی واضح الفاظ میں ان لوگوں سے لاتعلقی یا بےزاری جتائی تھی۔ ان کا گریز ہی سب کچھ سمجھا دینے کے لیے کافی ہوتا تھا۔

دلچسپ بات یہ کہ اس معاملے میں اتنا تجسس ہونے کے باوجود ماوی کے دل میں کبھی کسی سوال نے جنم نہیں لیا۔ شاید وہ اس سارے معاملے کو جیسا ہے، ویسا کی بنیاد پر قبول کر چکی تھی۔

"چلیں جی، کوئی اور حق ہمسائیگی ادا کرے یا نہ کرے ہم ضرور کریں گے۔"

اپنی تازہ بیک کی ہوئی براؤنیز کو دیکھتے ہوئے اس نے سوچا۔ پھر گلوا تار کر ایک طرف رکھ دیا اور پلیٹ میں براؤنیز نکال کر کچن میں کھلنے والے دروازے سے ہوتی ہوئی اینیا کے پورشن کی طرف چل دی۔

☆☆☆

دانیال حسن اور ثروت آگے پیچھے چلتے باہر آئے تھے۔ دانیال حسن نے چوکیدار کو گیٹ کھولنے کا اشارہ کرتے ہوئے گاڑی کے دروازے کو چابی لگائی پھر کچھ خیال آنے پر گھوم کر ثروت کی طرف آئے اور اپنے ہاتھوں سے ان کے لیے سیٹ کا دروازہ کھول دیا۔

ثروت جتنا بھی حیران ہو لیتی کم تھا۔

کسی دور میں اس معمولی سی کرٹسی کو بھی "محبوبانہ چونچلے" قرار دینے والے شخص کو آج کیا ہوا؟

شاید بچوں کی طرف سے صبح سویرے ملنے والے اس غیر متوقع سرپرائز کا نتیجہ، ثروت کے لبوں پر خفیف سی مسکراہٹ کا عکس لہرا گیا، تبھی ان کی نظر ثمینہ پر پڑ گئی لکڑی کے اس چھوٹے سے پھاٹک کے قریب کھڑی، جو باہر کے رخ پر بنا ہوا تھا۔ ثروت کی مسکراہٹ اڑنچھو ہو گئی۔ ان کا دل شدت سے چاہا ثمینہ کو نظرانداز کر دیں لیکن بعض اوقات بہت زیادہ بااخلاق ہونا بھی انسان کو مشکل میں ڈال دیتا ہے۔

اس لیے ثمینہ کو نظرانداز کرنے کی غیر اخلاقی حرکت کی اجازت ان کا ضمیر نہیں دے رہا تھا، دوسرے ثمینہ بھی انہیں دیکھ چکی تھیں، تیسرے دانیال حسن نے ان کی نظروں کا تعاقب کرتے ہوئے ثمینہ کو دیکھ لیا تھا۔

توقیر صاحب کے قرابت داروں کی حیثیت سے جو مقام ان لوگوں کا دانیال حسن کے نزدیک تھا، اس کے پیش نظر وہ ثمینہ کو نظرانداز کرنے کا رسک نہیں لے سکتی تھیں، تبھی معذرت خواہانہ نظروں سے انہیں دیکھ کر بولیں۔

"آپ پلیز گاڑی باہر نکالیں۔ میں ابھی آتی ہوں۔"

حسب توقع دانیال حسن نے فوراً اثبات میں سر ہلا دیا، ثروت تیز تیز قدم اٹھاتیں ثمینہ کی طرف آ گئیں۔

"السلام علیکم مسز دانیال! کیسی ہیں آپ۔" ثمینہ ہاکر کو فارغ کر کے ان کی طرف آ گئیں۔

"میں الحمدللہ ٹھیک ہوں۔ آپ کی طبیعت اب کیسی ہے؟ دوبارہ ڈاکٹر کے پاس جانے کی ضرورت تو نہیں پڑی؟"

ثروت نے پوچھا۔

"نہیں ڈاکٹر کی ضرورت تو نہیں پڑی، کیونکہ طبیعت اب پہلے سے کافی بہتر ہے۔ ویسے بھی مجھے لگ رہا ہے میڈیسن سے زیادہ منرل واٹر سے افاقہ ہوا ہے۔ دراصل بنیاد تو ہماری یہاں ہی ہے۔ بھی غیر صحت مندانہ پانی پی کر بڑے ہوئے ہیں لیکن اتنے عرصہ اپنے ملک سے دور رہنے کی وجہ سے عادت نہیں رہی ورنہ اور تو کوئی بات نہیں"

ثمینہ نے خوشگواریت سے کہا۔

ثروت مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلانے لگیں، ان کے پاس کوئی بات بھی تو نہیں تھی کرنے کو پھر کچھ خیال آنے پر کہنے لگیں۔

"مجھے اندازہ ہے آپ کو یہاں سیٹلمنٹ میں کتنی دقت ہو رہی ہو گی۔ دیکھیے آپ کو کسی بھی معاملے میں میری مدد چاہیے ہو تو ضرور بتایئے گا۔"

"آپ تو پہلے ہی مجھے ڈاکٹر کے پاس لے جا کر ہمیں اپنا احسان مند کر چکی ہیں۔" ثمینہ نے مسکرا کر ثروت کو دیکھا۔ وہ جھینپ سی گئیں۔

"اب آپ مجھے شرمندہ کر رہی ہیں، شازیہ بتا رہی تھی آپ کو ملازمہ کی ضرورت ہے؟" ثروت نے موضوع بدل۔

''ضرورت تو بہت ہے اور میں نے شازیہ سے کہا بھی تھا، وہ اپنی کسی بہن یا کزن کو ہمارے یہاں لگوا دے۔ میں اسے خاصا معاوضہ دینے کے لیے تیار ہوں۔''

''آج کل با اعتماد ملازمہ کا ملنا بھی کسی نعمت سے کم نہیں۔'' ثروت نے کہا۔ ''بہر حال جب تک آپ کے لیے الگ ملازمہ کا انتظام نہیں ہو جاتا۔ آپ کو جو بھی کام ہوں بلا تکلف شازیہ سے کروالیں۔ میں اسے تاکید کردوں گی۔''

ثمینہ نے بے حد مشکور ہو کر انہیں دیکھا۔ اسی وقت ثروت نے دوسری بار گردن موڑ کر مین گیٹ کی طرف دیکھا تھا، وہ جلد از جلد یہاں سے ہٹ جانا چاہتی تھیں۔

ثمینہ کی نظروں میں الجھن سمٹ آئی۔

''آپ شاید کہیں جا رہی تھیں؟''

ثروت گڑبڑا سی گئیں پھر تیزی سے بولیں۔

''جی ہاں...... دراصل میرے ہزبینڈ باہر انتظار کر رہے ہیں، ہمیں ذرا جلدی کہیں پہنچنا ہے، مجھے امید ہے آپ برا نہیں مانیں گی۔''

''ارے بالکل نہیں۔'' ثمینہ نے جلدی سے کہا۔

''ان شاء اللہ آپ سے پھر ملاقات ہوگی۔'' ثروت تیز تیز قدم اٹھاتیں گیٹ کی طرف چلی گئیں۔ ثمینہ کی الجھن سوا چند ہوگئی۔

''یہ جس طرح بولتی ہے، اس طرح کون بولتا ہے؟'' ثمینہ کی نظروں نے گیٹ عبور کر جانے تک ثروت کا تعاقب کیا تھا مگر سراغ پھر بھی کوئی نہ مل سکا۔

ثروت کے بیٹھتے ہی دانیال حسن نے گاڑی اسٹارٹ کر لی۔

''ہوگئی ملاقات؟''

دانیال حسن نے گفتگو کا آغاز کیا۔

''جی ہوگئی۔'' ثروت نے جواب دیا۔ ''ان کی طبیعت خراب تھی، میں ہی ڈاکٹر سلطان کے کلینک لے گئی تھی۔ دوبارہ ٹائم نہیں ملا کہ جا کر خیریت معلوم کرلوں، ابھی نظر آئیں تو سوچا یہ کام بھی نمٹا لوں۔''

''بہت اچھا کیا۔ ممکن ہو تو دوبارہ بھی چکر لگا لینا۔ توقیر نے اتنی تاکید کی ہوئی ہے میں نہیں چاہتا اسے مایوسی ہو۔'' گاڑی مین روڈ پر آ چکی تھی ثروت محض اثبات میں سر ہلا کر باہر دیکھنے لگیں۔

خاموشی جب زیادہ طویل ہوگئی تو دانیال حسن نے ذرا کی ذرا گردن موڑ کر انہیں دیکھا، یہ عورت...... کہنے کو ان کی شریک حیات تھی لیکن اتنے فاصلے تھے دونوں کے درمیان کہ دل کی بات لبوں تک لاتے جھجک آڑے آتی تھی۔

''اٹھارہ سال۔'' بالآخر دانیال حسن نے لب کھولے۔

''پتا ہی نہیں چلا کب اور کیسے گزر گئے، ابھی کل کی ہی بات لگتی ہے، جب ہماری شادی ہوئی تھی۔'' ہلکی سی مسکراہٹ لبوں پر سجائے وہ جیسے ماضی میں جھانک رہے تھے۔

''میں کبھی اس دن کو نہیں بھولی، مجھے ہمیشہ یاد رہی ہے آج کی تاریخ۔'' ثروت نے سادگی سے کہا تھا۔

''لیکن تمہیں پتا ہے میری یادداشت تاریخوں کے معاملے میں ہمیشہ کمزور رہی ہے۔'' دانیال حسن نے ہنستے ہوئے کہا۔

''لیکن مجھے اتنا یاد ہے، میں تم سے ملنے تمہارے کالج آیا کرتا تھا اور روز کئی کئی گھنٹے انتظار کیا کرتا تھا تمہیں یاد ہے؟'' دانیال حسن کو جانے کیا کیا یاد آ رہا تھا۔

''مجھے پتا ہے تاریخوں کے معاملے میں آپ کی یادداشت ہمیشہ کمزور رہی ہے لیکن آپ کو نہیں پتا میں کبھی کچھ نہیں بھولتی، میں ہمیشہ سب کچھ یاد رکھتی ہوں، خواہ وہ کئی سال پہلے کی ہی کوئی بات کیوں نہ ہو۔'' ثروت نے سابقہ لہجے میں کہا تھا۔

''طعنے دینے کے لیے آج کی تاریخ کچھ غیر مناسب نہیں ہے؟'' دانیال حسن نے بنا برا مانے پوچھا ''میرا خیال ہے یہ کام پھر کسی روز کے لیے اٹھا رکھیں، میں سوچ رہا تھا آج کی تاریخ اتنی اہم ہے پھر اتنے عرصے کے بعد ہم دونوں اکیلے کہیں جا رہے ہیں تو کچھ پرانی یادوں کو تازہ کیا جائے گا۔ کچھ پیار محبت کی باتیں ہوں گی۔'' اس آخری بات پر ثروت کو اتنے زور کی ہنسی آئی کہ اپنی عادت کے برخلاف وہ ہنسی چھپا بھی نہیں سکیں۔

''پیار محبت کی باتیں؟ ایسی باتوں کی اب عمر نہیں رہ گئی دانیال صاحب!''

''عمر کو کیا ہوا ہے؟'' دانیال حسن نے بدک کر کہا۔ ''اوّل تو پیار محبت کے سلسلے میں عمر کی کوئی قید نہیں ہوتی، دوئم میں تو خود کو ابھی بالکل ینگ فیل کرتا ہوں اور پیار محبت کی باتیں زیادہ تر ینگ ایج میں ہی کی جاتی ہیں۔''

ثروت کی ہنسی تھمنے میں ہی نہیں آ رہی تھی۔

''تم اپنی عمر کے بارے میں اتنی کونشس نہ ہو، کبھی میری نظر سے خود کو دیکھو تو پتا چلے تم آج بھی اتنی ہی خوب صورت ہو، جتنی اٹھارہ سال کی عمر میں تھیں اور اسپیشلی تمہاری یہ ہنسی...... تمہیں پتا نہیں، تمہیں اس طرح بے ساختہ ہنستے دیکھ کر میں تم پر عاشق ہوا تھا۔''

''بس کیجیے دانیال! آپ نے تو مبالغہ آرائی کی حد ہی کر دی۔'' ثروت نے ہنستے ہوئے کہا تھا۔

''کس معاملے میں؟ عمر کے معاملے میں یا ہنسی کے معاملے میں؟'' دانیال حسن نے متبسم لہجے میں پوچھا۔ ''دونوں معاملات میں۔'' ثروت بھی کھلکھلائیں۔

''نہیں، خیر ہنسی والی بات تو سو فیصد درست ہے۔'' دانیال حسن نے گردن موڑ کر بڑی چاہ سے ان کے چہرے کو دیکھا، جہاں سچی خوشیوں کے رنگ بکھرے تھے۔

''تمہیں شاید خود بھی اندازہ نہیں تم کتنے عرصے کے بعد اتنا بے ساختہ ہنسی ہو، مجھے خود بھی تمہیں ہنستا دیکھ کر پرانے دن یاد آ گئے ہیں۔ تمہاری ہنسی آج بھی اٹھارہ سال والی ثروت کی ہنسی جیسی ہی ہے وہی کھنک وہی ترنم۔''

ثروت چونک کر دانیال حسن کو دیکھنے لگیں۔ "واہ صاحب! لگتے کتنے لاتعلق ہیں مگر کیا کچھ غور کیے رہتے ہیں۔" انہیں بڑی خوشگواریت محسوس ہوئی۔

"غلطی میری نہیں ہے۔ آپ کی ہے دانیال!" ثروت نے اسی خوشگواریت کے زیر اثر کہا۔ "اگر آپ ہر روز اتنی ہی مزاحیہ باتیں کریں گے تو میں ہر روز ایسے ہی ہنسوں گی، اب اگر آپ کو ہی اتنے عرصے بعد کچھ یاد آیا تو میرا کیا قصور؟" وہ دونوں ہی ہنس دیے۔

"ویسے اگر آپ کی باتیں درست ہیں تو مجھے اتنا نہیں ہنسنا چاہیے، کہیں آپ کی طرح کوئی اور نہ عاشق ہو جائے" ثروت نے شرارت و تبسم کے ساتھ کہا۔

"نہیں اب کوئی عاشق نہیں ہوگا، کیونکہ تمہارے ساتھ تمہارا لیگل باڈی گارڈ موجود ہے۔ کوئی ہمت کرے گا تو اپنے دانت تڑوائے گا مجھ سے۔" دانیال نے کہا۔

"ویسے کیا خیال ہے جیسے کالج بنک کیا کرتے تھے، آج اپنی ساری اپائنٹمنٹس نہ بنک کریں...... سارا دن گھومیں پھریں گے۔ لنچ بھی باہر کریں گے اور...... اور آف کورس پیار محبت کی باتیں کریں گے۔"

دانیال حسن کو جانے کیا کیا سوجھ رہا تھا، شریر سے انداز میں پوچھنے لگے، ثروت کو پھر زور سے ہنسی آ گئی۔

"لیجیے انو بی بی! ہمارا پلان کامیاب رہا۔"

ثروت اور دانیال حسن کے باہر جاتے ہی ولید نے چہکتے ہوئے ایمنا سے کہا تھا، ولی کے کان کھڑے ہو گئے۔

"کون سا پلان؟" اس نے مشکوک نظروں سے دونوں کو گھورا۔

"تم دونوں کس بارے میں بات کر رہے ہو؟"

"ممی ڈیڈی کو اینورسری وش کرنے کا جو پلان بنایا تھا، اسی بارے میں بات کر رہے ہیں۔" ولید نے محتاط انداز اختیار کرتے ہوئے کہا تھا لیکن ولی کو ذرا بھی یقین نہیں آیا۔

"جھوٹ...... تم لوگ کوڈ ورڈز میں باتیں کر رہے ہو نا...... ! میں سمجھ گیا ہوں۔" ولید سے تو اس کی کبھی نہیں بنی، اینٹ کا جواب ہمیشہ پتھر سے آتا تھا، یہ کیسے ممکن تھا کہ اب اس کی بات پر اعتبار کر لیتا۔

"سبحان اللہ، ماشاءاللہ۔" ولید عش عش کر اٹھا۔

"یار انو! یہ اپنا موٹو کچھ زیادہ ہی ذہین نہیں ہوتا جا رہا، جس بات کو چھپانے کے لیے ہم اتنی محنت کر رہے تھے۔ اسے اس نے ایک منٹ میں بھانپ لیا۔ ولی! تم شکرانے کے نفل ابھی پڑھ لینا۔ موٹے جثے کے ساتھ ساتھ موٹی عقل سے بھی اللہ کسی کسی کو نوازتا ہے۔"

ولی کے سر پر لگی پیروں میں بجھی۔

"دیکھ لو انو! یہ پھر مجھے موٹا کہہ رہا ہے۔"

''موٹے کو موٹا نہ کہوں تو کیا کہوں؟ ببرک شاہ؟'' ولید نے معصومیت سے آنکھیں پٹپٹائیں۔

''الو......!'' ولی نے روہانسا ہو کر اینیا کو دیکھا۔

''کیا بدتمیزی ہے ولید! کیوں تنگ کر رہے ہو اسے۔'' اینیا نے بڑے پن کا رعب جھاڑتے ہوئے اسے ڈپٹا لیکن ولید پر کہاں خاک اثر ہونا تھا۔ سابقہ انداز میں کہنے لگا۔

''میں نے کیا کہا ہے؟ میں تو اس کی تعریف ہی کر رہا ہوں، تمہیں نہیں پتا الو! میں اس کی ذہانت اور موٹاپے سے کتنا امپریس رہتا ہوں۔''

''ولی! تم غصہ مت کرو، میں اس کی شکایت ڈیڈی سے کروں گی۔'' جواب میں ولید نے ایک قہقہہ لگایا۔

دنیا سے ڈرنے والے اے آسماں نہیں ہم

سو بار لے چکا ہے تو امتحاں ہمارا

''اچھا ولی! تم نے وہ نظم سنی ہے؟ ایک تھا الو گول مٹول۔ کھاتا تھا روٹی گول گول۔'' ولید خوب لہک کر گا رہا تھا اور ولی غصے سے جیسے پاگل ہو رہا تھا، آنکھوں سے جیسے چنگاریاں نکل کر ولید کی طرف لپک رہی تھیں، بس نہ چلتا تھا اس کی گردن ہی مروڑ دے۔

اس نے غیر محسوس انداز میں اپنی نشست چھوڑی، ولید بھی جلدی سے اٹھ کھڑا ہوا لیکن زبان پھر بھی نہ رکی۔

''اچھا تم دونوں نے وہ جنگل (Jingle) سنا ہے، اک بلی موٹی تازی سی جو مزے سے ڈنگ ڈونگ کھاتی تھی۔ ایک بلی موٹی تازی سی اک بلی موٹی تازی سی......'' ولی جتنی تیزی سے اسے مارنے کے لیے لپکا، اتنی ہی تیزی سے ولید گاتا ہوا سیڑھیوں کی طرف بھاگ گیا۔

ولی سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔

''میں اس کا کیا کروں...... مجھے بھی کوئی اونگا بونگا نام مل جائے تو میں بھی اسے خوب چڑاؤں۔''

اینیا نے مسکرا کر اسے دیکھا۔ ولید یوں بھی اسے چڑانا نہیں چھوڑتا تھا لیکن ابھی اس نے ولی کا دھیان ہٹانے کے لیے کہا تھا۔

''تم غصہ کرنا چھوڑ دو۔ ولید تمہیں چڑانا چھوڑ دے گا۔'' اس نے نرمی سے کہا تھا لیکن ولی کی خفگی پھر بھی کم نہ ہوئی۔

تب ہی شازیہ کے ساتھ ماوی آ گئی۔

''ہیلو ایوری باڈی...... امید ہے میں نے ڈسٹرب نہیں کیا ہوگا۔''

''کیا فارمل باتیں کر رہی ہو، آؤ ہمارے ساتھ ناشتہ کرو۔'' اینیا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''نہیں تھینکس، ناشتہ میں کر چکی ہوں۔'' اس نے پلیٹ اینیا کی طرف بڑھا دی۔ ''یہ میں تمہارے لیے لائی تھی۔''

''واؤ براؤنیز۔'' ولی کے چہرے کی رونق لوٹ آئی۔ ماوی نے دلچسپی سے اس کیوٹ بچے کو دیکھا۔

''یہ کیوٹ...... موٹو سا بچہ کون ہے؟'' اس نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔ اینیا کی ہنسی چھوٹ گئی اور ولی کا چہرہ پھر سے پھیکا پڑ گیا، اس نے ناراضی سے ماوی کو دیکھا، ہاتھ میں پکڑا ٹکڑا واپس پلیٹ میں رکھا اور پیر پٹختا چلا گیا۔

''اسے کیا ہوا؟'' ماوی نے ناسمجھی سے پوچھا۔

''ولید اسے موٹو، موٹو کہہ کر چڑاتا رہتا ہے۔ ابھی بھی دونوں کا اسی بات پر جھگڑا ہو رہا تھا۔ اب تم نے بھی موٹو کہہ دیا اس کا موڈ تو آف ہونا ہی ہے۔'' اینیا نے ہنستے ہوئے بتایا۔

''اوہ۔'' ماوی کو افسوس ہوا۔ ''بے چارہ اب اس کا موڈ ٹھیک کیسے ہوگا؟''

''یہ براؤنیز جب اس کے پیٹ میں جائیں گی تو موڈ خود بخود ٹھیک ہو جائے گا۔'' اینیا نے لاپروائی سے کہا۔

''تم بیٹھو نا کھڑی کیوں ہو؟''

''تمہارے پیپرز کیسے ہو رہے ہیں؟'' ماوی نے کرسی گھسیٹ کر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

''اچھے ہوئے ہیں پیپرز۔ کل شکر ہے آخری ہے۔''

''اینیا تمہاری ممی ہیں گھر پر؟'' ماوی نے پوچھا۔ ساتھ ہی متلاشی نظروں سے سارے گھر میں نظر ڈالی۔

''نہیں ابھی کہیں باہر گئی ہیں کیوں خیریت؟ ممی سے کوئی کام تھا؟''

''میں ان کا شکریہ ادا کرنے آئی تھی۔''

''اوہ ہاں، ممی نے مجھے ثمینہ آنٹی کے بارے میں بتایا تھا اب کیسی طبیعت ہے ان کی؟'' اینیا نے پوچھا۔

''شکر ہے اب طبیعت ٹھیک ہے۔'' ماوی نے پُرسکون لہجے میں کہا پھر بولی۔ ''میں چلتی ہوں اینیا! جب ثروت آنٹی موجود ہوں گی تب چکر لگاؤں گی۔ انہوں نے ممی کی بہت مدد کی، آئی ایم ویری تھینک فل ٹو ہر۔''

''تم دوبارہ ضرور آنا مگر شکریہ وکریہ جیسی فارمیلٹیز میں مت پڑو۔ اب کوئی ایسی مدد بھی نہیں کر دی ممی نے...... ممی کی جگہ کوئی بھی ہوتا تو وہ بھی یہی کرتا۔''

ماوی نے مسکرا کر اس کی بات سنی پھر بولی۔

''تم ایگزام دے لو پھر تفصیل سے بات کریں گے۔'' تب ہی ولید، اینیا کو پکارتا ہوا اندر داخل ہوا۔ ایک اجنبی چہرہ دیکھ کر ٹھٹکا اور بولا۔

اگ رہا ہے در و دیوار سے سبزہ غالب
ہم بیاباں میں ہیں اور گھر میں بہار آئی

''یہ غالب ہے؟'' ماوی نے اینیا سے پوچھا۔

''ارے نہیں میرا بھائی ہے ولید...... ولی سے بڑا اور مجھ سے چھوٹا ہے۔'' اینیا نے تعارف کرواتے ہوئے بتایا۔

''اتنا بھی چھوٹا نہیں ہوں۔'' ولید نے تڑپ کر تصحیح کروائی۔

''اینیا سے صرف سال بھر چھوٹا ہوں۔ تم سے تو بڑا ہی ہوں گا۔'' بڑی بے تکلفی سے وہ ماوی کے ساتھ کھڑے ہو کر اپنا اور اس کا قد ناپنے

لگا۔ لمبا وہ خاصا تھا کچھ خود کو بڑا ثابت کرنے کے شوق میں پنجوں پر کھڑے ہو کر ایڑیاں بھی اٹھالیں اور گردن بھی اکڑالی۔

"واقعی بڑے تو تم ہو۔" ماوی نے دلچسپی سے اسے دیکھا۔

"میرا خیال ہے میں تمہیں بھیا جی کہا کروں۔" انداز سنجیدہ، آنکھوں میں شرارت۔

"اونہہ۔" ولید کی ایڑیوں نے گرنے کے انداز میں زمین کو چھوا، ساتھ ہی وہ چند قدم دور ہٹ گیا۔

"میں خوب صورت لڑکیوں کا "بھیا" نہیں بنتا...... ویسے بھی...... عارض گل دیکھ، روئے یار یاد آیا اسد۔" اس نے مزے سے کہا۔

"عجیب ہو تم نام تمہارا ولید ہے، تھوڑی دیر پہلے کسی غالب کو یاد کر رہے تھے، اب اسد یاد آ گیا ہے۔" ماوی نے تعجب بھری نظروں سے اسے دیکھا۔

"اس کی باتوں پر دھیان مت دو ماوی! یہ تو اچھے خاصے انسان کا دماغ خراب کر دے۔ چلو میں تمہیں باہر تک چھوڑ آتی ہوں۔" ماوی نے ہنس کر ولید کو دیکھا پھر ایلیا کے ساتھ باہر نکل گئی۔

"یہ تو شاعری میں بالکل ہی کوری ہے، میرا خیال ہے میری دال یہاں نہیں گلنے والی۔"

حسب عادت اس نے لاپروائی سے با آواز بلند اپنے خیالات کا اظہار کیا اور اطمینان سے ناشتہ کرنے بیٹھ گیا۔

☆☆☆

جے ڈی پچھلے دو گھنٹے سے ہاسٹل آیا ہوا تھا، اور یہ دو گھنٹے اس نے سعدی کی منتیں کرنے میں صرف کیے تھے۔ مگر سعدی کا مزاج ایک ہی زاویے پر اٹکا ہوا تھا۔

"سعدی!...... میرے پیارے دوست! میں نے معافی مانگ لی، اگلی بار ایسا نہیں ہوگا، اس بات کی یقین دہائی بھی کروا رہا ہوں مگر تمہارا ناراضی سے پھولا ہوا منہ اپنی اصلی حالت میں آنے کا نام ہی نہیں لے رہا۔ اب بتاؤ تمہیں منانے کے لیے میں اور کیا کروں؟"

"وہ سامنے بالکونی دیکھ رہے ہو، اس کی گرل سے الٹے لٹک جاؤ، جیسے ہی تمہیں وہاں لٹکے تیس منٹ گزر جائیں گے، میں تمہیں معاف کر دوں گا۔" سعدی نے ادائے بے نیازی سے کہا، جے ڈی نے بدک کر بالکونی کی طرف دیکھا، سعدی کا کمرہ بلڈنگ کی تیسری منزل پر تھا۔

"سعدی! ناراضی اپنی جگہ درست سہی لیکن بدلہ لینے کا یہ کون سا طریقہ ہے؟" ارسل نے سعدی کو یوں دیکھا جیسے اس کی ذہنی حالت پر شک ہو۔

"کس نے کہا میں بدلہ لے رہا ہوں؟" سعدی جلدی سے بولا۔

"میں الٹا لٹکنے کا اس لیے کہہ رہا ہوں، کیونکہ لمبے قد کی وجہ سے جو عقل اس کے ٹخنوں میں چلی گئی ہے ممکن ہے الٹا لٹکنے سے وہ واپس دماغ میں آ جائے اور اسے یہ بات سمجھ میں آ جائے، مجھ سے معافی اسے نہیں بلکہ شبیہ کو مانگنی چاہیے۔"

"او میرے بھائی! شبیہ العباس نے آج تک اپنے ابا سے کسی غلطی کی معافی نہیں مانگی۔ کیسے ممکن ہے وہ تم سے معافی مانگنے پر راضی ہو۔" جے ڈی نے تحمل سے اسے سمجھانا چاہا۔

''نہ مانگی ہو اپنے ابا سے معافی ...... مجھ سے مانگنی پڑے گی۔'' سعدی نے اکڑ کر کہا۔''اس نے میری بے عزتی کی ہے اور مجھ سے معافی مانگنے کے لیے اپنے اس گھامڑ کزن کو تم راضی کرو گے، ورنہ یاد رکھنا میں تم سے بھی ساری زندگی کے لیے ناراض ہو جاؤں گا۔'' سعدی نے سابقہ انداز میں دھمکایا۔

''سعدی......!'' جے ڈی سر دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر پلنگ پر پیچھے کی طرف گر گیا۔ اس جیسے دوست نواز شخص کے لیے یہ بڑی مشکل صورت حال تھی۔

''دیکھو سعدی! شبیہ میرا کزن ہے لیکن میرا دوست بھی ہے۔ تم میرے دوست ہو لیکن مجھے شبیہ کی طرح ہی عزیز ہو۔ میں تم سے معافی مانگ تو رہا ہوں تم سمجھو یہ شبیہ کے الفاظ ہی ہیں۔ وہ اور طرح کے مزاج کا ہے یار! میں نے تمہیں پہلے ہی سمجھانے کی کوشش کی تھی کہ دور بین نہ لگاؤ۔ اس کے سمجھانے کا انداز ذرا جارحانہ ہے۔ جو بات میں نے زبان سے سمجھائی اس نے ہاتھ سے سمجھا دی۔ میں مانتا ہوں اسے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا لیکن میں اسے تم سے ایکسکیوز کرنے پر راضی نہیں کر سکتا۔ تم پلیز ایسے ہی ناراضی ختم کر دو۔''

''اور یار! یہ ناراض ہے تو اسے ناراض ہی رہنے دو۔ مجھ پر ابھی ابھی آمد ہوئی ہے ذرا میرا تازہ کلام سن لو۔''

ارسل نے مداخلت کرتے ہوئے کہا''عرض کیا ہے۔ ایک بچے نے اپنی ماں سے پوچھا۔''

ماں! میں پیدا کیسے ہوا تھا۔ ماں، بچے کا سوال سن کر گڑبڑا گئی۔ اس نے سوچا اب بچے کو کیا بتاؤں، تبھی اس کے ذہن میں ایک خیال آیا اس نے بچے سے کہا۔''بیٹا! میں نے ایک روز ایک گھڑے میں مٹی ڈال کر اس کا منہ بند کیا اور اس گھڑے کو زمین میں دبا دیا۔ اگلے روز صبح کو جب گھڑا نکالا تو اس گھڑے میں مجھے تم مل گئے۔''

بچے نے ماں کی باتیں بغور سنیں اور اسی رات گھڑے میں مٹی ڈال کر اسے زمین میں دبا دیا۔ اگلی صبح جب گھڑا نکالا تو اس میں سے ایک مینڈک نکلا۔ بچے نے مینڈک کو دیکھ کر کہا۔

''دل تو چاہتا ہے تجھے جان سے مار دوں لیکن کیا کروں تو میری اولاد ہے۔'' ارسل نے ایک زوردار قہقہہ لگایا لیکن جوں ہی سب پر نظر پڑی قہقہہ سمٹ گیا کیونکہ وہ سب خاموشی سے عجیب تاثر والی نظروں سے اسے دیکھ رہے تھے۔

''کیا ہوا اچھا نہیں لگا؟'' بڑی مایوسی سے پوچھا گیا۔

''میں تھرڈ یا فورتھ اسٹینڈرڈ میں تھا، جب یہ لطیفہ پہلی بار سنا تھا، اب یہ اتنا پرانا اور گھسا پٹا ہو چکا ہے کہ سن کر ہنسی تو کیا ہلکی سی مسکراہٹ بھی نہیں آتی اور تم اسے اپنا تازہ کلام کہہ رہے ہو۔'' جنید نے اسے خشمگیں نظروں سے گھورا، ارسل ڈھٹائی سے ہنسنے لگا۔

''پوت کے پاؤں پالنے میں ہی نظر آجاتے ہیں یقیناً تب بھی یہ لطیفہ میں نے ہی تمہیں سنایا ہوگا تمہیں پتا ہے اس معاملے میں بچپن سے ہی میرا ذہن بڑا زرخیز ہے۔''

''اچھا میرا نیا لطیفہ سن لو۔'' ارسل نے پھر کہا، سعدی پر سے سب کی توجہ ہٹ چکی تھی، جل کر بولا۔

"کوئی ضرورت نہیں کچھ بھی سنانے کی، ہمیں ہنسنا ہوگا تو تمہاری شکل دیکھ لیں گے۔ خدا جھوٹ نہ بلوائے تو سراپا لطیفہ ہو۔" اس رائے پر ایک زبردست جنگ چھڑ سکتی تھی، تبھی سعدی نے جلدی سے اپنا رخ جے ڈی کی طرف موڑ لیا۔

"شبیہ معافی نہیں مانگتا نہ سہی۔ میں اسے نا سمجھ، نالائق، نا ہنجار سمجھ کر معاف کرنے کے لیے تیار ہوں، وہ بھی صرف اس لیے کیونکہ وہ تمہارا کزن ہے اور تم اس کی سفارش لے کر آئے ہو، یاد رکھنا میں اسے صرف اور صرف تمہاری خاطر معاف کر رہا ہوں۔" اس نے باور کروایا، جے ڈی کے سر سے جیسے کوئی بوجھ کھسک گیا۔

"خوب" مسکرا کر بولا۔

"سو نائس آف یو سعدی! مجھے پتا تھا تم میرے بہترین دوست ہو، میری بات سمجھ لو گے، مجھے شبیہ کے رویے کا افسوس ہے لیکن میں تمہارا بھی احسان مند ہوں کہ تم نے میری بات سمجھ کر اپنی ناراضی ختم کر لی۔" ابھی اس کی بات پوری بھی نہیں ہوئی تھی کہ سعدی نے ٹوک دیا۔

"زیادہ خوش ہونے کی ضرورت نہیں ہے بھلے ہی میں ناراضی ختم کرنے کے لیے تیار ہوں لیکن میری کچھ شرائط ہیں اگر تمہیں وہ شرائط منظور ہیں تو سمجھو میری ناراضی بھی ختم شد۔"

"ٹھیک ہے تم اپنی شرائط بتاؤ۔"

"ایک منٹ......" جنید نے جلدی سے کہا۔ "اگر پہلی شرط ڈنر یا لنچ کروانے کی ہے تو یاد رہے میں اور ارسل اس تصفیہ کے چشم دید گواہ ہیں اور رضا کارانہ طور پر بھی اس کھانے میں شرکت کرنے کے لیے تیار ہیں۔"

"صرف تم دونوں ہی نہیں وحید اور حاذق بھی ساتھ جائیں گے۔" سعدی نے حتمی انداز میں کہتے ہوئے جے ڈی کی طرف دیکھا اس نے فوراً اثبات میں سر ہلا دیا۔

"یہ تو کوئی مسئلہ ہی نہیں...... میں تم لوگوں کو ڈنر پر لے جاؤں گا۔" روٹھا دوست منانے کے لیے یہ اتنا مہنگا سودا نہیں تھا۔

"شرط نمبر دو......ڈنر کے بعد تم مجھے لبرٹی سے دو شرٹس دلواؤ گے؟"

"منظور...... آگے بولو۔"

"شرط نمبر تین...... پرسوں میں حبہ کو لنچ پر لے جا رہا ہوں، اس کے لیے مجھے تمہاری گاڑی چاہیے ہوگی۔"

"گاڑی؟" جے ڈی سوچ میں پڑ گیا، کیونکہ یہ تھوڑا سا مہنگا سودا تھا۔ سعدی کی ڈرائیونگ پر اسے کچھ خاص بھروسہ نہیں تھا لیکن......

"چلو ٹھیک ہے۔ گاڑی لے جانا کوئی اور شرط ہے تو وہ بھی بتا دو؟"

"جیو میرے دوست......! مجھے تم سے یہی امید تھی، یقین کرو آج تم نے دوست کی باتیں مان کر دوستی کی نئی تاریخ رقم کر دی ہے، مجھے فخر ہے تم پر...... ہاں بس ایک آخری بات بھی اگر مان جاؤ تو پھر ہماری ناراضی ایک سال کے لیے ختم ہو جائے گی۔ لیکن یاد رہے سال بعد یہ کانٹریکٹ ری نیو کروانا پڑے گا تمہیں۔"

''فضول کی ہانکنا بند کرو شرط بتاؤ۔'' ارسل اور جنید کو بھی اچھا خاصا تجسس ہو گیا تھا، جے ڈی بھی بغور اسے دیکھ رہا تھا۔ خدا جانے اب کیا منوانے لگا تھا۔

''آخری شرط یہ ہے کہ......'' سعدی نے عیاری سے آنکھیں مٹکا کر جے ڈی کو دیکھا۔ ''ہفتے میں دو بار تمہارے فلیٹ میں آ کر میں دور بین سیٹ کیا کروں گا اور تم اعتراض بھی نہیں کرو گے۔''

''لیکن سعدی! وہ شیبہ؟'' اس نے کہنا چاہا۔

''ہاں یا ناں؟'' سعدی نے پھر اکڑ کر پوچھا۔

''اچھا ٹھیک ہے، مجھے تمہاری شرط منظور ہے۔'' ناچار جے ڈی نے اثبات میں گردن ہلا دی تھی۔

☆☆☆

''مجھے یاد آیا توقیر! تم نے تو کسی سرپرائز کا ذکر کیا تھا۔''

ڈنر کے بعد ثمینہ نے توقیر صاحب سے پوچھا۔ اس سوال پر توقیر نے بے ساختہ منیزہ کی طرف دیکھا، پھر جلدی سے بات بدلنے کی کوشش کرنے لگے۔

''سرپرائز کو تو آپ رہنے دیں ثمینہ آپا! آپ کے بنائے ہوئے کھانوں کا تو میں ہمیشہ سے معترف رہا ہوں لیکن آج کا ڈنر تو بہترین تھا اسپیشلی چکن کڑاہی......لاجواب۔''

ثمینہ نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ تعریف وصول کی لیکن اس سے قبل کہ کوئی اگلی بات کرتیں، ماوی سبز قہوہ لے آئی۔

''کیا بات ہے بھئی تمہارا منہ کیوں پھولا ہوا ہے؟'' توقیر صاحب نے جلدی سے پوچھ لیا، مبادا ثمینہ پھر سے وہی قصہ چھیڑ دیں۔

''آپ سلطانہ آنٹی کو لے کر کیوں نہیں آئے؟ اب میرے تھیسز کا کیا ہو گا؟'' وہ سخت پریشان تھی اور اسی پریشانی میں ان کی کزن کے متعلق پوچھ رہی تھی۔ توقیر صاحب، فیاض ماموں کے دوست اور فیضان ماما کے بزنس پارٹنر تھے، کئی سال وہ لوگ دبئی میں اکٹھے رہے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ ماوی توقیر صاحب کے ساتھ ویسے ہی بے تکلف تھی، جیسے اپنے ماموؤں کے ساتھ۔

''سلطانہ آپا کے کالج میں کوئی فنکشن یا سیمینار ہو رہا ہے۔ انہیں اس سلسلے میں رکنا پڑا، ورنہ لاہور آنے کا ارادہ تو ان کا پکا تھا اور تم پریشان نہ ہو۔ میں سلطانہ آپا سے فون پر تمہاری بات کروا دیتا ہوں۔ تمہارے جو بھی کنفیوژن ہیں، ان سے ڈسکس کر لینا۔'' توقیر صاحب نے قہوے کی پیالی اٹھاتے ہوئے کہا۔

''پھر آپ ماوی آپی کی بات ابھی کروا دیں کچھ تو ان کی پریشانی کم ہو گی۔'' توقیر صاحب کی بڑی بیٹی پری نور نے کہا۔

''ہاں میں بات کروا دیتا ہوں۔'' توقیر صاحب جیب سے موبائل نکال کر نمبر ملانے لگا۔ ماوی نے پری نور کی طرف دیکھا۔ ''تم ٹھیک کہہ رہی ہو پری! میں سچ مچ پریشان ہو گئی ہوں، ڈبلن میں ہوتی تو اب تک آدھا نہ سہی لیکن ایک چوتھائی کام تو ضرور ہو چکا ہوتا۔ وہاں سپروائزر سے مدد

بھی مل سکتی تھی، بھئی اب اتنی لائق فائق تو ہوں نہیں کہ کسی کی مدد کے بغیر تھیسز مکمل کرلوں۔" توقیر صاحب نے موبائل اس کی طرف بڑھا دیا۔

"لو بات کرو۔"

"ماوی نے موبائل لے کر کان سے لگالیا۔رسمی علیک سلیک کے بعد انہیں اپنی پریشانی کے متعلق تفصیل سے بتایا تو وہ تسلی آمیز لہجے میں بولیں۔

"اس میں اتنا پریشان ہونے کی تو کوئی بات ہی نہیں۔ میں تمہاری خاصی مدد کرسکتی ہوں کیونکہ اپنے ایم فل کے لیے میں نے اسی ٹاپک پر مقالہ لکھا تھا، وہ تمہاری کافی ہیلپ کردے گا اور کچھ نہ کچھ ریفرنس وائز میٹریل تم نے بھی تو اکٹھا کیا ہوگا؟" ماوی انہیں اپنے میٹریل کی تفصیلات بتانے لگی۔

"اچھا بات کچھ ایسی ہے ماوی بیٹے! کہ تمہاری مدد کرنے میں مجھے کوئی وقت نہیں لیکن اگلے دو ہفتوں تک میرا لاہور آنے کا کوئی پلان نہیں، پھر اپنی کتابوں اور دیگر میٹریل کے معاملے میں میں سخت کنجوس ہوں، اپنے اسٹوڈنٹس کے ہاتھ میں بھی اتنے آرام سے چیزیں نہیں دیتی، تمہاری مدد کے لیے بھی اگر توقیر نے نہ کہا ہوتا تو میں کبھی اپنا مقالہ دینے پر راضی نہ ہوتی۔ اب تم ایک کام کرو، کل ہی ساہیوال آجاؤ اور میری لائبریری سے اپنی ضرورت کی کتابیں اور نوٹس لے کر ان کی فوٹو اسٹیٹ نکلوالو۔ میں تمہارے لیے یہ کام خود بھی کرسکتی تھی مگر ایک تو سیمینار کی وجہ سے میرے پاس ٹائم نہیں ہے دوسرے ممکن ہے میرے ریسرچ ورک میں سے تمہیں کوئی ایسی چیز مل جائے جو تمہارے لیے بہت کارآمد ہو۔"

ماوی نے فون بند کیا اور سر ہاتھوں میں گرا کر بیٹھ گئی۔

"میں نے یہاں آکر غلطی کی، خوامخواہ ایک معمولی سی چیز کو اتنا complicated بنالیا۔ ڈبلن میں ہوتی تو فرینڈز اور سپروائزر مدد کرتے۔ تھوڑی سی محنت کے بعد بی گریڈ تو مل ہی جاتا۔

Distinction کے خواب میں پاکستان آئی تھی لیکن اب تو لگ رہا ہے سی گریڈ بھی نہیں ملے گا۔" وہ رونے والی ہو رہی تھی۔ آواز اتنی دھیمی تھی کہ ثمینہ تک نہ پہنچی تاثرات پہنچ گئے۔

"کیا ہوا ہے ماوی!" وہ بوکھلا ہی گئیں۔

"ممی! میری سلطانہ آنٹی سے بات ہوئی ہے۔ وہ کہہ رہی ہیں اگر تھیسز کے سلسلے میں مجھے کوئی مدد چاہیے تو ان کے شہر ساہیوال آنا پڑے گا۔"

"بس پھر بھول جاؤ اس سارے سلسلے کو...... کیونکہ اب کسی تیسرے شہر تو میں تمہیں جانے نہیں دوں گی۔"

ثمینہ نے سخت لہجے میں کہا۔

"ممی پلیز!"

"اس میں مضائقہ بھی کیا ہے ثمینہ! میں خود لے جاؤں گا ماوی کو۔ آپ اور منیزہ بھی چلیے گا۔" توقیر صاحب نے کہا۔

"رہنے بھی دو توقیر! ایک تھیسز کے لیے کہاں کہاں پھرنا پڑے گا، اور لوگ بھی تو پڑھتے ہیں کون یوں ملکوں ملکوں اور شہروں شہروں پھرتا ہے؟" ثمینہ تو جیسے اس سارے سلسلے سے عاجز ہی آچکی تھیں۔

"سارے لائق اور محنتی اسٹوڈنٹس کوشش تو کرتے ہیں۔"

ماوی نے کہنا چاہا لیکن ثمینہ کی ایک تیز نظر اسے خاموش کروا گئی تھی۔ وہ غالباً مہمانوں کی موجودگی میں اس موضوع پر بات کرنا نہیں چاہ رہی تھی۔ ماوی دل مسوس کر خاموش ہو رہی لیکن اس موضوع کو اس نے مہمانوں کی واپسی تک کے لیے ٹال دیا تھا۔

☆☆☆

''ممی! ایک بات کہوں؟ لیکن وعدہ کریں آپ غصہ نہیں کریں گی۔'' ماوی نے کن اکھیوں سے ثمینہ کا موڈ بھانپتے ہوئے کہا۔

وہ دونوں اس وقت کچن میں تھیں، ماوی برتن دھو رہی تھی ثمینہ ان برتنوں کو خشک کر کے ریک میں لگا رہی تھیں۔

''ساہیوال جانے کی بات نہ کرنا، غصہ نہیں کروں گی۔'' ثمینہ نے سنجیدگی سے کہا، وہ بھی جیسے ماوی کا ذہن پڑھ رہی تھیں۔

''پلیز ممی!'' ماوی نے لجاجت سے کہا۔

''میں یہاں کیا کرنے آئی ہوں...... اپنے تھیسز پر کام کرنے نا، اگر آپ مجھے گھر میں قید کر کے رکھیں گی تو میرا کام کیسے مکمل ہوگا۔''

''میں نے تمہیں قید کر کے رکھا ہے۔'' ثمینہ نے غصے سے اسے گھورا۔

''اگر تم اپنے تھیسز پر کام کرنے آئی ہو تو میں بھی صرف تمہارے لیے یہاں آئی ہوں، ورنہ تمہیں پتا ہے میری مرضی قطعاً نہیں تھی۔ اب ایک ضد ماننے کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ میں تمہاری ساری ضدیں مانتی جاؤں۔ اسی شہر میں رہ کر تمہیں جو کرنا ہے وہ کرو، منع نہیں کروں گی میں لیکن ساہیوال نہیں جانا، تو بس نہیں جانا۔''

ثمینہ نے دوٹوک انداز میں کہا تھا۔

''آپ کو اعتراض کس بات پر ہے؟'' ماوی جھنجلا کر بولی۔

''اگر آپ نہیں جانا چاہتیں تو مت جائیں۔ توقیر انکل کہہ تو رہے تھے وہ سارا انتظام کر دیں گے۔ میں ان کے ڈرائیور کے ساتھ چلی جاؤں گی۔''

''چلو جی۔'' ثمینہ نے بے ساختہ سر پیٹ لیا۔

''تم ہمیشہ نرالی بات ہی کیا کرو ماوی! مانتی ہوں زمانہ بہت بدل گیا...... لیکن ابھی اتنا نہیں بدلا کہ ایک مشرقی ماں ساری نزاکتوں سے لاپروا ہو کر بیٹی کو ایک غیر بندے کے ساتھ سفر پر بھیج دے۔

اب میرا دماغ کھانا بند کرو پہلے ہی میرے سر میں درد ہے۔ صبح سے دل بھی گھبرا رہا ہے۔ خدا خیر کرے۔ بس۔''

ثمینہ نے خفگی بھرے انداز میں خود کلامی کی تھی۔

ماوی نے خفگی سے انہیں دیکھا، ہاتھ میں پکڑا گلاس شیلف پر پٹخا، ایپرن اتار کر ڈائننگ ٹیبل پر پھینکا اور دھپ دھپ کرتی کچن سے نکل گئی۔

ثمینہ نے اس کے انداز کو بری طرح محسوس کیا، ڈپٹنے کا ارادہ کرتے ہوئے لب کھولے پھر جھنجلا کر رہ گئیں۔

''میں کیا کروں اس لڑکی کا، دن بہ دن ضدی ہوتی جا رہی ہے، میری تو کوئی بات سمجھتی ہی نہیں، کیسے اجازت دے دوں اسے وہاں جانے

کی میرا دل بھی اتنا گھبرا رہا ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے چھٹی حس کوئی اشارہ دے رہی ہے۔ جیسے، جیسے کچھ ہونے والا ہو کچھ برا، کچھ ناپسندیدہ اور ناقابل قبول لیکن ماوی...... ماوی سمجھتی ہی نہیں۔"

وہ پریشان بھی تھیں جھنجلاہٹ زدہ بھی۔ لیکن کسی نتیجے پر نہ پہنچ سکی تھیں، تبھی ماوی کمرے سے ممی، ممی پکارتی نکلی۔ ثمینہ حسب عادت جلدی گھبرا گئیں۔

"کیا ہو گیا ماوی!"

"ممی! فیض ماما......" اس نے تیزی سے کہا اس سے بھی تیزی سے ثمینہ نے اپنا دل تھاما۔

"کک...... کیا ہو گیا میرے فیضان کو؟"

"اُیں......" ماوی نے سر اٹھا کر ثمینہ کو دیکھا۔ زرد رنگت، اندیشوں سے خائف چہرہ...... وہ جیسے ہوش میں آئی۔ "اوہو فیض ماما کو ہوا کچھ نہیں ہے، وہ پاکستان آئے ہیں اور باہر کھڑے ہیں انہوں نے ابھی فون پر مجھے بتایا ہے۔" وہ مین ڈور اور باہر والے گیٹ کی چابیاں لے کر باہر کی طرف لپکی۔ ثمینہ کو پہلے تو یقین ہی نہیں آیا پھر جلدی سے ماوی کے پیچھے گئیں۔ دروازہ کھلتے ہی انہیں گیٹ کے قریب کھڑے فیضان کی شکل دکھائی دی تو دل بھر آیا۔

ایسا لگا صدیوں بعد اپنے لاڈلے چھوٹے بھائی کو دیکھ رہی ہوں۔ آنکھوں کو پونچھتے ہوئے وہ فیضان سے گلے ملیں۔ یہ ایک بے حد جذباتی منظر تھا جس پر ماوی اور فیضان دلچسپ جملے چست کرتے رہے تھے۔

☆☆☆

"تو یہ تھا وہ سرپرائز...... جس کا ذکر توقیر نے کیا تھا۔"

ثمینہ نے کشن گھسیٹ کر بیٹھتے ہوئے خوش دلی سے پوچھا۔ سارا دن دل کو لاحق رہنے والی بے چینی اور سمجھ میں نہ آنے والی گھبراہٹ کا خاتمہ ہو چکا تھا بلکہ بھائی کی موجودگی میں وہ بڑا اچھا محسوس کر رہی تھیں۔

"جی ہاں...... یہی تھا وہ سرپرائز جس کا ذکر توقیر بھائی کر رہے تھے۔ کہنے لگے تم کو اچانک آپا کے سامنے لے جا کر مزہ آئے گا، اس لیے پہلے سے ذکر مت کرنا۔ لیکن برا ہو پی آئی اے کا...... ایک نہ دو...... پورے چار گھنٹے فلائیٹ لیٹ ہوئی ورنہ میں بہت پہلے ہی پہنچ چکا ہوتا۔" فیضان نے کہا۔

"اچھا یہ بتاؤ گھر میں سب کیسے ہیں؟"

"اچھے ہیں آپ کو سب ہی بہت مس کر رہے ہیں۔ شزا نے تو پیغام بھی بھیجا ہے کہ پھپھو جلدی گھر آ جائیں، ورنہ میں پاکستان آ جاؤں گی۔" فیضان نے بالکل شزا کے لہجے میں کہا۔ ثمینہ تو نہال ہی ہو گئیں، اسے تو ایک طرح سے پالا ہی ثمینہ نے تھا۔ اس لیے شہروز سے زیادہ گہری وابستگی ان کی شزا سے تھی۔

"تو تم اسے بھی لے آتے نا، میں تو خود اتنی اداس ہو چکی ہوں، پتا نہیں کب یہ ریسرچ ورک مکمل ہو گا اور ہم واپس جائیں گے۔"

ثمینہ نے ایک خفگی بھری نظر ماوی پر ڈالتے ہوئے کہا، وہ کچن میں برنر کے قریب کھڑی کافی پھینٹ رہی تھی۔ جواب میں اس نے بھی خفگی سے ثمینہ کو دیکھا تھا۔

"مجھے تو خود آج بڑی مشکل سے سیٹ ملی ہے۔ وہ بھی چانس پر تھی۔ اگر چند روز پہلے آنے کا پلان بنتا تو ضرور شہزا کے لیے سوچتا۔" ان کا اسپورٹس گڈز کے امپورٹ ایکسپورٹ کا بزنس تھا، اسی سلسلے میں پاکستان آنا جانا لگا ہی رہتا تھا۔

"ماوی! تمہارا ریسرچ ورک کہاں تک پہنچا؟"

"پہنچنا کہاں ہے وہیں رکھا کھڑا ہے بے چارہ۔" وہ منہ بگاڑ کر بولی اور مکھن ٹرے میں رکھ کر باہر آ گئی۔

"کوئی مجھے کچھ کرنے ہی نہیں دے رہا۔ ریسرچ ورک کیا خاک مکمل ہوگا۔" اس نے ناراضی سے ثمینہ کو دیکھا اور حسب توقع ثمینہ اور بھی خفا ہو گئیں۔

"اب پھر سے وہی بحث شروع مت کر دینا ماوی!"

"ممی پلیز...... ٹرائی ٹو انڈر۔"

"بس ختم کرو اس بات کو کیا باقی دنیا نہیں پڑھتی، کتنے لوگ ہیں جنہیں ملکوں ملکوں اور شہروں شہروں گھوم پھر کر فیکٹ اینڈ فگرز اکٹھے کرنے کا موقع ملتا ہوگا۔"

"آپ سمجھ نہیں رہیں۔ اپنی پوری کلاس میں سے واحد میں ہوں، جو تھیسز کے سلسلے میں کسی دوسرے ملک گئی ہے۔ وین اور جینٹ تو ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھے ہیں کہ ماوی بہترین تھیسز تیار کر کے لائے گی۔ آپ خود سوچیں میرا ریسرچ ورک آرڈنری (معمولی) ہوا تو انسلٹ کتنی ہوگی میری۔" وہ ضدی پن سے بولی۔

"آپا! ماوی ٹھیک کہہ رہی ہے آپ اسے ساہیوال جانے دیں۔" فیضان نے کہا، ثمینہ نے گھور کر ماوی کو دیکھا۔

"تم اسے ساری بات بتا چکی ہو؟" ماوی نے مسکراہٹ بھینچ کر اثبات میں سر ہلا دیا۔

"آپ کو راضی کرنے کے لیے مجھے کسی نہ کسی کو تو اپنا وکیل بنانا تھا نا...... چچی فیضان ماما! بڑے درست وقت پر آتے ہیں آپ۔" اس نے شریر سے انداز میں کہا۔

"میں تمہارا کیا کروں ماوی! اس بے چارے کو آئے ہوئے دیر ہی کتنی ہوئی ہے جو تم اپنا قصہ سنانے بیٹھ گئیں۔" فیضان نے گہری نظروں سے ثمینہ کو دیکھا پھر ماوی سے بولا۔

"ماوی! جاؤ میرے ہینڈ کیری سے میرا لیپ ٹاپ اور موبائل فون نکال کر لاؤ۔" فیضان نے چالاکی سے ماوی کو کمرے میں بھیج دیا پھر دھیمی آواز میں ثمینہ سے مخاطب ہوا۔

"اب بتائیں مجھے کیا پریشانی ہے آپ کو؟ کیوں نہیں جانے دینا چاہتیں ساہیوال۔"

''تمہیں پتا تو ہے فیضی!'' ثمینہ نے گہری سانس بھر کر دکھی لہجے میں کہا۔ ''اس شہر سے اتنی بری یادیں جڑی ہوئی ہیں کہ میں نام بھی سننا نہیں چاہتی۔ بلکہ صرف ساہیوال ہی کیوں۔ میں تو اسی لیے پاکستان بھی نہیں آنا چاہتی تھی...... پھر دل کو عجیب سا دھڑ کا لگا ہوا ہے، جیسے کچھ ہونے والا ہو۔ تم مانو یا نہ مانو فیضی! میری چھٹی حس کوئی اشارہ کر رہی ہے، جسے میں سمجھ نہیں پا رہی۔'' ثمینہ نے بے چارگی سے کہا۔

''آپ بھول کیوں نہیں جاتیں وہ سب۔'' فیضان نے کہا۔

''بہت مشکل ہے۔'' ثمینہ نے سابقہ انداز میں کہا۔

''میں نے اپنی زندگی کی سب سے قیمتی چیز کو کھو دیا تھا، اب ماوی کو نہیں کھونا چاہتی۔''

فیضان نے دیکھا ثمینہ کا چہرہ شدتِ جذبات سے لال ہو رہا تھا، وہ کھسک کر ان کے قریب ہوا اور بازو ان کے شانے پر پھیلا لیا۔

''اچھا بھول جائیں سب کچھ، جو گزر گیا سو گزر گیا۔ پرانی تلخیاں نئے دور میں بھی تلخ ہی رہتی ہیں، اس لیے انہیں یاد رکھنے کا کوئی فائدہ نہیں۔''

ثمینہ نے سر جھٹک کر گویا ان تلخ یادوں اور اندیشوں سے چھٹکارا حاصل کیا پھر بولیں۔

''تم سمجھاؤ ماوی کو...... ساہیوال جانے کی ضد چھوڑ دے۔''

''آپ بے فکر رہیں۔ میں خود چلا جاتا ہوں ماوی کے ساتھ تب تو آپ کو کوئی پریشانی نہیں ہونا چاہیے...... ویسے بھی مجھے اندازہ ہے کلاس فیلوز کے درمیان انسلٹ کا خیال ہی کتنا ہولناک ہوتا ہے۔'' اس نے مسکرا کر کہا پھر کمرے سے نکلتی ماوی کو دیکھ کر بولا۔ اس نے ثمینہ کی خاموشی کو رضا مندی سمجھ لیا تھا۔

''ماوی! تم کل کی تیاری رکھو، میں توقیر بھائی کے ڈرائیور کو بلوا لیتا ہوں۔ ان شاء اللہ کل ساہیوال جانے کا پلان پکا ہے۔''

''اس کا مطلب ممی مان گئیں۔'' ماوی چہکی۔

''محترمہ! آپ نے اتنا قابل وکیل ہائیر کیا تھا، مانتی کیسے نہیں۔'' فیضان سوا سیر تھا۔

''واؤ ماما...... !یو آر گریٹ تھینک یو ممی!'' وہ لیپ ٹاپ جلدی سے کشن پر رکھ کر ثمینہ سے لپٹ گئی۔

☆☆☆

''تم بھی کمال ہو تنوی! ایک نہ دو...... اکٹھی چار چھٹیاں...... شکر کیا کرو میرے جیسی پُر خلوص اور بے غرض لڑکی تمہاری سہیلی ہے، ورنہ تمہارا نام تو اب تک stuck off ہو چکا ہوتا۔''

فون پر تنوی کی آواز سنائی دیتے ہی عجیر حسب عادت شروع ہو گئی تھی۔

''اچھا وہ کیسے؟'' تنوی بالکل بھی متاثر نہ ہوئی۔

''بھئی سیدھی سی بات ہے، میں ہی تو ہوں وہ عظیم لڑکی...... جس نے حق دوستی ادا کرنے کے لیے رضا کارانہ طور پر تمہاری Proxy لگوانے کی ذمہ داری اپنے کندھوں پر لی ہوئی ہے۔ احسان مانو میرا۔''

"واقعی تم نے مجھ پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔" اس نے بالکل عمیر کے انداز میں غیر سنجیدگی سے کہا۔ "میں تو یہ سوچ رہی ہوں عمیر! اتنے بڑے احسان کا بدلہ کیسے چکاؤں گی۔"

"فکرمند نہ ہونا تنوی! میں ہوں نا تمہاری پیاری دوست جلد یا بدیر اس احسان کو اتارنے کا کوئی نہ کوئی طریقہ تمہیں ضرور بتادوں گی۔" عمیر نے نہایت ہمدردی سے کہا، پھر وہ دونوں ہنس دیں۔

"اچھا......اپنی شان میں زمین آسمان کے قلابے ملانا بند کرو اور یہ بتاؤ کالج کی کیا خبریں ہیں۔" تنوی نے ریسیور ایک ہاتھ سے دوسرے میں منتقل کرتے ہوئے دلچسپی سے پوچھا۔

"فی الحال کالج کو چھوڑ دو اور مجھے یہ بتاؤ اتنے دن سے کالج کیوں نہیں آرہیں، گھر میں تو سب خیریت ہے نا!"

"ہاں خیریت ہے۔" تنوی نے سادگی سے کہا۔ اس کا دل چاہا عمیر کو اپنی پریشانی کے متعلق بتائے۔ اس روز اُمِ ثمامہ نے اس کے ہاتھ کی لکیریں دیکھ کر جو کچھ بھی کہا، وہ ایسا نہیں تھا کہ اسے آسانی سے نظرانداز کر دیا جاتا۔

"مجھے بخار تھا دراصل اسی لیے نہیں آسکی۔" اس نے بہانہ بنایا تو عمیر اس کی خیریت معلوم کرنے لگی پھر بولی۔

"کل تو کالج آؤ گی ناں؟"

"وعدہ نہیں کرتی عمیر! طبیعت ٹھیک ہوئی تو آجاؤں گی۔" اس نے بےزاری سے کہا کہ کل بھی چھٹی کا ارادہ کیے بیٹھی تھی۔

"یار! کل تو ضرور آجاؤ، پتا ہے کالج میں بڑے مزے کی باتیں ہو رہی ہیں۔ مس رابعہ نے نوٹس لگایا تھا کہ اب اردو ڈرامہ کے بجائے شیکسپیئر کا کوئی ڈرامہ اسٹیج کیا جائے گا۔ میڈم نے سوچا ہوگا اس طرح آڈیشن دینے والی لڑکیوں کی بھیڑ کچھ کم ہو جائے گی۔ لیکن یہاں تو ذوق وشوق اور بڑھ گیا ہے۔ کالج کے ہر کونے میں فرسٹ ایئر فول اپنا انگلش تلفظ درست کرتی نظر آرہی ہے اور تو اور اپنی نمرہ بی بی بھی اسی بھیڑ میں شامل ہیں، جنہیں لگتا ہے ان سے بہتر شیکسپیئر کی ہیروئن کوئی ہو ہی نہیں سکتی۔" اس نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔

"مجھے یقین ہے نمرہ کو اس غلط فہمی میں عرش نے مبتلا کیا ہوگا، یاد نہیں پچھلی بار کیدو کے کردار کے سلسلے میں بھی اس نے نمرہ کا دماغ کتنا خراب کیا تھا۔"

"ہاں اور نمرہ بی بی اس کردار میں حقیقت کے رنگ بھرنے کے لیے پورے تین ہفتے لنگڑا لنگڑا چلتی رہی تھی لیکن کیدو کا کردار اسے پھر بھی نہیں ملا تھا۔"

وہ دونوں نمرہ کی حالت یاد کرتے ہنس ہنس کر بے حال ہو گئیں پھر عمیرہ بولی "نمرہ سے یاد آیا محترمہ کا نیا کارنامہ بھی سن لو۔"

"اب کیا کر دیا اس نے؟"

"com sat's میں سیمینار ہو رہا ہے اور موضوع ہے۔"

Human Psychology and it's Different Aspects"

(انسانی نفسیات اور اس کے مختلف پہلو) فاؤنٹین ہاؤس سے ڈاکٹر عبداللہ ہارون بھی آ رہے ہیں اور ان کے علاوہ سنا ہے، پورے ملک سے سائیکالوجسٹ اور اسکالرز شرکت کریں گے۔ ہمارے کالج کو بھی انویٹیشن ملا ہے تو میڈم فرحت نے کہا جو لڑکیاں شرکت کرنا چاہ رہی ہوں، وہ اپنا نام ان کے پاس لکھوا دیں، نمرہ بی بی کا تو مضمون ہے۔ سائیکالوجی...... محترمہ نے کمال یہ کیا کہ سیمینار میں شرکت کرنے کے شوق میں اپنے ساتھ ساتھ ہم دونوں کے نام بھی لکھوا دیے۔"

"لیکن کیوں؟ مجھے تو کوئی شوق نہیں ہے، سیمینار اٹینڈ کرنے کا، نمرہ سے کہنا تھا شوق اس کا، مضمون اس کا، خود ہی جائے۔"

"میں نے کہا تھا مگر وہ زیادہ ہی جذباتی ہو کر بولی "تم لوگ اپنی فرینڈ کے لیے اتنا نہیں کر سکتے تو کیا فائدہ ہے ایسی دوستی کا۔" وہ تو جذباتی ہوئی سو ہوئی، میں نے اس سے زیادہ جذباتی ہو کر جانے کی ہامی بھرلی" عبیر نے بے چارگی سے بتایا تو تنوی جلدی سے بولی۔

"ٹھیک ہے نا تم دونوں چلی جانا میں نہیں جاؤں گی۔"

"تنوی! تم اپنی اس پیاری سہیلی کو بورنگ سیمینار اٹینڈ کرنے کے لیے اکیلی چھوڑ دینا چاہتی ہو؟" عبیر نے مسکین سی آواز نکالی پھر خود ہی ہنس کر بولی۔

"تم کل کالج آ جاؤ، ہم مل کر نمرہ کو کنونس کرنے کی کوشش کریں گے کہ ہمارا اس سیمینار میں کیا کام۔ وہ راضی نہ ہوئی تو ہم اس کی بات مان لیں گے؟"

"ہاں ٹھیک ہے۔" تنوی نے کہا پھر کچھ خیال آنے پر تیزی سے بولی۔

"عبیر! کیا ثمامہ ان چار دنوں میں کالج آتی رہی ہے۔"

اس نے حتی المقدور اپنے لہجے کو نارمل رکھنا چاہا تھا لیکن ثمامہ کا نام سنتے ہی عبیر کا دل بلیوں اچھلنے لگا۔

"ہاں...... وہ تو آتی رہی ہے۔ کیوں؟ تمہیں کوئی کام تھا اس سے؟" عبیر نے بن کر پوچھا تو تنوی پرسوچ انداز میں بولی۔

"تمہارا کیا خیال ہے عبیر! اس روز میرا ہاتھ دیکھ کر جو کچھ بھی ثمامہ نے کہا وہ درست ہوگا؟"

"سو فیصد۔" عبیر نے جلدی سے کہا۔"میں ثمامہ کو بڑی اچھی طرح سے جانتی ہوں، وہ کبھی جھوٹ نہیں بولتی اور پھر سوال یہ ہے کہ وہ جھوٹ بولے گی بھی کیوں؟"

"ہاں...... وہ واقعی کیوں جھوٹ بولے گی؟" تنوی نے خود کلامی کے انداز میں کہا...... عبیر نے چند ادھر اُدھر کی باتیں کیں، جنہیں تنوی نے غائب دماغی سے سنا اور فون بند کر دیا۔ تنوی ٹیلی فون ریک کے پاس کھڑی رہی پھر باہر آ گئی۔

"کیا سچ مچ میری زندگی میں کوئی خوف ناک قسم کی پریشانی آنے والی ہے؟" وہ سوچ رہی تھی۔ باغ میں تاریکی چھائی ہوئی تھی، خدا جانے آج لائٹیں کیوں نہیں جلائی گئیں۔

کچھ فاصلے پر شبیہ کھڑا تھا ایک ہاتھ میں مگ دوسرے ہاتھ کی بند مٹھی پر نظریں جمائے تنوی نے وہاں سے ہٹنا چاہا، تبھی شبیہ نے سر اٹھا کر اس کی

طرف دیکھا اور اشارے سے اسے قریب آنے کے لیے کہا۔ اس کی سخت طبیعت کے پیش نظر وہ محتاط انداز سے قدم اٹھاتی اس کے قریب چلی آئی۔

شبیہ نے اسے ہاتھ بڑھانے کے لیے کہا اور اپنی مٹھی میں قید ننھے سے جگنو کو احتیاط سے اس کی مٹھی میں منتقل کر دیا۔

تنوی کو بچپن کا کوئی بھولا بسرا لمحہ یاد آیا تھا۔

شبیہ پلٹا اور اندر کی طرف بڑھ گیا۔ تنوی نے اسے جاتے دیکھا پھر چند لمحے اپنی مٹھی کو گھورتی ہتھیلی پر اس جگنو کے لمس کو محسوس کرتی رہی پھر اس نے بازو بڑھایا اور مٹھی کھول دی۔

"بچپن تو کب کا گزر چکا شبیہ بھائی! پتا نہیں آپ مجھے بچوں کی طرح ٹریٹ کرنا کب چھوڑیں گے۔"

جگنو نے پر کھولے اور ایک ننھی سی چنگاری تاریکی کے پردے میں تحلیل ہو گئی۔



"میں اسپورٹس گراؤنڈ میں تمہارا انتظار کروں گی، پہلی کلاس ختم ہونے کے بعد آ جانا، مجھے تم سے کچھ ضروری بات کرنا ہے۔"

عروش چند لمحوں کے لیے اس کے قریب ٹھہری، پھر تیز تیز قدم اٹھاتی کوریڈور سے باہر نکل گئی۔ تنوی سر جھٹک کر کلاس میں داخل ہوئی تو عبیر سے ٹکرا گئی۔

"اف......" وہ بمشکل سنبھلی، عبیر اور نمرہ بیگ اٹھائے باہر نکل رہی تھیں۔ نمرہ چیخ مار کر اس سے لپٹ گئی۔

"تنوی! گندی بچی...... کتنے دنوں بعد آئی ہو۔ تمہیں شرم نہیں آئی بغیر بتائے چھٹی کر لیتی ہو۔" اس کے شکوے شروع ہو گئے۔

"پہلے یہ بتاؤ تم دونوں بیگز اٹھائے کہاں جا رہی ہو؟ کلاس اٹینڈ نہیں کرنی؟" تنوی نے اپنا بیگ اور فائل قریبی کرسی پر رکھتے ہوئے پوچھا۔

"کلاس بنک کرتے ہیں یار! باہر اتنی اچھی دھوپ نکلی ہے، چلو چل کر وٹامن ڈی کے مزے لوٹتے ہیں...... کینٹین میں سموسے بھی آ گئے ہوں گے۔" عبیر نے چٹخارہ لیتے ہوئے کہا۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے۔ واپس جا کر بیٹھو، آج سے کوئی کلاس بنک نہیں ہوگی، ایگزام سر پر ہیں۔"

"او تنوی! کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ایک روز کلاس اٹینڈ کر کے ہمیں کون سا سقراط، بقراط بن جانا ہے۔ ذرا تصور کرو گرما گرم سموسے اور گرما گرم دھوپ۔" نمرہ نے اس کے تصور میں ایک منظر روشن کرنا چاہا تھا، مگر تنوی راضی ہو کر نہ دی۔

"ارے یار! میڈم فوزیہ آج نہیں آئیں، ہم اسی لیے باہر جا رہے ہیں۔" تنگ آ کر عبیر نے بتایا، تنوی کو مایوسی ہوئی۔

"میڈیم؟ نہیں آ رہیں تو پھر بھی ہم یہیں بیٹھیں گے۔ اگلا لیکچر بھی تو اسی کلاس روم میں ہے۔" وہ زبردستی ان دونوں کو پچھلی نشستوں کی طرف لے آئی۔

"تمہیں باہر جانے میں کیا مصیبت ہے تنوی! جب ٹیچر کو ہی نہیں آنا تو چالیس منٹ ان احمق لڑکیوں کے درمیان بیٹھ کر کیا کریں۔ اوپر سے یہ فاطمہ بدتمیز، مجھے آدھا وائٹ بورڈ بھی نہیں دے رہی کہ میں پانچ، چھ پھڑکتے ہوئے اشعار لکھ کر دل بہلا لوں...... چڑیل مسلسل اپنی شکل

والے کارٹونز بنائی جا رہی ہے۔"

عمیر نے دانت کچکچاتے ہوئے بہت حسرت سے وائٹ بورڈ کو دیکھتے ہوئے کہا۔ جواباً تنوی نے انہیں عروش کے بارے میں بتا دیا۔

"یار! میرا دل نہیں چاہ رہا اس کی بے وقوفانہ باتیں سننے کو۔ اب اگر کلاس روم سے باہر نظر آ گئی تو سر پر سوار ہو جائے گی۔ اس لیے یہیں بیٹھ جاتے ہیں۔" "عروش بے وقوفانہ باتیں نہیں کرتی۔ اچھی باتیں کرتی ہے۔" نمرہ نے کمزور سے لہجے میں عروش کا دفاع کرنا چاہا۔ جواباً عمیر نے اسے بری طرح گھورا اور طنزیہ انداز میں بولی۔

"ہاں اتنی اچھی باتیں کرتی ہے کہ اس کی باتوں کو اقوال زریں کی طرح چھپوا دینا چاہیے۔"

"دیکھ لو تنوی! اپنی چار دن کی چھٹیوں کا نتیجہ...... میں اکیلی ان محترمہ کو کب تک سنبھال سنبھال کر رکھتی، اب یہ اٹھتے بیٹھتے ہمیں عروش کے اقوال سنایا کرے گی۔"

"بکومت عمیر!" نمرہ فوراً چڑ گئی، پھر بات پلٹنے کی غرض سے بولی۔

"تم نے اتنی چھٹیاں کیوں کیں؟ اور چھٹیاں کرنا ہی تھیں تو پہلے سے بتا نہیں سکتی تھیں۔" وہ تنوی پر چڑھ دوڑی۔

"میں اتنا پریشان تھی کہ انفارم کرنے کا خیال ہی نہیں آیا۔" تنوی بے چارگی سے بولی۔

"پریشان؟" وہ دونوں اس کے دائیں بیٹھ گئیں۔

"کیسی پریشانی؟"

"تم دونوں اتنی جلدی اِمّ ثمامہ کی باتیں کیسے بھول گئیں۔ میرے تو دماغ سے چپک گئی ہیں۔ پتا نہیں کیا مصیبت آنے والی ہے میری زندگی میں۔ جس کی طرف ثمامہ اشارہ کر رہی تھی۔ میں جتنے روز گھر پر رہی ہر وقت اسی بارے میں سوچتی رہی ہوں عمیر! نمرہ! مجھے لگتا ہے میرا دماغ ہی پھٹ جائے گا۔" تنوی نے جتنی بے چارگی سے کہا، اتنا ہی بے ساختہ ان دونوں کے قہقہے ابھرے تھے۔

تنوی حیرانی سے ان دونوں کو پاگلوں کی طرح ہنستے دیکھ رہی تھی۔

"میں نے کہا تھا نا عمیر! تنوی کو بے وقوف بنانا دنیا کا آسان ترین کام ہے۔" نمرہ نے پیٹ پر ہاتھ رکھ کر ہنسی سے بے حال ہوتے ہوئے کہا۔ تنوی کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔

"اس کا مطلب...... تب...... تم دونوں...... نے مجھے بے وقوف بنایا؟" اس کی آنکھیں حیرانی و بے یقینی سے تقریباً پھٹنے والی ہو رہی تھیں۔

"ہمیں کیا ضرورت تھی اتنی محنت کرنے کی۔ تم تو بنی بنائی ہو یار!" وہ دونوں ہاتھ پر ہاتھ مار کر ہنسنے لگیں۔

"اب اگر تم دونوں نے ہنسنا بند کر کے مجھے پوری بات نہیں بتائی تو میں تم دونوں کو قتل کر دوں گی۔" تنوی نے پھاڑ کھانے والے انداز میں کہا۔

"اچھا بابا! غصہ کیوں کرتی ہو، بتاتی ہوں۔" عمیر کچھ سنجیدہ ہوئی، مگر محظوظ کن مسکراہٹ اب بھی اس کے لبوں پر تھی۔

"دیکھو تنوی! اس میں غصہ کرنے کی تو کوئی بات ہی نہیں۔ ہم نے تمہارے ساتھ ایک چھوٹا سا مذاق ہی کیا تھا اور اسی مقصد کے لیے ہم

نے ثمامہ کو بھی اپنے ساتھ ملالیا۔ اس روز تمہارا ہاتھ دیکھ کر ثمامہ نے جو کچھ بتایا وہ میرا اور نمرہ کا لکھا ہوا اسکرپٹ تھا۔ دراصل دو روز پہلے میرے اور نمرہ کے درمیان بحث ہو رہی تھی کہ تم دوسروں کی باتوں پر کتنی جلدی یقین کر لیتی ہو۔ کوئی آ کر تمہیں کچھ بھی کہہ دے تم اپنی عقل استعمال کیے بنا اس پر اعتماد کر لیتی ہو۔ نمرہ نے کہا، نہیں تنوی بڑی میچور مائنڈ لڑکی ہے۔ وہ بنا تحقیق کسی کی بات نہیں مانتی۔ بس اسی بات پر ہماری بحث ہو گئی، تب ہم نے تمہیں آزمانے کا سوچا اور ثمامہ کو اپنے ساتھ ملالیا۔ تمہارے مستقبل سے متعلق اس نے جو بھی باتیں بتائیں وہ سب جھوٹ پر مبنی تھیں۔ اب تم اپنی عقل ملاحظہ کرو۔ سب سے پہلے تو یہ غلطی کی کہ ہماری بات فوراً مان لی کہ ثمامہ پامسٹری جانتی ہے اور کالج میں اس حوالے سے اس کی بڑی شہرت ہے۔ جتنا عرصہ تمہیں یہ کالج جوائن کیے ہوا ہے اتنا ہی ہمیں ہوا ہے۔ تمہیں پہلے یہ تو دیکھ لینا چاہیے تھا کہ ثمامہ واقعی اس حوالے سے جانی بھی جاتی ہے یا نہیں۔ دوسری غلطی تم نے یہ کی کہ یہ تو بڑی کامن سی بات ہے کہ ہاتھوں کی لکیروں میں کوئی تقدیر و قدر نہیں ہوتی۔ یہ تو کچھ ضعیف الاعتقاد لوگوں کی پھیلائی ہوئی باتیں ہیں۔ جن میں تم جیسے کچھ نا سمجھ لوگ آ جاتے ہیں اور سوچ سوچ کر اپنا دماغ خراب کرتے ہیں۔"

تنوی چند منٹ بے یقینی سے دونوں کے چہرے دیکھتی رہی، پھر اس نے کہا۔

"میں نے کل تمہیں بتایا تھا، میں ثمامہ کی باتوں کی وجہ سے پریشان ہوں۔ آج بھی یہ ہی کہا..... تم لوگ میری پریشانی دور کرنے کے لیے جھوٹ بول رہی ہو نا؟"

"تم نے اس روز جو سنا وہ جھوٹ تھا۔ آج جو کہہ رہے ہیں سچ ہے۔" نمرہ نے ہر لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"میں نے تو پہلے ہی کہا تھا ہماری تنوی کا ہاتھ عقل کی طرف سے تنگ ہے۔ جس نے ایک بار جو کہا، اس نے آنکھیں، کان بند کر کے یقین کر لینا ہے اور سوچ سوچ کر اپنا خون خشک کرتے رہنا ہے۔ حالانکہ یہ ایسا معاملہ تھا کوئی کچھ بھی کہتا تمہیں اعتبار نہیں کرنا چاہیے تھا۔ کئی احادیث ایسی مل جاتی ہیں، جن میں کاہنوں، نجومیوں اور قیافہ شناسوں پر اعتبار نہ کرنے کی ممانعت کی گئی ہے، قرآن پاک کے سورۃ الصفت میں بھی اس کا ذکر ہے۔"

"عبیر! تمہیں وہ آیات یاد ہیں یا کوئی حدیث تو اسے سنا دو۔ ورنہ اس بار اسے ہماری بات کا یقین نہیں آئے گا۔ نمرہ نے کن اکھیوں سے تنوی کا چہرہ دیکھتے ہوئے کہا۔ اسے یک دم احساس ہوا تھا۔ وہ تنوی کو بری طرح ہرٹ کر چکی ہیں اور اس کی خفگی جائز بھی تھی۔ اگر نہیں تنوی کو پرکھنا بھی تھا، تب بھی ایسا مذاق نہیں کرنا چاہیے تھا۔

"آیات تو یاد نہیں آ رہیں، البتہ اتنا یاد ہے سورۃ الصفت کی ابتدائی آیات میں ذکر ہے۔ ہاں ایک حدیث ہے جسے حضرت عائشہؓ نے روایت کیا ہے کہ کچھ لوگوں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے کاہنوں کے متعلق سوال کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔" (یعنی نجومی اور کاہن) کچھ نہیں ہیں اور ان کی باتوں کا اعتبار نہیں۔"

لوگوں نے کہا۔ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! بعض دفعہ وہ ہمیں کسی چیز کی بابت بتاتے ہیں اور وہ بات سچ نکلتی ہے؟ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔" یہ سچی بات اسے جن، فرشتوں سے اچک لیتے ہیں اور اپنے دوست کے کان میں ڈال دیتے ہیں، پھر وہ دوست اس کے ساتھ سو جھوٹ ملا لیتا ہے۔" ایک حدیث کا مفہوم ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔" فرشتے اللہ کے احکام لے کر بادلوں میں اترتے ہیں اور

اس بات کا ذکر کرتے ہیں، جس کا فیصلہ آسمان میں کیا گیا ہوتا ہے، شیطان چوری چھپے اسے سنتا ہے اور کاہنوں کو پہنچا دیتا ہے تو وہ کاہن یا نجومی اس کے ساتھ اپنی طرف سے سو جھوٹ ملا کر بیان کرتے ہیں۔"

عبیر خاموش ہو گئی۔ تنوی بے تاثر چہرے کے ساتھ اسے دیکھ رہی تھی۔ عبیر کے خاموش ہوتے ہی وہ اپنی جگہ سے کھڑی ہوئی، جھپٹ کر اس نے اپنا بیگ اور فائل اٹھائی اور دوسری نظر ان پر ڈالے بغیر کلاس روم سے باہر نکل گئی۔

☆☆☆

ان دونوں کے لیے تنوی کا ردِ عمل بالکل غیر متوقع تھا۔ اس کے کلاس روم سے نکل جانے کے چند منٹ بعد جیسے انہیں ہوش آیا تو حواس باختہ ہو کر اس کے پیچھے دوڑیں۔

"تنوی۔! تنوی" کوریڈور کے کونے پر انہوں نے اسے جا لیا۔

"ہٹو میرے راستے سے...... مجھے تم دونوں سے بات نہیں کرنی۔" تنوی نے سختی سے کہا۔

"ارے واہ...... کیوں بات نہیں کرنی۔" عبیر نے سختی سے اس کا ہاتھ پکڑا اور کھینچتے ہوئے ایک خالی کلاس روم میں لے آئی۔

"یہ تم مجھ سے نہیں خود سے پوچھو۔" تنوی نے جھنجلاتے ہوئے اپنا ہاتھ چھڑوایا، اس کا چہرہ غم وغصے سے لال ہو رہا تھا۔ تنفس تیز تھا اور جملہ پورا ہونے تک آنکھوں سے آنسو بھی نکل آئے تھے۔ وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئیں۔

"ہم نے تو مذاق کیا تھا تنوی!" نمرہ نے شرمندگی سے کہا۔

"مذاق ایسے ہوتے ہیں۔" وہ چیخ کر بولی۔ "پورا ایک ہفتہ میں سکون سے سو نہیں سکی۔ سونے کے لیے لیٹتی تھی تو پہلا خیال ذہن میں یہ ہی آتا تھا کچھ برا ہونے والا ہے، رات کو جتنی مرتبہ آنکھ کھلی یہ ہی خیال آسیب کی طرح مجھے ڈرانے آجاتا تھا اور تم لوگوں کے نزدیک یہ مذاق تھا، یہ ہی بات اگر شامہ مجھ سے کہتی تو میں کبھی یقین نہ کرتی۔ میں نے اس کی باتوں پر یقین کیا، کیونکہ تم لوگوں پر مجھے اعتبار تھا۔ میں نے سوچا میری بیسٹ فرینڈز مجھ سے کیوں جھوٹ بولیں گی، وہ کیوں مجھے ڈرائیں گی۔"

"ایم سوری تنوی! ہمیں نہیں پتا تھا تم اتنا ہرٹ ہو گی!" عبیر نے اس کے قریب بیٹھ کر پیار سے اس کا ہاتھ سہلاتے ہوئے کہا۔

"سوری تو ہے...... لیکن ہم تو صرف یہ ہی دیکھنا چاہتے تھے تم کسی کی بات کا اعتبار کرنے سے پہلے اپنی عقل بھی استعمال کرتی ہو یا نہیں...... تبھی تمہیں بے وقوف بنانے کے لیے ہم نے وہ طریقہ استعمال کیا، جو بہت کامن تھا، پھر ہاتھ کی لکیروں میں مستقبل کے اشارے تلاش کرنے سے متعلق مذہبی پوائنٹ آف ویو اتنا واضح ہے کہ کسی اور شبے کی گنجائش ہی نہیں، ہم نے سوچا جیسے ہماری ماؤں نے بچپن میں ہی ہمیں اس کا مطلب سمجھایا ہوا ہے، ویسے ہی تمہاری امی نے بھی تمہیں بریف کیا ہو گا۔" نمرہ سادگی سے بولتی چلی گئی۔

"میں صرف چار سال کی تھی جب میری امی کا انتقال ہو گیا تھا۔ انہوں نے مجھے کبھی کسی معاملے میں بریف نہیں کیا۔" اس نے آنسوؤں سے بوجھل آواز میں کہا۔ "نہ ہی میرے کسی بزرگ نے مجھے بتایا کہ اگر کوئی قریبی دوست کوئی بات کہے تو اس پر یقین نہ کروں۔ میں سوچ بھی نہیں

سکتی تھی میری بیسٹ فرینڈ...... جن پر میں بے حد اعتبار کرتی ہوں وہ مجھے اس طرح بے وقوف بنائیں گی۔ ہم جن پر خود سے زیادہ اعتماد کرتے ہوں ان سے دھوکے کی توقع کبھی نہیں کر سکتے۔"

"او کے آئی ایم سوری...... ہم تمہیں ہرٹ نہیں کرنا چاہتے تھے اور یہ بھی اندازہ نہیں تھا کہ تم اس قدر سنجیدگی سے ان تمام باتوں پر اعتبار کر لوگی۔" عمیر نے دونوں ہاتھوں سے اس کے گال پونچھتے ہوئے پیار سے کہا۔

"اب جلدی سے مسکرا کر دکھاؤ، تم روتی ہوئی بالکل اچھی نہیں لگتیں۔" ثمرہ نے کہا، تنوی ہلکا سا مسکرائی، پھر تینوں ہنس دیں۔

"اور ایک بات میری ہمیشہ یاد رکھنا، کوئی آپ کا کتنا بھی قریبی عزیز دوست، رشتہ دار کیوں نہ ہو۔ اس کی بات پر تب تک اعتبار کر کے کوئی عمل نہ کرو، جب تک اپنی عقل سے اسے پرکھ نہ لو...... بعض حالات ہمارے، بہت اپنوں کو بھی ہمارا اپنا نہیں رہنے دیتے۔"

ثمرہ نے تنوی کے کندھوں پر بازو پھیلاتے ہوئے محبت سے کہا تھا۔

"ہم خواہ مخواہ عروش سے متاثر ہو رہے تھے، میرا تو خیال ہے ثمرہ! تمہارے اقوالِ زریں کی کتاب بھی مارکیٹ میں آ جانا چاہیے۔"

عمیر نے اتنی سنجیدگی سے کہا تھا، ثمرہ کو سمجھنے میں چند لمحے لگے، پھر وہ تینوں ہی زور سے ہنس دیں۔ بڑی سی کھڑکی سے اندر آتی صبح کی چمکیلی تر و تازہ دھوپ بھی انہیں دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔

☆☆☆

اس روز اینیا کا ارادہ دیر تک سونے کا تھا، لیکن ہر روز کی طرح آج بھی اس کی آنکھ مخصوص وقت پر کھل گئی۔ چہرے کو تکیے سے ڈھانپ کر اس نے دوبارہ سونے کی کوشش کی، مگر نیند مہربان ہو ہی نہیں رہی تھی۔ تب وہ تکیہ ایک طرف پھینکتی اٹھ کر بیٹھ گئی۔ گرم شال کو اپنے گرد لپیٹا اور کھڑکی کے پردے ہٹا دیے۔

پردے ہٹتے ہی تیز روشنی ایک جھماکے سے اندر داخل ہو کر سارے کمرے میں بکھر گئی۔

رات کے کہرے نے شیشے پر نم آلود دھواں سا پھیلا رکھا تھا، اینیا نے انگلیوں کی پوروں سے نمی ہٹا دی، یہاں تک کہ سطح پر ایک دھندلا سا دائرہ دکھائی دینے لگا اور وہ شیشے سے ناک چپکا کر باہر دیکھنے لگی۔ دن اپنی پوری تابنا کی کے ساتھ کائنات کے کینوس پر دکھائی دیتا تھا اور صبح کے آسمان پر سرمئی بادلوں کے ٹکڑے تیر رہے تھے۔ سفید بگلوں کی ایک قطار آسمان پر اڑی جاتی تھی، جبکہ ٹھنڈی یخ ہوا سست روی سے چلتی نیچے لان میں اس کے پیڑ پودوں سے چھیڑ چھاڑ کر رہی تھی۔ اینیا نے پیار سے اپنے پودوں کو دیکھا، پھر سر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھنے لگی۔

کل اس کا آخری پیپر تھا، می، ڈیڈی کی اینی ورسری والے روز کسی وجہ سے ملتوی ہونے والا ڈنر بھی ان لوگوں نے کل رات ہی کیا تھا۔ ولید، ولی اور خود اس نے بہت انجوائے کیا تھا اور می، ڈیڈی کے خوش و خرم چہرے دیکھ کر اسے بے حد اطمینان محسوس ہوا تھا۔ پہلی بار ہی وہ ولید کی سمجھ داری سے متاثر ہوئی تھی۔ اس کے چھوٹے سے پلان نے بڑی آسانی سے می، ڈیڈی کے درمیان حائل ہوتی اس غیر واضح دیوار کو گرا دیا تھا۔

وہ خوش تھی اور بے حد مطمئن، آپ کو اچھا لگتا ہے جب آپ کے قریب لوگ مل جل کر خوش باش زندگی گزاریں۔ تبھی اس کی نگاہ لان کی

طرف جھکی اور وہ چونک سی گئی۔

برآمدے سے کچھ فاصلے پر کوئی سورج مکھی کے پودے سے چھیڑ چھاڑ کرنے میں مصروف تھا۔ اس کا چہرہ دوسری طرف ہونے کی وجہ سے اینیا اسے پہچان نہیں سکی، لیکن اپنے قد کاٹھ اور ڈیل ڈول سے وہ اجنبی دکھائی دیتا تھا۔

اینیا نے ذرا سا آگے جھک کر اور آنکھیں سکوڑ کر اس کا چہرہ دیکھنے کی کوشش کی، مگر یک دم اس کے تاثرات غصے میں ڈھل گئے۔ اجنبی جس رخ پر کھڑا تھا، یہاں سے اس کے ہاتھوں کی جھلک دکھائی دے رہی تھی۔ اس کے ہاتھ میں چھوٹی سی قینچی تھی، جس کے ساتھ وہ تیزی سے پتے کاٹنے میں مصروف تھا۔ یہ دیکھ کر اسے بے حد غصہ آنے لگا۔ یہ لان اس کی راج دھانی کی طرح تھا، جس کی وہ بلا شرکت غیرے حکمران تھی۔ اس کی مرضی کے بغیر یہاں سے ایک پتہ بھی نہیں ہلایا جاتا تھا، حتیٰ کہ مالی بابا بھی اس کی اجازت کے پابند تھے۔ ایسے میں یہ کون اجنبی تھا جس نے اس کی ریاست میں آ کر اس کے پودوں سے چھیڑ چھاڑ کی ہمت کی تھی۔

ابھی وہ سوچ ہی رہی تھی کہ دھاڑ سے دروازہ کھلا اور شازیہ کی حواس باختہ صورت دکھائی دی۔

"انو باجی...... انو باجی!" وہ گرتی پڑتی اندر داخل ہوئی۔ اینیا غصے کے زیر اثر تھی، یوں بلا اجازت اور بدتہذیبی سے آنے پر اور جھنجلا گئی۔

"تمہیں تمیز نہیں سکھائی شازیہ! چاہے کوئی کتنا بھی دماغ کیوں نہ لڑائے تمہارے ساتھ، دروازہ کھٹکھٹا کر تمیز سے نہیں آ سکتیں اندر...... ایسے گرتی پڑتی آ رہی ہو، جیسے پیچھے بھوت لگا ہو۔ کیا آفت آئی ہے؟" اس نے ڈپٹ کر پوچھا، لیکن بجائے شرمندہ ہونے کے شازیہ شرمانے لگی۔

"ہائے اللہ باجی! ایسے تو نہ کہیں، آفت آئے ہمارے شریکوں پر...... ہم پر کیوں آئے۔" اس نے دوپٹے کا آنچل دانتوں میں دبا کر کہا۔

"دراصل جی...... وہ آئے ہیں، وہ"......

"وہ؟" اینیا نے گھور کر اسے دیکھا۔ "یہ کس مخلوق کا نام ہے؟"

"نام تو جی بڑا پیارا ہے ان کا...... لیکن میں اپنے منہ سے کیسے لوں، مجھے شرم آتی ہے۔" جھکی لرزتی پلکیں گہری گہری سانسیں۔

"اونہہ...... شبنم کی جانشین۔" اینیا کا پارہ اور چڑھ گیا۔

"شازیہ! صبح صبح میرا دماغ خراب مت کرو، سیدھی طرح بتاؤ کون آیا ہے؟"

"وہ ہی انو باجی! میرے خوابوں کا شہزادہ۔" شازیہ نے خواب ناک آواز میں کہا۔

"ایڈیٹ...... اتنی دیر سے اپنی پھپھی کے لڑکے کے لیے پہیلیاں بجھوا رہی تھیں۔ وہ بھی مجھ سے۔" اینیا نے جھنجلا کر کہا۔

"ہائے باجی! نعمان اعجاز میری پھپھی کا لڑکا کیوں ہونے لگا؟" شازیہ نے صدمے سے اینیا کو دیکھ کر پوچھا۔

"واقعی...... نعمان اعجاز تمہاری پھپھی کا لڑکا کیوں ہونے لگا۔ میں تو تمہاری پھپھی کے لڑکے کی بات کر رہی ہوں۔ دو ہفتے پہلے تک تو وہی تمہارے خوابوں کا شہزادہ تھا نا؟" اینیا نے تصدیق چاہی، جس پر شازیہ ہاتھ لہرا کر لاپروائی سے بولی۔

"لو وہ تو اتنی پرانی بات ہو گئی، آپ کو اب تک یاد ہے انو باجی! میں تو پچھلے ہفتے ہی بھول گئی تھی۔ وہ چوڑا چمار کیوں ہونے لگا، میرے

خوابوں کا شہزادہ؟ اونہہ...... نرا فقیر...... کبھی پچاس روپے کا پراندہ تو لے کر دیا نہیں۔ میں نے سوچا ایسے شودے بندے سے محبت کرنے سے بہتر ہے، بندہ محبت ہی نہ کرے، لیکن پچھلے اتوار کو وہ ڈرامہ لگا تھا ناں، ٹی وی پر۔ جس میں نعمان اعجاز پگڑی باندھتا تھا تو بس اسی روز میں نے نعمان اعجاز کو اپنے خوابوں کا شہزادہ مان لیا تھا۔"

"تو نعمان اعجاز نے پچاس روپے کا پراندہ لے دیا؟"

"ہائے انو باجی! آپ تو بڑی مذاقیہ (مزاحیہ) ہیں۔" شازیہ شرما گئی۔ "میں سوچتی ہوں انو باجی! میرا رب کتنا کارساز ہے، اس نے میری لگن دیکھی ہوگی اور کہا ہوگا، چلو نعمان اعجاز نہ سہی تو اس جیسا کوئی بھیج دیتے ہیں۔ آپ چل کر دیکھو باجی! وہ ہو بہو نعمان اعجاز لگتا ہے۔"

"اب تمہاری بات پر کون یقین کرے۔ دو ہفتے پہلے تمہیں اپنی پھپھی کا لڑکا معمر رانا لگ رہا تھا، اب نعمان اعجاز...... اچھا سنو۔" اسے یک دم خیال آیا تو اسے قریب بلا کر پوچھنے لگی۔ "کہیں تم اس شخص کی بات تو نہیں کر رہیں؟"

وہ اب یوکلپٹس کی طرف بڑھ رہا تھا۔

"ہاں جی...... یہ ہی ہے۔" "لیکن یہ ہے کون؟ اور ہمارے گھر میں کیا کر رہا ہے؟"

"یہ تو جی پتا نہیں۔" شازیہ نے لاعلمی ظاہر کی۔

"کون ہو سکتا ہے؟" اس نے سوچا، وضع قطع سے تو ملازم طبقے کا بھی دکھائی نہیں دیتا تھا۔

"شازیہ!" انیتا نے گہری سانس بھرتے ہوئے اسے مخاطب کیا۔ "چلو پھر ذرا تمہارے اس نعمان اعجاز کے احوال پوچھ کر آتے ہیں، میرے پودوں کو ہاتھ لگانے کی ہمت کیسے کی اس نے؟" وہ تیزی سے دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

☆☆☆

ماوی نے باہر آ کر فیضان ماما کی تلاش میں نظریں دوڑائیں، حسب توقع وہ لان کا جائزہ لینے میں مصروف تھے، ماوی لمبے لمبے ڈگ بھرتی ان کے پاس آ گئی۔

"میں انتظار کرتے تھک چکی ہوں ماما! پلیز آپ توقیر انکل کو فون کر کے پوچھیں، ان کا ڈرائیور کتنی دیر میں پہنچے گا؟"

"میری بات ہوئی ہے توقیر بھائی سے۔" فیضان نے ذرا کی ذرا نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔ "ڈرائیور پچیس منٹ میں پہنچ رہا ہے۔"

"پچیس منٹ۔" ماوی نے بےزاری سے کہا۔ "میں سمجھ گئی سلطانہ آنٹی سے ملاقات میری قسمت میں ہی نہیں ہے۔ میں نے خوامخواہ می سے ضد کر کے انہیں خفا بھی کیا۔ پچیس منٹ میں ڈرائیور صاحب پہنچیں گے۔ پتا نہیں ڈرائیونگ کیسی ہوگی محترم کی۔ کب ہم یہاں سے نکلیں گے، کب ساہیوال پہنچیں گے۔"

"تم پریشان کیوں ہو رہی ہو؟" فیضان نے پوچھا۔ "ہم گیارہ بجے تک پہنچ جائیں گے، توقیر بھائی کا ڈرائیور اچھی ڈرائیونگ کرتا ہے، دیر سے بھی آیا تو ہمیں صحیح وقت پر پہنچا دے گا۔" انہوں نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

ماوی کو ان کی باتوں پر اب اعتبار نہیں تھا، بڑی دیر ہوئی وہ اسے ایسی ہی تسلیاں دے رہے تھے۔ بمشکل تحمل کا مظاہرہ کرتی وہ ادھر اُدھر دیکھنے لگی۔ صبح سرمئی سی معلوم ہوتی تھی، جبکہ ہوا میں خنکی تھی۔ ہرے پتوں پر اوس کے قطرے لرز رہے تھے۔

یک بارگی اس نے اینیا کو دیکھا، وہ تیز تیز قدم اٹھاتی اس طرف آرہی تھی۔ ماوی اسے دیکھ کر وقتی طور پر اپنی پریشانی بھول گئی۔

"آپ نے لان دیکھ لیا؟"، اس نے مسکراہٹ اینیا کی طرف اچھالی اور فیضان سے پوچھا۔

"ہاں......" فیضان نے مختصراً کہا اور اس مختصر سے جواب سے ان کی پسندیدگی یا ناپسندیدگی کا اندازہ لگانا مشکل تھا۔

"آپ کو کیسا لگا؟" اینیا سر پر پہنچ چکی تھی، جب ماوی نے اشتیاق بھرے لہجے میں پوچھا۔

"بے کار۔" فیضان نے جتنے آرام سے اپنی رائے کا اظہار کیا اتنے ہی آرام وسرعت سے ماوی کی مسکراہٹ غائب ہوئی تھی، اور اس نے خفت بھری نظروں سے اینیا کو دیکھا تھا، جو فیضان سے چند قدم پیچھے کھڑی اس کی پشت کو گھور رہی تھی۔ ماوی کا خیال تھا فیضان تعریف کریں گے کہ بہر حال اس کو تو لان پسند ہی آیا تھا۔

"مجھے لگتا ہے ان لوگوں نے کوئی بہت ہی بے کار مالی رکھا ہوا ہے، جسے باغبانی کی الف ب بھی نہیں آتی۔ اور لان کا ڈیزائن"......

"آپ کو یہاں کیا برائی نظر آئی ہے؟" اب کی بار اینیا سے رہا نہیں گیا تو بول اٹھی۔ فیضان تیزی سے پلٹے اور اس لڑکی کو دیکھ کر حیران ہوئے۔ وہ اپنے اور ماوی کے علاوہ یہاں کسی کی توقع نہیں کر رہے تھے۔

"برائی کوئی نہیں ہے، یہاں کچھ خامیاں ہیں۔"، فیضان نے ماوی کے خفت زدہ چہرے کو ایک نظر دیکھتے ہوئے اسی صاف گوئی سے کہا، جو ان کی شخصیت کا خاصا تھی۔

ماوی بات سنبھالنے کی کوشش کرتے ہوئے ان دونوں کا تعارف کروانے لگی۔

"یہ میرے ماموں ہیں فیضان مہدی اور یہ اینیا ہے۔ یہ ان ہی کا گھر ہے۔"

"خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔" فیضان تکلف سے مسکرا کر بولے، جواب میں اینیا یک ٹک انہیں دیکھتی رہی۔ اسکے چہرے پر کوئی تاثر نہیں تھا۔

ماوی کی شرمندگی میں اضافہ ہو گیا، اسے اندازہ ہو رہا تھا اینیا کو فیضان کے کمنٹس کتنے برے لگے ہوں گے، آپ اپنی کسی چیز کے لیے بہت پوزیسو ہوں اور کوئی دوسرا اس کی برائی کرے تو آپ کو اچھا تو نہیں لگ سکتا نا۔

"اینیا!"، اس نے کہنا چاہا، جواب میں اینیا نے گردن موڑ کر ایک نظر اسے دیکھا، پھر سابقہ انداز میں بولی۔

"یہاں کیا خامیاں ہیں؟"، اس نے فیضان کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"کوئی ایک نہیں، بہت سی ہیں۔" فیضان نے کہا۔

"آپ مجھے بتائیں؟" اس کا لہجہ سپاٹ تھا، لیکن اب وہ فیضان کو نہیں دیکھ رہی تھی، اس کی نظریں یوکلپٹس کے اس پودے پر تھیں، جس کے پتوں کو فیضان نے قینچی سے کاٹ دیا تھا۔

''سب سے پہلے تو یہ گھاس......اس کی تراش بہت ہی غیر مناسب ہے۔'' فیضان نے کہا۔ ماوی کا دل چاہا یہاں سے بھاگ جائے۔ اینیا کو وہ خفا کرنا نہیں چاہتی تھی اور فیضان کی صاف گوئی سے بھی اچھی طرح واقف تھی۔ جب تک لان کی ایک ایک خامی نہ گنوا دیتے انہوں نے خاموش نہیں ہونا تھا۔

ناچار دل ہی دل میں ڈرائیور کے جلدی پہنچنے کی دعا کرتی، وہ ان کے فرمودات سننے لگی۔

''درخت یہاں اچھے ہیں، لیکن یہ جگہ Willow Tree کے لیے مناسب نہیں ہے۔ Willow واٹر گارڈن کا پودا ہے۔ آپ نے اسے یہاں لگایا ہوا ہے۔ شاید آپ نے غور کیا ہو اس پودے کی گروتھ بھی کم ہے، لیکن اگر اسے زیادہ پانی میں رہنے کا موقع ملتا تو یہ اب تک خوب بڑا ہو چکا ہوتا۔ پھر علیک کو مٹی کی تین تہوں میں بویا جاتا ہے، جبکہ یہاں چار تہیں لگی ہیں، اسی لیے علیک بھی متاثر ہوا ہے۔

یوکلپٹس کے زرد ہو جانے والے پتوں کو کاٹ دینا چاہیے۔ زرد پتے مٹی کے ساتھ مل کر اچھی کھاد بناتے ہیں لیکن اگر شاخوں کے ساتھ جڑے رہیں تو مردہ سیل ایک زہریلے مواد میں بدل جاتے ہیں، جن سے باقی پودے کو نقصان بھی پہنچ سکتا ہے، پھر سب سے حیران کن اور افسوس ناک چیز...... یہ Chinese Evergreen بھی یہ ان ڈور پلانٹ ہے، آپ لوگوں نے باہر رکھ کر اس کا ستیاناس کر دیا ہے۔ میں بتا نہیں سکتا، اس بے چارے پودے کو اس حال میں دیکھ کر کتنا دکھ ہوا ہے مجھے۔'' فیضان نے خاصے ملامتی انداز میں کہا تھا۔ اسی وقت ڈرائیور گاڑی لے کر پہنچ گیا تو ماوی نے شکر ادا کیا۔

''او کے لعل لیڈی! آپ سے پھر ملاقات ہوگی۔''

فیضان نے اینیا سے کہا اور آگے بڑھ گئے۔ ماوی نے چاہا اینیا سے معذرت کر لے لیکن پھر خیال آیا، اگر اسے فیضان کی باتیں بری لگ چکی ہیں تب وہ کتنی بھی کوشش کر لے اینیا کا دل بدگمانی کی دھند سے نہیں چھٹے گا۔ اس نے نظر بھر کر اینیا کو دیکھا، جو جھک کر یوکلپٹس کے زرد پتے اٹھا رہی تھی اور بنا کچھ کہے فیضان کے پیچھے چل دی۔

اینیا مجروح نظروں سے ان پتوں کو دیکھتی رہی، جو بے جان ہو کر اس کے ہاتھوں میں دبے تھے۔

☆☆☆

''ابھی تو صرف ساڑھے آٹھ ہوئے ہیں۔ تم بارہ کا وقت کیوں بتا رہی ہو؟''

ماوی شیشے سے باہر دیکھ رہی تھی، جب اس نے فیضان ماما کو کہتے سنا۔ اس نے سرعت سے گردن موڑ کر انہیں دیکھا۔

''میں نے کب بتایا؟ میں تو خاموش بیٹھی ہوں۔'' اس نے تعجب سے پوچھا تھا۔

''تم نے نہیں بتایا، تمہارا چہرہ بتا رہا ہے، اس پر بارہ بجے ہیں۔'' فیضان نے بنا مسکراہٹ کہا، ان کی آنکھیں شرارت سے چمک رہی تھیں، ماوی کے چہرے پر ناراضی کے تاثرات پھیل گئے۔

''آپ کو اینیا کے سامنے اس طرح کے کمنٹ نہیں دینا چاہیے تھے۔''

''کیسے کمنٹ؟''فیضان نے پوچھا۔

''جیسے آپ نے دیے۔''وہ زور دے کر بولی۔

''تم نے مجھ سے پوچھا تھا مجھے لان کیسا لگا۔میں نے بتا دیا۔''

''یہ تو نہیں کہا تھا آپ پوری تفصیلات بتائیں؟''ہاں اینیا......اینیا نے تفصیلات پوچھی تھیں۔''

''آپ نے کیوں کہا تھا، لان میں کچھ خامیاں ہیں۔بات ٹال دینا چاہیے تھی۔''

''تمہیں پتا ہے میں جھوٹ نہیں بولتا۔''فیضان نے مسکراہٹ چھپا کر کہا۔

''ارے اتنی معمولی سی بات جھوٹ کے زمرے میں نہیں آتی۔''

''جھوٹ جھوٹ ہوتا ہے۔''فیضان کو اس کی تلملاہٹ مزہ دے رہی تھی۔انہوں نے زور دے کر کہا، ماوی خفگی کے اظہار کے طور پر رخ موڑ کر باہر دیکھنے لگی۔اس کی اور فیضان کی عمر میں بہت کم فرق تھا، وہ اس سے محض تیرہ برس بڑے تھے۔عمروں کے اتنے کم فرق کی بنا پر ہی ان کی شہروز، شزا اور ماوی سے خوب دوستی تھی۔خصوصاً ماوی کی شخصیت اور خیالات پر تو فیضان کی شخصیت کا گہرا اثر تھا، وہ ان ہی کی طرح بولڈ، پُر اعتماد اور صاف گو تھی اور دلچسپ بات یہ کہ ان کی اسی صاف گوئی پر اسے اعتراض ہو رہا تھا۔

''کوئی آپ کے گارڈن پر تنقید کرے تو آپ کو کیسا لگے گا؟اس بے چاری نے اپنے لان پر اتنی محنت کی ہوئی ہے آپ منٹوں میں اس کی محنت پر پانی پھیر کر آ گئے ہیں۔کتنا ہرٹ ہوئی ہوگی وہ۔تھوڑی سی تعریف نہیں کر سکتے تھے آپ؟''اس نے نروٹھے پن سے کہا۔

''کہا تو تھا، درخت اچھے ہیں۔''فیضان نے جلدی سے کہا تھا، لیکن ماوی کا دکھ کم ہی نہ ہوا۔

''میں نے اتنی تعریفیں کی ہوئی تھیں آپ کی، اور آپ پہلا امپریشن ہی خراب کر کے آ گئے ہیں۔اینیا میرے بارے میں کیا سوچتی ہوگی۔''

فیضان کو بڑے زور سے ہنسی آ گئی۔

''او خدا کی بندی!تعریفیں تم نے میری کی تھیں، امپریشن میں خراب ڈال کر آیا ہوں اور فکر تمہیں اپنی پڑی ہوئی ہے؟یہ بات کچھ سمجھ میں نہیں آئی۔''

''ظاہر ہے آپ میرے ماموں ہیں۔تعریفیں میں نے ہی کی تھیں، لیکن آپ اتنا بُرا اثر چھوڑ کر آئے ہیں، اینیا سمجھ رہی ہوگی میں اس سے جھوٹ بولتی رہی ہوں۔''

''شاباش......اپنے جھوٹ کی کتنی فکر ہے اور جو مجھے جھوٹ بولنے پر اکسا رہی ہو؟''فیضان نے ملامتی انداز میں کہا۔

''میں نے کب اکسایا؟''

''ابھی تو تم نے کہا، اگر لان اچھا نہیں لگا تو ٹال دینا چاہیے تھا۔''

''ماما......!''وہ چڑ گئی، فیضان ہنس دیے اور اس کے سر پر چپت لگا کر بولے۔

"بے فکر رہو میں جا کر تمہاری خاطر ان محترمہ سے ایکسکیوز کر لوں گا اور ان کی کارکردگی کو ایسے شاندار الفاظ میں سراہوں گا کہ خوشی سے اس کا خون دو، چار لیٹر تو ضرور بڑھ جائے گا۔"

"صرف دو چار لیٹر؟" ماوی نے منہ بنا کر پوچھا۔

"اس سے زیادہ جھوٹ میں نہیں بول سکتا۔" فیضان نے فوراً ہاتھ اٹھا دیے، ماوی ہنس دی۔

☆☆☆

"تمہارا ابھی جواب نہیں تو قیر!"

جس وقت ثروت کمرے میں داخل ہوئیں، دانیال حسن ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑے فون پر بات کر رہے تھے۔ جبکہ ان کے دوسرے ہاتھ میں ٹائی تھی۔

"کم سے کم مجھے ایک بار انفارم تو کرتے کہ فیضان مہدی صاحب پاکستان آ رہے ہیں"۔ "کیا مطلب؟ کیا کرتا؟ یار! ریڈ کارپٹ پروٹوکول نہ سہی، لیکن میں انہیں ریسیو کرنے تو جا ہی سکتا تھا، ہاں بزنس بھلے ہی نہ کیا ہو، لیکن باراتیں تو بہرحال دیکھی ہیں ہم نے۔" (قہقہہ)۔

ثروت کی اپنی چیک بک نہیں مل رہی تھی، وہ پورا دراز الٹ کر بیٹھ گئیں۔

"خیر حیرانی کی بات تو یہ بھی ہے کہ جس کے ساتھ پارٹنر شپ کی بنیاد پر میں کاروبار کر رہا ہوں، اس سے ایک بار بھی نہیں ملا۔ ہاہاہا...... ہاں یہ ہی سمجھ لو...... ایک سے رسکی معاملات ہیں...... ہر طرح سے تسلی کر لینے کے باوجود سو طرح کے خدشات لاحق رہتے ہیں...... میں نے تو پھر صرف تمہاری باتوں پر یقین کرتے ہوئے کسی تیسرے بندے پر اتنا بھروسا کیا ہے کہ اپنی ساری جمع پونجی لگا دی...... ہوں...... آمین...... چلو ٹھیک رہے گا۔ ہاں تم میری طرف سے انوائیٹ کر لو...... ہاں تمہاری بات بھی درست ہے...... تم ایسا کرو، مجھے فیضان صاحب کا کانٹیکٹ نمبر send کر دو، میں خود ہی بات کر لیتا ہوں۔ اچھا سنو تم بھی وقت پر پہنچ جانا۔ نہیں کوئی بہانہ نہیں چلے گا۔ بھابھی اور بچوں کو بھی ضرور لے کر آنا۔"

انہوں نے تاکید کر کے فون بند کر دیا، ساتھ ہی شیشے میں دکھائی دیتے ثروت کے عکس کو دیکھا۔ وہ بیڈ پر دراز الٹائے بیٹھی تھیں۔

"کیا ڈھونڈ رہی ہو؟"

"میری چیک بک نہیں مل رہی...... پتا نہیں کہاں رکھ دی میں نے۔" ثروت نے جواب دیا۔

"سیف میں چیک کیا؟ مجھے لگتا ہے میں نے وہاں پڑی دیکھی تھی۔"

"ارے ہاں...... سیف میں تو دیکھا ہی نہیں۔" وہ سیف کی طرف بڑھیں۔

"اچھا ثروت! آج ڈنر پر اہتمام کر لینا۔ توقیر کی پوری فیملی کے علاوہ کچھ لوگ اور بھی ہوں گے۔" دانیال حسن نے ٹائی کی ناٹ لگاتے ہوئے کہا۔

"کون آ رہا ہے؟" ثروت رک کر انہیں دیکھنے لگیں۔

''میں نے تمہیں بتایا نہیں۔ دراصل میں نے ایک جگہ انوسٹمنٹ کی ہے، بلکہ انوسٹمنٹ بھی کیا۔ یوں سمجھو برابر کی پارٹنرشپ کی بنیاد پر کاروبار شروع کیا ہے۔ دبئی میں ایک آئرن فیکٹری پر پیسہ لگایا ہے۔ اب اس کاروبار میں میرے اور توقیر کے علاوہ ایک تیسرا حصہ دار بھی ہے جو توقیر کا دوست ہے۔ یہ خواتین جو ہماری انیکسی میں ٹھہری ہیں، اسی بندے کی بہن اور بھانجی ہیں۔ اب پارٹنرشپ کی ہے تو اچھے مراسم بھی تو بنانا پڑیں گے۔''

دانیال حسن انہیں بتاتے چلے گئے۔ ثروت خاموشی سے سنتی رہیں، ان دونوں کے درمیان ہمیشہ جو ایک سرد مہری کی فضا قائم رہتی تھی، اس نے کبھی بھی کوئی بات تفصیل سے کرنے ہی نہ دی تھی۔ حتیٰ کہ انیکسی میں آئے لوگوں کے لیے بھی بس اتنی تاکید کی گئی تھی کہ ''ان کا خیال رکھنا، انہیں کوئی وقت نہ ہو۔''

''دبئی میں آئرن فیکٹری......'' ثروت نے کچھ تعجب، کچھ بے یقینی سے دہرایا۔

''اس کے لیے تو بہت سرمایہ چاہیے ہوگا دانیال!'' ثروت نے جھجکتے ہوئے کہا۔

''میں نے دیپال پور والی زمینیں بیچ دیں۔'' دانیال حسن نے بالوں میں برش چلاتے ہوئے بے حد سرسری انداز میں بتایا، مگر ثروت کو دھچکا لگا تھا۔

''کیوں بیچ دیں زمینیں؟ ان سے تو آپ کو اتنا لگاؤ تھا، پھر پائی پائی جوڑ کر خریدی تھی وہ اراضی۔''

''میں نے بزنس لون کے لیے اپلائی کیا تھا، مگر کچھ وجوہات کی بنا پر لون ریجیکٹ ہو گیا۔ میں نے سوچا یہ زمین کون سا فائدہ پہنچا رہی ہے، بے کار ہی پڑی ہوئی تھی۔ پھر قیمت بھی اچھی لگ رہی تھی، موٹروے کے قریب ہونے کی وجہ سے، تو بس بیچ دی۔''

''پھر بھی توقیر! آپ کو کسی انجان شخص پر اتنا بھروسہ نہیں کرنا چاہیے تھا۔ زمین بے کار بھی پڑی رہتی تو وقت گزرنے کے ساتھ اس کی قیمت میں اضافہ ہی ہونا تھا۔ سیانے کہتے ہیں سونا اور زمین......''

''بیگم صاحبہ! مجھے سیانوں کی ساری باتیں یاد ہیں۔'' دانیال حسن نے پرفیوم اسپرے کرتے ہوئے ہنس کر کہا۔

''لیکن اگر ترقی کرنا ہے تو رسک لینا ہی پڑتا ہے، دوسری بات یہ کہ اس شخص کی گارنٹی توقیر دے رہا ہے، کیا اس کے بعد بھی کسی شک کی گنجائش رہ جاتی ہے۔ بس اب دعا کرو یہ جو نیا کام شروع کیا ہے خدا اس میں ترقی دے۔''

''آمین......'' پھر دانیال حسن رات کے ڈنر سے متعلق کچھ ہدایات دے کر چلے گئے۔ ثروت چیک بک بھول کر نئے تفکرات میں گھر گئیں۔

انہوں نے تو سوچا تھا دو، تین مہینے کے قیام کے بعد بالآخر ثمینہ واپس چلی جائیں گی اور جو خدشات بار بار ان کے دل میں سر ابھار رہے ہیں، اپنی موت آپ مر جائیں گے، لیکن اگر واقعی دانیال حسن، ثمینہ کے بھائی کے ساتھ پارٹنرشپ کر چکے ہیں اور اس خاندان کے ساتھ لانگ ٹرم ریلیشن شپ قائم کرنا چاہتے ہیں، تو اس کا مطلب، خدشات کی ننگی تلوار کے نیچے ہر وقت کھڑے رہنا جس کے متعلق آپ کو پتا ہو، کسی بھی وقت آپ پر گر سکتی ہے۔

اچھا مالک، تو جو کرے گا بہتر کرے گا۔'' جب وہ سوچ سوچ کر تھک گئیں تو سارا معاملہ اللہ کے سپرد کر کے خود پرسکون ہو گئیں۔

☆☆☆

سیمینار ہال کے اسپیکرز سے آواز ایک توازن سے سماعت تک پہنچ رہی تھی۔

"دنیائے فکر و نظر میں...... چونکہ صبر کا تصور کوئی نیا نہیں ہے، اس لیے اس کا مطالعہ کسی بھی صورت میں کیا جاسکتا ہے، مثلاً ہندوؤں کے کرم کی صورت میں، آگسٹائن کے پیدائشی گناہ کے تصور میں، ایرانیوں کے زروان میں، یونانیوں کی موئرا، رواقیین کے مقدر اور شوپن ہار کے اندھے ارادے کی صورت میں بھی...... انسانی فطرت نا قابل تغیر ہے۔ یہ خیال فرائیڈ نے پیش کیا تھا اور وہ قوت ارادی کی فعالیت تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں۔ اپنے بیان کی تائید میں وہ کہتا ہے کہ ایک شخص کسی دوراہے پر کھڑا ہو کر یہ کہے کہ میں ان دو راستوں میں سے کسی ایک کا انتخاب کر کے اس کا رخ کر سکتا ہوں تو وہ اپنے آپ کو فریب دے رہا ہے، کیونکہ ان میں سے جو بھی راستہ وہ منتخب کرے گا، وہ لازماً کسی نہ کسی لاشعوری تقاضے کے ماتحت کرے گا، جس کا ممکن ہے اسے علم بھی نہ ہو، اس قسم کے موقع پر انسان سمجھتا ہے کہ میں قوت ارادی سے کام لے رہا ہوں، فرائیڈ کے خیال میں یہ اس کی بھول ہے، اس کی قوت ارادی لاشعور کے احکام کی تعمیل کے سوا کچھ نہیں کر سکتی۔" میک ڈوگل" کے خیال میں انسانی فطرت چند جبلتوں کا مجموعہ ہے، اس لحاظ سے انسان اور حیوان میں کچھ فرق نہیں ہے۔ وہ اور فرائیڈ انسان میں عقل و شعور کا وجود تسلیم کرتے ہیں، لیکن۔"

پچھلی نشستوں میں سے ایک پر بیٹھی ماوی نے چوتھی مرتبہ منہ کھول کر جمائی لینے کی خواہش کو بمشکل دل میں دبایا اور فلمی مناظر جیسے سنجیدہ ماحول میں اپنی نیند سے بند ہوتی آنکھوں کو زبردستی پورا کھول کر پورے دھیان سے اس شخص کی باتیں سننے کی کوشش کرنے لگی، جسے اسٹیج پر آ کر اپنے خیالات کا اظہار کرتے اور فرائیڈ، ایڈلر، کامیو، گوئٹے، شوپنے دہراتے بلا مبالغہ چھتیس منٹ گزر چکے تھے اور خدا گواہ ہے کہ ایک بھی لفظ اس کی سمجھ میں آیا ہو، ایک تو اس قدر بورنگ گفتگو، پھر نفسیات کی ایسی ایسی اصطلاحات اور پھر اردو میں ان کا بیان...... نیند کا غلبہ طاری ہونے سے پہلے بھی وہ منہ اور آنکھیں کھول کر بے وقوفوں کی طرح ان افراد کے چہرے دیکھتی رہی، جن کے منہ سے یہ سب باتیں نکل رہی تھیں۔ گو کہ اس کے پاس وہ پرنٹڈ صفحات بھی موجود تھے، جن پر سیمینار کے موضوع کو ترتیب وار بیان کیا گیا تھا، مگر...... دراصل غلطی اس کی نہیں تھی، کسی کی بھی نہیں تھی۔ نفسیات اس کا مضمون تھا، نہ اسے انسانی نفسیات جانچنے پرکھنے کا شوق...... وہ تو دیر سے پہنچنے پر سلطانہ آنٹی اسے داخلے کا پاس اور یہ پرنٹڈ میٹریل تھما کر اسے یہاں بٹھا گئی تھیں اور جاتے جاتے بعجلت ملتے ہیں بریک کے بعد۔"

جیسا جملہ بھی بول گئی تھیں۔ وہ بے چاری ایڈمنسٹریشن کا حصہ تھیں، مہمان داری سے زیادہ ضروری اسٹیج کے بالکل سامنے والی کرسیوں پر ان کی موجودگی تھی، سو وہ چلی گئیں اور یہ یہاں بیٹھی ان خشک خیالات کو سننے کی کوشش کر رہی تھی، جن سے اسے رتی بھر بھی دلچسپی نہ تھی۔ فیضان ماما اسے چھوڑ کر ڈرائیور کے ساتھ اپنی منزل کو چلے گئے۔ اب انہوں نے اس کی ایک کال پر اسے لینے آنا تھا۔

معاً منہ نیچا کر کے اس نے ایک چھوٹی سی جمائی لے ہی لی، پھر ذرا چوکنی ہو کر بیٹھ گئی۔

"کامیو نے اپنی کتاب میں ایک یونانی شخص "سی فس" کا ذکر کیا ہے جو۔"

ماوی نے کرسی پر ذرا سا اوپر اٹھ کر سلطانہ آنٹی کو تلاش کرنا چاہا۔ اگلی نشست پر ان کا گول جوڑے والا سر واضح طور پر پہچانا جا رہا تھا، جبکہ دائیں دیوار میں نصب کھڑکی سے سرمئی بادلوں کے ٹکڑے بھی جھانک رہے تھے۔

”اوئے تنوی! دیکھو بادل...... مانو نہ مانو آج بارش ہوگی۔“ معا ماوی نے پچھلی نشست سے ایک دبی ہوئی، لیکن پرُ جوش آواز سنی۔

”اور اگر نہ ہوئی تو۔“ ایک دوسری آواز سنائی دی۔

”تو......تو ہم نمرہ کا نام بدل کر جھوٹی حسینہ رکھ دیں گے۔“

”نمرہ کا نام کیوں بدلیں؟ تمہارا کیوں نہیں؟“

”کیونکہ عظیم لوگوں کے نام نہیں بدلے جاتے۔“ شاہانہ انداز میں جواب دیا گیا، ماوی کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اسے ان آوازوں میں دلچسپی محسوس ہو رہی تھی، اس نے کرسی سے ٹیک لگائی اور ان کی آوازوں کی طرف سماعت لگا کر بیٹھ گئی۔

”لیکن تم نے عظیم کام کیا، کیا ہے؟“

”نمرہ جیسی سہیلی کی باتیں مان کر حق دوستی نبھانے کے لیے پچھلے ڈیڑھ گھنٹے سے بیٹھی اسکالرز کی بدمزہ باتیں سن رہی ہوں۔ اس سے عظیم کام کیا ہوگا؟“

”اچھا عبیرا! میں نے سنا ہے اس فورم پر گفتگو کرنے کے لیے پورے ملک سے بڑے بڑے اسکالرز کو انوائیٹ کیا گیا ہے؟“

”ہاں تو بڑے تو لگ بھی رہے ہیں، تم خود بتاؤ ان میں سے کوئی ایک بھی تمہیں ساٹھ سے کم کا لگ رہا ہے؟“ وہ دونوں کھی کھی کر کے ہنسنے لگیں۔

”ویسے یہ نمرہ بی بی! ہمیں پھنسا کر خود کہاں غائب ہوئی ہیں؟“

”اسے عروش نے بلوایا تھا، اسی کے حضور حاضری دینے گئی ہے۔“

”مجھے عروش اچھی نہیں لگتی عبیرا! میں نہیں چاہتی کہ نمرہ اس سے دوستی رکھے۔ کچھ ایسا نہیں ہو سکتا کیا کہ نمرہ اس سے دوستی چھوڑ دے؟“

”عروش تمہیں پسند نہیں نمرہ کو تو ہے...... میرے یا تمہارے کہنے پر وہ دوستی کیوں چھوڑے گی؟“

”ہاں...... کہتی تو تم ٹھیک ہو؟“

”ویسے بھی تنوی! عروش تمہیں کیا کہتی ہے جو تمہیں بری لگتی ہے۔ دوستی کرنا چاہتی ہے نا تم سے تو کرلو۔“

”کہتی تو کچھ نہیں، بس مجھے اس کی آنکھیں بہت بری لگتی ہیں۔“

”لو اور سنو۔ پورا کالج اس کی آنکھوں کی تعریفیں کرتا ہے۔“

”غلط...... بالکل غلط...... پورا کالج اس کی آنکھوں کی تعریفیں نہیں کرتا۔ جو لڑکیاں عروش کی نام بوائے لک سے متاثر رہتی ہیں، صرف وہ اس کی آنکھوں کی تعریف کرتی ہیں۔“

”اچھا...... شاید میں نے غور نہ کیا ہو۔“ اس عبیر نامی لڑکی نے کہا۔ ماوی کی گود میں رکھے صفحات پھسل کر نیچے جا گرے۔ اس نے جھک کر اٹھائے اور سیدھی ہو بیٹھی۔ اسٹیج پر اب کسی اگلے محترم کو بلانے کو تیاری کی جا رہی تھی۔

”میری تعریف کرنا بند کرو عبیرا! مجھے پتا ہے میں کتنی خوب صورت ہوں اور مجھے یہ بھی پتا ہے تم کتنی بڑی جھوٹی ہو۔“ یہ تنوی کی آواز تھی۔



"میں جھوٹ کیوں بولوں گی؟"

"پچھلی بار جھوٹ کیوں بولا تھا؟"

"ہی ہی ہی..... تم بھولیں نہیں اب تک؟"

"کبھی نہیں بھولوں گی میری بیسٹ فرینڈ نے استے بہترین طریقے سے مجھے بے وقوف بنایا ہے کہ میں بھول ہی نہیں سکتی۔"

"یار! چھوٹا سا مذاق تھا وہ..... اب تم بھول بھی چکو، اور کم سے کم میں اب جھوٹ نہیں بول رہی تم سچ مچ بہت پیاری ہو، کوئی بھی میری بات کی تائید کرے گا، یہ جو ہمارے سامنے والی چیئر پر لڑکی بیٹھی ہے، کہو تو اس سے تائید کروا دوں۔"

ماوی بے اختیار چونکی۔ ان کے عین سامنے والی کرسی پر وہی برا جمان تھی۔

"پاگل مت ہو عبیرا!" تنوی نے غصے سے کہا۔ "مجھے پتا ہے میں کتنی پیاری ہوں۔" اس کا لہجہ اکتایا ہوا تھا۔ "دراصل تمہیں پتا نہیں ہے اصل خوب صورتی کیا ہوتی ہے۔ کبھی میری نانو جان کو دیکھو تو پتا چلے، وہ واقعی بیوٹی فل اور گریس فل ہیں کہ بس۔"

"ارے..... یہ کس دور کی لڑکی ہے، جو اپنی تعریف کے جواب میں اپنی نانو کی خوب صورتی کو ترجیح دے رہی ہے۔" ماوی کا دل چاہا پلٹ کر اس لڑکی کو دیکھے۔

"تنوی ٹھیک کہہ رہی ہے، اس کی نانو سچ مچ بہت پریٹی ہیں۔" ایک اور مدھم لیکن شوخ سی آواز سنائی دی۔

"تم تنوی کی نانو سے ملی ہو؟" یہ عبیر نے پوچھا تھا۔

"نہیں ملی تو نہیں ہوں، لیکن ایک مرتبہ مارکیٹ میں انہیں تنوی کے ساتھ دیکھا تھا۔ یار! وہ تو ایک دم اسٹار پلس کے ڈراموں والی نانی لگتی ہیں، ینگ بالکل۔"

"ثمرہ! تم کہاں غائب ہو گئی تھیں؟"

"یہاں سے نکلو..... باہر جا کر بتاتی ہوں۔"

"بات کیا ہے؟"

"سمیلیو! بڑے مزے کی بات ہے، تم دونوں سنتے ہی پھڑک اٹھو گی۔"

"اچھا..... چلو، لیکن ابھی فارم اوپن ہونے والا ہے تم نے جو کچھ پوچھتے تھے وہ تو پوچھ لو۔"

"ہم دس منٹ میں واپس آ جائیں گے۔ بس اب اٹھ چکو۔" چند سیکنڈ بعد ماوی نے گردن موڑ کر دیکھا، وہ تینوں ہال کے پچھلے دروازے سے باہر نکل رہی تھیں۔ ماوی کو از سرِ نو بوریت کا احساس ہونے لگا، اس نے گہری سانس بھر کر نظریں سامنے لگا دیں۔

☆☆☆

''موسم کتنا اچھا ہو رہا ہے نا؟'' باہر آ کر نمرہ نے آسمان پر تیزی سے پھیلتے بادلوں کو دیکھ کر کہا۔ ٹھنڈی ہوا درختوں سے جھول رہی تھی اور موسم سرمئی سا معلوم ہوتا تھا۔ فضا میں خنکی تھی۔

''ہائے کس قدر نان رومانٹک لڑکی ہو۔ میرا تو دل چاہ رہا ہے، سنبل کے اس درخت پر جھولا ڈال لوں اور جھولا جھولتے ہوئے وہ گانا گاؤں...... آسمان کو لگا نے ہاتھ میں...... لو چلی، چلی ہوا کے ساتھ میں۔'' باقاعدہ ترنم سے گا کر خواہش کا اظہار کیا گیا تھا۔

''او زارا شیخ کی جانشین! تم کیا موسم پر تبصرہ کرنے کے لیے ہمیں اٹھا کر لائی ہو؟'' تنوی نے پوچھا۔

''نہیں...... میں تم دونوں کو بوریت سے بچانے کے لیے اٹھا کر لائی ہوں۔'' نمرہ نے فخریہ انداز میں ان دونوں کو دیکھا۔

''ماں صدقے...... تمہیں کتنا خیال ہے ہماری بوریت کا، پچھلے ڈیڑھ گھنٹے سے ہم اندر بیٹھے کس قدر بوریت محسوس کر رہے ہیں، اس کا کتنی جلدی احساس ہو گیا تمہیں......ادھر آؤ نمرہ ذرا بلائیں تو لے لوں تمہاری۔''

''تم تو پہلے ہی بلا ہو...... میری بلائیں لے کر تو اور خونخوار ہو جاؤ گی، اس لیے رہنے دو۔'' (قہقہہ)۔

''اچھا بکو مت۔'' عبیر نے بے نیازی سے کہا۔

''نہیں بکتی۔''

''واللہ...... کس قدر تابع دار رہی ہو نمرہ! میرا خیال ہے میں سچ مچ تمہاری بلائیں لے لوں۔'' عبیر والہانہ آگے بڑھی۔

''خبردار...... دور...... دور۔'' نمرہ سٹپٹا کر پیچھے ہٹی، تیزی میں اس کی نوٹ بک سے فیروزی رنگ کا لفافہ پھسل کر نیچے گر گیا۔ سوئے اتفاق سب سے پہلی نظر تنوی کی پڑی۔

''یہ کیا ہے نمرہ؟'' اس نے بڑھ کر لفافہ اٹھایا، الٹ پلٹ کر دیکھا، پھر چونک سی گئی۔ ''اس پر تو میرا نام لکھا ہے۔''

عبیر متجسس سی قریب آ گئی اور تنوی کے ہاتھ میں پکڑا لفافہ دیکھنے لگی۔

''ارے یہ تو۔'' اس نے بغور ان سنہری حروف کو دیکھا جو تنوی کا نام ظاہر کرتے تھے۔ ''یہ تو عروش مرزا کی رائٹنگ ہے نا؟'' استفہامیہ انداز میں اس نے نمرہ کی طرف دیکھا، نمرہ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''یہ مجھے عروش نے دیا ہے، تاکہ میں تمہیں دے دوں۔'' نمرہ نے تنوی سے کہا۔

''مجھے۔'' تنوی حیران ہوئی، پھر لفافے کو سورج کے رخ پر کر کے بنا چاک کیے اندر جھانکنے کی کوشش کرتے ہوئے بولی۔ ''لیکن اس میں ہے کیا؟''

''اس میں تمہارے لیے لیٹر ہے، میرا مطلب لو لیٹر۔'' نمرہ نے کہا۔

''کیا۔'' تنوی تو تنوی، عبیر بھی اتنے زور سے چلائی کہ روش پر یہاں وہاں چونچیں مارتے کوے بھی ڈر کر اڑ گئے اور منظر پر ان کے پروں کی پھڑپھڑاہٹ باقی رہ گئی۔

☆☆☆

اور بڑی تگ ودو کے بعد جب لیکچر میں تھوڑی سی دلچسپی محسوس ہونے لگی تو شولڈر بیگ میں رکھا موبائل فون وائبریٹ ہونے لگا۔ ماوی نے بیگ کی زپ کھول کر نمبر چیک کیا، ایک مدھم سی مسکراہٹ آن کی آن اس کے چہرے پر روشن ہو گئی۔ سر اٹھا کر اس نے صورت حال کا جائزہ لیا، پھر بیگ ہاتھ میں دبوچ کر چپکے سے باہر آ گئی۔ پورا لیچ آخری کونے تک ویران پڑا تھا، صرف ہال کے اسپیکرز سے نکلتی آواز تھی جو روشن دانوں سے ایک سرگوشی کی مانند باہر آ کر اس ویرانی کی پراسراریت کے حلقے کو توڑ رہی تھی۔

ماوی جلدی جلدی گراؤنڈ کی طرف چلی۔ اس کی ہیل کی ٹک ٹک سے پورا لیچ گونج اٹھا۔ جب تک وہ دروازے تک پہنچی موبائل کی وائبریشن بند ہو گئی، ساتھ ہی ماوی کے قدم بھی سست پڑ گئے۔ اس نے مایوس ہو کر موبائل کی ایل سی ڈی کو دیکھا جو تاریک ہو چکی تھی۔ وہ بڑے سے لکڑی کے دروازے سے کندھا ٹکا کر باہر گراؤنڈ کی طرف دیکھنے لگی۔ ہوا پتے اڑائے پھر رہی تھی، جبکہ آسمان پر سرمئی، کالے اور سفید بادل آنکھ مچولی کھیلنے میں مصروف تھے۔

دروازے کے بالکل سامنے، لیکن کافی فاصلے پر اسے وہ تین لڑکیاں دکھائی دیں، جو کچھ دیر قبل اس کے پیچھے بیٹھی ہوئی تھیں۔ انہوں نے سفید یونیفارم پر رنگین دوپٹے اوڑھ رکھے تھے۔ اتنی دور سے ان کی آوازیں سنائی نہیں دے رہی تھیں، لیکن تاثرات سے پتا چلتا تھا کوئی گرما گرم بحث ہو رہی ہے۔

"یہ یقیناً عبیر ہے...... یہ نمرہ اور یہ جو سب سے کیوٹ ہے، ضرور یہ ہی تنوی ہو گی۔" اس نے خود ہی اندازہ لگا لیا، کیونکہ یہ تیسری لڑکی اسے بہت خوب صورت لگی تھی۔ بالکل باربی ڈول فیس تھا اس کا۔ ویسی ہی بڑی بڑی بے حد چمکدار آنکھیں، متناسب پیشانی، چھوٹی سی ناک اور ترشے ہوئے دلکش بناوٹ والے لب۔ بہت کم چہرے اتنے مکمل محسوس ہوتے ہیں، بلاشبہ وہ بہت خوب صورت تھی۔ ماوی کے موبائل میں زندگی کی رمق جاگی تو اس نے ایک بھی لمحہ ضائع کیے بنا بٹن دبا کر کان سے لگا لیا۔

"بالآخر تمہیں میری یاد آ ہی گئی۔" اس نے چھوٹتے ہی کہا۔

"تمہاری یاد کب نہیں آتی؟" شہروز کے کھنکتے لہجے میں اس کا جملہ پکڑ کر فوراً جتایا۔ "چوبیس گھنٹے میں سے تیئس گھنٹے میں تمہیں یاد کرتا ہوں۔"

"یہ کوئی کہنے کی بات ہے۔ میں اچھی طرح جانتی ہوں۔" وہ جل کر بولی، شہروز زور سے ہنس دیا۔

"کبھی آپ ہمیں طعنے دینے کے علاوہ یاد بھی کیا کیجیے۔"

"کس نے کہا میں تمہیں یاد نہیں کرتی؟" ماوی نے پوچھا۔ "میں ابھی ابھی تمہارے بارے میں سوچ رہی تھی۔"

"واقعی؟" وہ چہکا۔ "کیا سوچ رہی تھیں؟"

"میں نے ابھی ایک بہت پیاری لڑکی دیکھی ہے۔ میں سوچ رہی تھی اگر تم میرے بھائی ہوتے تو میں اس لڑکی کو تمہارے لیے پسند کرتی۔" ماوی نے نیم سنجیدگی سے کہا، جواباً وہ ترنت بولا۔

"میں تمہارا دل نہیں توڑ سکتا ماوی! وہ لڑکی اتنی اچھی لگی ہے تو ابھی بھی میرے رشتے کی بات کر لو، صرف تمہاری خاطر میں اس سے دوسری شادی کر لوں گا۔"

''دوسری شادی کا نام بھی مت لو، زندگی عذاب بنادوں گی میں تمہاری۔'' ماوی نے دھمکایا، جواب میں شہروز ہنس دیا۔

''وہ تو خیر تم سے پہلی شادی کر کے ہی میری زندگی عذاب بن جائے گی، دوسری کی گنجائش پھر کہاں رہے گی۔'' پھر پوچھنے لگا۔

''پھپھو کیسی ہیں؟'' وہ ثمینہ کے بارے میں بتا کر بڑے ماموں، ممانی اور شزا کے بارے میں پوچھنے لگی، جواب میں شہروز اسے اپنے ایڈمیشن کے متعلق بتانے لگا، اسے اسکالر شپ ملا تھا اور وہ اسپیشلائزیشن کے لیے امریکہ جا رہا تھا۔ چند روز بعد اس کی فلائٹ تھی۔

''اس کا مطلب جب میں واپس آؤں گی تم ڈبلن میں نہیں ہو گے؟'' ماوی نے دل ہی دل میں حساب لگاتے ہوئے پوچھا۔

''ظاہر ہے۔''

''میرا خیال ہے میں تمہیں مس کروں گی۔'' بڑا احسان جتانے والا انداز تھا۔

''اوہ...... آئی ایم آنرڈ مائی لیڈی!'' شہروز نے تیزی سے کہا، پھر وہ دونوں ہنس دیے۔

''ویسے اماں کا خیال ہے امریکہ جانے سے پہلے ہماری شادی ہو جانا چاہیے۔''

''پھر تم نے کیا جواب دیا؟'' ماوی نے سرسری لہجے میں لیکن دلچسپی سے پوچھا۔

''میں نے کہا میری سیٹ کنفرم ہے اور اتنے شارٹ نوٹس پر ماوی کی واپسی بھی ممکن نہیں۔ اماں کہنے لگیں تم شادی کا نام تو لو ہم جیسے بھی ممکن ہوا ماوی کو بلوالیں گے۔ میں نے کہا اماں! آپ کو جو کرنا ہے کریں میں تو شادی کا نام بھی نہیں لے سکتا۔ اگر لیا تو آپ کی کیرئر اورینٹڈ بہو پنجے جھاڑ کر میرے پیچھے پڑ جائے گی۔''

''بہت ہی خراب آدمی ہو تم شہروز! ممانی کو یہ بھی تو بتانا تھا کہ تم خود اسٹیبلش ہونے سے پہلے شادی کے کتنے خلاف ہو۔ ساری بات مجھ پر ڈال دی۔''

''تو کیا میں نے غلط کہا؟'' شہروز نے سرعت سے پوچھا۔ ''یاد ہے نا تمہیں، انگیجمنٹ کے وقت ہم نے فیصلہ کیا تھا، جب تک ہم دونوں اسٹیبلش نہیں ہو جاتے۔ کریئر نہیں بنا لیتے دونوں میں سے کوئی شادی کی بات نہیں کرے گا۔''

''مجھے یاد مت کرواؤ شہروز! میں بھولی نہیں ہوں، لیکن تمہیں ممانی کو بتانا چاہیے تھا، ابھی شادی نہ کرنے کا فیصلہ ہم دونوں کا ہے، وہ پہلے ہی مجھ سے اس بات پر خفا رہتی ہیں کہ میں شادی کے ایشو پر کیوں بولتی ہوں۔ شزا کی طرح خاموش کیوں نہیں رہتی۔ اب وہ اور خفا ہو جائیں گی۔'' اس نے فکر مندی سے کہا تھا۔

''ماوی! تمہاری سینس آف ہیومر، دن بہ دن خراب ہوتی جا رہی ہے۔'' شہروز نے یک دم خفگی و بے زاری سے کہا تھا۔

''میں نے چھوٹا سا مذاق کیا تھا تم سے...... اور تم...... تمہیں لگتا ہے میں نے اماں سے تمہارا نام لے کر کچھ کہا ہو گا؟'' وہ ناراض ہونے لگا، ماوی کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔

''اچھا سوری نا......! مجھے کیا پتا تم مذاق کر رہے ہو۔''

''ایک بات اور......اماں نے شادی کی بات نہیں کی تھی۔ یہ میرا آئیڈیا تھا کہ جانے سے پہلے نکاح کرلیا جائے۔ میں نے فیضان ماما سے بھی کہا تھا۔ وہ اس بارے میں پھپھو سے بات کریں۔ اگر تم راضی ہوتو میں اپنی فلائٹ Extend کرواسکتا ہوں۔''

''شہروز!'' ماوی نے بے چارگی سے کہا۔ ''اب منع کروں گی تو تم خفا ہو جاؤ گے؟ حالانکہ تمہیں تو انگیجمنٹ والا فیصلہ یاد ہے۔''

''نہیں خفا نہیں ہوں گا۔'' شہروز نے نارمل لہجے میں کہا۔

''بس مجھے یونہی خیال آیا، کیونکہ اسپیشلائزیشن کے لیے مجھے کم سے کم بھی تین سال کا عرصہ چاہیے ہوگا، ان تین سالوں میں ڈبلن بھی کتنی مرتبہ آپاتا ہوں، کچھ کہہ نہیں سکتا۔ میں نے سوچا......یار! منگنی بہت بے اعتبار سا رشتہ ہوتا ہے۔''

''شہروز!'' ماوی بُری طرح متعجب ہوئی۔ ''اتنے بے اعتبار کیوں ہو رہے ہو؟ تمہیں خود پر بھروسہ نہیں یا مجھ پر؟'' اس نے الجھ کر پوچھا۔

''تم پر تو خیر خود سے زیادہ بھروسہ ہے، البتہ اپنی میں گارنٹی نہیں دے سکتا۔ امریکہ میں کسی سنہری زلفوں اور نیلی آنکھوں والی نے مجھے پھانس لیا تو شکوہ مت کرنا۔'' شہروز نے شرارت سے کہا، جواباً وہ اطمینان سے بولی۔

''اور تم فکر ہی نہ کرو، شکوہ نہیں کروں گی میں، بس تمہاری اس سنہری زلفوں اور نیلی آنکھوں والی کا چہرہ تیزاب ڈال کر جھلسا دوں گی اور تمہاری بوٹیاں کر کے چیل کوؤں کو کھلا دوں گی۔''

''توبہ......کس قدر وحشی خیالات ہیں تمہارے۔'' شہروز نے ہنستے ہوئے کہا، پھر ان دونوں نے چند اِدھر اُدھر کی باتیں کیں اور فون بند کر دیا۔

''تمہیں خود پر بھروسہ نہ ہو شہروز! مجھے ضرور ہے۔ جب آرش ہیوئی تمہاری توجہ نہ کھینچ سکی تو وہ امریکن چھپکلیاں کیا کرلیں گی۔'' اس نے موبائل فون کو دیکھتے ہوئے دل ہی دل میں سوچا، پھر سر اٹھا کر اِدھر اُدھر دیکھا۔ بات کرتے ہوئے وہ سیمینار ہال سے بہت دور آ گئی تھی۔ وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی واپس چل دی۔

☆☆☆

''ممی......!'' ولی نے لاڈ سے پکارا۔

''بولو میرے چاند!'' ثروت نے اسی کے انداز میں کہا۔ ولید کے کان فوراً کھڑے ہو گئے، وہ قریبی صوفے پر نیم دراز ٹی وی دیکھ رہا تھا۔

''اتنا انٹرسٹنگ میچ چل رہا ہے، آپ چاہتی ہیں، میں میچ دیکھنا چھوڑ کر آپ سے باتیں کروں۔'' بظاہر مصروفیت بھرے انداز میں کہا۔

''میں نے کب کہا؟'' ثروت نے تعجب سے پوچھا۔

''ابھی تو آپ نے کہا، بولو میرے چاند!'' کمال کی معصومیت تھی۔

''ممی نے مجھے چاند کہا ہے۔'' ولی نے زور دے کر کہا، جواباً ولید نے سرعت سے گردن موڑ کر اسے سر سے پیر تک گھورا اور بولا۔

''آلو کی شکل والا، چاند پہلی بار دیکھا ہے۔''

ثروت نے غصے سے ولید کو گھورا، ولی روہانسا ہو کر کہہ رہا تھا۔

"ممی! یہ مجھے ہمیشہ آلو، آلو کہہ کر چڑاتا رہتا ہے۔"

"ولید! تم باز نہیں آؤ گے۔"

"آپ مجھے آلو سے بہتر کوئی نام بتادیں، میں اسے آلو کہنے سے باز آجاؤں گا۔" اس نے پھر معصومیت سے کندھے اُچکادیے۔

"میں تمہارا کوئی الٹا نام لوں۔" ولی نے آنکھیں دکھائیں، اس سے پہلے کہ ولید کوئی اگلا جملہ کہتا ثروت نے ہاتھ اٹھا کر دونوں کو روک دیا۔

"بس کرو......اب کوئی جھگڑا نہیں کرے گا۔" پھر انہوں نے موضوع بدل دیا۔ "اب تم تینوں موجود ہو۔ رات کے ڈنر کے لیے اب اچھا سا مینیو سوچ کر بتاؤ۔"

"اچھا مینیو؟" ولید نے دُہرایا، پھر پُرجوش انداز میں پوچھنے لگا۔

"آپ ہمیں ٹریٹ دے رہی ہیں؟"

"میں کس خوشی میں ٹریٹ دوں گی؟" ثروت نے حیرانی سے پوچھا۔

"اپنی اینی ورسری کی خوشی میں۔"

"تمہارے ڈیڈی نے ڈنر کروایا تو تھا؟"

"ایک ٹریٹ تو آپ کی طرف بھی بنتی ہے۔" ولید نے آنکھیں مٹکائیں۔ ثروت نے ناسمجھی سے اسے دیکھا۔ اینا بھی شرارت سے مسکرا رہی تھی۔

"بھئی، سیدھی سی بات ہے، اتنے عرصے کے بعد آپ کے سرتاج کا موڈ خوش گوار ہوا ہے۔ وہ بات بے بات غصہ کرنے کے بجائے مسلسل مسکرا رہے ہیں۔ آپ کو خوشی نہیں ہوئی؟ بس اسی خوشی میں آپ کو ہمیں ٹریٹ دینا چاہیے۔"

"واقعی ممی! ڈیڈی کا موڈ تو آج کل بہت خوش گوار رہنے لگا ہے۔" اینا نے بھی ولید کی ہاں میں ہاں ملائی تھی۔

"خدا اس موڈ کو خوش گوار ہی رکھے۔" ثروت نے دل ہی دل میں کہا، پھر بولی۔ "اس بارے میں ہم پھر بات کریں گے، فی الحال مینیو ڈیسائیڈ کرو۔ ڈنر پر کچھ مہمان آرہے ہیں۔"

"کون آرہا ہے ممی!" اینا نے پوچھا۔

"توقیر بھائی کی فیملی آرہی ہے اور ماوی، مسز احسان اور ان کے بھائی آرہے ہیں۔" اینا نے چونک کر ثروت کو دیکھا۔

"ایں......میں نے تو سنا تھا ہماری انیکسی میں ماوی اور مسز احسان رہ رہی ہیں، اب ان کے بھائی بھی آگئے۔" ولید نے کہا۔

"مسز احسان کے بھائی کے ساتھ مل کر تمہاری ڈیڈی نے کوئی بزنس شروع کیا ہے۔ یہ ڈنر اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔" ثروت نے بتایا تو تینوں بچے ایک دم بہت پُرجوش نظر آنے لگے۔

"واؤ......ڈیڈی نے بزنس شروع کیا ہے، لیکن ہمیں کیوں نہیں بتایا؟"

''ڈیڈی سرپرائز دینا چاہ رہے ہوں گے۔''

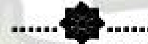
''اچھی بات ہے نا! ایک اور ٹریٹ کا بندوبست ہو گیا۔''

''آج تو مسٹر آلو کی بہن کو بھی صرف کھانے کے خواب آ رہے ہیں۔'' ولید نے پھر ولی کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھ دیا اور حسب توقع وہ بھڑک بھی گیا۔

''ولید! اب تم مجھ سے مار کھاؤ گے۔'' ثروت نے اسے ڈپٹا، ولی بولا۔ ''آپ ہمیشہ کہتی ہیں مارنے کا...... کبھی مارتی نہیں ہیں۔ ایک بار اس کی پٹائی کریں، دوبارہ ایک لفظ نہیں نکالے گا۔ آلو، آلو کہہ کر زندگی Spoil کر دی ہے اس نے۔ اس کی وجہ سے اب تو میرے سارے کلاس فیلو بھی مجھے مسٹر آلو کہہ کر چڑاتے رہتے ہیں......

اُو گاڈ...... !میں کیا کروں...... یہ ولید کا بچہ ہمیشہ مجھے تنگ کرتا رہتا ہے، مجھے پتا ہے فیوچر میں بھی یہ ہی کرے گا۔ یہ تو مجھے لو میرج بھی نہیں کرنے دے گا، سارے زمانے میں تو اس نے مجھے آلو مشہور کر دیا ہے، کوئی لڑکی آلو سے محبت کیوں کرے گی۔''

اس کی پریشانی دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی اور ففتھ اسٹینڈرڈ کے بچے کے منہ سے لو میرج کی بات سن کر وہ تینوں ہی ہکا بکا رہ گئے تھے۔ پھر سب سے پہلے ولید کی ہی ہنسی چھوٹ گئی، پھر کوشش کے باوجود ثروت اور اینیا بھی اپنی ہنسی چھپا نہیں سکیں۔ ان تینوں کو بے تحاشا ہنستا دیکھ کر ولی کو اپنی غلطی کا احساس ہوا تو جھینپی ہوئی سی مسکراہٹ اس کے چہرے پر پھیل گئی۔ اب ولید کو ولی کی کھنچائی کرنے کے لیے ایک اور موضوع مل چکا تھا۔ وہ چاروں ہنس رہے تھے اور پورے کمرے میں ایک خوش باش گھرانے کی تصویر روشن ہو رہی تھی۔



عروش مرزا...... ایک الجھا ہوا کردار...... مردانہ حلیہ بنا کر اوٹ پٹانگ حرکتیں کرتے رہنے کی شوقین، اخلاقی اعتبار سے تنزلی کا شکار۔ اس کے بارے میں کئی افواہیں اڑتی پھرتی تھیں جو کالج میں ایڈمیشن لیتے کے ساتھ ہی ان تینوں کے کانوں تک بھی پہنچیں، لیکن عموماً ایسی باتوں کی تصدیق یا تردید نہیں ہوتی، یہ صرف افواہیں ہوتی ہیں۔ عروش جیسی لڑکیوں کے متعلق عموماً تین لابیز بنی ہوتی ہیں، ایک تہائی لڑکیاں انہیں ناپسند کرتی ہیں، ایک تہائی ان کی مدح سرا دکھائی دیتی ہیں جبکہ باقی ماندہ کو عروش جیسے لوگوں سے فرق نہیں پڑتا۔ سوئے اتفاق ان کے گروپ میں بھی عروش کے متعلق تین آراء موجود تھیں۔ نمرہ عروش کو بے حد پسند کرتی تھی تنوی کو وہ سخت بری لگتی تھی، جبکہ عبیر بالکل غیر جانبدار تھی وہ بہت کم اس بارے میں بات کرتی لیکن آج جو ہوا اس نے تنوی کے ساتھ ساتھ عبیر کو بھی دم بخود کر دیا تھا اور ان دونوں کے منہ سے ''خط'' کا نام سن کر چیخ نکل گئی تھی۔ نمرہ نے بے ساختہ کانوں پر ہاتھ رکھ لیے۔

''اوفو...... میرے کانوں کے پردے کیوں پھاڑ رہی ہو...... مجھے کیا پتا بند لفافے میں کیا ہے، مجھے تو عروش نے کہا تھا تم تک پہنچا دوں سو پہنچا دیا۔'' ایک آن میں تیزی سے لفافہ چاک کیا، اندر خوشبو سے مہکتا لیٹر پیڈ تھا، عبیر نے اس کے ساتھ ساتھ پڑھنا شروع کیا، لیکن جوں جوں تنوی کی نظریں خط کی سطروں پر دوڑ رہی تھیں توں توں اس کا فشار خون بلند ہو رہا تھا اور یہ خون جیسے آنکھوں سے چھلکنے کو بے چین تھا۔

"مجھے آپ کا سب سے اچھا دوست بننا ہے اور مجھے یہ بھی پتا ہے، مجھ سے دوستی کر کے آپ کو مایوسی نہیں ہوگی۔ پلیز میرے خط کا جواب ضرور دیں۔"

صرف اور صرف آپ کا......سروش۔

تنوی کی بے تحاشا ناراضی و غصے پر حیرانی کا دھواں سا پھیل گیا۔

"نمرہ! تم تو کہہ رہی تھیں یہ عروش نے بھجوایا ہے، جبکہ اس پر تو کسی سروش کا نام لکھا ہے۔"

"غور سے دیکھو جلدی میں "ع" "س" بن گیا ہوگا۔" اس نے خود آگے ہو کر دیکھا اور حیران ہو کر بولی۔ "اس پر تو واقعی سروش لکھا ہے لیکن تنوی! میں سچ کہہ رہی ہوں، یہ مجھے عروش نے دیا ہے۔"

"ممکن ہے عروش نے سوچا ہو، کہیں تم غصے میں آکر پرنسپل سے شکایت نہ کردو، اس صورت میں تمہارے پاس کوئی ثبوت نہیں ہونا چاہیے، تب ہی اس نے اپنا نام غلط لکھوا دیا۔" عمیر نے خیال ظاہر کر دیا۔

تو اس کا خیال ہے وہ اپنا نام غلط لکھے گی تو میں شکایت نہیں لگاؤں گی۔" تنوی نے کاغذ مٹھی میں ایسے بھینچا جیسے وہ کاغذ نہیں عروش کر گردن ہو۔"

"شکایت تو میں ضرور لگاؤں گی، عروش نے مجھے سمجھا کیا ہے جو ایسا واہیات خط لکھا۔" وہ غصے سے کھول رہی تھی۔

"ایک منٹ......ایک منٹ......اگر ایسی بات ہوتی تب بھی عروش کو کم سے کم خط میں مؤنث کا صیغہ استعمال کرنا چاہیے تھا۔" عمیر کا انداز پُرسوچ تھا۔ "مجھے لگتا ہے میں نے سروش کا نام سن رکھا ہے......نمرہ یہ عروش کا وہی کزن نہیں ہے جو پچھلے ہفتے صبح سے شام تک کالج کے باہر آکر کھڑا ہوتا رہا ہے؟"

"مجھے کیا پتا۔" نمرہ چڑ گئی، پھر یک دم لجاجت سے بولی۔

"تنوی! تمہیں پتا تو ہے عروش تمہیں پسند کرتی ہے اور تم سے دوستی کرنا چاہتی ہے، کل بھی یہ ہی کہنے کے لیے تمہیں بلوایا تھا۔ لیکن تم نہیں گئیں تو اس نے خط لکھ دیا۔ یہ کوئی اتنی بڑی بات نہیں ہے یار! کہ تم شکایت لگانے چلی جاؤ کالج اسکول میں اکثر لڑکیاں ایک دوسرے کو خط لکھتی ہی ہیں۔"

"لکھتی ہوں گی مگر مجھے یہ سب باتیں پسند نہیں ہیں۔" تنوی نے سنجیدگی و تختی سے کہا۔

"میں پہلے بھی کہہ چکی ہوں، میں دوستی نہیں کرنا چاہتی، پھر یہ اوٹ پٹانگ حرکتیں کرنے کی کیا ضرورت ہے؟"

اس بار نمرہ خاموش رہی لیکن اس کے تاثرات دیکھ کر صاف پتا چلتا تھا وہ متفق نہیں ہے۔

"ویسے میرا بھی یہ ہی خیال ہے ایک بار پرنسپل تک بات پہنچا دینا چاہیے۔" عمیر کا دماغ بڑی دور کی اڑان بھر رہا تھا۔

"عروش! جس مزاج کی لڑکی ہے اگر پہلی بار میں اسے ٹوکا نہ گیا تو وہ بار بار یہ حرکت کرے گی۔"

عمیر نے بھی سنجیدگی سے اپنی رائے دی۔

"یہ اتنی بڑی بات نہیں ہے جتنا تم لوگ اسے بڑھا رہے ہو۔"

"یہ بڑی بات ہی ہے۔" عمیر نے زور دے کر کہا۔ "عروش کے بارے میں جو باتیں کالج میں پھیلی ہوئی ہیں کیا تم نے کبھی نہیں سنیں؟ وہ کس ریپوٹیشن کی لڑکی ہے، کیا ہم سب کو نہیں پتا؟ انسان اپنی صحبت سے پہچانا جاتا ہے۔ تنوی اگر اس سے دوستی کرتی ہے تب بھی بدنام ہو گی اور اگر نہیں کرتی تو بھی عروش اسے تنگ کرتی رہے گی۔ اس صورت حال سے بچنے کا واحد طریقہ یہ ہی ہے کہ پرنسپل تک معاملہ پہنچا دیا جائے۔"

نمرہ نے تحمل سے عمیر کی بات سنی۔ اگلے پل تنوی کے ہاتھ سے خط چھینا اور سرعت سے اس کو پرزوں میں تبدیل کر کے مٹھی بھر کاغذوں کو دور اچھال دیا۔ کاغذ کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں کو ہوا نے آن کی آن میں دسترس سے دور کر دیا تھا۔

یہ سب اتنی تیزی سے ہوا کہ عمیر اور تنوی کو سنبھلنے کا موقع بھی نہ مل سکا، وہ دونوں حق دق سفیدے کے درختوں کے درمیان ہوا سے اڑتے پرزوں کو دیکھ ہی تھیں۔

نمرہ نے ہاتھ جھاڑ کر ان دونوں کو دیکھا۔

"اب تم دونوں کو جو کرنا ہے کرو" ثبوت کے بغیر پرنسپل تم لوگوں کی کسی بات پر یقین نہیں کریں گی۔ مجھے گواہی کے لیے بلایا تو میں مکر جاؤں گی کہ عروش نے مجھے کوئی خط دیا تھا۔ تم دونوں بلاشبہ عروش سے زیادہ اچھی فرینڈ ہو میری۔ لیکن کسی ایک کے لیے میں اپنی دوسری فرینڈ کو مشکل میں نہیں ڈال سکتی۔" نمرہ پلٹی اور تیز تیز قدم اٹھاتی بلڈنگ کے کونے پر غائب ہو گئی۔ وہ دونوں چند منٹ پریشان اسے جاتا دیکھتی رہیں پھر عمیر نے کہا۔

"نمرہ کا دماغ بالکل خراب ہو چکا ہے۔ عروش کی صحبت میں رہتی ہے تو زبان بھی اسی کی بولنے لگی ہے، اسے یہ تک احساس نہیں کہ اس کے اور عروش کے بارے میں لڑکیاں کس قسم کی باتیں کر رہی ہیں۔" عمیر نے پریشانی سے کہا۔ تنوی کی طرح وہ اپنے آپ میں مگن رہنے والی لڑکی نہیں تھی، وہ بہت فعال تھی ہر معاملے میں اپنی رائے کا اظہار بے شک نہ کرتی ہو مگر معلومات ہمیشہ سو فیصد رکھتی تھی۔

"کس قسم کی باتیں کر رہی ہیں؟" تنوی نے چونک کر پوچھا۔

"یار! اگر بزرگ کہتے ہیں انسان اپنی صحبت سے پہچانا جاتا ہے تو ٹھیک ہی کہتے ہیں، نمرہ آج کل عروش کے ساتھ اتنا وقت گزار رہی ہے، اکثر لڑکیوں کا خیال ہے یہ بھی عروش کی طرح بیمار ذہنیت کی مالک بن چکی ہے۔"

عمیر نے ناپسندیدگی کے انداز میں اور بے حد مدھم آواز میں بتایا۔ "اور تم پریشان مت ہو عروش کا خط دیکھ کر جو تمہارا ردعمل تھا وہ یقیناً نمرہ اسے بتائے گی، مجھے امید ہے وہ دوبارہ تمہیں خط نہیں لکھے گی، لیکن اگر دوبارہ ایسا کیا تو ہم نمرہ کی ناراضی کی پرواہ کے بغیر پرنسپل کے پاس چلے جائیں گے۔"

"کیسے پریشان نہ ہوں۔" تنوی نے پریشان ہو کر پوچھا۔

"مجھے لگ رہا ہے ثمامہ نے میرا ہاتھ دیکھ کر جو بھی بتایا تھا، وہ اسی بات کی طرف اشارہ تھا۔ لو ہو گیا شروع میری زندگی کا برا دور۔" اس نے فکرمندی سے سر ہاتھوں میں گرا لیا تھا، جبکہ عمیر نے سر پیٹ لیا، مگر اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی سیمینار ہال کی لابی سے آتی ٹیچر سلطانہ کو دیکھ لیا، وہ ہاتھ کے اشارے سے اسے قریب بلا رہی تھیں۔

☆☆☆

"سنیے کیا آپ ماوی ہیں؟"

دونوں لڑکیوں کے قدم اس کی طرف ٹھٹک کرر کے تھے، ماوی نے چونک کر انہیں دیکھا، وہ تنوی اور عبیر تھیں۔ اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"ہمیں میڈم سلطانہ نے بھیجا ہے، وہ کہہ رہی ہیں ہم آپ کو ان کے کیوبیکل تک پہنچا دیں۔" ماوی ایک بار پھر اثبات میں سر ہلا کر ان کے ساتھ ہولی، کئی کلاس روم کی سامنے سے گزرنے کی بعد ایک وسیع وعریض گراؤنڈ عبور کرنا پڑا، جس کے دوسرے کنارے پر ہاسٹل کی عمارت تھی۔

ماوی کو لگا جیسے رونق تو بس سیمینار ہال کے قریب ہی تھی، باقی تو پورا کیمپس سناٹے میں ڈوبا ہوا تھا۔ پتا چلا سیمینار کی وجہ سے دیگر طالبات کو چھٹی دی گئی ہے۔ سلطانہ آنٹی باہر ہی کھڑی اس کا انتظار کر رہی تھیں۔ تنوی اور عبیرا سے میڈم سلطانہ کے سپرد کر کے واپس چلی گئیں۔

"بھئی۔ میں شرمندہ ہوں۔ تمہیں بہت انتظار کرنا پڑا۔" وہ اسے اپنے ساتھ اندر لے آئیں۔

"انتظار کا تو کوئی مسئلہ نہیں، بس ارتقائیت، نوافلاطونیت، مادیت پسندی جیسے الفاظ سن کر دماغ پک گیا میرا۔" ماوی نے حسب عادت صاف گوئی سے کہا تھا۔ وہ اس کی بات سن کر مسکرائیں۔

"لگتا ہے، سائیکالوجی سے بالکل دلچسپی نہیں ہے تمہیں؟"

"ایک فیصد بھی نہیں۔" ماوی نے سرعت سے کہا تھا۔

سلطانہ آنٹی کے کیوبیکل میں پہلے سے کچھ لڑکیاں موجود تھیں۔

"ارے..... تم لوگ یہاں بیٹھی ہوئی ہو، مجھے پتا ہوتا تم لوگ ادھر ہو تو اس بچی کو پہلے ہی یہاں چھوڑ جاتی۔ خوانخواہ بے چاری کا اتنا وقت ضائع ہوا۔ میں نے سوچا انجان جگہ پر کیا اکیلی چھوڑ کر جاؤں۔" سلطانہ آنٹی نے کہا، پھر ان سب کو ماوی سے متعارف کروانے لگیں۔ وہ تینوں سلطانہ آنٹی کی کولیگز تھیں، لیکن ان کے ڈپارٹمنٹ مختلف تھے۔ عائشہ میتھس پڑھاتی تھیں، زرتاشیہ اسلامیات کی لیکچرار تھیں، جبکہ عمارہ اردو ڈپارٹمنٹ کی ہیڈ اور سلطانہ آنٹی کی روم میٹ بھی تھیں۔

"آپ بڑے صحیح وقت پر آئی ہیں میڈم! ایک زبردست بحث چھڑی ہوئی ہے۔ آپ بھی اپنا حصہ ڈال لیجئے۔ آپ کی رائے سے ہماری معلومات میں بھی کچھ اضافہ ہو جائے گا۔" عائشہ نے کہا۔

"بحث کا موضوع کیا ہے؟" سلطانہ آنٹی نے ماوی کو بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔ "فرائیڈ کا نظریہ..... یہ کہ انسان فطرت ناقابل تغیر ہے۔" عمارہ نے کہا۔

"ارے یہ تو بڑا آفاقی موضوع چھیڑ کر بیٹھی ہوئی ہو تم لوگ، اس بحث میں تو بڑے بڑے اسکالر، مفکر کسی منطقی رائے تک نہ پہنچ سکے ہم لوگ کیا پہنچیں گے۔"

"میڈم! ہم میں سے کوئی اسکالر ہے نہ مفکر..... ہم تو بس یونہی اپنی اپنی رائے کا اظہار کر رہے ہیں، سوچا آپ سے بھی رائے لے لیں۔" زرتاشیہ نے کہا تھا۔

"اچھا میں ذرا ماوی کو بکس اور نوٹس دکھادوں پھر بات کرتے ہیں، عمارہ بچے...... ذرا اچھی چائے تو پلاؤ۔" وہ ماوی کو ساتھ والے کمرے میں لے آئیں، یہاں ایک دیوار گیر الماری اوپر سے نیچے تک کتابوں سے بھری ہوئی تھی۔

"لو بھئی...... دائیں طرف ساری کتابیں تمہارے ریسرچ ورک سے متعلق ہیں۔ جو تمہیں پسند ہوں وہ نکال لو...... یہ کچھ نوٹس اور یہ میرا تھیسس۔" وہ اسے سب کچھ دکھا کر اور فری ہینڈ دے کر دوسری الماری سے اپنے کپڑے نکالنے لگیں پھر واش روم میں گھس گئیں۔ ماوی کے ہاتھ تو جیسے خزانہ آ لگا تھا، ایک سے ایک بہترین کتاب موجود تھی یہاں۔ سلطانہ آنٹی واش روم سے باہر آ کر اس کے پاس بیٹھ گئیں اور اس کا ریسرچ ورک ڈسکس کرتی رہیں، پھر عمارہ انہیں چائے کے لیے بلانے آ گئیں۔

"آ جاؤ ماوی! پہلے چائے پی لیتے ہیں، پھر تم باقی چیزیں دیکھ لینا۔" سلطانہ آنٹی کے کہنے پر وہ ان کے ساتھ اسی کمرے میں آ گئی، جہاں باقی خواتین موجود تھیں۔ چائے کے ساتھ گرما گرم چکن پیٹیز اور چاکلیٹ پیسٹریز کا اہتمام تھا۔ ماوی کو بھوک تو پہلے ہی محسوس ہو رہی تھی، بلا تکلف بیٹھ کر ان چیزوں سے انصاف کرنے لگی۔ عائشہ نے پھر وہی موضوع چھیڑ دیا، جس پر سلطانہ ان کی رائے چاہ رہی تھیں۔

"آپ نے پروفیسر تقی کی باتیں سنیں؟"

"پروفیسر تقی کو تو تم رہنے ہی دو، وہ فرائیڈ کے اتنے بڑے معتقد ہیں کہ اس کی کہی سے ایک انچ بھی پیچھے نہیں ہٹیں گے۔ جن دنوں میں یونیورسٹی میں تھی، میری اور میرے گروپ کی پروفیسر تقی سے اسی موضوع پر لمبی لمبی بحثیں ہوا کرتی تھیں۔ تقی صاحب کہتے تھے جو جناب فرائیڈ فرما گئے، وہی حرف آخر ہے اور ہمیں ان کی بات ماننے میں تامل ہوتا تھا۔" سلطانہ آنٹی نے کہا۔

"اچھا آپ کا اس بارے میں کیا خیال ہے؟" زرتاشیہ نے پوچھا۔

"کیا واقعی انسانی فطرت ناقابل تغیر ہے؟"

"بھئی یہ پرانی بحث ہے، یعنی جتنی پرانی یہ بات ہے کہ فطرت انسانی ناقابل تغیر ہے، کم و بیش اتنے ہی پرانے وہ دلائل ہیں، جو اس نظریے کی مخالفت میں دیے جا رہے ہیں۔ لیکن اگر تم صرف میری رائے پوچھ رہی ہو تو میں اس بات کو نہیں مانتی۔ انسانی فطرت کیوں تبدیل نہیں ہو سکتی؟"...... بالکل ہو سکتی ہے اگر انسانی فطرت تبدیل نہ ہو سکتی تو آج بھی انسان پتھر کے زمانے میں جی رہا ہوتا۔ غاروں میں رہتا، دانتوں سے کاٹ کاٹ کے کچا گوشت کھاتا۔ جہاں تک میری معلومات ہیں، تمدنی زندگی کے آغاز کو صرف آٹھ یا دس ہزار برس ہوئے ہیں۔ ان دس ہزار برس کے آغاز کا انسان کیسی زندگی گزار رہا تھا، کیا تم لوگ اندازہ لگا سکتی ہو؟ وہ انسان وحشی تھا اور اس وحشت کو اپنی فطرت کا حصہ سمجھتا تھا، وہ فطرت جو بدلی نہیں جا سکتی لیکن ہم گواہ ہیں اس بات کے...... کہ فطرت بدلی جا سکتی ہے۔ کیونکہ ہم دیکھ چکے ہیں، کس طرح انسان کے آباؤ اجداد کے شعور نے نشو و نما پائی اور اسی کے ذریعے وہ حیوانات کی صف سے الگ ہوا...... دراصل تبدیلی کا عمل اتنی سست روی سے وقوع پذیر ہوتا ہے کہ ہم محسوس بھی نہیں کر پاتے۔ احساس اس وقت ہوتا ہے، جب بہر حال تبدیلی ایک واضح شکل میں ہمیں دکھائی دینے لگتی ہے۔ ایک وقت آئے گا کہ کئی ہزار برس آگے کا انسان آج کے دور کو پتھر کا زمانہ کہہ رہا ہوگا اور ایسا کیوں ہوگا، صرف اس لیے کیونکہ ہر لمحہ تبدیلی آ رہی ہے اور فطرت نئے سانچوں میں ڈھل رہی ہے۔"

''واقعی۔'' زرتاشیہ نے متاثر ہوتے ہوئے کہا۔

اگر ہم اس بات کو درست مان لیں، تب تو تبدیلی بہتری اور ترقی کا عمل ہی رک جائے گا۔ آخر کوئی نہ کوئی وجہ تو ہے نا کہ ہم تعلیم حاصل کرنے اپنے بچوں کو اسکول، کالج بھجواتے ہیں۔ ماں، باپ، بچوں کی تربیت کی فکر کرنا ہی چھوڑ دیں۔ اگر اس نظریے کو درست مان لیں، بھئی انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے خدا نے، ورنہ جانور ہیں، پیڑ، پودے ہیں، پہاڑ ہیں، خدا نے ان سب کو اشرف المخلوقات کا درجہ کیوں نہیں دیا؟ کوئی وجہ تو تھی جو خدا نے انسان کو اس درجہ پر فائز کیا اور یہ وجہ انسان کا عقل و شعور ہے جو کسی اور مخلوق کو نہیں دیا گیا۔ اب اگر انسان اپنی فطرت پر ہی قابو نہیں پا سکتا تو کیا فائدہ ہے اس کے اشرف المخلوقات ہونے کا؟''

''واقعی زری! تم نے بڑی اچھی بات کی ہے۔'' عمارہ نے فوراً سراہا۔

''فرائیڈ چاہے کچھ بھی کہتا رہے، ہمیں بحیثیت مسلمان یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ صرف تقدیر ہے جو بدلی نہیں جاسکتی۔ فطرت کی کیا حیثیت ہے تقدیر کے مقابلے میں؟''

''اور جہاں تقدیر کی بات آجائے وہاں تو ہر بحث ہی ختم ہو جاتی ہے۔''

سلطانہ آنٹی نے کہا۔'' لیکن اگر کچھ دیر کے لیے تقدیر کی بحث کو ایک طرف رکھ دیں تو میں کہوں گی تعلیم و تربیت والا پوائنٹ بھی بہت خوب اٹھایا ہے تم لوگوں نے'' روسی ماہر عضویات تھا پاف لوف...... اس نے conditioned refler کے نام سے ایک تھیوری دی تھی اور تھیوری کچھ یوں تھی کہ اگر کتے کو خوراک کھلاتے وقت گھنٹی بجائی جائے تو کتا گھنٹی کی آواز سے ایسا conditoinl ہو جاتا ہے کہ جب کبھی گھنٹی بجائی جائے اور خوراک نہ بھی دی جائے تو بھی اس کے منہ سے رال ٹپکنے لگے گی۔ اس نظریے کی روشنی میں ایک اور مفکر نے نام اب مجھے یاد نہیں آرہا...... شاید ڈاکٹر واٹسن نے کہا تھا کہ اس تھیوری کی روشنی میں تعلیم و تربیت کے اصولوں کو مرتب کرنا چاہیے، جب حیوانات میں عادات راسخ کی جاسکتی ہیں تو انسان میں کیوں نہیں، جبکہ انسان عقل و شعور سے نوازا گیا ہے۔''

''اچھا میڈم! ایک بات بتایئے'' عائشہ نے کہا۔ سلطانہ آنٹی چونکہ سب میں سینئر تھیں، اس لیے سب ہی کو اپنے دلوں میں مچلتے سوالوں کے جواب ان ہی سے چاہیے تھے۔

''کیا انسان خود اپنی فطرت تبدیل کر سکتا ہے؟''

''میں عمارہ کی بات دہراؤں گی، صرف تقدیر نہیں بدلی جاسکتی، باقی سب کچھ بدلا جاسکتا ہے۔'' سلطانہ آنٹی نے زور دے کر کہا۔

''یہ پوائنٹ میرے ذہن میں اٹک رہا ہے۔ پلیز ذرا وضاحت کر دیجئے۔'' عائشہ نے اصرار بھرے انداز میں کہا تھا۔

''میں سمجھ نہیں پارہی کہ انسان خود کو کیسے تبدیل کر سکتا ہے؟''

''دیکھو بھئی...... بڑی سیدھی سی بات ہے۔'' سلطانہ آنٹی نے بولنا شروع کیا۔'' مشرقی معاشرے کی ایک بہت بڑی خصوصیت اس کا خاندانی نظام تھا جو بدقسمتی سے اب تہس نہس ہو چکا ہے۔ لیکن جب سب مل جل کر رہتے تھے تو گھر کے بچے کی تربیت کی ذمہ داری تمام بزرگوں کے سر

تھی۔ ماں، باپ سے کوتاہی ہو بھی جاتی تو تربیت کی ڈیوٹی دادا، دادی ٹائپ بزرگ سنبھال لیتے تھے۔ وہ اسلامی احکامات بچے کو سکھاتے۔ وہ تمام اچھی باتیں بھی سکھاتے، جو بچے کو معاشرے کا بہترین فرد بنا سکیں۔ جوں ہی بچے کی عادات میں کوئی ناپسندیدہ چیز دیکھتے، بچے کو سمجھا بجھا کر بہ احسن طریقے سے اس کی نفسیات میں کوئی گرہ پڑنے سے پہلے ہی اسے کھول لیا جاتا تھا۔ یوں بڑائی بڑھنے سے بھی رکتی تھی۔ لیکن جوں ہی خاندانی نظام درہم برہم ہوا سب کچھ الٹ پلٹ ہو گیا۔"

"بات تو پھر وہی رہ گئی نا، کہ انسان خود کو تبدیل نہیں کر سکتا۔" خاندانی نظام کی جن خصوصیات کا آپ ذکر کیا ہے وہ بیرونی عناصر ہو گئے۔ جو انسانی سوچ پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ عائشہ نے پھر سوال اٹھایا۔

"تم عقل و شعور والی بات پھر فراموش کر رہی ہو۔" سلطانہ آنٹی نے کہا۔ "بات مختصر لفظوں میں کچھ یوں ہے عائشہ کہ عقل تو انسان کو پیدا ہوتے ہی خدا کی طرف سے مل جاتی ہے۔ یعنی جیسے ناک، کان، آنکھیں، ہاتھ وغیرہ ملتے ہیں، عقل بھی ویسے ہی مل جاتی ہے، لیکن شعور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ملتا ہے، عقل کی ریفائینڈ فارم کو ہم شعور کہہ سکتے ہیں، یوں سمجھو کہ عقل سونا ہے اور زندگی وہ بھٹی...... جس میں پک کر عقل کا سونا، شعور کے کندن میں ڈھلتا ہے۔ اسی دوران یعنی عقل کے شعور میں ڈھلنے کے دوران ایک ایسا وقت بھی آتا ہے جب خدا ہماری نفسیات کی ڈوریں ہمارے اپنے ہاتھ میں دے دیتا ہے، کوئی میری بات سے اتفاق کرے یا نہ کرے، میرا اس بات پر پورا اعتقاد ہے کہ بیرونی عوامل کے ساتھ ساتھ بلکہ پچھتر فیصد انسان خود اپنی نفسیات کو ہینڈل کر رہا ہوتا ہے تو جب آدھے سے زیادہ کنٹرول ہمارے اپنے ہاتھ میں ہے تو ہم اپنا آپ کیسے تبدیل نہیں کر سکتے......؟ ہم چاہئیں تو خود کو سیدھے راستے پر ڈال لیں۔ چاہیں تو غلط راستے کا انتخاب کر لیں۔"

"اور یہ فیصلہ کون کرے گا کہ صحیح راستہ کون سا ہے اور غلط کون سا ہے؟" زرتاشیہ نے سوال اٹھایا۔ "یہ فیصلہ بھی انسان خود ہی کرتا ہے، عقل و شعور کے ساتھ ساتھ دل کی مشاورت سے...... پھر کچھ راستے تو بڑے واضح ہوتے ہیں کہ جن کے چناؤ کے لیے کسی مشورے کی ضرورت بھی نہیں پڑتی، مثلاً...... میں جانتی ہوں آگ مجھے جھلسا سکتی ہے تو میں ڈر کے اس کے قریب بھی نہیں جاتی، لیکن کسی اور کو اس آگ کے قریب جانے سے بھی نہیں روکتی، بلکہ جان بوجھ کر دھکیل دیتی ہوں تو یہ میرا نفسیاتی الجھاؤ ہے جو مجھے نقصان نہیں پہنچائے گا، لیکن کسی دوسرے کو تباہ کر سکتا ہے، جب میں کالج میں پڑھتی تھی تو ہماری ایک ٹیچر کہا کرتی تھیں، نفسیاتی مریض کبھی اکیلا نہیں ہوتا، وہ اپنے اردگرد رہنے والے ہر فرد کو ایک مختلف نفسیاتی الجھاؤ منتقل کر رہا ہوتا ہے یعنی ایک سے دس افراد متاثر ہوئے تو سمجھو معاشرے کے دس خاندان برباد ہوئے۔ اگر انسان کو احساس ہو جائے کہ اس کی معمولی عادات اتنی تباہی لا سکتی ہیں تو اس عادت کو بھی کیوں نہ بدل لیا جائے۔ اس لیے ہم میں سے ہر ایک کو چاہیے، کم سے کم مہینے میں ایک بار اپنی شخصیت کا جائزہ ضرور لیں۔ بالکل غیر جانبداری سے پھر اپنی غلطیاں سدھارنے کی کوشش کریں۔ اس کوشش سے ہی دراصل فطرت کی تبدیلی کا عمل شروع ہوگا۔" سلطانہ آنٹی پوری گفتگو کو بالآخر ایک منطقی انجام تک لے ہی آئی تھیں۔

"زری! ہم بھی یہ طریقہ آزما کر دیکھتے ہیں، پھر ایک مہینے کے بعد ہی دیکھیں گے ہماری شخصیت میں کیا تبدیلی آئی ہے۔" عائشہ نے کہا۔

"بالکل میں راضی ہوں، ویسے بھی شوپنہار کہتا ہے ارادہ زندگی کا بنیادی اصول ہے۔ ارادہ آقا ہے اور عقل لونڈی ہے۔"

''یہ وہی شوپنہار ہے نا جو کہتا تھا عقل اپنی فطرت میں عورت کی طرح ہے۔ یہ اسی وقت کچھ دیتی ہے جب یہ کچھ لے لیتی ہے، اپنی ذات میں یہ محض کھوکھلے چھلکے کی مانند ہے۔'' عمارہ نے پوچھا۔ ماوی جو بڑی دیر سے چائے کا خالی مگ ہاتھ میں پکڑے ٹکر ٹکر سب کو دیکھ رہی تھی یکدم بولی۔

''کتنا بدتمیز ہے یہ شوپنہار...... کسی نے اسے عورت کے بارے میں بات کرنے کی تمیز نہیں سکھائی؟'' اس کی بات پر ایک زبردست قہقہہ بلند ہوا تھا۔

''کیا میں نے کوئی غلط بات کہہ دی؟'' ماوی نے شرمندہ ہو کر پوچھا۔

''نہیں غلط بات تو نہیں کہی۔ شوپنہار کو واقعی کسی نے تمیز نہیں سکھائی تھی۔ تمہیں جو کتابیں چاہیے تھیں مل گئیں؟'' عائشہ نے پوچھا۔

''نہیں...... میں ابھی دیکھ رہی تھی۔'' وہ مگ رکھ کر واپس اسی کمرے میں آ گئی۔

''میڈم! آپ نے تھرڈ ایر کے عروش مرزا کا قصہ سنا؟'' زرتاشیہ نے کوئی اگلا قصہ چھیڑ دیا تھا۔

☆☆☆

اور یہ جنت کی زندگی کا آٹھواں سال تھا۔

اپنے ارادے کے مطابق زہرہ اس کی تربیت پر خاص توجہ دے رہی تھی۔ مذہبی احکامات کی تعلیم کے ساتھ ساتھ وہ اسے وہ تمام اصول بھی سکھانے کی کوشش کرتی جو معاشرے میں ایک اچھے انسان کی حیثیت سے زندگی گزارنے کے لیے ضروری اور مددگار ہو سکتے ہیں۔ اتنی توجہ اور محبت کے مثبت اثرات دکھائی دینے لگے تھے۔ اتنی سی عمر میں بھی جنت کا سلیقہ، تمیز و تہذیب نے لوگوں کو متاثر کرنا شروع کر دیا تھا۔ وہ بے حد سلجھے ہوئے مزاج کی بچی کی طرح پروان چڑھ رہی تھی۔ وہ زہرہ اور دادی کی ہر بات مانتی تھی۔ اچھے مزاج کے ساتھ ساتھ وہ بہت خوبصورت بھی ہو گئی تھی۔ خالص ماحول، تر و تازہ خوراک اور بہترین تربیت نے اس کی شخصیت کو چار چاند لگا دیے تھے۔ اچھے قد کاٹھ کی بنا پر وہ اپنی ہم عمر لڑکیوں سے بڑی دکھائی دیتی تھی اور اس چیز نے اس کے انداز میں کچھ جھجک پیدا کر دی تھی۔ وہ بچوں کے ساتھ مل کر کھیلنے کودنے سے شرماتی اور زیادہ تر ماں کے آنچل میں چھپی رہتی۔ جب باقی بچے کھیل رہے ہوتے اور جنت اس کے پہلو سے چپکی رہتی، تب زہرہ خوشی سے پھولے نہ سماتی۔ زہرہ کو جنت کے معاملے میں صرف اس وقت وقت کا سامنا کرنا پڑتا، جب دین محمد گھر میں موجود ہوتا تھا کیونکہ دین محمد کی موجوگی میں جنت اس کی باتوں پر کان دھرنا بند کر دیتی تھی نہ صرف یہ بلکہ اس کے سکھائے پڑھائے سارے اسباق بھول جاتی تھی۔

''باپ کی شہ پا کر وہ ماں اور دادی سے زبان درازی کرتی۔ ضد کر کے اپنی منواتی اور جب زہرہ اس سے سختی سے پیش آنے کی کوشش کرتی تو دین محمد کہتا۔

''جنت کو تالا نہ کر زہرہ! تجھے نہیں پتا مہارانیوں کی باتیں ٹالی نہیں جاتیں۔'' اتنی سی بات سن کر جنت اور شیر ہو جاتی اور زہرہ کڑھتے بیٹھ جاتی۔ جنت ابھی بچی تھی۔ اسے اچھائی برائی کی اونچ نیچ سمجھائی جا سکتی تھی مگر وہ دین محمد کا کیا کرتی، جسے اولاد کی تربیت کے سنہری اصولوں سے کوئی غرض نہیں تھی بلکہ وہ سمجھتا تھا اولاد کی تربیت کا یہی بہترین طریقہ ہے جو اس نے اختیار کر رکھا ہے۔

کم گو زہرہ بھی کبھار دین محمد کی اس روش پر کڑھتی تھی لیکن پہلے کی طرح اس نے فکر مند رہنا چھوڑ دیا تھی۔ان کے مالی حالات پہلے سے کہیں زیادہ بہتر ہو گئے تھے۔زمین، جائیداد میں اضافہ ہو چکا تھا اور مسلسل ہو رہا تھا۔دین محمد ہنوز اسے جنت کی برکت قرار دیتا۔گھر میں ملازمین کی تعداد بھی بڑھ گئی تھی۔زہرہ جنت کو ملازمین سے بھی اونچی آواز میں بات کرنے سے ٹوکتی لیکن دین محمد کو اس کا ٹوکنا برا لگتا۔نوکر کو اس کی اوقات پتا ہونی چاہیے۔میری بیٹی کو اپنی باتیں نہ سکھایا کر۔آج ان کمینوں سے رعب کے ساتھ بات کرے گی تو آگے کی زندگی میں حکمرانی کرنا سیکھے گی۔'' جنت کو سامنے بٹھا کر زہرہ سے کہتا۔

''میری جنت حکمرانی کرنے کے لیے پیدا ہوئی ہے۔''

زہرہ کا دل چاہتا دین محمد کو سمجھائے۔مگر سخت مزاج شوہر کے سامنے زبان کھولنا بھی آسان نہ تھا۔

یہ ایک ایسا ہی دن تھا۔وہ دین محمد کی کسی بات پر کڑھ کر گھر سے نکلی تھی۔اس کے ساتھ جنت اور ملازمائیں تھیں۔وہ لوگ قریبی شہر کے بازار آئی تھیں۔تا کہ آنے والے موسم کے لیے کچھ کپڑے خرید ے جاسکیں۔خریداری کرتے ہوئے ایک دم اس کا سامنا زبیدہ باجی سے ہو گیا ان کے ساتھ فاروق تھا۔

جنت کی وجہ سے ہونے والے جھگڑے کے بعد یہ پہلی ملاقات تھی، چار سال بعد ایک ملاقات۔اس جھگڑے کے بعد خاندان کے کچھ بزرگوں نے مصالحت کے لیے کچھ کوششیں بھی کیں، جو دین محمد کی تندی طبع کی نذر ہو گئیں۔

طویل عرصے بعد دونوں عورتوں کا سامنا ہوا تھا۔زبیدہ کا دل بھائی کی اکلوتی بیٹی کو دیکھ کر گداز ہو گیا۔ایک معمولی سی بات کے پیچھے اس کے بھائی نے منہ موڑ لیا تھا۔اس نے جنت کو خوب پیار کیا اور بھاوج سے خیریت معلوم کرتی رہی۔فاروق بھی کافی لمبا تڑنگا ہو گیا تھا۔اس کے چہرے پر ہلکی ہلکی سی داڑھی مونچھ دکھائی دے رہی تھی۔

''دین محمد چاہتا تو سب کچھ ٹھیک ہو سکتا تھا۔جھگڑے کہاں نہیں ہوتے لیکن یوں بہن بھائیوں سے منہ تو نہیں موڑا جاتا۔بس تھوڑی سی عقل مندی کی ضرورت تھی جو ہم میں سے کوئی بھی نہیں دکھا سکا۔ورنہ بچوں کے جھگڑوں کی بھی کوئی اہمیت ہے۔ان دونوں سے پوچھ کر دیکھو جس بات کو بنیاد بنا کر دین محمد مجھ سے منہ موڑے بیٹھا ہے، وہ ان بچوں کو یاد بھی نہیں ہو گی۔''

زبیدہ باجی نے دکھی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔زہرہ کو بھی ان کی باتوں سے دکھ پہنچا لیکن گھر آ کر وہ بھول بھال گئی۔جن باتوں کا کوئی حل ہی نہ نکلتا ہو، انہیں سوچنے کا فائدہ؟ وہ یہی سوچتی ہوئی اٹھ کر کمرے سے باہر نکل آئی۔صحن میں کہیں سے ایک موٹا سا چوہا آ گیا تھا۔وہ تیزی سے اس کے پیر کے قریب سے گزرا۔زہرہ اپنی دھن میں تھی گھبرا کر پیچھے ہٹی اسی دوران اس کا پیر مڑ گیا۔سنبھلنے کی کوشش کے باوجود وہ سر کے بل زمین پر گری۔اس طرح کہ اس کے سر کا پچھلا حصہ پوری قوت سے دروازے کی دہلیز سے ٹکرایا تھا۔اپنی بیٹی کے لیے بڑے بڑے خواب دیکھنے کے لیے زہرہ اٹھنے کی کوشش کرتی، بشرطیکہ زندگی نے اس کا ساتھ دیا ہوتا۔محض چند لمحوں میں اس نے زندگی ہار دی تھی۔

☆☆☆

"اوہو بھئی۔ آج تو بہت ہی تھکن ہو گئی۔" مادی آتے ہی بیڈ پر گر گئی، لیکن گرنے سے قبل اپنا دوپٹہ، فائل، پرس، شوز لاپروائی سے ادھر اُدھر پھینکنا نہیں بھولی تھی۔

"جس کام کے لیے گئی وہ بھی ہوا کہ نہیں۔" ثمینہ نے اپنی دختر نیک اختر کو بری طرح گھورا، ساتھ ہی بکھراوا بھی سمیٹنے لگیں۔

"سیونٹی پرسنٹ تو ہو ہی گیا۔" مادی نے کہا۔ "لیکن ابھی کچھ کام باقی ہیں۔ سیمینار کا جھنجٹ نہ ہوتا تو وہ بھی نمٹ جاتے۔"

"سیمینار کیسا؟" ثمینہ نے پوچھا تو مادی انہیں بے زاری بھرے انداز میں تفصیلات بتانے لگی۔

"موضوع تو بہت دلچسپ تھا۔ یہ بتاؤ میری ذہین وفطین بیٹی! تم نے بھی کچھ سیکھا ہے کہ نہیں؟" ثمینہ اس کے قریب بیٹھ کر اس کا سر پیار سے سہلانے لگیں کہ وہ شکل سے ہی بہت تھکی ہوئی لگ رہی تھی۔

"آپ کو تو پتا ہے مجھے اس ٹاپک میں بالکل دلچسپی نہیں ہے۔ اوپر سے ساڑھے تین گھنٹے نان سٹاپ ایسی ایسی سائیکالوجیکل ٹرمز کے بارے میں سن کر آرہی ہوں کہ مجھے اپنے دماغ کی چٹنی بنی محسوس ہو رہی ہے۔ اوہ گاڈ! پتا نہیں لوگ اتنی مشکل باتیں کیسے کر لیتے ہیں۔ اوپر سے سلطانہ آنٹی اور ان کی کولیگز کی فلاسفی سن لیں۔ بقول ان کے...... ہم میں سے ہر انسان تھوڑا بہت نفسیاتی مریض ہوتا ہے۔

"کیا......؟" ثمینہ نے بے یقینی سے کہا۔

"ہمارے روزمرہ کے معمولی رویے جیسے غصہ، حاکمیت پسندی، غم، خوشی وغیرہ وغیرہ۔ یہ ہر انسان کے فطری رویے اور جذبے ہیں جو انسان اپنے رویوں اور جذبوں پر قابو رکھتا ہے وہ تو نارمل ہے لیکن جن کے یہ معمولی رویے اور جذبے آؤٹ آف کنٹرول ہو جائیں، وہ دراصل نفسیاتی مریض بن جاتے ہیں۔ یہ نفسیاتی امراض بظاہر دکھائی نہیں دیتے لیکن اندر ہی اندر مریض کی پوری شخصیت کو تہس نہس کر کے رکھ دیتے ہیں۔ ایسا مریض تنہا نہیں ہوتا بلکہ وہ اپنے اردگرد رہنے والے دس افراد کو نفسیاتی طور پر متاثر کر رہا ہوتا ہے۔ یہ دس خاندان بناتے ہیں، یوں ایک ایک نفسیاتی مریض کی بدولت دس خاندان کی بنیاد میں وہ نفسیاتی مرض پڑ جاتا ہے۔ ایک معمولی نفسیاتی الجھاؤ کا شکار انسان اپنے اردگرد رہنے والوں میں سے کسی فرد کو بہت شدید نفسیاتی الجھاؤ بھی منتقل کر رہا ہو سکتا ہے۔ اس لیے ہم میں سے ہر انسان کو چاہیے اپنا کتھارسس ضرور کرتا رہے کہ کہیں ہمارا کوئی معمولی رویہ کسی دوسرے کی پوری زندگی تباہ کرنے کا سبب تو نہیں بن رہا...... وہ جو کہتے ہیں دیے سے دیا جلنا...... تو ایسا نہ ہو نفسیاتی الجھاؤ کے ایک دیے سے دوسرا دیا جلتے جلتے کسی کی زندگی کا ہرا بھرا جنگل ہی جلا کر رکھ دے۔ پلیز ممی! ڈونٹ لائے ٹو می۔ سچ سچ بتائیے کیا آپ کو بھی بات سمجھ میں آئی۔ تقریر کرنے کے انداز میں بولتے بولتے اس نے گردن موڑ کر ثمینہ کی جانب دیکھا۔ وہ سنجیدگی سے اس کی بات سن رہی تھیں۔"

"کہیں آپ متاثر تو نہیں ہو گئیں؟" اس نے غیر سنجیدگی سے پوچھا۔

"بات میں وزن تو ہے مادی!" ثمینہ نے پُرسوچ انداز میں کہا۔

"اوکم آن۔" اسے اچھا خاصا اختلاف تھا۔ "انسان کی ول پاور (قوت ارادی) اتنی اسٹرونگ ہوتی تو آج دنیا میں اتنے ری ہیبز اور مینٹل اسائلم نہ ہوتے۔ ہر انسان اپنا علاج خود ہی کر رہا ہوتا۔"

"یہی تو بات ہے بیشتر انسان کوشش ہی نہیں کرتے۔ ورنہ مرض کی تشخیص ابتداء میں ہی ہو جائے تو مرض بڑھنے سے روکا جاسکتا ہے۔"

ثمینہ نے خیال ظاہر کیا پھر اس کی بے توجہی دیکھ کر بولیں۔

"اچھا خیر۔ اب لیٹنے کی ضرورت نہیں ہے اٹھ کر فریش ہو لو۔ ہمیں اینیا کی طرف ڈنر پر جانا ہے۔ فیضی نے بتایا تھا تمہیں۔" انہیں فیضان فون پر مطلع کر چکے تھے۔

"بتایا تھا۔ لیکن میں بہت تھک گئی ہوں ممی! اور پاؤں کے زخم میں بہت درد ہے لگ رہا ہے۔ پس پڑ گئی ہے۔"

"میں نے پہلے ہی کہا تھا زخم گہرا ہے۔ اس کا خیال رکھو مگر تم کسی کی سنتی کہاں ہو۔" ثمینہ نے فکرمندی سے کہا۔

"مجھے تھوڑا سا سو لینے دیں۔ آرام کروں گی تو ٹھیک ہو جاؤں گی۔" اس نے آنکھیں بند کرتے ہوئے کہا۔

"کوئی ضرورت نہیں سونے کی، چلو ابھی ڈاکٹر سے ڈریسنگ کروا آتے ہیں پاؤں کی پھر اینیا کی طرف سے واپس آ کر سو لینا۔" اس نے آنکھوں پر بازو رکھ لیا۔

"تم سے تو فیضان نمٹے گا۔ لیکن وہ خود کہاں رہ گیا ابھی تک اندر کیوں نہیں آیا۔" ثمینہ جانتی تھیں۔ جب تک فیضان سے ڈانٹ نہ سنے گی جانے پر آمادہ نہ ہو گی۔

"شاید ڈرائیور کو فارغ کر رہے ہوں گے۔" ماوی نے کہا۔ ثمینہ سُنی ان سُنی کر کے باہر نکل گئیں۔ ماوی انہیں شہروز کی کال کے متعلق بتانا چاہتی تھیں لیکن انہیں باہر نکلتے دیکھ کر کسی اور وقت پر ٹال کر آنکھیں موند لیں۔ وہ حقیقتاً بہت تھک گئی تھی اور جب تک فیضان نے آ کر کمرے میں جھانکا وہ گہری نیند سو چکی تھی۔

☆☆☆

کھانا بے حد لذیذ تھا۔ بے حد خوش گوار ماحول میں کھایا گیا۔ لیکن جب توقیر صاحب ہاتھ دھونے کے لیے اٹھے تو دانیال حسن چپکے سے کھسکتے ان کے پاس آ گئے۔

"تم تو کہہ رہے تھے فیضان مہدی بہت تجربہ کار آدمی ہے۔ دنوں میں ہمارے کاروبار کو کہیں سے کہیں پہنچا دے گا۔" آواز بے حد دھیمی لہجہ متذبذب...... توقیر صاحب نے کسی قدر حیرانی سے انہیں دیکھا۔

"تمہیں فیضان پر شک ہے؟"

"مجھے فیضان پر نہیں اس کے تجربے پر شک ہے۔ جب تم فیضان، فیضان کرتے رہتے تھے میں نے سوچا کوئی ہماری عمر کا آدمی ہو گا لیکن یہ تو اتنا ینگ لگ رہا۔ بہت زیادہ بھی اس کی عمر کا اندازہ لگاؤں تو چھتیس یا سینتیس سال کا ہو گا...... اتنی سی عمر میں کتنا تجربہ ہو سکتا ہے اس کے پاس۔"

"فیضان چونتیس سال کا ہے۔ لیکن جتنے تمہارے سر میں بال سفید ہیں کم و بیش اتنا ہی اس کا تجربہ ہے۔ توقیر صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا پھر ٹیپ بند کر کے تولیے سے ہاتھ پونچھتے ہوئے بولے۔

"فیضان کے بارے میں کسی قسم کے شک وشبے کا شکار مت ہو۔ میں گارنٹی دے رہا ہوں تو کچھ سوچ سمجھ کر۔ فیضان کو بہت چھوٹی عمر سے جانتا ہوں میں، ماشاءاللہ بہت ذہین اور قابل بچہ ہے۔ بہت کم عمری میں پریکٹیکل فیلڈ میں آ گیا تھا۔ سو تجربہ کار تو ہے۔ پھر سب سے بڑی بات یہ کہ قسمت کا بہت دھنی ہے۔ مٹی کو ہاتھ لگا کر سونا بنا دیتا ہے۔ تم دیکھ لینا اس کی مینجمنٹ میں ہمارا کاروبار کتنی ترقی کرے گا۔ اپنا امپورٹ ایکسپورٹ کا بزنس بھی اس نے صفر سے شروع کیا تھا۔ اگر کہو تو اب میں اس کے اعداد و شمار گنواؤں؟ تمہاری آنکھیں کھلی رہ جائیں گی۔" توقیر صاحب فیضان کے کچھ زیادہ ہی مداح تھے۔

دانیال حسن چند لمحے سوچتے رہے پھر گہری سانس بھر کر بولے۔

"میں نے اپنی جمع پونجی صرف تم پر بھروسہ کر کے اس شخص کو سونپی ہے۔ اگر نقصان ہوا تو یاد رکھنا، میں صدمے سے ہارٹ اٹیک کے ہاتھوں مرنے سے پہلے تمہیں قتل کر دوں گا۔" توقیر صاحب ان کی بات پر قہقہہ لگا کر ہنس دیے۔

"یہ مت بھولو کہ میرا بھی برابر کا پیسہ لگا ہے۔ خدانخواستہ ڈوبیں گے تو اکٹھے ڈوبیں گے لیکن ایسا ہوگا نہیں مجھے خدا اور فیضان پر بہت بھروسہ ہے۔"

"ہاں۔ انشاءاللہ۔ ویسے میرے خدشات ایک طرف۔ یہ لڑکا باتوں سے تو ہوا ہی لگ رہا ہے۔" انہوں نے سچائی سے کہا۔

"تو پھر......" وہ دونوں ہنستے ہوئے ہال کی طرف آ گئے۔ یہاں ایک دائرے میں رکھے صوفوں پر منیزہ، ثمینہ، ثروت براجمان تھیں۔ یہیں فیضان ولید سے باتیں کر رہے تھے۔ جبکہ کچھ فاصلے پر کشنز پر بیٹھی اینیا، پری نور، پری وش کسی زوردار بحث میں مصروف تھیں۔ توقیر اور دانیال حسن آئے تو ولید جا کر لڑکیوں کے ٹولے میں گھس گیا۔ دانیال حسن، فیضان سے خام لوہے کی بڑھتی ہوئی قیمت پر بات کرنے لگے۔ فیضان نے کئی بار لاشعوری طور پر اینیا کی طرف دیکھا۔ وہ اس سے معذرت کے لیے کسی موقع کی تلاش میں تھے، ورنہ کل پھر انہیں ماوی کی باتیں سننا پڑتیں۔

"آپ کسی روز میرے ساتھ چلئے گا۔ میں نے اور میری کچھ فرینڈز نے مل کر ایک چھوٹی سی سوسائٹی بنا رکھی ہے، تھوڑی بہت چیریٹی کر لیتے ہیں جیسے یتیم بچیوں کی شادیاں کروانا۔ باقی تو یہی بات ہے مل بیٹھنے کا بہانہ ہی ہے...... میں آپ کو سب سے ملواؤں گی اسی بہانے آپ کی بوریت بھی دور ہو جائے گی۔" ثروت، ثمینہ سے کہہ رہی تھیں۔ منیزہ نے بھی ان کی ہاں میں ہاں ملائی۔

"واقعی ثمینہ آپا! آپ ضرور ثروت کے ساتھ جایئے گا اس کی سوسائٹی ممبرز سب بہت اچھی ہیں۔ میں ایک بار مل چکی ہوں۔ دوبارہ اس لیے نہیں مل سکی کہ ایسی کسی ایکٹیویٹی کے لیے ٹائم ہی نہیں ملتا۔ ارے ثروت! تم نے کافی میں چینی نہیں ڈالی؟" منیزہ نے ایک سپ لے کر پوچھا۔

"اوہ...... مجھے لگتا ہے ہمارے مگ بدل گئے ہیں۔ میں نے اپنے لیے بغیر چینی کے کافی بنائی تھی۔ اصل میں مجھے بغیر چینی کے کافی پسند ہے۔ ایک دانہ بھی ڈل جائے میری کافی میں تو ایسا لگتا ہے۔ پیاز کی بو آ رہی ہے۔" ثروت کہہ رہی تھیں۔ ثمینہ کے ذہن میں جھماکا سا ہوا۔ نیلی ساڑھی میں ملبوس ناک چڑھا کر بولتی ثروت...... سارا منظر جیسے فلیش بیک میں چلا گیا تھا۔

"ارے تم ثروت ہو...... ملتان والی ثروت۔ مستقیم بھٹی کی بیوی۔"

ثمینہ کے لیے یہ چند لمحے پہچان کا ایسا شدید انکشاف لے کر آئے تھے کہ وہ بے ساختہ کہہ بیٹھیں۔ثروت کے ہاتھ سے مگ چھوٹ کر نیچے جا گرا، ان کا چہرہ تاریک پڑ گیا۔منظر پر ایسا سناٹا چھا گیا جو دلوں کی کیفیت سے مشروط تھا۔

وسیع و عریض ہال میں بچیوں کی آوازیں مکھیوں کی بھنبھناہٹ کی طرح محسوس ہو رہی تھیں جو کچھ فاصلے پر بیٹھی اس دائرے میں اچانک آن دھمکنے والے ماضی کے اس حوالے سے قطعی لاعلم تھیں۔

☆☆☆

''مجھے بیس ہزار روپے چاہئیں۔'' وحید نے سر ہاتھوں میں گرا کر کہا تھا۔نبیل چائے پی رہا تھا، اسے بری طرح اچھو لگ گیا۔

''کیا کہا ذرا دوبارہ کہنا۔کھانسی رکتے ہی اس نے سانس بحال کرتے ہوئے پوچھا اور ایسے پوچھا جیسے وحید کی عقل پر شک گزرا ہو۔

''مجھے......بیس......ہزار......روپے چاہئیں......سنا تم نے، بیس ہزار۔'' وحید نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

''ہاہاہا......بڑا دلچسپ لطیفہ تھا۔''

''نبیل! میں تیرا سر پھاڑ دوں گا، او یار! میں سچ کہہ رہا ہوں، مجھے واقعی بیس ہزار کی اشد ضرورت ہے۔'' وحید نے روہانسا ہو کر کہا۔

''اگر ضرورت ہے بھی تو میرے پاس کیوں آئے ہو؟ میں اے ٹی ایم مشین ہوں''

''نبیل! میں سخت مشکل میں ہوں۔اس مشکل وقت میں تم میری مدد نہیں کرو گے؟'' وحید نے بے حد مسکینی سے پوچھا، یہاں تک کہ نبیل جیسے شخص کا دل بھی پگھل گیا۔

''مسئلہ کیا ہے؟ تم جیسا بندہ تو سو روپے سوچ سوچ کر خرچ کرتا ہے، بیس ہزار کی ضرورت کیسے پڑ گئی۔''

''یار! وہ عشناء نہیں ہے؟''

''کیا مطلب نہیں ہے؟''

''اوہو......خود سے کوئی بات نہ سمجھنا۔'' وحید نے جھنجلا کر کہا تھا۔

''یار وہ عشناء ہے نا، وہ جان کو آ گئی ہے۔غلطی میری ہے پہلے اسے پہچان ہی نہیں سکا۔وہ......دو نمبر، مجھے نفرت ہے اس سے، لیکن بیس ہزار مانگ رہی ہے، رقم لیے بغیر جان بھی نہیں چھوڑے گی۔

''میں نے پہلے ہی تجھے وارن کیا تھا ایسی لڑکیوں سے بچ کر رہنا چاہیے۔'' نبیل نے اسے بری طرح لتاڑا۔

''اب ہو گئی غلطی، کیا کروں؟ خودکشی؟'' وحید پھاڑ کھانے کو دوڑا۔

''کر ہی لو تو اچھا ہے، کیونکہ بیس ہزار کا انتظام تم سے ہو نہیں سکتا اور عشناء بی بی رقم لیے بغیر تمہارا پیچھا چھوڑنے والی ہے نہیں، چند روز بعد بھی تو اس صورت حال سے تنگ آ کر تم نے خودکشی کرنا ہے تو ابھی کیوں نہیں؟'' نبیل نے مذاق اڑانے والے انداز میں کہا۔وحید کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔

''تو میری مدد نہیں کرے گا نبیل؟''

''اوہو.....ایسا تو سوچنا بھی مت، مجھے میرے ابا مہینے کے پانچ ہزار دیتے ہیں، جنہیں اگر میں سونگھ سونگھ کر استعمال نہ کروں تو پندرہ تاریخ تک ہی ختم ہو جائیں، بیس ہزار کے لیے تو میں سوچ بھی نہیں سکتا۔'' اس نے صاف جھنڈی دکھادی۔

''نبیل پلیز یار! تو میرا دوست نہیں ہے'' وحید نے منت بھرے انداز میں کہا۔

''پھر وہی بات، دوست ہوں، اے ٹی ایم مشین نہیں۔''

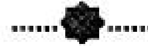
''پھر میں کیا کروں؟ میرے ابا کو اس معاملے کی خبر ہو گئی تو وہ مجھے گھر سے نکال دیں گے۔ عشناء نے دھمکی دی ہے''

''میری مان، جیڈی سے مدد مانگ۔'' نبیل نے راہ دکھائی۔

''ایں.....''

''ہاں.....صرف جیڈی ہے جو تیری مدد کر سکتا ہے، بیس ہزار تو اس کے لیے کوئی مسئلہ نہیں ہے یار.....بس تھوڑی ٹرک سے کام کرنا پڑے گا''

''جیڈی عقل اور شکل دونوں سے چغد ضرور ہے، لیکن جذبات اس میں ضرورت سے زیادہ ہیں۔'' وحید نے جھنجلا کر کہا۔



بھید بھری پراسرار رات دنیا پر جھک آئی تھی۔

سارے میں دوسرے پہر کی تاریکی اور سناٹے کا راج تھا۔ چوکیدار کے کیبن سے نکلتی ٹیلی ویژن کی آواز مکھیوں کی جھنجھناہٹ کی طرح محسوس ہوئی تھی۔ یا مین روڈ سے کبھی کبھار گزرتی ٹریفک کی آواز اس خاموشی کے تسلسل میں خلل ڈال دیتی تھی۔

بے تحاشا خنکی اور گل چین کی دل فریب مہک۔

انیکسی کے داخلی حصے پر آرائشی فانوس کی بے حد مدھم سی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ لیکن یہ روشنی برآمدے میں لگے جھولے تک پہنچنے میں ناکام ہو رہی تھی۔ اسی نیم تاریک جھولے پر ثمینہ بڑی دیر سے تنہا بیٹھی کسی گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ انہوں نے گرے رنگ کی گرم شال اوڑھ رکھی تھی، اس کے باوجود خنکی انہیں اپنی ہڈیوں میں گھستی محسوس ہو رہی تھی۔

ہر پندرہ بیس منٹ کے بعد ان کی سوچوں کا تسلسل ٹوٹتا۔ وہ بڑھتی ہوئی خنکی کا احساس کر کے اندر جانے کا ارادہ کرتیں، پھر بیٹھ رہتیں۔ ہر بار شرمندگی وخفت بری طرح ان پر حاوی ہوتی اور وہ جھنجلاہٹ کے مارے وہیں بیٹھی رہ جاتیں۔

تب ہی انیکسی کا دروازہ ہلکی سی آواز کے ساتھ کھلا۔ ثمینہ نے گردن موڑ کر دیکھا۔ فیضان ہاتھوں میں دو مگ پکڑے کھڑے تھے، پھر پیر سے دروازہ بند کر کے ان کے پاس آ گئے۔

''فیضی! اس وقت کافی پئیں گے تو نیند کیسے آئے گی؟'' فیضان نے ایک مگ ان کی طرف بڑھا دیا تھا اور ان کے ساتھ بیٹھ گئے تھے جب ثمینہ نے پوچھا۔

"نیند تو آپ کو ویسے بھی نہیں آ رہی...... پھر کافی پینے میں کیا حرج ہے۔"

"تم کیوں اب تک جاگ رہے ہو؟" ثمینہ نے مگ لبوں سے لگاتے ہوئے پوچھا۔

"کچھ کام کر رہا تھا کمپیوٹر پر، بس اسی مصروفیت میں اتنا ٹائم ہو گیا، اب نیند نہیں آ رہی تھی تو سوچا کافی پی لی جائے پھر آپ یہاں بیٹھی ہوئی نظر آ گئیں۔" فیضان نے آہستہ آواز میں لیکن تفصیل سے بتایا۔

"اب بتائیں...... آپ کیوں جاگ رہی ہیں؟"

"اس قدر فضول حرکت سرزد ہوئی ہے مجھ سے کہ شرمندگی کے مارے نیند ہی اُڑ گئی۔" ثمینہ نے خفت سے بوجھل آواز میں کہا تھا۔

"اللہ بخشے، اماں جی کہا کرتی تھیں۔ ثمینہ تجھے بولنے کا سلیقہ کبھی نہیں آ سکتا۔ آج میں نے ان کی بات کو درست ثابت کر دیا۔ اتنی عمر گزارنے کے بعد بھی مجھے بولنے کا سلیقہ نہیں آ سکا، بتاؤ کیا ضرورت تھی یہ کہنے کی تم وہی ثروت ہو نا...... مستقیم بھٹی کی بیوی۔ میری جگہ کوئی احمق بھی ہوتا تو سمجھ لیتا۔ وہ اب مستقیم بھٹی کی بیوی نہیں دانیال حسن کی بیوی ہے۔ میری زبان کیوں پھسل گئی۔"

ثمینہ نے دایاں ہاتھ سر پر مارتے ہوئے خفت و جھنجلاہٹ کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ کہا تھا۔

"بھول جائیں بجیا! جو ہونا تھا ہو گیا۔"

"اتنی دیر سے بھولنے کی کوشش ہی تو کر رہی ہوں لیکن......" وہ اٹک سی گئیں۔ "مجھے کم سے کم دانیال صاحب کے سامنے یہ نہیں بولنا چاہیے تھا۔ مرد کتنا ہی اعلاظرف کیوں نہ ہو بیوی کے ماضی کے حوالے کو کبھی درگزر نہیں کرتا۔ میں تو اتنے لوگوں کے درمیان بیٹھ کر بول آئی ہوں۔ پتا ہے جس روز سے ثروت سے ملی تھی، یہی سوچ رہی تھی اس کو کہاں دیکھا ہے۔ جن دنوں تمہارے بھائی جان اور میں حویلی میں تھے، ایک روز ثروت سے ملاقات ہوئی تھی، بس وہی ملاقات ذہن میں رہ گئی اور آج یاد آئی تو زبان پھسل گئی۔"

"آپا! جو ہونا تھا ہو چکا۔ اس طرح مستقل سوچ سوچ کر اور پریشان ہو کر آپ اس وقت کو واپس نہیں لا سکتیں کہ اپنے کہے جملوں کا اثر کم کر لیں۔" فیضان نے ان کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو لیکن میں مسز دانیال سے معذرت تو کر ہی سکتی ہوں۔"

ثمینہ پُرسوچ انداز میں سر ہلانے لگیں، چند منٹ خاموشی ان دونوں کے درمیان حائل رہی پھر فیضان نے ہی اس خاموشی کو توڑا تھا۔

"میں آپ سے شہروز کے بارے میں بات کرنا چاہ رہا تھا۔" ثمینہ چونک کر ان کی طرف دیکھنے لگیں۔

"شہروز اسپیشلائزیشن کے لیے جا رہا ہے۔ جانے سے پہلے وہ ماوی سے نکاح کرنا چاہ رہا ہے۔" فیضان نے مختصر لفظوں میں انہیں شہروز کا پیغام پہنچا دیا۔

"یہ تو بڑی اچھی بات ہے۔ لیکن فیاض بھائی نے مجھ سے ذکر نہیں کیا، جبکہ مجھے تو شہروز کے جانے کی بھی کوئی خبر نہیں۔" ثمینہ نے پریشانی سے باہر آتے ہوئے کہا تھا۔

"بس اچانک ہی اس کے جانے کا پلان بنا ہے، جہاں تک نکاح والی بات ہے، شہروز پہلے آپ کا اور ماوی کا ارادہ جاننا چاہ رہا ہے پھر ہی بھائی جان سے بات کرے گا۔ اسی لیے اس نے مجھ سے کہا۔ آپ سے اس بارے میں پوچھوں کہ آپ کو تو کوئی اعتراض نہیں؟"

"لو......اس میں اعتراض والی کیا بات ہے۔ جب منگنی کی ہے تو نکاح بھی تو کرنا ہی ہے بلکہ سچ پوچھو تو مجھے بہت خوشی ہو رہی ہے...... ورنہ منگنی کے بعد سے ان دونوں کی یہی رٹ تھی کہ شادی کے لیے تو ابھی سوچیے بھی مت۔"

"پھر میں شہروز سے کہہ دوں، فیاض بھائی جان سے بات کرے؟"

"آں......" ثمینہ کچھ سوچتے ہوئے بولیں۔" میں ذرا ماوی سے بھی اس کی رائے معلوم کرلوں۔ ایسا نہ ہو شہروز نے صرف اپنی طرف سے بات کی ہو۔ تمہیں پتا نہیں ہے، میری نازک مزاج بیٹی کا۔ معمولی سی بات بھی اس کی مرضی کے خلاف کی تو ساری زندگی ہی جتاتی رہے گی۔" ثمینہ نے کھنکتی ہوئی آواز میں بیٹی کا ذکر کیا تھا۔ سچ تو واقعی یہی تھا کہ ماوی کی شادی کا خیال ہی ان کے لیے بے حد خوش کن تھا۔

"آپ پوچھ لیں ماوی سے، مجھے بھی ابھی کچھ روز مزید یہاں رکنا پڑے گا بزنس کے سلسلے میں، وہ بھی تب اگر دانیال صاحب نے آج والی بات کا ایشو نہ بنایا تو۔ دوسری صورت میں ہم اکٹھے ہی واپس چلیں گے۔" فیضان نے ہلکے پھلکے انداز میں مطلع کیا۔ ثمینہ چونک سی گئیں۔

"واقعی فیضی ایہ تو مجھے خیال بھی نہیں آیا تھا کہ اس بات کا اثر تمہارے کاروبار پر بھی پڑ سکتا ہے۔"

"اگر تقدیر میں کوئی ایسی بات لکھی ہے تو وہ پوری ہو کر رہے گی۔ اس لیے آپ پریشان نہ ہوں۔" فیضان نے زور دیتے ہوئے کہا، اس سے قبل کہ ثمینہ کچھ کہتیں۔ دروازہ کھول کر ماوی باہر نکلی۔ وہ نیند سے اُٹھ کر آئی تھی اور ان دونوں کو تلاش کرتے ہوئے پریشان لگ رہی تھی۔

"آپ لوگ اتنی رات کو یہاں کیا کر رہے ہیں؟" اس نے نیند سے بوجھل آواز میں پوچھا۔

"بس اندر آ ہی رہے تھے اور ماوی اتنی ٹھنڈ میں تم بغیر کوئی گرم کپڑا اوڑھے باہر آ گئی ہو۔ پاؤں میں سلیپر بھی نہیں ہیں۔ عقل کہاں ہے تمہاری......" ثمینہ اسے ڈانٹتے ہوئے اندر چل دیں۔ فیضان پیچھے دروازے بند کرنے لگے۔

☆☆☆

"رات بھی آپ کو بار بار کھانسی آتی رہی۔ اگر آپ کہیں تو جوشاندہ بنا لاؤں؟" ثروت نے کن اکھیوں سے دانیال حسن کے تاثرات کا جائزہ لیتے ہوئے پوچھا تھا۔

جب سے کمرے میں آئی تھیں، دیکھ رہی تھیں، انہوں نے مسلسل اُٹھا پٹخ لگا رکھی تھی۔ جو چیز رکھتے زوردار آواز کے ساتھ۔ الماری کا پٹ بند کیا، اس انداز سے کہ ایک پل کو تو کمرے کی دیواریں بھی کانپ گئی ہوں گی۔ پیشانی پر اتنے بل کہ گننا مشکل۔ تاثرات میں کرختی و خفگی، بلکہ لاتعلقی۔

ثروت میں زبان کھولنے کی ہمت ہی نہ ہوئی۔

ایک خدشہ ان کی توقع کے برعکس بے حد جلدی حقیقت کا روپ دھار کر سامنے آ گیا تھا اور وہ جانتی تھیں، وضاحت پیش کرنے کا کوئی موقع انہیں نہیں دیا جائے گا۔

کسی کی یادداشت کے غلط وقت پر چمک اُٹھنے کا گناہ بھی ان ہی کی فردِ جرم میں لکھا جا رہا تھا۔

بڑی مشکل دانیال حسن کی گویائی پر قفل لگا تھا۔ جس انسان کو عنادِ دل میں رکھ کر اولاد کی طرح اس کی پرورش کرنے کا شوق ہو۔ وہ اپنی ہی نہیں اپنے اِردگرد رہنے والوں کی زندگیاں بھی مشکل بنا دیتا ہے۔

''دانیال......! میں کچھ پوچھ رہی ہوں۔'' ثروت نے جھجکتے ہوئے دوبارہ پوچھا۔ اس بار ان کی آواز پہلے سے بلند تھی۔

''جی فرمایئے......اب کیا پوچھ رہی ہیں آپ؟''

لفظ کچھ کہیں یا نہ کہیں...... لہجے کتنا کچھ کہہ جاتے ہیں۔ بتا دیتے ہیں۔ ثروت نے گہری سانس بھرتے ہوئے سوچا پھر ہمت کر کے بولیں۔

''دانیال!......ثمینہ نے جو بھی کہا، اس میں میرا تو کوئی قصور نہیں ہے۔ جب انہیں یاد آیا تو کیا میں ان کی زبان پکڑ لیتی۔'' ثروت نے منت بھرے لہجے میں پوچھا تھا۔

''ثروت!'' دانیال حسن نے ہاتھ اُٹھا کر انہیں بولنے سے روک دیا۔ ''میں اس بارے میں کوئی بات نہیں کرنا چاہتا۔''

''میں چاہتی ہوں، آپ بات کریں۔'' ثروت نے سرعت سے کہا۔

''ثمینہ کے بھائی کے ساتھ پارٹنرشپ آپ نے کی، اب اگر ان لوگوں کا مستقیم سے کوئی......''

''میں نے کہا نا میں اس بارے میں بات نہیں کرنا چاہتا......نہیں کا مطلب ہوتا ہے نہیں۔'' یکدم دانیال حسن نے دھاڑتے ہوئے کہا۔ ثروت دم بخود کسی قدر سہم سی گئیں۔

''ان لوگوں کا تمہارے پہلے شوہر سے کیا تعلق تھا۔ مجھے یہ بھی نہیں جاننا، میرا سر درد سے پھٹ رہا ہے۔ مجھ سے کوئی بات مت کرو...... تمہیں اپنے ماضی سے جڑے رہنے کا شوق ہے۔ خصوصاً جس ماضی میں تمہارے سابقہ شوہر کا حوالہ بھی آتا ہو...... مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ تم شوق سے ان لوگوں سے رابطہ رکھ کے مستقیم کی خبر گیری کر سکتی ہو۔'' بظاہر ٹھنڈے لہجے میں بولتے دانیال حسن جیسے غصے سے پاگل ہو رہے تھے۔

''مجھے مستقیم کی خبر گیری کرنا ہوتی تو آپ سے شادی نہیں کرتی۔'' ثروت نے یک دم غصے میں آتے ہوئے کہا۔

''یہی تمہارا دوغلا پن ہے ثروت......!''

اسی پل دروازہ ایک آواز کے ساتھ کھلا اور اپنی دھن میں دوڑتا ہوا ولی اندر داخل ہوا۔

''ممی! ولید میرے جوگرز......''

''ولی! تمہیں کسی نے تمیز نہیں سکھائی؟'' دانیال حسن نے غضب ناک ہو کر کہا۔ ولی بری طرح سہم کر وہیں رُک گیا اور نا سمجھی سے ماں باپ کا چہرہ دیکھنے لگا۔

''دفع ہو جاؤ یہاں سے اور جب تک تمیز نہ سیکھ لو، اس کمرے میں آنے کی ضرورت نہیں ہے۔'' دانیال حسن بری طرح دھاڑے تھے۔

ولی خوفزدہ ہو کر اُلٹے قدموں پلٹ گیا۔

ثروت کی برداشت ختم ہو چکی تھی۔انہوں نے ولی کو واپس جاتے دیکھا۔

"بدگمانی کی جس آگ میں آپ جل رہے ہیں دانیال! برائے مہربانی اس کی تپش کو میرے بچوں تک منتقل نہ کریں۔"

ثروت نے سخت متنفر لہجے میں کہا اور کمرے سے باہر نکل گئیں۔دانیال حسن نے ہاتھ میں پکڑا قلم میز پر پٹخ دیا تھا۔

☆☆☆

کلاس روم میں لیکچر کے دوران کا سناٹا پھیلا ہوا تھا۔

صرف ٹیچر عائشہ کی آواز تھی جو وضاحت سے سنائی دیتی تھی، قد آدم کھڑکیوں سے چمکدار دھوپ کے بڑے بڑے ٹکڑے اندر تک بچھ رہے تھے۔کبھی کبھی کسی کونے میں سرگوشیوں کی بھنبھناہٹ زور پکڑتی جسے ٹیچر کی ایک تنبیہی نظر یا ڈائس پر پین کی ہلکی سی ٹک ٹک ماند کر دیتی۔

نمرہ نے کرسی پر پہلو بدلتے ہوئے چپکے سے ساری کلاس پر نظر ڈالی، پھر ترچھی نظروں سے تنوی اور عبیر کو دیکھا جو بالکل اس کے ساتھ والی کرسی پر بیٹھی ہوئی تھیں اور سنجیدگی سے لیکچر سن رہی تھیں۔معاً اسے ایک خیال آیا اس نے اپنی نوٹ بک پر لکھا۔

"یہ ناراضی کب تک چلے گی!" اور اسے عبیر کی طرف کھسکا دیا۔

عبیر نے پہلے چونک کر اسے اور پھر نوٹ بک کو دیکھا۔نمرہ چہرے پر زمانے بھر کی سنجیدگی اور پڑھائی سے عشق کی حد تک لگاؤ کے تاثرات چہرے پر سجائے لیکچر سن رہی تھی۔

عبیر نے کہنی مار کر تنوی کو متوجہ کیا اور آنکھوں سے نوٹ بک کی طرف اشارہ کیا۔

چند سیکنڈ بعد نوٹ بک پھر نمرہ کے سامنے آن رکی۔لکھا تھا۔

"جب تک فلمسٹار انجمن دوبارہ سے سینما کی اسکرین کو چار چاند نہیں لگاتی۔"

نمرہ نے پل بھر کے لیے سوچا پھر لکھا۔

"انجمن کا ہماری ناراضی سے کیا تعلق؟"

جواب آیا۔"وہی جو تمہارا انجمن سے ہے۔"

"میرا انجمن سے کوئی تعلق نہیں ہے۔"

"چل جھوٹی؟......سلطان راہی کس کے خوابوں کا شہزادہ تھا؟"

"شاید تم دونوں میں سے کسی کے خوابوں کا ہو...... بڑی بدتمیز ہو، آج تک مجھے تو بتایا ہی نہیں۔"

"ہم پر ایسا گھٹیا الزام نہ لگاؤ نمرہ! ہم تو تمہارے حوالے سے ان کی بڑی عزت کرتے ہیں اور بھائی صاحب سلطان راہی کہہ کر پکارتے ہیں۔"

"دفع دور......وہ بے چارا تو شاید میری پیدائش سے بھی پہلے انتقال کر چکا تھا۔" نمرہ نے خاصا برا مانا تھا۔

"ہاں اب بن جاؤ ننھی منی۔"

''میں ہوں ننھی منی، اب تم جیسی عمر رسیدہ لڑکیوں کی کلاس فیلو بن گئی ہوں تو یہ میری ذہانت کا کمال ہے۔''

''تمہاری شکل اور صحت انجمن سے ملتی ہے، جبکہ عقل ببو برال سے۔''

''عمیر! میں تمہیں قتل کر دوں گی۔''

''اور عزائم پھولن دیوی سے۔'' وہ سیر تھی تو عمیر سوا سیر اور اس وقت تو تنوی بھی اس کے ساتھ تھی۔ بے چاری ثمرہ نے جلدی ہی ہار مان لی۔

''صلح کرنی ہے کہ نہیں۔''

''ایک برگر، دو سموسے، ایک کوک اور......اور دو ڈونگ ڈونگ کھلاتی ہو تو میں راضی ہوں۔''

''شکل اور صحت میری انجمن سے ملتی ہے اور خوراک تمہاری۔''

ثمرہ نے بے ساختہ کہنی اس کی بازو میں ماری اور دانت پیس کر بولی۔ تنوی، عمیر کے دوسری طرف تھی، اس صورت حال پر ہنس دی۔ عمیر نے بمشکل اپنی چیخ روکی اور بازو سہلاتے ہوئے بری طرح ثمرہ کو گھورا، جواباً ثمرہ نے ہنسی دبا کر کانوں کو ہاتھ لگایا، پھر تینوں کے لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔ یوں اس بے سبب ناراضی کا اختتام ہوا جو عروش کی وجہ سے ان کے درمیان آ گئی تھی۔

☆☆☆

دانیال حسن، توقیر صاحب کے آفس میں موجود تھے۔ چند منٹ قبل چپڑاسی چائے رکھ کر کے گیا تھا۔ اور اب دانیال حسن اپنی بند آنکھوں کو انگلیوں کی پوروں سے سہلا رہے تھے۔

''میں نے بہت سوچنے کے بعد ہی فیصلہ کیا ہے توقیر! اس ذہنی حالت کے ساتھ میں کچھ نہیں کر پاؤں گا، اس لیے میں نے پارٹنر شپ سے وِدڈرا ہونے کا فیصلہ کیا ہے۔ مجھے میرا سرمایہ واپس چاہیے۔'' دانیال حسن نے کہا تھا۔

''تمہارے بجائے یہ باتیں کوئی بیس اکیس سال کا لڑکا کر رہا ہوتا تو اس کی جذباتیت سمجھ میں آتی......تمہارے جیسا میچور آدمی ایسا احمقانہ اور جذباتی فیصلہ کر رہا ہے، اس کی تک ہی سمجھ میں نہیں آ رہی۔'' توقیر صاحب نے جھنجلاتے ہوئے کہا تھا۔

''میں کسی ایسے شخص کے ساتھ کوئی رابطہ نہیں رکھنا چاہتا جس کا تعلق ثروت کے ماضی سے ہو۔'' دانیال حسن نے سابقہ انداز میں کہا۔

''دانیال، دانیال!'' توقیر صاحب جیسے اکتا ہی گئے۔ ''تمہیں پتا ہے، تم نے اپنی زندگی خود مشکل بنا رکھی ہے اور صرف اپنی ہی نہیں، تم نے بھابھی کی زندگی بھی مشکل بنا رکھی ہے۔ لوگ تو اپنا ماضی بھول جاتے ہیں۔ تم بھابھی کا ماضی سر پر سوار کر کے خود کو اور انہیں اذیت دے رہے ہو۔''

توقیر صاحب ان کے قریبی دوستوں میں سے تھے اور انہیں درپیش مسائل سے بھی آگاہ تھے۔

''یار توقیر! میرا دماغ پہلے ہی بہت خراب ہے۔ مہربانی فرما کے مجھے لیکچر مت دو۔'' دانیال حسن نے یکدم درشتی سے کہا تھا۔

''لیکچر نہیں دے رہا، تمہارے فائدے کی بات ہی کر رہا ہوں۔''

''میرا فائدہ صرف اسی میں ہے کہ میرا سرمایہ مجھے واپس کر دیا جائے۔'' دانیال حسن کی ذہنی حالت ایسی ہو رہی تھی کہ وہ ہر طرح کا نفع

نقصان بھول چکے تھے۔ توقیر صاحب کو بھی غصہ آ گیا۔

"تم حد سے زیادہ خودغرض انسان ہو دانیال! صرف اپنی پڑی ہوئی ہے۔ تمہارے اس فیصلے کا اثر کسی دوسرے پر کیا پڑے گا۔ تمہیں اس کی رتی بھر بھی پروا نہیں۔" بوکھلاہٹ میں وہ بری طرح برس پڑے۔

"تم نے ایک بار بھی سوچا ہے۔ تم اپنا سرمایہ نکال لو گے تو میرا کیا ہوگا؟ میں جو اپنی پائی پائی اس کاروبار پر لگا بیٹھا ہوں، ایک اور پارٹنر کہاں سے ڈھونڈوں گا۔ تمہارے لیے یہ کہنا بہت آسان ہے کہ میرا سرمایہ واپس کر دو، میں تو یہ بھی نہیں کہہ سکتا۔"

دانیال حسن نے چونک کر توقیر صاحب کو دیکھا۔ واقعی انہوں نے اس پہلو پر تو غور ہی نہیں کیا تھا۔

"ٹھیک ہے پھر...... فیضان مہدی کو بیچ میں سے نکال دو۔ مجھے صرف اس کے ساتھ کام کرنے پر اعتراض ہے، جب وہ ہی نکل جائے گا تو میری پریشانی خود بخود ختم ہو جائے گی۔"

چند منٹ کے غور و خوض کے بعد دانیال حسن نے تجویز دی تھی جس پر توقیر صاحب اور جھنجھلا گئے۔

"دانیال! کم سے کم ایک بینکر کے منہ سے ایسی بے عقلی کی باتیں اچھی نہیں لگتیں۔ کیا تمہیں ساری ٹرمز اینڈ کنڈیشنز نہیں پتا...... فیضان کا سرمایہ بھلے ہی ہم دونوں کے سرمائے سے کم ہو مگر تجربہ اسی کا ہوگا۔ اسے ہی نکال دیا تو ہم دونوں کا سرمایہ بھی برباد ہو جائے گا۔ سمجھنے کی کوشش کرو دانیال! فی الحال فیضان کو ہماری نہیں...... ہمیں اس کی ضرورت ہے۔ وہ بے چارہ تو اس کام میں ہاتھ بھی نہیں ڈال رہا تھا، میں نے ہی اسے مجبور کیا۔ اب میں ہی اسے الگ ہونے کا کہتا ہوں تو میری کیا عزت رہ جائے گی اس کی نظر میں۔" توقیر صاحب کی اپنی ہی پریشانی تھی۔

دانیال حسن خاموشی سے مگر ناپسندیدگی کے تاثرات چہرے پر سجائے چائے کے مگ سے اٹھتی بھاپ کو دیکھتے رہے۔ توقیر صاحب بغور ان کے تاثرات کا جائزہ لیتے رہے پھر بولے۔

"دیکھو دانیال! میں سمجھ سکتا ہوں تمہارا مسئلہ کیا ہے۔ لیکن میرے پاس کچھ پوائنٹس ہیں۔ تم ایک بار ان پر غور کر لو، مجھے یقین ہے تمہارے اعتراضات ختم ہو جائیں گے۔ پہلی بات تو یہ کہ فیضان بہت بہترین اور محنتی انسان ہے۔ تم دیکھ لینا وہ ہمارے کاروبار کو دنوں میں کہیں سے کہیں پہنچا دے گا۔ دوسری بات یہ کہ ثروت بھابھی کے ماضی سے ثمینہ آپا کے ماضی کی کڑی جڑتی ہے۔ فیضان کا اس سے کوئی لینا دینا نہیں ہے، بلکہ میرا تو خیال ہے ثمینہ آپا کا بھی اس سے کوئی لینا نہیں، وہ تو بس بات برائے بات ذکر آ گیا تھا، جسے تم نے اپنے ذہن پر سوار کر لیا ہے۔"

دانیال حسن ابھی بھی مستقل خاموش تھے۔ وہ دیر تک اس صورت حال پر غور کرتے رہے پھر ناچار انہوں نے کہا۔

"ٹھیک ہے، مجھے فیضان مہدی کی شراکت منظور ہے لیکن ایسا میں صرف تمہارے لیے کر رہا ہوں، ورنہ اب اس کاروبار میں میری کوئی دلچسپی نہیں ہے۔"

"شکریہ...... مہربانی۔ میں احسان یاد رکھوں گا۔" توقیر صاحب سکون سے مسکرائے پھر ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بولے۔

"اب خود پر بھی ایک احسان کرو۔ نکل آؤ اس ماضی کے عذاب سے جو تمہارے لیے صرف اور صرف تکلیف و اذیت کا سبب بنا ہے۔ ثروت

بھابھی نے ساری دنیا سے منہ موڑ کر تم سے شادی نہیں کی تھی کہ پیچھے مڑ کر نہ دیکھیں یا کوئی انہیں نہ پہچان سکے۔تم نے اپنے اردگرد اپنے ہی نظریات کی آگ جلا رکھی ہے دانیال! اس آگ کو خود نہیں بجھاؤ گے تو ساری زندگی سلگتے رہو گے۔" توقیر صاحب مستقل سمجھاتے رہے۔کچھ باتیں دانیال حسن نے سمجھیں، کچھ نہیں۔دل و دماغ تو اس تپش اور دھویں کی زد میں تھے جو اس آگ کی مرہون منت تھی جس کی نشاندہی توقیر صاحب نے کی تھی۔

☆☆☆

ثمینہ بری طرح کشمکش کا شکار تھیں۔

گو کہ ارادہ کر لیا تھا کہ ثروت سے معذرت کرنی ہے لیکن اس فیصلے کی راہ میں کوئی رکاوٹ تھی جو مستقل پھانس کی طرح چبھ رہی تھی اور انہیں ان کے فیصلے پر عمل درآمد نہیں کرنے دے رہی تھی۔

ماوی اور فیضان کے گھر سے نکلنے کے بعد وہ کتنی ہی دیر تک بے مصرف بیٹھی رہیں۔بہت کچھ یاد آ رہا تھا جسے بالآخر ذہن سے جھٹک کر وہ اُٹھ کھڑی ہوئیں اور انیکسی لاک کر کے باہر آ گئیں۔

شازیہ انہیں باہر ہی مل گئی۔

"شازیہ! ذرا ثروت بی بی کو اطلاع دے دو کہ میں آئی ہوں۔"

"بڑی بی بی تو گھر پر نہیں ہیں جی،ولی صاحب کے اسکول گئی ہیں۔"

"اوہ......" ثمینہ کو مایوسی ہوئی۔" اچھا ایسا کرو۔تم یہ چابیاں رکھو...... میں گروسری کے لیے مارکیٹ جا رہی ہوں۔ماوی یا فیضان صاحب آئیں تو چابیاں انہیں دے دینا اور......" وہ کہتے کہتے رکیں۔

"اور ثروت بی بی کو بتا دینا کہ میں ان سے ملنے آئی تھی۔"

"ارے ثمینہ آنٹی!" ایبنا نے انہیں ٹیرس سے دیکھا تھا۔ثمینہ نے سر اُٹھا کر دیکھا،وہ ٹیرس کی گرل پر جھکی ہوئی تھی۔

"اندر آیئے ناں......آپ یہاں سے ہی واپس کیوں جا رہی ہیں؟"

"میں تمہاری ممی سے ملنے آئی تھی۔اب وہ تو گھر موجود نہیں ہیں،میں پھر کسی وقت چکر لگاؤں گی۔"

ایبنا نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلا دیا۔ثمینہ گیٹ کی طرف پلٹ گئیں تب ہی ایبنا کو کچھ خیال آیا تو اس نے زور سے آواز دے کر ثمینہ کو مخاطب کر لیا۔

"آنٹی! ماوی ہے گھر پر؟"

ثمینہ نے گردن نفی میں ہلا کر اسے جواب دیا اور باہر آ گئیں۔انہیں کئی طرح کے خیالات درپیش تھے۔

سرفہرست شہروز اور ماوی کی شادی پھر ثروت سے معذرت اور پھر ماضی کے قصے۔

جیسے کل کی بات ہو۔وہ واحد ملاقات جو کئی سال پہلے ثروت سے ہوئی تھی۔وہ حویلی اور ناریل کے درخت۔کچی مٹی کا کھلا سا احاطہ،وہ

طنز و نفرت کے زہر میں بجھے تیر۔ جو بارہا انہوں نے اپنے وجود پر سہے۔ بھوک سے مر جانے کا خوف۔ شریک حیات سے دائمی جدائی کا غم۔

انہوں نے بڑی کوشش کی کہ کسی طرح ذہن بہل جائے مگر ذہن تھا کہ بار بار اسی ایک نقطے پر آ کر اُلجھ جاتا۔

"میں ماوی سے بات کرتی ہوں۔ اسی سال اس کی اور شہروز کی شادی ہو جانا چاہیے۔"

ثروت سے شروع ہوئی یادوں کا سلسلہ کہاں جا پہنچا تھا۔ ثمینہ نے تکلیف کی ایک تیز لہر کو دل کی سرحد پر پھیلتے محسوس کیا تو بڑی دقت سے اپنے ذہن و دل کو اس دوسرے موضوع کے ساتھ مصروف کرنا چاہا مگر اس کشمکش میں وہ اردگرد سے کٹ گئیں، یہاں تک کہ سامنے سے آتی بس بھی انہیں دکھائی نہ دے سکی۔ بس ڈرائیور کے بروقت بریک لگانے کے باوجود ثمینہ بری طرح ٹکرا گئیں اور ایک چھوٹی سی گڑیا کی طرح اڑتی ہوئی دور جا گریں۔ تکلیف کے بد ترین احساس کے ساتھ ماؤف ہوتے ذہن نے جو آخری منظر دیکھا۔ وہ بازو سے فوارے کی طرح نکلتا ہوا خون اور اردگرد اکٹھا ہوتا مجمع تھا۔

☆☆☆

"کیا ہوا ہے ارسل! گاڑی کیوں روکی ہے؟"

پچھلی سیٹ پر نیم دراز جیڈی نے پوچھا۔

"میرا خیال ہے، کوئی ایکسیڈنٹ ہوا ہے۔" ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے ہوئے ارسل نے تھوڑا سا اچک کر سڑک کے کنارے جمع بھیڑ میں جھانکنے کی کوشش کرتے ہوئے خیال ظاہر کیا۔ جیڈی جھٹکے سے سیدھا ہوا اور شیشے سے باہر دیکھنے لگا۔

"یہاں تو ہر دوسرے روز یہی سب ہو رہا ہوتا ہے۔" واثق نے کہا اور اپنی طرف کا دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔ پیچھے ہی ارسل اور سعد بھی اتر گئے۔

"بے چاری عورت بیس منٹ سے سڑک کے کنارے پڑی ہوئی ہے۔ لیکن کوئی مدد کرنے کے لیے تیار نہیں ہے۔" واپس آ کر انہوں نے بتایا۔

"چلو ارسل! ہماری فلم نکل جائے گی۔" جنید نے تاسف سے گردن ہلاتے ہوئے ارسل سے کہا۔ وہ پانچوں فلم دیکھنے سینما جا رہے تھے۔

"لیکن وہ عورت......" جیڈی نے کہا۔

"ہمیں ان کی مدد کرنی چاہیے۔" ارسل نے جیڈی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"کم آن......" جنید جھنجلا کر بولا۔ "اب تم لوگ ہمدردی کرنے نہ کھڑے ہو جاؤ، یہاں اتنے لوگ موجود ہیں، کوئی نہ کوئی اسے اسپتال لے جائے گا۔"

"بیس منٹ سے سب کھڑے ایک دوسرے کی شکل دیکھ رہے ہیں، ہم بھی بے حس بن کر چل دیے، تو بے چاری یہیں پڑی پڑی مر جائے گی۔"

"جیڈی ٹھیک کہہ رہا ہے۔" واثق نے کہا۔ "فلم تو پھر کبھی بھی دیکھی جا سکتی ہے یار! ایک انسانی جان فلم سے زیادہ اہم ہے۔"

"اب میں کچھ کہوں گا تو تم سب مجھے بے حس ثابت کرنے پر تل جاؤ گے۔ جانتے بھی ہو میں کتنا نرم دل ہوں، ایسی ایموشنل باتیں مجھے ہرٹ کرتی ہیں۔" جنید نے مسمسی سی شکل بنا کر کہا۔

''تم یہاں کھڑے رہ کر اپنی شان میں قصیدہ پڑھو۔ میں اور ارسل اسے اسپتال لے جا رہے ہیں۔'' جیڈی نے اکتا کر کہا تھا۔

''مرضی ہے تمہاری...... میں تو تمہیں ہی پولیس کے چکروں سے بچانے کے لیے کہہ رہا تھا، ایسی سڑک کنارے کی جانے والی ہمدردی گلے پڑ جاتی ہے۔ یہاں کا سارا سسٹم ہی خراب ہے۔'' جنید نے ناپسندیدگی سے کہا تھا۔

''واثق! تم لوگ ٹیکسی لے کر آ جاؤ، میں اور ارسل اسپتال جا رہے ہیں۔'' جیڈی کو فی الحال صرف اس زخمی عورت کی فکر تھی، تب ہی جنید کی بات نظر انداز کرتے ہوئے بولا اور فٹ پاتھ کی طرف پلٹ گیا۔

☆☆☆

جیڈی اور ارسل ان خاتون کو ایک پرائیویٹ اسپتال لے آئے تھے۔ یہاں ڈاکٹر مجتبیٰ انصار، جیڈی کے جاننے والے آدمی تھے۔ نہ بھی ہوتے تو ان کو کسی دقت کا سامنا نہ کرنا پڑتا، کیونکہ جیب نوٹوں سے بھری ہو تو ہر کام آسان ہو جاتا ہے۔

ڈاکٹر مجتبیٰ کی وجہ سے کسی قانونی کارروائی میں پڑے بغیر علاج شروع کر دیا گیا تھا۔

''میں علاج شروع کر رہا ہوں، لیکن بہتر ہوتا اگر ان کے گھر والے یہاں موجود ہوتے۔'' ڈاکٹر مجتبیٰ نے جیڈی سے کہا تھا۔

''اب گھر والوں کو کہاں سے تلاش کریں؟'' ارسل نے خود کلامی کے انداز میں کہا، پھر یک بارگی اسے یاد آ گیا۔

''سڑک پر سے میں نے ان آنٹی کا پرس بھی اٹھایا تھا، ممکن ہے اس میں سے کوئی سراغ مل جائے...... گاڑی میں پڑا ہے، میں لے کر آتا ہوں۔'' ارسل جھٹ پٹ آفس سے باہر نکل گیا۔ جیڈی وہیں بیٹھا صورت حال پر غور کرتا رہا۔ پریشانی بڑی فطری سی بات تھی۔

چند منٹ بعد ارسل واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں ایک خوبصورت سا پرس تھا اور وہ کسی قدر مایوس لگ رہا تھا۔

''یہ تو بالکل خالی ہے۔''

''ممکن ہے، یہ ان خاتون کا نہ ہو۔'' جیڈی نے خیال ظاہر کیا۔

''سڑک پر ان کے قریب پڑا ہوا تھا۔ میرا خیال ہے جو لوگ ان کے گرد گھیرا ڈالے کھڑے تھے۔ ان ہی میں سے کسی نے روپے اور قیمتی چیزیں نکال لی ہوں گی اور خالی پرس وہیں پھینک دیا۔ ورنہ سیل فون تو آج کل ہر ایک کے پاس ہی ہوتا ہے۔ دوسرے یہ خاتون بھی اپنے حلیے سے ایسی نہیں لگ رہیں کہ خالی پرس لے کر گھومیں۔''

جیڈی نے پرس لے کر یونہی اسے ٹٹولا، پھر بولا۔

''اس حصے میں چیک کیا؟'' وہ پرس کی اندرونی جیب کی بات کر رہا تھا۔ ارسل کا جواب سنے بغیر ہی وہ دیکھنے لگا۔ اس زپ کے اندر چند کاغذ رکھے تھے۔ ایک کسی شاپنگ مال کا بل تھا، جبکہ دوسرا کوئی نسخہ تھا۔ ''مسز ثمینہ رجب!'' جیڈی نے باآواز بلند پڑھا۔ ''میرا خیال ہے اس پر سیکرپشن کے ذریعے سراغ لگایا جا سکتا ہے۔'' اس نے پرسوچ انداز میں کہا۔

''اوہو...... جیمز بانڈ کے جانشین۔'' ارسل نے ہنسی اڑائی۔

''جیمز بانڈ کا جانشین تو بننا ہی پڑے گا، ورنہ بڑی مشکل ہو جائے گی۔ پولیس آ گئی تو نزلہ ہم پر گرے گا۔''

''ہاں بات تو ٹھیک ہے۔'' ارسل نے فوراً کہا۔ ''جیڈی! میرے ابو کا فون آیا تھا، انہیں کوئی کام ہے مجھ سے...... اگر تم یہاں مینیج کر لو تو میں گھر کا چکر لگا آؤں۔''

''کیا بات کر رہے ہو...... میں اکیلا کیا کروں گا، اگر کوئی مسئلہ ہوا تو......'' جیڈی ہڑبڑا کر بولا۔

''کچھ نہیں ہوتا یار! تم ایسے ہی گھبرا رہے ہو۔ میں تھوڑی دیر میں واپس آ جاؤں گا۔'' ارسل تسلی دے کر چلا گیا۔ کچھ دیر بعد ڈاکٹر مجتبیٰ آ گئے۔

''جھوٹی تسلی نہیں دوں گا، خاتون کی حالت بہت سیریس ہے۔'' انہوں نے آتے ہی کہا۔ ''بظاہر صرف بازو فریکچر ہوا ہے اور تھوڑی اسکن ڈیمیج ہوئی ہے۔ لیکن اندرونی چوٹیں کس حد تک ہیں، اس کا اندازہ مریض کے ہوش میں آنے کے بعد ہی لگایا جا سکتا ہے۔ میرا اندازہ ہے ان کے سر پر بھی چوٹ لگی ہے اگلے چوبیس گھنٹے بہت اہم ہیں۔ اگر ہوش آ جاتا ہے تو ٹھیک، ورنہ تم سمجھ رہے ہو نا!''

''ج...... جی۔'' وہ بے چارہ فطرتاً معصوم اور حساس تھا، کسی کی خراب حالت کے خیال سے ہی بوکھلا رہا تھا۔

''کسی نہ کسی طرح تم ان کے گھر والوں کا پتا لگا لو۔ کیونکہ کسی بھی غیر متوقع صورت حال میں ان کی مریض کے پاس موجودگی بہتر ہوگی۔''

جیڈی سر ہلا کر اٹھ کھڑا ہوا۔

☆☆☆

''ماوی باجی! انیکسی کی چابیاں لے لیں۔''

ماوی تھکے تھکے انداز میں انیکسی کی طرف بڑھ رہی تھی، جب اس نے شازیہ کی آواز سنی، اس نے گردن موڑ کر دیکھا، شازیہ بھاگی چلی آ رہی تھی۔

''یہ لیں۔'' اس نے چابیاں ماوی کے ہاتھ پر رکھ دیں۔

''ثمینہ بی بی مارکیٹ جاتے ہوئے چابیاں دے گئی تھیں کہ آپ کو دے دوں۔'' اس نے پھولی ہوئی سانس بحال کرتے ہوئے بتایا۔

''مارکیٹ گئی ہیں ممی!'' ماوی نے دوہراتے ہوئے اپنی ریسٹ واچ پر ٹائم چیک کیا۔ شام کے ساڑھے چار بج رہے تھے۔ اسے یاد آیا صبح ممی نے مارکیٹ جانے کا ذکر نہیں کیا تھا۔

''اچھا ٹھیک ہے۔'' اس نے شازیہ سے کہا اور شولڈر بیگ سے سیل فون نکال کر ممی کا نمبر ڈائل کرنے لگی۔ تب ہی شازیہ نے اسے دوبارہ مخاطب کیا۔

''انو باجی کہہ رہی ہیں، آپ فریش ہو کر آ جائیں، وہ چائے پر آپ کا انتظار کر رہی ہیں۔''

''ہوں......'' ممی کا نمبر مل نہیں رہا تھا۔ سیل فون آف تھا۔ ماوی کو تشویش سی محسوس ہونے لگی، اس نے بے دھیانی میں شازیہ کی بات سنی تھی۔ پھر اس نے سر جھٹکتے ہوئے کہا۔

"اینیا سے کہو، میں پندرہ منٹ میں آ رہی ہوں۔ شازیہ! سنو، ممی کب سے مارکیٹ گئی ہوئی ہیں؟" اس نے مستقل ثمینہ کا نمبر ٹرائی کرتے ہوئے پوچھا۔

"شاید ساڑھے بارہ بجے گئی تھیں۔ انہوں نے کہا تھا، چابیاں آپ کو یا فیضان صاحب کو دے دوں۔"

"واٹ، ساڑھے بارہ۔" ماوی کو بری طرح جھٹکا لگا۔ "اتنی دیر ہوگئی ممی واپس نہیں آئیں۔ ایسی بھی کون سی شاپنگ کرنا تھی۔"

تشویش بھرے انداز میں سوچتی وہ لاک کھول کر اندر آ گئی۔ لائٹس آن کر کے اس نے شولڈر بیگ اور دوپٹہ صوفے پر اچھال دیا۔ کچن میں جا کر پانی پیا، پھر کچھ سوچ کر دوبارہ ممی کا سیل نمبر ڈائل کیا۔ نتیجہ پہلے جیسا ہی رہا۔ ہر گزرتے منٹ کے ساتھ ماوی کی فکرمندی بڑھ رہی تھی۔ اس کی چھٹی حس جیسے کوئی اشارہ دے رہی تھی۔ اسے عجیب عجیب سے خیال آنا شروع ہو گئے تھے۔ اپنا دھیان بٹانے کی غرض سے اس نے اپنے لیے چائے بنائی اور ساتھ میں بسکٹ کا پیکٹ لے کر لاؤنج میں آ گئی۔ اس نے ٹی وی بھی آن کر لیا تھا۔

ساڑھے پانچ بجے تک وہ مستقل ممی کا انتظار کرتی رہی اور ان کا سیل نمبر ٹرائی کرتی رہی۔ لیکن جب ممی کا کچھ پتا نہ چل چکا تو اس نے فیضان ماما کو فون کیا۔

"آپ کہاں ہیں ماما! پلیز جلدی گھر آئیں۔"

"کیا بات ہے ماوی، خیریت تو ہے، تم پریشان ہوں؟" فیضان نے پوچھا۔

"آپ گھر آئیں، میں بتاتی ہوں۔" اس نے اتنا کہہ کر فون بند کر دیا اور فکرمندی سے ٹہلنے لگی، تب ہی اینیا آ گئی، پیچھے شازیہ تھی۔

"لو...... میں وہاں انتظار میں سوکھ رہی ہوں اور یہاں تم چائے پی بھی چکیں۔ بہت غلط بات ہے۔"

"سوری اینیا! میرے ذہن سے ہی نکل گیا کہ تم انتظار کر رہی ہو۔"

"کیا بات ہے ماوی! تم پریشان لگ رہی ہو؟" اینیا نے بغور اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ جواباً ماوی نے اسے ثمینہ کی غیر موجودگی کے متعلق بتایا اور یہ بھی کہ ان کا فون مستقل بند پڑا ہے۔ اینیا بھی فکرمند ہو گئی۔

"واقعی آنٹی کو گھر سے نکلے بہت دیر گزر چکی ہے۔ ممکن ہے کسی رشتہ دار کے یہاں چلی گئی ہوں۔" اس نے خیال ظاہر کیا۔

"یہاں ہمارے کوئی رشتہ دار نہیں ہیں۔" ماوی نے سرعت سے کہا۔

"ان فیکٹ پاکستان میں ہم تو قیر انکل کی فیملی کے علاوہ کسی کو نہیں جانتے۔" پریشانی سے اس کے سر میں درد ہونے لگا تھا۔ اینیا کی فکرمندی بھی بڑھ گئی۔ لیکن ماوی کی پریشانی کم کرنے کی غرض سے بولی۔

"اچھا تم پریشان مت ہو، آنٹی آ جائیں گی، بچی تو نہیں ہیں۔" ماوی نے فوراً اس کی بات قطع کی۔

"بچی نہیں ہیں، لیکن انہیں راستوں کی پہچان نہیں۔ پھر پاکستان اتنے عرصہ بعد آئی ہیں کہ......" اس سے آگے بولا ہی نہیں گیا، ہر گزرتے پل کے ساتھ اس کی پریشانی بڑھ رہی تھی۔ برے برے خیالات ایک ایک کر کے ذہن و دل میں جگہ بنا رہے تھے۔

''واقعی باجی ماوی! تسی ٹھیک کہہ رہے او...... پاکستان کے تو حالات ہی بڑے خراب ہیں۔ تھوڑے دن پہلے، منظور صاحب نہیں ہیں انو باجی! وہی جن کی کونے والی کوٹھی ہے۔ ان کے بڑے بیٹے کو کسی نے اغوا کرلیا، پھر تاوان......''

''شازیہ......!'' اینیا نے غضب ناک ہوکر شازیہ کو ڈپٹا۔ شازیہ کی تیز گام کی رفتار سے چلتی زبان کو فوراً بریک لگ گئی۔

''شازیہ! کبھی بولنے سے پہلے سوچا بھی کرو۔'' اینیا نے دانت پیس کر کہا۔ ''اب نکلو یہاں سے اور منظور حسین سے کہو، جاکر قریب والی مارکیٹ میں ثمینہ آنٹی کو تلاش کرے، ماوی فکرمند نہ ہو، مجھے یقین ہے آنٹی راستہ بھول گئی ہوں گی، اتنی مشکل گلیاں ہیں، اچھے اچھے بھٹک جاتے ہیں۔''

ماوی سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔ اینیا کی تسلیاں ایک طرف اور دل کے اندیشے دوسری طرف۔ اس کا بس نہ چلتا تھا، ممی کو کہیں سے ڈھونڈ لائے۔ اپنے دل سے ہر اندیشے کو جھٹکتے ہوئے اس نے ممی کی خیریت کے لیے دعائیں مانگنا شروع کردی تھیں۔

☆☆☆

''تنوی! تم نے عروش کے بارے میں کیا سوچا ہے؟'' موقع ملتے ہی نمرہ نے جھجکتے ہوئے تنوی سے پوچھا۔ وہ دونوں کینٹین کے کارنر والے ٹیبل پر بیٹھی تھیں، جبکہ عبیرا ابھی ابھی کوک لینے گئی تھی۔ تنوی نے چونک کر اسے دیکھا۔

''تم پھر عروش کا قصہ لے کر بیٹھ جاؤ۔'' اس نے خفگی سے کہا۔ ''ابھی تو ہم نے فیصلہ کیا تھا کہ عروش کا ذکر نہیں ہوگا، وہ اچھی لڑکی نہیں ہے، نہ اس سے تم دوستی رکھو گی، نہ ہم۔''

''ہم سے کیا مراد ہے؟'' نمرہ نے کہا۔ ''عروش صرف تم سے دوستی کرنا چاہتی ہے، عبیر سے نہیں، میں تو کہتی ہوں، ایک بار اس کی بات سن لو۔ تم نے آج تک اس سے تفصیل سے بات نہیں کی۔ جب اس سے بات کرو گی تو تمہیں وہ اچھی لگے گی تنوی!''

''وہ دیکھو، عروش سامنے کھڑی ہے۔ اگر تم کہو تو میں اسے بلا لاتی ہوں۔'' تنوی نے اس طرف دیکھا جس طرف نمرہ نے اشارہ کیا تھا۔ پھر سرد مہری سے بولی۔

''تم اسے بلا لاؤ اور یہاں بیٹھ کر اس سے باتیں کرو، میں چلی جاتی ہوں۔'' تنوی اُٹھنے لگی، لیکن نمرہ نے ہاتھ پکڑ کر روک لیا۔

''اچھا ٹھیک ہے، خفا مت ہو، میری بیسٹ فرینڈز تم اور عبیر ہو، اب عروش کی خاطر تم دونوں کو تو خفا نہیں کرسکتی۔ اگر تم چاہو تو میں پرنسپل کے پاس جاکر عروش کی شکایت کرنے کے لیے بھی تیار ہوں۔'' نمرہ نے بڑی سہولت سے اسے حیران کردیا تھا۔

''واقعی نمرہ! تم سچ کہہ رہی ہو؟'' اس نے بے یقینی سے پوچھا۔

''سو فیصد۔'' نمرہ جھٹ سے بولی۔

''میں نے اس بارے میں بہت سوچا ہے یار! اور مجھے لگا تم لوگوں کا پوائنٹ آف ویو غلط نہیں ہے، بیشک عروش اچھی ہے، لیکن اس کی حرکتیں اور ڈیمانڈز غلط ہیں۔'' نمرہ پُرسوچ انداز میں کہہ رہی تھی۔

''اور وہ اپنے ساتھ ساتھ اکثر اسٹوڈنٹس کو بھی غلط راہ پر لگا رہی ہے۔ کچھ اچھی عادات کی وجہ سے کئی بری عادات کو تو نظر انداز نہیں کیا جا

سکتا۔ ہمیں اس کی کمپلین کرنی چاہیے۔" اس نے بڑی سہولت سے پینترا بدل لیا تھا۔

"اب کوئی فائدہ نہیں۔" عمیر نے ان دونوں کے سامنے کوک رکھتے ہوئے کہا تھا۔ "تم نے اپنی ذہانت کے ہاتھوں مجبور ہو کر ثبوت ہی مٹا دیا۔" وہ اپنی کوک لینے کے لیے چلی گئی۔

"تو ثبوت جمع کرنا کیا مشکل ہے۔" ثمرہ نے چٹکی بجاتے ہوئے کہا۔ "ذرا اپنا فولڈر دو۔" نمرہ نے تنوی سے کہا۔ پھر فولڈر کھول کے اس میں سے نوٹ بک نکالی اور لکھنے لگی۔

"کیا کر رہی ہو نمرہ؟" تنوی نے متجسس ہو کر پوچھا۔ جواباً نمرہ نے اسے ذرا صبر کرنے کے لیے کہا تھا۔ چند منٹ بعد وہ پین بند کرتے ہوئے اپنا تیار کیا مشن اسے سنانے لگی۔

"ڈیئر عروش! مجھ سے دوستی کرنے کے لیے تمہیں سروش کے نام کا سہارا لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں بھی تمہیں پسند کرتی ہوں اور دوستی کرنا چاہتی ہوں۔ تم جو نہیں کہتیں تمہاری آنکھیں کہہ دیتی ہیں اور تمہاری آنکھیں صرف محبت کی زبان بولتی ہیں۔ میں تمہاری محبت اور دوستی کی قدر کرتی ہوں اور اس محبت میں ڈوب جانا چاہتی ہوں۔ پلیز اس خط کا جواب جلدی دینا۔ صرف اور صرف تمہاری۔"

تب ہی اس کے ہاتھ سے عمیر نے نوٹ بک جھپٹ لی اور بے حد غصے سے تنوی کے سامنے پٹخ دی۔

"یہ تھرڈ ریٹ فلموں کے گھٹیا عشقیہ خطوط لکھنا بند کرو اور تھوڑی عقل مندی کا مظاہرہ کرو۔" اس نے غضب ناک انداز میں کہا۔

"عروش کا تو دماغ خراب ہے نمرہ! کم سے کم تم تو عقل کا نام لو، مجھے پتا ہے، اس خط کے ذریعے تم عروش سے ایک اور خط لکھوانا چاہ رہی ہو، تا کہ اس دوسرے خط کو عروش کے خلاف استعمال کر سکو۔ لیکن اتنا بھی سوچ لو اگر یہ خط عروش نے تنوی کے خلاف بطور ثبوت استعمال کر لیا تو کیا ہوگا، ہم عروش کو Rusticate (فارغ) کروانا چاہ رہے ہیں۔ اگر یہ خط کسی کے ہاتھ لگا تو تنوی کالج سے نکال دی جائے گی۔" وہ دبی آواز میں بول رہی تھی۔

"یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں۔" نمرہ نے کہا۔

"تم نے جتنا سوچا، وہ بھی بے کار ہی ہے، اس لیے پلیز تم کچھ نہ سوچا کرو۔ جب بھی سوچتی ہو۔ کوئی تماشا ہی کرتی ہو۔" عمیر نے اچھے خاصے لتے لے ڈالے۔

"ہاں نمرہ! عمیر بالکل ٹھیک کہہ رہی ہے۔" تنوی نے گھبرا کر نوٹ بک فولڈر میں رکھ لی تھی۔

"تم تو بہت ذہین ہو عمیرا کتنی دور کی بات سوچ لیتی ہو، میں تو بھئی متاثر ہو گئی ہوں۔ گرو جی! پلیز مجھے اپنی شاگردی میں لے لیجیے۔" نمرہ نے مسکین سی شکل بناتے ہوئے کہا تھا۔

"یہ ہی کرنا پڑے گا۔" عمیر نے غصے سے کہا۔ پھر وہ تینوں باتیں کرنے لگیں۔ وہ نمرہ کی برین واشنگ کرتی رہیں، اس بات سے بے خبر کہ تقدیر ان کے لیے کیا سوچ رہی ہے۔

☆☆☆

کوئی یخ بستہ طویل سرنگ تھی جس میں اماوس کی رات پھیلی ہوئی تھی۔ تاریکی اور سناٹا ایسا کہ دل میں خوامخواہ وسوسے جنم لینے لگیں۔ کبھی کبھی کوئی آواز سماعت سے ٹکراتی اور اپنا مفہوم واضح کیے بنا سناٹے میں تحلیل ہو جاتی۔

پراسرار، پرہیبت فضا تھی۔

ثمینہ نے کسی منظر کی تلاش میں یہاں وہاں گردن گھمائی، دور ایک مرجھائی ہوئی سی کرن ریت کے ذرے کی مانند ان کی بصارت کی زد میں آ گئی۔ انہوں نے اسی کرن کا تعاقب کرنے کا فیصلہ کیا اور سہمے ہوئے دل کے ساتھ ٹٹول ٹٹول کر قدم رکھتی آگے بڑھنے لگیں۔ مگر ہر بڑھتے قدم کے ساتھ وہ روشنی کا مدھم سا منبع ان سے دور ہو رہا تھا۔

یکدم ان کا پیر کسی بھاری سی چیز سے ٹکرایا اور سنبھلنے کی کوشش میں وہ گھٹنوں کے بل زمین پر آ رہیں۔ ایک بھی لمحہ ضائع کیے بنا انہوں نے چھو کر اس بھاری چیز کو پہچاننا چاہا، تب انہیں احساس ہوا، وہ بھاری چیز دراصل ایک بے حس و حرکت انسانی وجود تھا۔ آن واحد میں تاریکی ختم نہیں ہوئی، لیکن تاریکی کا احساس ضرور چھٹ گیا تھا۔ پھر اس اسپاٹ لائٹ جیسے احساس نے اس وجود کے چہرے کو فوکس کیا۔ زرد چہرہ، بند آنکھیں۔

''رجب۔'' ثمینہ کا دل وحشت سے بھر گیا۔ ان کے لبوں سے ایک گھٹی گھٹی سی چیخ برآمد ہوئی۔

پرائیویٹ روم کے بیڈ پر لیٹے ثمینہ کے پٹھوں میں لپٹے وجود میں بے چینی کی لہر دوڑ گئی تھی اور سارا جسم جھٹکے کھانے لگا تھا۔

کرسی پر اونگھتا جیڈی ہڑبڑا کر سیدھا ہوا۔

''ڈ......ڈاکٹر......!'' وہ بوکھلا کر باہر بھاگا۔

ثمینہ تاریکی میں راستہ تلاش کرنے کے لیے ہاتھ پیر چلا رہی تھیں۔

''ممی!'' ایک آواز ان کے قریب ابھری۔ ثمینہ کے بھاگتے وحشت زدہ قدم ٹھٹک کر رُک گئے۔ تاریکی کے پردے پر ایک چہرہ ابھر آیا تھا، چمک دار چہرہ، وہ بے چین ہوئیں، یہ مسکراتے ہوئے نقوش جانے پہچانے تھے۔

''ممی! اگر میں آپ سے دور چلی جاؤں تو۔''

اس دلکش چہرے نے پوچھا۔ ثمینہ سن سی رہی گئیں۔ معاً ایک جھماکے سے تیز روشنی پھیل گئی۔ یہاں تک ثمینہ کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ بڑی مشکل سے اپنی دکھتی ہوئی آنکھوں کو انہوں نے اس روشنی میں دیکھنے کے قابل کیا۔ تب ہی اس تیز روشنی میں سے ایک سیاہ چغہ پوش ہاتھ میں خنجر لیے ماوی کی طرف جھپٹا اور اس کا سر تن سے جدا کر دیا۔ ایک زوردار چیخ ان کے لبوں سے نکلی اور خوف کے ناقابل بیان احساس کے ساتھ ثمینہ ہوش میں آ گئیں۔

ان کے گرد تیز تیز آوازیں تھیں۔ ڈاکٹر، نرس کو ہدایت دے رہا تھا۔ جیڈی اس روز سے اسپتال میں بند ہوا بیٹھا تھا۔ وہ نسخہ جس پر سے اس نے خاتون کا نام پڑھا، بے دھیانی میں وہ گنوا بیٹھا تھا۔ اب اس کے پاس ایسا کوئی ذریعہ نہیں تھا جس سے خاتون کے گھر والوں کا پتا لگایا جا سکے۔ اگر نسخہ ہوتا تو کلینک سے معلومات حاصل کی جا سکتی تھی۔

خاتون کو زیادہ تر مسکن ادویات کے زیر اثر رکھا جا رہا تھا۔ جتنا وقت وہ ہوش میں رہتیں، ڈاکٹر مجتبیٰ کی ہدایات کے مطابق ان سے کوئی سوال پوچھنے سے احتراز کیا جاتا، کیونکہ اس صورت میں وہ اپنے ذہن پر زور ڈالتیں جوان کی صحت کے لیے اچھا نہیں تھا۔ جیڈی وہیں کمزارہ کر ڈاکٹر کی اگلی ہدایات کا انتظار کرنے لگا۔

☆☆☆

چوہدری دین محمد کی بیوی زہرہ کے انتقال کی خبر جنگل کی آگ بن کر پھیل گئی، یہ کیسے ممکن تھا، باجی زبیدہ تک اطلاع نہ پہنچتی۔

ایسی بری خبر سن کر اس کا کلیجہ کسی نے مٹھی میں دبوچ لیا۔ ابھی ایک روز پہلے تو بھاوج سے ملاقات ہوئی تھی، اس وقت تو وہ بھلی چنگی دکھائی دیتی تھی۔ پھر کا یک ایسا کیا ہوا کہ اس کے بھائی کی زندگی اتنے بڑے المیے سے دوچار ہوگئی۔

صدمے اور غم سے بے حال باجی زبیدہ روتی ہوئی اپنے میکے پہنچی، تا کہ غم زدہ بھائی کو دلاسا دے سکے۔

صحن کے بیچ و بیچ چارپائی بچھا کر میت رکھی گئی تھی۔ اردگرد گاؤں کی اور رشتہ دار خواتین بیٹھی بین ڈال رہی تھیں۔ اس نے دیکھا، جنت چارپائی کے قریب دوزانوں بیٹھی ٹکر ٹکر ماں کا چہرہ دیکھ رہی تھی، اس کا چہرہ مرجھایا ہوا تھا اور بڑی بڑی آنکھوں میں آگہی اور غم ہلکورے لے رہا تھا۔

باجی زبیدہ کے دل پر آری سی چل گئی، اس کا دل چاہا دوڑ کر جائے اور بھتیجی کو بانہوں میں سمیٹ لے۔ لیکن اس سے قبل کہ وہ اپنی سوچ کو عملی جامہ پہناتی، رشتہ دار خواتین آ کر اس سے گلے ملتے ہوئے پرسہ دینے لگیں۔ باجی زبیدہ کا بس نہ چلتا تھا جلد از جلد بھاوج کا چہرہ دیکھ لے۔ لیکن ہر کوئی اس سے غم کا اظہار کرنے کے لیے بے چین تھا۔ اسی دوران اس نے دین محمد کو دیکھا۔ وہ مردانے سے نکل کر صحن کی طرف آ رہا تھا۔ باجی زبیدہ پر نظر پڑتے ہی وہ ٹھٹک کر رُک گیا۔

اس کی نم، غم زدہ آنکھوں سے یک لخت شرارے نکلنے لگے تھے۔ اس نے پل بھر کے لیے کچھ سوچا۔ پھر تیز تیز قدم اٹھاتا باجی زبیدہ کے سامنے آ رکا۔

بھائی کو دیکھ کر باجی زبیدہ خود پر قابو نہیں رکھ سکی اور بازو پھیلا کر روتے ہوئے اس کی طرف بڑھی، لیکن دین محمد نے سختی سے اس کے ہاتھ جھٹک دیے۔

"تو دلیز پار کر آئی، اسی کو بہت سمجھ۔ اب ٹوٹنگی کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں اپنی بیوی کو مارنے والے کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتا، نہ ہی اپنی بیوی کی شکل اسے دیکھنے دوں گا۔" میت والے گھر میں یک لخت خاموشی چھا گئی۔ اس قدر نفرت بھرے انداز پر باجی زبیدہ کے آنسو بھی ٹھٹک سے گئے۔

"دین محمد! تو پاگل تو نہیں ہو گیا؟" صحن میں پھیلے سناٹے کو دین محمد کی ماں کی آواز نے توڑ ڈالا۔ آن کی آن سرگوشیاں اور قیاس آرائیاں سارے میں گردش کرنے لگیں۔

کسی نے کہا۔ "دین محمد کا دماغ صدمے نے الٹ دیا ہے۔"

"کچھ نہیں ہوا میرے دماغ کو۔" دین محمد بھڑک کر بولا۔ "باجی زبیدہ نے زہرہ کو قتل کیا ہے۔"

"دین محمد! ہوش کر۔" باجی زبیدہ نے پتا نہیں کیسے زبان کھولی۔

"ہوش کروں میں کس لیے؟ پہلے فاروق نے میری جنت کو قتل کرنے کی کوشش کی اور اب تو نے میری بیوی کو قتل کروا دیا۔ میں پوچھتا ہوں باجی زبیدہ، تو میری خوشیوں کی دشمن کیوں بنی ہوئی ہے۔"

"مجھے غلط فہمی نہیں ہوئی، مجھے جنت نے سب کچھ بتا دیا ہے۔"

"کک...... کیا بتایا ہے جنت؟" باجی زبیدہ بے یقینی سے بولی۔

"کل تم زہرہ سے بازار میں ملی تھیں، تم نے اسے گالیاں دیں، بددعائیں دیں اور تم نے کہا، دین محمد نے سارا خاندان توڑ دیا، ایسا جنت کی وجہ سے ہوا اور یہ کہ جنت مر جائے تو اچھا ہے۔ تیری بددعا جنت کے بجائے زہرہ کو لگ گئی۔"

باجی زبیدہ نے ٹھٹری ہوئی آنکھوں سے جنت کو دیکھا۔

"میں نے ایسا کچھ نہیں کہا تھا دین محمد...... فاروق بھی اس وقت ساتھ تھا تو اس سے پوچھ لے۔"

"مجھے اس پر بھروسہ ہے، نہ تجھ پہ۔" وہ نفرت سے پھنکارا۔

"تجھے غلط فہمی ہوگی دین محمد! زبیدہ تیری بہن ہے، دشمن نہیں کہ بددعائیں دے، جنت نے ضرور جھوٹ بولا ہوگا۔" اہل برادری میں سے کسی نے کہنا چاہا لیکن دین محمد کی تیز آواز نے اسے خاموش کروا دیا۔

"میری جنت جھوٹ نہیں بولتی۔" پھر اس نے جنت کو اپنے پاس بلایا۔ "ان سب کو بتا جنت! اس عورت نے یہ سب کہا تھا کہ نہیں؟"

سب کی نظروں نے جنت کا گھیراؤ کر لیا۔ وہ ماں کے غم سے بے حال تھی، کچھ باپ کے غصے اور لوگوں کی کھوجتی نظروں نے گھبراہٹ طاری کر دی، تب ہی اثبات میں سر ہلا دیا، ورنہ سچ تو یہ ہے کہ اسے یاد نہ تھا، پھوپھی زبیدہ نے اماں سے کیا کہا اور وہ یہ ساری داستان باپ کو کن الفاظ میں سنا چکی ہے۔

باجی زبیدہ ہکا بکا رہ گئی۔ یہ چھٹانک بھر کی لڑکی کس قدر صفائی سے جھوٹ بول گئی تھی۔

"دین محمد! جنت بچی ہے۔ کیا خبر اس نے کیا سوچ کر تجھ سے یہ سب کہہ دیا۔ میرا بھروسا کر، میں نے ایسی کوئی بات نہیں کی۔ یہ جھوٹ بول رہی ہے۔" باجی نے تحمل سے سمجھانا چاہا، مگر بے سود، دین محمد کو بیوی کی ناگہانی موت اور بیٹی کی محبت نے پاگل کر دیا تھا۔

"جنت کبھی جھوٹ نہیں بولتی، سنا تو نے۔" اس نے دھاڑ کر کہا، پھر اس نے ایک بار پھر باجی زبیدہ کو گھر سے نکال دیا اور زہرہ کا چہرہ بھی دیکھنے نہیں دیا۔

باجی زبیدہ روتی ہوئی اور دلگرفتہ اس گھر سے نکلی تھی۔

گاؤں کے ہر فرد نے اس قصہ کا اپنی اپنی سمجھ کے مطابق تجزیہ کیا۔ لیکن آٹھ سالہ جنت نے اپنی ماں کی وفات والے روز جو سبق سیکھا، وہ یہ

تھا کہ جنت کبھی جھوٹ نہیں بولتی۔ وہ ہمیشہ جو کہتی ہے، وہی سچ ہوتا ہے۔

☆☆☆

دھند آلود شام دھیرے دھیرے دھرتی پر اُترنے لگی تھی۔ عجیب سا سکوت تھا، جس کی مہین چادر آسمان سے زمین تک تنی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ کوریڈور کے ستون، پیڑ پودے، پام کے درخت، ہر چیز خاموش خاموش سی لگتی تھی، حتیٰ کہ اسپتال کی وہ لابی بھی جو عین ان کے کمرے کی کھڑکی کے سامنے سے گزر رہی تھی۔

تب ہی دروازہ آہستگی سے چرچرایا۔ ثمینہ نے احتیاط سے گردن موڑ کر دروازے کی طرف دیکھا۔ ان کی گردن پر کالر لگا ہوا تھا۔ جس سے گردن ہلانے میں دقت ہو رہی تھی۔

"میں نے آپ کی فیملی کو اطلاع بھجوا دی ہے، وہ لوگ تھوڑی دیر میں پہنچ جائیں گے۔" یہ وہی تھا جس کے بارے میں نرس انہیں بتا چکی تھی کہ وہی انہیں اسپتال لایا تھا اور کسی فیملی ممبر کی طرح دن رات ان کی تیمارداری کر رہا ہے۔ ثمینہ قصداً مسکرائیں۔

"شکریہ بیٹے! نرس نے مجھے بتایا، آپ نے میرا بہت خیال کیا۔"

"شکریہ کہہ کر مجھے شرمندہ نہ کریں آنٹی! میری جگہ کوئی بھی ہوتا تو وہ یہی کرتا۔" وہ کرسی گھسیٹ کر بیڈ کے قریب بیٹھ گیا۔

"نہیں خیر، ہر کوئی کسی کی مدد نہیں کرتا۔ صرف وہ لوگ دوسروں کی مدد کرتے ہیں جن کے دل بہت اچھے ہوتے ہیں۔ آپ کا دل بہت اچھا ہے بیٹے! ورنہ آج کے دور میں کون ہے جو بنا مطلب کسی کے لیے اتنا تردد کرے۔" وہ آہستہ آہستہ بول رہی تھیں اور بے حد شکر گزار تھیں۔

"جزاک اللہ...... میں ہمیشہ یاد رکھوں گی، ایک اچھے بچے نے اس وقت میری مدد کی، جب میں بالکل اکیلی تھی۔"

"بہت خوش قسمت ہیں آپ کے والدین۔ جنہیں خدا نے اتنی صالح اولاد دی۔" تب ہی جیڈی کا ملازم کھانا لے کر آ گیا، اس نے دل ہی دل میں شکر ادا کیا کہ اپنی اتنی تعریفیں سن کر بڑی گھبراہٹ محسوس ہونے لگی تھی۔

"چھوڑیے ان باتوں کو، ہم کھانا کھاتے ہیں، لنچ ٹائم تو نہیں ہے، لیکن خیر، کمال! میں نے تمہیں سوپ لانے کے لیے کہا تھا۔"

وہ اپنی جگہ سے اُٹھ کر خود ہی جائزہ لینے لگا۔ ثمینہ اس دوران اس کا جائزہ لیتی رہیں۔ جیڈی کے لیے ان کے دل میں سچ مچ بہت اچھے خیالات پیدا ہو رہے تھے۔ وہ شائستہ اطوار تھا، بہترین تربیت میں پلا بڑھا تھا۔ اس کا اندازہ لگانا قطعاً مشکل نہ تھا۔ ثمینہ کی مدد کر کے ان کی طرف سے شکر گزاری کی سند تو اسے حاصل ہو چکی تھی، لیکن ایسا نہ ہوتا تب بھی جیڈی کو پسند کرنے کی کچھ کم وجوہات نہ تھیں۔

اچھی شکل، اچھا لباس، بات کرنے کا بہترین انداز اور سب سے اہم اور نمایاں خصوصیت اس کے چہرے کی معصومیت تھی۔ بالکل بچوں جیسا بھول پن، جو اسے بہت سارے لوگوں میں نمایاں کرتا تھا۔ ہو سکتا ہے صنف قوی میں یہ خصوصیت اچھی نہ لگتی ہو، مگر ثمینہ کو اس کے چہرے کی معصومیت نے اپیل کیا تھا، انہیں فیضان یاد آیا، شہروز یاد آیا تھا۔

جیڈی نے ان کے سامنے ٹیبل سیٹ کی، پھر چونکہ ثمینہ کا دایاں بازو پلاسٹر کی زد میں تھا۔ اس لیے انہیں اپنے ہاتھ سے سوپ پلاتے ہوئے

اِدھر اُدھر کی چھوٹی چھوٹی باتیں کرنے لگا۔ثمینہ اسے اپنی فیملی کے بارے میں بتاتی رہیں، پھر انہوں نے کہا۔

''میں ہی بولتی رہوں گی، آپ بھی تو اپنے بارے میں کچھ بتاؤ بیٹا!''

''میں......'' جیڈی نے پل بھر کے لیے سوچا۔

''اپنے بارے میں کیا بتاؤں آنٹی! ایسی کوئی بات ہے ہی نہیں۔'' وہ جھینپ کر ہنسا۔

''پھر بھی......'' ثمینہ نے اصرار کیا۔ ''کچھ تو بتاؤ، کیا کرتے ہو؟ کہاں رہتے ہو؟ کتنے بہن، بھائی ہو؟ والد صاحب کیا کرتے ہیں، وغیرہ۔''

ثمینہ کو بولنے کا شوق تو بہت تھا، تب ہی مستقل بولنے سے گردن میں اٹھتے ہلکے ہلکے درد کو نظر انداز کرتے ہوئے پوچھنے لگیں، پھر جیڈی کے بارے میں جاننا بھی چاہ رہی تھیں۔ (ظاہر ہے وہ ان کا محسن جو تھا)۔تب ہی سوال پہ سوال کرتی چلی گئیں۔

''کوئی نہ کوئی تعارف تو ہر کسی کا ہوتا ہے۔'' انہوں نے کہا۔

''تعارف۔'' جیڈی نے پل بھر کو سوچا۔'' آنٹی! کوئی بہت قابل فخر تعارف تو نہیں ہے میرا۔عام سا انسان ہوں، لیکن آپ پوچھ رہی ہیں تو بتا دیتا ہوں۔'' اس نے جھجکتے ہوئے کہا۔

''میں انجینئرنگ کا اسٹوڈنٹ ہوں، فائنل ایئر چل رہا ہے، تعلیم کے سلسلے میں لاہور آیا ہوں، ویسے ہمارا آبائی گاؤں ساہیوال سے تھوڑا آگے ہے۔زمین دار گھرانے سے تعلق ہے میرا۔ دلاور حسین بھٹی کا نام شاید آپ نے کبھی سنا ہو، وہ میرے دادا جان تھے اور پنجاب کے چند نامور زمین داروں میں شمار ہوتے تھے۔ساہیوال سے اوکاڑہ کے نواح کا اکثر زرعی علاقہ ہمارا ملکیت ہے۔لیکن زمین داری کے علاوہ کچھ سائیڈ بزنس بھی ہیں جو میرے بابا جان، چچا جان اور تاؤ جان کے ساتھ مل کر سنبھال رہے ہیں۔ہم چار بھائی ہیں، بہن کوئی نہیں ہے، میرا نمبر دوسرا ہے۔''

وہ سرسری انداز میں بتاتا جا رہا تھا اور چونکہ وہ نظریں جھکا کر بات کر رہا تھا اور اس کا سارا دھیان بھی ثمینہ کو سوپ پلانے کی طرف تھا۔اس لیے وہ ان کے چہرے پر پھیلے حیرانی اور کسی قدر بے یقینی کے تاثرات بھانپ ہی نہیں سکا۔ثمینہ کے تو وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ یہ اول جلول حلیے والا اور عاجز مزاج لڑکا کسی رئیس خاندان کا چشم و چراغ ہو سکتا ہے۔

''دادا کا کیا نام بتایا؟'' انہوں نے اس کو بات کاٹتے ہوئے پوچھا۔

''جی......دلاور حسین بھٹی۔'' جیڈی ان کے لہجے کی تیزی پر حیران ہوا۔

''کیا یہ وہی دلاور حسین بھٹی ہیں جنہیں سن پینسٹھ کی جنگ میں بہادری سے لڑنے پر فوجی اعزاز سے نوازا گیا تھا؟''

''جی ہاں ...... میرے دادا جان کو فوجی اعزاز تو ملا تھا۔'' جیڈی کو خوش گوار سی حیرت ہوئی۔ ''لیکن کیا آپ میرے دادا جان کو جانتی ہیں؟'' اس نے استفہامیہ انداز میں ان کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

ثمینہ اس سوال پر گڑبڑا گئیں۔

''میں نے اپنے فادر سے ان کا بہت ذکر سن رکھا ہے۔'' ثمینہ نے فوراً بات سنبھالی۔ ''وہ ان کی بہادری کی بہت تعریف کرتے تھے۔ تمہاری فیملی میں اور بھی کوئی آرمی میں ہے؟'' انہوں نے کمال خوبصورتی سے بات ٹال دی تھی۔

''جی نہیں، اور کوئی نہیں ہے۔ میرے بڑے بھائی کو شوق تھا کہ وہ آرمی جوائن کرے، مگر دادی جان کو یہ فیلڈ پسند نہیں ہے۔ انہوں نے اجازت نہیں دی تو بھائی نے خیال ہی دل سے نکال دیا۔''

وہ سرسری انداز میں مگر تفصیل سے بتانے لگا۔ تب ہی نیم وا دروازے کو دھکیل کر فیضان نے اندر جھانکا۔ ثمینہ کا چہرہ نظر آتے ہی انہوں نے سکون کی سانس بھرتے ہوئے دروازہ پورا کھول دیا۔ ان کے عقب میں ماوی تھی۔

''ممی!'' وہ لپک کر آئی اور ان سے لپٹ کر رونے لگی۔ ثمینہ نے دوسرے بازو سے اسے خوب لپٹا کر پیار کیا۔ پریشان وہ بھی تھیں، مگر ماوی کی طرح حواس باختہ نہیں ہوئی تھیں۔

فیضان، جیڈی کی طرف متوجہ تھے۔

''آپ؟'' انہوں نے مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

''میں جیڈی، میرا مطلب ہے میں جلال الدین ہوں، میں نے ہی آپ کو فون کیا تھا۔''

جیڈی نے فیضان سے ہاتھ ملاتے ہوئے اپنا تعارف کروایا تھا۔

''سو نائس آف یو جلال صاحب! آپ نے بڑی مدد کی۔'' ساری صورت حال معلوم ہونے کے بعد فیضان نے تشکر آمیز انداز میں کہا تھا۔

جیڈی سادگی سے مسکرا دیا۔

''شرمندہ نہ کریں، انسانیت کے ناتے اتنا تو میرا فرض بنتا تھا۔ بہرحال آیئے میں آپ کو ڈاکٹر سے ملوا دیتا ہوں اور کچھ اسپتال کی فارملیٹیز پوری کرنا ہوتی ہیں، وہ بھی کر لیتے ہیں۔'' فیضان کے اثبات میں سر ہلانے پر اس نے ثمینہ کی طرف دیکھا۔ ماوی ابھی بھی ان سے لپٹی ہوئی تھی۔ لیکن اس کا چہرہ صاف دکھائی دے رہا تھا۔ جیڈی کے ذہن پر پہچان کی برق چمکی، اس کی نظریں تیزی سے ماوی کے پیروں کی طرف گئی تھیں۔

ساتھ ہی اسے ماوی کا جارحانہ انداز یاد آ گیا۔ خدشہ گزرا، کہیں وہ پھر سے جھگڑا شروع نہ کر دے۔ یہی مناسب تھا کہ جلد از جلد یہاں سے کھسک لیا جائے۔

''او کے آنٹی! ٹیک کیئر آف یور سیلف۔ میں چلتا ہوں۔'' اس نے ثمینہ سے کہا۔ تب ثمینہ نے ماوی سے توجہ ہٹا کر اس کی طرف یوں دیکھا جیسے اسے بھول ہی گئی ہوں، پھر مسکرائیں۔

''ٹھیک ہے بیٹے! لیکن دوبارہ ضرور آیئے گا، مجھے خوشی ہو گی۔'' جیڈی نے سعادت مندی سے سر ہلا دیا اور خدا حافظ کہہ کر کمرے سے باہر نکل گیا۔ فیضان نے باہر جانے سے پہلے ماوی کو کندھوں سے پکڑ کر ثمینہ سے الگ کر دیا اور ڈپٹنے والے انداز میں بولے۔

''آپا کا ایک بازو پہلے ہی ٹوٹا ہوا ہے، دوسرے سے تم لٹک کر اسے بھی نہ توڑ دینا۔'' وہ کمرے کا دروازہ بند کر کے چلے گئے۔

''بس بھی کرو ماوی! اور کتنا روؤ گی۔'' ثمینہ نے ایک ہاتھ سے اس کے بال چہرے سے ہٹاتے ہوئے پیار سے کہا تھا۔

ماوی کے آنسو تھمتے تھمتے اور شدت سے بہنے لگے۔

''یہ کیا ہو گیا ممی! آپ کو کتنی چوٹیں آئی ہیں۔'' اس نے سسکتے ہوئے کہا۔

''جو قسمت میں ہو، وہ مل کر رہتا ہے۔ چاہے کوئی زخم ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن تم بالکل بے فکر رہو، میں اب بالکل ٹھیک ہوں۔'' ثمینہ نے رسان سے کہا۔ ''اور تم نے اپنی حالت کیا بنائی ہوئی ہے۔ کپڑے لگتا ہے کئی دن سے نہیں بدلے۔ کس قدر سلوٹیں پڑی ہوئی ہیں اور بال، لگتا ہے ساری زندگی برش نہیں کیے اور آنکھوں کا حشر دیکھو۔''

''میری ممی تین دن سے لاپتہ تھیں۔ آپ کے خیال میں ایسی سچو ایشن میں مجھے سولہ سنگھار کر کے بیٹھنا چاہیے تھا؟'' اس نے خفگی سے کہا۔

''ارے، میری تو حسرت ہی رہے گی کہ میری بیٹی کبھی مجھے سولہ سنگھار کر کے دکھائے۔ تمہیں تو یہ ساری چیزیں آؤٹ ڈیٹڈ لگتی ہیں اور صرف تم ہی کیوں، آج کل کی ساری لڑکیاں ایسی ہی ہیں۔ سولہ سنگھار، تو بھئی ہمارے زمانے میں ہی ہوا کرتے تھے۔'' ثمینہ نے کہا۔

''اب آپ اپنے زمانے کے قصے لے کر مت بیٹھ جایئے۔'' ماوی چڑ کر بولی۔ ''مجھے بتائیں ایکسیڈنٹ کیسے ہوا؟''

''کس قدر احمقانہ سوال ہے بیٹی! ایکسیڈنٹ ویسے ہی ہوا جیسے عموماً ایکسیڈنٹ ہوا کرتے ہیں۔'' ثمینہ کی حس مزاح خوب چمک رہی تھی۔

''میں نے آپ سے کہا تھا نا! آپ اکیلے گھر سے باہر مت جایئے گا، میں خود آپ کو لے جاؤں گی۔'' اس کی ناراضی عود کر آئی۔

''ایکسیڈنٹ تو تب بھی ہو سکتا تھا۔'' ثمینہ زور دے کر بولیں۔

''لیکن......'' اس نے کچھ کہنا چاہا، مگر ثمینہ نے روک دیا۔

''بس...... اب اور کوئی بات نہیں ہو گی۔ جو ہونا تھا ہو گیا۔ میں زندہ ہوں، یہ بھی اللہ کا کرم ہے۔'' انہوں نے بات ہی ختم کر دی۔

ماوی انہیں دیکھتی رہی، اس کی نم آنکھوں میں تیزی سے پانی جمع ہو رہا تھا۔ پھر وہ جذباتی پن سے ان سے لپٹ گئی۔

''آپ کو کچھ ہو جاتا تو میرا کیا ہوتا تھا۔ ابو کے بعد آپ کو کھونے کا حوصلہ نہیں ہے مجھ میں ممی!'' وہ دل میں کہہ رہی تھی۔

جس وقت فیضان واپس آئے، رونے دھونے کا سین ہنوز جاری تھا اور بقول ان کے ماوی، ثمینہ آپا کے کندھے سے لگی ہوئی تھی۔

''بس بھی کرو ماوی! کیوں رو دھو کر آپا کو پریشان کر رہی ہو اور آپا! آپ کا بھی جواب نہیں۔ کیا ضرورت تھی بس کو اتنی زور سے ٹکر مارنے کی۔ جلال صاحب بتا رہے تھے بے چاری بس کا سامنے والا حصہ تو بالکل ڈیمج ہو گیا۔''

فیضان کی سنجیدگی، ان دونوں کی آنکھوں میں نمی سمیت ہنسی آ گئی۔

☆☆☆

تین روز بعد ثمینہ کو ڈسچارج کر دیا گیا۔ بازو کا پلاسٹر نہیں کھلا تھا۔ لیکن ڈاکٹر نے انہیں گھر جانے کی اجازت دے دی تھی۔ اس دوران اینا اور ثروت دو بار ان کی عیادت کے لیے اسپتال آئیں، لیکن ثمینہ کو ثروت سے بات کرنے کا موقع نہیں مل سکا۔

جلال کے دوبارہ نہ آنے پر بھی انہیں افسوس ہوا۔ رہ رہ کر بھی سوچتیں اس کا کانٹیکٹ نمبر یا ایڈریس ہی لے لیا ہوتا۔ جس روز وہ اسپتال سے گھر آئیں، اسی شام ثروت اور اینیا ان کی خیریت معلوم کرنے آگئیں۔ تب انہیں ثروت سے معذرت کرنے کا موقع مل گیا۔

''میں بہت شرمندہ ہوں ثروت! بھری محفل میں بیٹھ کر مجھے اس طرح سے بات نہیں کرنا چاہیے تھی۔'' جب چوتھی مرتبہ انہوں نے یہی بات دہرائی، تب ثروت سادگی سے ہنس دیں۔

''آپ کیوں شرمندہ ہو رہی ہیں، جو ہونا تھا ہو چکا۔''

''نہیں...... مجھے سوچ سمجھ کر طریقے سے بات کرنا چاہیے تھی۔ لیکن دراصل آپ کا چہرہ مجھے اس قدر اچانک یاد آیا کہ میں صورت حال کی نزاکت کو بھانپ ہی نہیں سکی۔'' اینیا اور ماوی کچن میں تھیں، جبکہ وہ دونوں آہستہ آہستہ باتیں کر رہی تھیں۔

''ثمینہ! آپ کی طبیعت پہلے ہی ٹھیک نہیں ہے۔ سوچ سوچ کر خود کو ہلکان نہ کریں۔ اس وقت جو ہونا تھا ہو چکا، آپ شرمندہ ہو کے یا معذرت کر کے اس وقت کو واپس نہیں لا سکتیں، اس لیے پلیز ریلیکس رہیں۔''

ثروت کا نرم اور دوستانہ لہجہ ایک دم دل پر اثر کرتا تھا، ثمینہ قدرے مطمئن ہوئیں۔

''آپ بہت اعلا ظرف ہیں ثروت! شاید آپ کی جگہ میں ہوتی تو خاصا برا مانتی، کیونکہ میرا انہیں خیال میرے شوہر، دانیال صاحب کی طرح بیوی کے سابقہ شوہر کا حوالہ برداشت کرتے۔ ماشاءاللہ...... آپ خوش قسمت بھی بہت ہیں کہ آپ کو بہت کمپرومائزنگ اور انڈراسٹینڈنگ ہزبینڈ ملے ہیں۔'' ایک اندازہ ثمینہ نے خود بخود لگا لیا تھا۔

ثروت بے چاری اندر ہی اندر خود پر ہنس کر رہ گئیں۔ دل کے حلقے میں ایک سوئی تھی، جس کا کنارہ مستقل چبھتا تھا۔

''اگر آپ کو برا نہ لگے تو کیا میں ایک سوال پوچھ سکتی ہوں؟'' معاً ثمینہ کو کچھ خیال آیا تو پوچھ لیا۔

''جی پوچھیے۔'' ثروت ہمہ تن گوش ہوئیں۔

''جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے آپ اور مستقیم بھئی تو بہت خوش تھے، ایک دوسرے کے ساتھ، غالباً پسند کی شادی ہوئی تھی آپ کی۔ حویلی میں کئی بار ذکر سنا تھا میں نے، تو پھر یہ سب، میرا مطلب ہے دانیال حسن کیسے آ گئے۔ آپ دونوں کے درمیان؟'' ثمینہ نے جھجکتے ہوئے دل کے اندر اٹھتے ڈوبتے سوالوں کو زبان دے رہی تھیں۔

''پتا نہیں، کون آ گیا تھا، کس کے درمیان؟'' ثروت نے بوجھل دل کے ساتھ سوچا، پھر گہری سانس بھر کر ثمینہ کے سوالوں کا جواب دینے لگیں۔

''میرے اور مستقیم کے بیچ کچھ اختلافات تھے، جن کی وجہ سے اس نے مجھے طلاق دے دی تھی۔ دانیال میرے خالہ زاد تھے۔ طلاق کے بعد ان سے شادی ہو گئی۔ یہ ایسا راز ہے ہماری زندگی کا جس سے بہت کم لوگ واقف ہیں۔'' ثروت بتا کر کے بتاتی چلی گئیں۔

''اوہ......'' ثمینہ کو پھر شرمساری نے گھیرا۔

''پھر تو تو قیر اور منیزہ بھی لاعلم ہوں گے۔''

"پتا نہیں...... ممکن ہے، میرے سامنے تو کبھی بات نہیں ہوئی۔ لیکن توقیر بھائی، دانیال کے بہت کلوز فرینڈ ہیں۔ شاید دانیال نے ذکر کر رکھا ہو۔" تب ہی ماوی اور اینا سرونگ ٹرالی گھسیٹتی اندر آ گئیں۔

"کس کا ذکر خیر ہو رہا ہے بھئی۔" اینا نے پوچھا۔

ثمینہ اور ثروت چونک سی گئیں۔

"کچھ خاص نہیں، میں ثروت کو بتا رہی تھی کہ جیسے ہی ماوی کا ریسرچ ورک مکمل ہو گا، ہم واپس آئر لینڈ چلے جائیں گے۔" ثمینہ نے خوبی سے جھوٹ بول دیا تھا۔

"ریسرچ ورک کو تو اب آپ رہنے ہی دیں۔" ماوی نے چائے سرو کرتے ہوئے قطعیت سے کہا۔ "مجھے نہیں رہنا پاکستان میں۔ بس آپ کا پلاسٹر اُتر جائے ہم واپس چلے جائیں گے۔"

"ارے...... اتنی جلدی کیوں بھئی۔" ثروت نے پوچھا۔

"آپ کو نہیں پتا آنٹی! ممی تو پہلے ہی پاکستان نہیں آنا چاہتی تھیں، میں نے ہی ضد کر کے انہیں آنے پر مجبور کیا۔ لیکن اب مجھے لگ رہا ہے، ہمیں نہیں آنا چاہیے تھا۔ یہ ملک، یہ شہر ہمیں راس نہیں آ رہا...... پہلے ممی کی طبیعت کتنی خراب رہی اور اب یہ اتنا شدید ایکسیڈنٹ...... مزید یہاں رکے تو اور پتا نہیں کیا ہو گا۔ اسی لیے میں نے سوچ لیا ہے جیسے ہی ممی کی طبیعت بہتر ہو گی اور یہ سفر کر سکیں، ہم واپس چلے جائیں گے۔"

ماوی نے کہا۔ اس کا چہرہ ابھی بھی ماند پڑا ہوا تھا اور ایسا لگتا تھا جیسے وہ کچھ ٹھان چکی ہو۔

ثمینہ نے گہری نظروں سے اسے دیکھا۔

"ہاں...... ہم چلے جائیں گے۔" انہوں نے آہستگی سے کہا اور کارنر ٹیبل پر رکھے گلدان کو دیکھنے لگیں۔ ان کے چہرے پر کسی سوچ کی گہری پرچھائیاں تھیں۔



پھر پلان کے مطابق وحید نے جیڈی کو فون کیا اور ایکسیڈنٹ کے باعث اپنی خراب حالت کی ایسی تصویر کشی کی کہ جیڈی کی معصوم روح تڑپ اُٹھی۔

"تم...... تم کس اسپتال میں ہو وحید! مجھے بتاؤ میں رقم لے کر پہنچ جاتا ہوں۔" جیڈی نے جذباتی ہو کر کہا، وحید اسپتال کے پلنگ پر اطمینان سے لیٹا، پیر ہلا رہا تھا، بری طرح گھبرا گیا۔

"نہیں، جیڈی، میرے بھائی میرے دوست، میں جانتا ہوں تم میری حالت دیکھ نہیں پاؤ گے۔ ہاتھ کلائی سے الگ ہو کر تقریباً لٹک رہا ہے، وائیں ٹانگ کچلی جا چکی ہے، ڈاکٹر کہتے ہیں جب تک پیسے جمع نہیں کرواؤ گے ٹریٹمنٹ شروع نہیں کیا جائے گا، جیڈی، میری مدد کرو۔" اداکاری میں حقیقت کے رنگ بھرنے کے لیے وہ رو ہی پڑا۔

''رو ؤمت وحید!'' جیڈی نے گلوگیر لہجے میں کہا تھا۔

''جیڈی! میں نہیں چاہتا تم مجھے اس خراب حالت میں دیکھو، نبیل کو بھیج رہا ہوں، مہربانی کر کے بیس ہزار روپے اسے دے دو، تمہارا احسان، زندہ رہا تو ساری زندگی یاد رکھوں گا۔''

پھر فون بند کر کے وہ دونوں خوب ہنسے۔

''تم نے ٹھیک کہا تھا نبیل! جیڈی کو بے وقوف بنانا تو بہت ہی آسان ہے۔''

''جب تک رقم ہاتھ نہیں آجاتی، کچھ کہا نہیں جا سکتا۔'' نبیل نے کہا۔ اور وہ اپنی پلاننگ کی کامیابی کے بارے میں بات کرنے لگے۔

دوسری طرف جیڈی، وحید کے ایکسیڈنٹ کا سن کر پریشان بیٹھا تھا، اس کا بس نہ چلتا تھا اڑ کر وحید کے پاس پہنچ جائے۔ جس وقت نبیل پیسے لینے آیا اس نے نبیل سے بھی گزارش کی کہ اسے وحید کے پاس لے چلے۔ ''میں وحید کی بات سے انکار نہیں کر سکتا جیڈی! تمہیں اس کی حالت کا اندازہ نہیں ہے۔ اس قدر زخمی ہو چکا ہے کہ بھو آخری سانسیں ہی چل رہی ہیں۔'' نبیل تو وحید سے بھی بڑا ایکٹر تھا اور چونکہ اس سارے ڈرامے کا ڈائریکٹر بھی وہی تھا، اس لیے اس کی اداکاری وحید سے بہتر تھی۔

''ایسے تو مت کہو'' جیڈی نے سراسیمگی سے کہا۔

''خدانخواستہ اسے کچھ ہو گیا تو آخری خواہش پوری نہ کرنے پر میں خود کو معاف نہیں کر سکوں گا جیڈی! اس نے مجھے تاکید کی ہے جیڈی کو اسپتال مت آنے دینا۔ اس کا دل بہت کمزور ہے، پھر اپنے دوستوں سے اسے محبت بڑی ہے۔ ایسا نہ ہو میری حالت دیکھ کر جیڈی کو کچھ ہو جائے، تم واقعی وحید پر احسان کرو جیڈی! بیس ہزار اسے دے دو، میں روپے لے کر جاؤں گا تو ہی ڈاکٹر ٹریٹمنٹ شروع کریں گے۔''

''کیا مطلب...... وحید کی اتنی سیریس حالت کے باوجود ڈاکٹرز نے ٹریٹمنٹ شروع نہیں کیا؟''

''جب تک رقم جمع نہ کروائی جائے علاج کیوں شروع کریں گے؟ تمہیں نہیں پتا آج کل کے ڈاکٹرز کا۔''

''مجھے اسپتال کا نام بتاؤ، میں بات کرتا ہوں۔''

جیڈی نے کہا، لیکن نبیل نے اسے قائل کر کے ہی چھوڑا۔

''مجھے فون پر وحید کی حالت کے بارے میں ضرور بتاتے رہنا۔''

رقم دے کر جیڈی نے تاکید کے ساتھ نبیل کو رخصت کیا تھا۔

☆☆☆

''اب سیدھے عشناء کے در پر حاضری دینے نہ پہنچ جانا۔ پہلے اس کامیابی کی خوشی میں اچھا سا لنچ کرواؤ۔'' نبیل نے وحید کو بائیک اسٹارٹ کرتے دیکھ کر کہا تھا۔

''صرف لنچ! میں تمہیں ڈنر بھی کروانے کے لیے تیار ہوں۔'' وحید بیس ہزار ہاتھ میں آتے ہی جیسے ہواؤں میں اڑنے لگا تھا۔

''لیکن ایک بات ہے وحید! بے شک یہ میرا ہی آئیڈیا تھا، لیکن یہ کچھ زیادہ ہو گیا۔'' نبیل نے کسی قدر شرمندگی سے کہا تھا۔

''جیڈی کی شکل دیکھنے والی ہو رہی تھی، بہت پریشان ہے تمہارے لیے۔''

''ذرا یہ عشناء منحوس پیچھا چھوڑ دے۔ پھر جیڈی کو بھی سمجھالیں گے۔ آخر ہم بھی تو یاروں کے یار ہیں۔'' وحید نے فرضی کالر جھاڑتے ہوئے کہا۔ یک بارگی اس کی نظر نسان پٹرول پر پڑی جس سے شبیہ اُتر رہا تھا۔

''مارے گئے۔'' وحید نے سراسیمگی سے کہا، اس دوران نبیل بھی شبیہ کو دیکھ چکا تھا۔

''اگر اس کی نظر ہم پر پڑ گئی تو سمجھو سچ مچ مارے گئے''

وحید نے بائیک کو کک لگائی۔ نبیل اچھل کر پیچھے سوار ہوا اور بائیک جیسے ہواؤں سے باتیں کرنے لگی۔

☆☆☆

''میں نے ابھی نبیل اور وحید کو یہاں سے جاتے ہوئے دیکھا، لیکن فلیٹ بالکل صاف ستھرا ہے، کچن میں بھی کسی فرمائشی پروگرام کی نشانیاں نہیں مل رہیں، اور تم بھی پریشان لگ رہے ہو، جیڈی! خیریت تو ہے نا؟''

شبیہ اپنے کمرے میں جانے کا ارادہ موقوف کرتے ہوئے اس کے قریب رکا تھا۔ جیڈی نے اپنی فکر مند نظریں اس پر ٹکائیں اور نفی میں سر ہلانے لگا۔

''خیریت نہیں ہے شبیہ! وحید، وحید مر رہا ہے۔''

''وہ تو ہر دوسرے تیسرے دن کسی نہ کسی پہ مر رہا ہوتا ہے، اس میں اتنی پریشانی کی کیا بات ہے، اب کس پہ مر رہا ہے؟'' جیڈی نے جھنجلا کر اسے دیکھا۔

''مذاق کی بھی ایک حد ہوتی ہے شبیہ! وحید کا ایکسیڈنٹ ہوا ہے اور۔'' جیڈی اسے تفصیلات بتانے لگا، شبیہ جیسے جیسے سنتا جا رہا تھا، اس کے چہرے کے عضلات تن رہے تھے۔

''ڈونٹ ٹیل می جیڈی! کہ تم نے وحید کو بیس ہزار روپے بھجوائے ہیں؟''

''وحید مشکل میں ہے شبیہ! ایسے میں کیا دوست ہو کر تھوڑی سی مدد بھی نہیں کر سکتا تھا۔'' جیڈی نے ناراضی سے کہا۔

''پہلی بات تو یہ ہے کہ ٹوئنٹی تھاؤزنڈ ''تھوڑی سی مدد'' نہیں ہوتی دوسری بات یہ کہ تمہیں بہت، بہت مبارک ہو، کیونکہ اس بار بھی تمہارے دوست تمہیں بدھو بنا گئے ہیں، میں نے اپنی ان گناہ گار آنکھوں سے نبیل اور وحید کو بائیک پر سوار ہو کے یہاں سے جاتے دیکھا ہے۔ اگر وحید واقعی اتنا زخمی ہوا ہے تو یہاں تک بائیک پر کیسے آ گیا؟'' شبیہ نے کچا چبانے والے انداز میں کہا تھا۔

جیڈی چند لمحے تذبذب کی کیفیت میں کچھ بول ہی نہیں سکا۔

''تمہیں غلط فہمی ہوئی ہوگی شبیہ!'' اس نے کمزور سے لہجے میں کہا۔

''غلط فہمی کیسے ہو سکتی ہے؟ میں بتا تو رہا ہوں میں نے دیکھا ہے میری شکل دیکھ کر وہ دونوں جس طرح بھاگے سمجھ تو مجھے پہلے ہی لینا چاہیے تھا کہ گڑبڑ ہے۔ حد ہو گئی جیڈی! تمہیں عقل کب آئے گی، ہمیشہ اپنے دوستوں پر بھروسہ کرتے ہو ہمیشہ دھوکہ کھاتے ہو، اتنی مرتبہ تو کوئی بے وقوف بھی دھوکہ کھائے تو محتاط ہو جائے گا۔'' شبیہ نے اچھی خاصی جھاڑ پلا دی۔ جیڈی سر جھکائے بیٹھا تھا۔ اسے شبیہ کی باتیں درست بھی لگ رہی تھیں اور نہیں بھی۔ بظاہر وحید پر بھی تو شک کرنے کی کوئی معقول وجہ نہیں تھی سوائے اس کے سابقہ ریکارڈ کے۔

''مجھے ایک بات سمجھ نہیں آ رہی شبیہ!'' اس نے جھجکتے ہوئے کہا۔ ''وحید مجھے دھوکہ کیوں دے گا؟''

''کیونکہ تمہارے سارے دوست دھوکہ باز اور فراڈ ہیں۔'' شبیہ نے جل کر کہا۔

''ایسے مت کہو، کسی ایک کی خاطر سب کو قصوروار ٹھہرانا کہاں کا انصاف ہے۔''

''تم بیٹھ کر انصاف کرو، میں تو تمہارا یہ تازہ کارنامہ دادو کو بتانے لگا ہوں، اب جو بھی سمجھانا ہے وہی تمہیں سمجھائیں گی۔'' شبیہ نے دھمکانے والے انداز میں کہا تھا۔

''پلیز...... پلیز شبیہ! دادو کو مت بتاؤ۔ میں وعدہ کرتا ہوں اگلی بار کسی کی مدد نہیں کروں گا، چاہے کوئی میری آنکھوں کے سامنے تڑپ تڑپ کر مر ہی کیوں نہ جائے۔'' وہ بے چارا تو بری طرح گھبرا گیا تھا۔

''ویسے بھی شبیہ! خدا نے ہم پر اتنا کرم رکھا ہے۔ اگر تھوڑا سا پیسہ ہم کسی غریب کو دے بھی دیتے ہیں تو......''

''پھر وہی بات...... تم کس قدر الٹی کھوپڑی کے مالک ہو جیڈی! انسان دھوکہ کھا کر سنبھلتا ہے، دھوکہ دینے والے کو اور اپنی غلطی کو جسٹی فائی نہیں کرتا۔''

''اچھا نا...... ہو گئی غلطی، میں وعدہ کر رہا ہوں دوبارہ ایسا کچھ نہیں ہو گا، پلیز تم دادو کو مت بتاؤ، اگر غصے میں آ کر انہوں نے میرا اکاؤنٹ فریز کروا دیا تو میرے اخراجات کیسے پورے ہوں گے۔''

''پھر وحید سے یہ ہی بیس ہزار واپس مانگ لینا۔ اگر اس نے تمہارا خیال کر لیا، جس کے بارے میں مجھے یقین ہے وہ ہرگز نہیں کرے گا۔ تو تمہارے کچھ دن تو آرام سے گزر ہی جائیں گے۔'' وہ طنز کرنے سے باز نہیں آ رہا تھا۔

''شبیہ!'' جیڈی نے منت بھرے انداز میں کہا اور تقریباً اس کے آگے ہی جوڑ دیے۔

''میں صرف اس بار تمہاری بات مان رہا ہوں۔'' شبیہ نے اس پر ترس کھاتے ہوئے کہا۔ ''بیس ہزار کی تو خیر تم فکر ہی نہ کرو، وحید کے حلق سے نکلوا لوں گا میں اور تم...... تمہیں تو میں وارن کر رہا ہوں دوبارہ مجھے پتا چلا کہ تم نے اپنے کسی سو کالڈ فرینڈ پر بھروسہ کر کے نقصان اٹھایا ہے تو پھر میں تم کو سمجھ لوں گا، دادو جو تمہاری خبر لیں گے وہ الگ۔'' شبیہ دھمکی دیتا اندر چلا گیا جیڈی نے اپنا سر ہاتھوں میں گرا لیا۔ اسے دکھ بھی ہو رہا تھا اور شرمندگی بھی۔

''اس کی نوبت ہی نہیں آئے گی، میں واقعی اب کسی کی مدد نہیں کروں گا، میں کسی کی بات کا بھروسہ نہیں کروں گا، چاہے کوئی میری منتیں ہی کیوں نہ کر لے، اور، اور کوئی میرے سامنے مر بھی رہا ہو گا تو مدد نہیں کروں گا۔'' اس نے خود سے تہیہ کیا اور گرنے کے انداز میں صوفے پر لیٹ کر کشن

چہرے پر رکھ لیا تھا۔

اور عین اس وقت جب جلال الدین کسی کی مدد نہ کرنے کا تہیہ کر رہا تھا۔ اسے بے ساختہ ثمینہ یاد آئی تھیں، اس کا دل چاہا شبیہ کو ان کے بارے میں بتائے، لیکن اس صورت میں مزید جھاڑ پڑنے کا خدشہ تھا۔ اس لیے دل کی بات دل میں رکھ کر اپنے بے وقوف بنائے جانے کا غم مناتا رہا۔

☆☆☆

فیضان دروازے پر ہلکی سی دستک دے کر اندر داخل ہوئے تھے۔

''اب کیسی طبیعت ہے آپا؟''

انہوں نے کرسی بیڈ کے قریب رکھتے ہوئے پوچھا، تاخیر سے بیدار ہوئے تھے۔ چہرے پر بھرپور نیند کا تاثر اور ہلکی سی نمی محسوس ہوئی تھی۔ ابھی تک نائٹ سوٹ میں ملبوس تھے۔ ثمینہ نے نظروں ہی نظروں میں بھائی کی بلائیں لے ڈالیں۔

''اب تو بہت بہتر ہوں، لیکن کندھے میں کھچاؤ بہت محسوس ہوتا ہے، آج چیک اَپ کے لیے جائیں گے تو ڈاکٹر سے کہنا، بس یہ پلاستر اُتار دے، میں تھک گئی اتنی لمبی بیماری سے...... اور تم اتنی دیر سے کیوں اٹھے ہو، طبیعت تو ٹھیک ہے؟'' انہوں نے فیضان کی پیشانی چھو کر گویا ٹمپریچر لیا تھا۔

''رات کچھ کام کر رہا تھا، سونے میں دیر ہوگئی تھی۔'' فیضان نے آنکھیں مسلتے ہوئے جواب دیا۔

''ماما! کافی پئیں گے یا بریک فاسٹ بنا دوں؟'' ماوی کوئی کتاب پڑھ رہی تھی۔ اس نے فیضان کو ایک نظر دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''فی الحال تو کافی۔'' پھر اسے کتاب بند کرتا دیکھ کر بولے۔

''تم بیٹھو، میں خود بنالوں گا۔''

ماوی جانتی تھی، انہیں اپنے ہاتھ کی کافی زیادہ پسند تھی، اس لیے اصرار نہیں کیا، بلکہ بولی۔

''پلیز میرے لیے بھی ہاف کپ۔''

''شرم کرو ماوی۔ یہ نہیں کہ خود اُٹھ کر کافی بنا دو، اس سے کہہ رہی ہو۔'' ثمینہ نے بری طرح سے اسے جھڑکا تھا، لیکن وہ کندھے اچکا کر بولی۔

''فیضان ماما کو میری بنائی کافی کبھی پسند نہیں آتی۔'' اس کی ڈھٹائی پر ثمینہ کو اچھی خاصی تپ چڑھ گئی تھی۔

فیضان بنا کچھ بولے محض مسکراتے باہر نکل گئے۔ چند منٹ بعد کافی کے دو مگ ہاتھ میں لیے واپس آئے تو ماوی بولی۔

''تھینک یو ماما! آپ بہت اچھی کافی بناتے ہیں۔ پلیز شہروز کو بھی بنانا سکھا دیں۔''

''ہاں، تاکہ شادی کے بعد یہ محترمہ آرام کریں اور شہروز بے چارہ اسے کافی بنا، بنا کر پلائے۔'' ثمینہ جل کر بولیں۔

''تم تو میرے سگھڑاپے کا نام خراب کرو گی ماوی۔''

''اس میں میرا کیا قصور؟ میری اماں نے مجھے کچھ سکھایا ہی نہیں۔'' وہ شرارت سے ہنسنے لگی۔

''نیوز پیپر کہاں ہے؟'' ان دونوں کی بحث سے بے پروا فیضان نے پوچھا۔

"اوہ...... میں تو باہر سے اُٹھانا ہی بھول گئی، گیٹ کے پاس ہی پڑا ہوگا۔"

"جاؤ، ماموں کو لا کر دو۔" ثمینہ نے فوراً کہا، فیضان ہنس دیے۔

"میں لے لوں گا آپا! کیوں اس بے چاری کو اُٹھا رہی ہیں۔"

"بس اسی لاڈ نے اسے بگاڑا ہوا ہے۔" انہوں نے جھنجلا کر کہا تھا۔

"آپ کو تو بس مجھ میں خامیاں ہی نظر آتی ہیں۔" جس وقت فیضان دروازہ بند کر رہے تھے، انہوں نے ماوی کو کہتے ہوئے سنا تھا۔

اخبار گیٹ کے قریب رکھے گملوں کے پیچھے پڑا تھا۔ فیضان نے احتیاط سے رول کیے ہوئے اخبار کا ربڑ بینڈ ہٹا کر اسے ایک ہاتھ سے جھاڑ کر سیدھا کیا اور وہیں کھڑے ہو کر شہ سرخیوں پر نظر ڈالنے لگے۔

انہیں وہاں کھڑے چند منٹ گزرے تھے کہ اچانک کچھ گرنے کی زوردار آواز سنائی دی، انہوں نے گردن موڑ کر دیکھا، شازیہ نے اسٹیل واٹر کین گرا دیا تھا اور اب اینیا سے جھاڑ سن رہی تھی۔

فیضان کچھ سوچ کر اس طرف آ گئے۔ اینیا نے شازیہ کو اچھی طرح ڈانٹ پھٹکار کر کوئی حکم جاری کیا، وہ خیر مناتی بھاگی، پھر خود کیاری کے پاس جا کر کھڑی ہو گئی، اور کمر پر دونوں ہاتھ ٹکا کر پودے کو دیکھنے لگی، اس کے جھکے ہوئے چہرے پر بیک وقت پریشانی اور صدمہ دکھائی دے رہا تھا۔

"گڈ مارننگ۔" فیضان نے بلا ارادہ اونچی آواز میں کہا۔ اینیا اپنی ہی دھن میں تھی۔ اس نے چونک کر انہیں دیکھا۔

"مارننگ۔" وہ سادگی سے مسکرا دی، لیکن اس مسکراہٹ میں بھی پریشانی جھلک رہی تھی۔

"خیریت؟ کوئی پریشانی ہے؟" انہوں نے پوچھا۔

"یہ ساری کیاری سوکھ گئی ہے، ایک بھی پودا سلامت نہیں، سارے مرجھا گئے ہیں۔" ہوا سے بکھرتے بالوں کو کان کے پیچھے اڑستے ہوئے اس نے روہانسی ہو کر کہا تھا۔

فیضان کی نظریں بے ساختہ کیاری تک گئیں، لیکن درمیانی فاصلہ اتنا زیادہ تھا کہ کچھ بھی واضح طور پر دکھائی نہیں دیا، تب انہوں نے ہاتھ کے اشارے سے اسے انتظار کرنے کے لیے کہا، پھر باڑھ عبور کر کے اس کی طرف آ گئے۔

"یہ پکڑو۔" انہوں نے کافی کا مگ اور اخبار اینیا کو پکڑایا اور خود پنجوں کے بل بیٹھ کر مرجھائے ہوئے پودوں کا جائزہ لینے لگے، اینیا دلچسپی و فکرمندی سے انہیں کام کرتا دیکھنے لگی۔

فیضان بڑی عرق ریزی سے پودوں کا معائنہ کر رہے تھے، کبھی پتے اُٹھا کر دیکھتے، کبھی جڑوں میں جھانکتے۔ ان کے ہاتھ مشاقی سے کام کر رہے تھے، ایسا لگتا تھا جیسے وہ اس کام میں بہت ماہر ہوں۔ ان کے ہاتھ مضبوط اور گندمی تھے۔ وہ بلیک ٹراؤزر اور ٹی شرٹ میں ملبوس تھے، جس کی آستینیں کہنیوں سے کچھ اوپر تھیں۔

پیشانی روشن تھی۔ آنکھوں میں ذہانت و پختگی کی بڑی واضح چمک، اینیا کو احساس تک نہ ہو سکا، وہ کب پودوں کو چھوڑ کر ان کا جائزہ لینے لگی۔

(سوئے اتفاق بعض وارداتیں انجانے میں بھی ہو جاتی ہیں۔ خصوصاً جن کا تعلق دل سے ہو۔)

''اچھی شکل تو سب ہی کو اچھی لگتی ہے۔''

لیکن کسی شخصیت میں بڑی کشش ہوتی ہے۔

سنا ہے کوئی دیوتا تھا، اپالو نام تھا اس کا، بڑا حسین تھا، بے پناہ کشش تھی اس کی شخصیت میں۔

لیکن کیا ان سے بھی زیادہ پُرکشش ہوگا؟ ان سے بھی زیادہ حسین؟ حسین؟ لاحول ولا...... کس قدر زنانہ لفظ ہے۔

ان کے لیے تو کوئی اور لفظ ہونا چاہیے۔ جو ان کے شایان شان ہو، جیسے گریس فل...... شان دار...... سوبر...... اور...... اور اچھا بھئی ہوگا کوئی اپالو، بڑا حسین، بے حد شان دار، ہمیں کیا۔ ہمیں تو یہ ہی پسند ہیں۔''

اپنی ہی سوچوں میں اُلجھی وہ اس بری طرح سے گڑبڑائی کہ ہاتھ سے مگ ہی چھوٹ گیا۔ فیضان نے چونک کر اسے دیکھا۔ کافی ضائع ہو گئی، لیکن گھاس کی تہ یہاں دبیز ہونے کی وجہ سے مگ ٹوٹنے سے بچ گیا تھا۔

اینیا اتنی بری طرح سے شرمندہ نظر آ رہی تھی کہ حد نہیں۔

''آئی ایم سوری...... میں آپ کے لیے اور کافی بنا دوں؟''

''اٹس اوکے، اپنے پلانٹس کے لیے اتنا بھی پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔'' فیضان نے دوستانہ مسکراہٹ سے اس کے گھبراہٹ زدہ چہرے کو دیکھا۔ وہ اس کی گھبراہٹ کو پریشانی پر معمول کر رہے تھے۔

''انہیں کیڑا لگ گیا ہے، گھر میں اگر نیلا تھوتھا ہے تو وہ لے آؤ۔'' اینیا دوڑ کر گئی اور نیلا تھوتھا لے آئی۔

''پانی...... کدال۔'' فیضان چیزیں بتاتے رہے، اینیا بھاگ بھاگ کر مطلوبہ چیزیں فراہم کرتی رہی۔ جب فیضان اپنا کام سمیٹ چکے تو انہوں نے اینیا کو کچھ ہدایات دیں۔

''شام میں ایک بار پھر یہ لیکویڈ ان پودوں پر اسپرے کرنا، کل تک پوری کیاری پھر سے ہری ہو جائے گی۔''

''آپ کو گارڈننگ کے بارے میں سب کچھ پتا ہے۔'' اینیا نے رشک سے انہیں دیکھا۔

''سب کچھ تو نہیں، لیکن کافی کچھ پتا ہے۔'' فیضان نے سرسری انداز میں کہا۔

''لیکن جب میں تمہارے جتنا تھا اور میرے پلانٹس کو کچھ ہوتا تھا تو میں بھی پریشان ہو جاتا تھا، کیونکہ اس وقت میری معلومات بہت کم تھیں۔ پھر میں نے گارڈننگ سے متعلق کلب جوائن کیے اور ایسی کتابیں اور میگزینز پڑھنے لگا جو میری معلومات میں اضافہ کریں۔''

''آپ یقیناً کیپری کارن (capricorn) ہوں گے۔ سارے کیپری کارنز کو گارڈننگ میں انٹرسٹ ہوتا ہے۔'' اینیا نے جھٹ سے خیال ظاہر کیا تھا۔

''اچھا اور Leo (اسد) کے بارے میں کیا خیال ہے۔'' فیضان نے مسکرا کر اس چھوٹی سی لڑکی کو دیکھا۔

''میرا مطلب ہے لیو افراد کو گارڈننگ میں انٹرسٹ ہوتا ہے یا نہیں؟'' ان کے انداز میں ہلکی سی شرارت تھی۔

''اس کا مطلب آپ Leo ہیں۔'' وہ فوراً نتیجہ نکال کر بولی۔ ''مجھے اس اسٹار کے بارے میں زیادہ نہیں پتا۔ میں خود Capricorn ہوں۔ اس لیے زیادہ تر اسی کے بارے میں پڑھ لیتی ہوں۔ میرے پاس ایک بک ہے جس میں سارے اسٹارز کے بارے میں لکھا ہوا ہے۔ میں اس میں دیکھوں گی کہ Leo کو گارڈننگ میں انٹرسٹ ہوتا ہے یا نہیں، پھر آپ کو بتاؤں گی۔'' اس نے سادگی سے کہا، جواباً فیضان بولے۔

''بالکل ٹھیک، اور اگر اس بک میں لکھا ہوا کہ Leo کو گارڈننگ میں انٹرسٹ نہیں ہوتا تو میں فوراً گارڈننگ چھوڑ دوں گا۔''

گو کہ ان کے انداز میں ایسی کوئی بات نہیں تھی کہ جھینپا جاتا، بلکہ ان کا انداز ایسا تھا جیسے کسی چھوٹے بچے کو بہلا رہے ہوں، لیکن اینیا کھسیا سی گئی۔

''میرا وہ مطلب نہیں تھا۔''

فیضان نے اس کی شکل دیکھی اور بے ساختہ قہقہہ لگا کر ہنس دیے، اینیا دھک سے رہ گئی۔

(یا اللہ...... کیا وہ ابا لو ہنستا ہوا ان سے زیادہ اچھا لگتا ہوگا؟)

''مطلب وطلب کچھ نہیں۔ میں انتظار کروں گا کہ تم مجھے میرے اسٹار کے متعلق بتاتا، پھر میں تمہیں گارڈننگ سے متعلق میگزینز اور بکس لا کر دوں گا اور جب ہماری دوستی ہو جائے گی تو میں تمہیں Yellow goddes (دوستی کا پھول) دوں گا۔'' فیضان لاپروائی سے کہہ رہے تھے۔

اینیا خاموش رہی۔ وہ ان کی طرف دیکھنے سے لاشعوری طور پر احتراز برت رہی تھی اور اس کی نظریں ہاتھ میں پکڑے مگ پر تھیں۔

فیضان نے ذرا سا جھک کر بغور اس کا چہرہ جانچا، پھر ہتھیلی اس کے سر پر جما کر خفیف سا جھٹکا دیا۔

''کیوں؟ ٹھیک ہے نا؟'' ان کے لہجے میں اصرار تھا، اینیا نے یونہی نظریں جھکائے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''ڈیٹس لائیک اے گڈ گرل۔'' فیضان مسکرا دیے۔

''بائے دا وے، آئی ایم سوری۔'' انہوں نے مگ اس کے ہاتھ سے لیتے ہوئے کہا۔

اینیا نے تعجب سے انہیں دیکھا۔

''کس لیے؟ کافی تو میرے ہاتھ سے ضائع ہوئی ہے؟'' اس نے بے ساختگی سے پوچھا۔

''میں نے اس دن یوکلپٹس کے پتے کاٹ دیے تھے۔ مجھے تمہاری اجازت لینا چاہیے تھی۔''

''آپ نے جو بھی کیا، اچھی نیت سے ہی کیا تھا۔ اب سوری بول کے مجھے شرمندہ نہ کریں۔''

''میں آپ کے لیے کافی بھجواتی ہوں۔'' اس نے اخبار بھی فیضان کو پکڑایا اور بعجلت اپنے پورشن کی طرف چلی گئی۔

فیضان اس کی عجلت پر حیران تو ہوئے، پھر کندھے اچکا کر انیکسی کی طرف چل دیے۔

☆☆☆

"یہ تُو نے کیا کر دیا دین محمد!"

دین محمد کی ماں سر پکڑے بیٹھی تھی۔ دین محمد نے نوالہ منہ میں رکھتے ہوئے تیکھی نظر اس کے مخنی وجود پر ڈالی۔

"وہی کیا...... جو کرنا چاہیے تھا۔ اگلی بار باجی زبیدہ نے ایسی ہمت کی اور یہاں آئی، میں تب بھی یہ ہی کروں گا۔"

دین محمد نے سرد مہری سے کہتے ہوئے جنت کا سر تھپتھپا کر اسے کھانا کھانے کو کہا تھا جو دادی کی بات پر ہاتھ روک کر اسے دیکھنے لگی تھی۔

زہرہ کے انتقال کو تقریباً چار مہینے گزر چکے تھے، لیکن موت کا صدمہ جیسے در و دیوار سے لپٹ کر رہ گیا تھا۔ ماں کی دوری سے جنت کملا کر رہ گئی تھی۔ دین محمد خود بھی بہت افسردہ رہتا، لیکن محض جنت کی خاطر اس نے اپنے غم کو پیچھے دھکیلنے کی کوشش کی تھی۔ وہ زیادہ وقت حویلی میں گزارتا، تاکہ جنت کو زندگی کی طرف واپس لا سکے۔ وہ ہمہ وقت اس سے باتیں کرتا، اسے اسکول جانے کی تاکید کرتا، اس کی سہیلیوں کو گھر بلواتا۔ مقصد محض یہ ہی تھا کہ جنت ماں کے صدمے سے نکل کر خوش رہ سکے۔ لیکن جنت زیادہ تر افسردہ ہی رہتی۔

اس عرصے میں دین محمد اپنی ماں کو بالکل فراموش کر بیٹھا تھا۔ جسے بہو کی دائمی جدائی نے صدمہ پہنچایا تھا تو دوسری طرف بیٹی کی دوری اور تذلیل نے نڈھال بھی کر دیا تھا۔ وہ ضرورت سے زیادہ خاموش رہنے لگی تھی۔ پورے دن میں بمشکل پانچ یا چھ ایسے جملے ہوتے جو اس کے لبوں سے ادا ہوتے۔ دین محمد کے حکم کے مطابق وہ ملازماؤں سے گفتگو سے احتراز برتتی۔ (یہ حکم وہ زہرہ کی زندگی میں ہی دے چکا تھا۔) صرف بوقت ضرورت بات کرتی، سارا دن وہ کمروں اور دالان میں چکر کاٹتی رہتی۔

اس کی ایسی حالت دیکھ کر کبھی کبھار دین محمد شرمسار ہو کر ماں کی طرف متوجہ ہوتا اور بہتر طریقے سے اس کی دیکھ بھال کرنے لگتا۔ وہ زیادہ سے زیادہ باتیں کر کے اس کا دل بہلانے کی کوشش کرتا۔

لیکن پھر اچانک دین محمد کی ماں کو اس کی بیٹی یاد آ جاتی اور وہ کوئی ایسا ہی سوال کر دیتی جو دین محمد کو بہن کے ساتھ ساتھ ماں سے بھی متنفر کر دیتا۔ وہ ماں سے خفگی کے اظہار کے طور پر چند روز قصداً خاموش رہتا اور پھر ماں سے لاتعلق ہو جاتا۔

ایک بار پھر اس کی توجہ کا مرکز صرف جنت بن جاتی اور ماں تنہائی کے آسیب میں جکڑی بولائی بولائی پھرتی۔

آج پھر دین محمد کی ماں کو بیٹی کی یاد ستانے لگی تھی اور دین محمد کا سرد مہر سا لہجہ اس کی سماعت سے ٹکرایا تھا۔

"دین محمد! ایسا نہیں ہوتا پتر...... کوئی سگی بہنوں کے ساتھ بھی ایسا کرتا ہے۔" ماں منمنائی تھی۔

"اگر کوئی سگے بھائی کے ساتھ ایسا کر سکتا ہے، اس کی بیوی اور بیٹی کو بددعائیں دے سکتا ہے تو پھر کوئی سگی بہنوں کے ساتھ بھی ایسا کر سکتا ہے۔" اس نے رکھائی سے کہا تھا۔

"ہو سکتا ہے جنت نے جھوٹ بولا ہو۔" ماں نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

"میں نے کہا تھا، میری جنت جھوٹ نہیں بولتی۔" دین محمد نے درشتی سے کہا۔ "اس معصوم کی طرف دیکھ اماں! تجھے لگتا ہے یہ نمانی جھوٹ بول سکتی ہے۔"

"چل اچھا...... جھوٹ نہ سہی پر اسے سننے میں غلطی تو ہو سکتی ہے؟ بچی ہے، کیا پتا پھوپھی نے کچھ کہا ہو، اس نے کچھ سنا۔"

"یعنی گھما پھرا کر الزام میری بچی پر ہی آنا ہے۔" دین محمد نے غصے سے نوالہ پلیٹ میں پٹخ دیا۔

"اماں! مجھے ایک بات بتا، تو رہتی میرے گھر میں ہے، روٹی میری دی ہوئی کھاتی ہے، کپڑا میرا دیا پہنتی ہے، پھر بھی تجھے اپنی بیٹی سچی اور میری بیٹی جھوٹی لگتی ہے؟"

"اب بوڑھی ماں کو روٹی کا طعنہ دے گا دین محمد۔"

"نہ اماں! میری اتنی مجال کہاں کہ تجھے طعنے دوں...... طعنے تو، تو دے مجھے، چیزیں مار میرے منہ پر، جس نے تیری بیٹی تجھ سے الگ کر دی، ہونا تو یہ چاہیے تھا، میں اسے سر آنکھوں پہ بٹھاتا اور کہتا، لے باجی! مر جائی تو تیری بکواس سن کر اللہ کو پیاری ہو گئی، بھانجی کو اپنے ہاتھوں سے زندہ دفنا دے۔"

دین محمد کا دماغ بالکل اُلٹ چکا تھا۔

غم سے نڈھال ماں گہرے گہرے سانس بھرنے لگی۔

"میں یہ کب کہتی ہوں دین محمد! لیکن کوئی راستہ تو نکالا جا سکتا تھا۔ وہ بڑی بن کے، غصہ دبا کے آ گئی تھی، تو بھی دل بڑا کر لیتا، پر تو نے بڑا ظلم کیا، سچ کہتی ہوں دین محمد! تو نے بڑا ظلم کیا میری بیٹی پر اس کا میکہ چھڑوا دیا۔ اب کون اس کے سر پر ہاتھ رکھے گا۔ نہ بڈھی ماں اس کے پاس کہ دل کے دکھ رو لے، نہ بھائی کہ اس کی چھاں (سایہ) میں ٹھنڈک پائے، ہک ہا...... بڑا ظلم کیا تو نے، کوئی سرد گرم آیا تو کس کے پاس جائے؟"

ماں سر پر ہاتھ رکھ کر جیتی جاگتی بیٹی کو رونے لگی۔

"بات سن اماں! ایک کام کر، تجھے بیٹی کا غم ستا رہا ہے تو اسی کے پاس جا کر رہ، ہاں میں نے دیکھا ہوا ہے باجی زبیدہ کا گھر، چوہے کے بل جتنے گھر میں رہنے والے وہ غریب لوگ اتنی جگہ تو نکال لیں گے تو وہاں رہ لے، جا کر اسی کو بتانا کہ وہ سچی تھی اور میری بیٹی جھوٹی، مجھے تو اس بات سے دلچسپی نہیں، کیونکہ جانتا ہوں میری بیٹی سچی ہے، وہ کبھی جھوٹ نہیں بولتی، ایسی معصوم، بھولی بھالی صورت کی سچائی پر کوئی شک کرے تو اس کی عقل پر شک کرنا چاہیے۔ مجھے تو آسمان سے آ کر اللہ کے فرشتے بھی کہیں کہ جنت نے جھوٹ بولا تھا تو میں یقین نہ کروں۔ اتنا بھروسہ ہے مجھے اپنی بیٹی پر۔" غصے سے لال چہرہ لیے دین محمد دروازے سے باہر نکل گیا تھا۔

دین محمد کی ماں ہکا بکا رہ گئی۔

"کفر نہ بک دین محمد! تجھے اللہ کا واسطہ۔"

وہ زیرِ لب بڑبڑا کر رہ گئی۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ اس کا بیٹا...... اتنی عقل والا بیٹا ایسی گناہ کی بات بھی کر سکتا ہے۔

گناہ اور خدا کے قہر کے خوف سے اس کی روح کانپنے لگی تھی اور سارے جسم پر لرزہ طاری ہو گیا تھا۔

اپنے سوکھے لبوں پر زبان پھیرتے ہوئے اس نے جنت کی طرف دیکھا۔ جنت دادی کے رونے اور باپ کی اونچی آواز سے خائف ہو گئی

تھی اوراب ماوی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ دادی کو اپنی طرف دیکھتا پا کر وہ جلدی سے اپنی پلیٹ پر جھک گئی اور جلدی جلدی کھانے لگی۔ دین محمد کی ماں اسے دیکھتی چلی گئی۔ اس کے دل میں کوئی وہم جڑ پکڑ رہا تھا۔ اور اس کی نظریں جنت پر سے ہٹ ہی نہیں رہی تھیں۔

ضروری نہیں کہ تباہی ہمیشہ شدید زلزلے کی کوکھ سے جنم لے، کبھی کبھار معمولی نوعیت کے مسلسل جھٹکے بھی عمارتوں کو مسمار کرنے کا سبب بن جاتے ہیں۔

☆☆☆

"لیو (Leo) افراد باوقار شخصیت کے مالک ہوتے ہیں، مضبوط قوت ارادی، پُرعزم اور خود مختار...... مسلسل جدوجہد کے قائل ہوتے ہیں، کسی لیو سے ایک بار مل لینے کے بعد یہ ممکن نہیں کہ آپ اس سے متاثر نہ ہوں، یہ لوگ تنہائی پسند نہیں ہوتے، بلکہ مل بیٹھنے کے شوقین ہوتے ہیں، ان کی قوت برداشت اتنی بہترین ہوتی ہے کہ بری سے بری صورت حال میں دل کی ناپسندیدگی چہرے سے ظاہر نہیں ہونے دیتے۔ بہت ہی لونگ اور لوایبل پرسنالٹیز کے مالک ہوتے ہیں یہ لوگ...... پھر ان کے یہاں محبت کے جذبے کی اہمیت بھی بہت ہوتی ہے۔ یہ بہت دور اندیش، ذہین، دانا اور مستقل مزاج ہوتے ہیں۔"

خوش مزاج بھی بہت ہوتے ہیں اور ہر طرح کی صورت حال کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔"

"او بھائی! نہ تم لیو نہ میں، نہ ہی مجھے Zodiac Sings کے بارے میں جاننے کا شوق ہے، پھر آخر کیوں تم اپنا ریسرچ ورک میرے دماغ میں انڈیلنے کی کوشش کر رہی ہو؟" ماوی نے چائے کی کیتلی میں جھانکتے ہوئے اُکتا کر پوچھا۔

وہ برنر کے قریب کھڑی تھی، جبکہ اینیا کچن شیلف پر چڑھی بیٹھی نمکو کی پلیٹ میں سے چن چن کر مونگ پھلی کھاتے ہوئے اپنی تازہ ترین معلومات سے اسے زبردستی مستفید کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"تمہارا یا میرا اسٹار نہ سہی، لیکن کسی کا تو ہوگا۔" اینیا نے خیال ظاہر کیا۔

"اس "کسی" سے مجھے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے؟" ماوی نے لاپروائی سے پوچھا تھا۔

"کیا مطلب؟ تمہیں اپنے ماموں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے؟" اینیا نے قدرے تعجب سے پوچھا۔

"تمہارا مطلب فیضان ماما کا اسٹار لیو ہے؟" ماوی حیران ہوئی۔ "بتاؤ...... میرے ماموں ہیں اور مجھے ہی نہیں پتا، تمہیں کس نے بتایا؟"

"انہوں نے خود بتایا تھا۔"

"ایں...... کمال ہے...... ہمارے ماموں نے ہمیں تو کبھی نہیں بتایا۔"

ماوی نے چونک کر اور بغور اینیا کو دیکھا۔ وہ اپنی ہی دھن میں تھی۔

"ویسے اتنی ساری خصوصیات کے ساتھ ان افراد میں ایک بری عادت بھی ہوتی ہے، ان کا مزاج آتشی ہوتا ہے۔ حیرانی کی بات ہے فیضان ماما تو غصہ ور نہیں لگتے۔" اینیا کہہ رہی تھی۔

"ارے توبہ کرو، غصہ تو نہیں ایسا زوردار آتا ہے کہ بڑے بڑے جی دار کانپ جائیں، لیکن تسلی کی بات یہ ہے کہ غصہ سال میں ایک ہی بار آتا ہے، اسی لیے مجھے لگتا ہے، ان کی بیوی بہت خوش رہے گی۔ بھئی ہر سال چند روز کی ناراضی اور غصہ جھیلنا پڑے گا اور بس...... اس کے بعد سکون ہی سکون۔"

"ارے ہاں...... بیوی سے یاد آیا۔ انہوں نے اب تک شادی کیوں نہیں کی۔ اتنے تو بڑے ہیں۔" اس نے سادگی سے پوچھا۔

"بوڑھے تو نہیں ہیں۔" ماوی تنک کر بولی۔ "مجھ سے کچھ سال ہی بڑے ہوں گے۔" اپنے ہینڈسم سے ماموں کو بوڑھا کہلوانا اسے بالکل منظور نہیں تھا۔

"ایک دفعہ میں نے پوچھا تھا، کہنے لگے، ابھی تک کوئی اتنی اچھی ہی نہیں لگی کہ شادی کرتا۔ جس دن پسند کے مطابق لڑکی مل گئی شادی کر لوں گا۔"

"اور ان کی پسند کی لڑکی کیسی ہے؟" اینا خاصی مشتاق نظر آئی۔

"یہ تو پتا نہیں۔" اس نے سوچتے ہوئے کہا، پھر جلدی سے بولی۔

"ہاں...... لیکن میں ان سے کہوں گی اینا پوچھ رہی تھی آپ کو کیسی لڑکی پسند ہے۔" اس نے کیتلی ٹرے میں رکھتے ہوئے نیم سنجیدگی، نیم شرارت سے کہا۔

"خبردار، میرا نام مت لینا۔" اینا نے جلدی سے کہا۔

"اچھا۔ میں چلتی ہوں۔" وہ چھلانگ لگا کر شیلف سے اُترتے ہوئے بولی۔

"مجھے پتا ہے، تمہیں چلنا آتا ہے، اب چپ چاپ اندر چلو، چائے پی کر چلی جانا۔" ماوی نے کہا۔

"نہیں ماوی! میں تو یوں ہی آ گئی تھی۔ چائے پینے کا بالکل موڈ نہیں۔ باتیں کرنے کا موڈ تھا۔ لیکن اب تم اپنے مہمان نمٹاؤ۔ میں بھی جا کر دیکھوں، ڈیڈی اگر جاگ گئے ہوں تو بتاتی ہوں کہ تو قیر انکل آئے ہوئے ہیں۔" وہ کچن کے مخالف دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے بولی، پھر کچھ خیال آنے پر دروازے کے قریب رُک کر بولی۔

"سنو ماوی! اپنے ماموں کے سامنے میرا نام مت لینا، پلیز۔ میں نے تو یوں ہی پوچھ لیا تھا۔ وہ کیا سوچیں گے یہ لڑکی میری پسند کے بارے میں اتنی انکوائری کیوں کر رہی ہے۔" اس نے جھجکتے ہوئے کہا اور جلدی سے دروازہ کھول کر باہر نکل گئی، مبادا ماوی کچھ اور کہہ دے۔

"صرف وہ ہی کیوں؟ میں تو خود یہ ہی سوچ رہی ہوں۔"

ماوی نے آنکھیں سکوڑ کر دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے دل میں خود سے کہا، پھر اسی پُرسوچ انداز میں سرونگ ٹرالی گھسیٹتی کچن سے باہر لے گئی۔

☆☆☆

"آپ کا بھی جواب نہیں ثمینہ آپا! کیا ضرورت تھی بس کو ٹکر مارنے کی، مجھے فیضان نے بتایا اور میں دیکھ کر آ رہا ہوں۔ بس کا سامنے والا

حصہ تو بالکل ڈیمج ہو گیا، ایسے زبردست ڈینٹ پڑے ہیں کہ کیا بتاؤں۔"

توقیر صاحب کی سنجیدگی سے کہی ہوئی بات کے جواب میں قہقہے بلند ہوئے تھے۔

"یہ فیضان اور ماوی کم تھے، میری ٹانگ کھینچنے کے لیے، کہ تم بھی آ گئے۔" ثمینہ نے ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ شگفتگی سے جواب دیا۔

"ابھی کل ہی ماوی کہہ رہی تھی۔ ممی! جہاں آپ گری تھیں سنا ہے وہاں سڑک پر گہرا گڑھا پڑ چکا ہے۔ ٹریفک کی آمد و رفت میں اچھا خاصا خلل پڑ رہا ہے۔ اس پر فیضان کہنے لگا۔"

"اب اس بات کا ذکر کسی اور سے مت کرنا۔ کسی کو بھنک بھی پڑ گئی کہ وہ گڑھا آپا کی وجہ سے پڑا ہے تو حکومتی املاک کو نقصان پہنچانے کے جرم میں آپا دھر لی جائیں گی۔ میں ایک ہفتہ بعد دبئی جا رہا ہوں، تم کہاں آپا کو چھڑوانے کے لیے تھانے اور عدالتوں کے چکر لگاتی پھرو گی۔"

بتاؤ، آپا اتنا زخمی ہو گئی سات دن اسپتال میں رہ آئی۔ اب تک بازو پر پلاسٹر لگائے گھوم رہی ہے اور یہ ہیں کہ آپا سے زیادہ سڑک اور بس کی فکر میں ہلکان ہو رہے ہیں۔ ثمینہ نے آڑے ہاتھوں سب کو لیا۔

"فیضان تو لگتا ہے آج کسی اور ہی فکر میں ہلکان ہے۔" توقیر صاحب نے توپوں کا رُخ فیضان کی طرف موڑا۔

"کیوں میاں! ہمیں بھی تو اس فکر کا نام بتاؤ۔" انہوں نے شرارت سے کہا۔ فیضان چائے کا کپ ہاتھ میں لیے واقعی کسی گہری سوچ میں تھے۔ توقیر صاحب کی بات سن کر اور ثمینہ آپا اور منیزہ بھابھی کی نظریں خود پر مرکوز دیکھ کر جھینپ سے گئے۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے توقیر بھائی! میں تو بس یوں ہی کچھ سوچ رہا تھا۔"

"یہی تو ہم جاننا چاہ رہے تھے "کیسے" سوچ رہے ہو۔ بھئی اس سوچ کا کوئی اچھا سا نام بھی تو ہو گا۔" انہوں نے تو فیضان کا پیچھا ہی لے لیا۔ فیضان ان کی رگ رگ سے واقف تھے فوراً مسکرا کر بولے۔

"اب میں کچھ بھی کہوں آپ مطمئن تو ہوں گے نہیں۔ ایسا کیجیے کوئی اچھا سا نام خود ہی بتا دیجیے۔ میں وہی لے لیتا ہوں محض آپ کی تسلی کے لیے۔" انہوں نے شانے اچکا کر کہا۔

"دیکھ رہی ہیں ثمینہ آپا! کس سہولت سے یہ دامن بچا رہا ہے۔ میں تو کہتا ہوں کوئی اچھی سی لڑکی دیکھ کر اس کے ہاتھ پیلے کر دیں ورنہ یہ تو جانے کون کون سی فکریں پال کر سوچوں میں ہی اُلجھا رہے گا۔"

"یقیناً آپ کے بھی ہاتھ "پیلے" ہی ہوئے ہوں گے۔" فیضان نے سہولت سے ان کا جملہ پکڑا تھا۔

"ارے ایسے ویسے۔" توقیر صاحب نے ترنت کہا۔

"لیکن بھئی۔ خدا گواہ ہے، وہ جو ایک بار پیلے ہوئے تھے تو آج تک نیلے ہوتے ہیں۔ خوف سے۔" اس بات پر ایک اور قہقہہ بلند ہوا یہ الگ بات کہ جھینپنے کی باری اس بار منیزہ کی تھی۔

"توبہ ہے۔ پتا نہیں ان مردوں کو ہمہ وقت خود کو مظلوم ثابت کرنے کا شوق کیوں رہتا ہے۔ چاہے صبح سے شام بیوی کی دوڑ لگوائے

رکھیں۔‘‘منیزہ نے خفگی سے توقیر صاحب کو دیکھتے ہوئے کہا۔

’’ذرا فیضان کی شادی ہو لینے دو پھر ہم دونوں خوب اچھی طرح سے اس سوال پر غور کرنے کے بعد اس اہم سوال کا جواب دیں گے۔‘‘

’’مجھے تو معاف رکھیں۔ آپ کا جواب تیار کروانے کے لیے میں اپنے سکون اور آزادی کی قربانی نہیں دے سکتا۔‘‘فیضان نے جلدی سے کہا۔

’’بھئی۔ حد ہے۔ تم سے کس نے کہہ دیا شادی، سکون اور آزادی کی بربادی ہے؟ یہ تو بڑا خوبصورت رشتہ ہوتا ہے یار! انسان خود کو مکمل محسوس کرنے لگتا ہے ورنہ بنا شادی کے بھی کوئی زندگی ہے جیسے بنا گیئر کی گاڑی۔‘‘

کم گو توقیر صاحب بہت دھیمی آواز میں بول رہے تھے مبادا بیوی کے کان میں آواز پڑ جائے اور بعد میں اُترا تی پھریں کہ بھی بلاواسطہ ہمیں ہی سراہا جا رہا تھا لیکن بات ایسی تھی کہ فیضان کی ہنسی چھوٹ گئی وہ دیر تک محظوظ ہوئے۔

’’میں بتاتا ہوں بھابھی کو۔ آپ کے نیک خیالات سے وہ بھی تو فیض یاب ہوں۔‘‘

’’ہوں۔ یعنی بلیک میلنگ۔‘‘توقیر صاحب رتی بھر بھی متاثر نہ ہوئے۔

’’بتا دو یار! کیا فرق پڑتا ہے۔ اتنے سال ہو گئے ہماری شادی کو۔ تمہارا کیا خیال ہے تمہاری بھابھی اب تک ہمارے خیالات سے واقف نہیں ہوں گی۔‘‘توقیر صاحب شگفتگی سے بولے تھے۔

منیزہ نے گلا کھنکار کر انہیں متوجہ کیا۔

’’محفل میں بیٹھ کر دھیمی آواز میں گفتگو کرنا بدتہذیبی کے زمرے میں آتا ہے۔‘‘انہوں نے بتایا۔

’’میں ذرا بیویوں کے فوائد پر روشنی ڈال رہا تھا۔‘‘توقیر صاحب نے کہا۔

’’جی ہاں۔ آپ کو تو بڑا عبور ہے اس موضوع پر۔ ذرا ہمیں بھی تو بتائیں کتنی بھگتائے بیٹھے ہیں۔‘‘منیزہ جل کر بولیں۔

’’ایک کے بعد دوبارہ ہمت ہی نہیں ہوئی۔‘‘انہوں نے مسکین سی شکل بنا کر جواب دیا۔ ثمینہ اور فیضان محض ہنسنے والوں میں شامل تھے۔

’’اچھا بھئی۔ مذاق برطرف۔ فیضان کو ڈرائیں نہیں بے چارہ سمجھے گا بیوی بڑی مصیبت قسم کی چیز ہوتی ہے۔‘‘

’’مذاق؟‘‘توقیر صاحب نے اچنبھے سے کہا۔’’میں سو فیصد سنجیدہ ہوں بیگم۔‘‘وہ فیضان کے ہاتھ پر ہاتھ مار کر ہنس پڑے۔

’’اور میرے لیے کیا حکم ہے۔؟‘‘’’یعنی آپ کے کس بیان پر یقین کیا جائے؟‘‘

’’فیضان نے شرارت بھرے انداز میں پوچھا۔‘‘

’’بات کچھ یوں ہے فیضان!‘‘توقیر صاحب نے کشن کمرے کے پیچھے سیٹ کرتے ہوئے کہا’’کہ سارے شادی شدہ افراد کی سائیکالوجی بڑی عجیب ہوتی ہے۔ ان سے کوئی کنوارا خوش و خرم برداشت نہیں ہوتا۔ خواہ مخواہ کا حسد ہونے لگتا ہے کہ ہمارے سر پر تو بیوی نام کی تلوار تو ہمہ وقت لٹکتی ہے یہ کنوارا کیوں خوش ہے۔ چلو اس کی بھی شادی کرواؤ۔ لیکن جوں ہی وہ کنوارا شادی کرنے کے لیے راضی ہوتا ہے تو ہمیں اس پر ترس آنے لگتا ہے کہ اس کی زندگی سے خوشی اور سکون ختم ہونے والا ہے تب ہم دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر بے ساختہ تاریک پہلو دکھانا شروع کر دیتے ہیں شادی کے۔‘‘دونوں ہنسنے لگے۔

"اوہو توقیر! بس کردیں پلیز۔ فیضان تو پہلے ہی شادی کا نام نہیں لے رہا آپ اور ڈرادیں۔"

"واقعی توقیر! تم ہی اسے سمجھاؤ۔ میں تو کہہ کہہ کر تھک گئی آخر کب کرے گا شادی؟" ثمینہ نے کہا۔

"تو آپ کس انتظار میں ہیں؟ میں تو پہلے ہی کہہ رہا ہوں کوئی اچھی لڑکی دیکھ کر اس کے ہاتھ پیلے کردیں۔ نکاح کی تقریب میں اس کو لانے کی ذمہ داری میری ہوئی۔ ایک طرف سے بازو پکڑ کر میں بیٹھوں گا دوسرے طرف فیاض کو بٹھادیں گے پھر دیکھیے گا یہ محترم کیسے رسہ تڑوا کر بھاگتے ہیں۔" توقیر صاحب نے دھمکی آمیز انداز میں فیضان کو دیکھا۔ وہ خفیف سے ہو کر بولے۔

"اب آپ مجھے بیل، بکرے کی طرح توٹریٹ نہ کریں توقیر بھائی! شادی نہ ہوئی بچ قربانی ہوگئی۔"

"اور بعد کی ذمہ داری کون لے گا؟ میں کسی لڑکی کی زندگی کیوں خراب کروں زبردستی اس کے سر منڈھ کے۔ جبکہ اس سے اچھی طرح واقف بھی ہوں۔" ثمینہ کو فیضان سے کم سے کم اس معاملے میں کچھ اچھی امید نہ تھی۔

"ایسا لاپروا تو نہیں ہے، میرا خیال ہے ذمہ داری نبھالے گا۔" توقیر نے جانچتی نظروں سے فیضان کو دیکھا جو سر جھکائے جیسے ہر بات سے بے نیاز بیٹھے تھے۔

"ذمہ دار تو وہ ہے لیکن ساتھ ہی ضدی بھی بہت ہے اور اب سے نہیں بچپن سے۔ ایک مرتبہ سخت سردیوں میں تربوز کھانے کی فرمائش کر دی۔ اب بتاؤ ایسی ٹھٹھرا دینے والی سردی میں تربوز کہاں تلاش کیا جائے۔ فیاض بھائی پورے تین دن تک منڈی چھانتے پھرے کہ تربوز مل جائے گا تربوز کو نہ ملنا تھا سو نہ ملا اور نہ یہ ٹلا۔ چوتھے روز روح افزا گھول کر پلایا کہ یہ تربوز نہ سہی اس کا جوس ہی سہی تب اس نے ضد چھوڑی۔"

"خدارا ثمینہ آپا! میرا بچپن گزر چکا۔ اب بچپن کے قصوں کو بھول بھی جائیں۔" فیضان نے شرارت سے کہا تھا۔

"تم نے تو بچپن کی ضد اب تک نہ چھوڑی۔ ایک بار جس کا نام لیا تھا اسی کا غم سینے سے لگائے بیٹھے ہو۔" ثمینہ بے ساختگی سے بولیں۔

"میں اس بارے میں بات نہیں کرنا چاہتا۔" فیضان نے اپنی جگہ چھوڑتے ہوئے تیزی سے کہا۔ "آئیں توقیر بھائی! باہر چل کے بات کرتے ہیں۔"

"باہر جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ نہیں کرتی میں بات۔" ثمینہ نے خفگی سے کہا۔ فیضان نے ناراضی سے انہیں دیکھا پھر مصلحتاً بیٹھ رہے۔ توقیر صاحب نے ایک نظر دونوں بہن بھائی کو دیکھا۔

"تم تو یار! خفا ہی ہوگئے۔"

"خفگی کی بات نہیں ہے توقیر بھائی! بس میں اس بارے میں بات نہیں کرنا چاہتا۔" فیضان نے سادگی اور قطعیت سے کہا تھا۔

"میں دانیال حسن کے بارے میں سوچ رہا تھا۔"

"اچھا۔ پھر کس نتیجے پر پہنچے؟" توقیر صاحب نے منیزہ اور ثمینہ آپا کو دیکھتے ہوئے کہا تھا سب ہی دانستہ گفتگو کا رخ بدل چکے تھے۔

"توقیر بھائی! مجھے دانیال حسن کے بارے میں کوئی بات کھٹک رہی ہے۔" فیضان نے اُلجھن آمیز انداز میں کہا۔ "اس بات کی کیا گارنٹی ہے

کہ ایک بار انکار کرنے کے بعد وہ دوبارہ ایسا نہیں کریں گے۔ اگر کچھ عرصہ بعد انہوں نے کوئی اعتراض کیا تو؟'' انہوں نے دانستہ جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

''وہ ایسا کچھ نہیں کرے گا۔ میں جو کہہ رہا ہوں۔'' توقیر صاحب نے چائے کا کپ اُٹھاتے ہوئے کہا جو ماوی نے سرو کیا تھا۔

''میں نے اسی لیے کچھ روز بعد دبئی جانے کا فیصلہ کیا کہ پہلے دانیال حسن صاحب کا ارادہ معلوم کرلوں پھر دبئی جا کر فیکٹری کے انتظامات دیکھوں۔ بات یہ ہے توقیر بھائی! ثمینہ آپا ہمیشہ میری بہن رہیں گی اور ظاہر ہے ان کی بیگم بھی ان کے ساتھ رہیں گی۔ ایسا نہ ہو ان کا کوئی وہم ہمارے کاروباری مراسم پر اثر انداز ہو گو کہ ہونا تو نہیں چاہیے۔''

''دانیال ایسا کچھ نہیں کرے گا فیضی! میں اسے بڑی اچھی طرح جانتا ہوں تھوڑا سا جذباتی ضرور ہے لیکن بے عقل قطعاً نہیں۔ اسے دوبارہ انکار کرنا ہوتا تو اس بار حامی بھرتا ہی نہیں۔''

''دیکھ لیں توقیر بھائی! میں صرف آپ کی وجہ سے اس کام میں ہاتھ ڈال رہا ہوں ورنہ سچ تو یہ ہے کہ دانیال صاحب کی طرف سے میرا دل مطمئن نہیں ہے۔''

''اوہو بھئی۔ اب تم وہم نہ کرو۔ ابھی چلتے ہیں دانیال کی طرف، میں اسی لیے آیا ہوں کہ آج فائنل ڈسکشن ہو جائے یا اسٹریٹیجی تو ضرور پلان کرلیں پھر لیبر ہائیر کرنا بھی ایک کام ہوگا۔''

ان کے کہنے پر فیضان بنا کوئی اگلا اعتراض اُٹھائے سر ہلانے لگے۔ یہ الگ بات کہ دل ہنوز اسی ایک نکتے پر اٹکا ہوا تھا لیکن تھوڑی دیر بعد جب دانیال حسن سے ملاقات ہوئی تو ان کے خدشات بہت حد تک ختم ہو گئے کیونکہ دانیال حسن بہت اچھے طریقے سے ملے اور فیضان کا بخوبی خیر مقدم کیا۔ بلکہ فیکٹری کے معاملات میں بھی بھرپور دلچسپی ظاہر کی تھی۔

''فیضان واپس آئے تو بے حد مطمئن ہو چکے تھے۔''

دوسری جانب دانیال حسن کہیں دل ہی دل میں یہ نکتہ سمجھ چکے تھے کہ ان کی ناراضی، ان کی چپقلش یا ان کی جھنجلاہٹ ثروت کے لیے ہے پھر ساری دنیا سے منہ موڑنے کا فائدہ؟

کاروبار تو کرنا ہے۔ روپیہ تو کمانا ہے۔

دوغلا پن ہے تو چلو یونہی سہی۔

فیملی لائف تباہ ہو رہی ہے۔ ہو جانے دو۔

''بچوں پر بُرا اثر پڑے گا؟ بچے اب بچے بھی تو نہیں رہے بڑے ہو گئے ہیں۔ سمجھ سکتے ہیں غلطی کسی کی تھی۔ ہم تو بھئی ناراضی بھی نبھائیں گے۔ دنیا داری بھی کرنا پڑے گی (اور۔ اور اپنا خون بھی جلائیں گے۔)''

دانیال حسن سب کچھ سوچ چکے تھے۔

☆☆☆

''جلال صاحب! جلال صاحب!''

اس کی گاڑی خراب ہوگئی تھی۔ ورکشاپ پہنچا کر ٹیکسی سے گھر آیا لیکن موسم اتنا اچھا ہو رہا تھا کہ ٹیکسی اس نے مین روڈ پر ہی رکوالی اور چہل قدمی کرتے ہوئے اپنی منزل کی طرف چلا۔

یہ شام سے کچھ پہلے کا وقت تھا۔ بادل آسمان پر جھکے چلے آتے تھے۔ بنگلوں کی بیرونی دیواروں سے لٹکتی بیلوں سے ہوا لپٹتی تھی۔ اسے لگا بس ابھی آسمان سے انگلی چھڑوا کر پہلی بوند زمین کی پیشانی پر بوسہ دے گی اور پھر آن کی آن ہر سمت جل تھل ہو جائے گا۔ سر جھکائے جینز کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے وہ راستے میں آئے ایک پتھر کو ٹھوکر مار رہا تھا جب اچانک کسی نے اس کے نام کے نعرے لگانا شروع کر دیے۔ جلال نے سر اُٹھا کر متلاشی نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھا۔ یہ کون محترمہ تھیں جو اس قدر دلکش موسم میں اس موسم سے کہیں زیادہ خوبصورت و سریلی آواز میں اس کا نام پکار پکار کے پورے ٹاؤن میں اسے ''مشہور'' کرنے کا ارادہ کیے بیٹھی تھیں۔

''جلال صاحب!''

اس بار آواز اسے اپنے عقب سے اُبھرتی محسوس ہوئی تھی۔ متجسس انداز میں اس نے گردن موڑی پھر ماوی کو دیکھ کر ٹپٹا سا گیا اس کے ڈر سے ہی تو ہسپتال سے بھاگا تھا۔ ''یہ یہاں بھی پہنچ گئی۔ پگھل پیری۔ اس نے تو شبیہ جیسے بندے کو نہیں بخشا۔ میرا کیا حشر کرے گی۔ یا اللہ۔ بچا لینا۔''

وہ دوڑنے کے انداز میں لمبے لمبے ڈگ بھرتی اس کی طرف بڑھی چلی آ رہی تھی۔ یہ جل تو جلال تو کا ورد کرنے لگا۔

ماوی چند قدم پر آ کر رک گئی۔ لبوں پر مسکراہٹ، سانس پھولی ہوئی۔

''آپ تو کمال ہیں جلال صاحب! کب سے آوازیں دے رہی ہوں۔ لیکن آپ رکنے کا نام ہی نہیں لے رہے تھے۔ میں تو آپ کا تعاقب کرتے کرتے مرگئی۔ ہاہ۔''

''بے ترتیب سانس بحال ہونے میں ہی نہیں آ رہی تھی۔''

''آپ تو ہسپتال سے ایسا گئے کہ مڑ کر آئے ہی نہیں۔ میری ممی نے تو آپ کا بہت انتظار کیا اور صرف ممی ہی کیوں؟ میں خود اسی دن سے آپ کا انتظار کر رہی ہوں۔ اس روز تو مجھے اتنا ہوش ہی نہیں تھا کہ آپ کا شکریہ ادا کرتی مگر بعد میں، میں نے بہت سوچا کہ جس انسان نے میری ممی کی اتنی مدد کی اس کا شکریہ تو بڑے اچھے طریقے سے ادا کرنا چاہیے تھا لیکن شکریہ کس کا ادا کرتی آپ تو دوبارہ آئے ہی نہیں۔''

اس قدر سانس پھولی ہونے کے باوجود وہ خاموش ہونے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔ بس نان اسٹاپ بول رہی تھی۔

''ابھی میں نے آپ کو گھر کے ٹیرس سے دیکھا تو بھاگی چلی آئی۔ سوچا کہیں اس بار بھی آپ ہاتھ سے نکل ہی نہ جائیں پھر میں کہاں آپ کو تلاش کرتی۔ پہلے ہی تو دعائیں کر کر کے دکھائی دیتے ہیں۔''

''سچ۔ اتنی خوشی ہو رہی ہے آپ کو دیکھ کر۔ اتنا خوش تو میں بچپن میں اپنے فیوریٹ کارٹون کریکٹر مکی ماؤس کو دیکھ کر بھی نہیں ہوتی تھی جتنا آپ کو دیکھ کر ہو رہی ہوں۔''

بے ساختگی سی بے ساختگی تھی۔

"جی۔" جیڈی نے بدک کر کہا کیونکہ وہ تو اسے دیکھ بھی اتنے اشتیاق سے رہی تھی جیسے وہ انسان نہیں کی ماؤس ہی ہو۔

"میرا مطلب ہے میں آپ کو دیکھ کر بہت خوش ہوں۔" ماوی نے جلدی سے کہا تھا۔ "تھینک یو جلال! آپ نے ممی کی مدد کر کے اتنا بڑا احسان کیا ہے کہ میں کبھی اس کا بدلہ نہیں اُتار سکتی۔ اس کا اجر صرف آپ کو اللہ سے ملے گا لیکن میں ساری زندگی آپ کے لیے دعا کروں گی کہ آپ کو بہت ساری خوشیاں ملیں۔ تھینک یو جلال۔ تھینک یو سوچ۔"

"آپ بار بار شکریہ کہہ کر مجھے شرمندہ کر رہی ہیں۔"

ماوی چند لمحوں کے لیے خاموش ہوئی تھی غالباً سانس لینے کا خیال آ گیا تھا۔ اسی موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے جلال نے جلدی سے کہا۔

جھینپا ہوا انداز، گھبرایا ہوا لہجہ۔

ماوی نے چونک کر اسے دیکھا بلکہ بڑے غور سے دیکھا۔ اس لمبے چوڑے ڈیل ڈول لڑکے میں ایسی کون سی بات تھی جو غیر معمولی سی محسوس ہوتی تھی۔

"کیوں؟" ماوی نے یکدم کہا۔ "احسان کیا ہے تم نے، شکریہ تو بنتا ہے اور اس میں شرمندگی کی کیا بات ہے، کوئی شکریہ کہے تو اسے حق کی طرح وصول کرنا چاہیے نہ کہ شرمندہ ہونا چاہیے۔"

عجب بے تکلف لڑکی تھی۔ آپ سے "تم" پر آنے میں منٹ بھی نہیں لگایا۔ جلال نے سوچا پھر جھجکتے ہوئے بولا۔

"بس مجھے شرمندگی سی ہوتی ہے۔ جب کوئی بار بار شکریہ کہے۔ آپ بھی نہ کہیں۔ آپ کی مدد کی تو انسانیت کے ناتے کی ہے۔"

"خیر آج تو انسان انسانیت کے ناتے بھی کسی کی مدد نہیں کرتے۔"

"اچھا۔ ہو سکتا ہے۔ میں نے کبھی غور نہیں کیا۔" اس نے فوراً ہی ہار مان لی بلکہ حقیقتاً جان چھڑانے کی کوشش کی تھی۔ لیکن ماوی کو یقین نہیں آیا۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ آج کل تو سب غور کرتے ہیں۔" وہ بضد ہوئی پھر جلدی سے بولی۔ "عمل کریں نہ کریں غور ضرور کرتے ہیں۔ ویسے میں سمجھ گئی تم نے انسانیت کے ناتے کوئی مدد وغیرہ نہیں کی، ایکچوئیلی تمہارا دل بہت اچھا ہے۔ سب کا دل اچھا تھوڑا ہی ہوتا ہے، کسی کسی کا ہوتا ہے۔ ممی نے بھی میرے سامنے تمہاری بہت تعریف کی تھی۔ میں نے سوچا ممی کو تو سب ہی اچھے لگتے ہیں تمہاری تعریف بھی ایسے ہی کر رہی ہوں گی۔ تم تو واقعی بہت اچھے ہو۔ ٹو بی ویری آنسٹ تم تو مجھے اس دن بھی بہت اچھے لگے تھے جس دن تمہارے اسٹوپڈ دوست نے بلاوجہ مجھ سے جھگڑا کیا تھا اور تم نے بہت سویٹلی جھگڑا ختم کروا دیا تھا لیکن مجھے تمہارا دوست بالکل اچھا نہیں لگا۔ سو روڈ" اس نے ناک چڑھا کر کہا۔

"ایک مشورہ دوں؟ تمہیں اس کے ساتھ دوستی نہیں رکھنی چاہیے۔ اچھے لوگوں کے دوست بھی اچھے ہونا چاہئیں۔" کھٹ سے مشورہ آیا۔

جلال بے چارہ ہنوز حواس باختہ۔

"جج۔ جی۔ میں چلتا ہوں۔"

تیز ہوا کے ساتھ پہلی بونداس کی ناک کی پھننگ سے ٹکرائی تھی۔

''تم ہاسپٹل تو نہیں آئے لیکن گھر ضرور آنا۔ ممی تم سے ملنا چاہتی ہیں۔ پلیز ضرور آنا۔ ہم دانیال حسن کی انیکسی میں رہتے ہیں۔ وہ۔ وہاں۔'' اس نے اشارے سے بتایا۔

''جی۔ جی۔ ضرور آؤں گا۔'' اس کا بس نہ چلتا تھا کسی طرح یہاں سے کھسک لے دوسری طرف ماوی بولنے کی شوقین بھی بہت تھی۔

''پکا؟ پرامس؟'' اس نے جلدی سے پوچھا۔

''میں انتظار کروں گی۔''

جلال تو اس لڑکی کے انداز پر حیران تھا۔ سو سر ہی ہلا سکا اور خیر منا تا چل پڑا۔ ماوی کو اس کی عجلت دیکھ کر گدگدی سی ہونے لگی۔

''سنو۔'' اس نے شرارت سے پکارا جلال کے قدم سست پڑ گئے۔

''اب کیا مصیبت ہے؟'' اس نے بمشکل گردن موڑی۔

''تم سچ مچ بہت اچھے ہو جلال! آئی رئیلی لائیک یو۔''

جلال پر گھبراہٹ طاری ہو گئی پہلی بار تو کسی لڑکی نے پسندیدگی کا اظہار کیا تھا۔ وہ کمان سے نکلے تیر کی طرح بھاگا۔

ماوی کے لیے اپنے قہقہے کا گلا گھونٹنا مشکل ہو گیا تھا۔

☆☆☆

''پتا ہے ممی! میں کس سے مل کر آ رہی ہوں؟'' ماوی نے واپس آ کر سنسنی پھیلانے کی کوشش کی۔

ثمینہ اس وقت بیڈ پر نیم دراز نظر کا چشمہ لگائے میگزین دیکھ رہی تھیں اس بات پر ابرو چکا کر چشمے کے اوپر سے اسے دیکھا۔

کس سے مل آئی ہو؟'' وہ ذرا بھی متجسس نہ ہوئی تھیں۔ ماوی کو ان کے انداز میں سرسری پن دیکھ کر مایوسی ہوئی۔

''جلال سے۔'' وہ اپنا لیپ ٹاپ آن کرتے ہوئی بولی۔

''جلال سے؟'' ثمینہ نے ٹھٹک کر اسے دیکھا۔ ''جلال الدین سے؟'' ماوی نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''تمہیں وہ کہاں ملا؟ میرا مطلب ہے تمہاری ملاقات کہاں ہو گئی؟''

''ابھی ابھی گھر کے باہر ملاقات ہوئی ہے۔''

''اس کا ایڈریس ہی لے لیتی ماوی یا اندر ہی بلا لیتیں۔ میری بھی ملاقات ہو جاتی۔ پتا نہیں دوبارہ ایسا موقع ملے گا یا نہیں۔ میں اس لڑکے سے ملنا چاہ رہی تھی۔'' ثمینہ کے انداز میں بے حد مایوسی تھی۔ ماوی نے کسی قدر حیرانی سے انہیں دیکھا اور بولی۔

''ایڈریس تو نہیں لیا لیکن وہ اسی بلاک میں رہتا ہے۔ میں نے اسے تاکید کی تھی کہ آپ ملنا چاہتی ہیں کسی وقت فرصت نکال کر گھر آئے۔ نہ بھی آیا تو مجھے یقین ہے دوبارہ راہ چلتے ملاقات ہو ہی جائے گی۔ بائے داوے۔ آپ کیوں اتنا کانشس ہو رہی ہیں اس کے بارے میں؟ میں نے

نوٹس کیا ہے جب سے ہسپتال سے واپس آئی ہیں اسی کے بارے میں باتیں کر رہی ہیں۔"

ثمینہ پل بھر کے لیے گڑبڑا گئیں۔

"جان بچائی ہے اس نے میری۔ اتنا بڑا احسان کیا ہے۔ جب تک زندہ رہوں گی اسے یاد رکھوں گی۔ ممکن ہے اس کے بارے میں باتیں بھی کرتی رہوں۔ ویسے سچی بات ہے ماوی! مجھے وہ بچہ اچھا بھی بہت لگا ہے۔ بے حد سیدھا سادا اور معصوم سا انسان۔"

"معصوم؟" ماوی کو جلال کا چہرہ یاد آیا بلکہ چہرے سے زیادہ اس کے گھبرائے ہوئے انداز یاد آئے۔

"معصوم تو نہیں کہیں ممی! بے وقوف کہیں۔ شکل سے تو بالکل بونگا سا لگتا ہے۔" وہ ہنسی۔

"کیا بونگا پن دیکھ لیا جلال میں؟ اتنا اچھا لڑکا ہے۔" ثمینہ نے تیز لہجے میں کہا۔ انہیں جلال الدین کی برائی اچھی نہیں لگی تھی۔ "تمہاری جنریشن کا مسئلہ ہے جہاں معصومیت نظر آئی، بونگے پن کا لیبل لگا دو گے۔"

"یونہی نہیں لگاتے سوچ سمجھ کر لگاتے ہیں۔" ماوی نے قطعیت سے کہا تھا۔ "مجھے اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ اچھا لڑکا ہے لیکن معصومیت کا آج کل دور نہیں ہے۔ فی زمانہ تو لڑکیاں اتنی کانفیڈنٹ ہو گئی ہیں ایسے میں بات بات پر گھبرا جانے والے لڑکے کیا ترقی کر سکتے ہیں۔ آپ دیکھتیں۔ میری باتیں سن کر وہ کیسے گھبرا رہا تھا۔"

"ضرور تم نے کوئی اُلٹی بات کی ہو گی۔ تمہاری زبان سے تو میں پہلے ہی تنگ ہوں، اب اس بے چارے کو کیا کہہ آئی ہو؟"

"ارے میں نے کچھ نہیں کہا اس بھولے بادشاہ کو۔" وہ چڑ کر بولی۔ "صرف شکریہ ادا کیا تھا گھر آنے کی دعوت دی تھی۔ اور آپ کی باتوں کی روشنی میں تھوڑی سی تعریف کی تھی اور۔ اور ہاں میں نے اسے یہ بھی بتایا کہ وہ مجھے اچھا لگا ہے۔ اب آپ مجھے بتائیں۔ اس میں ایسی کون سی بات تھی کہ وہ شرما کر بھاگ جاتا۔"

"تمہیں عقل نہیں آ سکتی ماوی! کبھی نہیں آ سکتی۔"

اس کا کارنامہ سن کر ثمینہ نے اپنا سر ہی پیٹ لیا تھا۔

"گھر کی مرغی دال برابر اسی کو کہتے ہیں شاید۔ میرے سارے ٹیچرز اور کلاس فیلوز میری ذہانت کی تعریف کرتے ہیں لیکن آپ کو ہمیشہ یہی لگتا ہے مجھے عقل نہیں آ سکتی۔" وہ خفا ہو کر بولی۔

"کیونکہ عقل اور ذہانت میں فرق ہوتا ہے۔ میری ذہین و فطین بیٹی!" ثمینہ نے اسے آڑے ہاتھوں لیا لیکن ماوی نے خفگی کے اظہار کے طور پر رُخ ہی موڑ لیا تھا۔

☆☆☆

"میرے پاس ایک زبردست خبر ہے۔"

نمرہ اور تنوی ایگزمینیشن ہال سے اکٹھی باہر نکلی ہی تھیں کہ منتظر کھڑی عبیر تیزی سے ان کی طرف لپکی۔

آج انگلش کا پیپر تھا اور عمیر ان دونوں سے پہلے پرچہ مکمل کر کے نکل آئی تھی۔

"میرے پاس بھی ایک خبر ہے اور وہ یہ کہ میں اس پیپر میں فیل ہو رہی ہوں۔" نمرہ ہسوری۔ "اتنا خراب پیپر ہوا ہے میرا کہ ذرا بھی پاس ہونے کی امید نہیں ہے۔ میں نیچر نصرت کو کبھی معاف نہیں کروں گی جو جو چیزیں میں نے چوائس میں چھوڑی تھیں۔ وہ سب انہوں نے کوئسچن پیپر میں ڈال دیں۔" اس نے صدمے سے چور لہجے میں کہا تھا۔

"میرا پیپر تو اچھا ہوا۔ اتنا ٹف تو نہیں تھا۔" تنوی نے کہا "کیوں عمیر!"

"ہاں واقعی۔ میرا بھی اچھا ہوا۔" پھر اس نے نمرہ سے کہا۔

"اگر تم اوٹ پٹانگ لوگوں سے دوستیاں ترک کر کے پڑھائی پہ توجہ دو تو فیل ہونے کا خدشہ ہی نہ رہے۔"

"ایں۔ تم خود کو اور تنوی کو اوٹ پٹانگ لوگوں میں شمار کر رہی ہو؟" نمرہ نے معصومیت سے پوچھا۔

"جی نہیں۔ میں عروش مرزا کی بات کر رہی ہوں۔ صرف اور صرف عروش کی۔ سمجھی؟" عمیر نے جل کر کہا۔

"اب عروش کہاں سے آ گئی درمیان میں؟" نمرہ نے اس زیادہ سلگ کر کہا تھا۔

"کیونکہ میرے پاس جو خبر ہے وہ عروش سے متعلق ہی ہے۔" عمیر نے طنزیہ کہا۔

نمرہ اور تنوی نے بے ساختہ ایک دوسرے کو دیکھا۔

"کیا ہوا ہے عروش کو؟" نمرہ نے پوچھا۔

"اسے کچھ نہیں ہوا۔ دلچسپ بات یہ کہ اس بار اس نے کچھ کیا بھی نہیں۔ کارنامہ تو محترم سروش صاحب نے انجام دیا ہے۔"

دونوں کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

"سروش؟ کون سروش؟"

اب بنو مت نمرہ! جیسے تم جانتی ہو نہیں کہ سروش کون ہے۔"

عمیر نے سابقہ انداز میں کہا تھا۔

"تمہیں یاد ہے تنوی! مجھے لگتا تھا سروش، عروش کا کزن ہے۔" میرا شک درست تھا، سروش وہی لڑکا ہے جو عروش کا کزن ہے۔ اور اکثر کالج کے باہر کھڑا ہوتا ہے اور کالج کی بہت سی لڑکیاں اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ وہ ان سے محبت کرتا ہے اور ان ہی کے لیے کالج کے باہر کھڑا رہتا ہے۔ بہر حال گیٹ کیپر نے کئی دن سے اس پر نظر رکھی ہوئی تھی۔ پرسوں اس نے کسی اسٹوڈنٹ پر وسلنگ کی تو گیٹ کیپر نے پکڑ کر پٹائی کر دی۔ اس پر سروش نے جیب سے چاقو نکال کر گیٹ کیپر کو زخمی کر دیا۔ کالج کے تینوں گارڈز بھی وہیں موجود تھے انہوں نے سروش کو پکڑ کر کلیریکل آفس میں بند کر دیا اور ہیڈ کلرک نے پولیس بلوالی۔ اس دوران سروش دروازہ توڑنے کی کوشش کرتے ہوئے عروش کا نام لینے لگا۔ جب پولیس آئی تو سروش نے بیان دیا کہ گیٹ کیپر اس پر الزام لگا رہا ہے کیونکہ چند روز پہلے اس کی گاڑی سے اس گیٹ کیپر کو ٹکر لگ گئی تھی اور وہ اسی کا بدلہ لے رہا ہے۔ جبکہ وہ تو ہر روز

یہاں اپنی خالہ زاد بہن عروش کو پک اینڈ ڈراپ کرنے آتا ہے جو تھرڈ ایئر کی اسٹوڈنٹ ہے۔ انسپکٹر نے کہا کہ عروش کو بلوائیں جب عروش وہاں پہنچی تو اس سے عروش کے بیان کی تصدیق مانگی گئی۔ تصدیق کی ضرورت ہی نہیں تھی کیونکہ عروش نے جاتے ہی سروش کو پہچان لیا تھا تب انسپکٹر نے عروش کو بتایا کہ سروش کی جیب سے ہیروئن برآمد ہوئی ہے اور انہیں شک ہے وہ کالج کے باہر ہیروئن کی خرید وفروخت کا کام کرتا ہے۔ سروش کو ظاہر ہے پولیس پکڑ کر لے گئی۔ باقی بچی عروش تو اسے پرنسپل نے وارننگ دی ہے کہ اگر دوبارہ اس کا کزن نظر آیا تو اسے عروش کی غلطی شمار کیا جائے گا۔‘‘

’’لو......اس میں عروش کی کیا غلطی ہے؟‘‘ نمرہ نے جلدی سے کہا۔

’’تمہیں آج تک عروش کی غلطی نظر آئی ہے؟‘‘ عمیر نے سلگ کر کہا۔

’’مجھے ایک بات تو بتاؤ عمیرا! جو خبر کسی کو نہیں پتا ہوتی، وہ تم کو کیسے پتا چل جاتی ہے؟‘‘ نمرہ نے بے حد طنزیہ انداز میں پوچھا۔

’’مطلب؟‘‘ عمیر نے چونک کر اسے دیکھا۔

’’مطلب یہ کہ عروش کے کزن کے متعلق تم جو فرضی قصہ سنا رہی ہو اس کے بارے میں کسی اور کو تو نہیں پتا۔ کیا وجہ ہے کہ پورے کالج میں صرف تم کو ہی خبر ہو سکی؟‘‘ اس کا انداز ابھی بھی سابقہ تھا۔

’’تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا نمرہ! میں کیوں فرضی قصہ سناؤں گی۔‘‘ عمیر نے جھنجھلا کر کہا تھا ’’تمہیں پتا ہے میرے ابو کے کزن اس انسٹی ٹیوٹ کے ایگزیکٹو میں سے ہیں سروش کا قصہ میں نے ان ہی سے سنا ہے اور چونکہ ایسی باتیں کسی بھی ادارے کی ساکھ کو متاثر کر سکتی ہیں اسی لیے اسٹاف کے چند لوگوں کے درمیان سے یہ بات باہر نہیں نکلی۔ انکل نے مجھے بھی تاکید کی تھی کہ کسی سے ذکر نہ کروں لیکن چونکہ مجھے تمہاری فکر رہتی ہے اسی لیے تمہیں ساری بات بتا دی۔ سوچا ممکن ہے اسی طرح تمہارے سر سے اس کی دوستی و ہمدردی کا بھوت اُتر جائے۔‘‘ عمیر ایک ہی سانس میں بولتی چلی گئی۔

نمرہ لال چہرہ لیے اسے گھورتی رہی۔ پھر تنوی سے بولی۔

’’عروش پرنسپل کی ڈانٹ سن کر ہرٹ ہوئی ہوگی۔ ہمیں تسلی دینے اس کے پاس جانا چاہیے۔‘‘

’’ڈانٹ ہی پڑی ہے قضائے الٰہی سے وفات نہیں پا گئیں عروش صاحبہ کہ تم تعزیت کرنے پہنچ جاؤ۔‘‘

’’عمیرا!‘‘ تنوی نے معاملہ سلجھانا چاہا کہ دونوں ہی بے حد غصے میں آ گئی تھیں۔

’’تم چل رہی ہو تنوی؟‘‘ نمرہ نے عمیر کو نظر انداز کر کے پوچھا۔

تنوی مخمصے میں پڑ گئی۔ نمرہ کے ساتھ جاتی تو عمیر کو اعتراض ہوتا اور عمیر کی بات مانتی تو نمرہ نے خفا ہو جانا تھا۔

’’ٹھیک ہے تمہاری مرضی۔‘‘ نمرہ نے اسے تذبذب میں دیکھ کر سرد مہری سے کہا اور مخالف سمت پلٹی۔

’’تم نے تو کہا تھا تم نے عروش سے دوستی ختم کر دی ہے؟‘‘ عمیر نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ نمرہ نے گردن موڑ کر غضب ناک نظروں سے اسے دیکھا اور تیز تیز قدم اُٹھاتی چلی گئی۔

’’کیا ضرورت تھی تمہیں فضول کا قصہ سنانے کی؟‘‘ نمرہ کے جاتے ہی تنوی نے خفگی و جھنجھلاہٹ کے ساتھ کہا۔ ’’تمہیں پتا نہیں ہے وہ

عروش کے متعلق کچھ نہیں سنتی۔"

"تو پھر جھوٹ کیوں بولتی ہے کہ عروش سے دوستی ختم کر چکی ہے۔" عمیر تنک کر بولی تھی۔

"مجھے پتا تھا۔اس نے جھوٹ بولا ہے کہ عروش سے دوستی ختم کر چکی ہے۔تبھی میں نے سروش کے متعلق ساری بات بتائی کہ شاید اب وہ عبرت پکڑ لے اور عروش جیسی لڑکی سے منہ موڑ لے مگر نہ جی۔وہ نمرہ صاحبہ ہی کیا جن کی عقل میں کوئی بات سما جائے۔"

"نمرہ کو اتنا تو سمجھا چکے۔اب اسے اس کے حال پر چھوڑ دینا چاہیے۔" تنوی نے بیزاری سے کہا تھا۔"ویسے بھی عمیر! کوئی غلط کام کرتے ہوئے سروش پکڑا گیا ہے۔عروش تو نہیں۔"

"یا اللہ کس قدر احمق سہیلیاں ملی ہیں مجھے۔تم لوگ ہیڈ لائن سن کر تفصیلات کیوں نہیں سمجھ لیتیں؟ سروش جس کا اصل نام کچھ اور ہے۔کالج کے باہر کھڑا رہ کر جو کام کرتا تھا وہی کام عروش کالج کے اندر انجام دیتی ہے یعنی افیم اور ہیروئن کی سپلائی کا کام۔اب آیا عقل شریف میں کچھ؟"

عمیر نے اطمینان سے اس کے سر پر دھماکہ کیا تھا۔تنوی پہلے ہی ہونق تھی اس انکشاف پر بالکل ہی ہکا بکا رہ گئی۔

☆☆☆

"یار اکمل! کبھی تو دروازہ جلدی بھی کھول دیا کرو۔"

جلال جھنجھلاتا ہوا اندر داخل ہوا تھا۔اس کے کمرے میں ٹی وی فل والیوم میں چل رہا تھا۔دروازہ نیم وا ہونے کی وجہ سے آواز دروازے تک سنائی دے رہی تھی۔

"بھائی جان! میں چائے بنا رہا تھا۔" اکمل نے جلدی سے اپنی صفائی پیش کرنا چاہی "لیکن "بھائی جان" کا موڈ خراب تھا اسی پر اُلٹ پڑے۔

"کس کتاب میں لکھا ہے چائے بناتے ہوئے دروازہ نہیں کھولنا چاہیے؟ اور جھوٹ ذرا کم بولا کرو۔اتنی اونچی آواز میں ٹی وی سنو گے تو ڈور بیل خاک سنائی دے گی۔" وہ دروازہ دھکیل کر کمرے میں داخل ہوا۔

"آیئے۔آیئے جناب جلال الدین صاحب! آپ کے انتظار میں تو ہم کب سے دیدہ و دل فرش راہ کیے بیٹھے ہیں۔" اسے دیکھتے ہی صوفے پر نیم دراز واثق نے نعرہ بلند کیا تھا۔جلال ایک پل کے لیے چونکا صرف واثق ہی نہیں سعدی، جنید اور ارسل بھی موجود تھے۔کھڑکی کی سلائیڈ ہٹی ہوئی تھی اور دو ربین اسٹینڈ پر لگی تھی۔بیڈ پر ڈرائی فروٹ کی پلیٹ رکھی تھی جس میں ڈرائی فروٹس کی چھلکیاں ہی باقی رہ گئی تھیں۔

"تم لوگ کب آئے؟" اس نے ٹی وی کا والیوم کم کرتے ہوئے پوچھا۔

"عین اسی وقت۔جب تم سڑک پر کھڑے میرے حق پر ڈاکہ ڈال رہے تھے۔" سعدی نے جل کر کہا۔

"کیا!" جلال نے اچنبھے سے اسے دیکھا۔"میں تمہارے حق پر ڈاکہ کیوں ڈالوں گا۔خدا کا دیا سب کچھ ہے میرے پاس ہے۔کبھی ڈاکہ ڈالنے کی ضرورت ہی نہیں پڑی۔"

"اللہ۔اس معصومیت پر تو مر جانے کو دل چاہتا ہے۔" سعدی نے سابقہ انداز میں کہا۔

"میری مانو سعدی! اس بار تو دل کی مان ہی لو۔" ارسل نے فوراً مشورہ دے ڈالا جسے سعدی نے بڑی ناپسندیدگی سے ہضم کیا۔

"مجھ سے کوئی بات نہ کرے کیونکہ میرا موڈ سخت خراب ہو چکا ہے۔"

"لیکن کیوں؟" جلال نے پوچھا۔ "تمہارا موڈ کیوں خراب ہے۔ کچھ پتا تو چلے۔"

"جب عشق کی پینگیں بڑھا رہے تھے تب تو میرا خیال نہیں آیا۔" سعدی بُری طرح سلگ رہا تھا۔

جلال کو بری طرح جھٹکا لگا تھا۔

"سعدی! تیرا دماغ تو ٹھیک ہے؟"

"سعدی ٹھیک کہہ رہا ہے جے ڈی! ہم نے تو آج تک تم سے کچھ نہیں چھپایا جیسے بچے اسکول کے سارے قصے ماؤں کو سناتے ہیں۔ ویسے ہی ہم سب اپنا ہر افیئر تمہارے سامنے ڈسکس کرتے رہے ہیں اور تم ایسے گھنے میسنے ہو کہ کانوں کان خبر نہیں ہونے دی۔"

ارسل نے اپنی طرف سے اسے اچھی خاصی شرم دلائی تھی۔ جلال کے سر پر سے گزرا تھا سب کچھ۔

"میری نظروں کے سامنے سے دور ہو جاؤ۔ تم دوست نہیں آستین کا سانپ ہو۔ دوستی کے نام پر دھبہ ہو۔" سعدی نے غم و غصے سے اوور ایکٹنگ کی حد کر دی۔

"او بھائی! طعنے دینا بند کرو۔" جلال نے لجاجت سے کہا تھا۔

"اتنی باتیں سنانے کے بجائے اگر تم لوگ مجھے اصل بات بتا دو تو مہربانی ہوگی۔ یہ پہیلیاں مجھ سے نہیں بوجھی جاتیں۔"

"میرا بھوک سے برا حال ہے۔ پہلے کھانے کے لیے کچھ منگوا دو کیونکہ خالی پیٹ تو غم کا اظہار بھی میں ٹھیک سے نہیں کر پاؤں گا۔" سعدی نے خفگی سے کہا۔ جلال نے گہرا سانس بھر کر اکمل کو آواز دی اور کھانا لانے کے لیے کہا۔

"جب تک کھانا نہیں آتا۔ تم مجھے اصل بات بتا دو۔"

"اصل بات تو تم بتاؤ۔" سعدی نے کہا۔ "کون ہے وہ لڑکی جس سے باتیں کر رہے تھے؟ حالانکہ میں نے پہلے ہی بتا دیا تھا کہ اسے پہلے میں نے دیکھا تھا اس لیے وہ تم سب کی بھابھی ہوگی۔ ہونے والی بھابی سے "چکر" چلاتے تمہیں شرم نہیں آئی۔"

"لاحول ولا۔" جلال بری طرح جھنجلایا۔ "سعدی! کبھی سوچ سمجھ کر بھی بولا کرو۔ استغفراللہ۔ میں کیوں اپنی ہونے والی بھابھی۔ توبہ توبہ۔ تم نے اتنی گھٹیا بات سوچی بھی کیسے۔" اسے غصہ ہی آ گیا۔

"بس سوچ لی۔ تمہیں تو پتا ہے میں گھٹیا باتیں سوچنے میں کتنا بڑا چیمپئن ہوں۔" سعدی پر اس کے غصے کا رتی بھر بھی اثر نہیں ہوا تھا۔

"جے ڈی کی دھوکہ دہی نے سعدی کو پاگل کر دیا ہے۔" ارسل نے اعلان کیا۔ سعدی غم و غصے کی تصویر بنا بیٹھا تھا۔ جلال کو ترس سا آ گیا۔ نظریں کمرے کی تک گئیں۔

"تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے سعدی! میں اس لڑکی سے کوئی ایسی بات نہیں کر رہا تھا۔ جس پر تمہیں اعتراض ہو۔ تمہیں یاد ہے ارسل! ہم نے

ایک خاتون کو سڑک سے اُٹھا کر ہسپتال پہنچایا تھا۔ یہ لڑکی ان ہی کی بیٹی تھی۔ میرا شکریہ ادا کر رہی تھی کہ میں نے اس کی ماں کی مدد کی۔ بس اتنی سی بات تھی جس کا تم نے بتنگڑ بنالیا۔"

"شاباش۔ میں ابھی بیٹی کو کھڑکی سے دیکھ دیکھ کر خوش ہو رہا ہوں۔ اور تم اس کی اماں تک بھی پہنچ گئے۔ کیا بات ہے۔"

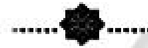
"چلو کوئی تو بزرگوں تک پہنچا۔ جے ڈی! اب سعدی کا رشتہ تم ہی لے کر جانا۔" جنید نے کہا۔

"اور جھڑکیاں کھا کر واپس آجانا کیونکہ سعدی کو اپنی بیٹی کا رشتہ صرف وہ دے گا جس نے بیٹی کی زندگی خراب کرنی ہو۔" واثق نے تمسخر اڑایا۔ تائید میں زبردست قہقہہ بلند ہوا تھا۔

"مجھے پتا ہے میری محبت کا راستہ صاف ہوتا دیکھ کر تم سب جل بھن گئے ہو۔ بس جے ڈی! مجھے ایسے جل ککڑوں کی ضرورت نہیں۔ آج سے صرف تم ہی میرے بہترین دوست ہو اور تب تک میرے بہترین دوست ہی رہو گے جب تک اپنی ہونے والی بھابھی سے میری دوستی نہیں کروا دیتے۔"

پچھلی باتیں بھول کر وہ جلال کے کندھے پر سوار ہو گیا۔ جلال کا دل چاہا سعدی کو ابھی بتا دے کہ وہ اس سلسلے میں اس کی کوئی مدد نہیں کرے گا مگر پھر اس بات کو کسی اور وقت پر ٹال کر واش روم میں گھس گیا۔ باہر سعدی دور بین سے چپکا اونچی اونچی تان لگا رہا تھا۔

"میرے سامنے والی کھڑکی میں۔"



ثمینہ کی حالت پہلے سے بہت بہتر تھی، پلاستر اُتر چکا تھا، لیکن بازو ہلانے جلانے میں ڈاکٹر نے خاصی احتیاط کی تاکید کی تھی، جس کی وجہ سے انہیں خاصی دقت کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ دوسرے کمزوری بھی بہت ہو گئی تھی۔ مسلسل ادویات کے استعمال کی وجہ سے طبیعت مکدر رہتی۔

اس روز فجر کی نماز ادا کر کے ماوی زبردستی انہیں قریبی پارک میں لے آئی کہ "آپ فریش محسوس کریں گی خود کو۔" لیکن دوسرے ہی چکر میں ثمینہ ہاتھ جھاڑ کر بیٹھ گئیں۔

"بس بھئی ماوی! میں تو تھک گئی اب اور نہیں چلا جائے گا مجھ سے۔" قریبی بینچ پر نشست سنبھالتے ہوئے انہوں نے کہا۔

"آپ بوڑھی ہو گئی ہیں ممی!"

"بوڑھے ہوں میرے دشمن! وہ تو ایکسیڈنٹ کی وجہ سے ویک نیس ہو گئی ہے، ورنہ تم سے پہلے اس پارک کے دس راؤنڈ لگا سکتی ہوں۔" ثمینہ نے ناک پر سے مکھی اڑاتے ہوئے کہا۔ ماوی نے شرارت سے انہیں دیکھا۔

"یہ بات تو آپ نے ڈبلن میں بھی کئی بار کہی تھی، لیکن خدا کے بعد میں گواہ ہوں، دو کے بعد تیسرا چکر آپ نے کبھی مکمل نہیں کیا۔"

"تم جیسی پوتی لڑکی کو کیا پتا، کبھی مارننگ واک کے لیے گھر سے نکلی بھی ہو۔" انہوں نے فوراً حساب برابر کیا۔

"اچھا آپ یہاں بیٹھیں۔ میں دو راؤنڈ اور لگاؤں گی۔" وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی ٹریک کی طرف چلی گئی۔ ثمینہ آرام دہ پوزیشن میں بیٹھ کر ارد گرد کا جائزہ لینے لگیں۔

پارک میں اتنی صبح بھی تقریباً ہر عمر کے مرد و خواتین حتیٰ کہ بچے بھی دکھائی دے رہے تھے، کچھ لوگ گھاس کے قطعات پر میٹ بچھائے یوگا اور مختلف ورزشیں کرنے میں مصروف تھے، ٹریک پر جاگنگ کرنے والوں سے زیادہ چہل قدمی کرنے والوں کی تعداد تھی۔ اندھیرا تقریباً چھٹ چکا تھا۔ لیکن سورج آسمان کے کناروں پر کہیں کروٹیں بدل رہا تھا اور دھوپ کا نام و نشان تک دکھائی نہ دیتا تھا۔ آسمان سے زمین تک صبح سویرے کی تازگی اور خنکی تنی ہوئی تھی۔ گھاس نم نم سی تھی۔ پودوں پر رات کا کہرا جمع تھا، جبکہ درختوں کے پتوں سے رات بھر کی شبنم بوندیں بن کر ٹپک رہی تھیں۔ آسمان پر صبح کے پرندے اڑان بھر رہے تھے اور ان کی دلکش آوازیں سارے میں بکھر جاتی تھیں۔

تب ہی ثروت اور اینیا آ گئیں۔ ثروت تو خیر واک کی عادی تھیں، اینیا یوں ہی آ گئی تھی۔

"ثمینہ آنٹی! آپ اکیلی آئی ہیں؟" اینیا نے پوچھا۔

"نہیں ماوی بھی آئی ہے۔ میں تھک گئی تو یہاں بیٹھ گئی۔ ماوی اپنے دو راؤنڈ پورے کر لے، پھر گھر جائیں گے۔"

"انو بیٹے! میرا ابھی موڈ نہیں ہے آج واک کرنے کا، تم چاہو تو ماوی کے ساتھ واک کر لو، میں یہاں ثمینہ کے پاس بیٹھتی ہوں۔" ثروت نے اینیا سے کہا تھا، وہ سر ہلا کر ماوی کے پاس چلی گئی۔ ثروت ثمینہ کے پاس بیٹھ کر حال احوال دریافت کرنے لگیں، لیکن ان کی متلاشی نظریں پارک میں حدِ نگاہ تک گھوم رہی تھیں۔

"ایسے درخت حویلی میں بہت تھے۔" معاً ثمینہ نے ایک قریبی درخت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا، جس کے پتے لمبے اور چپٹے تھے، ثروت نے چونک کر ثمینہ کو اور پھر درخت کو دیکھا۔

"سفیدے کے درخت تو پہچان تھے اس حویلی کی۔ ویسے حیرانی کی بات ہے اس حویلی میں چند روز گزارنے کے باوجود آپ کو یاد ہے۔" ثروت نے جیسے ثمینہ کی یادداشت سے متاثر ہوتے ہوئے کہا تھا۔

"چند روز میں پوری ایک زندگی......" ثمینہ نے گہری سانس بھرتے ہوئے کہا۔ "میں نے اپنی زندگی کے بدترین دن اس حویلی میں گزارے تھے۔ کبھی کبھی تو مجھے لگتا تھا۔ کسی دن میرا دماغ ہی پھٹ جائے گا اور اب بھی حیرانی ہوتی ہے کہ وہاں سے نکلتے ہوئے میرا ذہنی توازن کیسے درست رہ گیا۔" وہ جیسے اسی دور میں پہنچ گئی تھیں جو ان کی زندگی کا بدترین دور تھا۔

"میں تو آپ پر بہت رشک کرتی تھی کہ بڑے مناسب وقت پر آپ کی جان چھوٹ گئی۔" ثروت نے قدرے تعجب سے کہا تھا۔

"جان تو چھوٹ گئی تھی، مگر وقتی طور پر، اللہ نے قسمت میں دوبارہ اسی عقوبت خانے میں جانا لکھا ہوا تھا اور دوسری بار رہائی کی اتنی بڑی قیمت ادا کرنی پڑی مجھے کہ میری ساری زندگی ہی ویران ہو گئی۔ رہائی کی کچھ نہ کچھ قیمت تو ادا کرنا پڑتی ہے، لیکن اتنی بڑی قیمت......"

"میں سمجھی نہیں۔" ثروت نے کچھ الجھ کر انہیں دیکھا۔ ثمینہ کے چہرے پر دکھ کا سایہ لہرا رہا تھا۔ دل میں جیسے ٹیسیں سی اٹھنے لگیں۔

"ثمینہ!" جب وہ دیر تک خاموش رہیں اور اپنا غم چھپانے کو لبوں کو دانتوں سے کچلتی رہیں اور ان کی آنکھوں میں نمی سی دکھائی دینے لگی تو ثروت نے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

ثمینہ نے گہری سانس بھرتے ہوئے آنسوؤں کو پیچھے دھکیلا۔

"حویلی میں ماوی کے بابا کو کسی نے قتل کر دیا تھا۔ میں سہاگن بن کر اس حویلی میں گئی تھی، بیوہ بن کر نکلی۔ اس حویلی نے مجھے کچھ نہیں دیا۔ اُلٹا جو کچھ تھا، وہ بھی چھین لیا۔"

ثروت کے لیے یہ اتنا بڑا شاک تھا کہ وہ بڑی دیر تک کچھ بول ہی نہیں سکیں۔

"میرے خدایا! مجھے تو رجب بھائی کے بارے میں پتا ہی نہیں تھا۔ میں تو اب تک...... میں بھی، وہ آئرلینڈ میں ہوں گے۔"

ثروت صرف اتنا ہی کہہ سکیں، ان کے لیے تو یہ ایسی غیر معمولی اطلاع تھی جس پر یقین ہی نہیں آ رہا تھا۔

"میرے لیے یہ بہت ہی شاکنگ نیوز ہے۔ یقین مانیے ثمینہ! مجھے بہت دکھ ہوا ہے۔ رجب بھائی سے گو کہ میری زیادہ ملاقات نہیں ہوئی، لیکن میں جانتی ہوں وہ بہت اچھے انسان تھے۔ مستقیم سے بہت تعریف سنی تھی ان کی۔" ثروت نے جیسے مجبوراً مستقیم بھٹی کا نام لیا تھا۔

"اچھا...... حیرانی ہے۔ اس حویلی میں کوئی رجب کی تعریف بھی کرتا تھا۔" ثمینہ کے لہجے میں دکھ بھی تھا، تمسخر بھی۔

"کسی اور کا تو پتا نہیں، لیکن مستقیم اکثر ان کی تعریف کرتا تھا۔" ان دونوں کے درمیان چند لمحوں کی خاموشی حائل ہوئی، پھر ثروت نے ہی اس خاموشی کو توڑا۔

"مجھے احساس ہے ثمینہ! یہ ذکر آپ کو بہت دکھ پہنچا رہا ہوگا، لیکن مجھے تو یقین ہی نہیں آ رہا، کیسے ہوا یہ سب؟"

"چھوڑو ثروت! بڑی لمبی کہانی ہے یہ، پھر جو بات صرف دکھ دے اس کا بار بار ذکر کرنے کا فائدہ؟"

"اگر آپ مجھے رجب بھائی کے انتقال کی خبر سناتیں تو مجھے اتنی حیرانی نہ ہوتی، لیکن قتل...... وہ بھی حویلی کے اندر، ناقابلِ یقین۔"

"ناقابلِ یقین؟" ثمینہ نے کرب سے دہرایا۔ "اس حویلی نے کس کو خوشیاں دی تھیں ثروت! کہ غم کی خبر ناقابلِ یقین لگے۔ اپنی طرف دیکھو، میری زندگی دیکھو، وہ حویلی دکھوں کا برزخ تھی اور کچھ نہیں۔"

"انکوائری تو ضرور ہوئی ہوگی۔ آپ کو کسی پر شک تھا؟"

"جب حویلی سے نکلی تو ذہنی حالت ایسی نہیں تھی کہ کسی پر شک کر سکتی۔"

"ماوی جانتی ہے؟"

"کیا؟"

"یہی...... کہ اس کے والد کا قتل ہوا تھا۔"

ثمینہ نے آہستگی سے نفی میں سر ہلا دیا۔

"ماوی اس وقت بہت چھوٹی تھی، وہ یہی سمجھتی ہے اس کے بابا کا انتقال دل کا دورہ پڑنے سے ہوا تھا۔"

"جلال!" وہ سامنے سے جاگنگ کرتے ہوئے گزر رہا تھا، ثروت بے ساختہ پکار بیٹھیں۔ جلال نے گردن موڑ کر انہیں دیکھا، پھر اُلٹے

قدموں ان کے قریب آ گیا۔

"السلام علیکم۔"

"وعلیکم السلام، کیسے ہو جلال؟" ثروت نے پوچھا۔

"میں ٹھیک ہوں، آپ کیسی ہیں؟" وہ سدا کا با ادب تھا۔

"جلال! شبیہ آج جاگنگ کرنے نہیں آیا؟" اس کے سوال کا جواب سر ہلا کر دیتے ہوئے ثروت نے اشتیاق و بے چینی بھرنے لہجے میں پوچھا۔

"وہ تو مجھ سے بھی پہلے ہی پارک آ گیا تھا۔" جلال نے اِدھر اُدھر شبیہ کو تلاش کرتے ہوئے کہا۔ "وہ دیکھیں، اس طرف ایکسر سائز کر رہا ہے۔" اس نے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

ثروت کی آنکھوں میں نور سا اُتر آیا تھا۔ شبیہ بھی اسی طرف دیکھ رہا تھا۔ مگر نظر ملتے ہی اس نے ناگواری سے چہرہ موڑ لیا۔ ثروت کے دل کو دھکا سا لگا، مگر......

ثمینہ، جلال سے کہہ رہی تھیں۔

"تم سے تو بھئی میں سخت خفا ہوں، اچھی مدد کی، شکریہ کا موقع بھی نہیں دیا۔"

"آنٹی! آپ لوگ اتنا شکریہ ادا کرتے ہیں کہ میں شرمندہ ہو جاتا ہوں، پہلے آپ کے بھائی نے شکریہ کہا پھر آپ کی بیٹی نے بھی یہی کہا، اب آپ بھی شکریہ کہہ رہی ہیں۔ بلیوی، کوئی اتنا بڑا کام نہیں کیا میں نے کہ آپ لوگ شکریہ ہی کہتے رہیں۔" جلال نے بے چارگی سے کہا، ثمینہ ہنس دیں۔

"اچھا دوبارہ کوئی شکریہ نہیں کہے گا لیکن ذرا یہ پلاستر اُتر جائے، پھر میں تمہیں کھانے پر انوائٹ کروں گی دیکھو انکار مت کرنا۔ بھئی مجھے بھی تو لگنا چاہیے کہ میں نے اپنے محسن کا شکریہ اچھے طریقے سے ادا کیا ہے۔" ثمینہ نے بے حد اپنائیت سے کہا تھا۔ جلال انکار نہیں کر سکا۔ اثبات میں سر ہلایا اور خواتین کو خدا حافظ کہہ کر چلا گیا۔

ثروت خاموش بیٹھی اس طرف دیکھ رہی تھیں جہاں ہری باڑھ کے پیچھے شبیہ کی جھلک دکھائی دے رہی تھی۔

"آپ جلال کو کیسے جانتی ہیں؟"

"جلال ہی مجھے ہاسپٹل لے گیا تھا بڑی مدد کی اس نے میری۔"

"ویسے بڑا اچھا لڑکا ہے۔ دل کا تو بہت ہی اچھا ہے۔" ثروت نے کہا۔ "ورنہ مجھ سے کیا رشتہ ہے کہ اتنی تمیز تہذیب سے ملے۔ ماشاء اللہ بہت نیک ہے، ماں باپ خوش قسمت ہیں جلال کے۔"

"اور تمہارا بیٹا!" ثمینہ نے پوچھا۔ "میرا مطلب ہے تمہارے بیٹے کے ماں باپ خوش قسمت نہیں ہیں؟"

"باپ خوش قسمت ہے اور ماں...... جس کی شکل اس کا بیٹا دیکھنا ہی نہ چاہے وہ ماں کتنی خوش قسمت ہو سکتی ہے؟" ثروت کے لبوں پر مجروح سی مسکراہٹ تھی۔ ثمینہ نے ان کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر تسلی آمیز انداز میں تھپتھپایا۔

"میں نے کہا ناں ثروت! وہ حویلی دکھوں کا برزخ تھی۔ جس سے کسی کو کوئی سکھ نہیں مل سکا۔"

"اینٹ گارے کی حویلیاں کسی کو دکھ نہیں دیتیں ثمینہ! حویلیوں میں بسنے والے پتھر انسان دکھ دیتے ہیں۔" ثروت کے لہجے سے آنچ آتی تھی۔

پھر دونوں خاموش ہو گئیں حتیٰ کہ سورج کی کرنیں درختوں سے اُتر کر سب گھاس پر پھیل گئیں۔

☆☆☆

"میں کل سے یہاں نہیں آؤں گا شہر میں اور بہت سے پارک ہیں جہاں جاگنگ کے لیے جایا جا سکتا ہے۔"

شبیہ نے جلال کے ساتھ ٹریک پر دوڑتے ہوئے تلخی بھری سنجیدگی سے کہا تھا۔

"اس پارک میں کیا برائی نظر آ گئی؟" جلال نے لحظہ بھر کے لیے گردن موڑ کر اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"کس قدر بھیڑ رہتی ہے یہاں۔ پارک کم چڑیا گھر زیادہ لگتا ہے۔ ہر ایرا غیرا منہ اُٹھا کر آنے لگا ہے۔" گو کہ یہ بڑا ہی احمقانہ اعتراض تھا لیکن جلال نے تحمل سے برداشت کیا۔

"یہ پبلک پارک ہے محترم! آپ کا پرائیویٹ پارک نہیں کہ جو بھی آئے آپ کی اجازت لے کر آئے۔"

شبیہ نے اس بات پر کڑی نظروں سے اسے گھورا تھا۔

"اسی لیے کہہ رہا ہوں کل سے کسی اور پارک میں جاؤں گا۔" اس نے سلگ کر کہا۔ "تم اطمینان سے یہاں آنا اور آتی جاتی "آنٹیوں" کو سلام کرتے رہنا۔" اس نے جیسے دانتوں کے بیچ جلال کو پیس ڈالا۔

"اچھا۔ اب سمجھا۔ غصہ کس بات کا ہے۔" شبیہ کی ناراضی کے ڈر کے باوجود وہ اپنی بے ساختہ ہنسی روک نہیں سکا۔

"تم بھی سلام کر لیتے۔" اس نے مشورہ دیا۔

"کس خوشی میں ہے۔" وہ تاؤ کھا گیا۔

"نیکیاں ملتی ہیں۔" جلال نے معلومات میں اضافہ کیا۔

"تمہیں مبارک ہوں یہ نیکیاں۔ اور بہت سے طریقے ہیں نیکیاں جمع کرنے کے۔" اس نے جل کر کہا۔

"یار شبیہ! کیا ہو جاتا اگر تم سلام کر لیتے۔ چھوٹا سا سلام کرنے میں کتنا ٹائم لگتا ہے۔ وہ بے چاری اتنے میں ہی خوش ہو جاتیں۔"

"جے ڈی! میرا دماغ پہلے ہی گرم ہو چکا ہے۔ بے تکی نصیحت کا اُلٹا اثر ہوا تو نتائج کے ذمہ دار تم خود ہو گے۔ رشتہ داریاں نبھانے کا شوق ہے، نبھاؤ، مجھے انوالو کرنے کی ضرورت نہیں۔"

"وہ میری نہیں تمہاری رشتہ دار ہیں۔ رشتہ بھی ایسا جو کبھی ختم نہیں ہو سکتا۔ میری رشتہ داری تو اسی دن ختم ہو گئی تھی جس روز تایا جان نے انہیں طلاق دی تھی۔ میں ان سے ملتا ہوں یا ان کی ریسپیکٹ کرتا ہوں تو صرف تمہاری وجہ سے۔"

ابھی اس نے اتنا ہی کہا تھا کہ شبیہ نے گردن موڑ کر ایک کڑی چبھتی ہوئی نگاہ جلال پر ڈالی اور رفتار بڑھاتا آگے نکل گیا۔ جلال

نے گہری سانس بھرا سے دیکھا۔

"یہ نہیں سدھر سکتا۔" اس نے تاسف سے سر ہلاتے ہوئے سوچا تھا۔

☆☆☆

"میں تو بھئی ایسی ہی ہوں۔ وہ جو کہتے ہیں کان کو سامنے سے پکڑا جائے یا سر کے پیچھے سے ہاتھ گھما کر۔ پکڑا تو ہر حال کان ہی جائے گا اسی طرح مجھے ہٹ دھرم کہہ لو۔ ڈھیٹ کہہ لو یا مستقل مزاج۔ بات تو ایک ہی ہے۔"

ماوی نے ایک چھوٹا سا قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔ پارک سے واپس جاتے ہوئے وہ اپنی شخصیت کے مختلف پہلوؤں پر بڑی دل جمعی سے روشنی ڈال رہی تھی۔ یہ بھی اچھا تھا کہ ثمینہ، ثروت کے ساتھ کئی قدم آگے چل رہی تھیں۔ ورنہ ایک دلچسپ بحث تو ضرور ہی چھڑ جاتی۔

"مجھے اپنی فیملی سے بہت محبت ہے۔ بڑے ماموں، ممانی جان، فیضان ماما، شہروز، شزا سب سے بہت محبت ہے لیکن سب سے زیادہ محبت ممی سے ہے۔ ممی وہ دنیا کی واحد شخصیت ہیں جن کے لیے میں کچھ بھی کر سکتی ہوں۔ اپنی زندگی کا ہر فیصلہ بدل سکتی ہوں۔"

"بچپن میں مجھے اسکول بنک کرنے میں بڑا مزہ آتا تھا۔ شہروز مجھ سے بڑا تھا، شزا چھوٹی۔ میں دونوں کو ورغلا کر گھومنے پھرنے نکل جاتی تھی اور پھر ممی سے بڑے غضب کی ڈانٹ کھاتی تھی، مگر آفرین ہے میری ڈھٹائی پر۔ مجال ہے جو کبھی اس ڈانٹ کا اثر لیا ہو، ہاں وقتی طور پر شرمندہ ضرور ہوتی تھی اور پکا فیصلہ کرتی تھی اب کوئی ایسا کام نہیں کروں گی کہ ممی کو ڈانٹنے یا خفا ہونے کا موقع ملے۔ لیکن یہ ایک اور فیصلہ تھا جو ہر بار بدل جاتا۔"

اس کے کھنکتے لہجے کا تاثر ہنوز تھا جیسے خود ہی اپنی شرارتیں یاد کر کے محظوظ ہو رہی ہو۔

"ایک مرتبہ ڈبلن کے سائیڈ ایریا میں سرکس لگی۔ میں حسب معمول اسکول بنک کر کے دیکھنے پہنچ گئی۔ وہاں ایک کرتب تھا کہ بازیگر گہرے سے کنویں میں موٹر بائیک اور کار چلاتے تھے۔ میں اتنی متاثر ہوئی کہ خود بھی یہ کرتب کرنے کے لیے مچل اٹھی۔ اگلے ہی دن سے بائیک چلانا سیکھنے لگی اور ٹھیک تیسرے روز کنویں میں بائیک چلانے پہنچ گئی۔"

"پھر......؟" یہاں ماوی نے خاموشی کا ایک ڈرامائی سا وقفہ لیا تھا، اینیا تجسس سے پھڑک اٹھی۔

"پھر" اس نے بے چینی سے پوچھا۔ ماوی گہری سانس بھر کر بولی۔

"پھر کیا...... تین دن کی پریکٹس کے بعد بائیک تو مہارت سے نہیں چلائی جا سکتی تھی صرف فریکچر ہی کروایا جا سکتا تھا سو میں نے بائیں ٹانگ تڑوالی، ممی خوب روئیں اور پورے آٹھ دن مجھ سے بول چال بند رکھی۔ نویں روز میں نے غصے میں آ کر بیس بال بیٹ سے پڑوسیوں کے لڑکے کا سر پھاڑ دیا۔ اس کی ممی آئیں ہم سے خوب جھگڑا کیا۔ وہ لوگ ہالینڈ سے آئے تھے۔ "ڈچ" بولتے تھے میں اس سے بالکل نابلد تھی۔ بعد میں فیضان ماما نے بتایا وہ گالیاں دے رہی تھی۔ بڑی مشکل سے اسے "ٹھنڈا" کر کے بھیجا ہے۔ گالیوں والی بات سن کر مجھے اور غصہ آیا۔ میں نے دوبارہ بیٹ اٹھایا تو ممی نے کہا اب گھر سے باہر نکلو گی تو دوسری ٹانگ بھی توڑ دوں گی۔ میں نے کہا ابھی صرف دائیں طرف والے پڑوسی کا سر توڑا ہے۔ آپ دسویں دن بول چال بند رکھیں گی تو بائیں طرف والے پڑوسی کا سر پھاڑ دوں گی، گیارہویں دن بھی بات نہیں کریں گے تو سامنے والوں کے لڑکے کا

سر بھی میرے ہاتھوں سے نہیں بچے گا۔ ابھی بات سامنے والوں تک ہی پہنچی تھی کہ ممی نے سفید جھنڈی لہرا کر سیز فائر کر دیا اور یوں ہماری صلح ہو گئی۔"

محاورتاً نہیں حقیقتاً ہنس ہنس کر اینیا کے پیٹ میں بل پڑ چکے تھے۔

"میرے اللہ! تم کس قدر لڑاکا ہوتی تھیں ماوی!"

"اس میں لڑاکا والی کیا بات ہے اور تم پلیز ہنسو نہیں، اس صلح کا بڑا بھاری جرمانہ بھرنا پڑا تھا مجھے۔" اس نے دکھی لہجے میں کہا۔

"اچھا؟ وہ کیا؟"

"ممی سے وعدہ کرنا پڑا کہ میں دوبارہ کبھی کنویں میں بائیک چلانے کی بات نہیں کروں گی، نہ ہی کبھی اس بارے میں سوچوں گی۔ بات کرنا میں نے چھوڑ دیا لیکن سوچ پر پابندی نہیں لگا سکتی تھی۔ رچرڈ گیئر کی کی فلم میں ڈائیلاگ سنا تھا۔" جو خواہشات پوری نہ ہوں وہ زندگی کا ناسور بن جاتی ہیں۔" مجھے لگتا ہے میری یہ خواہش بھی ناسور بن چکی ہے تم یقین کرو گی اینیا! مجھے خواب میں اکثر نظر آتا ہے کہ میں کنویں میں بائیک چلا رہی ہوں۔"

اس کے بات کرنے کا انداز بے حد دلچسپ تھا۔ چہرہ بے حد سنجیدہ آنکھیں بے پناہ شرارت سے جگر جگر کرتی ہوئی اینیا کی ہنسی نہ رکتی تھی۔

"ارے۔ تم ہنستی جا رہی ہو جیسے میں لطیفے سنا رہی ہوں۔ لاحول ولا۔ میری اتنی بڑی خواہش......" اس نے دہائی دی پھر خود بھی مسکرانے لگی پھر ذرا سنجیدہ ہو کر بولی۔

"اچھا سنو۔ میری ممی کو مت بتانا کہ میں خواب میں بائیک چلاتی ہوں۔ انہیں گھبراہٹ ہونا شروع ہو جائے گی پھر میرے خواب دیکھنے پر بھی پابندی لگا دیں گی۔"

"ایک بات سمجھ میں نہیں آئی۔" اینیا نے کہا۔" ثمینہ آنٹی کا غصہ پڑوسیوں کے لڑکے پر کیوں نکالا تھا تم نے؟"

اس سوال پر ماوی نے پہلے قہقہہ لگایا پھر بولی۔

"ممی کا تو ایکچوئلی بہانہ تھا۔ دراصل اس نے چار روز پہلے شہروز سے جھگڑا کیا تھا اور اس کے چہرے پر ناخن مار دیے تھے میں نے اسی بات کا بدلہ لیا تھا۔" وہ مزے سے آنکھیں مٹکا کر بولی تھی۔

"ناخن مارنے کی اتنی بڑی سزا؟" اینیا کو تعجب ہوا۔

"کوئی بڑی سزا نہیں تھی۔ میرا بس چلتا تو اس گدھے کو بوٹیاں کر کے اسی کے پالتو کتے کو کھلا دیتی۔ یار اینیا! تمہیں شاید عجیب لگے لیکن میں خود سے وابستہ لوگوں کے لیے بڑی پوزیسیو ہوں۔ کوئی انہیں تکلیف پہنچائے تو مجھ سے برداشت نہیں ہوتا، خون کھولنے لگتا ہے میرا جب تک بدلہ نہ لے لوں سکون ہی نہیں آتا۔"

"اور یہ شہروز صاحب کون ہیں؟"

"یہ لو۔ اتنے دن سے مجھے جانتی ہو۔ تمہیں ابھی تک یہی نہیں پتا کہ شہروز کون ہے؟" ماوی نے یوں کہا جیسے بڑے افسوس کی بات ہو۔

"کیا بہت ہی تاریخ ساز شخصیت ہیں۔" اینیا نے اس کے انداز سے قیاس لگایا۔

''یہی سمجھ لو۔ منگنی کی تاریخ تو اسی نے طے کی تھی۔''

''مطلب؟'' وہ خاک نہ سمجھی۔

''یار! شہروز، فیاض ماموں کا بیٹا ہے، یعنی میرا سابقہ کزن اور حالیہ منگیتر۔'' ماوی کے لیے یہ اطلاع عام سی تھی اینیا کے لیے نہیں۔

''تم انگیجڈ ہو۔ تم نے بتایا ہی نہیں؟''

''اچھا۔ نہیں بتایا؟ حیرانی ہے۔ میں تو سب کو بتا دیتی ہوں۔''

''لو یا ارینج؟'' اینیا نے دلچسپی سے پوچھا۔

''دونوں۔'' ماوی نے کندھے اچکا دیے۔

''خود کی منگنی ہو چکی ہے اور ماموں...... جو عمر میں تم سے بڑے ہیں۔ وہ یونہی گھوم رہے ہیں۔'' اینیا نے گفتگو کا رخ فیضان کی جانب موڑنا چاہا تھا۔

''فیضان ماما شادی کے لیے ہاں تو بھریں میں ان کی منگنی شادی سب ایک ہی دن میں کروا دوں گی۔'' ماوی جوش سے بولی۔

دونوں کچھ دیر خاموش رہیں اینیا اگلے سوال کے لیے پر تول رہی تھی۔

''ماوی!''

''ہوں۔'' وہ گردن گھما گھما کر عادتاً اردگرد کا جائزہ لے رہی تھی۔

''فیضان ماما عمر میں تم سے کتنے بڑے ہوں گے۔'' اس نے خود کو لاپرواظاہر کرتے ہوئے پوچھا لیکن...... لیکن دل وجان سے جواب کی منتظر تھی۔

''پہلی بات تو یہ کہ فیضان ماما میرے ماموں ہیں۔ برائے مہربانی انہیں میرا ہی ماموں رہنے دو، زبردستی ان کی بھانجی بننے کی کوشش نہ کرو۔ دوسری بات یہ کہ مجھے تمہاری ساری چالاکیاں خوب اچھی طرح سے سمجھ آ رہی ہیں۔ اگر تم چالاک ہو تو میں بھی کچھ کم نہیں ہوں الحمدللہ۔ یہ جو تم گھما پھرا کر میری عمر معلوم کرنے کی کوشش کر رہی ہو ناں تو اس سے باز آ جاؤ۔ دنیا ادھر کی اُدھر ہو جائے میں تمہیں اپنی اصل عمر کا پتا چلنے نہیں دوں گی اور تیسری اور آخری بات یہ کہ معصوم سی شکل بنا کر تم میرے ماما کے بارے میں کرید کرید کے سوال کیوں پوچھتی رہتی ہو؟ آخر چکر کیا ہے؟''

وہ ایک دم گھوم کر اس کے سامنے آئی اور گہری نظروں سے اس کا جائزہ لینے لگی۔ اینیا کے ہاتھوں کے توتے سب اُڑ گئے۔ وہ اتنی بری طرح شپٹائی کہ زندگی میں کبھی نہ شپٹائی ہو گی۔

''کیا۔ کیا کہہ رہی ہو ماوی؟''

''وہی۔ جو تم سمجھ رہی ہو اور چاہتی ہو کہ میں نہ سمجھوں۔'' ماوی نے ترنت کہا۔

''پتا نہیں کیا کہہ رہی ہو؟ عجیب ہو تم ماوی؟'' اس نے پیچھا چھڑانا چاہا لیکن وہ ماوی ہی کیا جو اتنے آرام سے جان بخش دے۔

''عجیب نہیں ہوں، بے حد ذہین ہوں اور اتنی خوبصورت کہ دس ٹیوب لائٹس لے کر بھی ڈھونڈو گی تو مجھ سی حسین لڑکی نہیں ملے گی۔'' ماوی نے اترا کر کہا۔ اجیا کو ہنسی آ گئی۔

''تمہارے حسن کا میں نے اچار نہیں ڈالنا خوبصورت لڑکی!''

''اب آگے سے ہٹو مجھے اندر جانا ہے، بہت بھوک لگی ہے، ناشتہ......''

''نہیں ہٹوں گی پہلے مجھے اصل بات بتاؤ۔'' ماوی نے اڑیل پن سے کہا۔

''ارے کوئی بات ہے ہی نہیں۔ میں نے تو یونہی ایک بات پوچھ لی تھی۔ تم نے پر کا کوا بنا دیا۔''

''تو یہ کوئی معمولی کام ہے؟ صرف ٹیلنٹڈ لوگ ہی یہ کام کر سکتے ہیں۔ ورنہ میں تمہیں درجن بھر ''پر'' لا دوں گی۔ بنا کر دکھانا کوا۔'' اس نے اطمینان سے بے پر کی ہانکی۔

''ماوی!'' اجیا کو تاؤ ہی آ گیا۔ ''تم انتہائی کمینی، فسادن اور۔ اور......''

''ذہین۔ عقل مند۔'' ماوی نے جھٹ سے لقمہ دیا۔

''جی نہیں۔ کٹنی، فسادن اور مکار ہو۔ بات کا بتنگڑ بنا دیا۔ ہٹو مجھے تم سے بات ہی نہیں کرنی۔'' وہ غصہ کر کے جیسے رستہ تڑوا کر بھاگی۔

''بات بے شک نہ کرو لیکن مدد کی ضرورت ہو تو بتا دینا۔ جو مجھ سے بات نہ کرے، میں ان کی بھی مدد کر دیتی ہوں۔''

ماوی نے کھلکھلاتے ہوئے لہجے میں آواز لگائی تھی۔ اجیا نے مڑ کر بھی نہیں دیکھا۔ مبادا وہ اس کے چہرے سے ہی اس ''راز'' کا سراغ پا لے جس کا اظہار وہ خود اپنے آپ سے بھی کرتے ڈرتی تھی۔

☆☆☆

''مجھے یقین نہیں آ رہا عبیرا!''

ٹھیک دو روز بعد تنوی نے کینٹین میں بیٹھ کر عبیر سے کہا تھا اس کے لہجے سے زمانے بھر کا تاسف اور بے یقینی چھلکتی تھی۔

یہ ایک ابر آلود دن تھا، کچھ دیر پہلے موسلا دھار بارش برس کر دھیمی ہوئی تھی اور اب کن من بوندوں کی صورت زمین کی گود سیراب کر رہی تھی۔ اب ایسے غضب موسم میں کلاس رومز میں کون ٹکتا۔ ٹیچرز نے اسٹاف روم کی راہ لی۔ اسٹوڈنٹس برآمدوں میں بکھر کر موسم کا لطف لینے لگیں، جنہیں وہاں جگہ نہ ملی انہوں نے کینٹین پر قبضہ جما لیا۔ وہ دونوں حسب معمول کونے کی میز پر اور کھڑکی کے پہلو میں بیٹھی تھیں جب تنوی نے کھڑکی سے باہر لڑیوں کی صورت میں برستی بوندوں کو دیکھتے ہوئے افسردگی سے کہا۔

''ظاہر ہے میری بات پر تمہیں یقین آئے گا بھی کیسے؟'' عبیر نے تندہی سے پلیٹ میں رکھے سموسے کا کچومر نکالتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔

''خود سموسہ کھا کر دیکھو پھر میری بات پر یقین آئے گا کہ آج سموسوں میں آلو تو ڈالے ہی نہیں ہیں شمیم آنٹی نے۔ اس کینٹین کا معیار دن بدن گرتا جا رہا ہے۔'' عبیر نے ناک چڑھا کر کہا تھا تنوی کی بے یقینی، تاسف، سنجیدگی پر جیسے ٹھنڈا پانی آ گرا۔ اس نے گھور کر عبیر کو دیکھا۔

''میں عروش کی بات کر رہی تھی۔''

''اچھا۔'' اس نے قدرے تعجب کے ساتھ کہا، پھر ہلکا سا قہقہہ لگایا۔

''میں بھی سموسے کی بات کر رہی ہو۔'' وہ پھر پلیٹ پر جھکی۔

''عبیر کی بچی! کس قدر پیٹو ہو تم۔'' تنوی نے پلیٹ اُٹھا کر اس کی پہنچ سے دور کی۔

''میری پلیٹ واپس کرو تنوی!'' عبیر نے روہانسی ہو کر کہا۔

''خود تو تم چڑیا جتنا کھاتی ہو اور چاہتی ہو کوئی دوسرا بھی نہ کھائے۔''

''لیکن میں بتا دوں تم سے دوستی اپنی جگہ اور سموسے سے میرا عشق اپنی جگہ، کوئی میرے اور سموسے کے درمیان آئے میں قطعاً برداشت نہیں کروں گی۔ تمہارے لیے یہی بہتر ہوگا کہ میری سموسے والی پلیٹ مجھے واپس کر دو ورنہ ابھی اس کینٹین میں لاشیں بچھ جائیں گی۔'' اچانک اس نے دھمکاتے ہوئے کہا۔

تنوی نے اس کی غیر سنجیدگی پر گھور کر دیکھا پھر پلیٹ اس کے سامنے پٹخ دی۔

''ایک دن کھا کھا کر پھٹ جاؤ گی عبیر!''

''تمہارے منہ میں خاک۔'' عبیر نے خوش دلی سے کہا، پلیٹ سامنے کی اور مزے سے کھانے لگی۔

''ایک سموسہ کھا کر کچھ حواس ٹھکانے آئے ہیں۔ ہاں اب بولو۔ کس بات پر یقین نہیں آ رہا۔'' اس نے خود کلامی کرتے ہوئے پوچھا۔

''عروش والی بات پر۔ یہی کہ وہ نشہ آور چیزیں فروخت کرتی ہے۔ یار! اس سے خریدتا کون ہوگا؟'' تنوی نے معصومیت سے پوچھا۔ ظاہر ہے اس بار غصہ کرنے کی باری عبیر کی تھی۔

''تنوی! اس قدر عقل مندانہ سوال تمہارے ذہن میں آتے کہاں سے ہیں؟ ظاہر ہے کالج کی لڑکیاں خریدتی ہوں گی۔'' اس نے آواز دبا کر کہا۔

''سب؟'' ایک اور سوال آیا۔

''سب کیوں خریدیں گی! صرف وہ خریدتی ہیں جو عقل سے پیدل، ناعاقبت اندیش، نا ہنجار، نالائق لڑکیاں ہوتی ہیں۔ وہی ایسی چیزیں لیتی ہیں۔ اور ہاں جن کے پاس ضرورت سے زیادہ پیسہ ہوتا ہے وہ بھی خریدتی ہیں۔''

''عبیر!'' تنوی نے تفکر سے کہا۔ ''تمہارے خیال میں نمرہ بھی یہ سب لیتی ہوگی؟''

عبیر، نمرہ کے نام پر سنجیدہ ہو گئی۔ اس نے چند لمحے سوچا۔ ''ابھی تک تو نہیں۔ میرا خیال ہے۔ دیکھو میں سو فیصد پر یقین نہیں ہوں۔ لیکن جس رفتار سے وہ عروش کے قریب ہو رہی ہے۔ وہ وقت دور نہیں جب وہ ڈرگز استعمال کرنے لگے گی۔'' اس نے پیش گوئی کی۔

تنوی خوف زدہ ہو گئی کیونکہ عبیر کی پیش گوئیاں عموماً درست ثابت ہوتی تھیں۔

"ہمیں اس کے گھر والوں کو انفارم کرنا چاہیے۔" تنوی نے خیال ظاہر کیا۔

"ہمارے پاس ثبوت نہیں ہے تنوی!" عبیر نے رسان سے کہا۔

"اور ثبوت کے بغیر وہ لوگ ہماری بات کیوں سنیں گے۔خوامخواہ ہماری بے عزتی ہو جائے گی۔"

"مجھے حیرانی ہے اگر یہ ساری باتیں تمہارے انکل کو معلوم ہیں تو وہ عروش کے خلاف ایکشن کیوں نہیں لیتے؟"

"میں نے انکل سے پوچھا تھا تو وہ کہنے لگے ہم بھی کسی ٹھوس ثبوت کی تلاش میں ہیں کیونکہ جو لوگ غلط کام کر رہے ہوتے ہیں وہ اتنی آسانی سے قابو نہیں آتے۔عروش پر شک سب سے پہلے ٹیچر زرتاشیہ کو ہوا تھا جو ہاسٹل میں رہتی ہیں۔عروش کا ہاسٹل میں بہت آنا جانا تھا تب سے ٹیچر زرتاشیہ اور کچھ اور ٹیچرز اس کی نگرانی کر رہی ہیں مگر مجال ہے جو عروش اپنے پیچھے کوئی ثبوت چھوڑ دے۔"

"مجھے تو ثمرہ کی فکر ہو رہی ہے۔اگر وہ بھی عروش سے ڈرگز لینے لگی تو......" تنوی بے دھیانی میں زور سے بولی تھی لیکن جملہ پورا ہونے سے پہلے عبیر نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔

"خدارا!! اپنا والیوم ہلکا رکھو۔سارے زمانے کو بتاؤ گی کیا۔" اس نے جھنجلاتے ہوئے کہا تھا۔تنوی شرمساری ہو کر خاموشی ہو رہی۔

"انکل نے کہا تھا کسی اور کو ان باتوں کی بھنک بھی نہ پڑے لیکن میں نے جذباتیت میں تمہیں اور ثمرہ کو بتا دیا۔مقصد صرف یہی تھا کہ وہ خوف زدہ ہو جائے اور عروش سے دور رہے۔لیکن اب مجھے لگ رہا ہے مجھ سے تھوڑی سی غلطی ہو گئی۔اتنی جلدی ثمرہ کو ڈرگز والی بات نہیں بتانا چاہیے تھی۔وہ جا کر عروش کو ضرور بتائے گی اور عروش محتاط ہو کر اپنی سرگرمیاں محدود کر دے گی۔اس طرح تو اس کے خلاف ثبوت ملے گا نہ وہ کالج سے نکالی جائے گی۔پچھلے چار سال سے مستقل کالج میں نگی ہوئی ہے،یقیناً اس کی بیک پر کوئی اسٹرونگ پارٹی ہے۔عروش کے خلاف ثبوت جمع کرنے کے لیے کوئی اور چکر چلانا پڑے گا۔"

عبیر خود کلامی کے انداز میں بول رہی تھی اور تنوی ہونقوں کی طرح اسے بولتا سن رہی تھی۔جب عبیر خاموش ہوتی تو اس نے رشک آمیز انداز میں کہا۔

"ماشاءاللہ عبیر! تمہارا دماغ تو کسی جاسوسی فلم کے ڈیٹیکٹو (جاسوس) سے بھی زیادہ تیز چلتا ہے۔"

"بس جی۔اللہ کا کرم ہے ورنہ بندی کسی قابل کہاں۔"

عبیر نے عاجزی سے کہا اور ایک اور سموسے کا کچومر نکالنے لگی۔

☆☆☆

اینا بڑی دیر سے کتابوں سے سر کھپا رہی تھی مگر مجال ہے جو ایک لفظ بھی سمجھ آ رہا ہو۔

عجب بیزاری سی بیزاری تھی۔

تھک ہار کر اس نے ہاتھ میں پکڑی کتاب بیڈ پر پٹخی اور وہیں کتابوں پر سر رکھ کر آڑھی ترچھی ہو کر لیٹ گئی اور اسی بات پر غور کرنے لگی جس

پر دل و دماغ کی مکمل آمادگی ظاہر ہوتی تھی۔

لیکن ہوتا یوں ہے کہ بعض اوقات دل و دماغ کی آمادگی بھی کسی نتیجہ پر پہنچنے میں معاون ثابت نہیں ہوتی۔ شاید اسی لیے وہ کشمکش کا شکار تھی بلکہ کشمکش بھی کیا تھی، سوچ کا ایک نقطہ ہی تھا جو اس کے حواس پر چھایا ہوا تھا۔ دراصل ہر نظر کا ایک طلسم ہوتا ہے۔

اور ہر طلسم ایک نئی دنیا کی دریافت کی کنجی۔

کنجی دل کی بھی ہوتی ہے۔

لیکن دل کا دماغ نہیں ہوتا جو بیٹھ کر سود وزیاں کا فیصلہ کرے۔ دماغ ہوتا تو دل بنا سوچے سمجھے اس وادی پرخار میں قدم دھرنے کی حماقت نہ کرتا جس کی دہلیز توجہ کی کنکریوں سے مل کر بنتی ہے۔

''توجہ؟'' وہ کھنکی پھر سر پر ہاتھ مارتی اُٹھ بیٹھی۔

''انہوں نے مجھ پر کب توجہ دی جو میں اتنا کچھ سوچ رہی ہوں۔''

یا اللہ! وہ جھنجلا کر بیڈ سے اُتری اور سر سے ہر سوچ جھٹکتی دوپٹہ کندھوں پر ڈال کر کمرے سے باہر آ گئی۔

(وہ نہیں جانتی تھی توجہ کی حیثیت مضبوط سہی لیکن محبت ہمیشہ بے خبری میں نقب لگاتی ہے۔ انجانے میں وار کر دیتی ہے۔ محبت، محبت سہی مگر ہے کمبخت)

اس کا رخ ولی اور ولید کے کمرے کی طرف تھا۔ فی الحال وہ کسی ایسی چیز کی تلاش میں تھی جو اس کے ذہن سے ببل گم کی طرح چپکے ان عجیب و غریب خیالات کو نکال دے۔

گیلری سے گزرتے ہوئے اس نے سرسری سی نگاہ نیچے لاؤنج میں ڈالی، دانیال حسن کے ساتھ فیضان مہدی لاؤنج کے صوفوں پر بیٹھے دکھائی دے رہے تھے۔ سینٹرل ٹیبل پر فائلز رکھی ہوئی تھیں ان کی گفتگو کی آواز ہلکی سی بھنبھناہٹ کی صورت میں اس کی سماعت سے ٹکرا رہی تھی اور لگتا تھا بڑی سنجیدہ گفتگو ہو رہی ہے۔ وہ ایک فائل اٹھاتے ایک رکھتے۔ گویا بری طرح غرق تھے۔

اینیا بے ارادہ ہی گرل پر کہنیاں ٹکا کر انہیں دیکھنے لگی۔ دیکھتی رہی، دیکھتی رہی، دیکھتی رہی۔

''آخر ایسا کیا ہے ان میں کہ میں مستقل انہی کے بارے میں سوچ رہی ہوں۔ نہ صرف سوچ رہی ہوں بلکہ دل ہی دل میں کہیں اس خدشے کا شکار بھی ہو گئی ہوں کہ جو میں محسوس کر رہی ہوں وہ محبت تو نہیں۔'' پھر اس نے سر جھٹکا۔

''محبت ایسے ہوتی ہے۔ کسی کے لیے پسندیدگی کے جذبات ہونے کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہوتا کہ ان فیلنگز کو محبت کا نام دے دیا جائے۔''

بالآخر وہ نتیجہ پر پہنچ ہی گئی، اسی وقت فیضان نے سر اُٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔ اینیا جو بے دھیانی میں جانے کب سے انہیں دیکھ رہی تھی سٹپٹا کر وہاں سے ہٹ گئی۔

فیضان نے لاشعوری طور پر سر اُٹھایا تھا لیکن اسے دیکھ کر مسکرانے کے لیے پر تول ہی رہے تھے کہ وہ ہٹ گئی۔ فیضان متعجب ہوئے اور وہ

خفیف سے ہو کر فائلز پر جھک گئے۔

اینا بوکھلاہٹ میں دھاڑ سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی۔

"ولی! کیا کر رہے ہو؟" ولی اپنی جھونک میں تھا بری طرح ڈر گیا۔

"تمہیں کیا ہوا ہے انو؟"

"مجھے؟ کچھ نہیں۔"

"پھر اس طرح کمرے میں کیوں آئی ہو؟" وہ جھنجھلایا۔

"آں۔" اینا نے پل بھر کو سوچا پھر دانت نکال کر بولی۔

"میں تمہیں سرپرائز دینا چاہ رہی تھی۔"

"وہ۔" اس نے ہاتھ پھیلایا۔

"کیا؟" اس نے ناسمجھی سے پوچھا۔

"سرپرائز؟" ولی اور جھنجھلایا۔

"میں نے ارادہ بدل دیا ہے۔" اینا نے جلدی سے کہا پھر پوچھنے لگی۔ "کیا کر رہے ہو ولی؟ چلو لان میں چل کر بیڈمنٹن کھیلتے ہیں۔"

"پھر کبھی سہی۔ ابھی میں بزی ہوں۔" ولی نے رخ پھیرتے ہوئے کہا۔

"کر کیا رہے ہو؟" وہ اندر آ گئی۔ ولی پلے اسٹیشن سیٹ کیے بیٹھا تھا۔

"گیم کھیل رہا ہوں۔ پتا ہے انو! میں نے Highest اسکور بنایا ہے۔" اس نے بہت خوش ہو کر اطلاع دی۔

"میں بھی کھیلوں گی۔" وہ اس کے ساتھ آ کر بیٹھ گئی اور دوسرا ریموٹ کنٹرول سیٹ کرنے لگی۔

"کیا کر رہی ہو۔ میری گیم بیچ میں خراب کراؤ گی۔" ولی نے غصے سے کہا۔ "بعد میں کھیل لینا ابھی مجھے کھیلنے دو۔"

"میں بہت بوریت محسوس کر رہی ہوں ولی! پلیز کھیلنے دو ناں۔"

ناچار ولی کو اس کی بات ماننا پڑی۔ وہ کچھ دیر اینا کو گیم کے رولز سمجھاتا رہا پھر جب گیم شروع ہوا تو ولی نے گردن موڑ کر اینا کو دیکھا پھر جھجکتے ہوئے کہنے لگا۔

"انو! ایک بات پوچھوں؟"

"ہوں۔" وہ بری طرح گیم میں غرق تھی۔

"تمہیں نہیں لگتا ڈیڈی بدل گئے ہیں؟" اس نے پُر سوچ انداز میں کہا تھا۔ "وہ پہلے ایسے غصہ نہیں کرتے تھے جیسے اب کرتے ہیں، ہر وقت غصے میں رہنے لگے ہیں۔ مجھے کتنی مرتبہ ڈانٹا بھی ہے۔ آئی تھنک ان کا ممی سے بھی جھگڑا ہوا ہے۔"

"ایں۔" اینیابری طرح چونکی اس کے ہاتھ ریموٹ کنٹرول پر سست پڑ گئے۔

"تمہیں ایسا کیوں لگ رہا ہے ولی!"

"بتا تو رہا ہوں انہوں نے مجھے پورے پانچ بار بہت غصے سے ڈانٹا ہے، پھر ممی اور ڈیڈی ایک دوسرے سے بات بھی نہیں کرتے۔تم نے نوٹس نہیں کیا؟"

وہ الجھا الجھا سا بول رہا تھا۔اینیا کو بڑا عجیب سا احساس دامن گیر ہوا۔محسوس تو وہ بھی کر رہی تھی کہ ممی ڈیڈی ایک دوسرے سے پھرے کھنچے کھنچے سے رہنے لگے ہیں لیکن وہ تو اکثر ہی ان کے رویوں کی کھٹ پٹ محسوس کرتی رہتی تھی، یہ کوئی نئی بات تو نہیں تھی۔البتہ ولی کا اس سنجیدگی سے محسوس کر لینا ضرور نئی بات تھی۔

"ایسی تو کوئی بات نہیں ہے ولی! تمہیں یونہی محسوس ہوا ہوگا۔"

اس نے ولی کا ذہن بٹانے کی غرض سے لاپرواہی سے کہا تھا۔

"تمہیں کیسے پتا؟ تم نے ممی ڈیڈی سے پوچھا ہے۔"

اینیا اس سوال پر پل بھر کے لیے گڑبڑا گئی۔

"نہیں۔پوچھا تو نہیں ہے۔" پھر فوراً بولی۔

"ولی! تمہیں غلط فہمی ہوئی ہوگی۔ڈیڈی ضرور اپنے آفس کے کسی کام میں اُلجھے ہوں گے تبھی تمہیں ڈانٹ دیا۔ویسے بھی وہ آج کل اپنے بزنس کے سلسلے میں اتنے اُلجھے ہوئے ہیں کہ کھانے پینے کا بھی انہیں ہوش نہیں ہے۔"

بطور خاص غصہ کرنے کی فرصت کہاں سے نکال سکتے ہیں۔پھر ممی اور ڈیڈی کا جھگڑا تو ہو ہی نہیں سکتا۔وہ بہت لونگ ہیں ولی! تم نے کبھی انہیں جھگڑا کرتے ہوئے دیکھا ہے۔"

"جھگڑا کرتے ہوئے نہیں دیکھا لیکن......کبھی پیار سے بات کرتے بھی نہیں دیکھا۔" وہ اُلجھا اُلجھا سا بول رہا تھا جیسے خود بھی سمجھ نہ پا رہا ہو کہ اس کے ذہن میں سمائی ہوئی، اُلجھن کیا ہے۔

"او بھائی! تو ممی ڈیڈی پر غور کرنے کے ساتھ ساتھ ٹی وی دیکھنا بھی کم کر دے۔ہاہاہا۔"

اچانک ولید نے واش روم سے نکلتے ہوئے کہا تھا، وہ نہا کے نکلا تھا اور تاول سے اپنا سر رگڑتے ہوئے ولی پر ہنس رہا تھا۔

"پیار سے بات کرتے نہیں دیکھا۔یہ اتنی مزاحیہ بات ہے کہ مجھے لگ رہا ہے۔ہنس ہنس کر میرا پیٹ پھٹ جائے گا۔موٹے آلو۔تمہارا کیا خیال ہے ہمارے ممی ڈیڈی کو بھی فلمی ممی ڈیڈی کی طرح رومانس جھاڑتے نظر آنا چاہیے؟ ہاہا۔"

"میں نے یہ نہیں کہا۔" ولی نے سنجیدگی سے کہا۔

"پھر کیا فرما رہے ہیں آپ، محترم آلو صاحب پلیز ریپیٹ اٹ اگین۔ویسے دیکھ لو نو میں اس کو موٹی عقل کہتا ہوں تو غلط نہیں کہتا۔شوق ملا

حظ فرماؤ جناب کے۔"

ولید! بی ہیو یور سیلف۔ اینیا نے جھنجھلا کر کہا تھا۔ ولی نے ریموٹ کنٹرول کارپٹ پر پھینکا اور صوفے کے پاس جا کر سلیپر پہننے لگا۔

"تم لوگ مجھے بچہ سمجھتے ہو، مگر میں نہ تو بچہ ہوں نہ ہی بیوقوف کہ تم لوگ مجھے ایسی باتوں سے ٹرخاؤ۔ میں تم لوگوں سے دوبارہ بات ہی نہیں کروں گا۔ کسی عقل مند کو ڈھونڈوں گا بات کرنے کے لیے۔" وہ غصے سے باہر نکل گیا۔ ولید اور اینیا اسے آوازیں دیتے رہ گئے لیکن ولی نے پلٹ کر بھی نہیں دیکھا تھا۔

"بتاؤ۔ اب اس آلو کو ہم عقل مند آدمی ہی نہیں لگتے۔ امیزنگ۔"

"تمہیں کیا ضرورت تھی ولی سے ایسی باتیں کرنے کی؟" اینیا نے جھنجھلاتے ہوئے کہا۔

"میں تو صرف اسے بہلانے کی کوشش کر رہا تھا۔" اس نے وارڈروب سے ایک شرٹ نکالتے ہوئے کہا۔

"اس طرح......؟"

"پھر کس طرح؟" ولید نے الٹا اسی سے پوچھا۔ اینیا نے سر جھٹکا اور گہرا سانس بھرتے ہوئے اسکرین کی طرف متوجہ ہو گئی لیکن حقیقتاً اس کا دل گیم سے بری طرح اچاٹ ہو چکا تھا۔

☆☆☆

ماوی اپنی ہی دھن میں مگن چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی برآمدے کی سیڑھیاں چڑھ رہی تھی کہ ولی غلیل سے چھوٹے پتھر کی طرح باہر نکلا۔ ماوی نے بے ساختہ اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر حقیقتاً اس کے بریکس لگوائے تھے۔ ورنہ زبردست ٹکر ہونا تھی۔

"مائی گاڈ......! اس رفتار سے تو نان اسٹاپ ٹرین بھی نہیں چلتی ہو گی جس رفتار سے تم چل رہے ہو، دھیان سے ولی! بے دھیانی میں کہیں کوئٹہ نہ پہنچ جانا۔"

اس کے ہلکے پھلکے مذاق پر بھی ولی کے تاثرات نہ بدلے۔

"سامنے سے ہٹو، میں جا رہا ہوں۔" اس نے ناراضی سے کہا تھا۔

"جا کہاں رہے ہو؟" اس نے تن کر کھڑے ہوتے ہوئے کہا تھا۔

"خودکشی کرنے جا رہا ہوں۔" اس نے جھنجھلا کر کہا تھا۔

"اچھا......اچھا......میں سمجھی گھر چھوڑ کر جا رہے ہو۔" ماوی نے سر ہلاتے ہوئے کہا تھا، جیسے گھر چھوڑنا خودکشی سے بڑی بات ہو۔

ولی کا غصہ اور بھی بڑھ گیا، وہ ایک طرف سے ہو کر آگے بڑھنے لگا، ماوی پھر جلدی سے سامنے آ گئی۔

"خودکشی کرنے کی ایسی بھی کیا جلدی؟ پھر کبھی کر لینا، ابھی میرے ساتھ چل کر کیرم کھیلو۔"

"میرا موڈ نہیں ہے۔" وہ بے اعتنائی سے بولا۔

''اچھا سائیکلنگ کے بارے میں کیا خیال ہے؟'' اس نے ایک اور حربہ آزمایا۔

''اوہو بھئی...... میں لڑکیوں کے ساتھ نہیں کھیلتا۔'' ولی نے اکتا کر کہا تھا۔ ماوی کو بڑے زور کی ہنسی آئی، جسے اس نے بمشکل روکا۔

''کیوں؟''

''کیونکہ لڑکیاں بزدل ہوتی ہیں۔'' ولی نے گردن اکڑا کر کہا تھا۔ ''ہار کر رونے لگتی ہیں۔''

''میں نہیں روؤں گی۔'' ماوی نے جلدی سے کہا۔ ''بلکہ شرط لگاتے ہیں، اگر میں ہار گئی تو تمہیں ایک آئس کریم کھلاؤں گی اور جیت گئی تو دو کھلاؤں گی۔''

ولی سوچ میں پڑ گیا، پھر اسی طرح پوچھنے لگا۔

''تمہارے پاس سائیکل ہے؟''

''یہ دو سائیکل، پڑی تو ہیں۔'' اس نے ڈرائیو وے کے ایک سائیڈ پر کھڑی اسپورٹس سائیکل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''ان میں سے ایک میری ہے، لیکن دوسری ولید کی ہے۔ وہ اپنی سائیکل لینے پر بعد میں جھگڑا کرے گا۔'' ولی نے اسے خبردار کرنا چاہا۔

''ارے ولید کی ایسی کی تیسی۔ اسے میں دیکھ لوں گی، تم بس پوزیشن سنبھالو۔'' ماوی نے لاپروائی سے کہا، لیکن اس سے قبل کہ سائیکل کی طرف جاتی، ثمینہ کی آواز سنائی دینے لگی، وہ انیکسی کے باہر کھڑی اسے پکار رہی تھیں۔

ماوی، ولی سے انتظار کرنے کا کہہ کر ان کی طرف آ گئی۔

''شہروز کا فون ہے۔'' وہ کارڈلیس پکڑے کھڑی تھیں۔ ماوی نے فون جلدی سے کان سے لگا لیا۔

''ہیلو شہروز!''

''شکر ہے تمہاری آواز بھی سننے کو ملی۔'' شہروز نے چھوٹتے ہی کسی قدر ناراضی سے کہا تھا۔

''تمہیں میری آواز سننے کا اتنا شوق ہے تو میں ہر روز تمہیں کال کر سکتی ہوں۔'' ماوی نے حسب عادت ہنس کر کہا تھا۔

''یہ بات تو تم ہر بار کہتی ہو، مگر مجال ہے جو کبھی خود کال کی ہو، میری کال ہی اٹینڈ کر لو تو بڑی بات ہوتی ہے۔''

ماوی اب اس بار کھٹکی۔ شہروز کچھ زیادہ ہی خفا لگ رہا تھا۔

''تمہیں ذرا بھی احساس ہے، کل سارا دن میں تمہارے لیے کتنا فکر مند رہا ہوں۔ سیل فون پر کال کرو تو تم اٹینڈ کرنے کی زحمت نہیں کرتیں، لینڈ لائن پر کرنے کا فائدہ ہی نہیں، کیونکہ سارا دن تو تم گھر سے باہر رہتی ہو۔''

''ارے، میں بتانا ہی بھول گئی، میرا سیل فون کل لائبریری میں ہی رہ گیا تھا۔ اگر تم ممی کے سیل پر کال کرتے تو مجھ سے بات ہو سکتی تھی۔''

''تم سے سیل سنبھالا نہیں جاتا تو لیتی ہی کیوں ہو؟'' شہروز نے گہری سانس بھر کر اسے لتاڑا۔ ''اب نیا مت خریدنا، حد ہوتی ہے لاپروائی اور غیر ذمہ داری کی۔''

''تم فکر مت کرو شہروز! شادی کے بعد میں سیل فونز پر تمہارا خرچہ نہیں کروایا کروں گی۔'' ماوی نے جلدی سے کہا تھا۔

''جانے دو، مجھے اچھے خواب نہ دکھاؤ، اچھی طرح اندازہ ہے شادی کے بعد تم میری جیب کتنی ہلکی رکھنے والی ہو۔''

''سوسویٹ آف یو شہروز! تم مجھے کتنی اچھی طرح سمجھتے ہو۔'' وہ شرارتی انداز میں گویا ہوئی تھی۔

''کاش! میں بھی تمہارے بارے میں یہی کہہ سکتا۔''

''مطلب؟''

''مطلب یہ کہ میرا برتھ ڈے چھ روز پہلے گزر چکا اور اس سال بھی تم کو مجھے وش کرنا یاد نہیں رہا۔''

ماوی نے بے ساختہ دانتوں تلے زبان دباتے ہوئے سر پر ہاتھ مارا تھا۔ تاریخیں یاد رکھنے کے معاملے میں اس کی یادداشت بے حد کمزور تھی۔ وہ جتنا ایسے معاملات میں لاپرواتھی، شہروز اتنا ہی ان باتوں کو اہم سمجھتا تھا۔ وہ ہر سال عہد کرتی کہ شہروز کو سب سے پہلے وش کرے گی اور ہر سال شہروز کو ہی اسے یاد کروانا پڑتا۔

''اب خاموش رہ کر کوئی اچھا سا بہانا ڈھونڈ رہی ہو؟''

''بالکل نہیں۔'' ماوی نے ڈھٹائی سے کہا تھا۔ ''میں تو سوچ رہی تھی چھ دن اتنے زیادہ تو نہیں ہیں کہ میں اب وش نہ کر سکوں؟''

''کوئی ضرورت نہیں ہے۔'' شہروز نے تڑخ کر کہا تھا۔

''جانے دو شہروز! اب بڑے ہو جاؤ۔''

اس نے ہنسی دباتے ہوئے کہا۔ ''یہ ایسی بڑی بات نہیں ہے کہ تم بچوں کی طرح خفا ہو۔''

''تم لڑکیوں کو ایسا کیوں لگتا ہے کہ لڑکے کسی بات پر خفا ہوتے ہیں تو وہ بچوں جیسی بات ہوتی ہے؟ مجھے ایک بات بتاؤ میں تو آج تک تم سے متعلق کوئی بات نہیں بھولا، تم میرا برتھ ڈے یاد نہیں رکھ سکتیں؟ اگر کبھی میں بھول جاؤں تو؟''

''بھول کر بھی ایسی غلطی مت کرنا، میں تمہارا سر پھاڑ دوں گی۔'' اس نے نخرے سے کہا تھا۔

''دیکھا...... میں نے تو تمہارا سر نہیں پھاڑا۔ یہاں تک کوئی لڑکا کسی لڑکی کا سر نہیں پھاڑتا، لیکن اگر یہی غلطی لڑکے سے ہو تو لڑکی اسے کبھی نہیں بخشتی۔''

''ہاں تو ٹھیک ہے نا، لڑکیوں کا حق ہوتا ہے کہ تم لڑکے ان کے ناز اُٹھاؤ۔''

''تم لڑکیاں کمال ہوتی ہو۔'' اس نے سلگ کر کہا تھا۔ ''حقوق و فرائض بھی خود ہی طے کر لیتی ہو۔ کسی دوسرے کے مشورے کے بغیر۔''

''لگتا ہے لڑکیوں پر آج کل بڑی ریسرچ ہو رہی ہے۔'' اس نے مزے سے چڑایا۔

''ابھی تو میں ایک مصیبت کو سمجھ نہیں پایا۔ بہت ساری لڑکیوں پر ریسرچ کرنے کی کوشش میں پاگل ہونا ہے۔''

وہ شہروز کو چڑانا چاہ رہی تھی، لیکن اس بات پر خود ہی چڑ گئی۔

"مجھے مصیبت کہہ رہے ہو؟"

"نہیں...... تمہیں کیسے کہہ سکتا ہوں۔" شہروز نے سنجیدگی سے کہا تھا۔

"تمہارے لیے تو مصیبت سے بڑا کوئی لفظ ہونا چاہیے۔"

"شہروز!" وہ جل کر خاک ہوئی۔ "تم بہت بدتمیز ہو، میں فون بند کر رہی ہوں۔"

"کیوں؟"

"مجھے ولی کے ساتھ سائیکلنگ کے لیے جانا ہے۔"

شہروز خاموش رہا، یہاں تک کہ ماوی کو لگا لائن کٹ چکی ہے۔

"ٹھیک ہے تم جاؤ، میں رات کو کال کروں گا۔"

"نہیں...... تم مت کرنا۔ رات کو کال میں کروں گی۔ ورنہ تم تو ساری زندگی مجھے جتاتے ہی رہو گے۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا تھا، شہروز نے ہنس کر فون بند کر دیا۔

ماوی نے دیکھا، ولی سائیکل کی چین چڑھا رہا تھا، اس نے کارڈلیس وہیں برآمدے کے جھولے پر رکھ دیا اور ولی کی طرف چل دی۔ پھر اس تھوڑی سی تفریح کا اور کوئی فائدہ ہوا یا نہیں، البتہ یہ ضرور ہوا کہ ولی کے ذہن پر چھایا بوجھل پن ختم ہو گیا اور ولی سے چھوٹی چھوٹی باتیں کرتے ہوئے ماوی کی بوریت بھی دور ہو گئی۔

☆☆☆

دھول سے اٹی سڑک پر دین محمد کی ماں اور جنت آگے پیچھے چل رہی تھیں۔ دین محمد کی ماں عام دیہاتی عورتوں کی طرح کا عام لباس پہنے ہوئے تھی اور اسی مخصوص انداز میں اس نے چادر اوڑھی ہوئی تھی۔ ضعیفی کی وجہ سے اس کے کندھے جھکے ہوئے تھے، لیکن جھکے ہوئے کندھوں کے باوجود زورآور اور بڑھیا معلوم ہوتی تھی۔ جنت اس سے چند قدم آگے چل رہی تھی، وہ سرخ رنگ کی شلوار کے ساتھ سبز قمیص اور سرخ دوپٹہ اوڑھے ہوئے تھی۔ سرخ رنگ میں اس کی رنگت چاندنی کی طرح چمک رہی تھی۔

بہترین رنگ روپ، تیکھے نین نقش اور اچھی اٹھان اسے ماں، باپ سے وراثت میں ملی تھی۔ دین محمد کی ماں کو لگتا تھا جنت کا قد دنوں کے حساب سے بڑھ رہا ہے اور جوں جوں اس کا قد بڑھ رہا تھا توں توں دین محمد کی عقل بڑھنے کی بجائے گھٹتی جا رہی تھی۔

جنت کی عمر اس وقت ساڑھے نو برس تھی اور دین محمد نے اسے تقریباً ہتھیلی کا چھالہ بنا رکھا تھا۔ دین محمد کی آنکھوں پر اس کی محبت نے گویا پٹی باندھ رکھی تھی اور عقل پر دھول جھونک دی تھی اور یہ صورت حال اس عورت کے لیے بڑی تشویش ناک تھی جو دین محمد کی ماں تھی اور جس کی زندگی ہر گزرتے دن کے ساتھ کم ہو رہی تھی۔

وہ جب بھی دین محمد کو بے جا طرف داری کرتے دیکھتی اسے بے ساختہ زہرہ یاد آ جاتی اور اس کی آنکھیں بھیگ جاتیں۔

اگرچہ دین محمد کے خوف سے وہ اپنی پریشانیوں کا ذکر کسی سے نہیں کرتی تھی، لیکن دین محمد کی جنت کے معاملے اختیار کی ہوئی غلط روش برادری میں کسی سے بھی ڈھکی چھپی نہیں رہی تھی۔ شاید اسی لیے دین محمد کی خالہ نے اسے مشورہ دیا تھا۔

''دین محمد کو ٹھیک کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے، اس کی شادی کردے۔'' اس کی بہن نے کہا تھا۔

''کہتا ہے جنت پہ سوتیلی ماں نہیں لاؤں گا۔''

''جنت کی محبت نے دین محمد کو بالکل ہی باؤلا کردیا ہے، میری مان آپا! جنت کو بڑے پیر جی کے دربار پر لے کر جا۔ وہاں جا کر ساری نحوستیں ختم ہو جاتی ہیں۔ مزار پہ منت کی چادر چڑھوانا۔ جنت کے ہاتھوں اور دروازے سے اُٹھا کر تبرک جنت کو کھلانا اور دین محمد کو بھی کھلانا۔ پیر جی کا ہاتھ جس کے سر پر پڑ جائے ان کے سائے میں جو بندہ آ جائے پھر مجال نہیں کہ عقل کے دروازے نہ کھلیں۔'' بہن نے دین محمد کی ماں کو ایک نئی راہ دکھائی۔ درباروں اور مزاروں پر جانے کی وہ خود بھی شوقین تھی۔ بڑے پیر جی سے تو اسے بے حد عقیدت تھی، کیونکہ ان کا شجرۂ نسب حضرت عبدالقادر جیلانیؒ سے ملتا تھا۔ پتا نہیں اس بات میں کتنی صداقت تھی، دین محمد کی ماں نے کبھی اس پہلو پر غور نہیں کیا تھا، کیونکہ اس کی عمر کے افراد کا ماننا تھا ایسی باتوں پر غور کرنا یا سوال اُٹھانا گناہ کے زمرے میں آتا ہے، اس لیے ان کو جوں کا توں تسلیم کر لینا چاہیے۔ لیکن دین محمد کو مزاروں پر جانا پسند نہیں تھا، اس لیے وہ اس سے اجازت لیے بنا جنت کو اپنے ساتھ لے گئی تھی۔ لیکن اب گھر کی طرف جاتے ہوئے یک دم دین محمد کی خفگی کا خیال ستانے لگا تھا۔

''سن جنت!'' جنت چلتے چلتے گردن موڑ کر سوالیہ نظروں سے دادی کو دیکھنے لگی۔

''دین محمد سے ذکر کرنے کی ضرورت نہیں کہ ہم مزار پر گئے تھے اور نہ ہی یہ بتانا کہ میں نے تجھے لنگر لے کر کھلایا تھا۔'' اس کی تاکید پر جنت نے سعادت مندی سے سر ہلا دیا۔ گھر اب کچھ ہی دور رہ گیا تھا اور پھاگن کی ہوا گاؤں کی گلیوں میں آزادانہ گھوم رہی تھی۔ وہ دونوں گھر میں داخل ہوئیں تو آنگن میں لگے درخت کے پتے ہوا سے یہاں وہاں اڑ رہے تھے۔ دین محمد کی ماں نے ملازمہ کو بری طرح جھڑکا، پھر پانی پلانے کے بعد آنگن صاف کرنے کا حکم دے کر اپنے کمرے میں آ گئی۔ بڑے پیر جی کا دربار ساتھ والے گاؤں کے آخر میں تھا اور ساتھ والا گاؤں تین کوس دور تھا۔ دین محمد کی ماں نے مزار تک جانے کے لیے کبھی کوئی سواری استعمال نہیں کی تھی۔ وہ ہمیشہ پیدل آتی جاتی تھی۔ لیکن اب وہ بوڑھی ہو چکی تھی، پیدل آنے جانے کی مشقت نے اس کے بوڑھے بدن کو بری طرح تھکا دیا تھا۔ وہ رنگین پایوں والے پلنگ پر بیٹھ کر اپنے پیر سہلانے لگی، سارا جسم بری طرح تھک چکا تھا، وہ ذرا سا ستانے کی غرض سے لیٹ گئی۔ یہاں تک کہ اس کا بوڑھا وجود نیند میں ڈوب گیا۔ پتا نہیں پھر وہ کتنی دیر سوتی رہی، لیکن جب دوبارہ اس کی آنکھ کھلی تو آنگن سے شام کے رنگ کسی نے چرا کر وہاں سیاہی کی دوات الٹ دی تھی۔

''اُٹھ اماں!'' معاً اس نے دین محمد کی آواز سنی۔ وہ پلنگ کے دائیں جانب پائنتی کی طرف کھڑا کہہ رہا تھا۔ دین محمد کی ماں کو ایک دم احساس ہوا کہ اس کی آنکھ بھی دین محمد کی آواز سے ہی کھلی تھی۔

''کیا بات ہے دین محمد!''

''اماں! تو اُٹھ کر اپنا سامان باندھ لے، میں تجھے باجی زبیدہ کے گھر چھوڑ دیتا ہوں۔''

"کیا کہہ رہا ہے دین محمد!" اس کی ماں نے ناسمجھی سے اس کی طرف دیکھا۔ دین محمد بے حد سنجیدہ دکھائی دے رہا تھا۔

"تُو اپنا سامان سمیٹ لے اماں! اب سے تجھے باجی زبیدہ کے گھر ہی رہنا پڑے گا۔"

"کیا بول رہا ہے دین محمد؟ تو ہوش میں تو ہے؟ میں بیٹی کے گھر جا کر رہتی کیا اچھی لگوں گی۔" اسے دین محمد کی بات سن کر تعجب ہوا تھا۔

"اچھی لگے کہ بری لگے۔ لیکن اب تو میرے گھر میں نہیں رہ سکتی۔ میری جنت کے پیر دیکھے ہیں کیسے زخمی ہو گئے ہیں۔ تجھے کیا ضرورت تھی اسے مزار پر لے جانے کی۔" دین محمد نے تقریباً غراتے ہوئے کہا تھا۔ اس کی ماں ہکا بکا رہ گئی۔ بے ساختہ اس نے جنت کی طرف دیکھا جو دروازے کے قریب کھڑی ساری کارروائی دیکھ رہی تھی۔

"وہ......میں......تو......"

"تُو نے اسے لنگر کھلایا، کیا میری بیٹی فقیر کی اولاد ہے، جو لوگوں کا بانٹا ہوا لنگر کھائے۔ میں اپنی بیٹی کو سونے کا نوالہ کھلاتا ہوں اور تُو...... آج یہ کیا ہے میری بیٹی کے ساتھ، کل کچھ اور کرے گی۔ بس اماں! بہت ہوا، اب تو اس گھر میں نہیں رہ سکتی، باجی زبیدہ کے گھر میں رہے گی تو شاید بیٹے اور پوتی کی قدر آ جائے۔" اس نے سفاکی سے کہا تھا۔

"نہیں دین محمد! مجھے گھر سے نہ نکال۔ اس عمر میں بیٹی کے گھر جا کر رہوں۔ میرا بڑھاپا خوار ہو جائے گا۔" دین محمد کی ماں نے روتے ہوئے کہا۔ دین محمد اس کے رونے اور منت پر یک دم خاموش ہو گیا تھا، لیکن اس کے چہرے سے غصہ ختم نہیں ہوا تھا۔

"جو میری شہزادیوں جیسی بیٹی کو تکلیف پہنچائے، میں اسے کبھی معاف نہیں کر سکتا اماں! تیرے لیے یہ آخری موقع ہے اگلی بار تو نے جنت کو تکلیف پہنچائی تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا یاد رکھنا۔" اس نے انگلی اٹھا کر کہا اور کمرے سے باہر نکل گیا جنت نے دادی کو سر جھکائے دیکھا، پھر خود بھی باپ کے پیچھے لپکی۔ دین محمد کی ماں کی سکڑی ہوئی آنکھوں سے آنسو ٹپک رہے تھے اور چہرے کی جھریوں میں پھیل رہے تھے۔ اس کا بیٹا پہلے بھی اسے ڈانٹ لیتا تھا، وہ اکثر اسے کھری کھری سناتا رہتا تھا، لیکن آج تو اس نے سارا لحاظ ختم کر دیا تھا۔ اس کا بیٹا اپنی بیٹی کی خاطر اپنی ماں کو گھر سے نکالنے کی دھمکی دے گیا تھا۔ ماں کا جھکا ہوا سر اور بھی جھک گیا تھا، لیکن جنت کا سر بلند ہو گیا تھا۔ یا شاید نہیں، جنت کا صرف سر ہی بلند نہیں ہوا تھا وہ اپنے سارے وجود کے ساتھ بلند ہو گئی تھی۔ اس کے باپ نے اسے زمین پر نہیں رہنے دیا تھا، اپنے ہاتھ سے اٹھا کر آسمان پر بٹھا دیا تھا۔ آسمان...... جو اتنا بلند ہے کہ وہاں سے دنیا کی ہر مخلوق چھوٹی دکھائی دینے لگتی ہے۔

☆☆☆

ولید شام ڈھلے واپس آیا تو اس کا موڈ بہت خوشگوار ہو رہا تھا، وہ کسی اچھے سے گانے کی دھن گنگناتے ہوئے اندر داخل ہوا تھا۔ لیکن ٹی وی لاؤنج میں اجیا کو دیکھتے ہی اسے وہ گفتگو یاد آ گئی جو ان تینوں کے درمیان ہوئی تھی۔

ولید نے چند لمحے سوچا، پھر اس طرف آ گیا جہاں وہ موجود تھی۔ اس نے دونوں پیر صوفے پر رکھے ہوئے تھے اور سر کہنی کے سہارے کھڑے ہاتھ میں گرا رکھا تھا۔ اس کی نظریں ٹی وی اسکرین پر تھیں، لیکن دھیان کہیں اور تھا۔

ولید خاموشی سے جا کر اس کے ساتھ بیٹھ گیا اور ٹی وی دیکھنے لگا۔ اینیا اس کے آنے پر چونکی، اس نے گردن موڑ کر ولید کو دیکھا، پھر نظریں ٹی وی پر جما دیں۔

ولید کچھ دیر بالکل خاموشی سے ٹی وی دیکھتا رہا، پھر اسے خلجان ہونے لگا۔ ٹی وی پر افریقہ کے جنگلات میں پائی جانے والی ایک نایاب چھپکلی کے بارے میں ڈاکومینٹری دکھائی جا رہی تھی اور ولید کو چھپکلیوں سے صرف اتنی دلچسپی تھی کہ جب بھی اسے اینیا کو تنگ کرنا ہوتا تھا وہ کہیں سے ایک مری ہوئی چھپکلی لے آتا تھا، اس کے بعد اینیا آگے آگے اور ولید پیچھے پیچھے ہوتا تھا۔

اس نے کن انکھیوں سے اینیا کو دیکھا، وہ بے وقوفی کی حد تک سنجیدہ دکھائی دے رہی تھی۔ ولید نے صوفے پر ان دونوں کے درمیان رکھا ریموٹ اُٹھا کر چینل بدل دیا۔

''کیا ہے ولید! میں دیکھ رہی ہوں۔''

''تو کوئی ڈھنگ کی چیز دیکھو۔'' اس نے اسپورٹس چینل سیٹ کرتے ہوئے کہا۔

''میں جو دیکھ رہی ہوں وہ ہی ڈھنگ کی چیز ہے۔'' اینیا نے اڑیل پن سے کہا۔ حالانکہ جانتی تھی ولید کے سامنے اس کی ایک نہیں چلے گی۔ پھر بھی......

''چھپکلیوں کی ڈاکومینٹری دیکھ کر کیا کرو گی؟ اچھا تم نے کبھی چھپکلیوں کی بریانی کھائی ہے؟'' یک دم اس نے سنجیدگی سے پوچھا تھا تو اینیا نے اسے بری طرح گھورا۔

''اس طرح گھورنے کا کیا مطلب ہوتا ہے؟ نہیں کھائی؟ اچھا کاکروچ کا ڈیزرٹ تو ضرور کھایا ہوگا۔ اور الو کے پائے کا سالن چکھا ہے؟''

اینیا کا دل بری طرح متلا گیا۔ اس نے ناک چڑھا کر کشن اسے کھینچ مارا۔

''ایسی گندی چیزیں تم کھاؤ......آخ......گندے۔'' ولید ہنسنے لگا۔

''نام سن کر اتنا برا لگ رہا ہے، کبھی کھا لوگی تو کیا ہوگا؟''

''تم کھاؤ اپنی من پسند چیزیں۔'' اس نے جل کر کہا۔

''اتنی معصوم شکل والی چھپکلیوں کو دیکھ تو بہت پیار سے دیکھ رہی تھی، کھانے کی بات پر کیا ہوا؟'' ولید نے مزے سے کہا۔

''ولی سے ایسی باتیں کرنے کی کیا ضرورت تھی؟'' اس نے غضب ناک نظروں سے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

''میں نے تو اس سے کوئی ایسی بات نہیں کی، چھپکلی بریانی اور کاکروچ ڈیزرٹ کا مینیو، تو پہلی بار تمہیں سنایا ہے۔'' اس نے بن کر کہا۔

اینیا غصے سے اُٹھ کر جانے لگی تو اس نے فوراً ہاتھ پکڑ کر واپس بٹھا لیا۔ پھر ذرا سنجیدہ ہو کر پوچھنے لگا۔

''ولی ہے کہاں؟''

''اپنے کمرے میں۔ موڈ آف کر کے بیٹھا ہے۔ تمہیں اس سے ایسی بات نہیں کرنی چاہیے تھی۔'' وہ پھر بولی۔

"یار! میں اس کا دھیان بٹا رہا تھا۔" ولید نے صفائی پیش کرنے والے انداز میں کہا تھا۔

"اس طرح دھیان بٹایا جاتا ہے؟" وہ جھنجھلائی۔

"تو مجھے کیا پتا تھا وہ ہرٹ ہو جائے گا۔" ولید نے لاچاری اور کسی قدر ناراضی سے کہا۔ وہ کچھ دیر خاموش رہی، پھر اس نے پُرسوچ انداز میں کہا۔

"اس طرح تو بہت مسئلہ ہو گا ولید! ہمیں کچھ کرنا چاہیے۔ ولی بہت چھوٹا ہے ممی اور ڈیڈی کے درمیان یہ کولڈ وار والی سچوایشن ہے، اس کا بہت برا اثر ہو سکتا ہے ولی کے ذہن پر۔" اس کے لہجے سے پریشانی جھلک رہی تھی۔

"تم فکر نہ کرو، میں اسے اپنے طریقے سے سمجھا لوں گا۔" ولید نے کہا۔ یہ بھی ایک دلچسپ پہلو تھا کہ جتنی ان دونوں میں لڑائی ہوتی تھی آپس میں بنتی بھی اتنی ہی تھی۔

"ولیکن ممی...... ڈیڈی؟"

"ان دونوں کو بس تم رہنے دو۔" ولید نے اکتائے ہوئے انداز میں کہا تھا۔ "میرا نہیں خیال کہ ہماری مزید کسی کوشش سے ان کے ریلیشن شپ میں بہتری آسکتی ہے۔ وہ دونوں ہمیشہ سے ایسے ہی تھے اور ہمیشہ ایسے ہی رہیں گے۔ مجھے نہیں پتا دونوں میں سے غلطی کس کی ہے یا دونوں میں سے کون زیادہ کمپرومائزنگ ہے کہ ان کا تعلق اب تک نبھ رہا ہے، مجھے صرف اتنا پتا ہے کہ وہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ خوش نہیں ہیں۔ جب لوگ آپس میں خوش نہیں ہوتے تو ایک دوسرے کو چھوڑ کیوں نہیں دیتے؟ شادی کے اٹھارہ سالوں نے ہمارے پیرنٹس کو گلیشیر بنا دیا ہے انو! تم، میں یا ولی اس گلیشیر کو پگھلا نہیں سکتے ہیں تو کیا یہ بہتر نہیں ہے کہ ہم ان کی فکر چھوڑ دیں۔ جب وہ ہماری خاطر خوش نہیں رہ سکتے یا خوش رہنے کی کوشش نہیں کر سکتے تو ہم ان کی فکر میں کیوں ہلکان ہوں۔" ولید نے تلخی سے کہا اور سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا۔

اینا اس کے خیالات سن کر ہکا بکا رہ گئی تھی، اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ ولید اس قدر تلخ خیالات کا مالک ہو سکتا ہے، کیونکہ پہلے پہل اسی نے اینا کو ممی، ڈیڈی کی طرف متوجہ کیا تھا اور اب وہ ہی کہہ رہا تھا کہ ان لوگوں کو ان کے حال پر چھوڑ دینا چاہیے۔ تب ہی اس نے سامنے دیکھا اور جیسے دنگ رہ گئی، ثروت اپنے بیڈروم کے دروازے میں کھڑی تھیں اور جیسی نظروں سے وہ سیڑھیوں کی جانب دیکھ رہی تھیں، ان سے لگتا تھا وہ ولید کی ساری باتیں سن چکی ہیں۔ اس سے قبل کہ وہ کچھ کہتی ثروت نے کمرے کا دروازہ بند کر لیا۔ اینا ایک گہری سانس بھرتی اپنا سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔

☆☆☆

رات گئے ماوی اور فیضان سٹنگ روم میں موجود تھے۔ ماوی صوفے پر نیم دراز ٹی وی پر کوئی ٹاک شو دیکھنے میں مصروف تھی۔ فیضان نے لیپ ٹاپ آن کیا تھا اور تین، چار فائلز قریب پڑی تھیں۔ سارے گھر میں ٹی وی کی آواز پھیلی ہوئی تھی۔ پھر پروگرام میں وقفہ کی انائونسمنٹ ہوئی اور کمرشلز دکھائے جانے لگے تو اس نے والیوم کم کر دیا اور چپکے سے گردن موڑ کر ایک نظر فیضان کو دیکھا، گویا ان کا موڈ جانچنے کی کوشش کی۔

لیکن ایک نظر میں کیا اندازہ لگایا جا سکتا تھا۔ محض ناک پہ رکھا چشمہ اور چہرے پر پھیلی سنجیدگی ہی دکھائی دی۔

"فیضی ماما!" ماوی نے آہستگی سے کہا، گویا بات کے آغاز کے لیے پر تولے۔

''ہوں۔'' انہوں نے سنجیدگی بھرے ''ہوں'' پر اکتفا کیا۔

''میں کچھ سوچ رہی ہوں۔''

''خدا کی قدرت ہے۔ اب آپ بھی سوچا کریں گی۔'' سنجیدگی میں شرارت کا تناسب خاصا کم محسوس ہوا تھا۔ ماوی نے شکوہ کناں نظروں سے انہیں دیکھا، مگر وہ متوجہ ہی کہاں تھے، جو اس کے انداز دیکھ پاتے۔

''میں سوچ رہی تھی اب آپ کی شادی ہو جانا چاہیے۔''

''واہ...... کیا سوچا ہے۔''

''آپ میری بات دھیان سے نہیں سن رہے نا! پلیز فیضی ماما! میری طرف دیکھ کر سنیں۔'' اس نے اصرار کیا۔

''او بندی خدا! میں کانوں سے سنتا ہوں آنکھوں سے نہیں۔'' فیضان نے دھیمے سے مسکرا کر جواب دیا۔

''اچھا تو بتایئے، میں نے کیا کہا؟'' وہ اُٹھ کر بیٹھتے ہوئے پوری طرح فیضان کی طرف متوجہ ہوئی۔

''تم نے کہا۔ فیضی ماما! میری طرف دیکھ کر سنیں۔''

''دیکھا۔ مجھے پہلے ہی لگ رہا تھا آپ میری بات دھیان سے نہیں سن رہے، ورنہ آپ کو پتا ہوتا کہ میں نے اس سے پہلے بھی کچھ کہا تھا۔'' اسے سخت صدمہ پہنچا۔

فیضان مسکرائے اور چشمے کے اوپر سے جھانکا۔

''تم نے کہا تھا کہ تم سوچ رہی ہو میری شادی ہو جانا چاہیے۔'' انہوں نے رسانیت سے کہا تھا۔ ماوی خوش ہو گئی۔

''پھر آپ نے کیا سوچا؟'' وہ پُرجوش ہوئی۔ ''میرا مطلب ہے اس بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟''

''میری سمجھ میں نہیں آ رہا آج سب لوگ میری شادی کے بارے میں ہی کیوں سوچ رہے ہیں؟''

''ایں...... اور کس نے سوچ لیا؟''

''توقیر بھائی بھی یہ ہی کہہ رہے تھے۔''

''درست کہہ رہے تھے...... اب آپ کی شادی ہونا چاہیے۔ اتنے بوڑھے ہو گئے ہیں۔ اب بھی نہیں کریں گے شادی، تو کب کریں گے۔''

اس نے اپنی طرف سے انہیں جذباتی کرنے کی کوشش کی تھی، مگر فیضان اطمینان سے بولے۔

''ہاں تو اب اتنی عمر میں بھی بوڑھا نہیں ہوں گا تو کب ہوں گا۔ اور ایک بات بتا دوں کہ بوڑھے...... میرا مطلب ہے عقل مند بوڑھے شادی نہیں کرتے۔''

''بوڑھے ہوں آپ کے دشمن۔'' ماوی نے تنک کر کہا۔

''میں کرواؤں گی آپ کی شادی۔'' فیضان نے پہلے اس کی بات پر اطمینان سے قہقہہ لگایا، پھر بولے۔

"تم نے "وچلنوں" والے کام کب سے شروع کر دیے؟"

"پلیز ماما! میری بات پر غور کریں۔" اس نے اصرار کیا۔

"اچھا بتائیں اینیا کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟" بالآخر اس نے بلی تھیلے سے باہر نکال ہی دی۔ فیضان نے بری طرح اسے گھورا۔

"مطلب؟"

"میں سوچ رہی تھی کیوں نہ آپ کی شادی اینیا سے کروادی جائے؟" اس نے فیضان کے تاثرات سے خائف ہوتے جھجکتے ہوئے کہا تھا۔

"ماوی! تمہارے لیے میرا مخلصانہ مشورہ ہے کہ اپنی اس ننھی سی عقل پر زیادہ بوجھ نہ ڈالا کرو، پہلے ہی تھوڑی سی ہے، یہ بھی ضائع ہوگئی تو کسی پاگل خانے میں جمع کروانا پڑے گا تمہیں۔" فیضان کا دماغ جیسے بھک سے اُڑ گیا تھا۔

"یہ کیا بات ہوئی؟ میں نے تو یوں ہی ایک بات سوچی تھی۔"

"تم نہ سوچا کرو، خدارا!" فیضان نے جھنجلا کر کہا۔ "اینیا کتنی چھوٹی ہے، بالکل بچی ہے میرے آگے۔ تمہیں پتا نہیں کہاں سے ایسے نرالے خیال آتے رہتے ہیں۔"

"اب اتنی بھی چھوٹی نہیں ہے۔ آپ کے ساتھ سوٹ کرے گی۔" وہ زور دے کر بولی۔ "اور میرا خیال ہے وہ آپ کو پسند بھی کرتی ہے۔"

"بس......" فیضان نے ہاتھ اُٹھا کر سختی سے روک دیا۔ "اب اس بارے میں ایک لفظ بھی نہیں سنوں گا۔ اوّل تو مجھے شادی نہیں کرنی، کرنا بھی ہوئی تو اپنی عمر کی کسی میچور عورت سے کروں گا، نہ کوئی بچی پسند کروں گا اور دوسری بات یہ کہ تم نے یہ احمقانہ خیال کسی اور کے سامنے پیش کیا یا مجھے آپا سے بھی اس طرح کی کوئی بات سننے کو ملی تو میں...... میں بہت بری طرح پیش آؤں گا یاد رکھنا۔ اب جاؤ اور چپ چاپ سو جاؤ۔" فیضان نے جھڑک کر کہا، ماوی خفیف سی ہو کر اُٹھ کھڑی ہوئی۔

"اور سنو۔" فیضان نے پھر کہا، ماوی رُک کر انہیں دیکھنے لگی۔

"سوچا کم کرو، دماغ اور صحت دونوں پر اچھا اثر پڑے گا۔" انہوں نے سابقہ لہجے میں کہا۔

"میری تو ہر بات فضول لگتی ہے۔" وہ پیر پٹخ کر بڑبڑاتی ہوئی بیڈروم میں گھس گئی۔

کمرے میں نائٹ بلب آن تھا، نیلگوں روشنی سے آنکھیں مانوس ہونے میں چند منٹ لگے۔ ثمینہ بیڈ پر بازو رکھے چت لیٹی تھیں۔ ٹانگوں پر کمبل پھیلا رکھا تھا۔ دروازہ کھلنے کی آواز پر انہوں نے ہاتھ ہٹا کر دیکھا۔

"ممی! ابھی تک جاگ رہی ہیں؟"

"نیند نہیں آرہی۔" ثمینہ نے بازو پھر آنکھوں پر رکھ لیا۔

"ممی! آپ کے بھائی سچ مچ بوڑھے ہوگئے ہیں، بلکہ بڈھے کھوسٹ ہوگئے ہیں، سٹھیا گئے ہیں۔"

"آدھی رات کو کیا بڑبڑا رہی ہو؟"

"ایں...... کچھ نہیں۔" وہ ان سے لپٹ کر لیٹ گئی۔

"ممی! کیا سوچ رہی ہیں؟" اس نے پوچھا۔

"میں سوچ رہی ہوں تم کب بڑی ہو گی، پیچھے ہٹو، کیا بچوں کی طرح لپٹ رہی ہو۔"

"میں ایسے ہی سوؤں گی۔" وہ ہٹ دھرمی سے بولی۔ ثمینہ نے چند منٹ انتظار کیا، پھر بے بسی کے انداز میں مسکراتی اس کے بالوں میں انگلیاں چلانے لگیں۔

"میں سوچ رہی تھی فیضان کی اب شادی ہو جانا چاہیے۔" ثمینہ نے پُرسوچ انداز میں کہا تھا۔

"مت سوچیں۔ میں اسی قسم کی سوچ پر جھاڑ سن کر آ رہی ہوں۔" ماوی آنکھیں بند کیے بولی۔

"اس لڑکے کا تو دماغ خراب ہو چکا ہے، بتاؤ شادی کا فرض بھی پورا نہیں کریں گے تو اللہ کو کیا منہ دکھائیں گے۔" وہ بے زاری و مایوسی سے بڑبڑائیں، پھر کچھ خیال آنے پر بولیں۔

"اچھا سنو ماوی! تم پاکستان میں رہ کر پڑھنا چاہ رہی تھیں نا؟" ایسا کرو ایڈمیشن لے لو۔"

ماوی کی آنکھیں پٹ سے کھل گئیں۔ "کیا؟"

"لیکن آپ تو پاکستان میں رہنا نہیں چاہتی تھیں؟"

"تم تو رہنا چاہتی ہو نا!" ثمینہ نے رسان سے کہا۔ ماوی بے یقینی سے انہیں دیکھ رہی تھی۔

"جب تک میں پاکستان میں رہوں گی آپ بھی یہیں رہیں گی؟" اس نے پوچھا۔

"نہیں بھئی۔ تم ہاسٹل میں رہنا، میں واپس آئرلینڈ چلی جاؤں گی۔"

ماوی حیرانی و بے یقینی کے مارے اُٹھ کر بیٹھ گئی۔

"لیکن آپ تو کہتی تھیں پاکستان میں مجھے اکیلے نہیں رہنے دیں گی، آپ کو حالات سے ڈر لگتا ہے۔ زمانہ ٹھیک نہیں ہے وغیرہ، وغیرہ۔"

"جب آئرلینڈ میں تھی تو حالات سے ڈر لگتا تھا، لیکن اب میری تسلی ہو گئی ہے، پھر سنا ہے یہاں ہاسٹلز بھی سیکیور رہیں اور......" انہوں نے ایک نظر ماوی کو دیکھا اور پیار سے بولیں۔

"پھر تمہاری خواہش بھی تو بہت ہے یہاں رہ کر پڑھے گی۔" ماوی مسکرائی اور ان سے لپٹ گئی۔

"تھینک یو سوچ ممی!"

"ایک اور بات بھی ہے ماوی!" ثمینہ نے جھجکتے ہوئے کہا۔

"تمہیں پتا ہے آئرلینڈ میں ایجوکیشن کس قدر مہنگی ہے۔ فیاض بھائی اور فیضان نے پہلے ہی ہمارے لیے کتنا کچھ کیا ہے۔ میں نہیں چاہتی ان پر اور بوجھ ڈالا جائے۔ اسی لیے بہتر ہے تم اپنی باقی تعلیم یہاں پاکستان سے مکمل کرو۔ یہاں جو اخراجات ہوں گے وہ آئرلینڈ کے مقابلے میں

تقریباً آدھے ہوں گے۔ تمہارے بابا کے انتقال کے بعد جب میں واپس آئی تو میرے پاس پھوٹی کوڑی بھی نہیں تھی کہ میں تمہارے لیے پس انداز کرتی، ہر طرح کی مدد میرے بھائیوں نے کی، گو کہ تمہاری پڑھائی کے لیے اب بھی وہ ہی فائنانشلی سپورٹ کریں گے، لیکن کچھ تو بوجھ کم رہے گا۔ سنو ماوی تم سمجھ رہی ہو نا؟ شہروز، فیضان کسی سے بھی اس بات کا ذکر مت کرنا، ایسا نہ ہو انہیں برا لگے۔"

"فکر مند نہ ہوں ممی! میں کسی سے نہیں کہوں گی۔" ماوی نے کہا تھا۔

☆☆☆

"فیضان! ماوی پاکستان میں ہی ایڈمیشن لینے کی ضد کر رہی ہے۔" اگلی صبح ثمینہ نے سہولت سے گیند ماوی کے کورٹ میں ڈال دی تھی۔

"اچھی بات ہے، لینے دیں، میں نے تو پہلے بھی یہ ہی کہا تھا، اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔" فیضان نے کافی پھینٹتے ہوئے جواب دیا۔

"میرا دل نہیں مان رہا۔" ثمینہ نے بے بسی سے کہا تھا۔

"اس میں دل کے نہ ماننے کی کیا بات ہے آپا!" فیضان کا لہجہ سرسری تھا۔ "ماوی بچی تو نہیں ہے کہ اپنا خیال نہ رکھ سکے، پھر اب تو میرا بھی پاکستان آنا جانا رہے گا۔ ماوی کی خبر گیری ہوتی رہے گی، آپ کا کیا ارادہ ہے؟ میرا مطلب ہے ماوی ایڈمیشن لیتی ہے تو آپ رکیں گی یا واپس چلی جائیں گی؟"

کچھ خیال آنے پر انہوں نے پوچھا۔

"فی الحال تو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔" انہوں نے سابقہ انداز میں کہا۔

"میں تو بالکل نہیں چاہتی کہ ماوی یہاں رہ کر پڑھے، لیکن اس کی ضد، تمہیں پتا ہے وہ کتنی ضدی ہے۔ فی الحال تو شادی کے لیے بھی راضی نہیں ہو رہی، کل رات لمبی چوڑی ڈسکشن ہوئی اس سے، لیکن اس کی وہ ہی رٹ ہے کہ اسٹڈیز کمپلیٹ کرنے دیں، اب بتاؤ میں کیا کروں؟" انہوں نے اپنی طرف سے گرہ لگاتے ہوئے کہا۔

"ہاں تو ٹھیک ہے نا، آپ اسے ایڈمیشن لینے دیں۔ اب تو شہروز بھی جا چکا ہے، اس کی اسپشلائزیشن تک تو شادی کے لیے رکنا پڑے گا، تب تک ماوی بھی اپنی مرضی کر لے، آپ کا دل چاہے تو واپس چلی جایئے گا، ماوی ہاسٹل میں بھی رہ سکتی ہے۔ یا میرا ارادہ تھا کچھ عرصہ تک اپنا کوئی چھوٹا موٹا اپارٹمنٹ دیکھ لوں گا۔ اب ذرا جلدی لے لوں گا، ورنہ دانیال صاحب کی انیکسی تو ہم نے رینٹ پر لے ہی رکھی ہے۔ ماوی جہاں مناسب سمجھے گی رہ لے گی۔ آپ فکر مند نہ ہوں۔" فیضان نے کہا۔

"اور اچھا ہے، ماوی مصروف رہے گی تو اس کے دماغ میں احمقانہ خیال بھی نہیں آئیں گے۔" انہیں ماوی کا کل والا آئیڈیا یاد آیا تو کسی قدر جھنجلا کر سوچا تھا۔

ثمینہ مارجرین لگا سلائس کھاتے ہوئے کسی گہری سوچ میں ڈوب گئی تھیں۔



چھٹی سے کچھ دیر پہلے ہی عبیر اور تنوی گیٹ کے قریب نصب فوارے کے پاس آ کر گیٹ کھلنے کا انتظار کرنے لگیں۔ ان کے ہاتھوں میں کوک کے ٹن اور چپس کے پیکٹ تھے۔ آج کا سارا دن ہی بے حد تھکا دینے والا ثابت ہوا تھا۔ لگاتار کلاسز اٹینڈ کر کے اس وقت تک ایسا لگنے لگا تھا جیسے سر پھٹ رہا ہو لیکن آفرین تھی عبیر پر جس کی حس مزاح اتنی تکان میں بھی ماند نہ پڑی تھی۔

"کبھی کبھی میں سوچتی ہوں۔ کسی انسان کو کیا حق ہے کہ وہ اتنا خوبصورت لگے۔"

فوارے کی دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑی وہ پُر سوچ انداز میں کہہ رہی تھی۔ تنوی دیوار پر چڑھی بیٹھی تھی، اس نے کسی قدر چونک کر عبیر کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا۔ وہ ٹکٹکی باندھے گیٹ کیپر جلیل کو دیکھ رہی تھی جس کی رنگت اتنی کالی تھی کہ کبھی سیاہ لباس پہنتا تو چہرہ تلاش کرنا مشکل ہو جاتا۔

"بھائی کالو کی بات کر رہی ہو؟" تنوی کو عبیر کے ذوق پر اچھا خاصا تعجب ہوا تھا۔

"مجھے کیا پاگل سمجھ لیا ہے۔" عبیر بری طرح بدکی۔ "میں اپنی بات کر رہی ہوں۔"

"اچھا اچھا۔" تنوی نے فوراً سمجھ داری سے سر ہلایا۔ "میں آج تک سمجھتی تھی تمہاری دور کی نظر کمزور ہے آج پتا چلا تمہاری تو قریب کی نظر بھی کمزور ہے۔"

"لو خواہ مخواہ۔" عبیر برا مان گئی۔ "دراصل میرے حُسن سے جل کر تم ایسی فضول باتیں کر رہی ہو۔ تو بہ کس قدر جل ککڑی سہیلی ملی ہے مجھے۔ بات اصل میں کچھ یوں ہے کہ تمہاری اپنی قریب کی نظر کمزور ہے۔"

"پروف پیش کیا جائے۔" تنوی نے شاہانہ انداز میں کہا تھا۔

"اس سے بڑا پروف اور کیا ہو سکتا ہے کہ تمہیں، اپنے منگیتر میں انٹرسٹ فیل (دلچسپی محسوس) نہیں ہوتا۔"

"عجیب منطق ہے۔ اور تمہیں کس نے کہہ دیا مجھے اپنے منگیتر میں انٹرسٹ فیل نہیں ہوتا۔"

"تو کیا ہوتا ہے؟" عبیر نے ابرو اچکا کر پوچھا۔

تنوی نے چند لمحے سوچا پھر کندھے اچکا دیئے۔ "پتا نہیں۔"

"ایک تو تمہارے اس "پتا نہیں" سے میں بہت عاجز ہوں بھئی انٹرسٹ ہوتا ہے یا نہیں ہوتا ہے۔ کوئی باہر سے آ کر تھوڑا ہی بتائے گا تمہیں اس میں دلچسپی ہے یا نہیں۔" عبیر نے اسے آڑے ہاتھوں لیا پھر اسے خاموش دیکھ کر بولی۔

"میری بات مانو، اپنے گھر والوں سے کہو، یہ منگنی ختم کر دیں۔ اگر اب ایک دوسرے میں دلچسپی نہیں ہے تو شادی کے بعد کیا خاک دلچسپی لیں گے۔ منگنی میں تو اچھے اچھوں کو رومینس سوجھنے لگتا ہے۔"

"شادی بہت دور کی بات ہے عبیر! جب وقت آئے گا تو دیکھا جائے گا۔"

"نہیں تنوی، مجھے نہیں لگتا تم اس منگنی سے خوش ہو۔" عبیر نے پُر یقین لہجے میں کہا تھا۔

"اس میں خوشی کی کیا بات ہے؟ بھئی ہماری بچپن کی منگنی ہے اب بندہ کب تک خوشی مناتا رہے؟" تنوی نے بیزار ہو کر کہا۔

''کب تک نہ سہی لیکن کبھی کبھی تو منائے۔لڑکیوں کے اونگے بونگے منگیتر ہوتے ہیں پر اٹھتے بیٹھے ان ہی کا ذکر کرتی رہتی ہیں۔تمہارے پاس تو ایسا شان دار منگیتر ہے کہ کوئی لڑکی بڑے آرام سے تم سے حسد میں مبتلا ہو سکتی ہے۔تم نے تو کبھی بھولے سے بھی شبیہ کا ذکر نہیں کیا۔'' ''پتا ہے تمہاری جگہ میں ہوتی تو سارا وقت اپنے منگیتر کی باتیں کرتی رہتی۔''

''اچھا ناں۔چھوڑو کوئی اور بات کرو۔'' تنوی نے قدرے بے زاری سے کہا عبیر نے ایک نظر اسے دیکھا۔وہ تنوی سے بہت کچھ کہنا چاہ رہی تھی۔لیکن فی الوقت اس بحث کو کسی اور وقت پر ٹال دیا۔

''آڈیٹوریم میں اینول ڈرامہ کے سلسلے میں آڈیشن ہو رہے ہیں۔''

اس نے جوق در جوق لڑکیوں کو آڈیٹوریم کی طرف جاتے دیکھ کر کہا۔

''سنا ہے مس عائشہ نے پھر اپنا ارادہ بدل دیا ہے اب شیکسپیئر کے کسی ڈرامے کے بجائے کسی ہندی افسانے کو اسٹیج کرنا چاہ رہی ہیں۔''

''بس پھر اس بار تو اینول فیسٹیول میں ڈرامے کا خیال ہی ذہن سے نکال دینا چاہیے۔'' وہ دونوں ہاتھ پر ہاتھ مار کر ہنس پڑیں۔

''تمہارا آڈیشن دینے کا ارادہ نہیں ہے؟ میں تو ماڈلنگ کے لیے ٹرائی کروں گی۔گھر میں تین چار بار کیٹ واک کی پریکٹس بھی کر کے دیکھی تھی۔میرا خیال ہے، میں اتنی پرفیکٹ ہوں کہ اریج منصور اور عفت رحیم جیسی ٹاپ ماڈلز بھی میرے آگے پانی بھرتی ہیں۔تمہارا کیا خیال ہے تنوی؟''

''سچ بولوں گی تو تم بُرا مان جاؤ گی۔اس لیے میرا خیال نہ پوچھو۔'' تنوی نے ہنس کر کہا۔اس سے پہلے کہ عبیر کوئی جواب دیتی، عروش نے تیز قدموں سے اس کی طرف آکر جارحانہ انداز میں اس کا رخ اپنی طرف موڑا۔

عبیر اپنی جھونک میں تھی، اس طرح بازو کھینچے جانے پر بری طرح ہل گئی اور کوک ٹن اس کے ہاتھ سے دور جا گرا۔

کیا بدتمیزی ہے عروش؟ کسی نے بات کرنے کی تمیز نہیں سکھائی تمہیں۔اگلی بار دس قدم دور رہ کر بات کرنا مجھ سے۔'' عبیر نے غصے سے کہا۔عروش ایک بار پھر ہنسی۔

''میں یہی سمجھانے آئی تھی، اگلی بار تم کوئی ایسی حرکت نہ کرنا کہ مجھے تم سے بات کرنے کی ضرورت پڑے۔شوق تو مجھے بھی نہیں ہے تم سے بات کرنے کا۔''

''پھر میرا دماغ کیوں چاٹ رہی ہو؟'' عبیر نے ناگواری سے کہا۔

''یہ جو دماغ ہے ناں۔تمہارے پاس ضرورت سے کچھ زیادہ ہے۔اس کا استعمال ذرا کم کیا کرو ورنہ نتائج کی ذمہ دار تم خود ہوگی۔''

عبیر کا تو پتا نہیں البتہ یونیفارم میں ملبوس عروش نے تنوی کو ضرور ہراساں کر دیا تھا۔اس نے بے اختیار عبیر کا بازو دبوچا۔ایک تو یہ کہ وہ فطرتاً بزدل سی لڑکی تھی دوسرے عروش سے دل ہی دل میں خائف بھی رہتی تھی۔سٹپٹاتی نہیں تو کیا کرتی؟

''عروش! مائنڈ یور لینگویج۔''

''تمہیں بولنے کی اجازت نہیں ہے، فی الحال صرف میری سنو۔اگلی بار تم نے نمرہ کے یا کسی اور کے کان میرے خلاف بھرنے کی کوشش کی

تو میں تمہیں دیکھ لوں گی۔'' عروش نے انگلی اٹھا کر خاصے خطرناک انداز سے کہا تھا۔

''مجھے دھمکا رہی ہو؟'' عمیر کی تیوری چڑھ گئی۔

''جو بھی سمجھ لو۔'' عروش نے بے نیازی سے کہا۔''اور ہاں نمرہ کے سامنے جو بکواس تم نے کرنا تھی کر لی لیکن کالج کی کسی اور لڑکی تک اس قصے کی بھنک بھی پہنچی تو میں تمہارا وہ حشر کروں گی کہ ساری زندگی یاد رکھو گی۔''

''اپنی اوقات میں رہو عروش! ابھی جا کر پرنسپل سے تمہاری شکایت کروں گی تو پتا چل جائے گا تمہیں۔''

''بھول کر بھی ایسی غلطی مت کرنا عمیر! بلند حوصلہ ہونا اچھی بات ہے لیکن اپروچ فل بندوں سے پنگا نہیں لینا چاہیے۔ میرا کام تھا تمہیں وارن کرنا۔ آگے تم اپنے اچھے بُرے کی خود ذمہ دار ہو گی۔ اب تک میں نے تمہیں نمرہ اور تنوی کی وجہ سے ڈھیل دی ہوئی تھی لیکن اگلی بار تم نے میرے خلاف کچھ بھی کہا تو میں بہت بُری طرح سے پیش آؤں گی۔''

وہ جس طرح آئی تھی، اسی طرح اچانک چلی بھی گئی۔ عمیر غصے سے لال پیلی ہو رہی تھی۔

''اس کا تو کچھ کرنا ہی پڑے گا۔ کچھ زیادہ ہی دماغ خراب ہو چکا ہے اس کا۔'' اس نے غصے سے دانت کچکچائے اور مٹھیاں بھینچیں۔

''مم۔ مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے عمیر! تم نے عروش کی شکل نہیں دیکھی وہ جو کہہ رہی تھی، ضرور کرے گی۔'' اس نے خوف و سراسیمگی سے کہا تھا۔ عمیر کا پارہ اور بھی چڑھ گیا تھا۔

''تمہارا دماغ تو درست ہے تنوی! دھمکا کر وہ مجھے گئی ہے۔ مرنے والی تم ہو گئی ہو۔ میں نے کہا ناں، وہ کچھ بھی نہیں کرے گی بس ہمیں ڈرانا چاہ رہی تھی۔ یہ جو عروش جیسے لوگ ہوتے ہیں ناں۔ ان کا زیادہ تر کام دھمکیوں کے سہارے ہی چلتا ہے۔ یعنی گیدڑ بھبکیوں کے سہارے۔ کر کرتے کراتے یہ کچھ نہیں ہیں۔ مجھ سے لکھوا لو، اس عروش میں بھی ہمت نہیں ہے۔ پوز زیادہ کرتی ہے، اوپر سے نمرہ جیسی لڑکیوں نے اس کا دماغ ساتویں آسمان تک پہنچایا ہوا ہے۔ دفع کرو اسے۔ بیچاری کے تھوڑے سے دن رہ گئے ہیں کالج میں۔ سکون سے نکال لینے دیتی ہوں۔ ورنہ تمہیں تو پتا ہے۔ میں خود بڑی خطرناک ہوں۔''

وہ اپنی جون میں واپس آ چکی تھی، اترا کر بولی۔

''گیٹ کھلنے میں پانچ منٹ باقی ہیں۔ چلو تم بھی فٹافٹ آڈیشن دے لو۔''

اس پر تو جیسے عروش کی باتوں کا کوئی بھی اثر نہیں ہوا تھا۔

''میں نہیں دے رہی آڈیشن، پچھلی بار بھی مجھے ''جنّ'' بنا کے اسٹیج پر چڑھا دیا تھا۔ اب پتا نہیں کیا لطیفہ سنائیں گی۔ میں نہیں جاتی۔'' تنوی نے ہاتھ جھٹک کر کہا اسے سچ مچ عمیر کی حوصلہ مندی و بہادری پر رشک آ رہا تھا۔ ورنہ خود اس کا اپنا دل تو اب تک تیز تیز دھڑک رہا تھا۔

''تم کتنی بہادر ہو عمیر! مجھے تو عروش سے بہت ڈر لگ رہا ہے۔''

''تم تو پاگل ہو، ساری زندگی اسی طرح دوسروں سے ڈر ڈر کے گزارتی رہنا۔ کبھی عروش جیسے بے کار لوگوں سے تو کبھی۔ شبیہ العباس

سے۔" عمیر نے تاک کے وار کیا تھا۔تنوی اس نام پر چپ سی ہو گئی پھر بولی۔

"میں شبیہ بھائی سے نہیں ڈرتی۔" کمزور سے لہجے میں اس نے کہا۔"البتہ عروش سے واقعی ڈر لگ رہا ہے۔"

عمیر نے ایسے ہنسی اڑائی جیسے تنوی کی بات اڑا رہی ہو۔

"گیٹ کھل گیا ہے۔تم بھی دیکھو اگر وین آ گئی ہے تو چلو ورنہ جتنی دیر کالج میں انتظار کرنا پڑے،عروش سے پلیز جھگڑا نہ کرنا۔میں بھی دیکھتی ہوں۔شبیہ بھائی مجھے لینے آ گئے ہوں گے۔"

"عروش سے ڈرو۔شبیہ سے بھی ڈرتی رہو،چاہو تو آس پاس کے دس اور لوگوں سے خائف رہو لیکن خدارا۔اپنے منگیتر کو بھائی کہنا چھوڑ دو۔کس قدر نان رومینٹک لڑکی ہو تم۔تمہارا منگیتر بھی تمہیں بھائی کہنے سے منع نہیں کرتا؟"

عمیر اس کے ساتھ گیٹ کی طرف بڑھتے ہوئے اپنی ہی ہانکے جا رہی تھی جبکہ تنوی کی جان عروش کی دھمکیوں میں ہی اٹکی ہوئی تھی۔

☆☆☆

"ایک عربی کہاوت ہے۔"بہت زیادہ خاموشی کے پردے میں انسان اپنی عقل مندی چھپا رہا ہوتا ہے یا بے وقوفی۔"میرا سوال ہے کہ تمہاری اس آدھ گھنٹے کی مستقل خاموشی کو کیا سمجھا جائے۔عقل مندی کو چھپانے کی کوشش یا بے وقوفی کی پردہ پوشی۔"

ماوی نے ہاتھ میں پکڑی کتاب کو واپس بک ریک میں رکھتے ہوئے بہت دھیمی آواز میں اینیا سے پوچھا۔وہ دونوں جناح لائبریری آئی ہوئی تھیں۔ماوی اسے اصرار کر کے ساتھ لائی تھی اور اینیا سارا راستہ یہ دیکھ کر حیران ہوتی رہی کہ ماوی بہت بہترین ڈرائیونگ کر رہی تھی۔اس نے ایک بار بھی پاکستان کی ہنگامی ٹریفک کو نہیں کوسا تھا نہ ہی لوگوں کی افراتفری پر اظہار رائے کیا تھی۔مختلف لوکیشنز اور روٹس حیرت انگیز طور پر اسے ازبر ہو چکے تھے اور ایسا لگتا تھا جیسے وہ ہمیشہ سے اسی شہر میں رہتی آئی ہو۔

ماوی نے جب اس سے ساتھ چلنے کے لیے کہا تو اینیا کو زیادہ تامل نہیں ہوا۔صبح سے وہ عجیب سی کیفیت کا شکار تھی۔ممی اور ڈیڈی کی"سرد جنگ"اس کے لیے اکتاہٹ و بیزاری کا سبب تھی تو دوسری جانب ولید کی سرد مہری اور ولی کی حساسیت بھی پریشانی کی وجہ بنی ہوئی تھی اور تیسری طرف اس کا دل تھا جو ہر معاملہ کو توڑ مروڑ کر ایک ہی نقطے پر لا کر ٹھہرا دیتا تھا۔

کالج کی چھٹیاں تھیں۔کوئی تفریح اسے میسر نہ تھی یہی سوچ کر اپنی بوریت کا تدارک کرنے ماوی کے ساتھ چلی آئی ویسے بھی ماوی بڑی دلچسپ شخصیت کی مالک تھی ہر دم ہنسنے ہنسانے والی اور چھوٹی چھوٹی باتوں میں خوشی کا پہلو تلاش کر لینے والی۔اینیا کو ایسا لگتا تھا کہ ماوی کے ساتھ زیادہ دیر تک کوئی اداس یا پریشان نہیں رہ سکتا اور یہ سچ بھی تھا۔ابھی راستہ بھر وہ اسے دلچسپ قصے سنا سنا کر ہنساتی رہی تھی پھر اس نے اینیا کو ٹھیلے سے گول گپے بھی کھلائے تھے۔

آئر لینڈ سے آئی ہوئی اس لڑکی کے لیے سڑک کنارے کھڑے ہو کر ٹھیلے سے گول گپے کھانا ایک زبردست ایڈونچر تھا اینیا کو البتہ شرم آتی رہی۔

"کوئی دیکھے گا تو کیا کہے گا۔ڈیڈی نے دیکھ لیا تو بہت ڈانٹ پڑے گی تمہیں گول گپے کھانے کا اتنا ہی شوق ہے تو یہیں گاڑی میں بیٹھ کر کھا لو۔"اس نے بہت پس و پیش سے کام لیا لیکن ماوی بھی ایک نمبر کی ڈھیٹ تھی،اسے باہر نکال کر ہی دم لیا۔

''اوہو۔ کچھ نہیں ہوگا بھئی۔ دانیال انکل نے کچھ کہا تو میں سنبھال لوں گی۔'' اور اب وہ دونوں یہاں تھیں اور ماوی نے اس کی چند منٹ کی خاموشی کو آدھ گھنٹے پر محیط کر دیا تھا۔

''میں کچھ سوچ رہی تھی۔'' ایبنا نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔ ماوی کتاب کے صفحے پلٹتے ہوئے ہنسنے لگی۔

''اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے؟''

''کچھ روز پہلے میں نے فیضان ماما سے یہی بات کہی کہ میں کچھ سوچ رہی ہوں تو وہ کہنے لگے۔'' اللہ کی شان ہے، اب آپ بھی سوچا کریں گی۔ میرا دل چاہ رہا ہے، تمہاری بات پر میں بھی فیضان ماما کا ہی جملہ بولوں۔ ہنسی مجھے اس بات پر آ رہی ہے کہ یہ سن کر تمہارا ری ایکشن کیا ہوگا۔''

''دوسروں کے جملے چرا کر بولتے تمہیں شرم نہیں آتی۔'' ایبنا نے مسکرا کر اسے دیکھا، وہ دونوں بے حد دھیمی آواز میں بات کر رہی تھیں۔

''اسے جملہ چرانا نہیں جملہ مستعار لینا کہتے ہیں ویسے بھی فیضان ماما کوئی غیر تو نہیں ہیں، میرے اپنے ہیں، اُدھار لینے میں کیسی شرم؟'' ماوی نے ڈھٹائی سے کہا۔

''اگر میں ماما سے کہتی۔ تو وہ ویسے ہی مجھے دے دیتے۔ آئی تھنک وہ دنیا کے بیسٹ ماموں ہیں۔ تم ان سے بھی کچھ مانگو گی تو تمہیں بھی انکار نہیں کریں گے۔

''میں ان سے کچھ کیوں مانگوں گی۔'' ایبنا نے چڑ کر کہا۔ ''ویسے بھی وہ تمہارے ماموں ہیں میرے نہیں۔''

''بتاؤ۔ میں تو بھول ہی گئی تھی۔'' ماوی نے معصومیت سے سر پر ہاتھ مارا۔ ''تم کبھی ادھار مت مانگنا۔ میں نے کسی ٹرک پر پڑھا تھا۔ اُدھار محبت کی قینچی ہے۔''

اس نے جتنی سادگی سے کہا تھا، اتنی ہی بُری طرح ایبنا نے ٹپٹا کر اسے دیکھا تھا۔ ماوی شریر سے انداز میں مسکراتی دوسرے ریک کی طرف چلی گئی۔

''یہ ماوی تو بھئی بہت خطرناک لڑکی ہے، جس بات کا اعتراف میں خود سے بھی نہیں کر پا رہی، وہ اس کو کیسے پتا چل گئی۔ ایبنا نے دل ہی دل میں سوچا پھر یوں بن گئی جیسے ماوی کی بات سنی ہی نہ ہو۔

''میرا نہیں، خیال تمہاری ضرورت کی کتابیں تمہیں یہاں ملیں گی، چلو برٹش کونسل میں دیکھ لیتے ہیں وہاں بھی نہ ملیں تو فیروز سنز پر آرڈر بک کروا دیں گے۔''

''ہاں۔ وہیں چلتے ہیں۔'' ماوی نے سابقہ انداز میں کہا تھا اس کے پاس جناح لائبریری اور برٹش کونسل کے علاوہ امریکن سینٹر کی ممبرشپ بھی موجود تھی۔

☆☆☆

''آگے ویگن خراب ہوئی ہے روڈ کلیئر ہونے اور ٹریفک جام کھلنے میں اچھا خاصا ٹائم لگ جائے گا۔''

شبیہ نے واپس گاڑی میں آ کر بیٹھتے ہوئے بیزاری سے کہا۔ تنوی کو اس سے بھی زیادہ بیزاری محسوس ہوئی۔ ایک تو کالج کی دن بھر کی تھکن اوپر سے یہ ٹریفک جام اور اس سے بھی بڑی مصیبت کہ شبیہ کے سامنے زبان بھی نہیں کھولی جا سکتی تھی۔ اتنی خوف ناک سنجیدگی چہرے پر سجا کر رکھتا تھا ڈانٹنے میں تو ایک منٹ بھی نہ لگاتا۔

تنوی دل مسوس کر رہ گئی اور گاڑی سے باہر کوئی دلچسپی تلاش کرنے لگی۔

تب ہی اس کی نظر عروش پر پڑی اور وہ چونک سی گئی کچھ آگے فٹ پاتھ کے قریب عروش کھڑی تھی اور اپنے ساتھ کھڑے ہوئے لڑکے کو تنوی کی طرف اشارہ کر کے کچھ کہہ رہی تھی۔ ہاں تنوی نے واضح طور پر دیکھا۔ عروش نے اس کی طرف اشارہ کیا تھا۔ خوف کی تیز سی لہر اس کے سارے جسم میں دوڑ گئی۔

"شبیہ بھائی، پلیز گاڑی چلائیں۔" اس نے سٹپٹاتے ہوئے شبیہ سے کہا۔ شبیہ اپنے موبائل کے ساتھ الجھا تھا۔ اس نے گردن موڑ کر سرسری سا اسے دیکھا۔

"راستہ تو کھلنے دو۔"

"م...... مجھے گھر جانا ہے۔" تنوی نے اپنے خوف اور گھبراہٹ پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"ہوں۔" شبیہ نے کال ملا کر موبائل فون کان سے لگا لیا۔

تنوی کا دل جیسے کانوں میں دھڑکنے لگا تھا عروش اور وہ لڑکا اگلی گاڑیوں کے درمیان سے رستہ بناتے اسی طرف آ رہے تھے۔

تنوی کے ہاتھ پیر ٹھنڈے پڑنے لگے۔ رنگت زرد پڑ گئی رونگٹے کھڑے۔

درمیان میں محض ایک گاڑی کا فاصلہ رہ گیا تھا۔

تنوی نے بے ساختہ شبیہ کا بازو دبوچا۔

"پلیز شبیہ بھائی، گاڑی جلدی چلائیں۔ م۔ مجھے گھر۔ جانا ہے۔"

"اتنی لمبی ٹریفک کی لائن لگی ہوئی ہے میں کیا کندھوں پر گاڑی اٹھا کر چلنا شروع کر دوں؟" شبیہ نے جھنجلا کر کہا۔ تنوی نے اتنے وحشیانہ انداز میں اس کا بازو دبوچا تھا کہ ناخنوں سے بری طرح خراشیں لگی تھیں۔

"ناخن دیکھے ہیں اپنے؟ پتا نہیں لڑکیوں کو اوٹ پٹانگ فیشن کرنے کا شوق کیوں ہوتا ہے۔" وہ اس کی طرف دھیان دیے بنا بول رہا تھا جبکہ تنوی کے اوسان خطا ہو رہے تھے۔ عروش اور اس لڑکے کا ہر اٹھتا قدم جیسے اس کے دل پر پڑ رہا تھا۔

"آج ہی جا کر ناخن نہ کاٹے تو میں تمہارے ہاتھ ہی کاٹ دوں گا۔" شبیہ حسب عادت پتھر پھوڑ رہا تھا۔

تنوی کی خوف و سراسیمگی سے حالت بری تھی۔ اس وقت تو اور بھی مصیبت ہوئی جب عروش بالکل اس کے دروازے کے قریب آ کر رک گئی۔ اسے لگ رہا تھا، ابھی وہ ہاتھ اٹھا کر شیشے پر دستک دے گی اور شبیہ سے اس کی شکایت لگا دے گی۔ یہ حماقت کی حد تھی کہ یہ خیال آتے ہی اس کی

آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

"تم لڑکیاں اتنے الٹے دماغ کی کیوں ہوتی ہو۔اب ناخن کاٹنا ایسی بات ہے کہ اس پر رویا جائے۔" اس نے غصے کے ساتھ جھنجلا کر کہا تھا پھر اس پر نظر پڑتے ہی کھٹکا۔ وہ صرف رو نہیں رہی تھی اس کی رنگت بھی خطرناک حد تک زرد ہو رہی تھی۔

شبیہ اپنے آپ میں گم رہنے والا انسان تھا۔اس نے آج تک نہ کسی مزاج کے رنگ سے آشنائی حاصل کرنے کی کوشش کی تھی۔نہ چہرے کی رنگت سے دل کا کوئی تار جوڑا تھا۔

وہ نہیں جانتا تھا، یہ لڑکی جو اس سے منسوب ہے جب اداس ہوتی ہے تو اس کا چہرہ کیسا لگتا ہے۔خوش ہوتی ہے تو کتنی کلیاں چپکے سے اس کی رنگت میں کھل جاتی ہیں۔آنکھوں کی جھکی ہوئی جھالر تلے کتنے ستارے چمکتے ہیں۔ان آنکھوں میں آنسو چھلکتے ہیں تو دل کے کس گوشے پر ٹھیس پہنچتی ہے۔اس کے خواب کیا ہیں۔خواہشیں کیسی ہیں۔وہ کیا سوچتی ہے۔وہ کیا چاہتی ہے۔اس نے کبھی کوئی خواب دیکھا یا نہیں۔ہاں وہ اس کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتا تھا کبھی جاننے کی کوشش ہی نہیں کی البتہ وہ یہ ضرور جانتا تھا جب بی پی لو ہوتا ہے تو اچھے اچھوں کی رنگت زرد ہو جاتی ہے۔

"طبیعت ٹھیک ہے تمہاری؟" اس نے پوچھا تو ی چھکوں پھکوں روتی رہی۔شبیہ نے دوسری بار قدرے نرمی سے یہی سوال پوچھا لیکن تیسری بار یہ خود ساختہ نرمی جواب دے گئی۔

"سنائی نہیں دیتا تمہیں؟" تنوی نے ڈر کر جھٹ اثبات میں گردن ہلا دی۔

"پھر بتاتی کیوں نہیں ہو۔یا سیکرٹری آ کر بتائے گا۔" انداز ہنوز۔اس نے پھر سر ہلا دیا۔

"سیکرٹری آ کر بتائے گا؟" اس کا غصہ بڑھا۔سر مشرق مغرب گھوما۔

"او خدا کی بندی! منہ میں جو ایک عدد زبان ہے، اس کو تھوڑی زحمت دے لو۔یہ اشاروں کی زبان مجھ کم فہم کی سمجھ میں نہیں آتی۔" بیزاری سی بیزاری تھی۔

"طبیعت ٹھیک ہے۔" جواب تو دے دیا۔حسیات البتہ بند شیشے کے باہر ہی لگی ہوئی تھیں۔

"فرینڈ سے جھگڑا ہوا ہے؟"

"بھوک لگی ہے؟"

"ٹیچر نے ڈانٹا ہے؟"

عموماً لڑکیاں ایسی ہی احمقانہ باتوں پر رویا کرتی ہیں تب ہی وہ پوچھتا چلا گیا۔

"تو پھر رو کس خوشی میں رہی ہو؟" مسلسل نفی میں ہلتے سر کو دیکھ کر وہ اور بھی چڑ گیا۔تنوی کیا بتاتی اسے کون سی خوشی لاحق ہے عروش کسی عفریت کی طرح اس کے سر پر کھڑی تھی اور کسی بھی لمحہ ہاتھ اٹھا کر اس کی طرف کا شیشہ بجانے ہی والی تھی۔

لیکن اسے یہ دیکھ کر سخت حیرانی ہوئی کہ ایسا کچھ بھی نہ ہوا، جیسا وہ سوچ رہی تھی۔عروش چند لمحے ان کی کار کے پاس رکنے کے بعد دوسری

طرف نکل گئی تھی۔تنوی کے سارے وجود میں سکون واطمینان کی لہر اتر گئی۔

"تم پاگل ہو گیا؟ ابھی رو رہی تھیں۔ ابھی ہنس رہی ہو، وہ بھی بلاوجہ۔" اسے مسکراتا دیکھ کر شبیہ کو جیسے پتنگے ہی لگ گئے تھے۔

"دراصل مجھے لمبے لمبے ناخن پسند ہیں شبیہ بھائی۔" اسے بروقت بہانا سوجھ گیا اور شبیہ کا دل چاہا اس کو اٹھا کر باہر ہی پھینک دے۔

"اتنی دیر سے تم اس لیے رو رہی تھیں کہ میں نے ناخن کاٹنے کو کہہ دیا۔"

ایک چیز ہوتی ہے جسے عقل کہتے ہیں۔ اگر تم لڑکیاں کبھی کبھار اس چیز کا استعمال کر لیا کرو تو سامنے والا بیزار ہونے سے بچ جائے۔"

"کس قدر احمقانہ باتوں پر تم لڑکیاں ری ایکٹ کرتی ہو...... بتاؤ ناخن ایسی چیز ہے کہ اس کا غم منایا جائے۔ کل کو کوئی منہ دھونے کا کہہ دے تو اس پر بھی رونے بیٹھ جانا...... ناخن پسند ہیں...... تم کوئی ڈھنگ کی چیز نہیں پسند کر سکتیں۔" وہ دیر تک اسے لتاڑتا رہا۔ تنوی نے سب کچھ سر جھکا کر سنا۔

"آپ کو لڑکیوں کے بارے میں اتنی ساری باتیں کیسے پتا ہیں شبیہ بھائی؟" بڑی دیر سے زبان پر رکا سوال اس نے سادگی سے پوچھا۔

جواباً شبیہ نے اسے اتنی کڑی نظروں سے گھورا کہ تنوی نے گھبرا کر سر اتنا جھکا لیا جیسے سجدہ ریز ہونے والی ہو۔

"جنگل میں نہیں بستا میں۔ کوئی سوشل سرکل ہے میرا۔ بہت سی فرینڈز ہیں میری۔ بہنیں بھی ہیں، پھر لڑکیوں کو سمجھنا کون سا مشکل کام ہے۔ انیس بیس کے فرق سے ساری ایک سے مزاج کی ہوتی ہیں۔ تم ہرگز اس خوش فہمی میں مبتلا نہ ہو کہ تم جیسا کارٹون میں نے پہلی بار دیکھا ہے۔" ٹریفک بحال ہو گئی تھی۔ شبیہ نے اتنی اچانک گاڑی آگے بڑھائی کہ تنوی کا سر ڈیش بورڈ سے ٹکراتے ٹکراتے بچا۔

مگر وہ چپکی بیٹھی رہی۔ کہنے کے لیے کچھ تھا ہی نہیں، البتہ ہلکی سی اداسی اس کے دل پر چھانے لگی تھی۔

"نہ میں آپ کی بہن...... نہ فرینڈ...... پھر آپ کی زندگی میں میری جگہ کہاں ہے؟" اس نے کڑھتے ہوئے سوچا۔ "آپ نے ٹھیک کہا، مجھے کوئی ڈھنگ کی چیز پسند نہیں آتی۔ آپ پسند ہیں، میری بدذوقی کی اس سے بڑی نشانی اور کیا ہو سکتی ہے۔"

اسے پھر سے رونا آنے لگا۔ لیکن ان آنسوؤں کو اس نے فوراً روک لیا۔ مزید کسی سوال جواب کی متحمل نہیں ہو سکتی تھی۔

☆☆☆

جلال کی ماوی سے اگلی ملاقات برٹش کونسل کی پارکنگ میں ہوئی۔ وہ اپنے دوستوں کے ساتھ وہاں آیا تھا۔ ماوی اور اینیا اس وقت واپس جا رہی تھیں۔ ماوی کو اپنی ضرورت کی کتابیں مل گئی تھیں۔ کار کا لاک کھولتے ہوئے اس کی نظر جلال پر پڑی اور حسب عادت مسکرا کر اور پُرجوش طریقے سے ہاتھ ہلا کر اس نے جلال کو وش کیا۔ جلال بھی حسب عادت دل ہی دل میں ٹپٹایا اور چہرے پر مسکراہٹ سجا کر اس کی طرف آ گیا۔ ممکن ہے وہ اسے نظرانداز کر کے آگے بڑھ جاتا۔ (جس کی توقع اس کی مروّت کی ماری ہوئی فطرت سے تقریباً ناممکن ہی تھی۔) اگر اینیا کو اس کے ساتھ نہ دیکھ چکا ہوتا۔

رسمی علیک سلیک کر کے بے حد اصرار کے باوجود گھر نہ آنے پر اچھی طرح لتاڑ لینے کے بعد ماوی یکایک اس کی بڑی اماں بن گئی۔

"تمہارے یہ دوست تو شکل سے اچھے بچے لگ رہے ہیں۔ اچھی بات ہے کہ تمہیں اچھے دوست مل گئے۔ آئی ایم ہیپی فار یو...... لیکن اس روز پارک میں، میں نے دیکھا تھا اپنے اسی سڑیل دوست کے ساتھ تھے۔ بڑے افسوس کی بات ہے، تمہیں اپنے فائدے کی بات بھی سمجھ میں نہیں آ رہی...... کتنا

سمجھایا تھا میں نے تمہیں۔اچھے لوگوں کے دوست بھی اچھے ہونے چاہئیں۔اس لڑکے جیسے مغروراور سڑیل......اور......بدتمیز نہیں۔"

جوشِ جذبات میں وہ کچھ زیادہ ہی بول گئی۔شبیہ العباس کی شکل اور بدتمیز لہجہ یاد آتے ہی اسے غصہ آنے لگتا تھا۔

"وہ میرا دوست نہیں ہے...... بھائی ہے۔"

جلال کو اس کی نصیحتوں سے چھٹکارا حاصل کرنے کی ایک ہی راہ دکھائی دی تھی،سو بتا دیا،لیکن ماوی کو اتنا صدمہ پہنچا کہ حد نہیں۔

"اوہو......اس کا مطلب یہ ظلم تمہارے ساتھ تقدیر نے کیا ہے...... چ چ۔بڑا افسوس ہوا،لیکن خیراب کیا ہو سکتا ہے،انسان دوست کو چھوڑ سکتا ہے بھائی کو تو نہیں...... چاہے بھائی کتنا ہی سڑیل،بدتمیز،مغرور کیوں نا ہو،مجھے تم سے ہمدردی ہے جلال! گلے پڑے ڈھول کو تو بجانا ہی پڑے گا۔"اس نے گہری،متاسف وہمدردی میں ڈوبی سانس بھرتے ہوئے کہا۔

"نہیں......آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔شبیہ ہرگز بھی ایسا نہیں ہے جیسا آپ سمجھتی ہیں،وہ تو بہت اچھا ہے۔"اس نے شبیہ کا دفاع کیا۔

"دیکھا۔"ماوی نے فوراً چہک کر کہا۔"اچھے انسان کی ایک نشانی یہ بھی ہوتی ہے کہ وہ کسی دوسرے کی برائی برداشت ہی نہیں کرسکتا۔وہ تو پھر تمہارا بھائی ہے اسے Defend (دفاع) نہیں کرو گے تو کیا مجھے کرو گے۔"

جلال سے کوئی جواب نہ بن پڑا،ویسے بھی لگتا......نہیں تھا کہ ماوی قائل ہوگی۔

"میرے دوست انتظار کر رہے ہیں...... میں چلتا ہوں۔"وہ انہیں خدا حافظ کہتا اپنے دوستوں کی طرف چلا گیا۔ماوی ہونٹوں کے کنارے کانوں تک پھیلائے اسے جاتا دیکھتی رہی۔یہاں تک کہ اینا نے ٹوک ہی دیا۔

"اتنا کیوں مسکرا رہی ہو۔"ماوی نے چونک اسے دیکھا،پھر متبسم لہجے میں بولی۔

"جلال کو دیکھ کر پتا نہیں مجھے اتنی خوشی کیوں ہوتی ہے؟"

"ایں......!"اینا نے ٹھٹک کر مشکوک نظروں سے اسے دیکھا۔

"یہ تو کسی اور ہی بات کی علامت لگ رہی ہے۔"اس پر ماوی نے خوش دلی سے قہقہہ لگایا اور اسے چڑاتے ہوئے بولی۔

"تمہاری غلطی نہیں ہے۔سیانے کہتے ہیں جو اپنے دل کی حالت ہو،انسان کو ویسی ہی علامات دوسروں میں نظر آتی ہیں۔"اور حسب توقع اینا چڑ بھی گئی۔

"ماوی کی بچی!بخشو مجھے۔"

"اچھا بابا!چھوڑ دیا،کیا یاد کرو گی۔"اس نے چند لمحے سوچا،پھر احسان کرنے والے انداز میں بولی۔

"تم نے ابھی تک شہروز کو دیکھا نہیں ہے۔دیکھا ہوتا تو جلال کے بارے میں کبھی شک کا شکار نہ ہوتیں۔جلال ایسا ہرگز نہیں ہے کہ اسے شہروز پر ترجیح دی جائے۔"اس نے گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا۔"ویسے تم جلال کو کیسے جانتی ہو؟"اس نے کچھ خیال آنے پر پوچھا۔اینا گڑبڑا سی گئی۔

"ہم ایک ہی ٹاؤن میں تو رہتے ہیں،ولید سے اچھی سلام دعا ہے ان کی۔"اس نے فوراً بات سنبھالی۔جلال سے اپنی تعلق داری واضح

کرنے کے لیے اسے شبیہ کا تعارف بھی کروانا پڑتا اور یہ ایک لمبی چوڑی بلکہ الجھی ہوئی داستان تھی۔ جسے وہ ماوی کو سنانا نہیں چاہ رہی تھی۔

''ایک بات ہے ماوی! اگر جلال بھائی کو شہروز پر فوقیت نہیں دی جا سکتی تو پھر تمہیں ان کو دیکھ کر خوشی کیوں نہیں ہوتی؟'' اس نے بڑی سہولت سے خود پر سے توجہ ہٹا ہی دی تھی۔

''بڑا اچھا سوال پوچھا ہے تم نے۔'' گاڑی کو مین روڈ پر لاتے ہوئے اس نے سنجیدگی سے سراہا۔ ''اس سوال کا ایک جواب تو یہ ہے کہ جلال نے میری ممی کی مدد کی تھی۔ محسن ہے وہ ہمارا۔ اس لیے میں اسے بہت Appreciate (قدر کرتی ہوں۔) کرتی ہوں اور دوسرا جواب یہ ہے کہ مکی ماؤس اور پنک پینتھر کو دیکھ کر میں ہمیشہ خوش ہوتی ہوں۔''

''بہت ہی بدتمیز ہو تم تو ماوی۔'' ایپنا جو توجہ سے اس کی بات سن رہی تھی۔ پنک پینتھر اور مکی ماؤس کے نام سن کر بولی، جبکہ ماوی خوش دلی سے قہقہہ لگا کر ہنسنے لگی تھی۔

☆☆☆

ارسل اور واثق سینے پر بازو باندھے بالکل خاموشی و سنجیدگی کے ساتھ بے حد کڑی نظروں سے اسے گھور رہے تھے۔

جلال نے فوراً دفاعی انداز میں ہاتھ اٹھا دیے۔

''اتفاقاً مل گئی تھی۔ اب کیا اگنور کر کے تم لوگوں کے ساتھ آ جاتا؟ یہ تو بڑی بدتہذیبی کی بات ہوتی۔''

''لائبریری جانا ہے، لائبریری جانا ہے، صبح سے شور مچا رکھا تھا جناب نے۔ پتا چل گیا ہمیں اتنی بے چینی کیوں تھی لائبریری آنے کی۔''

''اور کیا...... پڑھائی کا بہانہ کر کے ملاقاتوں کا اہتمام کرنا کہاں کی تہذیب ہے؟'' واثق نے بھی ناراضی سے کہا۔

''اور اگر ملاقات ہی کرنا تھی تو ہمیں ساتھ لانے کی کیا ضرورت تھی میرے بھائی! ڈیٹ کے بھی کچھ اصول وضوابط ہوتے ہیں، لیکن خیر تیرا پہلا پہلا چانس ہے۔ لیکن ہم ہیں نا، یاروں کے یار، سب سکھا دیں گے تمہیں۔'' ارسل نے جلدی سے احسان کرنے والے انداز میں کہا۔

''خدا کو مانو ارسل!'' جلال نے بدک کر دہائی دی۔ ''وہ کوئی میری ڈیٹ ویٹ نہیں ہے۔ اپنے کسی کام سے آئی ہوگی یہاں...... بتا تو رہا ہوں اتفاقاً ملاقات ہوئی ہے ہماری۔''

''پکی بات ہے؟'' ارسل نے آنکھیں سکوڑ کر پوچھا۔

''میں جھوٹ کیوں بولوں گا ارسل!'' جیڈی نے بیزاری سے کہا۔

''اچھی بات ہے، جب تم سیریس ہی نہیں ہو تو فکرمندی کیسی؟ میں تو صرف یہ کہنا چاہ رہا تھا اس لڑکی کی بے تکلفی سے متاثر نہ ہو جانا۔ یہ جو باہر سے آئی ہوئی لڑکیاں ہوتی ہیں نا، ان کی اخلاقیات کا معیار کچھ اور طرح کا ہوتا ہے، میں یہ نہیں کہتا کہ وہ لوز کریکٹر یا کرپٹ ہوتی ہیں، لیکن ہماری دیسی بچیوں کے لیے جو بے تکلفی کی انتہا ہوتی ہے، یہ وہاں سے اسٹارٹ پکڑتی ہیں۔ آیا کچھ عقل شریف میں؟''

''مجھے سمجھا رہے ہو یہ ساری باتیں؟ بچہ ہوں میں، نہ ہی نا سمجھ ہوں اور میں نے کون سا اس سے رشتے داری بنانی ہے کہ ان باتوں کا خیال

کروں۔ راہ چلتے کبھی ملاقات ہو گئی تو ٹھیک، ورنہ...... نہ سہی۔" جلال نے شانے اُچکا کر کہا۔

"ہوں۔" دونوں سر ہلانے لگے۔" یہاں سعدی ہوتا تو صحیح لطف آتا۔ وہ اس لڑکی کے لیے بہت سنجیدہ ہے۔" واثق نے کہا۔

"اوخدارا......اب سعدی کو نہ بتا دینا۔ میں لائبریری میں ماوی سے ملا تھا۔ جان کو آ جائے گا وہ میری۔" جلال نے منت بھرے انداز میں کہا۔

"تو کیا ہوا۔" واثق شریر انداز میں بولا۔" یہ ساری Explanation اسے بھی دے دینا۔"

"اگر کسی لڑکی سے میں سرِ راہ ملتا تو مجھے یقین ہے اتنی وضاحتیں اپنی بیوی کو بھی نہ دینا پڑتیں۔ جتنی تم دوستوں کو مطمئن کرنے کے لیے دینا پڑتی ہیں۔" جلال نے جل کر کہا تھا واثق اور ارسل قہقہہ لگا کر ہنس دیے۔

☆☆☆

اینیا کالج سے واپس آئی تو بے حد بیزار تھی۔ لیکن برآمدے کی سیڑھیوں کے قریب سفید پتھر کے بے حد خوب صورت گملے رکھے دیکھ کر اس کی ساری بے زاری اڑنچھو ہو گئی۔

"بونسائی۔" دبے دبے سے جوش کے ساتھ وہ گملوں کی طرف لپکی، وہ ہمیشہ سے یہ پلانٹ خریدنا چاہتی تھی، لیکن ہر بار ہی کسی نہ کسی وجہ سے اس کا شوق پورا ہونے سے رہ جاتا تھا۔ پھر کچھ یہ وجہ بھی تھی کہ باغبانی سے اچھی خاصی دلچسپی ہونے کے باوجود اس کا شوق ابھی بہت ابتدائی مراحل میں تھا۔ اس بات کا اندازہ اسے فیضان سے مل کر ہوا تھا۔ وہ جو چار پودے لگا کر یہ سمجھتی تھی کہ باغبانی پر عبور حاصل کر چکی ہے اور اسے کوئی مات نہیں دے سکتا فیضان سے دو چار بار کی تفصیلی گفتگو کے بعد اپنا سا منہ لے کر رہ گئی تھی۔

اس نے اپنا شولڈر بیگ اور فولڈر سیڑھیوں پر رکھ دیا اور اشتیاق سے پودوں کا جائزہ لینے لگی۔

"انو باجی! آج آپ جلدی نہیں آ گئیں۔" شازیہ اینکسی کی طرف سے لپکتی ہوئی چلی آ رہی تھی۔

"تم کہو تو واپس چلی جاتی ہوں۔" انو نے مصروفیت سے جواب دیا۔

"ہائے نا باجی! واپس کیوں جانا ہے۔" شازیہ نے ہنس کر ایسے جواب دیا جیسے اینیا اپنے نہیں اس کے گھر آ بیٹھی ہو۔

"ایک بات تو بتائیں انو باجی! ان پودوں کی خدمتیں کر کے آپ کو ملتا کیا ہے، نرے سبز پتے ہی پتے۔ پھول لگیں تو وہ کبھی کبھار، کوئی پھل لگتا ہو تو بندہ وہی کھا کر خوش ہو لے۔ ہک ہا، ہمارے گاؤں میں تو ایک سے ایک پھل ملتا تھا۔ کبھی لنگڑا تو کبھی چونسا آم کھانے کو ملتا تھا، پھر ایسا ایسا کینو، موسمی۔ شہتوت اتنے میٹھے۔"

شازیہ جھومتی جا رہی تھی اور چٹخارے لیتی جا رہی تھی ایسا لگتا تھا، جیسے آنکھیں بند کیے تصور ہی تصور میں اپنے گاؤں پہنچی ہوئی ہو، ذرا دیر کو آنکھیں کھولیں تو پتا چلا اینیا گملوں کے قریب پنجوں کے بل بیٹھی بری طرح اسے گھور رہی ہے۔

"تمہاری لن ترانی ختم ہو گئی ہو تو یہ بیگ اندر لے جاؤ اور میرے لیے جوس لے آؤ۔"

"کیا ختم ہو گئی؟" شازیہ نے الجھ کر پوچھا، اینیا نے سر پیٹ لیا، پھر گہری سانس بھر کر بولی۔

"کچھ نہیں، تم اپنے ننھے دماغ پر زور نہ ڈالو۔ بیگ اٹھاؤ اور جوس لے کر آؤ۔"

شازیہ ننھے دماغ والی بات پر خفا ہو گئی اور چپ چاپ بیگ اور فولڈر اٹھا کر اندر جانے لگی۔

"ارے ہاں...... سنو شازیہ! یہ پودے کون لے کر آیا ہے؟"

"آپ کے کالج جانے کے بعد فیضان صاحب لے کر آئے تھے۔ کہہ رہے تھے، اینیا سے کہنا اپنی مرضی سے رکھوالیں اور تین کتابیں بھی دے کر گئے ہیں آپ کے لیے۔" شازیہ نے اسی خفگی بھرے انداز میں بتایا اور اندر چلی گئی۔ اینیا کا دل یک بیک مسرت اور صدمے سے دھڑکا اور پھر ذہن ہر سوچ سے خالی ہو گیا۔ یوں جیسے کچھ دیر پہلے تک وہ کچھ بھی نہ سوچ رہی ہو۔"

پتا نہیں فیضان کا یہ عمل اسے اچھا لگا تھا یا بُرا؟

"انہوں نے تو مجھے Yellow goddes دینے کا وعدہ کیا تھا۔" جس وقت وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی اندر کی طرف جا رہی تھی اسے خیال آیا تھا۔

☆☆☆

"مجھے اتنی سی مدد چاہیے تمہاری۔ دوست کی اتنی سی مدد نہیں کر سکتے۔"

سعدی نے جذبات سے چور آواز میں کہا۔ جلال اس وقت اپنے آئس کریم کپ پر جھکا ہوا تھا اور ہمہ تن گوش اسے سن رہا تھا۔ لیکن جملہ مکمل ہونے تک حیرانی و بے یقینی کا ایسا زبردست جھٹکا لگا کہ منہ کی طرف چمچہ لے جاتا، ہاتھ ٹھٹک کر راستے میں ہی رک گیا۔ چند لمحے سر جھکائے اس بات پر غور کرنے کے بعد اس نے اسی انداز میں سعدی کو دیکھا جو بہت سنجیدہ لگ رہا تھا اور جواب طلب نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"آر یو ان یور سینسز!" (تم ہوش میں تو ہو؟) اس کے لبوں سے بس اتنا نکلا۔

"اس میں آؤٹ آف سینس ہونے والی کیا بات ہے؟" سعدی نے کندھے اچکا کر پوچھا۔

"اچھی لگتی ہے وہ مجھے، اگر میں اس سے شادی کرنے کا سوچ رہا ہوں تو اس میں غلط بات کیا ہے۔" اس کا اطمینان قابل دید تھا۔ جلال کا دل چاہا اپنا سر پیٹ لے۔ سعدی درست کہہ رہا تھا، کسی لڑکی سے شادی کا سوچنا غلط نہیں تھا۔ غلط وہ مطالبہ تھا جو سعدی اس سے کر رہا تھا۔

وہ اس سے ملنے ہسپتال آیا تھا، اس وقت سعدی کسی بات پر جلا بیٹھا تھا، اس نے اپنے ساتھ جلال کو باہر چلنے کے لیے کہا۔

"مجھے تم سے ضروری بات کرنی ہے۔"

سعدی لاء پڑھ رہا تھا اور ایک پرائیویٹ ہسپتال میں مقیم تھا۔ جلال کو کہیں باہر جا کر بیٹھنے میں کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ وہ دونوں ہسپتال سے نکل کر ایک آئس کریم پارلر پر آ کر بیٹھ گئے۔

"ارسل بتا رہا تھا، تم لائبریری گئے تھے، ماوی سے ملنے؟" جلال کا دماغ بھک سے اڑا۔ ارسل نے بالآخر اپنا کام دکھا دیا تھا، اس قدر تاکید کے باوجود۔

"میں نے اسے بتایا تھا، اتفاقاً ملاقات ہو گئی تھی، لیکن پتا نہیں اس میں یہ عورتوں کی طرح لگائی بجھائی کی عادت کہاں سے آ گئی ہے۔"

جلال نے جھنجلاتے ہوئے مگر وضاحتی لہجے میں کہا تھا۔

"یار جیڈی! تمہاری تھوڑی سی فیور چاہیے۔ میں چاہتا ہوں تم ماوی کی ممی کے پاس جاؤ اور ان سے میری اور ماوی کی شادی کی بات کرو۔"

اس نے جتنے اطمینان و سکون سے کہا تھا، اتنا ہی جلال ہکا بکا رہ گیا اور اس کے تاثرات دیکھ کر سعدی نے کہا۔

"اچھی لگتی ہے وہ مجھے۔ اگر میں اس سے شادی کرنے کا سوچ رہا ہوں تو اس میں غلط بات کیا ہے۔"

"غلط بات کیا ہونی ہے، میری طرف سے تم ماوی کو چھوڑ جس سے مرضی شادی کا سوچو، لیکن مجھ سے کیوں چاہتے ہو کہ ان کی بیٹی کی قربانی کے لیے چُھری میرے ہاتھوں ثمینہ آنٹی کے گھر تک پہنچے۔" جلال نے جھنجلا کر کہا۔

"کیا مطلب؟" سعدی بُرا مان گیا۔ "ان کی بیٹی مجھ سے شادی کر کے قربان ہو گی؟ یار! حد ہے کیسے سنگ دل دوست ہو تم جو میری فیلنگز ہی نہیں سمجھ رہے؟" سعدی نے نروٹھے پن سے کہا۔

"میرے کہنے کا مطلب تھا شادی ہی کرنی ہے تو گھر کے کسی بزرگ کو بھیجو، میں اچھا لگوں گا تمہارا رشتہ لے کر جاتا۔ دوست ہوں تمہارا، ابا تو نہیں۔" جلال نے سمجھانے کی کوشش کی۔

"پہلے تم جا کر میرے لیے راہ تو ہموار کرو، تب ہی تو ابا سے بات کروں گا۔ ان کو کیا خبر سعدی کون ہے؟ کیا کرتا ہے؟ کس خاندان کا ہے۔" سعدی نے کہا۔

"کسی کے لیے راہ کیسے ہموار کرتے ہیں؟" جلال کی معلومات اس معاملے میں صفر تھیں۔

"اوہو...... اب پورا اسکرپٹ لکھ کر دوں کیا؟" سعدی بھنّایا۔

"جا کر ان کو میرے بارے میں بتانا۔ میری تعریفیں کرنا اور یہ کہ میں ان کی بیٹی کے عشق میں پہلی نظر میں مبتلا ہو گیا تھا۔ وہ اس کی شادی مجھ سے کروا دیں، ان کی بیٹی ساری زندگی خوش رہے گی۔ میں اس کے لیے آسمان سے ستارے بھی توڑ کر لا سکتا ہوں۔ اگر وہ کہے گی، کے ٹو کی چوٹی پر جمی ہوئی برف کا گولا گنڈا بنا کر کھانا ہے تو میں اسے کے ٹو سے برف بھی لا دوں گا حتیٰ کہ اگر وہ کہے گی، افریقہ کے جنگلات سے وہ نایاب جڑی بوٹی ڈھونڈ کر لا دو جسے کھا کر عورتیں زیادہ سے زیادہ عرصہ حسین اور خوب صورت رہ سکتی ہیں تو یقین مانو، میں وہ جڑی بوٹی تلاش کرنے بھی......"

"بس۔" جلال نے یک دم ہاتھ اٹھا کر اسے ٹوک دیا۔ "اس سے آگے ایک لفظ بھی مت کہو، تمہارا خیال ہے اتنی illogical (غیر منطقی) باتیں سن کر وہ اپنی بیٹی کی شادی تم سے کرنے پر راضی ہو جائیں گی؟ ہرگز نہیں۔"

"یہ ہی تو تمہارا اصل کام ہے۔" سعدی نے مسکرا کر کہا۔ "تمہیں ان کو قائل کرنا ہو گا، میں بتا رہا ہوں جیڈی! وہ مجھے نہ ملی تو میں...... میں مر جاؤں گا۔" سعدی نے قطعیت سے کہا تھا۔

جلال سر پکڑ کر بیٹھ گیا، اس کے دوست ہر بار اسے مشکل میں ڈال دیتے تھے۔

''اور وہ تمہاری منگیتر؟''اس کو اچانک یاد آیا۔''مجھے یاد آیا تمہاری منگنی تو بچپن میں ہو چکی تھی۔''

''پہلی نظر کی محبت کے مقابلے میں بچپن کی منگنی کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔''سعدی نے کہا۔''اگر ایک بار مجھے تم ان سے ملوا دو تو میں اس منگنی کا پتا ہی صاف کردوں گا۔''میرے ماں، باپ نے بچپن میں منگنی کر کے ظلم کیا تھا، میں اس ظلم کے خلاف بغاوت کروں گا۔''اس نے ہاتھ لہراتے ہوئے انقلابی انداز میں کہا تھا۔''

''مجھے نہیں لگتا سعدی! ثمینہ آنٹی مانیں گی۔ دیکھو، میں تمہیں ہرٹ کرنا نہیں چاہتا، لیکن اس پہلو کو بھی تمہیں مدنظر رکھنا چاہیے کہ ان میں اور تم میں بہت فرق لگتا ہے، ان کا وے آف لیونگ (زندگی گزارنے کا طریقہ) تمہارے خاندان سے بہت مختلف ہے، پھر تم لوگ گاؤں کے رہنے والے ہو، وہ مغربی آزادانہ ماحول کی پلی بڑھی ہے۔''جلال نے عقل مندی کے ساتھ اسے آئینہ دکھانا مناسب سمجھا تھا۔

''میں اسے پاکستان سے باہر لے جاؤں گا۔''سعدی نے تیزی سے کہا تھا۔''وہ جیسا لائف اسٹائل چاہے گی، میں اسے فراہم کروں گا۔ بس مجھے وہ مل جائے جیڈی! مجھے لگتا ہے اس کے بغیر زندگی بہت مشکل ہوگی، پلیز میری مدد کرو۔''

اس نے منت بھرے انداز میں کہا تھا، جلال سخت مشکل میں پھنس گیا۔

''اچھا ٹھیک ہے۔''بالآخر جلال نے اس کے سامنے ہار مانتے ہوئے کہا۔ میں صرف ان سے بات کر کے دیکھوں گا، وہ راضی ہو گئیں تو ٹھیک، ورنہ دوسری بار میں ان سے کچھ نہیں کہوں گا۔''

''ٹھیک ہے۔''سعدی خوش ہو گیا۔''وہ انکار کریں گی ہی نہیں۔ تم خود بتاؤ، کیا میں ایسا ہوں کہ کوئی لڑکی میرے لیے انکار کر سکے۔''

سعدی نے گردن اکڑا کر اور اترا کر کہا تھا۔

جلال نے بغور اسے دیکھا۔ سچ بول کر وہ سعدی کا دل دکھانا نہیں چاہتا تھا اس لیے خاموشی سے اپنے کپ پر جھک گیا۔

☆☆☆

''میں پلانٹس کے لیے آپ کو تھینکس بولنا چاہ رہی تھی۔''

اینیا نے فیضان سے جھجکتے ہوئے کہا تھا۔

''ٹھیک ہے میں یہاں کھڑا ہوں، آپ کو جو بولنا ہے اطمینان سے بول لیجیے۔''فیضان نے کلائی میں ریسٹ واچ باندھتے ہوئے سنجیدگی سے کہا اور اپنی نرم مسکراہٹ سمیت اس کی طرف دیکھنے لگے۔ اینیا بُری طرح پچھتائی، وہ تک سک سے تیار کہیں جانے کے اہتمام میں تھے، لگ بھی اچھے رہے تھے۔ (بُرے کبھی لگتے ہی نہیں) اس پر سے شریر سی چمک آنکھوں میں سموئے اس پر نظریں ٹکائے کھڑے تھے۔

مرد شاندار ہو اس پر سے خوش مزاج و خوش اخلاق بھی ہو تو کم عمری کے لیے بڑا مہلک ثابت ہو سکتا ہے۔

اینیا کے اعتماد کے پردے میں سلوٹیں پڑنے لگیں۔

''آپ نے بہت خرچا کر دیا۔ اتنا نہیں کرنا چاہیے تھا۔''اپنے بکھرتے ہوئے اعتماد کو جمع کرنے کی کوشش میں اس کے لبوں سے یہی جملہ نکلا۔

''یہ شکریہ تو نہیں ہے، میرا خیال ہے اسے جملہ اعتراض کہنا زیادہ مناسب رہے گا۔'' فیضان نے پُرسوچ انداز میں کہا۔

''آپ بہت مشکل اردو بولتے ہیں۔'' اینیا نے بے ساختہ کہا، فیضان ہنس دیے۔

''کوئی اردو دان سنے تو اس بات پر ہنسے۔''

''کاش! میں بھی ہنس سکتی۔'' اینیا نے روہانسی ہو کر دل ہی دل میں سوچا۔

فیضان نے اس کے جھکے سر کو بغور دیکھا، پھر مزید ستانے کا ارادہ ترک کرتے ہوئے پوچھنے لگے۔

''تمہیں بونسائی پسند نہیں ہے کیا؟''

''پسند ہے، لیکن آپ نے تو کہا تھا مجھے Yellow goddes دیں گے؟''

فیضان پل بھر کے لیے خاموش ہو گئے، پھر بات پلٹتے ہوئے کہنے لگے۔

''ہاں Yellow goddes بھی دوں گا، گملے ابھی تک وہیں پڑے ہیں جہاں میں نے رکھوائے تھے۔ مجھے لگا تمہیں پسند نہیں آئے۔''

''نہیں۔ایسی بات نہیں ہے، پسند تو بہت آئے ہیں، تب ہی تو شکریہ کہنے آئی ہوں۔'' اس نے جلدی سے کہا۔ ''مجھے بونسائی کے بارے میں زیادہ نہیں پتا، یہ بھی نہیں کہ اسے زیادہ دھوپ میں رکھتے ہیں یا کم۔ اسی لیے میں نے انہیں وہیں پڑا رہنے دیا کہ آپ خود ہی ٹھیک جگہ پر رکھوا دیں۔''

''ہاں ضرور۔ یہ تو میں کر دوں گا۔'' فیضان نے مسکرا کر دوستانہ انداز میں کہا تھا۔ ''اور تمہیں شکریہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے، دوستوں میں شکریہ جیسی کوئی فارمیلیٹی نہیں ہوتی۔''

''میں آپ کی دوست تو نہیں ہوں۔'' اس نے بے ساختگی سے کہا۔ فیضان ٹھٹک سے گئے، عام سا جملہ، لیکن لہجہ خاص، یا شاید انہیں ہی لگا، یہ چھوٹی سی لڑکی انہیں کیوں بار بار چونکا دیتی تھی؟

انہوں نے فوراً سر جھٹک کر اس خیال کو جھٹکا جو فوراً سے پیشتر ان کے ذہن میں جگہ بنا رہا تھا۔

''ہاں..... تم دوست تو نہیں ہو تم تو سہیلی ہو لڑکیوں کے لیے یہی لفظ استعمال کرتے ہیں نا۔'' انہوں نے یوں کہا جیسے بچوں کو بہلاتے ہیں۔

''مجھے تمہارے لان میں بونسائی کی کمی لگی تو لے آیا۔ کچھ بلب اور ٹیوبز بھی آرڈر کیے ہیں میں نے تمہارے لیے، کیا وہ بھی لے کر تم شکریہ کہو گی؟ ایسی فارملیٹیز میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے، مجھے اچھا لگے گا اگلی بار تم شکریہ نہ کہو، ویسے بھی میری دانیال صاحب سے بات ہوئی تھی، انہوں نے ہی مجھے کہا تھا، اگر میں کچھ پلانٹس یہاں لگوانا چاہوں تو لگوا دوں۔ میں پودوں سے دور نہیں رہ سکتا۔ اچھا ہے جب تک پاکستان میں ہوں، میری دلچسپی کا سامان بھی رہے گا۔''

انہوں نے اوک بھر پانی اس کے دل کی خوشی پر ڈالا اور اسی طرح مسکراتے ہوئے یہ جا وہ جا۔

اینیا اپنا سا منہ لے کر رہ گئی، اتنی سی دیر میں خدا جانے کیا کیا سوچ چکی تھی۔ ''اونہہ..... دل خوش فہم، تیرا سچ مچ بیڑا غرق۔'' وہ گہری سانس

بھرتی جالی کا دروازہ دھکیلتی اندر آ گئی۔

ماوی صاحبہ حسب معمول صوفے پر نیم دراز پیٹ پر کشن رکھے، کشن پر لیپ ٹاپ آن کر کے کھٹا کھٹ کی بورڈ پر انگلیاں چلا رہی تھیں۔ ٹی وی پر کوئی بور قسم کا سیاسی ٹاک شو چل رہا تھا تو تیسری جانب میوزک سسٹم پر ایک سوفٹ سی دھن لگا رکھی تھی۔

''آ یئے...... آ یئے اینیا صاحبہ! آج آپ کو ہماری یاد کیسے ستائی ؟'' لیپ ٹاپ کی اسکرین پر نظریں جمائے اس نے مسکرا کر چڑایا تھا۔

''پہلے تم بتاؤ ٹائپنگ کر رہی ہو، ٹاک شو دیکھ رہی ہو یا میوزک سن رہی ہو۔''

''جب سارے کام ایک ساتھ ہو سکتے ہیں تو کوئی ایک کام کیوں کیا جائے، آؤ بیٹھو۔'' اس نے ریموٹ سے ٹی وی بند کرتے ہوئے کہا، پھر دوسرا ریموٹ اٹھا کر میوزک سسٹم بھی آف کر دیا۔

''چائے پلاتی ہو تو بیٹھتی ہوں۔''

''نہیں پینی تو تمہیں خود پڑے گی البتہ چائے بنانے کے بارے میں سوچا جا سکتا ہے۔'' ماوی نے تجاہل عارفانہ سے کہا۔

''اب بیٹھ کیوں رہی ہو جاؤ چائے بنالو۔'' اینیا کو بیٹھتے دیکھ کر اس نے کہا۔

''میں مہمان ہوں؟'' اینیا گھور کر کہا۔

''کیسی تکلف والی باتیں کر رہی ہو اینیا! میں تمہیں مہمان نہیں سمجھتی، جاؤ شاباش چائے بنا لاؤ۔'' ماوی نے بے تکلفی سے کہا۔

''اور ہاں...... فریزر میں چکن نگٹس ہوں گے، ذرا وہ بھی فرائی کر لینا۔''

''اگر تم کہو تو دوپہر کے کھانے کے برتن بھی دھو دوں اور کچن کی ہفتہ وار صفائی بھی کر دوں۔'' اینیا نے جل کر پوچھا، ماوی جلدی سے بولی۔

''ارے نہیں، اتنا کام کرنے کی کیا ضرورت ہے۔''

اینیا گہری سانس بھرتی کچن میں آ گئی اور کچھ دیر بعد جب پوری ٹرے سجا کر واپس آئی تو ماوی صوفے پر پیر اوپر رکھ کر بیٹھی اس کی منتظر تھی۔

''شاباش...... تم نے تو سارا کام بہت جلدی ختم کر لیا۔'' ماوی نے مسرور ہو کر کہا۔ ساتھ ہی ٹرے اس کے ہاتھوں سے لے کر میز پر رکھ دی اور ایک نگٹ کھاتے ہوئے بولی۔

''ثمینہ آنٹی کہاں ہیں؟''

''سو رہی ہیں، اور تم اتنا سوچ سوچ کر کیوں کھا رہی ہو، اس اسپیڈ سے کھاؤ گی تو دو نگٹس کھانے تک میں پوری پلیٹ صاف کر دوں گی۔''

''تم کھاؤ، مجھے بھوک نہیں ہے۔'' اینیا نے چائے کا کپ اٹھاتے ہوئے کہا تو ماوی کسی قدر چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

''کیا بات ہے، پریشان لگ رہی ہو؟''

''نہیں...... پریشانی کیسی؟'' وہ سادگی سے ہنس دی، پھر پُرسوچ انداز میں پوچھنے لگی۔

''ماوی! تمہیں پتا ہے جب محبت ہوتی ہے تو کیسا محسوس ہوتا ہے؟''

"تم بتاؤ، کیسا محسوس ہو رہا ہے آج کل۔" ماوی کو تو موقع چاہیے تھا، فوراً شرارتی انداز میں پوچھنے لگی۔ اینیا گڑبڑا گئی۔

"کیا مطلب؟"

"ارے مطلب وطلب چھوڑو، جو دل میں چل رہا ہے وہ بتاؤ۔" وہ چہکی اور اینیا سچ مچ اس کشمکش سے گھبرا چکی تھی۔ ایک آن میں اس نے فیصلہ کیا اور ماوی کے سامنے دل کا دامن خالی کر دیا۔

"یہ طے ہے کہ وہ مجھے اچھے لگتے ہیں، لیکن محبت۔" اس نے تذبذب سے کہا اور پیر کا ناخن کھرچنے لگی۔

"اس میں اتنا سوچنے کی کیا بات ہے بھئی۔ یہ محبت ہی ہے۔" ماوی نے اصرار سے بلکہ پُر وثوق انداز میں کہا تھا۔

"تمہیں کیسے پتا؟"

"مجھے سب پتا ہوتا ہے یار!" ماوی نے اترا کر کہا۔ "جیسے مجھے یہ پتا تھا کہ تم فیضان ماما میں انٹرسٹ لے رہی ہو، ماوی نام ہے میرا۔ ممی کہتی ہیں، یہ تو اڑتی چڑیا کے پر بھی گن سکتی ہے۔ یہ کیسے ممکن تھا اینیا میڈم! آپ کے دل کی داستان تک نہ پہنچوں۔"

"ثمینہ آنٹی طنز میں کہتی ہوں گی۔" اینیا نے کہا۔

"میں تو تعریف میں کہہ رہی ہوں۔" وہ اطمینان سے کندھے اچکا کر بولی۔

"اچھا اپنی تعریفیں کرنا بند کرو اور یہ بتاؤ، اب میں کیا کروں؟"

"کرنا کیا ہے؟ سیدھے سیدھے جا کر فیضان ماما کو بتا دو کہ تم انہیں پسند کرتی ہو۔" اس نے باسہولت حل بتایا، اینیا فوراً نفی میں سر ہلانے لگی۔

"میں نہیں کہہ سکتی۔"

"وجہ؟"

"مجھے ڈر لگے گا۔" اینیا نے سر جھکا کر خفت سے کہا۔

"میرے ماما سے آئی لو یو بولنا ہے یا ہٹلر سے۔ جو ڈر لگے گا۔" ماوی سلگی۔

"پہلے کنفرم تو ہونے دو، یہ محبت ہے یا محض پسندیدگی۔" اس نے لاچاری سے کہا تھا۔

"میری بات مان لو، یہ محبت ہی ہے۔" ماوی تحمل سے بولی۔

"تمہیں کیسے پتا، جبکہ ابھی تک مجھے بھی نہیں پتا۔" اینیا نے سرعت سے پوچھا تھا۔

"میرے ہی جیسے کسی ذہین فلاسفر نے کہا ہے محبت اور یرقان کو آنکھوں سے ظاہر ہونے سے نہیں روکا جا سکتا۔ تو تمہاری آنکھیں بتا رہی ہیں، تمہیں ان سے محبت ہو چکی ہے۔ جس طرح یرقان انتہا پر پہنچ کر ہیپاٹائٹس میں بدل جاتا ہے ٹھیک اسی طرح محبت شدت اختیار کرے تو عشق بن جاتا ہے، پھر انسان دیوانہ ہو جاتا ہے اسے راتوں کو نیند نہیں آتی، چاند کو دیکھ کر ٹھنڈی آہیں بھرنے لگتا ہے اور اس کا دل چاہنے لگتا ہے اپنے بال بکھیر کر جنگلوں میں نکل جائے۔" بے حد سنجیدگی بھرے انداز میں وہ رتی بھر بھی سنجیدہ نہیں تھی۔

''یہ تم کسی عاشق کا حال بیان کر رہی ہو یا پاگل پھنسنے کا؟''

''پاگل پھنسنے کا۔'' سنجیدگی سے جواب آیا۔

اینیا نے سر پیٹ لیا۔

''اس سر نے کیا قصور کیا ہے، مجھے تم سے پوری ہمدردی ہے اینیا، محبت کرنے سے پہلے مجھ سے مشورہ کر لیتیں تو میں ضرور تمہیں بتاتی، کسی پتھر سے سر پھوڑ لو، پنکھے سے پھندا لگا کر خودکشی کر لو، مگر فیضان ماما سے محبت نہ کرو۔''

''مروتم۔'' اینیا جھٹکے سے اٹھ کر جانے لگی، ماوی نے اسی تیزی سے اس کا راستہ روک لیا۔

''خبردار، بات کو بیچ میں چھوڑ کر جاؤ گی تو مجھ جیسی بہترین دوست سے ہاتھ دھو بیٹھو گی۔ ویسے بھی میں تمہیں دل سے اپنی ممانی جان مان چکی ہوں اور جب تک اپنی ممانی جان کی پریشانی دور نہیں کر دیتی، مجھے چین نہیں آئے گا۔'' اس نے دھونس بھرے انداز میں کہا۔

''سبحان اللہ، کیا بات ہے آپ کی۔'' اینیا نے جل کر کہا۔

''یہ تک تو پتا نہیں آپ کے ماموں جان کے دل میں کیا ہے۔ محترمہ مجھے ممانی جان بنائے بیٹھی ہیں۔''

''دیکھو......ایک بہت بہترین فلاسفر نے کہا ہے جب کسی مسئلے کا حل نہ مل رہا ہو تو کرکٹ کھیلنا چاہیے اور اس کے بعد مسئلے کا حل ڈھونڈنا چاہیے۔'' ماوی نے سابقہ سنجیدگی سے کہا۔

''اور یہ فلاسفر کون ہے؟'' اینیا نے گھور کر پوچھا۔

''وہ تمہیں میں نظر نہیں آ رہی۔'' ماوی کھلکھلائی، اینیا اسے گھور کر بولی۔

''محبت مجھے ہوئی ہے، لیکن لگتا ہے، دماغ تمہارا چل گیا ہے۔ اتنی دوپہر میں کرکٹ کھیلیں گے۔''

''اب آئی نا صحیح بات زبان پر۔'' ماوی نے خوش ہو کر پُر جوش ہو کر تالی بجائی، اینیا سٹپٹا گئی۔

''نہیں......وہ۔''

''ارے چھوڑو یہ، وہ......بس اتنا کافی ہے کہ تم کو فیضان ماما پسند ہیں۔ میں ان کو سمجھا نہیں سکتی، لیکن ان کو قائل کرنے کے لیے تم کو بڑے اچھے آئیڈیاز دے سکتی ہوں۔ کیا بتاؤں کہ فیضان ماما کی روکھی پھیکی زندگی میں رنگ بھرنے کا خیال ہی کتنا خوش کن ہے۔ چلو آؤ پہلے چائے پیتے ہیں، پھر کرکٹ کھیلیں گے اور اس کے بعد بیٹھ کر سوچیں گے کہ تمہیں کیا کرنا چاہیے۔''

وہ جیسے سارا کچھ طے کیے بیٹھی تھی، اینیا کسی سوچ کے تحت دوبارہ بیٹھ گئی۔

☆☆☆

اس کے بعد ہنگامی بنیادوں پر میچ ارینج کیا گیا۔ ماوی اور اینیا کی ایک ٹیم تھی۔ ولی نے لڑکیوں کی ٹیم میں شامل ہونے کو سراسر اپنی مردانگی کی توہین تصور کیا اور ولید سے سخت چپقلش کے باوجود اس کے ساتھ ٹیم بنانے کو ترجیح دی۔ شازیہ فیلڈر تھی، جبکہ چوکیدار جس کی دور کی نظر کمزور تھی اور

اللہ کے فضل وکرم سے آج وہ اپنا نظر کا چشمہ بھی گھر بھول آیا تھا کہ ایمپائر بنا دیا گیا۔ اب کچھ اس قابل ایمپائر کی مہربانی اور کچھ ماوی کی ڈھٹائی کا نتیجہ تھا کہ لڑکیاں گھنٹہ بھر سے فرضی وکٹ اور ڈرائیو وے کی بیچ پر جمی کھڑی تھیں اور لڑکے بری طرح پیچ و تاب کھا رہے تھے۔ بالآخر ولید کا صبر جواب دے گیا۔ اس نے پی کیپ اتار کر زمین پر پٹخی اور وہیں پھسکڑا مار کر بیٹھ گیا۔

"کیا ہوا ہے ولید؟"

"جب تک ہمیں بیٹنگ نہیں دی جائے گی، ہم نہیں کھیلیں گے۔"

"ارے واہ۔" اینیا نے تنک کر کہا۔ "ہمیں آؤٹ کرو پہلے، پھر بیٹنگ لے لو۔"

"بالکل ٹھیک۔" ماوی نے بھی بیٹ لہرا کر کہا۔

"اب تمہاری بالنگ زیرو ہے تو کوئی کیا کرے، ورنہ میں تو اتنی بہترین پلیئر ہوں کہ نائنٹی ٹو میں عمران خان نے ہر میچ کا اسٹریجی پلان مجھ سے ہی بنوایا تھا۔" اس نے اکڑ کر کہا۔

"اچھا" ولید نے پُر سوچ نظروں سے اسے دیکھا۔ "اب تم اتنا اصرار کر رہی ہو تو مان لیتا ہوں۔ ویسے بھی تم اتنی عمر رسیدہ لگتی ہو ضرور نائنٹی میں مشورے دیتی ہو گی۔"

ماوی کے تلووں میں لگی سر پر بجھی وہ بُری طرح سلگی تھی۔

"عمر رسیدہ کسے کہا ہے تم نے؟"

"میرا خیال ہے دونوں ٹیمز کے کیپٹن میں تلخ کلامی ہونے کی بنا پر میچ درمیان میں ہی ختم کرنا پڑے گا۔" اینیا نے شرارتی انداز میں کہا۔

"جی نہیں۔ جو میدان چھوڑ کر بھاگے گا، وہ بزدل ہو گا" ماوی ڈٹ کر کھڑی ہو گئی۔ "یہ ولید ہمیں آؤٹ نہیں کر پا رہا۔ اسی لیے الٹی سیدھی باتیں کر رہا ہے۔"

"تم بغیر دھاندلی کے کھیلتیں تو پہلی بال پر ہی آؤٹ ہو چکی ہوتیں۔" ولید نے دو بدو کہا۔

"اب آؤٹ کر کے دکھاؤ تو مان جاؤں۔" ماوی نے چیلنج کیا۔

"ایسی بات!" ولید اٹھ کھڑا ہوا، پیچھے ہٹنے والوں میں سے تو وہ بھی نہیں تھا۔

"میں نے بھی اس بال پر سکس نہ لگایا تو میرا نام ماوی نہیں۔" ماوی نے پوزیشن سنبھالی۔

"ٹھیک ہے پھر کل سے ہم تمہیں "بزھکو" بلایا کریں گے" ولید نے پوزیشن لے کر بال پھینکی ماوی ایک دم ہائی الرٹ تھی اس نے سرعت سے بیٹ گھمایا۔ گیند بیٹ سے ٹکرا کر تیزی سے آسمان کی طرف بلند ہوئی۔ سب کی نظریں گیند پر تھیں گیند کچھ دیر ہوا میں تیرتی رہی پھر مہارت سے نوے کا زاویہ بناتی بنگلے کی باؤنڈری وال کے اس پار غروب ہو گئی۔ ساتھ ہی ایک زوردار چیخ ان سب کی سماعت سے ٹکرائی تھی۔

ماوی کے ہاتھ سے بیٹ چھوٹ گیا۔

''یہ۔یہ کیا تھا۔'' اس نے ہراساں ہو کر پوچھا۔

ولی، ولید اور چوکیدار تیزی سے گیٹ کی طرف بھاگے۔ ماوی اینیا اور شازیہ میں تو ہمت نہیں تھی کہ جا کر دیکھتیں اس سکس نے کیا کمال کیا ہے۔

چند منٹ بعد وہ تینوں بوکھلائے ہوئے واپس آ گئے۔

''باہر سڑک پر ایک لڑکا اوندھا پڑا ہے۔ پتا نہیں بے ہوش ہے یا مر گیا۔ بال اس کے سر پر لگی ہے۔''

''اب کیا کریں؟ لڑکیاں گھبرا گئیں۔

''کرنا کیا ہے۔ اندر چلو۔ شاٹ ماوی نے لگایا تھا پولیس کے حوالے بھی اسی کو کریں گے۔'' ولید نے سنگ دلی سے کہا تھا۔

''کھیل تو سب رہے تھے۔'' ماوی نے پریشانی سے کہا۔

''جی نہیں۔ میں تو موقع واردات پر موجود ہی نہیں ہوں باقی تم لوگوں کی مرضی ہے جو دل میں آئے کرو۔'' وہ کہہ کر اندر بھاگ گیا۔

''میں تو ولید کی ٹیم میں تھا جب وہ ہی یہاں موجود نہیں تھا تو میں کیسے ہو سکتا ہوں۔'' ولی بھی اس کے پیچھے ہو لیا۔

لڑکیاں آوازیں دیتی رہ گئیں لیکن مجال ہے جو دونوں میں سے کوئی پلٹا ہو۔

''یہ دونوں تو بہت ہی بے مروت نکلے۔'' ماوی نے صدمے سے چور آواز میں کہا تھا۔

''ماوی، چلو ہم بھی بھاگ جاتے ہیں کسی کو کیا پتا، گیند کس کی تھی۔''

لیکن اس سے قبل کہ ماوی کچھ کہتی چوکیدار کی آواز آئی۔

''بی بی! مردہ کھڑا ہو رہا ہے۔''

وہ دونوں حواس باختہ ہو کر گیٹ کی طرف دوڑیں اور جلال کو کپڑے جھاڑتا دیکھ کر ایک ساتھ پُرسکون سانس ان کے لبوں سے برآمد ہوئی۔

''شکر ہے، آپ زندہ ہیں۔'' اینیا نے کہا۔

''اچھا ہوا بال آپ کو لگی ورنہ پتا نہیں کون معصوم میرے ہاتھوں زخمی ہو چکا ہوتا۔'' ماوی کی آواز میں اطمینان و جوش کے ساتھ ساتھ شکر گزاری بھی تھی۔

جلال بے چارہ پہلے ہی سر پر گیند کھا کر بوکھلایا ہوا تھا۔ یہ بات سن کر بڑا سخت صدمہ پہنچا۔

''یعنی میرا زخمی ہونا کوئی معنی نہیں رکھتا۔''

''ارے کیسی باتیں کر رہے ہو جلال۔ معنی کیوں نہیں رکھتا؟ بالکل رکھتا ہے بلکہ سچ کہوں تو مجھے بڑی خوشی ہوئی ہے کہ میری گیند آپ کو لگی۔''

بڑی خوشی سے ارشاد فرمایا گیا پھر وہی بنا سوچے سمجھے بولنے کی عادت۔

''جی۔'' جلال کو دھچکا لگا۔

''یہ قدرت نے تمہیں ہمارا مہمان بنانے کا انتظام کیا ہے۔ ورنہ تم نے تو ہمارے گھر نہ آنے کی قسم کھا رکھی تھی۔ چلو آؤ۔ اندر آ جاؤ۔ تمہیں

اچھی سی چائے پلواتے ہیں۔ ممی بھی تم سے مل کر بہت خوش ہوں گی۔" اس نے بے تکلفی سے کہا۔

"جی نہیں۔ چائے کے تکلف کی کیا ضرورت ہے۔" جلال نے ٹالتے ہوئے کہا۔

"ارے۔" ماوی نے اپنائیت بھری جھنجلاہٹ کے ساتھ کہا۔

"پہلی بار تم چوٹ کھا کر ہمارے گیٹ کے سامنے پڑے ہو۔ اب تمہیں سوکھے منہ تو جانے نہیں دے سکتے۔ ہم بڑے مہمان نواز لوگ ہیں۔ کوئی کچھ کھائے پیئے بغیر ہمارے یہاں سے جائے، ہمیں اچھا نہیں لگتا۔ چلو آؤ شاباش۔ چائے پی کر جانا۔"

حسب عادت وہ خدا جانے کیا کیا بولتی کسی بڑی اماں کی طرح اسے پچکارنے لگی۔ ناچار جلال اس کے ساتھ اندر چل دیا۔ کچھ ماوی کا اصرار اور کچھ سعدی کی منتیں بھی یاد آ گئی تھیں۔

☆☆☆

"ٹھیک ہے اماں! جیسے تیری مرضی۔ میں تو ویسے بھی تیری خوشی میں راضی ہوں۔"

دین محمد نے سر جھکا کر سعادت مندی سے جواب دیا۔ اس کی ماں کا دل یک دم خوشی سے بھر گیا۔ اسے فوری طور پر یاد نہیں آیا، کتنے عرصے کے بعد اس کا بیٹا دھیمے لہجے میں اس سے بات کر رہا تھا۔ اسے صرف اتنا یاد رہا کہ اس کے منہ سے یہ جواب سننے کے لیے وہ کتنے عرصے سے منتظر تھی۔ بے ساختہ اپنی جگہ سے اٹھ کر اس نے دین محمد کے سر پر ہاتھ پھیرا اور دعائیں دیتی کمرے سے باہر جانے لگی۔

"بس ایک بات کا خیال رکھنا اماں۔" دین محمد کی آواز پر وہ دروازے کے قریب رک گئی اور پلٹ کر اسے دیکھنے لگی۔

"میرے لیے جو بھی لڑکی پسند کرنا، وہ ایسی ہونی چاہیے جو میری جنت کا خیال رکھ سکے۔ اسے سوتیلی ماں ہونے کا احساس نہ دلائے۔ مجھے اپنے لیے بیوی سے زیادہ جنت کے لیے ماں کی ضرورت ہے۔"

اس کا لہجہ اس بار مدھم سہی لیکن مستحکم اور دو ٹوک تھا۔ دین محمد کی ماں جانتی تھی جلد یا بدیر اگر وہ شادی کے لیے ہامی بھرے گا تو اسی شرط کیساتھ بھرے گا تب ہی، گہری سانس بھرتی اثبات میں سر ہلا کر کمرے سے باہر آ گئی جنت کے کمرے کے سامنے اس کے قدم بے ساختہ رکے۔ کھلے ہوئے دروازے سے وہ پلنگ پر لیٹی دکھائی دے رہی تھی۔ وہ اس وقت ساڑھے گیارہ سال کی ہو چکی تھی لیکن قد کاٹھ سے اپنی عمر سے زیادہ بڑی لگتی تھی۔

دین محمد کی ماں چند منٹ وہیں کھڑی اسے دیکھتی رہی پھر آگے بڑھ گئی اور آنگن میں بچھی چارپائی پر بیٹھ کر سوچنے لگی کہ اب اسے کیا کرنا چاہیے۔ برادری کی تین چار لڑکیوں پر پہلے ہی اس نے دین محمد کے لیے نظر رکھی ہوئی تھی ان میں سب سے پہلے قرعہ فال شاہدہ کے نام نکلا جو اس کی چچیری بہن کی بیٹی تھی۔ اور اپنے لمبے قد اور گھنی چٹیا کی وجہ سے اسے بے حد پسند تھی۔ دین محمد کی ماں کو یقین تھا وہ جس کے بھی گھر میں دین محمد کے لیے دست سوال دراز کرے گی، وہاں سے اسے مایوس نہیں لوٹایا جائے گا لیکن دقت یہ تھی کہ اسے ایک نہیں برادری کی کئی لڑکیاں پسند تھیں اور اس کے لیے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو رہا تھا کہ ان میں سے کس کو دین محمد کے لیے چنے بالآخر اس نے شاہدہ کے حق میں فیصلہ دیا اور اگلے روز اس کے یہاں جانے کی تیاری کرنے لگی۔

گو کہ اس نے زہرہ کی ناگہانی موت کے کچھ عرصہ بعد ہی دین محمد کی تنہائی کے خیال سے اس سے شادی کے لیے اصرار شروع کر دیا تھا لیکن دین محمد ہر بار دوسری شادی سے انکار کر دیتا۔

"میں اپنی جنت پر سوتیلی ماں کبھی نہیں لاؤں گا۔" وہ ہر بار یہی کہتا لیکن چار ساڑھے چار سال کی مستقل تنہائی نے غالباً اسے تھکا دیا تھا تب ہی اس بار اس نے اپنی اہم شرط ماں کے سامنے رکھ کر شادی کے لیے ہامی بھرلی، دین محمد کی ماں جنت کی طرف سے پریشان تھی اس نے جنت کو مزار والے بابا جی کا تبرک کھلا کر اس کالے سائے کو ہٹانے کی اپنی سی کوشش کی تھی جو جنت کی وجہ سے اسے دین محمد کی عقل پر پھیلا ہوا لگتا تھا لیکن اپنی اس کوشش میں اسے منہ کی کھانا پڑی تھی۔ بیٹے نے ناراض ہو کر بول چال کئی دن تک بند رکھی پھر اس کے معافی مانگنے پر راضی ہوا تھا۔

دین محمد کی ماں اس بات پر کئی روز تک پریشان رہی تھی۔ اسے بیٹے کی نگاہ میں اپنی قدر پتا چل گئی تھی اور اس کے بعد ماں نے جنت کو سدھارنے کی کوششیں ترک کر کے دین محمد کو شادی کے لیے راضی کرنے کی تگ ودو شروع کر دی تھی۔

اسے لگتا تھا، دوسری بیوی کے زندگی میں آتے ہی دین محمد کی جنت کے لیے محبت اور غیر معمولی جھکاؤ میں کمی نہ سہی لیکن اعتدال ضرور آ جائے گا جنت اس کی شہہ سے بہت زبان دراز ہو گئی تھی۔

اگلے روز دین محمد کی ماں مٹھائی اور پھل کے ٹوکرے کے ساتھ پوری شان سے بیٹے کا رشتہ لے کر اپنی چچیری بہن کے یہاں گئی لیکن اسے سخت مایوسی کا سامنا کرنا پڑا جب یہ پتا چلا کہ شاہدہ کا رشتہ چند روز قبل ہی اس کے ماموں کے بیٹے سے طے کیا جا چکا ہے۔

دین محمد کی ماں کو بے حد افسوس ہوا۔ دین محمد کی ٹال مٹول نے اتنی اچھی لڑکی ہاتھ سے نکال دی تھی۔ اس نے اگلے روز بھائی فردوس کے یہاں جانے کا فیصلہ کیا جو اس کا دور پرے کا رشتہ دار تھا اور جس کی بیٹی تبسم اپنے نام کی طرح کھلکھلاتے ہوئے مزاج اور بے حد گوری رنگت کی وجہ سے دین محمد کی ماں کو شاہدہ سے بھی زیادہ پسند تھی لیکن چونکہ اس کا باپ دور کا رشتہ دار تھا، اس لیے تبسم کو دوسرے نمبر پر رکھا گیا تھا۔

بھائی فردوس کے گھر جاتے ہوئے دین محمد کی ماں مسلسل جنت کے ردِعمل کے متعلق سوچ رہی تھی۔ گھر میں سوتیلی ماں یعنی تبسم کے آنے کی خبر سن کر وہ کیا کہے گی۔ وہ یقیناً خوش ہو گی اور باپ کی شادی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے گی۔" دین محمد کی ماں کو یکا یک خیال آیا تھا۔

"ویسے تو بھائی فردوس اعتراض نہیں کرے گا لیکن ہو سکتا ہے وہ جنت کے بارات کے ساتھ آنے پر اعتراض کرے۔ تبسم کی تو یہ پہلی شادی ہے ہو سکتا ہے، ہونے والے شوہر کی پہلی بیٹی کا بارات کے ساتھ آنا اسے اچھا نہ لگے۔ پھر تو دین محمد نہیں مانے گا جب تک جنت اس کے ساتھ نہ ہو گی وہ بارات لے کر ہی نہیں جائے گا۔ لیکن خیر، میں بھائی فردوس کو منا لوں گی بچی کی یہ خوشی تو نہ چھینیں۔"

وہ راستہ بھر اپنے پریشان کن خیالات کو خود ہی رد کر کے مطمئن ہوتی رہی لیکن بھائی فردوس کے یہاں اسے پھر ناکامی کا سامنا کرنا پڑا، جب یہ پتا چلا کہ تبسم کی بات بھائی فردوس نے اپنے بڑے بھائی کے یہاں چلا رکھی ہے۔

دین محمد کی ماں یہاں سے بھی نامراد لوٹ آئی لیکن اسے یہ جان کر حیرانی ہوئی کہ دونوں لڑکیوں کے رشتے چپ چاپ طے کیے گئے ہیں ورنہ برادری میں جب بھی کسی لڑکے یا لڑکی کے رشتے کی بات چلتی، سب ہی کو خبر ہوتی اگلے دو گھرانوں میں دین محمد کی ماں کو اسی طرح انکار کا سامنا

کرنا پڑا اور اس کی حیرانی میں اضافہ ہوتا رہا۔لڑکیوں کے رشتے یا طے ہو چکے ہوتے یا طے پانے کے مراحل میں ہوتے۔

وہ جو یہ سمجھ رہی تھی اسے دین محمد کی دوسری شادی کے سلسلے میں کوئی دقت نہیں ہوگی تو اس کی ساری خوش فہمی دھری رہ گئی لیکن اصل صدمے کا سامنا اسے اس وقت کرنا پڑا جب وہ اپنے سگے بھائی کی نواسی کا رشتہ لے کر گئی۔اس کے بھائی کی بیوی بے حد بدمزاج تھی۔ساری زندگی اُس نے نندوں سے جھگڑوں میں گزاری تھی۔آگے اس کی بیٹیاں بھی ایسی ہی بدمزاج اور منہ پھٹ تھیں۔البتہ اس کی بھتیجی کی بڑی لڑکی سلجھے ہوئے مزاج کی اور نرم خولڑکی تھی۔اسی لیے وہ اسے دین محمد کے لیے بیاہ کرلانا چاہتی تھی۔

لیکن جوں ہی اس نے اپنی بھتیجی نصرت کے سامنے اس کی بیٹی کے لیے سوال دراز کیا۔وہ ہاتھ اٹھا کر بدلحاظی سے بولی۔

"بس پھپھی!اس سے آگے کچھ نہ کہنا۔یہ تو مجھے پتا چل ہی گیا تھا کہ تم دین محمد کے لیے ہر لڑکی کے لیے سوال ڈال رہی ہو لیکن میں تمہیں صاف بتا دوں،کم سے کم اس برادری میں کوئی تمہارے دین محمد کو اپنی بیٹی نہیں دے گا۔"

"ہائے ہائے نصرت!کیا کمی ہے میرے دین محمد میں۔تُو نے اپنی بیٹی نہیں بیاہنی نہ سہی مگر ساری برادری کا نام تو نہ لے۔" دین محمد کی ماں نے تنک کر کہا۔

"دیکھ پھپھی!اس میں برا ماننے کی کوئی بات نہیں۔تجھے پتا ہے میں،اللہ بخشے اپنی بے بے کی طرح صاف گو ہوں۔لگی لپٹی رکھنا نہیں آتی مجھے۔جو دل میں ہے وہی زبان پر ہوتا ہے۔میں تو ساری باتیں تجھے اس لیے بتا رہی ہوں کہ برادری کے کسی اور گھر میں تجھے شرمندگی نہ اٹھانا پڑے۔تجھے کیا لگتا ہے میرے گھر آنے سے پہلے تو نے جہاں جہاں دین محمد کا رشتہ ڈالا ہے،ان لڑکیوں کے رشتے پہلے ہی طے ہو چکے ہیں؟"

"ان کے ماں پیو تو یہی کہتے ہیں۔" دین محمد کی ماں نے الجھے ہوئے انداز میں کہا تھا۔

"جھوٹ بولتے ہیں سارے۔" نصرت نے سنجیدگی سے کہا۔

"ہک ہا۔تیرا دماغ تو نہیں چل گیا نصری!وہ کیوں جھوٹ بولیں گے۔؟" وہ اکتا کر بولی۔

"صاف صاف انکار کر کے تیرا دل نہیں دکھانا چاہتے تھے،اس لیے صرف تجھے انکار کرنے کا تمیزدار طریقہ تھا۔" نصرت عرف نصری نے ٹھوڑی کے نیچے ہاتھ جماتے ہوئے کہا تھا۔

"نصری!مجھے ٹھیک ٹھیک بتا بات کیا ہے؟"

"دیکھ پھپھی!دماغ کھول کے میری عقل والی بات سن۔دین محمد میری گود کا کھیلا بچہ ہے،میں اس کی بڑی قدر کرتی ہوں پھر زمین،دولت بھی واہ واہ(بہت زیادہ)ہے لیکن یہ ایسی باتیں ہیں جن پر جنت نے پردہ ڈال دیا ہے۔"

"جنت کا یہاں کیا ذکر؟"

"لے جنت کے بغیر دین محمد کا ذکر ہو ہی نہیں سکتا۔" نصرت نے سر پر ہاتھ مار کر کہا۔"جنت کو تو دین محمد نے ہتھیلی کا چھالہ بنا رکھا ہے ساری برادری جانتی ہے،وہ کس طرح جنت کو سر چڑھائے بیٹھا ہے۔اتنی سی عمر میں جیسا اس لڑکی کا نخرہ اور مزاج ہے۔توبہ توبہ اللہ معاف کرے۔کسی کی مت

ماری گئی ہے، ایسے گھر میں اپنی بیٹی دے جہاں چار ساسوں جیسی اور چھ فسادن نندوں جیسی ایک سوتیلی بیٹی پہلے سے موجود ہو۔ اس نے تو ایک دن نئی ماں کی عزت نہیں کرنی۔"

دین محمد کی ماں چپ کی چپ رہ گئی۔

"میری ماں جیسی! یا تو دین محمد کی شادی کا خیال دل سے نکال دے یا پھر برادری سے باہر کی کوئی لڑکی تلاش کر اور اگر دونوں باتیں نہیں کر سکتی تو پھر دین محمد کو سمجھا کہ جنت کا مزاج ٹھکانے پر لائے۔ باقی میں تیرے لیے دعا کروں گی کہ اچھی بہو تجھے مل جائے۔"

دین محمد کی ماں مایوس ہو کر اس کے گھر سے نکل آئی۔ یہ بات تو اس نے سوچی ہی نہیں تھی اور اب نصرت کی باتیں سن کر اسے احساس ہو رہا تھا کہ واقعی جنت کا وجود دین محمد کی زندگی میں کسی لڑکی کو نہیں آنے دے گا یا کم سے کم وہ ایسی لڑکی نہیں ہوگی جو اس کے گھرانے سے واقف ہو اور ایسی لڑکی برادری سے تو نہیں ہو سکتی۔

اس کے ذہن میں چند روز کی سوچ بچار کے بعد ایک اور خیال آیا۔ اس نے ملازمہ کے ذریعے گاؤں کی نائن کو بلوا بھیجا جو رشتے کروانے کا کام بھی کرتی تھی۔ اس نے نائن سے کچھ اچھی لڑکیاں دکھانے کے لیے کہا۔ ساتھ ہی اپنی شرائط بھی بتا دیں کہ لڑکی دھیمے مزاج کی ہو اور بے حد خوبصورت ہونی چاہیے۔

دین محمد کو جنت کے مقابلے میں سمجھانا مشکل تھا لیکن اس کا دل کہتا تھا خوبصورت نئی بیوی کی موجودگی میں وہ جنت کی پروا کرنا کسی حد تک کم کر دے گا جس سے یقیناً جنت کے مزاج پر بھی اچھا اثر پڑتا اور اگر وہ دھیمے مزاج کی ہوگی تو جنت کے ساتھ سمجھوتا کر کے گزارا کرے گی۔ اپنی طرف سے بہت اچھی تیاری کر کے اس نے نائن کو اپنی شرائط بتائی تھیں۔ ساتھ ہی اس نے یہ بھی کہہ دیا تھا کہ اگر لڑکی کم حیثیت گھرانے سے ہو تو اور بھی اچھا ہوگا۔

نائن نے اسے تسلی دی اور جلد ہی اچھی لڑکیاں دکھانے کا یقین دلاتی اپنا معاوضہ لے کر چلی گئی۔ اس نے جلد ہی دین محمد کی ماں کو لڑکیاں دکھانا شروع کر دیں۔ لیکن دین محمد کی ماں کو کوئی لڑکی پسند نہ آتی۔ کوئی خوبصورت نہ ہوتی کوئی تیز مزاج لگتی تو کسی کا گھرانہ مضبوط حیثیت کا ہوتا۔ ہر جگہ انکار کرتے اسے شرم آتی لیکن یہ اس کی مجبوری تھی۔

دو مہینے کی خواری کے بعد بالآخر اسے بشریٰ پسند آ گئی جس کا تعلق پڑوس کے گاؤں سے تھا۔ وہ بے حد غریب گھرانے کی اور سات بہنوں میں سب سے بڑی تھی اور اس کے دائیں پیر میں لنگ تھا جس نے اس کی خوبصورتی کو ماند کر کے رکھ دیا تھا لیکن دین محمد کی ماں کو اس پر کوئی اعتراض نہ تھا۔ بشریٰ خوبصورت اور بھرپور لڑکی تھی۔ اس کے پیر کا لنگ نظر انداز کیا جا سکتا تھا بشریٰ کے ماں باپ کو دین محمد کی دوسری شادی یا ایک بیٹی پر کوئی اعتراض نہیں تھا۔ ان کے لیے یہی بہت تھا کہ ایک مال دار زمیندار ان کی لنگڑی بیٹی سے شادی کرنے کے لیے تیار ہو گیا ہے اور جوان کی باقی بیٹیوں کی شادیاں کروانے میں ان کی مدد کر سکتا ہے مالی بھی اور اخلاقی بھی۔

اس بات کی یقین دہانی دین محمد کی ماں نے کروا دی تھی۔

اور یوں دین محمد کی ماں کی چند مہینوں کی تگ و دو کے بعد بشریٰ نام کی خوبصورت لڑکی، بیوی بن کر دین محمد کی روکھی پھیکی بے رنگ زندگی میں رنگ بھرنے آ گئی یا یوں کہنا زیادہ مناسب رہے گا کہ بشریٰ نام کی خوبصورت لڑکی سوتیلی ماں بن کر جنت کی زندگی میں آ گئی۔

☆☆☆

ثروت کو بڑی دیر سے کوئی سوچ لاحق تھی۔

جب سوچتے سوچتے تھک چکیں تو کسی نتیجے پر پہنچے بغیر لیکن حتمی انداز میں اٹھ کھڑی ہوئیں کہ اب بات کیے بنا کوئی چارہ نہ تھا مگر اسٹڈی کے دروازے کی ناب پر ہاتھ رکھ کر وہ ایک بار پھر الجھیں۔ بعض اوقات بہت زیادہ سوچ بچار کو بھی کسی فیصلے کی درستی کی ضمانت قرار نہیں دیا جا سکتا۔

اگلے ہی پل وہ اندر داخل ہو گئیں۔ بک ریک کے قریب کھڑے اور کسی کتاب میں غرق دانیال حسن نے لحظہ بھر کے لیے گردن موڑ کر انہیں دیکھا پھر سابقہ معروفیت میں گم ہو گئے۔

ثروت کی نظریں سگریٹ کے جلے ہوئے ٹکڑوں اور چائے کی اس کالی سی پیالی پر ٹھہر گئیں جو اسٹڈی پر تھی۔

"خود کو اور کتنا جلائیں گے دانیال حسن؟" ثروت نے گہری متاسف سانس بھرتے ہوئے سوچا۔

"مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔"

"میں معروف ہوں۔" حسب توقع جواب آیا۔

"میرے لیے تو آپ ہمیشہ معروف ہی رہے۔ یاد نہیں پڑتا ہے کبھی آپ کی کوئی فرصت میرے حصے میں آئی ہو۔" ثروت نے آنچ دیتے لہجے میں کہا دوسری طرف یوں خاموشی چھائی رہی جیسے سنا ہی نہ گیا ہو۔ ثروت کے تاسف میں اضافہ ہوا لیکن کیا فائدہ۔

"ولی، اینیا سے آپ کے رویے کی شکایت کر رہا تھا۔ وہ خود الجھا ہوا ہے کہ اصل معاملہ کیا ہے۔ اسے محسوس ہوا ہے ہمارے ریلیشن شپ میں کوئی ایسی بات ہے جو نارمل نہیں ہے۔ اس کی باتیں سن کر ولید نے کہا۔"

"بہتر ہوگا۔ تم مختصر بات کرو۔" دانیال حسن نے سرد مہری سے کہا۔ ثروت کا خیال تھا بیٹوں کے نام آتے ہی دانیال ضرور چونکیں گے لیکن۔

"آپ کو اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ ہمارے بچے ہماری ہی وجہ سے پریشان رہتے ہیں۔ چھوٹی چھوٹی عمروں میں انہوں نے بڑی بڑی باتیں سوچنا شروع کر دی ہیں۔"

"فرق پڑتا ہے۔ لیکن اس کا ذمہ دار میں نہیں ہوں۔" دانیال حسن ایک کتاب لیے واپس کرسی پر آ بیٹھے۔

"پھر کون ہے ذمہ دار؟" میں۔ جس کی ساری زندگی شک کی آنچ پر سلگتی گزری ہے۔؟" ثروت نے تڑپ کر پوچھا۔

"میں نے تم پر کبھی شک نہیں کیا۔" دانیال حسن نے ان کی طرف دیکھے بنا جواب دیا۔

"زبان سے کبھی نہیں کیا لیکن کوئی ایسا لمحہ نہیں گزرا جب آپ نے میرے کسی بھی عمل کو شک کی نگاہ سے نہ پرکھا ہو حالانکہ آپ کو سوچنا چاہیے تھا، مجھے مستقیم سے ہی ملنا ہوتا تو اس سے الگ ہو کر آپ کے پاس کیوں آتی۔"

''بات یہ ہے ثروت کہ تمہیں ہمیشہ اسی بات کا دکھ رہا۔ چاہو تو اب اپنے فیصلے پر نظرِ ثانی کرلو۔'' دانیال حسن نے پتھر پھوڑے۔

''نظرِ ثانی۔'' ثروت نے زہر خند لیا۔ ''اپنے فیصلوں پر پچھتایا جاتا ہے دانیال صاحب! نظرِ ثانی نہیں کی جاتی خصوصاً تب جب اولاد بھی قد سے اونچی ہونے لگے۔''

''ایسا ہی پچھتاوا ہے تو چلی کیوں نہیں جاتیں میری زندگی سے۔ تمہیں بھی سکون مل جائے گا اور مجھے بھی۔'' دانیال حسن واقعی غصے سے دانت کچکچانے لگے۔

ثروت نے دکھ سے انہیں دیکھا۔ اپنی ریزہ ریزہ ہوئی ہمتیں جمع کیں اور بولیں۔

''یہی بتانے آئی تھی آپ کو جب آپ کی زندگی میں میری جگہ ہی نہیں تو اس گھر میں رہ کر کیا کروں گی۔ میں کل بھائی جان کے ہاں جا رہی ہوں واپس کب آؤں گی کچھ کہہ نہیں سکتی لیکن مجھے لگتا ہے، ہم دونوں کو ایک دوسرے سے دور رہ کر سوچنا چاہیے۔ میرے کوئی الجھاؤ نہیں ہیں لیکن کسی حتمی فیصلے پر پہنچنے کے لیے یقیناً آپ کو تنہائی درکار ہوگی، صرف ایک گزارش ہے اگر علیحدگی کا فیصلہ ہو تو میری بیٹی کو اس گھر سے رخصت کر دیجئے گا۔ ٹوٹے ہوئے گھروں کی بیٹیاں جڑ سے اکھڑے پودے کی طرح ہوتی ہیں۔ اپنی جڑیں زمین میں گاڑنے کے لیے انہیں وقت چاہیے ہوتا ہے۔ بیٹے سنبھل جاتے ہیں۔ شبیہ العباس بھی سنبھل گیا۔ خدا کرے ولی اور ولید بھی۔ آپ کا جو بھی فیصلہ ہو، مجھے مطلع کر دیجئے گا۔ میں منتظر رہوں گی۔''

''خود جا رہی ہو، واپس بھی خود ہی آنا ہوگا۔ اس امید پر مت رہنا کہ میں لینے آؤں گا۔'' دانیال حسن کو ثروت کا فیصلہ سن کر بے یقینی کا جھٹکا لگا تھا لیکن انا آڑے آ گئی۔ ترخ کر بولے۔

''نہیں۔ خود واپس نہیں آؤں گی اگر واپس لانا ہے تو لینے کے لیے آپ کو ہی آنا پڑے گا۔ اسے میری ضد سمجھ لیں۔'' ثروت نے دوٹوک کہا تھا۔

''یہ عمر ہے ضد کرنے کی۔'' وہ سلگے۔

''جو عمر فیصلہ کرنے کی تھی، ہم اس میں فیصلہ نہ کر سکے۔ اب جو عمر ضد کی نہیں ہے، اس میں ضد کر کے دیکھ لیتے ہیں۔'' ثروت نے آہستگی سے کہا اور دروازہ کھول کر باہر نکل گئیں۔ چند منٹوں میں بہت بڑا فیصلہ ہو چکا تھا۔

''اونہہ۔ پچھتاؤ گی ثروت بیگم! کیونکہ میں تو اب نہیں جھکوں گا۔''

دانیال حسن نے بند دروازے کو دیکھتے ہوئے تلخی سے کہا پھر کتاب پر جھک کر خود کو لاپرائی کا جھانسا دینے لگے۔

☆☆☆

''مجھے تو اس مسئلے کا صرف ایک ہی حل دکھائی دے رہا ہے۔ بغیر جھجکے فیضان ماما کے پاس جاؤ اور ان سے صاف کہہ دو کہ تم ان سے محبت کرتی ہو۔ اور ان سے شادی کرنا چاہتی ہو۔''

وہ دونوں ٹیرس پر موجود تھیں اور اینیا کی بنائی ہوئی کولڈ کافی سے لطف اندوز ہو رہی تھیں۔

اس مشورے پر اینیا نے سر اٹھا کر اسے یوں دیکھا جیسے اس کی عقل پر شک گزر رہا ہو۔

"پاگل ہوئی ہو کیا۔ میں کیسے کہہ سکتی ہوں؟"

"تو کیا میں کہوں گی۔" ماوی نے دوبدو کہا تھا۔

"محبت خود کی ہے تو اظہار بھی خود ہی کرنا پڑے گا۔ کوئی مدد کرنے نہیں آئے گا۔"

"تم جا کر کہہ دو پلیز۔ میری تو ہمت نہیں ہو گی۔" اس نے بے چارگی سے کہا۔

"ہمت نہ ہو تو محبت وجبت جیسا مرض پالنا نہیں چاہیے۔" ماوی نے بے دردی سے کہا۔ "بزدلوں کی طرح منہ چھپا کر کونے میں پڑے رہنا چاہیے۔"

"عجیب لڑکی ہو۔ بجائے یہ کہ میری مدد کرو۔ مجھے طعنے دے رہی ہو۔" وہ خفا ہوئی۔

"مدد اور کیسے کی جاتی ہے؟" ماوی نے ترنت پوچھا۔

"میں مشورہ دے تو رہی ہوں، جا کر فوراً سے پیشتر اظہار محبت کرو ابھی تو تمہارے پاس چانس ہے یعنی ویکنسی خالی ہے، ایسا نہ ہو کل کو کوئی اور چمک چلو اس ویکنسی پر غاصبانہ قبضہ کر لے اور تم منہ دیکھتی رہ جاؤ۔"

اس نے اپنے حساب سے سنسنی پھیلائی اور حسب توقع وہ خائف بھی ہو گئی۔

"ایسا بھی چانس ہے ماوی؟"

"دیکھو۔ یہ دنیا ہے اور دنیا میں کچھ بھی ہو سکتا ہے پھر اتنے ہینڈسم ہیں میرے فیضان ماما، کوئی وجہ نہیں ہے کہ کوئی دوسری لڑکی ان میں انٹرسٹ نہ لے۔"

"تم مجھے ڈرا رہی ہو ماوی؟" اس نے روہانسی ہو کر کہا۔

"شاباش۔ ویری گڈ۔" ماوی پُرجوش ہو کر بولی تھی۔ "جتنا زیادہ ڈرو گی۔ اتنی جلدی جا کر فیضان ماما سے اپنے دل کا حال بیان کرو گی۔"

"اینیا گہری سوچ میں ڈوب گئی پھر نفی میں سر ہلانے لگی۔

"مجھ سے نہیں ہو گا۔"

"تو پھر میں یہاں بیٹھ کر تمہارے ساتھ سر کیوں کھپا رہی ہوں۔" ماوی نے جھنجلا کر کہا تھا۔

"میں جا کر اظہار نہیں کر سکتی ماوی۔ مجھے شرم آئے گی۔" بالآخر اس نے سچ اگل دیا۔

"ہاں تو ٹھیک ہے ناں۔ تم بیٹھ کر شرماتی رہو۔ میں تب تک فیضان ماما کے لیے کوئی اور لڑکی تلاش کر لوں گی۔"

"بہت ہی بدتمیز ہو۔ میری دوست ہو کر مجھے ہی نقصان پہنچاؤ گی۔" اس کی طوطا چشمی پر اس نے صدمے سے کہا۔

"تو اور کیا کروں۔" ماوی نے سابقہ انداز میں پوچھا۔

"فیضان ماما نے جدوجہد سے بھرپور زندگی گزاری ہے۔ چھوٹی عمر میں پریکٹیکل فیلڈ میں آ گئے تھے، کم عمری میں بہت سی ذمہ داریاں اٹھائیں، مجھے لگتا ہے اتنی جدوجہد نے ان کے گرد حصار کھینچ دیا ہے کہ وہ زندگی کے اصل رنگوں کی طرف دھیان ہی نہیں دیتے۔ سوچا تھا تم جیسی لڑکی ان کا حصار توڑے گی تو وہ اصل خوشیوں کی طرف متوجہ ہوں گے۔ لیکن تم۔ تم تو بھی۔ بہت ہی ڈبو نکلیں۔"

"ہاں تو میں کیا کروں، ڈبو نہیں ہوں لیکن یہ بات کچھ عجیب سی نہیں لگتی کہ۔"

"ارے کچھ عجیب نہیں لگتا۔" ماوی اسے قائل ہوتا دیکھ کر پھر بیٹھ گئی اور پرجوش انداز میں بولنے لگی۔ "تمہیں تھوڑی سی ہمت کرنا پڑے گی۔ انہیں اپنی موجودگی کا احساس دلانا پڑے گا۔ وہ تو ناک کی سیدھ میں چلنے کے عادی ہیں۔ اردگرد دھیان ہی نہیں دیتے۔ اب انہیں کیا پتا، ان کے آس پاس ایک ایسی لڑکی موجود ہے جو خوبصورت بھی بہت ہے اور ان کی محبت میں بھی مبتلا ہے۔ ساری زندگی محبت میں ناکامی کا غم دل سے لگا کر زندہ نہیں رہنا چاہتیں تو میری بات مان لو، جا کر خود ہی اظہار کر دو اس آس میں رہو گی کہ وہ خود پیش قدمی کریں تو فضول ہے۔ ساری زندگی چپ چاپ گزار لیں گے۔ دل کی بات زبان پر نہیں آنے دیں گے۔"

"تمہیں لگتا ہے وہ بھی مجھ سے۔" اس نے بے ساختہ خوش ہو کر پوچھا۔

"تم میں کس بات کی کمی ہے کہ کوئی تم سے محبت نہ کرے، بس یہ ہے کہ فیضان ماما کی دور و نزدیک دونوں کی نظر کمزور ہے۔ تمہیں شادی کے بعد دونوں طرح کی عینکیں اٹھا کر پھرنا پڑے گا۔" وہ جو سنجیدگی سے سن رہی تھی، اس بات پر ہنس دی۔

"تم بھی ناں ماوی۔"

"ارے ماوی کو چھوڑو۔ اپنی بات کرو۔" ماوی نے لاپروائی سے کہا۔

"کب کرو گی ہمت؟"

"اچھا سوچ کر بتاؤں گی اس نے بالآخر ہامی بھر لی۔

"اونہہ۔ اس میں سوچنے کی کیا بات ہے؟" ماوی بدمزہ ہو کر پوچھنے لگی۔

"جو کرنا ہے جلدی کرو۔ تمہیں نہیں پتا مجھے کتنا شوق ہے کہ فیضان ماما سنہری شیروانی پہن کر سفید گھوڑی پر بیٹھیں اور میں اکڑ کر اپنے ماما کی بارات کے آگے چلوں۔"

ایک تو اس کا یہ پتا نہیں چلتا تھا، کس وقت سنجیدہ ہوتی ہے کس وقت غیر سنجیدہ۔

"اگر تم نے سوچنے میں زیادہ وقت ضائع کیا تو سچ مچ کوئی اور لڑکی تلاش کر لوں گی۔"

"اچھا بابا! لیکن مجھے ہوم ورک تو مکمل کرنے دو۔ مجھے کیا پتا ایسے موقع پر کیا کہا جاتا ہے اچھا۔ تم بتاؤ۔ تم نے شہروز سے کس طرح اظہار محبت کیا تھا۔"

''یار۔ میرا اور شہروز کا ایسا کوئی سین نہیں تھا'' ماوی نے لاپروائی کے ساتھ ناک سے مکھی اڑاتے ہوئے کہا۔ ''ہماری اتنی اچھی انڈر اسٹینڈنگ تھی کہ کبھی اس بات پر سوچنے کا خیال ہی نہیں آیا کہ ہمیں محبت ہے یا نہیں۔ بس ہمیں پتا تھا، ہم ایک دوسرے کے لیے بنے ہیں تب ہی جب انگیجمنٹ کی بات اٹھی تو ہم دونوں میں سے کسی نے بھی اعتراض نہیں کیا اور بغیر کسی رومانٹک سچوایشن کے ہماری منگنی ہوگئی۔''

''واؤ! کتنی لکی تھیں تم ماوی۔'' اینیا نے حسرت بھرے انداز میں کہا۔ ''کاش۔ میں بھی تمہارے ماموں کی کزن ہوتی اور ہماری منگنی اسی طریقے سے بغیر کسی جھنجٹ کے ہو جاتی جیسے تمہاری اور شہروز کی ہوگئی۔ میری تو سمجھ میں نہیں آ رہا۔ ہمت کر کے ان کے سامنے چلی بھی گئی تو کہوں گی کیا؟''

''شکر ادا کرو، تم ان کی کزن نہیں ہو ورنہ تم کو بھی انہوں نے فوراً اپنی بہن بنالینا تھا جیسے باقی کزنز کو بنائے بیٹھے ہیں۔ اپنی اسی بری عادت کی وجہ سے اب تک کنوارے بیٹھے ہیں فیضان ماما، ورنہ کب کی ان کی نیا پار لگ چکی ہوتی۔''

ماوی نے تاسف بھرے انداز میں اپنا مخصوص تبصرہ کیا تھا۔ اس سے قبل کہ اینیا کچھ کہتی شازیہ اسے بلانے آ گئی۔ ثروت نے اسے بلوایا تھا۔

''تم بیٹھو ماوی۔ میں دس منٹ میں واپس آتی ہوں۔''

''نہیں پھر آؤں گی یا اچھی طرح سوچ کر تم ہی آ جانا۔ میں چلوں، ممی انتظار کر رہی ہوں گی۔'' ماوی بھی اینیا کے ساتھ ہی سیڑھیوں کی طرف آ گئی تھی۔

☆☆☆

''آپ نے بلوایا تھا ممی؟''

اینیا نے بیڈروم میں داخل ہوتے ہوئے سرسری سا پوچھا۔ اس کا خیال تھا کوئی روٹین کی بات ہوگی لیکن ثروت کو سوٹ کیس پیک کرتا دیکھ کر چونک گئی۔

''یہ کیا؟ آپ کیا کر رہی ہیں۔؟ کہیں جا رہی ہیں؟''

''ہاں۔ میں کچھ روز کے لیے تمہارے ماموں کے یہاں جا رہی ہوں۔'' ثروت نے مصروفیت بھرے انداز میں جواب دیا۔

''کیوں؟'' اسے یک دم پریشانی نے گھیر لیا۔ ''میرا مطلب ہے۔ اتنا اچانک آپ نے ماموں کے یہاں جانے کا ارادہ کیسے کر لیا؟ کل تک تو آپ کا کوئی پلان نہیں تھا؟''

ثروت نے لحظہ بھر کے لیے اسے دیکھا۔ اتنا تو انہیں اندازہ تھا کہ وہ پریشان ہو جائے گی۔ تب ہی اس کے ہر متوقع سوال کا جواب پہلے سے تیار کر رکھا تھا۔

''اماں پچھلے دنوں بیمار رہی ہیں۔ میں نے سوچا، کچھ دن کے لیے ان کے پاس چلی جاتی ہوں، ان کا دل بھی بہل جائے گا اور میری اداسی بھی دور ہو جائے گی۔ رات ہی ارادہ کیا ہے جانے کا۔''

''اینیا خاموشی سے ان کا چہرہ دیکھنے لگی فوری طور پر اسے ان کی بات پر اعتبار نہیں آیا تھا۔

''نانو سے ملے ہوئے تو مجھے بھی بہت دن ہو گئے۔ میں بھی چلوں آپ کے ساتھ؟''

''کالج کا کیا کرو گی؟''

''چھٹی لے لوں گی۔'' اس نے جلدی سے کہا۔

''کتنے دن کی چھٹی؟''

''ایک ہفتے کی تو مل جائے گی۔'' اس نے فوراً خیال ظاہر کیا۔

''اور اگر میرا ایک ہفتے سے زیادہ وہاں ٹھہرنے کا پلان بن گیا تو؟'' ثروت نے پوچھا۔ ''اور تم بھی ساتھ چلی گئیں تو مجھے فکر رہے گی، میری غیر موجودگی میں کوئی تو ہو جو تمہارے ڈیڈی اور بھائیوں کا خیال رکھے۔''

''اتنے دن کیوں stay (قیام) کرنا ہے۔ آپ جلدی آ جایئے گا۔'' اس نے زور دے کر کہا۔

''نہیں اینیا اس بار میرا قیام طویل ہوگا۔ اماں کے بغیر دل بہت اداس ہے میرا۔'' وہ مسلسل نظریں چرا رہی تھیں۔

اور اتنے دن آپ کے بغیر ہم جو اداس ہوں گے۔'' اس نے خفگی سے کہا تھا۔

''تمہیں تو عادت ڈالنا چاہیے۔ کل کو شادی ہونا ہے تمہاری۔ ساری زندگی تو ماں کے ساتھ نہیں رہ سکتیں۔'' ثروت نے مسکرا کر پیار سے کہا۔

''جب شادی ہوگی تو دیکھا جائے گا۔ ابھی سے کیا مصیبت آئی ہے کہ میں عادت ڈال لوں۔'' اس نے خفگی سے کہا۔

''اور ولی۔ اس کو تو رخصت ہو کر کہیں اور نہیں جانا کہ آپ کے بغیر رہنے کی عادت ڈالے۔ وہ بہت اداس ہو جائے گا۔''

''میں اسے سمجھا کر جاؤں گی۔ باقی تم سنبھال لینا۔'' ثروت نے اس کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔

''توبہ اتنے فسادی ہیں آپ کے بیٹے۔ دنوں مل کر میرا ناک میں دم کر دیں گے۔ میں تو نہیں سنبھال سکتی۔'' اس نے جھنجلاہٹ سے کہا۔

''سنبھال لوگی، میں جانتی ہوں۔'' ثروت نے پُر یقین لہجے میں کہا پھر اس کی پیشانی پر پیار سے بوسہ دیتے ہوئے بولیں۔

''تم پر تو مجھے خود سے بھی زیادہ مان ہے۔ اتنی پیاری بیٹی ہو تم میری کہ کبھی کبھار میں سوچتی ہوں کاش۔ میں ساری زندگی تمہیں اپنے پاس رکھ سکتی۔''

''ہاں تو میں ہمیشہ آپ کے پاس ہی رہوں گی ناں۔''

''ایسے نہیں ہوتا ناں میری جان۔ بیٹیوں کو ایک نہ ایک دن رخصت ہو کر اپنے اصل گھر جانا ہی پڑتا ہے جو ان کے شوہر کا گھر ہوتا ہے۔'' ثروت نے رسان سے کہا تھا۔

''آج آپ کو بار بار میری شادی کا خیال کیوں آ رہا ہے۔'' اس نے الجھ کر پوچھا۔

''شاید اس لیے کیونکہ آج مجھے اپنی ماں کی بہت یاد آ رہی ہے۔ سوچتی ہوں، ہر بیٹی پر ایسا وقت آتا ہے جب وہ ماں کو یاد کرتی ہے اور تنہا ہوتی ہے۔ یہ وقت تم پر بھی آئے گا۔'' انہوں نے پیار سے اس کے بال سہلاتے ہوئے کہا۔

''نہیں۔نہیں آئے گا۔میں ہمیشہ آپ کے پاس رہوں گی۔''

''بری بات ہے بیٹا۔ایسا نہیں کہتے۔دعا کیا کرو اللہ تمہاری قسمت اچھی کرے تمہیں اتنا بہترین شریک حیات ملے جو تمہیں ماں باپ کی کمی محسوس ہی نہ ہونے دے۔''

اینیا کے تصور میں فیضان کا چہرہ روشن ہو گیا۔''پتا نہیں ممی کو پتا چلے گا تو ان کا ردعمل کیا ہوگا۔''اس نے سوچا ممی کہہ رہی تھیں۔

''یہ جو زندگی ہوتی ہے پہاڑ کی چوٹی سر کرنے جیسی ہوتی ہے،خصوصاً عورت کے لیے۔کچھ انسانوں کو بالکل سیدھی پگڈنڈی ان کی منزل تک پہنچا دیتی ہے۔لیکن کچھ لوگوں کے راستوں میں تقدیر رکاوٹیں کھڑی کرتی رہتی ہے کبھی انہیں راستے سے بھٹکانے کے لیے تو کبھی ان کا حوصلہ جانچنے کے لیے۔کامیاب انسان وہ ہوتا ہے جو حوصلہ مندی کے ساتھ بغیر بھٹکے پہاڑ کی چوٹی تک پہنچ جائے۔میں چاہتی ہوں تم،ولید اور ولی کامیاب انسان بنو۔''ان کا انداز خود کلامی کا سا تھا اینیا چونک کر انہیں دیکھنے لگی۔

''ممی!آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں؟''

''آں۔ہاں۔''ثروت چونک سی گئیں پھر مسکرا کر کہنے لگیں۔

''میری غیر موجودگی میں تمہیں اپنے ڈیڈی اور بھائیوں کا خیال رکھنا ہے اور جو بھی قدم اٹھانا ہے،بہت سوچ سمجھ کر اٹھانا ہے۔ہوسکتا ہے اس دوران دانیال تمہاری شادی کا ایشو اٹھائیں اور تمہیں فیصلے کا اختیار دیں۔میں چاہتی ہوں،تم جو بھی فیصلہ کرو۔بے حد سمجھداری سے کرو۔''

''ممی!''اینیا نے الجھ کر انہیں ٹوکا ہر آن اس کی الجھن میں اضافہ ہوا تھا۔''کیا آپ کا اور ڈیڈی کا جھگڑا ہوا ہے۔''

''نن۔نہیں۔''ثروت بوکھلا گئیں۔

''پھر آپ اس طرح کی باتیں کیوں کر رہی ہیں؟میری شادی ایسا ایشو تو نہیں ہے کہ ڈیڈی آپ کی غیر موجودگی میں کوئی فیصلہ کر لیں۔دس نہیں تو پندرہ دن کے بعد تو آپ کو واپس آ ہی جانا ہے جو بھی ہوگا،آپ کی موجودگی میں ہوگا اور پھر مجھے تو ابھی شادی نہیں کرنی۔ایم ایس سی تو کر لوں پھر اس کے بعد دیکھا جائے گا آپ ایک بار ولی اور ولید کو بھی بتا دیں کہ آپ کچھ دن نانو کے پاس گزارنے جا رہی ہیں اور کوئی بات نہیں۔''

اس نے ایک اور ذمہ داری ان کے کندھوں پر ڈالی۔ثروت جو اسے بہت کچھ سمجھانا چاہ رہی تھیں،کچھ بھی نہ کہہ سکیں۔انہیں یقین تھا۔دانیال انہیں منانے ضرور آئیں گے۔لیکن دوسری طرف دل عجیب سے خدشات کا شکار بھی تھا تب ہی وہ ایک بار تینوں بچوں کا ذہن بنانا چاہ رہی تھیں اور بعض اوقات ہم بہت کچھ چاہنے کے باوجود کچھ بھی نہیں کر پاتے ثروت کے ساتھ بھی یہی ہوا تھا۔

''ٹھیک ہے،میں ان دونوں کو سمجھا دوں گی۔''ثروت نے گہری سانس بھرتے ہوئے خود کو حالات کے دھارے کے حوالے کر دیا تھا۔

☆☆☆

چند روز بعد جلال،ثمینہ کے ڈرائنگ روم میں موجود تھا اور تذبذب کی کیفیت میں بیٹھا پہلو بدل رہا تھا۔

سعدی کی منتوں کے سامنے مجبور ہو کر آ تو گیا تھا لیکن اب سمجھ نہیں پا رہا تھا،اسے بات کہاں سے شروع کرنا چاہیے۔

یہ بھی اچھا تھا کہ آج گھر پر ماوی موجود نہیں تھی۔ پچھلی تین بار وہ ثمینہ سے سعدی اور ماوی کے رشتے کی بات کرنے آیا تب ماوی موجود تھی۔ ڈر کے مارے جلال زبان پر ایک لفظ نہیں لا سکا کہ کہیں یہ لڑکی اس پر نہ برس پڑے۔ حالانکہ ہر بار وہ بیٹھی جلال سے باتیں کرتی رہی تھی اور ایک اچھے میزبان کی طرح اسے کمپنی دی تھی۔

اسے ثمینہ آنٹی بہت اچھی لگی تھیں۔ وہ بہت مہربان اور پُر شفقت انداز کی خاتون تھیں۔ جلال کو یقین تھا اگر انہیں سعدی کے رشتے والی بات پسند نہ آئی تب بھی وہ بُرے طریقے سے ردِعمل ظاہر نہیں کریں گی اور مناسب طریقے سے اسے ٹال دیں گی البتہ ماوی کے بارے میں تو وہ بے حد یقین تھا کہ اگر اسے یہ بات ذرا بھی ناگوار لگی تو جلال کو گھر سے نکالنے میں ایک منٹ کی بھی تاخیر نہیں کرے گی۔

ابھی وہ اسی کشمکش میں تھا کہ ثمینہ کچن سے سجی سجائی ٹرالی دھکیلتی نکلیں۔ اتنے لوازمات دیکھ کر جلال چکرا گیا۔

''آپ نے خوامخواہ اتنا تکلف کیا آنٹی! میں تو بس کچھ ضروری بات کرنے آیا تھا آپ سے۔''

''تو کیا یہ ضروری بات چائے پیتے ہوئے نہیں ہو سکتی۔'' ثمینہ نے مسکرا کر کہا۔

''چائے تو ٹھیک ہے لیکن یہ سب؟'' اس نے ٹرالی میں سجے لوازمات کو دیکھا۔

''ارے اتنا کچھ نہیں ہے۔ جب سب کچھ چکھو گے تو پتا بھی نہیں چلے گا کہاں گیا سب اور ویسے بھی یہ اخروٹ کا حلوہ اور چکن رول تو ماوی نے اسپیشل تمہارے لیے بنا کر رکھے ہیں کہہ رہی تھی۔ ممی جلال میری غیر موجودگی میں آیا تو اسے ضرور کھلا دیجئے گا۔ تم نے شاید بتایا تھا اسے کہ تم کو یہ دونوں چیزیں پسند ہیں۔'' ثمینہ نے پلیٹ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

جلال نے پلیٹ پکڑتے ہوئے خوامخواہ اثبات میں سر ہلا دیا۔ اسے یاد نہیں تھا کہ کب اس نے ماوی کو اپنی پسند ناپسند کے بارے میں بتایا لیکن وہ اس قدر الجھا ہوا تھا کہ اس بات پر غور ہی نہ کر سکا۔

''تم کوئی بات کرنا چاہ رہے تھے؟'' ثمینہ نے اسے چائے دیتے ہوئے پوچھا۔

''بات دراصل کچھ یوں ہے آنٹی! میں سمجھ نہیں پا رہا، مجھے کہاں سے بات شروع کرنا چاہیے۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ گھر کے کسی بزرگ کو آپ کے پاس بھجوایا جاتا لیکن آپ سعدی کو جانتی نہیں ہیں۔ اس لیے سعدی کہہ رہا تھا۔ میں پہلے آپ سے بات کرلوں۔ پھر اسے آپ سے ملوا دوں پھر۔'' وہ سر جھکائے یوں بول رہا تھا جیسے گھر سے سبق رٹ کر آیا ہو اور بار بار الجھتا ہو۔

''جلال۔ بیٹے!'' کیا یہ مناسب نہیں ہے کہ آپ کو جو کچھ بھی کہنا ہو بنا ڈرے یا جھجکے کہیں۔ ورنہ جس طرح آپ کنفیوز ہو رہے ہیں نہ بات مکمل کر پائیں گے نہ میں سمجھ سکوں گی۔'' ثمینہ نے رسان سے کہا تب جلال نے گہری سانس اندر کھینچی اور از سر نو بات کا آغاز کیا۔

''میں یہاں یہ بات کرنے نہیں آنا چاہتا تھا آنٹی! لیکن سعدی نے مجھے زبردستی بھیج دیا۔ آپ کو پلیز میری بات اچھی نہ لگے تو۔'' اس نے تمہید باندھی۔

''اور یہ سعدی کون ہے۔؟'' ثمینہ نے پوچھا۔

"سعدی میرا دوست ہے آنٹی بہت اچھا لڑکا ہے۔ قانون دان بن رہا ہے۔ تین بہنیں دو بھائی ہیں۔ سعدی سب سے چھوٹا ہے، فیملی بیک گراؤنڈ بھی اسٹرانگ اور فنانشل اسٹیٹس بھی اسٹرانگ ہے۔"

"تم اپنے دوست کے بارے میں اتنی ساری معلومات مجھے کیوں دے رہے ہو جلال۔" ثمینہ نے الجھ کر پوچھا۔

"کیونکہ میرا دوست آپ کی بیٹی کو پسند کرتا ہے اور ان سے شادی کرنا چاہتا ہے۔" بالآخر بلی تھیلے سے باہر آ ہی گئی۔

"کیا؟" ثمینہ کے لبوں سے محض یہی لفظ نکلا۔

"پلیز آنٹی۔ آپ غصہ مت کیجئے گا، میں جانتا ہوں۔ کسی کی بیٹی کا رشتہ مانگنے کا یہ درست طریقہ نہیں ہے۔ سعدی کو اپنے بزرگوں کو لے کر آنا چاہیے تھا لیکن اس نے مجھے زبردستی بھیج دیا۔ آپ پلیز ناراض نہ ہوں۔" اس نے جلدی جلدی کہا۔ ثمینہ سر پکڑے بیٹھی تھیں اور ان کے چہرے پر صدمہ رقم تھا۔

"میں ناراض نہیں ہوں جلال۔" ثمینہ نے آہستگی سے کہا۔" لیکن میں شاکڈ ضرور ہوئی ہوں۔ مجھے لگا تھا تم کچھ اور کہنے آئے ہو۔"

"آنٹی اور اصل لڑکے...... بہت جذباتی ہوتے ہیں جس دن سے اس نے ماوی کو دیکھا ہے وہ۔ وہ اسی کے بارے میں بات کرتا رہتا ہے۔ آپ کو اندازہ نہیں ہے کہ اس نے میری کتنی منتیں کیں کہ میں آپ سے اس بارے میں بات کروں۔" وہ ڈرتے ڈرتے اور ناپ تول کر کہہ رہا تھا آخر کو ان کی بیٹی کی بات کر رہا تھا۔

"آئی ایم ایکسٹریملی سوری آنٹی! مجھے دوست کی محبت میں بھی یہاں نہیں آنا چاہیے تھا آخر ہر خاندان کے کچھ طور طریقے، کچھ روایات ہوتی ہیں جن کا خیال رکھا جانا چاہیے۔ آپ نے تو تحمل سے میری بات سن لی۔ اسی ڈر سے میں نے ماوی کے سامنے بات نہیں کی کہ اگر ان کو بُرا لگا تو وہ تو میرا سر ہی پھاڑ دیں گی۔"

ثمینہ نے چونک کر اسے دیکھا پھر پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولیں۔

"مجھے خوشی ہے کہ تم ماوی کو اتنی اچھی طرح سمجھتے ہو۔ وہ واقعی تمہارا سر پھاڑ دیتی۔" ثمینہ نے سنجیدگی سے کہا تھا۔

جلال دل ہی دل میں مطمئن ہوا کہ ماوی یہاں موجود نہیں ہے۔

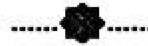
"میں چلتا ہوں آنٹی! امید ہے آپ نے میری بات کا بُرا نہیں مانا ہوگا لیکن آنٹی۔ اگر سعدی پوچھے تو اس کو انکار کی کیا وجہ بتاؤں؟" وہ جاتے جاتے رک کر پوچھنے لگا۔

ثمینہ نے پُرسوچ انداز میں اسے دیکھا پھر گہری سانس بھر کر بولیں۔

"تم اپنے دوست سے کہہ دینا ماوی اس سے شادی نہیں کر سکتی کیونکہ وہ جلال الدین کو پسند کرتی ہے بلکہ پسندیدگی بہت چھوٹا لفظ ہے، وہ دراصل جلال الدین سے محبت کرتی ہے۔ اب سے نہیں اس دن سے جس دن جلال الدین نے اس کی ماں کی جان بچائی تھی۔"

ثمینہ نے ٹھوس لہجے میں کہتے ہوئے جیسے اس کے سر پر دھماکہ کر دیا تھا۔

"جی۔" جلال ششدر سا ہو کر انہیں دیکھنے لگا، اسے اپنی سماعت پر یقین نہیں آیا تھا۔



"تم اپنے دوست سے کہہ دینا، ماوی اس سے شادی نہیں کر سکتی کیونکہ وہ جلال الدین کو پسند کرتی ہے بلکہ پسندیدگی بہت چھوٹا لفظ ہے۔ وہ دراصل جلال الدین سے محبت کرتی ہے۔ اب سے نہیں، اس دن سے جس دن جلال الدین نے اس کی ماں کی جان بچائی تھی۔"

جلال ہکا بکا ثمینہ کو دیکھ رہا تھا جو مطمئن لیکن تھوڑی سی شرمندہ دکھائی دے رہی تھی۔

"کسی ماں سے اس کی بیٹی کے متعلق ایسی بات سننا عجیب لگتا ہے۔ میں جانتی تمہیں عجیب لگا ہوگا۔ یہ مشرقی معاشرے کی قدغن ہے لیکن یہ بھی طے ہے کہ ماں مشرقی معاشرے کی ہو یا مغربی معاشرے کی، اپنی اولاد کی خوشی کے لیے ہر قدم اُٹھانے پر تیار ہو جاتی ہے۔ یہی سوچ کر میں نے مناسب سمجھا کہ ایک بار تمہیں آگاہ کر دوں۔ تم اپنے دوست کے لیے ماوی کی بات کرنے آئے ہو، اس کا مطلب تمہیں اس میں کوئی دلچسپی نہیں ہے اور یہ اتنی دکھ کی بات ہے کہ میں سمجھ بھی نہیں پا رہی ماوی کو کس طرح بتانا ہے۔" ثمینہ سر ہاتھوں میں گرائے کہہ رہی تھیں۔

"آنٹی! وہ میں۔" اس نے کہنا چاہا، لیکن ثمینہ نے اسے ٹوک دیا اور لجاجت سے بولیں۔

"کچھ نہ کہو جلال! مجھے اس وقت تنہائی کی ضرورت ہے۔ پلیز تم یہاں سے چلے جاؤ۔ مجھے سوچنے دو ماوی کو یہ خبر کس طرح دوں، وہ بہت افسردہ ہو جائے گی۔" وہ بہت فکر مند دکھائی دے رہی تھیں۔

جلال سر جھکا کر وہاں سے نکلا۔ ثمینہ نے اس کے ہاتھوں میں ایسی گتھی تھما دی تھی جس کا سلجھنا مشکل دکھائی دیتا تھا۔



"میرا یقین کرو عبیر! میں بالکل سچ کہہ رہی ہوں، عروش نے واضح طور پر میری طرف اشارہ کر کے اس لڑکے سے کوئی بات کی تھی۔"

تنوی نے عاجز آتے ہوئے کہا۔ وہ کب سے عبیر کو معاملے کی سنگینی کا احساس دلانے کی کوشش کر رہی تھی۔ لیکن عبیر سنجیدہ ہونے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔ اس کی تان ایک ہی بات پر اٹکی ہوئی تھی۔ تنوی کا سراسیمگی و پریشانی سے برا حال تھا۔

"تمہیں کس بات پر اعتراض ہے آخر؟ عروش کے اس لڑکے سے بات کرنے پر یا تمہاری طرف اشارہ کرنے پر؟" عبیر نے اپنی فائل گود میں رکھتے ہوئے سابقہ انداز میں پوچھا۔ وہ دونوں کلاس کے بعد گراؤنڈ میں بیٹھی ہوئی تھیں۔ چونکہ بریک ٹائم چل رہا تھا، اس لیے گراؤنڈ میں رش تھا۔

"عبیر! سمجھنے کی کوشش کرو۔" اس نے بے چارگی سے کہا۔

"اچھا کرتی ہوں۔" عبیر نے سعادت مندی سے کہتے ہوئے فائل بند کی اور اس پر کہنیاں ٹکا کر سنجیدگی سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔

"لیکن اس سے پہلے تمہیں مجھے تفصیلاً بتانا ہوگا کہ تمہاری اور شبیہ العباس کی کیا باتیں ہوئیں؟" یک دم اس کی آنکھیں شرارت سے چمکنے لگیں۔ تنوی نے بے ساختہ اپنا سر پیٹ لیا۔

"کتنی بار بتاؤں کوئی بات نہیں ہوئی۔"

''تم نے مجھے بے وقوف سمجھ رکھا ہے۔'' عمیر نے سلگ کر پوچھا۔ ''کوئی ہوگا جو اس بات پر اعتبار کرے۔ بتاؤ وہ منگیتر آدھے گھنٹے تک ٹریفک میں پھنسے رہیں۔ گاڑی میں بالکل تنہا ہوں اور آپس میں کوئی رومانٹک بات بھی نہ کریں۔ نہ بھئی نا...... میں تو اس فاش جھوٹ پر غلطی سے بھی بھروسہ نہیں کر سکتی۔''

''عمیر! تمہیں کیا لگتا ہے، منگیتر آپس میں ہر وقت رومینٹک گفتگو کرتے رہتے ہیں؟ انہیں کوئی ڈھنگ کا کام نہیں ہوتا؟'' تنوی تڑاخ کر پوچھنے لگی، عمیر نے چند لمحے سوچا، پھر حسرت بھرے لہجے میں بولی۔

''رومینس سے زیادہ ڈھنگ کا کام اور کیا ہو سکتا ہے؟''

''عمیر!''

''یار! مجھے کیا پتا، میری کون سی منگنی ہوئی ہے۔''

''پھر میں بتاتی ہوں منگیتر ہر وقت رومینس نہیں جھاڑتے۔ ان کے پاس بھی عقل والی باتیں۔ ہوتی ہیں کرنے کے لیے۔''

''تو میری پیاری سہیلی! یہی تو میں جاننا چاہ رہی ہوں کہ وہ عقل والی باتیں کون سی ہیں جو تم اور شبیہ آپس میں ڈسکس کر رہے تھے۔''

''عمیر! تم اسی بات کے پیچھے کیوں پڑ گئی ہو، عروش والی بات پر دھیان دو نا۔ اس نے دھمکی دی تھی۔ وہ ہمیں نقصان پہنچا سکتی ہے۔ یقین مانو میں نے اپنی گناہ گار آنکھوں سے اسے اپنی طرف اشارہ کرتے دیکھا تھا۔''

''اور میں نے اپنی گناہ گار آنکھوں سے دیکھا تھا کہ گاڑی میں شبیہ نے تمہارا ہاتھ پکڑا ہوا تھا۔'' عمیر نے زور دیتے ہوئے کہا۔ جس وقت شبیہ کی گاڑی ٹریفک میں پھنسی ہوئی تھی، اسی وقت عمیر کی کالج وین ان سے کچھ فاصلے پر کھڑی تھی۔

''شبیہ بھائی نے میرا ہاتھ نہیں پکڑا تھا۔ میں نے ان کا ہاتھ پکڑا تھا۔'' تنوی نے تحمل سے کہا۔

''اللہ اللہ۔'' عمیر نے غیر سنجیدگی سے اپنے گال پیٹ ڈالے۔ ''اتنی بولڈنیس...... شکل سے تو بڑی شرمیلی لگتی ہو تنوی!''

تنوی نے اسے بری طرح گھورا، پھر اپنی کتابیں سمیٹتے ہوئے ناراضی سے بولی۔

''تم سے بات کرنا ہی فضول ہے۔''

''ارے جا کہاں رہی ہو؟''

''دوبارہ تم سے بات نہیں کروں گی...... جہنم میں جا رہی ہوں میں۔''

''ظاہر ہے میں تو جنت میں ہوں گی۔ جہنم سے جنت کی کال تو خاصی مہنگی پڑ جائے گی۔'' وہ رتی بھر بھی سنجیدہ نہیں لگ رہی تھی۔

''عمیر! میں پریشانی سے مرنے والی ہو رہی ہوں اور تمہیں کوئی پرواہ ہی نہیں ہے۔'' وہ روٹھی ہو کر بولی۔

''کیوں پریشان ہو یار! پریشانی کی بات نہیں ہے عروش صرف ہمیں ڈرا رہی تھی اور تم ڈر بھی گئیں، تف ہے تم پر۔''

''پھر ہم کیا کریں۔''

''سکون کی زندگی گزاریں۔'' عمیر نے ترت کہا۔ ''اور عروش کے خوف سے باہر نکل آئیں۔ بتاؤ غلط کام کرے وہ اور خوف زدہ رہیں ہم۔''

ابھی یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ ان کی کلاس کی جی آر تیز تیز قدموں سے ان کی طرف آ گئی۔

"شکر ہے تم لوگ مل گئیں۔" اس نے سانس ہموار کرتے ہوئے خوشی سے کہا۔

"ہم کہیں گم ہو گئے تھے کیا؟" عبیر نے معصومیت سے پوچھا، جی آر اس بات پر ہنس دی۔

"ارے نہیں پاگل! تمہیں میڈم زرتاشیہ نے اسٹاف روم میں بلوایا ہے۔" اس نے تنوی سے کہا۔

"مجھے؟ کیوں؟"

"یہ تو پتا نہیں۔ انہوں نے کہا تھا۔ تمہیں اسٹاف روم میں بھجوا دوں، لیکن تم لوگ کالج کا کونا چن کر بیٹھی ہو۔ تو یہ تمہیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر میری ٹانگیں شل ہو گئیں۔"

"اچھا...... میں تمہارے ساتھ ہی چلتی ہوں۔" تنوی نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا تھا۔

"نہ بابا! میں تو اب کینٹین جا رہی ہوں۔ تم خود ہی اسٹاف روم تک جاؤ۔" اس نے صاف کرا انکار کر دیا۔ "بس مس زرتاشیہ کو بتا دینا کہ میں نے ان کا میسج تمہیں پہنچا دیا تھا۔"

☆☆☆

جلال عجب کشمکش کا شکار تھا، ایک طرف اسے ثمینہ کی باتوں پر یقین نہیں آ رہا تھا، دوسری جانب سعدی سے سخت شرمندگی محسوس ہو رہی تھی۔ آخر وہ کس طرح یقین کر لیتا کہ جس لڑکی میں اس کے دوست کو دلچسپی ہے، وہ لڑکی خود اس کو پسند کرنے لگی ہے۔ اوہ یہ "پسند" کا لفظ بھی کس قدر نہ سمجھ میں آنے والا ہے۔

"آخر یہ پسندیدگی۔ کیا چیز ہوتی ہے؟"

کیا یہ محبت ہوتی ہے یا اسے محبت کی ابتدائی Symptoms (علامات) میں شمار کیا جانا چاہیے؟

اوہ بھئی...... یہ تو بڑا دقت طلب سوال ہو گیا اور آخر میں سعدی سے کیا کہوں گا، کیا پتا ثمینہ آنٹی کو غلط فہمی ہوئی ہو؟

نہیں...... نہیں...... محض غلط فہمی کی بنا پر تو کوئی ماں اپنی بیٹی کے بارے میں ایسا نہیں کہہ سکتی اور پھر ثمینہ آنٹی جھوٹ بولیں گی بھی کیوں؟

اسے ماوی سے اپنی سڑک کنارے ہوئی، وہ ملاقات یاد آئی، جس میں ماوی بڑے واضح الفاظ میں اپنی پسندیدگی ظاہر کر رہی تھی، لیکن اس وقت جلال نے اس بات پر دھیان نہیں دیا۔ کم سے کم ماوی کے وہ جملے یاد آ جانے کے بعد ثمینہ آنٹی کی بات پر کسی قسم کا شک و شبہ نہیں رہ جانا چاہیے تھا، لیکن جلال تو کشمکش کا شکار تھا۔

وہ بیڈ پر لیٹ کر بڑی دیر تک اس صورت حال پر غور کرتا رہا، لیکن جب کسی نتیجے پر نہ پہنچ سکا تو اٹھ کر آئینے کے سامنے آ کھڑا ہوا اور بغور اپنے عکس کو دیکھنے لگا۔ چند لمحے اسی طرح خود کو دیکھتا رہا، پھر تھوڑی سے پکڑ کر اپنے چہرے کو ذرا سا دائیں رُخ پر موڑ کر دیکھا، پھر بائیں رُخ پر موڑا۔ اتنا برا تو نہیں تھا وہ کہ اپنے پسند کیے جانے پر اس قدر حیران ہوتا، لیکن مقابل سعدی تھا جو شکل و صورت میں اس سے کہیں بہتر تھا۔ خیر

جلال بھی نہیں تھا۔اچھے نقوش تھے، ڈیل ڈول بھی اچھا تھا،لیکن اصل وقت وہ معصومیت تھی جسے اس کے دوست بونگا پن اور والدہ ماجدہ اپنی ممتا کے ہاتھوں مجبور ہو کر بھول پن گردانتی تھیں۔اوپر سے مصیبت یہ تھی کہ جو تھوڑی بہت خود آگاہی ہر انسان میں ہونا چاہیے۔اس میں ہرگز نہ تھی۔البتہ وہ اتنا ضرور جانتا تھا کہ اچھی شکل اور بہترین حسب نسب کے باوجود وہ ان لڑکوں کی کیٹگری میں شمار ہوتا تھا جنہیں دیکھتے ہی لڑکیاں، بھائی بنا لینے کو ترجیح دیتی ہیں اور کوئی مانے یا نہ مانے لیکن یہ لڑکوں کی بہت بڑی محرومی ہوتی ہے اور جلال کو تو اس بات کا احساس اسکول کے زمانے سے ہی دلایا جاتا رہا تھا شاید اسی لیے جلال نے کبھی خود سے بڑھ کر لڑکیوں سے دوستیاں گانٹھنے یا خود کو آزمانے کی کوشش نہیں کی۔

''تم واقعی بہت اچھے ہو جلال! آئی ریئلی لائیک یو۔'' اس کے کانوں میں ماوی کے الفاظ گونجے تھے۔وہ بُری طرح جھنجلا گیا۔ماوی کی باتیں یاد آجانے کے بعد ثمینہ آنٹی کی بات پر شک وشبہ کی گنجائش تو باقی نہ رہی تھی، لیکن سعدی......سعدی کو وہ کس طرح مطمئن کرے گا، یہ ہی سوچ کر اسے پریشانی جمع پشیمانی نے گھیر رکھا تھا۔

ابھی یہ ہی سوچ رہا تھا کہ سیل فون بجنے لگا۔دیکھا سعدی کا نمبر تھا۔جلال کا ہاتھ بے ساختہ گھبراہٹ کے مارے سر کی پشت تک چلا گیا، لیکن کال تو ریسیو کرنا ہی تھی۔

''ہیلو۔'' گھٹی ہوئی سی آواز اس کے حلق سے نکلی۔

''جیڈی! شکر ہے تو نے فون ریسیو کر لیا۔'' سعدی نے چھوٹتے ہی کہا۔

''کیوں؟ خیریت؟''

''یار! میں گاؤں جا رہا ہوں ابا کا فون آیا تھا، کوئی مسئلہ ہو گیا ہے وہاں، جلدی بلوایا ہے۔''

''اچھا......'' اس نے بے دھیانی سے کہا۔

''میں نے پوچھنا تھا تم نے ماوی کی ممی سے بات کی؟''

جلال یکایک ہوش میں آیا۔

''نن......نہیں سعدی! میں......میں گیا تھا ان کی طرف......لیکن بات کرنے کا موقع ہی نہیں مل سکا۔'' اس نے جلدی سے بات بنائی۔ سعدی کسی اور موڈ میں تھا۔ورنہ ضرور بھانپ لیتا۔

''آ......اچھا۔'' سعدی نے مایوسی سے کہا۔''میں سوچ رہا تھا اگر تم نے بات کرنی تھی تو میں ابا جی سے بھی ذکر کرتا اور واپسی پر انہیں ساتھ ہی لے آتا۔میرا خیال ہے کم سے کم میری منگنی تو ہو جانی چاہیے۔پتا ہے روز ماوی کو خواب میں دیکھتا ہوں۔خواب تو ٹھیک ہے، لیکن تمہیں بات کر لینا چاہیے تھی۔''

اس کی لمبی پلاننگ تھی۔جلال چپ چاپ سنتا رہا۔پھر سرسری ہوں، ہاں کر کے فون بند کیا اور خالی الذہنی کی کیفیت میں پھر اپنا عکس دیکھنے لگا۔ہر آن اس کی اُلجھن بڑھتی جا رہی تھی۔

☆☆☆

تنوی اسٹاف روم سے آئی تو باہر بیٹھی بلاوی نے بتایا کہ مس زرتاشیہ وائس پرنسپل کے آفس میں جا چکی ہیں اور انہوں نے تنوی کو بھی وہیں بلوایا ہے۔ وائس پرنسپل کے آفس کا سن کر تنوی کا ماتھا بری طرح ٹھنکا۔ اگر نصابی یا غیر نصابی سرگرمیوں سے متعلق کوئی بات ہوتی تو یہاں اسٹاف روم میں بیٹھ کر بھی کی جا سکتی تھی۔ آخر وائس پرنسپل کے آفس میں جانے کی کیا ضرورت تھی؟ اس کا دل چاہا واپس گراؤنڈ میں جائے اور عبیر کو اپنی مورل سپورٹ کے لیے ساتھ چلنے کا کہے، لیکن جتنی دیر میں وہ واپس جاتی اور عبیر کی منت سماجت کر کے اسے ساتھ لاتی اتنی دیر میں بریک ٹائم ختم ہو جانا تھا۔ اس نے سر جھٹکا اور وائس پرنسپل کے آفس کی طرف چل دی۔

"مے آئی کم ان ٹیچر!" دروازے میں رک کر اس نے پوچھا، مس زرتاشیہ کے علاوہ ٹیچر سلطانہ بھی موجود تھیں۔

"آ جایئے بچے! ہم تو کب سے آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔" مس زرتاشیہ نے مسکرا کر کہا، وہ اچھی شکل وصورت کی اور خوش مزاج تھیں اور ان اساتذہ میں سے تھیں جنہیں اسٹوڈنٹس بہت پسند کرتے ہیں۔

"وعلیکم السلام، بیٹھو۔" مس سلطانہ نے اس کے سلام کے جواب میں نرمی سے کہا۔ تنوی ایک کرسی پر تکلف سے بیٹھ گئی، اب اس کی دائیں جانب مس زرتاشیہ تھیں سامنے ٹیبل اور ٹیبل کی مخالف سمت میں مس سلطانہ۔

"پڑھائی کیسی ہو رہی ہے؟" مس زرتاشیہ نے پوچھا۔ "اور آپ کے پیپرز کیسے ہوئے؟"

"پیپرز بھی اچھے ہوئے ہیں ٹیچر!" تنوی نے کہا۔

"پوزیشن آئے گی؟"

"پوزیشن کے معاملے میں، میں کانفیڈنٹ نہیں ہوں ٹیچر! لیکن گریڈز ضرور اچھے آئیں گے۔"

"آپ کو پتا ہے میم! یہ میری کلاس کی سب سے اچھی بچی ہے۔" زرتاشیہ نے مس سلطانہ سے کہا تو وہ مسکرا کر بولیں۔

"ہاں...... اس کو دیکھ کر بھی لگتا ہے کہ یہ ذہین بچی ہے۔"

تنوی اس تعریف پر شرما سی گئی، البتہ بولی کچھ نہیں۔

"آپ اس بار آڈیشن کے لیے نہیں آئیں؟ حالانکہ ہم سوچ رہے تھے اینول ڈرامہ آپ کے بغیر مکمل نہیں ہوگا۔"

"ٹیچر! لاسٹ ایئر بھی ڈرامہ کی وجہ سے میری پڑھائی کا بہت حرج ہوا تھا، اس لیے میں نے سوچا اس سال رہنے دیتی ہوں۔"

"ہوں...... ایسا ہے بچے! ہم نے آپ کو ایک خاص کام کے لیے بلوایا ہے، یوں سمجھئے آپ کے انسٹی ٹیوٹ کو آپ کی مدد کی ضرورت ہے۔" ٹیچر سلطانہ نے تمہید باندھی تو وہ ہمہ تن گوش ہو کر بیٹھ گئی اور باری باری دونوں کو دیکھا۔

"جی ٹیچر؟"

"آپ فائنل کی عروش مرزا کو جانتی ہیں؟"

عروش کا نام سنتے ہی اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔ اس کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ اسے عروش کے متعلق پوچھنے کے لیے

بلایا جا رہا ہے۔

"پرسنل تو نہیں جانتی، لیکن اتنا پتا ہے کہ عروش یہیں پڑھتی ہے۔" اس نے اپنی گھبراہٹ پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے جواب دیا۔

"پچھلے سال اس نے کالج کے اینول فیسٹیول میں آپ کے ساتھ ڈرامہ اسٹیج کیا تھا۔ کیا اس دوران دوستی نہیں ہوئی اس سے؟" یہ سوال ٹیچر زرتاشیہ کی طرف سے آیا۔

"ٹیچر! ہم ریہرسل کے سلسلے میں ملتے تھے۔ ہم دونوں کی الگ الگ فرینڈز تھیں، اس لیے زیادہ دوستی نہیں ہو سکی۔" اس نے پوری سچائی سے کہا۔

"لیکن ہم نے سنا ہے آج کل وہ آپ سے دوستی کرنے کی کوشش کر رہی ہے، کیا یہ درست ہے؟"

"دوبارہ اس نے کہا کہ وہ دوستی کرنا چاہتی ہے، لیکن میں نے انکار کر دیا تھا۔"

"کیوں؟"

"مجھے وہ پسند نہیں ہے۔" تنوی نے چند منٹ سوچنے کے بعد پوری سچائی کے ساتھ کہا۔

"پسند کیوں نہیں ہے؟"

"پتا نہیں ٹیچر! بس وہ مجھے اچھی نہیں لگتی۔ عجیب سی باتیں کرتی ہے۔" اس نے اُلجھن آمیز لہجے میں کہا۔ دونوں ٹیچرز نے بے ساختہ ایک دوسرے کی طرف دیکھا، پھر مس زرتاشیہ نے کہا۔

"بچے! کیا بہتر نہیں ہوگا کہ آپ ہم سے بنا جھجکے بات کرو۔"

تنوی بے ساختہ انگلیاں مسلنے لگی۔

"ٹیچر! ایسی کوئی بات نہیں ہے کہ بطور خاص پوائنٹ آؤٹ کروں، کچھ لوگ ہمیں بلاوجہ اچھے لگتے ہیں، اسی طرح کچھ لوگ بے وجہ برے بھی لگنے لگتے ہیں۔" اس نے عقل مندی سے بات سنبھالی۔

"دیکھیے بیٹا! جو بات ہم آپ سے کرنا چاہ رہے ہیں ہم چاہتے ہیں آپ اسے غور سے سنیں اور پھر ہمارے ساتھ مکمل تعاون کریں اچھے اور برے لوگ ہر جگہ ہوتے ہیں، لیکن برے یا کرپٹ لوگوں کی غیر قانونی سرگرمیوں سے گورنمنٹ یا سیمی گورنمنٹ اداروں کی ساکھ اتنی متاثر نہیں ہوتی جتنا کہ پرائیویٹ اداروں کی ساکھ بگڑ سکتی ہے۔ آپ کو پتا ہے یہ کالج چند بہترین پرائیویٹ اداروں میں آتا ہے، کیا آپ چاہیں گی کہ کچھ کرپٹ لوگوں کی وجہ سے آپ کے کالج کے نام پر حرف آئے؟" ٹیچر سلطانہ نے کہا۔

تنوی نے آہستگی سے نفی میں سر ہلا دیا۔

"شاباش...... مجھے آپ سے یہی امید تھی۔" ٹیچر نے مسکرا کر کہا۔ "عروش کس قدر کرپٹ لڑکی ہے، اس کا اندازہ سب ہی کو ہے، لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ اس کی کرپشن کو شروع میں ہی نوٹس نہیں کیا گیا اور اسی چیز سے اسے شہ ملتی رہی اور اب اس کی غیر قانونی اور غیر اخلاقی

سرگرمیاں اتنی بڑھ چکی ہیں کہ ہمارے لیے تو بڑی عجیب صورت حال ہو گئی ہے۔ عروش کے خلاف کھلم کھلا کوئی ایکشن اس لیے نہیں لیا جا سکتا کہ اس طرح معاملہ کالج سے باہر نکلے گا اور سارے شہر میں خوب اچھالا جائے گا، اوپر سے میڈیا والے بھی کسی نہ کسی ایسی خبر کے انتظار میں ہوتے ہیں جسے خوب مرچ مسالا لگا کر دنیا کے سامنے پیش کیا جا سکے۔ اسی لیے ہم اس معاملے کو رازداری سے ہینڈل کر رہے ہیں اور آپ سے بھی توقع کرتے ہیں کہ اپنے انسٹی ٹیوٹ کی ساکھ کا خیال رکھتے ہوئے آپ اس خبر کو باہر جانے نہیں دیں گے۔ ہم چاہتے ہیں بیٹا! آپ پولیس کے سامنے عروش کے خلاف گواہی دیں۔"

ایک لمبی چوڑی تمہید کے بعد جو ٹیچر کے منہ سے نکلا تو وہ کا منہ وہ سب سن کر کھلا کا کھلا رہ گیا تھا۔

☆☆☆

جلال کی ماوی سے اگلی ملاقات چند روز بعد پارک میں ہوئی، حالانکہ اس سے مڈبھیڑ کا خدشہ وہ اپنے دل میں گھر سے لے کر آیا تھا، پھر بھی اسے دیکھ کر وہ ٹھٹکا گیا اور دور سے اسے آتا دیکھ کر اس نے سوچا کہ اسے اسی ٹریک پر رخ بدل کر مین گیٹ کی طرف چلے جانا چاہیے، مگر اس سے پہلے کہ وہ اپنی سوچ پر عمل کر پاتا۔ ماوی گھاس کے قطعہ کو روندتی اس کے پاس آ گئی۔

"گڈ مارننگ جلال! عجیب آدمی ہو...... کہاں گم ہو گئے تھے۔ بتاؤ ایسے تو گدھے کے سر سے سینگ بھی غائب نہیں ہوتے ہوں گے جیسے تم غائب ہوئے، میں ایک روز سوچ رہی تھی ایسے تو کر منلو غائب ہوتے ہیں۔ یعنی بنا بتائے، چار دن سب کے سامنے، چار دن انڈر گراؤنڈ، گڈ گاڈ! جلال! کہیں تم بھی......" اس نے جملہ جان بوجھ کر ادھورا چھوڑ دیا اور بغور جلال کا چہرہ دیکھنے لگی۔

جلال ٹھٹکا یا ضرور تھا، لیکن ماوی کے قریب آتے ہی اسے ہوا کے ایک ٹھنڈے معطر جھونکے نے چھوا اور وہ لاشعوری طور پر بغور اسے دیکھتا چلا گیا۔ خوب صورت تو بلاشبہ وہ تھی یا شاید نہیں تھی ہاں اس کے نقوش میں ایک ملاحت ضرور تھی۔ بڑی بڑی شہد رنگ آنکھیں جن میں ہر وقت چمکتی شرارت اور زندہ دلی اسے سب سے منفرد دکھاتی تھی۔ چھوٹی سی تیکھی سی ناک، دلکش کٹاؤ دار ہونٹ، رنگت بے تحاشا گوری گلابیاں چھلکاتی، اونچی سی پونی ٹیل جو اس کی لمبی گردن پر بڑی اچھی لگ رہی تھی۔

جلال کو تعجب سا ہوا، خدا جانے وہ تھی ہی اتنی خوبصورت یا جلال نے پہلی بار اسے بغور دیکھا تھا۔ ساتھ ہی سعدی کے وہ جذباتی جملے کانوں میں گونجنے لگے جو اس نے ماوی کے لیے اس کے سامنے بولے تھے، تب جلال کو شرمندگی نے گھیر لیا اور اس نے گڑبڑا کر نظریں پھیر لیں۔

"ارے......" ماوی کی متاسف، صدمے سے چور آواز ابھری۔ "نظریں چرا رہے ہو اس کا مطلب تم واقعی......"

"نہیں، نہیں۔" جلال نے بے ساختہ کہا۔ "میں تو بس ایسے ہی...... آپ...... آپ کیسی ہیں؟"

ماوی کو اس کے انداز پر ہنسی آ گئی۔

"میں تو بہت اچھی ہوں آپ اپنے بارے میں بتایئے۔" ہوا سے اڑتے اپنے بالوں کو کان کے پیچھے اڑستے ہوئے اس نے حسب عادت کمر پر ہاتھ رکھا اور دلچسپی سے جلال کو دیکھا۔

''تم تھے کہاں جلال! ہم تو سمجھے آؤٹ آف ٹاؤن ہو، جب ہی دوبارہ ملنے نہیں آئے، پارک میں بھی دکھائی نہیں دیے۔ سب خیریت تو رہی نا۔'' یکایک وہ کسی قدر فکرمندی سے پوچھنے لگی۔ جلال حیران ہوا کتنے رنگ تھے اس لڑکی کے مزاج کے، ابھی شرارتی، ابھی فکرمندی۔

''میں کچھ مصروف تھا۔'' جلال نے جلدی سے کہا، ماوی زور، زور سے اثبات میں سر ہلانے لگی، پھر چند اِدھر اُدھر کی باتیں کر کے کسی اور طرف چلی گئی۔

جلال اسے جاتے دیکھتا رہا، اس کے دل و دماغ پر عجیب سا بوجھ آن پڑا تھا۔ ابھی اسی مخمصے کا شکار تھا کہ مخالف سمت سے ثمینہ تیز تیز قدم اٹھاتی اس کے قریب آگئیں۔

''السلام علیکم آنٹی!''

''جلال! تم نے ماوی کو کچھ بتایا تو نہیں؟'' ثمینہ نے اس کے سلام کو نظرانداز کرتے ہوئے بے چینی و فکرمندی سے پوچھا۔

''میں نے نہیں بتایا۔'' جلال نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

''میرا خیال تھا آپ بتا چکی ہوں گی۔''

''میری ہمت ہی نہیں ہوئی۔'' ثمینہ نے ٹریک سے چند قدم کے فاصلے پر نصب بینچ پر بیٹھتے ہوئے لاچاری سے کہا۔ ''میں نے اپنی بیٹی کو بہت نازوں سے پالا ہے جلال! اس کے والد کے انتقال کے بعد معمولی سے معمولی غم سے بھی بچاتی رہی ہوں۔ اب خود بتاؤ جس خبر سے اس کا دل ٹوٹنے کا خطرہ ہو وہ اسے سنانے کے لیے ہمت کہاں سے جمع کروں؟'' ثمینہ نے ٹوٹے بکھرے سے لہجے میں پوچھا۔

''ایک بات کہوں ثمینہ آنٹی! آپ پلیز برا مت مانیے گا، ہوسکتا ہے آپ کو غلط فہمی ہوئی ہو، کیونکہ بہت زیادہ سوچ بچار کے بعد بھی مجھے ماوی کے انداز سے ایسا نہیں لگا کہ وہ مجھ میں انٹرسٹڈ ہے۔'' جلال نے جھجک آمیز لہجے میں کہا تھا۔

''کیا کوئی ماں محض غلط فہمی کی بنیاد پر ایسی بات کہہ سکتی ہے؟'' ثمینہ نے جھنجلا کر، لیکن کسی قدر متحمل لہجے میں پوچھا۔ ''اور مجھے حیرانی ہے اتنے سمجھدار ہو کر بھی تمہیں میری بات پر شک ہو رہا ہے۔''

''نہیں آنٹی! شک کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، لیکن میں گلٹی ضرور فیل کر رہا ہوں، میں نے ماوی کو کبھی یہ احساس نہیں دلایا کہ میں اس میں انٹرسٹڈ ہوں۔ میں سمجھ نہیں پا رہا، وہ میری کس بات سے اتنا متاثر ہوگئی کہ مجھ میں دلچسپی لینے لگی۔ یقین کیجیے مجھے بہت افسوس ہوگا اگر کسی لڑکی کا دل میری وجہ سے ٹوٹ جائے گا۔''

''کیا ضروری ہے کہ ماوی کا دل ٹوٹے؟ تم ایک بار اس کے بارے میں غور تو کرو۔''

''آئی ایم سوری آنٹی! میں اپنے دوست کو دھوکا نہیں دے سکتا۔'' اس نے لاچاری بھرے انداز میں معذرت کرلی۔

''ماوی کو تمہارے دوست کے ساتھ کوئی کمٹمنٹ تو نہیں تھی کہ تمہارے کسی عمل کو دھوکہ شمار کیا جائے۔''

''یہ تو آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں، لیکن......''

ثمینہ تلخی سے ہنس دیں۔

''یہ تو محض تمہارے عذر ہیں، چونکہ تمہیں اس میں دلچسپی نہیں ہے اس لیے۔''

''ایسی بات نہیں ہے ثمینہ آنٹی!'' اس نے بے ساختہ کہا، ثمینہ کی تو جیسے دلی مراد بر آئی تھی، چہرے پر روشنی سی پھیل گئی۔

''تم...... میرا مطلب ہے۔'' اس نے گڑبڑا کر کہا۔ ثمینہ کا چہرہ پھیکا پڑ گیا۔

''ٹھیک ہے...... میں سمجھ گئی، میرا ایک کام کرو گے جلال! یہ ساری بات ماوی کو خود بتا دو۔ میں کبھی اتنی ہمت جمع نہیں کر پاؤں گی۔''

''لیکن میں کیسے آنٹی!'' اس نے مزید ٹپٹا کر کہا۔

''آج تم لنچ ہمارے ساتھ کرو اور وہیں اسے بتا دینا۔ میں کوشش کروں گی کہ اس کے بعد جلد از جلد ماوی کو واپس آئرلینڈ لے جا سکوں، وہ جتنے زیادہ دن یہاں رہے گی اتنا دکھی ہو گی۔''

پلیز جلال بیٹے! انکار نہ کرو، میں تمہاری احسان مند رہوں گی۔ لنچ پر تمہارا انتظار کریں گے ہم۔'' ثمینہ اسے مشکل میں ڈال کے گھٹنوں پر ہتھیلیوں کا بوجھ ڈالتی اٹھیں اور گیٹ کی طرف چلی گئیں۔

جلال سر پکڑ کر اسی بینچ پر بیٹھ گیا تھا۔

☆☆☆

ماوی نے کچن کی کھڑکی سے دیکھا اینیا لان کے جھولے پر اسی کی دہائی میں بننے والی فلمی ہیروئنوں کی طرح اداس پوز بنائے بیٹھی ہولے ہولے جھولا جھول رہی تھی۔

ماوی نے پل بھر کے لیے سوچا شرارت سے آنکھیں چمکائیں، پھر کچھ خیال آنے پر فریج سے اورنج جوس کا پیک نکال کر ٹرے میں رکھا ساتھ میں دو گلاس بھی رکھ لیے اور ٹرے اٹھا کر باہر آ گئی۔

''آزاد کروانے والوں نے پاکستان تو آزاد کروا دیا تم کس گہری سوچ میں ہو؟'' انیکسی سے یہاں تک کا راستہ عبور کر کے اینیا کے سر پر پہنچتے ہوئے اس نے پوچھا۔ اینیا کسی گہری سوچ میں تھی، بری طرح چونک گئی اور سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگی۔

''ایں...... تم کب آئیں؟''

''اب تو کئی سال ہو گئے...... مجھے اس دنیا میں آئے ہوئے...... ذرا سائیڈ پر ہو کر مجھے بیٹھنے کی جگہ دو۔'' اینیا نے کھسک کر اس کے لیے جگہ بنا دی، ماوی نے جھولے پر بیٹھ کر ٹرے گھٹنوں پر رکھی اور پیک کھول کر گلاس میں جوس انڈیلنے لگی۔

''سوچ کیا رہی ہو؟'' اس نے ایک گلاس اینیا کو پکڑاتے ہوئے پوچھا۔

''آج پورا ہفتہ گزر گیا ہے ممی کو اسلام آباد گئے ہوئے، مجھے بہت یاد آ رہی ہیں وہ۔'' اس نے اداسی بھرے انداز میں کہا تھا۔

''میری ممی بھی مجھے بہت یاد آ رہی ہیں۔'' ماوی نے اس سے بڑھ کر اداسی سے کہا۔

''تمہاری ممی کہاں گئی ہیں؟'' ایپنا نے حیران ہو کر پوچھا کہ ابھی کچھ دیر پہلے تو ثمینہ آنٹی یہیں تھیں۔

''شازیہ کے ساتھ مارکیٹ گئی ہوئی ہیں۔'' ماوی نے سنجیدگی سے کہا، پھر قہقہہ لگا کر ہنس دی۔ ''کیا بچوں کی طرح اداس ہو رہی ہو، آ جائیں گی ثروت آنٹی! زیادہ اداس ہو تو فون پر بات کرلو۔''

''ابھی فون پر بات کی ہے۔'' ایپنا نے سادگی سے کہا، ساتھ ہی گلاس لبوں سے لگا لیا۔ وہ کچھ اُلجھن کا شکار تھی جو اس کے چہرے پر دکھائی دے رہی تھی۔

''کیا بات ہے ایپنا! آخر کس سوچ میں ہو، ثروت آنٹی کون سا بہت دور ہیں تم سے۔ آ جائیں گی کچھ روز تک۔'' ماوی نے اس کی سنجیدگی بھانپتے ہوئے کہا۔

''یہ بات نہیں ہے ماوی! دراصل...... مجھے ایسا لگتا ہے جیسے ممی پریشان ہیں، لیکن وہ مجھ سے شیئر نہیں کرتیں۔'' اس نے الجھن آمیز لہجے میں کہا۔

''ممکن ہے کوئی ایسی بات ہو جو تم سے شیئر ہی نہ کی جا سکتی ہو۔'' ماوی نے خیال ظاہر کیا ایپنا کچھ ناسمجھی میں سر ہلانے لگی، پھر جلدی سے بولی۔

''خیر چھوڑو، تم اپنی بات کرو۔''

''اپنی کیا بات کروں؟ تم اپنی کہو، فیضان ماما کے بارے میں کچھ سوچا کہ نہیں۔''

''صبح شام انہیں سوچتی ہوں۔'' ایپنا نے مسکرا کر کہا۔

''فائدہ؟'' ماوی نے بےزاری سے کہا۔ ''اپنی فیلنگز ان تک تو تم پھر بھی نہیں پہنچا سکتیں۔''

''اچھا ایک بات بتاؤ ماوی! میری جگہ تم ہوتی تو کیا کرتیں؟'' ایپنا نے پوچھا۔

''فوراً جا کر اظہار کر دیتی۔'' ماوی نے ترت کہا۔ ''میں محبت میں ایک اصول کی قائل ہوں اور وہ یہ کہ یا تو محبت کرو نہیں اور اگر کرلو تو پھر ڈرو نہیں۔''

''تم اور تمہارے اصول۔'' ایپنا نے کہا، تب ہی گیٹ کھلنے کی آواز سنائی دی۔

دونوں گردن موڑ کر گیٹ کی طرف دیکھنے لگیں، چوکیدار گیٹ کھول رہا تھا، پھر فیضان کی گاڑی اندر داخل ہوئی۔ انیکسی والی سائیڈ پر کار پارک کرنے کی بہت مختصر سی جگہ تھی۔ ماوی کی کار کے بعد جگہ نہ بچتی تھی، اسی لیے فیضان مین ڈرائیو وے پہ اپنی کار پارک کرتے تھے۔

''ویسے میں کتنی بھی اداس کیوں نہ ہوں تمہارے ماموں کی شکل نظر آتے ہی فریش ہو جاتی ہیں۔'' ایپنا نے کھنکتے ہوئے لہجے میں کہا، ماوی اس کا چہرہ دیکھ کر مسکرا دی، کیونکہ واقعی ایپنا کے چہرے پر رنگ سے اُتر آئے تھے۔ فیضان کار سے باہر نکلے اور لڑکیوں کو دیکھ کر خیرسگالی مسکراہٹ اچھالتے انیکسی کی طرف چل دیے۔

''ہائے...... کتنے ہینڈسم لگ رہے ہیں نا تمہارے ماموں؟'' ایپنا نے محبت کا جہان آنکھوں میں سمو کر فیضان کو دیکھتے ہوئے کہا تھا۔ ماوی نے غضب ناک ہو کر اسے گھورا اور تڑاخ کر بولی۔

''تو ہائے لگانے کی کیا ضرورت ہے، ماشاء اللہ نہیں ہو سکتی۔'' اینیا اس کی تلملاہٹ پر ہنس دی۔

''تمہیں بڑا غصہ آ رہا ہے، جیسے وہ میرے تو کچھ ہیں ہی نہیں، بھئی ہمارا تو جو دل چاہے گا ہم وہ ہی بولیں گے۔'' اس نے اُتر کر کہا تھا۔

''اچھا۔'' ماوی نے ابرو اچکا کر اسے دیکھا، پھر جھک کر ٹرے گھاس پر رکھی اور کھڑے ہوتے ہوئے حتمی انداز میں بولی۔

''اُٹھو۔''

''ایں......لیکن کیوں؟'' اینیا چونکی۔

''ارے اٹھو تو سہی۔'' اس نے ہاتھ پکڑ کر اینیا کو گھسیٹا اور برآمدے کی طرف بڑھی۔

''کیا کر رہی ہو ماوی! ہم جا کہاں رہے ہیں؟'' اینیا نے اس کے ساتھ تقریباً بھاگتے ہوئے کہا۔

''ابھی تم نے کہا نا جو تمہارے دل میں ہوگا وہ ہی بولو گی، تو چلو فیضان ماما کو جا کر اپنے دل کا حال بتاؤ، فیضی ماما!'' اینیا کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں، لیکن اس سے قبل کہ کچھ بول پاتی ماوی نے فیضان کو آواز دے دی۔

فیضان ٹھٹک کر انہیں دیکھنے لگے۔

''ماما! یہ اینیا آپ سے کوئی ضروری بات کرنا چاہ رہی ہے۔'' اس نے فیضان کے نہیں اینیا کے سر پر دھماکہ کیا تھا۔ فیضان تو منتظر نظروں سے اینیا کو دیکھنے لگے، اس کا یہ حال تھا کہ سانس حلق میں اٹک گئی، پیشانی پر پسینہ دکھائی دینے لگا۔ ایسا لگتا تھا ابھی گھبراہٹ کے مارے لہرا کر گر پڑے گی۔

فیضان نے اس کے چہرے سے جانے کیا اخذ کیا تھا۔ متفکر سے ہو کر پوچھنے لگے۔

''خیریت تو ہے اینیا! کوئی پریشانی ہے؟''

''ج......جی نہیں۔'' اس نے جلدی سے کہا، ماوی نے گردن موڑ کر اسے گھورا اور آواز دبا کر دانت کچکچا کر بولی۔

''اچھا موقع ہے بول دو بے وقوف۔'' اینیا نے خفیف سا نفی میں سر ہلایا۔ ماوی نے غصے سے اس کا ہاتھ بری طرح دبا دیا۔ اینیا کی چیخ حلق میں ہی اٹک گئی۔

''تم دونوں نے آپس میں ہی بات کرنا ہے تو مجھے کیوں روکا ہے؟'' فیضان اُلجھ کر بولے۔

''یہ ماوی بھی نا......آ......آپ تھکے ہوئے ہوں گے، میں پھر بات کر لوں گی ایسی کوئی ضروری بات تو نہیں تھی۔'' اینیا نے برقت حاضر دماغی کا مظاہرہ کیا تھا، لیکن ماوی کچھ اور ہی سوچے بیٹھی تھی، جلدی سے بولی۔

''اوہو......اب ایسی غیر ضروری بات بھی نہیں تھی۔ آپ اس سے پوچھیں ماما! کب سے مجھ سے آپ کے بارے میں پوچھ رہی ہے کہ آپ کب آئیں گے۔''

''ایسی کیا بات ہے اینیا؟'' فیضان نے اُلجھ کر پوچھا۔

''پلانس۔'' اینیا کے لبوں سے بے ساختہ نکلا۔

''ہاں...... پلانٹس...... میں نے کچھ نئے پلانٹس منگوائے تھے، وہ ہی آپ کو دکھانا چاہ رہی تھی۔'' اس نے کھنکتے لہجے میں کہا کہ بروقت بہانہ سوجھ گیا تھا۔

ماوی کا دل چاہا اسے کچا چبا جائے۔

''ٹھیک ہے میں ذرا فریش ہو کر آتا ہوں۔'' فیضان نے پرسوچ انداز میں باری باری دونوں کا چہرہ دیکھتے ہوئے کہا۔ کھٹکے تو وہ تھے، مگر ظاہر نہیں ہونے دیا اور انیکسی کی طرف چلے گئے۔ پیچھے اینا نے زوردار دھپ ماوی کو رسید کی تھی۔

''تم نے تو آج مروا دیا تھا۔''

''میرا دل چاہ رہا ہے سچ مچ تمہیں قتل کر دوں۔'' ماوی جل بھن کر بولی۔

''اتنا اچھا موقع گنوا دیا تم نے۔ مان لو اینا! تمہارا کچھ نہیں ہو سکتا، اسی طرح ڈرتی جھجکتی...... رہو گی اور فیضان ماما کسی اور سے شادی کر لیں گے۔''

''اللہ نہ کرے۔'' اینا نے دہل کر کہا۔

''ہاں بس جو کرے اللہ کرے، تم کچھ نہ کرنا۔'' ماوی کو موقع ہاتھ سے جانے دینے کا سخت افسوس تھا۔

''سب کچھ اللہ ہی کرتا ہے۔'' اینا نے خفگی سے کہا۔

''مجھے بھی پتا ہے کہ سب کچھ اللہ ہی کرتا ہے، لیکن تھوڑی محنت انسان کو خود بھی کرنا پڑتی ہے۔ یاد رہے من و سلویٰ صرف اسرائیلیوں کے لیے نازل ہوتا تھا۔''

''ایں...... کیا بول رہی ہو، ماوی! مجھے تو کچھ سمجھ نہیں آ رہا۔'' اس نے روہانسی ہو کر کہا۔

''تمہاری سمجھ ہی چھوٹی ہے۔'' ماوی نے تیز لہجے میں کہا تھا۔

''طعنے دینا بند کرو یہ بتاؤ اب میں کیا کروں؟''

''خودکشی کر لو۔'' اس کا انداز ہنوز تھا۔

''زیادہ سے زیادہ بھی دس منٹ میں فیضان واپس آ جائیں گے پھر میں کیا کہوں گی۔'' اینا سخت پریشان تھی۔

''پہلے جیسے تم نے بہت کچھ کہا ہے۔ اونہہ...... اتنا اچھا چانس گنوا دیا۔''

''تو کیا مجھ سے پوچھ کر روکا تھا انہیں؟'' اینا سلگ کر بولی۔

''پوچھتی تو کیا، تم رکنے دیتیں۔'' ماوی نے سابقہ انداز میں کہا۔ ''ویسے مجھے پتا ہوتا تو تم اتنے نکمے پن کا مظاہرہ کرو گی تو کبھی نہ روکتی۔''

''اب میں کیا کروں؟''

''مجھے کیا پتا...... خود ہی سوچو میں تو جتنی مدد کر سکتی تھی، کر چکی اب خود ہی سوچو۔'' ماوی نے بے مروتی سے کہا تھا، اینا سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔

☆☆☆

فیضان ان دونوں کے انداز پر کھٹکے تھے۔ لیکن اپنی اس فیلنگ کو کوئی واضح نام نہیں دے پا رہے تھے۔ اس لیے اپنا وہم سمجھ کر سر جھٹک دیا اور تقریباً بیس منٹ کے بعد جب باہر نکلے تو وہ دونوں سر سے سر جوڑے جھولے پر بیٹھی تھیں۔ فیضان چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتے ان کی طرف بڑھے۔ ماوی دھیمی آواز میں اینیا سے کہہ رہی تھی۔

''میری بات مان لو...... ماما آئیں تو ہمت کر کے ان سے اپنی فیلنگ شیئر کرنا بعض دفعہ انسان کو بولڈ ہونا پڑتا ہے۔ اگر مجھے یہ ڈر نہ ہوتا کہ ماما انکار کر سکتے ہیں تو میں ممی کو اس معاملے میں انوالو کرتی وہ خود ہی تمہارے پیرنٹس سے بات کر لیتیں، لیکن فی الحال سب سے بڑی وقت ماما کی پسند جاننا ہے، اسی لیے میں انسسٹ کر رہی ہوں کہ تم خود بات کرو۔''

''اور اگر انہوں نے انکار کر دیا اور یہ کہا، میں انہیں پسند نہیں ہوں؟'' اینیا نے خدشہ ظاہر کیا۔

''کم سے کم تمہاری پسندیدگی ان تک پہنچ جائے گی۔ ابھی انکار کر بھی دیا تو مجھے یقین ہے چند روز میں ان کے دل میں تمہارے لیے پسندیدگی پیدا ہو جائے گی۔ ایک چیز سرسری نظریں ڈالنے پر ہمیں کچھ خاص نہیں لگتی، لیکن آہستہ آہستہ ہمیں وہ اچھی لگنے لگتی ہے۔ تم اتنی پریٹی ہو، اتنی نائس ہو کر فیضان ماما تمہیں ناپسند کر ہی نہیں سکتے۔'' ماوی نے پُر وثوق لہجے میں کہا۔

''یہ تو میرے بارے میں تمہاری رائے ہے، کیا پتا تمہارے ماما کیا سوچتے ہوں، اگر انہوں نے مجھے ڈانٹ دیا تو......''

''تو سن لینا ڈانٹ۔'' ماوی نے اطمینان سے کہا۔ ''آخر شادی کے بعد بھی تو ان کی ڈانٹیں سننی ہیں تم نے...... تو ابھی سے عادت ڈال لو۔''

''مجھے ڈر لگ رہا ہے ماوی!''

''ارے کچھ نہیں ہوگا یار! اتنے رومینٹک ناولز پڑھتی ہو کوئی بھی دو، چار رومانٹک ڈائیلاگز بول دینا۔''

''کیا ہو رہا ہے بھئی...... کس نے بولنے ہیں ڈائیلاگز؟'' فیضان ان کے سر پر پہنچ چکے تھے۔ اینیا اچھل کر جھولے سے اُتری چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں ہتھیلیاں پسینے سے بھیگ گئیں اور دل اس قدر بے ہنگم انداز سے دھڑک رہا تھا کہ لگا ابھی سینے سے باہر آ جائے گا۔

''میں اندر جاتی ہوں پلیز آپ دونوں بیٹھ کر باتیں کریں۔'' ماوی نے کہا۔ لیکن اس سے قبل کہ قدم بڑھاتی اینیا نے اس کا ہاتھ دبوچ لیا۔

''تم رکو نا ماوی۔'' کپکپاتا ہوا التجائیہ لہجہ...... ماوی نے ہاتھ چھڑوانا چاہا، آنکھوں ہی آنکھوں میں گھورا، مگر مجال ہے جو اینیا نے گرفت ہلکی پڑنے دی ہو، وہ خود بھی آنکھوں ہی آنکھوں میں ماوی کی منتیں کر رہی تھی۔

فیضان نے اُلجھ کر ان دونوں کو دیکھا۔

''ایک منٹ۔'' فیضان نے اُکتا کر کہا۔ ''اب اگر تم دونوں میں سے کوئی مجھے نہیں بتائے گا کہ معاملہ کیا ہے تو میں چلا جاؤں گا۔''

''کوئی امپورٹنٹ بات نہیں ہے۔'' اینیا نے جلدی سے کہا۔

''ہے...... بہت امپورٹنٹ ہے۔'' یہ ماوی تھی۔

''او کے فائن! میں جا رہا ہوں۔'' فیضان نے کہا اور ایک بھی پل ضائع کیے بنا پلٹے۔

''آپ پلیز مت جائیں، میں بتانا چاہتی تھی کہ میں آپ کو بہت پسند کرتی ہوں، آپ سے شا......شادی کرنا چاہتی ہوں۔''

اینیا نے بے ساختہ کہا اور ساتھ ہی ماوی کا ہاتھ چھوڑ کر دونوں ہاتھ اپنے لبوں پر رکھ لیے، یوں جیسے لفظ خود بخود اس کے لبوں سے ادا ہو گئے ہوں۔

فیضان کے قدم ٹھٹک گئے۔ ساعت ٹھٹھر گئیں، ان کے اردگرد اتنا سناٹا چھا گیا جیسے وہ کائنات میں تنہا رہ گئے ہوں۔ پھر وہ آہستگی سے پلٹے پہلی نظر اینیا کے فق چہرے پر گئی۔ دوسری ماوی پر، جو ساکت کھڑی انہیں دیکھ رہی تھی، نظریں ملتے ہی وہ آنکھیں چرانے لگی، اس کے چہرے پر بھی گھبراہٹ دکھائی دی تھی، لیکن اینیا والا حال نہیں تھا۔

''تم نے جو کہا ہے وہ دوبارہ کہو۔'' انہوں نے اپنی غضب ہوتی آنکھوں کو اینیا کے چہرے پر ٹکاتے ہوئے سرد مہری سے کہا تھا۔

اینیا اسی طرح سر جھکائے گھاس کو دیکھتی رہی، اس کی بولنے کی ہمت ختم ہو چکی تھی۔

''میں نے کہا اینیا! جو تم نے کہا ہے وہ دوبارہ کہو۔'' ان کا لہجہ بے حد سخت تھا۔

''میں آپ کو پسند کرتی ہوں اور آپ سے شادی......''

''بس۔'' فیضان نے کڑکتے لہجے میں کہا۔ ''اور تم اندر آؤ۔'' انہوں نے اسی انداز و لہجے میں ماوی سے کہا۔

''ماما! آپ اینیا کی پوری بات تو سن لیں، یہ آپ کو واقعی بہت......''

''تم نے ایک بھی لفظ اور کہا تو میں خود پر سے کنٹرول کھو دوں گا۔ ایک بھی منٹ ضائع کیے بغیر اندر آؤ۔''

فیضان تیز تیز قدم اٹھاتے انیکسی کی طرف چلے گئے۔ اتنے سخت لہجے میں انہوں نے کبھی ماوی سے بات نہیں کی تھی۔ ماوی کے خون میں جیسے خوف کی لہر سی دوڑ گئی، لیکن اس نے اینیا کے کندھوں کو تھپکا اور حوصلہ دلانے والے انداز میں بولی۔

''تم یہیں رکو، میں ابھی آتی ہوں۔''

''ماوی! یہ ٹھیک نہیں ہوا، مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔''

''جو ہوا بالکل ٹھیک تھا، بس اب تم مجھے اندر جانے دو اور یہاں بیٹھ کر اپنے ویڈنگ ڈریس کا کلر سوچو، میں ابھی آ رہی ہوں۔'' فیضان ماما کے مزاج کی سنگینی کو کم کرنے کے لیے وہ اپنے لہجے کو معمول کے مطابق رکھے ہوئے تھی، ورنہ سچ تو یہ ہی تھا کہ اس کا دل بھی کانپ رہا تھا۔ تب ہی زیر لب، جل تو جلال تو کا ورد کرتی انیکسی کی طرف چلی گئی۔ اینیا پریشانی سے ہتھیلیاں مسلنے لگی۔

☆☆☆

''کیا کہا ہے تم نے اینیا سے؟'' ماوی کے اندر داخل ہوتے ہی فیضان نے دانت کچکچا کر پوچھا، اپنے غیظ کو کم کرنے کے لیے وہ مستقل کمرے میں دائیں سے بائیں، بائیں سے دائیں چکر لگا رہے تھے۔ اس کے اندر داخل ہوتے ہی رک کر غضب ناک نظروں سے اسے گھورنے لگے۔

''میں نے تم کو منع کیا تھا کہ جو اُلٹی سوچ تمہارے دماغ میں ہے اس کا ذکر میں کسی اور سے نہ سنوں اور تم اتنی عقل مند ہو کہ ثمینہ آپا سے ذکر کرنے کے بجائے سیدھے اینیا کے ذہن میں بات ڈال دی۔''

''آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے ماما! میں نے اینیا سے کچھ نہیں کہا۔'' ماوی نے جلدی سے اپنی صفائی پیش کرنا چاہی، لیکن فیضان نے بری طرح جھڑک دیا۔

''ہاں......تم نے نہیں بتایا، آسمان سے فرشتے اُترے ہوں گے اسے بتانے کے لیے کہ فیضان مہدی میں دلچسپی لے۔''

''نہیں۔اس کے دل نے بتایا ہوگا کہ فیضان مہدی میں دلچسپی لے۔'' ماوی نے اپنے خائف ہوتے اعتماد کو بحال کرتے ہوئے دوٹوک انداز میں کہا تھا۔

فیضان کی آنکھوں میں تعجب و بے یقینی کا دھواں سا پھیل گیا۔

''آپ کو پتا نہیں میری بات کا یقین کیوں نہیں آرہا، حالانکہ سچ یہ ہی ہے کہ میں نے اینیا کی آپ میں دلچسپی بھانپنے کے بعد ہی آپ سے ذکر کیا تھا۔اور اس میں برائی بھی کیا ہے ماما! اینیا بہت اچھی لڑکی ہے۔خوبصورت ہے، پڑھی لکھی ہے، ہاں آپ سے عمر میں کافی چھوٹی ہے۔لیکن اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔آپ سے محبت کرتی ہے۔آئی ایم شیور......آپ اس کے بارے میں سوچیں گے تو وہ بھی آپ کو اچھی لگے گی۔میرا مشورہ مان لیں فیضان ماما! عقل مند لوگ کہتے ہیں خوش قسمتی صرف ایک بار دستک دیتی ہے، اگر خوش قسمتی کے لیے دروازہ نہ کھولا جائے تو ساری زندگی انسان کو پچھتانا پڑتا ہے۔اینیا آپ کی خوش بختی ہے ماما! اسے مایوس نہ لوٹائیں، ورنہ ساری زندگی پچھتاوے آپ کو گھیرے رہیں گے۔''

''مجھے تمہارے مشوروں کی ضرورت نہیں ہے، میرے لیے کیا صحیح ہے اور کیا نہیں اس کا فیصلہ میں کروں گا تم نہیں۔'' فیضان نے بھڑک کر کہا۔

''اور آپ اپنے لیے غلط فیصلہ کریں گے میں جانتی ہوں۔'' اس نے دوبدو کہا تھا۔

''شٹ اَپ ماوی!'' فیضان نے تڑخ کر کہا۔ ''تمہیں ہمارے بے جا لاڈ پیار نے بگاڑ رکھا ہے، ہر ایشو پر تمہارا بولنا، ہر معاملے میں دخل دینا ضروری ہے۔ مجھے یقین ہے تم نے ہی اینیا کے سامنے کوئی اُلٹی سیدھی بات کی ہے کہ وہ اس طرح سے سوچنے لگی۔''

''آپ ماوی کو کچھ نہ کہیں۔'' معاً اینیا کی آواز سنائی دی، وہ دونوں بیک وقت چونک کر اسے دیکھنے لگے، پتا نہیں وہ کس وقت اندر آئی تھی اور اس وقت دروازے کے فریم میں تصویر کی طرح جڑی کھڑی تھی۔

''وہ سچ کہہ رہی ہے، اس نے مجھ سے کچھ نہیں کہا تھا، بلکہ میں نے ہی اسے بتایا تھا کہ میں آپ کو پسند......آپ کو پسند کرتی ہوں۔''

''تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہے۔'' فیضان نے غصے سے کہا۔

''اس میں دماغ خراب ہونے کی کیا بات ہے۔کیا محبت کرنا جرم ہے۔'' پتا نہیں اس میں اتنی ہمت کہاں سے آگئی تھی کہ جو دل میں تھا زبان پر آتا چلا گیا۔

''مجھ سے افسانوی باتیں کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔'' انہوں نے لاتعلقی سے کہا۔

''محبت افسانوی چیز لگتی ہے؟''

''ہٹو میرے راستے سے۔''

"نہیں ہٹوں گی۔ پہلے آپ کو میری بات کا جواب دینا ہوگا۔"

"تمہارے پاس تو خود اپنی اس حماقت کا جواب نہیں ہوگا مجھ سے کیا مانگ رہی ہو۔"

"محبت حماقت نہیں ہوتی۔" اس نے اٹل لہجے میں کہا۔

فیضان نے اسے بری طرح گھورا اور تیزی سے باہر نکلنا چاہا، اینیا اسی سرعت سے ان کے راستے میں حائل ہوئی۔

"میرے ایک سوال کا جواب دیے بنا آپ یہاں سے نہیں جا سکتے۔"

"اینیا! مجھے سختی سے پیش آنے پر مجبور مت کرو۔" فیضان نے بمشکل اپنے غصے پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

"کیا سچ مچ آپ کے دل میں میرے لیے کچھ نہیں ہے؟" اس نے جیسے ان کی بات سنی ہی نہیں تھی۔

"اینیا!" فیضان نے دانت کچکچائے۔

"کیا میں آپ کو بری لگتی ہوں؟ بدصورت ہوں؟ اپاہج ہوں؟ کیا کمی ہے مجھ میں کہ آپ میرے لیے کوئی جذبہ محسوس نہیں کرتے، کیا سچ آپ مجھے ناپسند کرتے ہیں۔"

ابھی اس کا جملہ مکمل بھی نہیں ہوا تھا کہ فیضان نے اشتعال انگیز انداز میں اسے بازو سے پکڑ کر ایک طرف دھکیل دیا، اینیا ان سے سخت لہجے کی توقع کر رہی تھی، لیکن ایسا ردعمل اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔ وہ اپنی جھونک میں تھی۔ اس بے دردی سے دھکیلے جانے پر دروازے کے قریب رکھے ٹیبل سے ٹکرا گئی۔ اس کی پیشانی میز کے کنارے سے ٹکرائی تھی۔ ماوی کے لبوں سے بھی چیخ نکل گئی، وہ تیزی سے اینیا کی جانب لپکی تھی۔

"یہ تمہارے ہر سوال کا جواب ہے۔" فیضان نے تنفر سے کہا اور بنا اس پر دوسری نگاہ ڈالے باہر نکل گئے۔ اینیا کی ہتھیلی پر خون اکٹھا ہو گیا تھا، اس نے پیشانی پر ہاتھ رکھے اور تکلیف سے دہرے ہوتے ہوئے ماوی سے شکایتی لہجے میں کہا۔

"کس قدر بے درد ہیں تمہارے ماموں۔" اور بھل بھل رونے لگی۔

"اٹھو اینیا! آئی ایم سوری، اٹھو پلیز، میں تم کو ڈاکٹر کے پاس لے چلتی ہوں۔" ماوی نے بے قراری سے کہا، لیکن اینیا نے اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے۔" اور روتی ہوئی باہر بھاگ گئی، ماوی نے اسے آواز دی، لیکن جانتی تھی اس کے پیچھے جانے کا کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ سو وہیں فرش پر سر پکڑ کر بیٹھ گئی، غم و غصے سے اس کا برا حال تھا۔

☆☆☆

ماوی کو نہ صرف شدید قسم کی شرمندگی نے بلکہ بے چینی نے بھی گھیرا ہوا تھا، تب ہی بمشکل تیس منٹ ہی انتظار کر سکی، پھر ٹیکسی کو لاک لگا کر اینیا کی طرف آ گئی۔ وہ اپنے کمرے میں شیشے کے سامنے کھڑی ماتھے پر بینڈ ایج لگا رہی تھی۔

شیشے میں ماوی کا عکس دیکھ کر اس کے ہاتھ ایک پل کے لیے ٹھٹکے، پھر وہ اپنا کام کرنے لگی۔ شیشے میں نظریں ملتے ہی ماوی کی شرمساری میں اضافہ ہوا تھا۔

"آؤ ماوی! وہاں دروازے میں کیوں کھڑی ہو؟" بینڈیج مکمل کر کے اس نے بکس بند کر کے دراز میں رکھا اور پلٹتے ہوئے ماوی سے کہا۔
رو، رو کر اس کی آنکھیں اور ناک بے تحاشا سرخ ہو رہی تھیں، جبکہ آواز میں بہت زیادہ رونے کا بوجھل پن صاف محسوس ہوتا تھا۔

"میں معافی مانگنے آئی تھی، تمہیں بہت چوٹ آئی ہے۔" اس نے شرمندگی بھرے لہجے میں کہا۔

"تم کیوں معافی مانگ رہی ہو، تمہاری کیا غلطی ہے۔" اس نے پلنگ کے کنارے پر ٹکتے ہوئے کہا، لیکن اتنا سا جملہ بولنے میں اس کی آنکھوں میں پھر آنسو آ گئے تھے۔

"میری ہی تو غلطی ہے، نہ میں تمہیں فورس کرتی، نہ تمہیں چوٹ لگتی۔" ماوی نے اس کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا تھا۔

"یہ چوٹ میری قسمت میں تھی۔" اس نے بے دردی سے اپنی آنکھوں کو رگڑ دیا۔ "لیکن ماوی! میں نے کہا تھا نا، مجھے کچھ نہیں کہنا چاہیے۔ دیکھو کتنی بری طرح ری ایکٹ کیا ہے۔ پتا نہیں کیا سوچ رہے ہوں گے وہ میرے بارے میں۔ انہوں نے تو مجھے بری لڑکی ہی سمجھا ہوگا۔" آنکھیں رگڑنے کے باوجود آنسو اور شدت سے بہنے لگے تھے۔

"ارے ایسی کی تیسی تمہارے انہوں کی۔ ایک خوبصورت لڑکی نے اظہار محبت کیا کر دیا جناب نخرے میں ہی آ گئے۔ جاؤ...... خیر میرے"...... ماموں ہیں تو کیا ہوا۔ تم بھی تو میری دوست ہو...... میرا تم سے وعدہ ہے جب تک ان کی شادی تم سے نہیں کروا دیتی۔ خود بھی شہروز سے شادی نہیں کروں گی۔" اس نے پرعزم لہجے میں کہا تھا۔

"رہنے دو ماوی! میں نے سوچ لیا ہے میں اب ان سے شادی کا خیال ہی دل میں نہیں لاؤں گی۔" اینا نے کہا۔

"اتنی جلدی ہار گئیں۔ کل کو اپنے دل کو کیا منہ دکھاؤں گی؟"

"یہی...... جو میرے پاس ہے وہی دکھاؤں گی دل کو سمجھانا آسان ہوگا لیکن اپنی عزت نفس کو دوبارہ مجروح نہیں ہونے دوں گی وہ انکار کر دیتے ڈانٹ لیتے لیکن مارتے تو نہیں۔" اس کے لہجے میں شکوہ ہی شکوہ تھا اور ٹوٹے ہوئے مان کی کرچیاں۔

ماوی کے پاس کہنے کے لیے کچھ بھی نہیں تھا سو خاموشی شرمساری سے سر جھکائے بیٹھی رہی پھر کچھ خیال آنے پر سر اُٹھایا اور دونوں ہاتھ کی انگلیوں سے اس کے آنسو پونچھے۔

"اچھا پلیز تم رونا بند کرو...... دیکھنا تمہیں فیضان ماما سے سوگنا بہتر لائف پارٹنر ملے گا...... ایکچوئلی وہ تم جیسی اچھی لڑکی ڈیزروہی نہیں کرتے لیکن ایک بات ہے میں تمہارے ڈائیلاگز سے بہت متاثر ہوئی ہوں فیضان ماما کی جگہ کوئی اور ہوتا تو فوراً تمہارے قدموں میں آ گرتا۔ تم ایسا کرنا۔ وہ ڈائیلاگز مجھے لکھ دینا کبھی شہروز کے سامنے بولوں گی مجھے یقین ہے وہ بہت خوش ہوگا۔" وہ اسے بہلا رہی تھی اینا اس کے انداز پر بھیگی آنکھوں کے ساتھ ہنس دی۔

"ہاں شہروز کے سامنے ضرور بولنا...... وہ خوش ہوگا ایٹ لیسٹ تمہیں مارے گا نہیں۔"

بظاہر وہ مطمئن ہو گئی تھی لیکن ایسا کہتے ہوئے دل میں ٹیس سی اُٹھی تھی۔ ماوی بھی مسکرا دی تھی لیکن دل میں فیضان سے شدید خفا ہو چکی تھی۔

"یہ آپ نے کیا کر دیا فیضان ماما!"

☆☆☆

جلال نے پھولوں کے خوب صورت اور چھوٹے سے گلدستے کو دائیں ہاتھ سے بائیں میں منتقل کیا پھر دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی سے اپنی شرٹ کے کالر کو تھوڑا ڈھیلا کیا ایک گہری سانس خود کو پُرسکون کرنے کے لیے کھینچی پیشانی سے نادیدہ پسینہ پونچھا۔ بالوں میں انگلیاں چلا کر ہیئر اسٹائل درست رکھنے کی کوشش کی۔

یعنی کل ملا کر وہ سخت گھبراہٹ کا شکار تھا۔ جتنا خود کو ریلیکس کرنے کی کوشش کرتا اتنی گھبراہٹ میں اضافہ ہو رہا تھا اس پر مستزاد یہ کہ ماوی نے دروازہ کھولتے ہی شرارتی سا جملہ بول دیا۔ جلال کا رہا سہا اعتماد بھی جاتا رہا۔ صبح سے اب تک وہ خود کو باور کرواتا رہا تھا کہ اسے ماوی کے یہاں نہیں جانا لیکن لنچ ٹائم قریب آتے ہی اس کے پیر خود بخود اس طرف چل دیے۔

عجیب طرح کا بوجھ تھا جو ایک معصوم لڑکی کا دل توڑ دینے کے خیال سے اس کے ضمیر پر دھرا ہوا تھا۔ اس نے سوچا وہ مناسب لفظوں میں ایک بار ماوی کو سمجھا دے گا کہ اس کی زندگی میں ماوی کے لیے کوئی گنجائش نہیں ہے ثمینہ آنٹی کی کل مشکل بھی حل ہو جائے گی اور اس کے ضمیر پر دھرا بوجھ بھی ہٹ جائے گا لیکن یہ سب اتنا بھی آسان نہیں تھا جتنا سوچنے میں محسوس ہوتا ہے کیونکہ دل کی بھی تو ایک آواز ہوتی ہے۔ اس کے بھی کچھ مطالبات ہوتے ہیں، کچھ ضروریات ہوتی ہیں۔

جلال کے کانوں میں محض ضمیر کی آواز گونجی تھی اس نے دل کو کبھی اتنی اہمیت نہیں دی کہ اس کی آوازوں پر کان دھرے یا شاید اس کے دل نے کبھی زبان کھولی ہی نہیں غالباً وہ کسی خاص وقت کے انتظار میں تھا۔

لنچ پہ ماوی کے ماموں فیضان صاحب بھی موجود تھے ثمینہ آنٹی کی طرح وہ بھی بہت اچھے مزاج کے مالک تھے جب تک موجود رہے جلال کو کمپنی دیتے رہے۔

جلال کے دماغ میں سوچوں کا اودھم مچا تھا اس نے کچھ باتوں میں دلچسپی لی کچھ میں نہیں۔ وہ دل ہی دل میں ان جملوں کو دوہراتا رہا جو ماوی کا دل توڑنے کے لیے جلال کو اس کے سامنے بولنا تھے۔ لیکن ہر بار ماوی کے خوشی و انبساط سے چمکتے چہرے کو دیکھ کر اس کا ارادہ ڈگمگا جاتا ماوی نے اسے ایک ایک ڈش خود سرو کی تھی وہ اسے اصرار کر کے ہر چیز کھلا رہی تھی لیکن جلال اس قدر ذہنی کشمکش کا شکار تھا کہ برائے نام کھا سکا۔

کھانا کھا کر فیضان کسی کام کے سلسلے میں چلے گئے۔ ثمینہ آنٹی کچن میں مصروف تھیں۔ چائے پیتے ہوئے ماوی اور جلال کو تنہا بیٹھنے کا موقع ملا جلال اس دوران بھی اسے کچھ نہیں بتا پایا الٹا سارا ہی وقت ماوی ہی اس کی پسند ناپسند، دلچسپیوں وغیرہ کے بارے میں بات کرتی رہی۔ اس دوران جلال یہ بھی سمجھ گیا خواہ کتنے بھی ارادے باندھ لے ماوی کے سامنے سعدی والے معاملے پر ایک لفظ نہیں بول سکے گا۔ اپنی بے بسی کا احساس ہوتے ہی وہ مایوس ہو گیا اور واپسی کے ارادے سے اُٹھ کھڑا ہوا۔ ماوی اچھے میزبان کی طرح اسے باہر تک چھوڑنے کے آنا چاہتی تھی لیکن ثمینہ آنٹی نے منع کر دیا اور خود باہر تک آئیں۔

''تم نے ماوی کو بتایا؟'' ثمینہ آنٹی نے باہر آ کر اپنے پیچھے دروازہ مضبوطی سے بند کرتے ہوئے بے قراری سے پوچھا۔

''آنٹی! میری اتنی ہمت ہی نہیں ہوئی۔'' جلال نے بے بسی سے کہا ثمینہ کے چہرے پر مایوسی چھا گئی۔

''تم نے تو مجھے بہت مشکل میں پھنسا دیا ہے جلال!''

''میں تو خود مشکل میں ہوں آنٹی! سمجھ ہی نہیں پا رہا ماوی کو سمجھاؤں یا سعدی کو؟'' اس نے بے چارگی سے کہا۔

''میں نے فیضان سے کہہ دیا ہے ہمارے واپسی کے ٹکٹ کنفرم کروا دے۔'' چند منٹ کی بوجھل خاموشی کے بعد ثمینہ آنٹی نے بتایا۔''دل میں آس ہے کہ شاید وہاں جا کر ماوی کو سمجھانا میرے لیے آسان ہو...... ممکن ہو تو میری بیٹی کے سکون کے لیے دعا کرنا۔''

ان کا ٹوٹا بکھرا لہجہ جلال کے دل میں انی کی طرح گڑ گیا اور وہ سر جھکا کر وہاں سے باہر نکل گیا۔

☆☆☆

''اور تم نے عروش کے خلاف گواہی دینے سے انکار کر دیا۔ تم پاگل ہو تنوی!'' تنوی سے وائس پرنسپل کے آفس میں ہوئی ڈسکشن کی پوری داستان سننے کے بعد چند منٹ عمیر ہکا بکا ہو کر اسے دیکھتی رہی پھر اس نے صدمے بھرے انداز میں کہا۔

''اسے پاگل پن نہیں عقل مندی کہتے ہیں۔'' تنوی نے تحمل سے جواب دیا۔

''میں نے بالکل صحیح کیا۔ مجھے کیا ضرورت ہے عروش جیسی خطرناک لڑکی کے معاملے میں ٹانگ پھنسانے کی جو نمرہ کو کچھ بتانے پر ہمیں دھمکا سکتی ہے بیچ سڑک پر اشارے کر کے مجھے خوفزدہ کر سکتی ہے وہ گواہی دینے پر میرا کیا حشر کرے گی؟...... نہ بھئی نہ...... میں باز آئی ایسے معاملات سے۔ تمہیں بھی مخلصانہ مشورہ ہے اگر میڈم تم سے عروش کے متعلق کچھ پوچھیں تو انکار کر دینا جیسے میں نے کر دیا کہ میں عروش کے متعلق کچھ جانتی ہی نہیں ہوں۔''

''میرا دماغ خراب ہے جو میں ایسا جھوٹ بولوں۔'' عمیر نے تڑخ کر کہا۔''میرے نزدیک سب سے اہم چیز میرے کالج کی عزت ہے اور میں نہیں چاہتی کہ عروش جیسے لوگ اس عزت کو داغدار کریں اس لیے میں اس کے خلاف گواہی ضرور دوں گی۔ غضب خدا کا معصوم لڑکیوں کو بہکا کر الٹے سیدھے کام کروا رہی ہے انہیں بدکاری کی طرف لے جا رہی ہے اور میں چپ چاپ بیٹھی تماشہ دیکھتی رہوں۔ نہیں ہرگز نہیں برائی دیکھ کر خاموش رہنے والا بھی اتنا ہی غلط ہوتا ہے جتنا کہ برا کام کرنے والا۔'' عمیر نے انقلابی انداز میں کہا تھا۔

''عمیر! وہ تمہیں نقصان پہنچا سکتی ہے۔'' تنوی نے فکرمندی سے کہا۔

''ارے ایسی کی تیسی...... ہاتھ پیر توڑ کر درخت سے الٹا لٹکا دوں گی اسے اگر اس نے مجھے نقصان پہنچانے کی کوشش کی۔''

''تم کتنی بہادر ہو عمیر! کاش میں بھی ہوتی۔'' اس نے سر جھکا کر حسرت بھرے لہجے میں کہا تھا۔

''ارے جانے دو...... یہ تو بالکل ایسی ہی خواہش ہے جیسے گدھا سوچنے لگے کاش! اس کے سر سینگ ہوتے...... یعنی ناممکن۔''

تنوی نے ہاتھ میں پکڑی کتاب اسے کھینچ ماری۔

''میں تمہارے طنز سمجھ رہی ہوں۔''

''بزدلی کے باوجود ایک اچھی بات ہے تم میں طنز اور مذاق میں فرق سمجھ لیتی ہو۔'' عمیر نے ایک اور تیر چھوڑا۔

''ہم بزدل ہی ٹھیک ہیں۔'' تنوی نے گردن اکڑا کر کہا۔

''مرجانا اس بزدلی کے ساتھ لیکن یہ جو ماتھے پر بزدلی کا سائین بورڈ لگا رکھا ہے اس کی شان نہ گھٹنے دینا۔'' عمیر نے جل کر کہا تھا۔

''تمہارا جو بھی فیصلہ ہو میں نے سوچ لیا ہے میں عروش کے خلاف گواہی ضرور دوں گی۔ چند سال، پہلے اس وقت ہم اسکول میں تھے فیصل آباد کی ''شہرینہ اور شمائل راج'' نام کی دو لڑکیوں کا عجیب وغریب کیس تو تمہیں یاد ہی ہوگا میڈیا نے بڑی کوریج دی تھی اس کیس کو۔ میں نہیں چاہتی کہ کل کو نمرہ اور عروش...... شمائل راج اور شہرینہ جیسا کیس بنیں اور اس کے لیے ضروری ہے کہ عروش کو کالج سے ہٹایا جائے۔''

''نمرہ کی تو مجھے بھی بہت فکر ہے لیکن گواہی میں پھر بھی نہیں دے سکتی۔'' تنوی نے لاچاری سے کہا تھا۔

''لیکن کیوں؟ ذرا اس بات کی بھی تو وضاحت فرمایئے محترمہ!''

''تمہیں میرے فیملی سیٹ اَپ کا نہیں پتا عمیر!''

''اس لیے کیونکہ تم نے کبھی مجھے اس قابل ہی نہیں سمجھا کہ اپنے فیملی ایشوز مجھ سے ڈسکس کرو۔ ایسی بھی کیا بے اعتباری۔''

''تم پلیز بدگمان نہ ہو عمیر! ایسی کوئی خاص باتیں نہیں ہیں جو تم سے ڈسکس کروں۔''

''ایک بات بتاؤ کیا تمہارے گھر میں بہت سختیاں ہیں، بہت پابندیاں لگائی جاتی ہیں۔''

''ہرگز نہیں۔'' تنوی نے فی الفور کہا۔ ''حویلی کا سیٹ اَپ تو بہت بہترین ہے۔ چاہے لڑکے ہوں یا لڑکیاں کسی پر کبھی کوئی پابندی نہیں لگائی گئی۔ ہاں نانو جان نے کچھ لمٹس بنا رکھی ہیں اور حویلی کا ہر فرد ان لمٹس کی پابندی کرتا ہے۔ میری نانو جان بہت نائس ہیں مجھے انہوں نے ہی پالا ہے وہ مجھ سے بہت محبت کرتی ہیں۔ اسی لیے عمیر! میں ایسا کوئی کام نہیں کرنا چاہتی جس سے نانو کو تکلیف پہنچے یا وہ مجھ سے خفا ہوں۔''

''جب محبت کرتی ہیں تو خفا کیوں ہوں گی اور تم کون سا عروش کے خلاف جھوٹی گواہی دو گی۔''

''یہ تو تم اور میں کہہ رہے ہیں کہ گواہی دینا غلط نہیں ہے۔ آج ٹیچرز کہہ رہی ہیں، پولیس کے سامنے گواہی دو کل کو کورٹ میں لے جانے کی بات ہوگی۔ میری نانو جان کو یہ بات ہرگز اچھی نہیں لگے گی۔ کہ میں تھانے، کچہریوں کے چکر لگاؤں خواہ مقصد پیچھے کچھ بھی ہو۔''

''تم نے مجھے بہت مایوس کیا ہے تنوی! تمہیں دیکھ کر تو مجھے اس کبوتر کا خیال آرہا ہے جو خطرہ بھانپ کر آنکھیں بند کر لیتا ہے اور اپنی پروں کی طاقت کو بھی بھلا بیٹھتا ہے۔ نکل آؤ اپنی اس بزدلی سے۔ مجھے ڈر ہے عروش کوئی نقصان پہنچائے نہ پہنچائے تمہاری بزدلی تمہیں ضرور نقصان پہنچائے گی۔ محبتوں کا احترام کرنا اچھی بات ہے لیکن محبتوں کو اپنی کمزوری بنا لینا بہت بری بات ہے۔''

عمیر نے اپنا فولڈر بازو میں دبوچا، بیگ کندھے پر ڈالا اور سخت لہجے میں اس کا مزاج درست کرتی کلاس روم کی طرف چل دی۔ تنوی چند لمحے منہ بسور کر بیٹھی رہی پھر بددلی سے اپنی چیزیں سمیٹیں اور عمیر کے پیچھے چل دی لیکن اس کے چہرے پر گہری سوچ کی واضح پرچھائیاں دکھائی دے رہی تھیں۔

☆☆☆

اس روز فیضان کی واپسی رات گئے ہوئی۔ ان کا خیال تھا اس وقت تک ماوی اور ثمینہ سو چکی ہوں گی یہ نہیں کہ انہیں کسی بات کی شرمندگی تھی بس یہ تھا کہ وہ کسی کا سامنا کرنا نہیں چاہ رہے تھے لیکن ماوی جاگ رہی تھی۔ نہ صرف جاگ رہی تھی بلکہ لاؤنج میں ٹہل ٹہل کر ان کا انتظار بھی کر رہی تھی انہیں اندر آتا دیکھ کر اس نے ایک پل کا بھی صبر نہیں کیا اور ان پر چڑھ دوڑی۔

''سمجھتے کیا ہیں آپ اپنے آپ کو...... کس قدر فضول حرکت کی ہے آج آپ نے ...... بتاؤ ایک لڑکی نے ذرا سا پسندیدگی کا اظہار کیا کر دیا خود کو کوئی سپیریئر چیز سمجھنے لگے۔'' وہ بے حد غصے میں تھی اور ہر لحاظ بھلائے بیٹھی تھی۔

فیضان نے اسے سرد مہری سے گھورا۔

''نیچی آواز میں بات کرو...... دن بہ دن تمہیں بات کرنے کی تمیز بھولتی جا رہی ہے۔'' ان کی آواز میں آنکھوں سے زیادہ سرد مہری تھی۔ ماوی ذرا جو خائف ہوئی ہو۔

''اور اپنے بارے میں کیا خیال ہے جناب کا جنہیں تمیز و اخلاقیات کے سارے اصول ازبر ہیں۔'' اس نے تنک کر کہا تھا۔ ''کیا ضرورت تھی اینیا کو ٹارچر کرنے کی؟''

''تمہیں شاید ٹارچر کا مطلب نہیں معلوم۔'' فیضان کے غصے میں اضافہ ہوا۔ ''جا کر ڈکشنری میں پہلے لفظی مطلب تلاش کرو پھر مجھ سے بات کرنا۔ وہ لڑکی اس سے زیادہ کی مستحق تھی۔''

انہوں نے کچن کی طرف جاتے ہوئے کہا۔

''وہ کس چیز کی مستحق تھی کس چیز کی نہیں...... یہ طے کرنے والے آپ کون ہوتے ہیں فیضان ماما! اتنی بھی کیا خود پسندی کہ اسے چوٹ پہنچا دی۔ انکار ہی کرنا تھا تو آرام سے کر دیتے اتنی بری طرح ری ایکٹ کرنے کی کیا ضرورت تھی۔'' وہ عین لاؤنج کے وسط میں کھڑی تیز لہجے اور اونچی آواز میں بول رہی تھی۔

چند لمحے بعد فیضان کچن سے واپس آئے ان کے ہاتھ میں پانی کی بوتل تھی۔

''میں نے انکار ہی کیا تھا۔'' انہوں نے بوتل سے ایک بڑا گھونٹ حلق میں انڈیلتے ہوئے کہا۔

''اس طرح انکار کیا جاتا ہے؟'' ''آپ نے اس کی توہین کی ہے۔'' اس نے مزید تلملا کر کہا۔ لیکن اس سے پہلے کہ فیضان مزید کچھ کہتے ثمینہ اپنے بیڈ روم کا دروازہ کھول کر بوکھلائی ہوئی سی باہر نکلیں۔

''کیا ہوا ہے تمہیں؟ اتنی زور سے کیوں بول رہی ہو؟'' وہ نیند سے بیدار ہوئی تھیں شور کی آواز نے نیند میں خلل ڈال دیا تھا اس لیے بوکھلائی ہوئی تھیں۔

''کچھ نہیں ہوا ثمینہ آپا! سوائے اس کے کہ آپ کی لاڈلی کو آدھی رات کو دورہ پڑا ہے آپ پلیز جا کر سو جائیں۔'' فیضان نے دل جلانے والے انداز میں ماوی کو دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ جو ممی کے سامنے خاموش رہنے کا سوچ رہی تھی۔ اس بات پر بری طرح پیچ و تاب کھانے لگی اور تلملا کر

ثمینہ کی طرف پلٹی۔

''نہیں ممی!......آپ مت سوئیں میں آپ کو پوری بات بتاتی ہوں۔ پلیز آپ بیٹھیں۔'' اس نے بڑے اہتمام سے کہا جیسے ثمینہ واقعی آدھی رات کو کوئی قصہ سننے آئی ہوں۔

اب تلملانے کی باری فیضان کی تھی۔

''ماوی!......خبردار ثمینہ آپا کے سامنے کچھ بھی کہا تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔''

انہوں نے انگلی اُٹھا کر تنبیہہ کی لیکن، وہ ماوی ہی کیا جو کسی کی دھمکی سے مرعوب ہو جائے یہاں تو پھر بھی معاملہ اس کی عزیز از جان سہیلی کا تھا جسے واقعی وہ اپنی ممانی جان مان چکی تھی اور جناب ماموں صاحب نے اس کے ساتھ بے حد برا سلوک کیا تھا۔

اس نے گھور کر فیضان کو دیکھا اور حتمی انداز میں ثمینہ کی طرف پلٹتے ہوئے نان اسٹاپ شروع ہو گئی۔

''آپ کو پتا ہے آپ کے بھائی صاحب نے کیا کیا ہے۔'' آج میں اور اینیا انہیں شادی کے لیے کنوینس کرنے کی کوشش کر رہے تھے ان محترم نے اینیا کو غصے میں آ کر اتنی زور سے دھکا دیا کہ وہ ٹیبل سے ٹکرا گئی اور اتنا گہرا زخم لگ گیا اس کے ماتھے پر اب اپنی غلطی تسلیم کرنے کی بجائے مجھ ہی پر بھڑک رہے ہیں۔'' اس کا انداز بے حد اشتعال والا تھا لیکن یہ بھی شکر تھا کہ وہ اصل معاملہ گول کر گئی تھی۔

''یا اللہ فیضان تم نے تو حد کر دی۔'' ثمینہ حق دق رہ گئی تھیں۔

''آپا! میں نے جان بوجھ کر اسے چوٹ نہیں پہنچائی۔ وہ دروازے میں کھڑی تھی میں نے اسے سامنے سے ہٹانا چاہا تو وہ لڑکھڑا کر ٹیبل سے ٹکرا گئی۔'' فیضان نے فوراً صفائی پیش کی تھوڑا بہت احساس شرمندگی تو ان کے دل میں بھی ابھر رہا تھا۔

''صاف صاف کیوں نہیں کہتے کہ اینیا جان بوجھ کر ٹیبل سے ٹکرا گئی۔'' ماوی نے دل جلانے والے انداز میں کہا۔ دلچسپ بات یہ کہ فیضان جل بھی گئے۔

''تم تو اس معاملے میں بولو ہی نہیں۔'' انہوں نے تلملا کر کہا۔

''تمہیں تھوڑا خیال کرنا چاہیے تھا فیضی! ایسا کیا کہہ دیا تھا بچی نے......اور تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا۔ میں اینیا کو دیکھ ہی آتی۔ اس کی ماں بھی یہاں نہیں ہے اللہ معلوم کس حال میں ہو گی۔'' ثمینہ نے کہا۔

''آپ خواہ مخواہ فکر مند ہو رہی ہیں۔ اتنی بھی کوئی گہری چوٹ نہیں لگی۔'' فیضان نے بے زاری سے کہا اور گھور کر ماوی کو دیکھا جو بری طرح پیچ و تاب کھا رہی تھی۔

''لڑکیوں کو تو یوں بھی معمولی معمولی خراشوں پر بری طرح رونا آتا ہے اسے بھی ذرا سی چوٹ لگ گئی ہو گی اور آپ کی اس لاڈلی بیٹی نے چار سے ضرب دے کر سارا قصہ آپ کو سنا دیا۔''

''بچپن سے لے کر اب تک میرے گرو جی کی پوسٹ آپ ہی سنبھالے ہوئے ہیں۔ یہ ٹیلنٹ بھی میں نے آپ سے ہی لیا ہو گا۔'' ماوی

نے پھر دوبدو کہا۔

''تم نے پھر میری بات میں دخل دیا۔'' فیضان نے دانت کچکچائے۔

''آپ غلط بیانی کرنا بند کریں اور اپنی غلطی مان کر اینیا سے ایکسیوز کرلیں۔ میں دوبارہ آپ کی بات میں دخل نہیں دوں گی۔'' اس نے مفاہمت کی راہ نکالی۔

''یہ تو قیامت تک نہیں ہو سکتا۔'' فیضان نے فوراً کہا۔ ''جب میں نے کوئی غلطی ہی نہیں کی تو معافی کس بات کی مانگوں؟''

''یعنی آپ کے نزدیک کسی کو چوٹ پہنچانا کوئی بڑی بات نہیں ہے؟''

''خدارا..... تم دونوں جھگڑنا بند کرو اور فیضان! ایسا کیا کہہ دیا تھا اینیا نے کہ تم نے اتنی بری طرح ری ایکٹ کیا؟'' ثمینہ نے عاجز ہو کر پوچھا۔

''وہ میرے پرسنلز میں دخل دے رہی تھی۔ کیا یہ چھوٹی بات ہے۔'' انہوں نے پوچھا۔ اس جملے کے لفظی معنی ثمینہ کے لیے اور لغوی معنی ماوی کے لیے تھے۔

''ارے واہ.....'' ماوی کے تاؤ میں اضافہ ہوا۔'' آپ بنا اجازت اس کے لان میں گھسیں۔ پودوں کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کریں۔ اپنی مرضی کے اضافے کریں تو یہ پرسنلز میں دخل دینا نہیں ہے۔ لیکن وہ کچھ کہہ دے تو آپ کی ذاتیات میں دخل اندازی ہوگئی..... سبحان اللہ۔''

''آپا! جب یہ نہیں ہوگی۔ میں تب آپ سے بات کروں گا۔ تم سے تو مجھے اب بات ہی نہیں کرنی۔'' انہوں نے بوتل تپائی پر پٹخی اور اپنے کمرے میں گھس گئے۔

''مجھے بھی آپ سے بات نہیں کرنی۔ کم سے کم تب تک تو بالکل بھی نہیں جب تک آپ اپنے کان پکڑ کر اینیا سے معافی نہیں مانگ لیتے۔'' وہ دوبدو بند دروازے پر چلائی لیکن جب ایسا کر کے بھی سکون نہیں ملا تو خود ہی بڑبڑانے لگی۔

''بتاؤ..... ذرا سی اچھی شکل وصورت کیا دے دی اللہ میاں نے ان کا تو غرور ہی ختم ہونے میں نہیں آرہا..... مجھے نہیں پتا تھا می! آپ کے بھائی اتنے خود پسند ہیں۔''

''ماوی! تھوڑا لحاظ کرو۔ عمر اور رشتے دونوں میں بڑا ہے تم سے۔'' ثمینہ نے جھڑکا تو وہ ایک منٹ کے لیے خاموش ہو کر اپنے رویے پر غور کرنے لگی پھر بولی۔

''آپ نے اینیا کا خون بہتے نہیں دیکھا۔ دیکھ لیتیں تو اس سے زیادہ برے طریقے سے پیش آتیں ماما کے ساتھ۔ ان کو تو اتنی توفیق بھی نہیں ہوئی کہ خون بہتا دیکھ کر اسے ڈاکٹر کے پاس ہی لے جائیں۔'' اس نے تنفر سے کہا تھا۔

''فیضان اتنی سخت طبیعت کا مالک نہیں ہے بس شادی کا ذکر آتے ہی اس کا دماغ گھوم جاتا ہے۔'' چند منٹ کی خاموشی کے بعد ثمینہ نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ انہوں نے اپنا سر دائیں ہاتھ میں گرا لیا تھا۔

''مجھے پتا ہوتا اس لڑکی کا فیضان کی زندگی میں نہ آنا میرے بھائی کی پوری زندگی برباد کردے گا..... یہ اس طرح سے زندگی کی خوشیاں خود

پر حرام کرے گا تو کچھ بھی کر کے اسی اس کی زندگی میں ضرور لے آتی مگر بھائی کی زندگی برباد نہ ہونے دیتی۔" ان کا انداز خود کلامی کا سا تھا۔ ماوی بری طرح چونک گئی۔

"کیا کہہ رہی ہیں آپ؟...... فیضان ماما کی زندگی میں کبھی کوئی لڑکی آئی تھی کب کی بات ہے یہ؟ مجھے تو پتا ہی نہیں تھا۔" اس کے لیے یہ انکشاف تھا۔

"بہت پرانی بات ہے اس وقت تم بہت چھوٹی تھیں چھوٹا تو فیضان بھی تھا لیکن مصیبت آنے کے لیے عمر نہیں دیکھتی۔" ثمینہ نے دکھی لہجے میں کہا۔

"میرے خدا...... کس قدر حیران کن بات بتائی ہے آپ نے ...... یقیناً شہروز کو اس بات کا علم ہوگا۔ اچھی ممی! وہ تھی کون؟ خوبصورت تو ضرور ہوں گی۔ فیضان ماما کی پسند اورڈنری (عام) نہیں ہو سکتی۔" اس کا اشتیاق قابل دید تھا۔

"ایسی ویسی خوب صورت...... خوب صورتی تو اس لڑکی پر ختم تھی۔ یہ لمبے بال، بڑی بڑی آنکھیں، رنگت ایسی جیسے چاندنی کھلی ہو، سرو قد، نازک اندام...... سچ ماوی اسے دیکھ کر قدرت کی صناعی پر رشک آنے لگتا تھا اتنی مکمل اتنی بہترین کہ کوئی بھی اس کے عشق میں مبتلا ہو جائے...... فیضان تو پھر نو عمر، نا سمجھ لڑکا تھا۔" ثمینہ جیسے چشم تصور سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

"اتنی خوبصورت تھیں تو فیضان ماما کی شادی کیوں نہیں کروا دی ان سے؟" ماوی کے لبوں پر فوراً سوال آیا۔

"عمر میں بڑی تھی فیضان سے۔" ثمینہ نے گہری سانس بھر کر جواب دیا۔

"یہ کوئی اتنی بڑی بات تو نہیں تھی۔ ایج ڈفرنس تو نظر انداز کیا جا سکتا تھا۔"

"ایک دو سال کی بات ہوتی تو چلو نظر انداز بھی کرتے وہ اچھی خاصی بڑی تھی اس سے پھر حیثیت میں بھی برتر تھی۔ فیضان نے کاروبار شروع نہیں کیا تھا تب تک۔"

"کاش! وہ فیضان ماما کو مل گئی ہوتیں تو یہ آج اتنے کھڑوس نہ ہوتے۔" ماوی نے مایوسی سے کہا پھر اشتیاق بھرے لہجے میں پوچھنے لگی۔

"ویسے ممی! وہ تھیں کون؟ ملے کہاں تھے فیضان ماما ان سے؟"

"تمہارے دادا کی حویلی میں ملے تھے۔ تمہاری پھوپھی تھیں وہ۔"

ثمینہ نے تحمل سے کہا لیکن اس انکشاف پر ماوی کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

"میری کوئی پھپھو بھی تھیں؟...... آپ نے پہلے کبھی نہیں بتایا۔"

"سگی پھوپھی نہیں تھیں وہ...... سوتیلی تھیں۔" ایک اور انکشاف منہ تو منہ ماوی کی تو آنکھیں بھی کھلی رہ گئیں۔

"میری کوئی پھوپھی تھیں وہ بھی سوتیلی یعنی دادا جان نے دو شادیاں کی تھیں آپ نے مجھے پہلے کبھی کیوں نہیں بتایا؟"

"پہلے کبھی ایسا موقع ہی نہیں آیا کہ میں بتاتی۔" ثمینہ نے کہا۔

''پھر بھی......آپ کو مجھے بتانا چاہیے تھا۔ میں اپنے ددھیال کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتی۔'' اس نے پہلی بار گلہ کیا۔

''میں نے تو تمہیں اور بھی بہت کچھ نہیں بتایا کس کس بات کا شکوہ کرو گی۔'' ثمینہ نے اُٹھ کر کمرے کی طرف پلٹتے ہوئے کہا تھا۔

ماوی یکدم اُٹھ کر ان کے سامنے آگئی۔

''مثلاً کیا؟......آپ مجھے بتائیں؟ میں جاننا چاہتی ہوں۔'' اس نے بے قراری سے کہا تھا۔

''ماوی پلیز! کچھ باتیں ساری زندگی پتا نہ چلیں تو اچھا ہوتا ہے۔'' ثمینہ نے لجاجت سے کہا۔

''مجھے تجسس میں ڈال کر آپ نہیں جا سکتیں۔ مجھے بتائیں۔'' اس نے ضدی لہجے میں کہا تھا۔

''ٹھیک ہے میں تمہیں سب بتاؤں گی لیکن آج نہیں......میں نے سلیپنگ پلز کھائی ہوئی ہے نیند سے بے حال ہوں اس لیے آج رہنے دو لیکن میرا وعدہ ہے کسی روز تمہیں ساری تفصیل بتاؤں گی تمہارے ددھیال کے بارے میں۔'' وہ اس کا چہرہ تھپتھپا کر سائیڈ سے نکلیں پھر دروازے کے پاس پہنچ کر رکیں۔

''اس بارے میں فیضان سے ذکر مت کرنا۔ اسے تکلیف ہوگی۔''

ماوی چند لمحے کھڑی اُلجھن آمیز نظروں سے ممی کے بند دروازے اور فیضان ماما کے دروازے کو دیکھتی رہی۔

''آج کی رات تو انکشافات کی رات لگتی ہے۔ فیضان ماما کی زندگی میں کبھی کوئی لڑکی آئی تھی انکشاف نمبر ایک......انکشاف نمبر دو۔ وہ لڑکی میری پھوپھی تھیں۔ اور پھوپھی بھی وہ جو سگی نہیں سوتیلی تھیں یہ ہوا انکشاف نمبر تین......یا اللہ! یہ کس قدر ناقابل یقین باتیں ہیں۔'' وہ صوفے پر گر کر سوچنے لگی۔

☆☆☆

بشریٰ نے خالی گھڑا اُٹھا کر دستی نلکے کے نیچے رکھا پھر پوری قوت سے نلکا چلا کر گھڑے کو خوب رگڑ رگڑ کر دھویا اور گھڑا پانی سے لبالب بھرنے کے بعد جب اسے اٹھانے کے لیے جھکی تو اسے احساس ہوا گھڑا بے حد وزنی تھا۔ اس کا دل چاہا کسی ملازمہ کو آواز دے کر گھڑا، گھڑونچی پر رکھنے کے لیے کہے لیکن ساتھ ہی اسے دین محمد کی تاکید یاد آگئی اسی یاد کے ساتھ جنت کا مسکراتا ہوا چہرہ بھی دکھائی دیا۔ اسے سخت ناگواری کا احساس ہوا لیکن ناچارہ وہ جھکی اور احتیاط سے گھڑے کو اپنی کمر پر لاد کر کھینچ کھینچ کر اپنا لنگ زدہ پیر گھسیٹتی صحن عبور کر کے گھڑونچی کے قریب جانے لگی گو کہ اس کی حالت ہرگز ایسی نہیں تھی کہ وہ یہ مشقت طلب کام کر پاتی مگر دین محمد کی تاکید تھی سو اسے کرنا ہی تھا۔

اس کی دین محمد سے شادی کو ابھی پورا سال نہیں گزرا تھا لیکن وہ امید سے تھی اور اس کے پہلے حمل کا چھٹا مہینہ چل رہا تھا۔ دین محمد اس کی امیدوں سے بڑھ کر محبت کرنے والا شوہر ثابت ہو رہا تھا۔ اس کے ماں بننے کی خبر سن کر دین محمد نے بے حد خوشی کا اظہار کیا تھا اور اس نے بشریٰ کو بتایا تھا کہ زہرہ کے ساتھ رہتے ہوئے وہ مزید اولاد کی خواہش کو دل سے نکال چکا تھا لیکن اب وہ جنت کے بہن بھائیوں کو اپنی گود میں کھلانا چاہتا ہے۔

بشریٰ اس کی باتیں سن کر مسرور ہوئی تھی لیکن جنت کا نام سن کر اسے تھوڑی سی ناگواری ہوئی۔ پتا نہیں دین محمد کی ہر بات جنت سے شروع ہو کر اسی پر کیوں ختم ہو جاتی تھی۔

جب تک اماں یعنی دین محمد کی ماں زندہ رہی اسے ہر معاملے کی اونچ نیچ سمجھاتی رہی وہ اسے جنت کے عتاب سے بھی بچاتی اس وقت تک بشریٰ کو دین محمد کی ماں کے جنت سے متعلق خدشات، محض خدشات ہی لگتے وہ اماں کی باتوں کے برعکس بے ضرر تھی وہ بشریٰ سے زیادہ بات کرنا پسند نہیں کرتی تھی لیکن کبھی براہ راست اس نے بشریٰ کو تنگ بھی نہیں کیا۔ بشریٰ کو یقین تھا ایک نہ ایک دن وہ اپنی محبت، وفا شعاری اور خدمت گزاری سے دین محمد کو اپنے قابو میں کرلے گی حالانکہ اتنے تیئیں وہ اسے کافی قابو کر چکی تھی اور پھر جنت کا عمل دخل اس حویلی میں ختم کروا دے گی اور پھر اس حویلی پر اس کی اپنی اولاد کا راج ہوتا لیکن اس کے خواب پورے ہونے سے قبل ہی دین محمد کی ماں ابدی نیند سوگئی۔

بشریٰ کو اس کے جانے کا دکھ تھا کہ وہ مہربان عورت تھی لیکن اس کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ اس ناگہانی موت کو اس کے کھاتے میں ڈالا جائے گا اور بڑھیا کی اچانک موت کو اس کی نحوست قرار دیا جائے گا اگر یہ بات کسی اور کے لبوں سے ادا ہوتی تو یقیناً بشریٰ اس کا منہ نوچ لیتی لیکن یہ کہنے والی کوئی اور نہیں جنت تھی جس نے عین میت کے پاس بیٹھ کر صدمے سے چور آواز میں یہ بات باپ اور برادری والوں کے کانوں میں ڈال دی تھی۔

دین محمد نے اس سے اس بارے میں کچھ نہیں کہا لیکن اس کے بعد دین محمد چھوٹی چھوٹی باتوں پر اسے ڈانٹنے لگا ہر دوسرے تیسرے کوئی نہ کوئی ایسی کوتاہی اس سے سرزد ہو جاتی جس پر دین محمد سے اسے جھڑکیاں ملتیں بشریٰ غریب گھرانے سے آئی تھی لیکن اپنے سے اونچے گھرانے کی عیش وآسائش میں آتے ہی اس نے بہت سے خواب بن لیے تھے دین محمد سے ہر بات پر جھڑکیاں پڑنے پر اس کے خوابوں کے شیشے پر دراڑیں پڑ جاتیں اور اسے جنت پر غصہ آنے لگتا کیونکہ دین محمد سے ڈانٹ ہمیشہ اسے جنت کی لگائی بجھائی کی وجہ سے پڑتی تھی اس کا دل چاہتا جنت کا منہ نوچ ڈالے لیکن چونکہ ایسا نہیں کرسکتی تھی اس لیے خود بھی دین محمد کو جنت کے خلاف بھڑکانے کی کوشش کرتی نتیجتاً منہ کی کھاتی کہ دین محمد، جنت کے خلاف کچھ نہ سنتا تھا۔ بشریٰ بری طرح تلملائی۔ حمل ٹھہرتے ہی اس نے بیٹے کے لیے دعائیں مانگنا شروع کر دی تھیں اسے یقین تھا اگر اس کی گود میں بیٹا آجائے تو جنت کی حیثیت گھٹا سکتا ہے۔

وہ اس وقت بھی گھڑا اپنی کمر پر رکھے یہی سوچ رہی تھی کہ اچانک اس کی ہمت جواب دے گئی اور گھڑا زمین پر گر کر ٹکڑوں میں بدل گیا پانی سے بشریٰ کے کپڑے بھیگ گئے لیکن کپڑوں سے زیادہ فکر اسے دو باتوں کی تھی ایک تو وزن اٹھانے سے اس کی کمر میں شدید درد ہونے لگا تھا دوسرے جنت کا من پسند گھڑا ٹوٹنے سے گھر میں فساد ہونا تھا۔ یہ گھڑا عام گھڑوں سے نسبتاً بڑا تھا اور اس پر خوبصورت نقش ونگار بنے ہوئے تھے اور جنت نے فرمائش کر کے کسی دور دراز کے گاؤں سے منگوایا تھا اسی کے کہنے پر دین محمد نے بشریٰ کو تاکید کی تھی کہ گھڑا خود بھر کر رکھا کرے تاکہ ملازمائیں اسے نقصان نہ پہنچادیں۔

گھڑا ٹوٹ چکا تھا جنت اور دین محمد اس پر کیا ردعمل ظاہر کرتے یہ سوچنے کے لیے بشریٰ کے پاس وقت نہیں تھا کیونکہ اس کی کمر میں درد بڑھتا جا رہا تھا اور اپنے کمرے میں آئی اور پلنگ پر لیٹ گئی سیدھے لیٹنے سے کمر کی ہڈی میں ٹیسیں سی اُٹھیں لیکن چند منٹ کے بعد اسے سکون آگیا۔

اسی طرح لیٹے وہ سوگئی جب دوبارہ آنکھ کھلی تو صحن میں رات اُتر آئی تھی اور غیر معمولی خاموشی محسوس ہوتی تھی وہ اُٹھ کر باہر آگئی۔

دین محمد سہارا دے کر جنت کو اس کے کمرے میں لے جا رہا تھا۔ بشریٰ نے دیکھا جنت کی پنڈلی پر پٹی بندھی ہوئی تھی اور وہ لنگڑا کر چل رہی تھی بشریٰ لپک کر دونوں کے پاس آئی۔

''آئے ہائے...... یہ کیا ہو گیا'' اس نے فکر مندی سے پوچھا۔ جنت خاموش رہی دین محمد نے اسے عجیب سی نظروں دیکھا۔

''ہو گئی پوری تیری نیند؟'' اس کا لہجہ بھی عجیب سا تھا اگر بشریٰ کا دھیان جنت کی طرف نہ ہوتا تو وہ ضرور محسوس کر لیتی۔

دین محمد نے ملازمہ سے جنت کو کمرے میں لے جانے کا کہا بشریٰ نے اس کے ساتھ اندر جانا چاہا تو دین محمد نے روک دیا۔

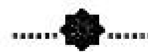
''ہائے ہائے...... مجھے دیکھنے تو دیں جی...... کیا ہوا بچی کو؟'' اس نے فکر مندی سے کہا اس کا اتنا کہنے کی دیر تھی دین محمد نے اُلٹے ہاتھ کا زور دار تھپڑ اسے رسید کیا، بشریٰ لہرا کر دالان میں جا گری، لیکن ابھی وہ پہلے حملے سے ہی نہ سنبھلی تھی کہ دین محمد نے گالیاں بکتے ہوئے اسے گھونسوں اور لاتوں سے مارنا شروع کر دیا۔ اس پر جیسے جنون سوار تھا کہ بشریٰ کی چیخیں بھی اسے سنائی نہیں دے رہی تھیں۔

''کمینی، بدذات، گھٹرے سے زخمی کر کے میری بیٹی کو اپنے جیسا اپاہج بنانا چاہتی تھی، وہ ٹھیک کہتی تھی تو جلتی ہے اس سے، حسد کرتی ہے، نامراد، میں تجھے زندہ ہی نہیں چھوڑوں گا۔''

وہ اسے دیر تک پیٹتا رہا، بشریٰ کی معافیوں، التجاؤں نے بھی اس پر کوئی اثر نہیں کیا تھا، اس کے سامنے جنت کی مجرم تھی، جب وہ اسے مارتے مارتے تھک گیا تو ہانپتا ہوا اسے ادھ موا چھوڑ کر کمرے میں چلا گیا۔ بشریٰ کھلے آسمان تلے تن تنہا پڑی تھی اور کوئی اس کا پرسان حال نہ تھا۔ ملازمین کو اس کے قریب جانے کی اجازت نہ تھی اور مالکان اپنے کمروں میں روپوش ہو چکے تھے۔ تکلیف سے دہرے ہوتے ہوئے مدد کے لیے کسی کو پکارتے ہوئے بشریٰ کو یاد آیا۔

جنت خوبصورت تھی صرف خوب صورت نہیں وہ بے تحاشا خوب صورت تھی۔ گیارہ، بارہ سال کی عمر میں اس نے بہترین قد کاٹھ، رنگ روپ نکال لیا تھا اور اسے اپنی خوبصورتی کا احساس بھی بہت تھا۔ تب ہی چند روز پہلے اس نے بشریٰ پر خود سے حسد کا الزام لگایا تھا۔ تب بشریٰ نے سوچا تھا، انسان خوبصورت بھلے ہی نہ ہو، لیکن فتنہ پرداز بھی نہ ہو۔ وہ اب بھی سوچ رہی تھی۔

لیکن جس وقت کسی کو مدد کے لیے پکارتے وہ تھک گئی اور اذیت کی لہریں اس کے وجود میں دوڑنے لگیں، تب ہوش وخرد سے بیگانہ ہوتے وقت اسے یقین آ چکا تھا کہ اس کے وجود میں پنپ رہی ننھی زندگی ابدی نیند سو چکی ہے۔ اس کے دل سے بے اختیار جنت کے لیے بددعا نکلی تھی۔



''آ ؤ فیضان...... کہاں چلے گئے تھے صبح صبح، وہ بھی بغیر بتائے۔ میں تو پریشان ہو گئی تھی۔''

ثمینہ نے فیضان کو کچن میں داخل ہوتا دیکھ کر ہاتھ روک کر پوچھا۔ وہ چھوٹے سے ڈائننگ ٹیبل پر چاپنگ بورڈ رکھے پیاز کاٹ رہی تھیں۔ ماوی شاید ابھی سو کر اُٹھی تھی۔ وہ شب خوابی کے لباس میں تھی گھٹنوں تک آتی گلابی قمیص، فیروزی لائننگ والا کھلا سا ٹراؤزر۔ وہ ڈائننگ ٹیبل کے قریب کھڑی کارن فلیکس سے بھرے ہوئے پیالے میں دودھ ڈالنے کے لیے ٹیٹرا پیک کھول رہی تھی۔ ناراضی کے اظہار کے طور پر اس نے فیضان کے سلام کا جواب دیا، نہ چونک کر انہیں دیکھا، یہ استفسار بھی نہیں کیا کہ صبح صبح کہاں چلے گئے تھے۔

''ضروری کام تھا کچھ...... اسی لیے جلدی چلا گیا تھا۔'' فیضان نے فریج کی طرف بڑھتے ہوئے کہا اور فریج کے دروازے سے پانی کی

بوتل نکالتے ہوئے پل بھر کو سوچا۔

"ثمینہ آپا! میں نے پرسوں کی سیٹ کنفرم کروالی ہے..... پرسوں دبئی جا رہا ہوں۔" پانی کی بوتل نکال کر اسٹینڈ سے گلاس اٹھاتے ہوئے فیضان نے سنجیدگی سے اطلاع دی۔

ماوی جو خود کو لاتعلق ظاہر کرنے کا تہیہ کر چکی تھی، بُری طرح چونکی۔ ماوی اور ثمینہ میں خاموش نظروں کا تبادلہ ہوا تھا۔

"بزدلوں کی طرح منہ چھپا کر بھاگ جانے سے آپ wise (دانشمند) ثابت نہیں ہو جائیں گے۔" معاً ماوی نے تڑخ کر لیکن سردمہری سے کہا۔

فیضان نے کوئی ردعمل ظاہر نہیں کیا اور خاموشی سے کرسی پر بیٹھ کر پانی پینے لگے۔ پانی پی کر انہوں نے بوتل فریج میں رکھی، گلاس ریک میں لگایا اور خاموشی سے دروازے کی طرف بڑھے۔ ماوی جو ان کی خاموشی پر دل ہی دل میں بری طرح پیچ و تاب کھا رہی تھی، یکدم ان کے اور دروازے کے درمیان آگئی۔

"آپ اس طرح نہیں جا سکتے..... میرے سوال کا جواب دیں۔" اس نے راستہ تقریباً روک لیا تھا۔ فیضان نے اسے خفگی سے گھورا اور گردن گھما کر ثمینہ سے مخاطب ہوئے۔

"ثمینہ آپا! اس سے کہیں، سامنے سے ہٹ جائے..... میں اس سے بات نہیں کرنا چاہتا۔"

"ارے واہ۔" ماوی تنک کر بولی۔ "خفا مجھے ہونا چاہیے.....اور نخرے بھی مجھے ہی دکھائے جا رہے ہیں، سبحان اللہ۔"

"جی نہیں، خفا ہونے کا، نخرے دکھانے کا حق صرف آپ کو ہے۔ میں کیا، میری بساط کیا۔" فیضان نے اس سے زیادہ تنک کر کہا تھا۔

"دس از ناٹ فیئر..... فیضان ماما!" ماوی نے جھنجھلاہٹ و بیزاری سے کہا۔

"کیا فیئر ہے اور کیا نہیں، اس کا فیصلہ تم مجھے کرنے دو کیونکہ یہ میری زندگی ہے۔" فیضان نے دانت چبا کر کہا تھا۔

"اور میں آپ کی بھانجی ہوں..... وہ بھانجی جسے آپ دوست بھی کہتے رہے ہیں، بہن بھی کہتے ہیں..... میں چاہتی ہوں آپ کی زندگی میں خوشیاں آئیں فیضان ماما! دشمن نہیں ہوں آپ کی۔" ماوی نے دوبدو کہا۔

"مت کرو میری، میری زندگی اور میری خوشیوں کی پروا۔" فیضان تیزی سے کہتے، ایک طرف سے ہو کر باہر نکلنے لگے۔ ماوی کے غصے میں اضافہ ہوا۔ ایک پل میں وہ جیسے کسی نتیجے پر پہنچی تھی۔

"میری پھپھی جان کا جوگ لے کر اپنی زندگی کے اور کتنے سال برباد کریں گے؟" معاً اس نے سردمہری سے فیضان کے سر پر دھماکہ کیا تھا۔ فیضان بری طرح ٹھٹک گئے۔ انہوں نے گردن موڑ کر بے یقینی سے ماوی کو دیکھا، وہ کہہ رہی تھی۔

"آپ کو تو یہ بھی معلوم نہیں..... وہ زندہ بھی ہیں یا نہیں۔"

فیضان نے پلٹ کر ثمینہ کو خفگی و غصے سے دیکھا۔ وہ خود، سر ہاتھوں میں گرائے بیٹھی تھیں۔ فیضان لمبے لمبے ڈگ بھرتے باہر نکل گئے، پھر

ان کے کمرے کا دروازہ زوردار آواز کے ساتھ بند ہونے کی آواز سنائی دی۔

"کیا ضرورت تھی تمہیں فیضان کے سامنے یہ کہنے کی...... اس لیے تمہیں یہ بات بتائی تھی میں نے؟" ثمینہ نے غصے سے کہا تھا۔

"اب آپ بھی مجھے ہی ڈانٹ لیں۔ میں ہی پاگل ہوں جو آپ کے بھائی کی زندگی میں خوشیاں لانے کے لیے اپنا وقت برباد کر رہی ہوں۔" ماوی نے غصے سے کرسی کھینچ کر بیٹھتے ہوئے کہا اور زور زور سے کارن فلیکس والے پیالے میں چمچ مارنے لگی۔

ثمینہ نے پرسوچ انداز میں اسے دیکھا اور پوچھنے لگیں۔

"ماوی! سچ سچ بتاؤ۔ کیا تم نے ہی اجیا کے دل میں فیضان کا خیال ڈالا ہے؟"

"کم آن ممی!......" ماوی چڑ گئی۔ "فیضان ماما میں کس چیز کی کمی ہے کہ ایک باشعور، خوبصورت لڑکی ان کے متعلق نہ سوچے......؟ اتنا ہی لڑکیوں سے بیزار ہیں تو ان کو چاہیے، عورتوں کی طرح پردہ کر کے گھر میں بیٹھیں...... باہر نکلنا چھوڑ دیں...... بتاؤ...... ہیرو بنے گھوم رہے ہیں اور چاہتے ہیں، کوئی لڑکی ان کی طرف دیکھے بھی نہیں۔"

اس نے سر جھٹکا اور چمچ بھر کر نوالہ منہ میں ڈالا۔ ثمینہ نے چھری چاپنگ بورڈ پر رکھی اور گہری سانس بھر کر واش بیسن کی طرف بڑھیں، تب ہی ماوی کو کچھ خیال آیا۔

"ممی! آپ کے پاس پھپھی جان کا ایڈریس ہے؟"

"چلو......! اب اپنی پھپھی کو ڈھونڈنے نکل پڑو۔" ثمینہ نے ہاتھ دھوتے ہوئے سلگ کر کہا۔ "تمہاری عمر کے تین چار بچے ہوں گے اس کے...... جب اس کی شادی نہیں ہو سکی، فیضان سے...... تو کیا، اب وہ اس کے انتظار میں بیٹھی ہوگی...... احمق!...... تم دونوں تو مجھے پاگل کر کے چھوڑو گے۔"

ثمینہ دوپٹے کے پلو سے ہاتھ پونچھتی کچن سے باہر نکل گئیں۔ ماوی نے ایک اور بڑا سا چمچ منہ میں ڈالا۔ اس کے چہرے پر سوچ کا عکس دکھائی دیتا تھا۔

☆☆☆

ثمینہ دروازے پر ہلکی سی دستک دے کر اندر داخل ہوئیں۔ فیضان الماری کے قریب کھڑے، گردن موڑ کر دروازے کی طرف دیکھ رہے تھے۔ بیڈ پر فیضان کا دستی بیگ کھلا پڑا تھا، اردگرد ان کا کچھ سامان بکھرا ہوا تھا۔ غالباً یہ دبئی روانگی کی تیاری تھی۔

"کب جانا ہے؟" ثمینہ نے گلا کھنکھار کر صاف کرتے ہوئے جھجک آمیز لہجے میں پوچھا۔

"پرسوں...... صبح۔" سرد مہری سے جواب آیا۔

"پیکنگ ہو گئی؟"

"نہیں...... کر رہا ہوں۔" سابقہ انداز۔

"میں مدد کروں؟"

''جتنی آپ کر چکیں، وہی بہت ہے۔'' ترشی و سرد مہری سے کہتے ہوئے فیضان نے ہاتھ میں پکڑی قمیص گول مول کر کے دستی بیگ کے کھلے منہ میں ٹھونس دی۔

ماتھے پر بل، آنکھوں میں غصہ۔

''آئی ایم سوری فیضان!'' ثمینہ نے شرمندگی سے کہا۔

''بس کریں ثمینہ آپا!'' فیضان نے سلگ کر کہا تھا۔ ''کیسی محبت ہے آپ کی میرا ایک راز نہیں سنبھال سکیں؟ کم عمر تھا میں، ناسمجھ تھا، کم عقلی میں اگر کوئی بات منہ سے نکل بھی گئی تو اس کا مطلب یہ تھوڑا ہی ہے کہ آپ اسے میری ساری زندگی کے لیے طعنہ بنادیں۔ میں بھول چکا ہوں جو بات ......آپ بھی اسے بھول کیوں نہیں جاتیں؟''

''خدارا...... فیضان! اتنے بدگمان نہ ہو۔'' ثمینہ نے تیزی سے کہا۔

''میں نے ماوی کو یہ بات محض اس لیے بتائی...... کیونکہ میرا خیال تھا وہ تمہارے انٹرسٹ کا سن کر چپ ہو جائے گی...... مجھے کیا پتا تھا، وہ پھر بھی عقل نہیں پکڑے گی۔ بعض اوقات تو ماوی حد کر دیتی ہے۔ پتا نہیں کیا سوچ کر اس نے اینیا کے ذہن میں تمہارا خیال ڈالا۔'' ثمینہ نے نظریں چراتے ہوئے کہا۔ غلط بیانی کرتے ہوئے اتنی نظریں تو سب ہی چرا لیتے ہیں۔

''اس کا مطلب ہے میرا شک صحیح تھا۔ یہ ماوی کا ہی کارنامہ ہے۔'' فیضان نے دانت کچکچا کر کہا۔

''میں نے پوچھا تھا ماوی سے، مان تو نہیں رہی، لیکن میرا خیال ہے، ایسا ہی ہے، ویسے فیضان! اس نے جو بھی کیا، تمہاری محبت میں کیا۔'' ثمینہ نے تھوڑی سی غلط بیانی کے ساتھ ساتھ بیٹی کو بری الذمہ کروانے کی کوشش کی۔

''کیسی محبت ہے بھانجی صاحبہ کی...... آپ جانتی ہیں، مجھے کتنی شرمندگی محسوس ہو رہی ہے اینیا سے، محض اس لڑکی کی اوٹ پٹانگ باتوں کی وجہ سے وہ بے چاری اتنی سیریس ہو گئی کہ پتا نہیں میرے بارے میں کیا کچھ سوچ چکی ہو گی۔ عجیب مصیبت میں ڈال دیا ماوی نے مجھے، حالانکہ میری کوئی غلطی بھی نہیں ہے، پھر بھی اینیا کا دل توڑنے کا بوجھ میرے ہی کندھوں پر رکھا جائے گا۔'' فیضان حد سے زیادہ جھنجلائے ہوئے تھے۔

''فیضی! ویسے اینیا اچھی لڑکی ہے...... اگر تم چاہو......'' ثمینہ نے جھجکتے ہوئے کہا۔ فیضان نے فوراً ناگواری سے ٹوک دیا۔

''پلیز ثمینہ آپا! اب آپ ماوی کی ہاں میں ہاں نہ ملائیں...... اینیا کی اچھائی میں مجھے کوئی شک نہیں ہے، لیکن شادی...... ناممکن، میری اور اینیا کی عمر کا فرق دیکھیں...... کیا اتنے ایج ڈفرنس کے ساتھ ہمارا مینٹل لیول میچ ہو سکے گا؟ امپاسبل۔'' فیضان نے دستی بیگ کی زپ بند کرتے ہوئے قطعیت سے کہا۔ گو کہ ثمینہ کو ان کے جملے میں کئی باتیں قابل اعتراض لگی تھیں لیکن یہاں وہ فیضان کی تصحیح کرنے نہیں آئی تھیں، وہ جو کرنے آئی تھیں، انہوں نے وہی کیا۔

''ٹھیک ہے جیسے تمہاری مرضی۔ میں بھی یہی سوچ رہی تھی کہ تمہیں کچھ روز کے لیے چلے جانا چاہیے...... سامنے نہیں ہو گے تو اینیا سنبھل جائے گی۔ لڑکیاں بہت حساس ہوتی ہیں، سنبھلنے میں وقت لگتا ہے انہیں...... پھر دانیال حسن تو یہ جان کر کہ میں اور تم ثروت کے ماضی سے واقف ہیں،

ہتھے سے اکھڑ گئے تھے۔ بیٹی کا رشتہ تمہیں دینے پر کہاں رضامندی ہوں گے، کاش! یہ بات مادی بھی سمجھ لے...... میرا خیال ہے فیضان! تمہارا یہاں سے چلے جانا ہی ٹھیک رہے گا۔"

ثمینہ نے جملہ مکمل کیا اور آہستگی سے اُٹھ کر کمرے سے باہر نکل گئیں۔ دروازہ ایک مدھم آواز کے ساتھ بند ہو گیا۔ فیضان الماری سے اپنا کچھ اور سامان نکالنے لگے، لیکن ماتھے پر تیوریاں ہنوز برقرار تھیں۔

☆☆☆

جلال جوں ہی سعدی کے کمرے میں داخل ہوا، ایک تکیہ پوری قوت سے اڑتا ہوا آ کر اس کے چہرے سے ٹکرایا۔ جلال کے چودہ نہیں اٹھائیس طبق روشن ہو گئے، اگر فوری طور پر اس نے دروازے کا سہارا نہ لے لیا ہوتا تو یقیناً سر کے بل گرتا اور یقین کامل تھا کہ ایسی زبردست چوٹ کھاتا کہ دو دن تک تو ضرور بستر پر پڑا رہتا۔

اپنے بوکھلائے ہوئے حواس اور چکرائے ہوئے سر پر قابو پاتے ہوئے اس طرف دیکھا جہاں سے یہ گولہ باری کی گئی تھی، لیکن بے سود الٹا اسے حد درجہ تعجب نے آ گھیرا۔ سعدی کے چھوٹے سے کیوبیکل میں کم و بیش بارہ سے پندرہ لڑکے گھسے ہوئے تھے، بلکہ گھسے کیا ہوئے تھے، ایک دوسرے کے اوپر ہی چڑھے ہوئے تھے۔ دو پلنگوں کے درمیان جو تھوڑی سی جگہ تھی، وہیں سب کے سب ایک ٹانگ پر اچھل رہے تھے اور منہ سے عجیب و غریب آوازیں نکال رہے تھے۔ کمرے میں اسٹیریو فل والیوم پر چل رہا تھا، لیکن لڑکوں کا شور اتنا تھا کہ نہ گیت کے بول سمجھ میں آ رہے تھے نہ ان کی باتیں۔

کچھ چہرے جلال کے لیے جانے پہچانے تھے، کچھ قطعی انجان۔ اتنی بھیڑ میں یہ طے کرنا بھی مشکل تھا کہ آخر اس پر حملہ کیا کس نے ہے، ہاں اتنا ضرور ہے کہ کچھ لڑکیوں نے ہاتھوں میں تکیے پکڑے ہوئے ضرور تھے۔

جلال نے سوچا اسے واپس چلے جانا چاہیے، خدا معلوم یہ سب کس بات پر اتنی ہنگامہ آرائی کر رہے ہیں اور یہ بھی خبر نہیں کہ سعدی گاؤں سے واپس بھی آ چکا ہے کہ نہیں۔

ابھی وہ واپسی کے لیے پر تول ہی رہا تھا کہ اس کی نظر سعدی پر پڑی وہ پلنگ پر دراز، ہونٹوں کے کناروں کو کانوں تک پھیلائے، تالیاں پیٹ پیٹ کر لڑکوں کو بڑھاوا دے رہا تھا۔ اس کے قریب پلنگ پر مٹھائی کا ٹوکرا کھلا پڑا تھا جس میں سے بیشتر مٹھائی کھائی جا چکی تھی، باقی پر سعدی ہاتھ صاف کر رہا تھا، ساتھ ساتھ سر بھی دُھن رہا تھا۔

"جیڈی! میرے دوست!" سعدی کی نظر اس پر پڑی تو وہیں سے نعرہ مستانہ بلند کر دیا۔

جلال ہجوم سے بچتا بچاتا بمشکل سعدی تک پہنچا۔

"یہ ہو کیا رہا ہے سعدی! کم سے کم والیوم ہی کم کر دو...... دماغ پھٹ رہا ہے اس شور سے۔"

"شاباشے......" سعدی نے آخری حرف کو خوب لمبا کر کے کہا۔

"اسی شور سے میرے یاروں کا خون ابل رہا ہے اور وہ جذباتی ہو کر میرے نکاح کی خوشی میں ناچ رہے ہیں اور تم اسے شور کہہ رہے

ہو۔" سعدی کچھ زیادہ ہی جذباتی ہو گیا تھا اور جلال ہکا بکا۔

"کک...... کیا کہا تم نے؟" اس نے حیران پریشان کیفیت میں پوچھا۔

سعدی نے دوبارہ اپنا جذباتی جملہ دوہرا دیا، لیکن اس بار شور پہلے سے بھی بڑھ گیا تھا۔ لڑکے پہلے سے زیادہ دیوانے ہو کر بقول سعدی، بھنگڑا ڈالنے لگے تھے۔ اس سے پہلے کہ سعدی بھی ان کا شریک بنتا، جلال یکدم ہوش میں آیا اور اسے کھینچتا ہوا کمرے سے باہر نکل آیا۔

"اب بتاؤ! کیا کہہ رہے تھے تم؟" جلال نے کسی قدر غصے سے کہا۔

"یار! تم تو اس طرح ناراض ہو رہے ہو، جیسے میرے نکاح کی خبر سے بڑا شاک پہنچا ہوا۔" سعدی ناراضی سے کہنے لگا۔

"تو ظاہری بات ہے، شاک نہیں لگے گا تو کیا ہوگا...... آنا فانا نکاح کیسے ہو گیا تمہارا؟" جلال نے جھنجلا کر پوچھا۔

"بس یار! تجھے تو پتا ہے میرے اباجی کی پھرتیوں کا۔" سعدی نے بلاوجہ خوشی اور شرم ظاہر کرتے ہوئے کہا۔ "پہلے تو مجھے فون کر کے کسی ضروری کام کا جھانسہ دے کر گاؤں بلوا لیا، پھر پکڑ کر نکاح کروا دیا میری منگیتر سے، اب کیا کہوں یار! سرپرائز تو دیا اباجی نے، مگر تھا اچھا سرپرائز۔"

"گدھے! اباجی کے سامنے اتنی ہی تابعداری دکھانا تھی تو مجھے ثمینہ آنٹی کے ساتھ بات کرنے کا کیوں کہا تھا؟"

"بات! کون سی بات؟" سعدی نے پوچھا۔

"ماوی سے شادی کی بات۔" جلال نے دانت کچکچائے۔ اسے ثمینہ آنٹی کے سامنے شرمندگی کا خیال پریشان کر رہا تھا۔

"او یار! اپنے نکاح کی خوشی میں اسے تو میں بھول ہی گیا تھا۔" سعدی نے بے ساختہ کہا۔ "تم نے ذکر تو نہیں کر دیا ان سے؟"

"اتنا دماغ کھا رہے تھے تم میرا۔ تمہارا کیا خیال ہے اب تک میں نے ذکر نہیں کیا ہوگا؟"

"شاباشے...... تو اب مجھ پر اتنا غصہ کس لیے کر رہے ہو؟ میں نے تو یونہی مذاق میں ایک بات کہہ دی تھی، تم سنجیدہ ہی ہو گئے۔" سعدی نے لاپروائی سے کہا تھا۔

"وہ مذاق تھا؟" جلال کو بے پناہ غصہ آیا۔ "ایک لڑکی کی زندگی کو مذاق بناتے تمہیں ذرا شرم نہیں آئی۔"

"تم کتنے سالوں سے مجھے جانتے ہو، اب تک مجھے اتنا بھی نہیں سمجھ سکے کہ میں کب مذاق کر رہا ہوتا ہوں، کب نہیں۔"

"سعدی! کچھ خدا کا خوف کرو۔ تم نے وہ ساری باتیں مذاق میں نہیں، سو فیصد سنجیدگی سے کہی تھیں۔" جلال نے دہائی دی۔

"ہاں تو یار! جذباتیت میں کچھ بھی منہ سے نکل گیا ہوگا۔ اباجی سے جھگڑا ہوا تھا میرا۔ میں نے غصے میں کہہ دیا، آپ کچھ بھی کر لیں، اب آپ کے بھائی کی بیٹی سے تو ہرگز شادی نہیں کروں گا، پھر میں نے تم سے کہہ دیا کہ ماوی کے لیے بات کرو۔ اب مجھے کیا خبر تھی، تم اتنی جلد بازی دکھاؤ گے۔" سعدی کسی طرح اپنی غلطی ماننے کے لیے تیار نہیں تھا اور جلال کا بس نہ چلتا تھا اس کا سر ہی پھاڑ دے۔

"اب میں ثمینہ آنٹی کو کیا جواب دوں گا؟"

"مجھے کیا خبر...... اب تم جانو اور تمہارا کام۔ ہاں، میں ذرا رقص میں شریک ہو جاؤں۔" سعدی نے مزے سے اندر کی راہ لی۔ جلال دل

ہی دل میں پیچ و تاب کھا کر رہ گیا، کرتا بھی تو کیا؟ ایک مرتبہ پھر دوست نے اسے مشکل میں ڈال دیا تھا۔ شبیہ کو پتا چلتا تو وہ اس کی درگت بناتا، لیکن یہ سوچ کر پھر بھی تسلی محسوس ہو رہی تھی کہ ثمینہ آنٹی نے سعدی کے معاملے میں زیادہ دلچسپی ہی نہیں لی تھی۔

جلال وہیں کھڑا سوچ رہا تھا کہ اسے اب کیا کرنا چاہیے۔ حیرت انگیز طور پر اسے اتنی فکر لاحق نہیں ہو رہی تھی، جتنا کہ حق بنتا تھا، اور ایسا کیوں تھا؟ جلال نے ایک پل کے لیے اس بات پر غور کیا تو اس پر انکشاف ہوا کہ اس کے دل میں عجیب سی سرخوشی کا احساس ابھر رہا تھا۔

یہ احساس ایسا عجیب تھا کہ جلال پہلے چونک گیا، پھر حیران ہوا اور آخر کار شاد ہو گیا۔

☆☆☆

ولی نے ابھی ویڈیو گیم آن کی ہی تھی کہ ولید آن دھمکا۔ اب دونوں میں جھگڑا جاری تھا۔ اینیا سمجھا سمجھا کر تھک گئی، مگر مجال ہے جو دونوں میں سے کوئی بات سن لے۔

"تم دونوں الگ الگ کیوں نہیں کھیلتے؟" اینیا نے عاجز ہو کر کہا۔

"کھیل کون رہا ہے؟" ولید نے اطمینان سے ریموٹ کنٹرول گھماتے ہوئے کہا۔

"میں تو ولی کی مدد کر رہا ہوں، آخر اس کا بڑا بھائی ہوں، میں مدد نہیں کروں گا تو کون کرے گا؟"

"مجھے گیم کھیلنا آتی ہے، بڑے بھائی کی مدد نہیں چاہیے۔" ولی نے ولید سے ریموٹ کنٹرول چھیننے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"نہیں، نہیں میرے بھائی! مجھے میری ذمہ داری پوری کرنے دو، ورنہ یہ بوجھ ساری زندگی میری روح پر رہے گا۔" ولید نے ڈرامائی انداز میں کہا اور بے ساختہ قہقہہ لگایا۔

"اُنو......" ولی نے روہانسا ہو کر اینیا کو دیکھا۔

"ہر فساد کرنے میرے کمرے میں ضرور آنا ہوتا ہے...... اپنے کمرے میں کیوں نہیں جھگڑتے تم دونوں؟" اس نے سر دونوں ہاتھوں میں گراتے ہوئے کہا، تب ہی شازی آ گئی۔

"انو باجی! آپ کو بڑے صاحب بلا رہے ہیں۔"

"ڈیڈی آ گئے۔" اینیا نے چونک کر کہا۔ دانیال حسن آفس کی طرف سے دو روز کے لیے فیصل آباد گئے ہوئے تھے۔

"شازیہ! تم جاؤ، میں آتی ہوں۔" پھر ان دونوں سے بولی۔

"میں ڈیڈی کی بات سن کر ابھی واپس آ رہی ہوں اور واپسی پر تم دونوں مجھے یہاں نظر نہ آؤ۔" اس نے انگلی اُٹھا کر کہا اور کمرے سے باہر آ گئی۔ سیڑھیاں اُترتے ہوئے اس نے دیکھا، لاؤنج میں دانیال حسن کے ساتھ فیضان بھی موجود تھے۔

اینیا کے قدم سست ہوئے۔ بایاں ہاتھ بے ساختہ ماتھے کے زخم تک چلا گیا، ماتھے پر بینڈ ایج کا ابھار تھا۔

اس کے دل پر بوجھ سا بڑھ گیا۔ دل چاہا، یہاں سے ہی پلٹ جائے، لیکن ڈیڈی کو کیا جواب دیتی۔ ناچار بوجھل قدموں سے چلتی لاؤنج میں آ گئی۔

''السلام علیکم۔'' فیضان نے بے ساختہ چونک کر اسے دیکھا۔ مرجھایا ہوا چہرہ، زرد رنگت اور ماتھے کی بینڈیج، فیضان نے سر جھکا کر آنکھیں فائل سے چپکا دیں۔

''وعلیکم السلام...... کیسا ہے میرا بچہ؟'' دانیال حسن نے پیار سے پوچھا، پھر اس کی طرف دیکھ کر بری طرح ٹھٹکے۔

''یہ...... یہ ماتھے پر کیا ہوا ہے؟'' وہ اپنی جگہ سے اُٹھے اور بے قراری سے اس کی طرف بڑھے۔

اینیا کی نظریں یک بارگی فیضان کی طرف اُٹھیں۔

''کالج میں سیڑھیوں سے گر گئی تھی۔ تھوڑی سی چوٹ لگ گئی۔'' اس نے آہستگی سے کہا۔

''تھوڑی سی چوٹ؟'' دانیال نے اس کا زخم دیکھتے ہوئے فکرمندی سے کہا۔ ''یہ تو بہت گہرا زخم لگ رہا ہے اینیا!''

''جی ڈیڈی! زخم تو گہرا ہی ہے۔'' اینیا نے بوجھل لہجے میں کہا۔

فیضان کے دل میں شرمندگی قدآور ہوئی کہ وہ جانتے تھے یہ جملہ بطور خاص انہیں ہی سنایا گیا ہے۔

''لیکن آپ فکرمند نہ ہوں، بینڈیج کروائی تھی میں نے۔ آپ کے لیے کھانا لگوا دوں؟''

اس نے بات پلٹتے ہوئے پوچھا۔ دانیال حسن اس کے لیے فکرمند ضرور تھے۔ انہوں نے پرسوچ انداز میں سر ہلا دیا۔

''نہیں، فی الحال کھانا رہنے دو...... اچھی سی کافی پلوا دو، اسی لیے بلوایا تھا۔ وہ شازیہ تو کافی کے نام پر کوئی عجیب سی چیز بنا دیتی ہے۔ تم اچھی سی بنا دو، فیضان بھی آیا ہوا ہے۔''

''میں بھجوا دیتی ہوں کافی۔'' وہ کچن میں آ گئی۔ فریج سے دودھ اور کیبنٹ سے کافی کا جار نکالا، کافی میکر کا سوئچ آن کیا مگ ٹرے میں رکھے پھر کافی پھینٹنے لگی۔ ایک ایک کام کرتے اس کا ذہن بار بار فیضان کو سوچتا رہا۔

''میں کیوں ماوی کی باتوں میں آ کر بو بولے پن کا مظاہرہ کر گئی۔ خاموش رہتی تو اچھا تھا...... خواہ مخواہ بھرم بھی گنوایا، شرمندگی ہوئی، سو الگ اور زخم ملا، وہ ہر بات سے الگ۔ اس پتھر دل سے تو اتنا نہ ہو سکا کہ خیریت ہی معلوم کر لے۔ بس ختم یہ قصہ۔ حماقت تو کسی سے بھی ہو سکتی ہے۔ میں بھول جاؤں گی فیضان مہدی کو بھی اور اپنی اس حماقت کو بھی۔''

اس نے خود سے عہد کیا اور کافی تیار کر کے خود ہی پیش کرنے پہنچ گئی۔ فیضان کے سامنے مگ رکھتے ہوئے پل بھر کے لیے نظروں کا تصادم ہوا۔ ایسے، جیسے راہ چلتے کسی سے نظر ٹکرا جائے، ایک ناواقف، لاتعلق سی نظر جس میں اپنائیت کا شائبہ تک نہ ہو۔ ہاں، نگاہوں کا یہ تصادم ایسا ہی تھا۔

اینیا نے کافی پیش کی اور تیز قدموں سے چلتی، وہاں سے ہٹ گئی۔ فیضان نے اسے جاتے دیکھا۔

''مجھے اینیا سے ایکسکیوز کر لینا چاہیے۔'' انہوں نے سوچا مگر وہ جا چکی تھی۔ کمرے میں اس کے بھائی تھوڑے سے جھگڑے کے بعد اب شیر و شکر ہوئے بیٹھے تھے، وہ بالکونی میں آ گئی۔ پتا نہیں کیوں لیکن اس کا دل اس وقت تنہائی چاہتا تھا۔

''ہلکی سی ہوا، موگرے کی مدھم سی مہک اپنی جھولی میں لیے پھرتی تھی۔ آسمان کے کناروں پر دن کا اجالا شام کے رنگوں میں مدغم ہو کر رات

کا منظر بناتا تھا۔ یوکلپٹس کے پتے ہلکی ہوا سے لرزتے تھے۔ پرندے گھروں کو لوٹ رہے تھے۔“

وہ دیر تک وہاں کھڑی اس منظر کو دیکھتی رہی۔ معاً اسے اپنے گالوں پر نمی کا احساس ہوا تو وہ چونک سی گئی۔ اس نے اپنی پوروں سے پلکوں کو چھوا تو انکشاف ہوا کہ وہ رو رہی تھی۔ اینیا کو اپنی بے بسی پر تاؤ سا آ گیا اور وہ مزید شدت سے رونے لگی۔

☆☆☆

یہ ایک مختلف سا دن تھا۔ موتیا کے پودے پر کھلی ہوئی کلی جیسا تر و تازہ اور دلکش۔

تنوی کالج پہنچی تو وہاں تھرتھلی سی مچی ہوئی تھی۔ جدھر دیکھو لڑکیاں دو چار کے گروپ میں کھڑی باتیں کر رہی ہیں۔ تنوی کو دیکھ کر عبیرا اپنے گروپ کی لڑکیوں کو ہاتھ ہلاتی اس کے پاس دوڑی چلی آئی۔

”ویس جی! لکھ لکھ مبارکاں، صبح صبح ایک خوش خبری سن لو۔“ اس نے اپنے انداز میں کہا۔

”کیسی خوش خبری؟“

”عروش کو کالج سے نکال دیا گیا ہے۔“ عبیر نے اطمینان سے اس کے سر پر دھماکا کیا تھا۔ تنوی کی آنکھیں خوشی اور بے یقینی سے پھیل گئیں۔

”تم سچ کہہ رہی ہو؟“

”جھوٹ کیوں بولوں گی بھئی۔“ عبیر نے چڑ کر کہا۔ ”کالج میں سب کو پتا چل چکا ہے، صرف تم ہی انجان ہو۔“

”تمہیں بتایا کس نے عبیر؟“ تنوی نے پوچھا۔

”مجھے تو انکل نے بتا دیا تھا لیکن کالج پہنچی تو پتا چلا، یہاں سب مجھ سے بھی زیادہ باخبر ہیں۔“

”لیکن عبیرا یہ سب ہوا کیسے؟“ اسے یقین ہی نہیں آ رہا تھا۔

”پولیس کو اس کے خلاف شواہد مل گئے تھے، بس ان ہی شواہد کی بنا پر اسے گرفتار کر لیا گیا۔ انکل کہہ رہے تھے، اب اگر پولیس نے اسے چھوڑ بھی دیا تو کالج میں اسے آنے نہیں دیا جائے گا۔“

”چلو خس کم جہاں پاک...... میں تو کئی دن سے یہی سوچ سوچ کر پریشان ہوتی رہی ہوں کہ اگر مس سلطانہ نے دوبارہ بلوا لیا تو کیا ہوگا۔“

تنوی نے سکون کا سانس لیتے ہوئے کہا۔ عبیر نے اس بات پر منہ کے زاویے بگاڑے، البتہ بولی کچھ نہیں۔

وہ دونوں چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی کلاس روم کی طرف چل دیں۔

”نمرہ کا کیا ری ایکشن ہے؟“ تنوی نے کچھ خیال آنے پر پوچھا۔

”پتا نہیں، میں تو ابھی تک اس سے ملی نہیں ہوں۔ مجھ سے تو خیر اب وہ ملتی بھی نہیں ہے، جہاں دیکھتی ہے، منہ پھیر لیتی ہے۔ زینت بتا رہی تھی، کالج تو آئی ہوئی ہے لیکن اداس لگ رہی ہے۔ سب لڑکیاں نمرہ کا مذاق اڑا رہی ہیں...... کسی کا کیا قصور؟ نمرہ نے خود ہی عروش کے پیچھے خود کو لطیفہ بنا رکھا ہے۔ احمق نہ ہو تو۔“ عبیر نے تلخی سے کہا پھر موضوع بدل کر پوچھنے لگی۔

''تم شبیہ کے ساتھ آئی ہو؟''

''نہیں، بڑے بھیا آئے تھے چھوڑنے، شبیہ بھائی تو کل ہی واپس لاہور چلے گئے تھے۔'' اس نے سادگی سے جواب دیا۔

تب ہی کاریڈور کے کونے پر ان کی مڈبھیڑ نمرہ سے ہوگئی۔

وہ غمگین لگ رہی تھی۔

''ہوگئی تم دونوں کی تسلی؟ عروش کو کالج سے نکلوا کر سکون آ گیا؟'' اس نے سلگتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

''عروش کے کالج سے نکالے جانے کی خبر سن کر کافی سکون آیا ہے اور دل کو تسلی بھی بہت ہوئی۔'' عبیر نے حسب عادت اینٹ کا جواب پتھر سے دیا۔ دل سے چاہے نمرہ کے لیے جتنی بھی فکر مند ہو لیکن خود پر حملہ کبھی برداشت نہیں کرتی تھی۔

''گواہی بھی تو تم دونوں نے ہی دی تھی۔'' نمرہ نے سرخ ہوتے چہرے کے ساتھ جواب دیا۔

''یہ لو...... ہمیں اور کوئی کام نہیں ہے جو گواہیاں دیتے پھریں۔ عروش کے خلاف اس کی اپنی حرکتیں ہی کافی تھیں...... لیکن ایک بات طے ہے کہ مجھے گواہی کے لیے بلوایا جاتا تو میں ضرور ٹیچر کو بتاتی۔ شکر کرو انہوں نے مجھے نہیں، تنوی کو بلوایا تھا۔'' اس نے کف افسوس ملتے ہوئے کہا۔

نمرہ نے بری طرح دونوں کو گھورا۔

''نمرہ! ہماری بات تو سنو۔'' تنوی نے دوستانہ انداز میں کہا۔

''کیوں سنوں میں تمہاری بات، کون سی بھلائی کی ہے تم نے میرے ساتھ؟'' نمرہ تڑخ کر بولی۔

''تمہارے ساتھ ہی تو بھلائی کی ہے احمق لڑکی!'' عبیر بری طرح سلگی۔

''بالفرض ہم عروش کے خلاف کچھ کہتے بھی تو اس کے ساتھ برائی کرتے، تم اس سارے چکر میں کہاں سے آ گئیں؟''

''عروش میری دوست ہے اور دوست کا دشمن، اپنا دشمن ہوتا ہے۔ تم دیکھنا! اب میں کیا کرتی ہوں۔'' نمرہ نے خونخوار لہجے میں دھمکایا اور واپس پلٹ گئی۔

''واہ کیا ڈائیلاگ ہے؟ خوف سے تو میری ٹانگیں بھی کانپ رہی ہیں۔'' عبیر نے استہزائیہ ہنسی کے ساتھ پھبتی کسی لیکن نمرہ نے پلٹ کر نہ دیکھا۔

''اب یہ کیا کرے گی؟'' تنوی نے بیزاری سے کہا۔

''پرانی فلموں کی دکھیاری ماں کی طرح کپڑے سلائی کر کر کے عروش کی ضمانت کے لیے روپے جمع کرے گی۔'' عبیر نے غیر سنجیدگی سے کہا۔ تنوی نے اسے بری طرح گھورا۔

''کبھی سنجیدہ بھی ہو جایا کرو۔''

''لو ہوگئی...... چلو کلاس روم میں چلتے ہیں۔ نمرہ اس کے حال پر چھوڑ دو، جب انسان خود اپنے ساتھ ہی مخلص نہ ہو تو کسی دوسرے سے کیا توقع کی جا سکتی ہے۔''

پھر انہوں نے واقعی نمرہ کو اس کے حال پر چھوڑ دیا۔ کچھ دن تک عروش کا قصہ زبان زد خاص و عام رہا، پھر اس معاملے پر گرد پڑ گئی۔ نمرہ کی مسلسل غیر حاضری پر اسے کالج سے stuck off (خارج) کر دیا گیا اور یوں اس کالج کی تاریخ سے زیادہ ان سہیلیوں کی زندگی میں راوی چین ہی چین لکھنے لگا۔

☆☆☆

''فیضان ماما دبئی جا رہے ہیں۔''

ماوی نے جس وقت کمرے میں داخل ہوتے ہوئے یہ بریکنگ نیوز سنائی، اینیا اسٹڈی ٹیبل پر ایک کتاب کھولے پڑھنے کی کوشش میں مصروف تھی، بے ساختہ چونکی اور گردن موڑ کر ماوی کو دیکھا۔

''کیا؟ کیا کہا تم نے؟''

''فیضان ماما دبئی جا رہے ہیں۔'' ماوی نے گہری سانس بھرتے ہوئے دوہرایا۔

''اچھا......'' اینیا نے لاتعلق نظر آنے کی کوشش کرتے ہوئے نظریں واپس کتاب کے صفحے پر چپکا دیں۔

''صرف اچھا...... کچھ اور نہیں کہو گی؟'' ماوی نے پوچھا۔

''کیا کہوں؟'' اینیا نے سادگی بھرے لہجے میں کہا۔

ماوی چند لمحے اسے دیکھتی رہی پھر اس نے بے بسی سے اینیا کے کندھوں پر ہاتھ رکھ دیے۔

''انہیں روک لو نا! تم انہیں روک سکتی ہو۔'' اس کا لہجہ التجائیہ تھا۔ اینیا نے بدک کر اس کے ہاتھ اپنے کندھوں سے ہٹا دیے اور اپنی جگہ سے کھڑے ہوتے ہوئے تلخی سے بولی۔

''پاگل ہو گئی ہو؟ میں انہیں کیسے روک سکتی ہوں؟''

''اپنی محبت سے۔'' ماوی نے اطمینان سے کہا۔ اینیا کے لبوں پر استہزائیہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

''کون سی محبت؟ وہی محبت، جس کا اظہار اپنی زبان پر لاتے ہی مجھے تمہارے ماموں کی طرف سے اتنا بہترین تحفہ ملا کہ دو دن بعد بھی زخم سے ٹیسیں اُٹھ رہی ہیں۔'' اس کا لہجہ حد درجہ طنزیہ تھا لیکن کہیں دکھ بھی موجود تھا، جو چپکے چپکے اس کے لہجے سے جھانکتا تھا۔

''نہیں، وہ محبت، جس کا ذکر آتے ہی تمہارا چہرہ روشن ہو جاتا ہے، آنکھوں میں چمک آ جاتی ہے۔ تب یہ اینیا زیادہ اچھی لگتی ہے بہ نسبت......''

''اس اینیا کے جو ایک بار ٹھوکر کھا کر محبت کو اپنی زندگی سے ختم کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔''

اینیا نے ہاتھ میں پکڑی کتاب میز پر اچھال دی۔

''ایک بار کی ٹھوکر ہی کافی ہے۔ میں بار بار اس محبت کے پیچھے اپنی توہین نہیں کروا سکتی۔'' اس نے نظریں چراتے ہوئے قطعیت سے کہا تھا۔

''سوچ لو......وہ چلے گئے تو پچھتاؤ گی۔'' ماوی نے اسے ڈرانا چاہا۔

''میں تو پہلے ہی پچھتا رہی ہوں۔'' اینیا نے زہر خندی سے کہا۔''معمولی سی پسندیدگی تھی، جیسے ہم کسی ایکٹر کو پسند کر لیتے ہیں۔ میں خوامخواہ اس پسندیدگی میں محبت تلاش کرنے لگی۔ مجھے تو ٹام کروز بھی پسند ہے۔ Hugh Jackman کی بھی فین ہوں۔ کیا ان سب سے شادی کرنے کے متعلق سوچنے لگوں؟ پتا نہیں وہ حماقت بھرے جملے میرے منہ سے کیسے نکل گئے۔'' اس نے بے حد تاسف سے بولی۔

ماوی نے کچھ کہنا چاہا مگر رک گئی، پھر قدرے توقف سے بولی۔

''میں چلتی ہوں۔''

''پلیز ماوی! خفا ہو کر مت جاؤ۔'' اینیا نے تیزی سے کہا۔

''میں تمہارے جذبات کی قدر کرتی ہوں لیکن، لیکن اپنی مزید توہین نہیں کروا سکتی۔''

''میں خفا ہو کر نہیں جا رہی۔ اپنے پوائنٹ آف ویو میں تم بھی غلط نہیں ہو مگر مجھے افسوس ضرور ہو رہا ہے۔ میں نے بڑے خلوص سے تمہارے اور فیضان ماما کے لیے کوشش کی تھی اور میں ابھی بھی جانتی ہوں تم دونوں ایک بہترین زندگی گزار سکتے ہو۔''

''تم اتنے وثوق سے کیسے کہہ سکتی ہو؟''

''محبت کی بنیاد پر قائم ہونے والے رشتے بہت مضبوط ہوتے ہیں۔''

''محبت......نہیں، اسے محبت مت کہو......وقتی کشش تھی، جسے میں محبت سمجھی۔'' اس نے نظریں چراتے ہوئے کہا۔

''تمہیں شاید پتا نہیں اینیا! نظریں چرا کر سچ بھی بولا جائے تو جھوٹ لگتا ہے۔'' ماوی نے کہا۔

''مطلب؟''

''گزرتا وقت، تمہیں اس کا مطلب خود سمجھا دے گا۔'' پھر اس نے آگے بڑھ کر پیار سے اینیا کے گال تھپتھپائے۔''تم بہت اچھی ہو اینیا، کاش! فیضان ماما کے دل سے اس عورت کا عکس اُتر گیا ہوتا۔''

''کون......کس کی بات کر رہی ہو؟'' اینیا نے بری طرح چونک کر پوچھا۔

''تھیں کوئی...... مجھے بھی کل ہی پتا چلا، فیضان ماما پسند کرتے تھے انہیں مگر......''

''مگر؟'' اینیا کا رواں رواں سماعت میں ڈھل گیا۔

''مگر عمر میں بڑی تھیں وہ، اس لیے شادی نہیں ہو سکی، فیضان ماما کی ان سے۔''

''اوہ......'' اینیا کے دل کو ٹھیس سی لگی مگر کشور بن کر مسکراتی رہی۔

''مجھے یقین ہے، فیضان ماما کے دل پر کسی اور کا سایہ نہ ہوتا تو تم محبت کرنے کے لیے بہترین تھیں۔'' ماوی نے کہا۔

''چھوڑو بھی ان فضول کی باتوں کو......میں شازیہ سے کہتی ہوں چائے لے کر آئے۔''

''نہیں، دل نہیں چاہ رہا۔ پھر کبھی، آج میرا دل بہت بوجھل ہو رہا ہے۔'' مادی نے بیزاری سے کہا اور سچ بھی تھا، اس کا مخصوص شوخ چلبلا پن آج مفقود تھا۔ اینیا کے اپنے دل کی حالت بھی کچھ ایسی ہی تھی، تب ہی زیادہ اصرار بھی نہ کر سکی۔ مادی واپس چلی گئی۔

☆☆☆

شبیہ دیکھ رہا تھا، جلال پچھلے بیس منٹ سے مسلسل گنگنا رہا ہے۔ کبھی سڑک کی طرف کھلنے والی کھڑکی کے پاس جا کر کھڑا ہو جاتا تو کبھی شیشے کے آگے کھڑا ہو کر بال بنانے لگتا۔ بلاوجہ مسکرا رہا تھا۔

''کیا بات ہے۔ بہت خوش لگ رہے ہو؟'' بالآخر شبیہ نے پوچھ ہی لیا۔ جلال نے بے ساختہ شیشے میں اپنے عکس کے عقب میں بیڈ کی طرف دیکھا، جہاں شبیہ ایک ہاتھ سر کے نیچے رکھے نیم دراز تھا اور اس کی نظریں ٹی وی اسکرین پر لگی تھیں۔

''نہیں، کوئی خاص بات نہیں، بس یونہی۔'' جلال نے برش کرتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

''چلو چلو...... جیسے میں تو تمہیں جانتا ہی نہیں ہوں۔'' شبیہ نے طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھا۔ ''ضرور بہت دن سے کسی دوست نے تمہیں دھوکا نہیں دیا ہوگا۔ پیسے یا نوٹس یا کوئی اسائنمنٹ ہتھیانے کے لیے، تب ہی اتنا خوش ہو رہے ہو۔'' شبیہ نے اندازہ لگایا۔ جلال کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

''اب کوئی مجھے بے وقوف نہیں بنا سکتا۔''

''کیوں؟ اب تم نے لوگوں کی باتوں پر اعتبار کرنا چھوڑ دیا ہے یا تمہارے ہاتھ سلیمانی ٹوپی آ گئی ہے، جسے پہن کر تم لوگوں کی نظروں سے غائب رہتے ہو؟ کوئی تمہیں دیکھے اور بدھو نہ بنائے...... یہ تو ناممکن ہی ہے۔'' شبیہ نے حسب عادت صاف گوئی سے کہا۔ جلال نے گھورا۔

''میں اب محتاط ہو گیا ہوں، کسی کی بات پر بنا تصدیق یقین نہیں کرتا۔''

''اچھا...... کتنی مدت کے لیے؟''

''مطلب؟'' جلال نے گھور کر پوچھا۔

''مطلب یہ کہ کتنے عرصے کے لیے یہ لائحہ عمل تیار کیا ہے؟ مجھے یقین ہے چند مہینے تو کیا، چند دن بعد ہی تم مجھے لڑکیوں کی طرح بسورتے ہوئے ملو گے کہ فلاں نے بے وقوف بنا دیا، فلاں نے اس طرح نوٹس نکلوا لیے۔''

شبیہ نے دل جلانے والی مسکراہٹ کے ساتھ کہا لیکن جلال برا ماننے کے بجائے ہنس دیا۔

''نہیں اب ایسا کبھی نہیں ہوگا۔'' اس نے پرعزم لہجے میں کہا تھا۔

''حویلی میں سب کیسے ہیں؟'' جلال نے موضوع گفتگو جان بوجھ کر بدل دیا۔

''ٹھیک ہیں...... چچی تمہیں بہت یاد کر رہی تھیں۔ کہہ رہی تھیں، بہت دن ہوئے جلال نے حویلی کا چکر نہیں لگایا۔'' شبیہ نے کہا۔

''ہاں...... میں اس ویک اینڈ پر حویلی جانے کا سوچ رہا ہوں۔'' جلال ایک بار پھر کھڑکی کے پاس جا رکا اور باہر جھانکنے لگا۔ موسم صبح سے

ابر آلود تھا۔ آسمان پر سیاہ، بھورے، سفید بادل دوڑے چلے آتے تھے۔ ٹھنڈی ہوا تیز تیز چلتی، اب بارش بھی شروع ہو گئی تھی۔

ایسا موسم، آج سے قبل جلال کو کبھی اتنا اچھا نہیں لگا تھا۔ ہوا کے زور سے اپنے چہرے سے ٹکراتی بوندوں کو محسوس کرتے ہوئے جلال نے اک سرخوشی کے عالم میں سوچا تھا۔

''تنوی کیسی ہیں؟'' جلال نے پوچھا۔

''کون؟'' شبیہ سن نہیں سکا تھا۔

''تمہاری ہونے والی نصف بہتر کا پوچھ رہا ہوں؟'' جلال نے اس کی طرف پلٹتے ہوئے خوش دلی سے پوچھا۔

''یار وہ تو عجیب احمق لڑکی ہے۔'' شبیہ نے گہری سانس بھر کر کہا۔ جلال ہنس دیا۔

''اب کیا کر دیا بے چاری نے؟''

''میں نے ناخن کاٹنے کے لیے کہہ دیا تو رونے لگی کہ مجھے لمبے ناخن پسند ہیں...... بتاؤ، اس سے زیادہ احمقانہ بات کوئی ہو سکتی ہے جس پر رویا جائے۔'' شبیہ نے جھنجلاتے ہوئے کہا۔ جلال ہنس ہنس کر دوہرا ہو گیا۔

''خوب گزرے گی جب مل بیٹھیں گے دیوانے دو۔''

''مجھے تو خود پر ابھی سے رحم آ رہا ہے۔ عجیب پاگل لڑکی ہے۔ عقل نام کو بھی نہیں، نان سینس۔''

''اتنی بھی پاگل نہیں ہے، اچھی خاصی عقل ہے اس میں...... بس تم سے ڈرتی ہے، قصور اس کا نہیں تمہارا ہے، کبھی پیار سے بات کی ہو تو اسے پتا چلے کہ تمہارے پاس بھی دل ہے۔''

''مجھے کیا ضرورت ہے اسے بتانے کی۔'' شبیہ نے چڑ کر کہا۔ ''اور پیار سے کیسے بات کی جاتی ہے؟ میں پیار سے بات نہیں کرتا؟ مجھے تو ایسے ہی بات کرنا آتی ہے۔''

''ایسے...... پتھر مارنے والے انداز میں؟'' جلال نے چڑانے والے انداز میں کہا اور شبیہ بھی چڑ گیا۔

''ہاں...... ایسے ہی۔''

''تم نہیں سدھر سکتے۔'' جلال نے ہار مانتے ہوئے کہا۔

''موسم بڑا خوشگوار ہے۔ واک کے لیے چلتے ہیں۔''

''ہرگز نہیں...... مجھے کوئی شوق نہیں، اس گندے موسم میں باہر نکلنے کا۔''

''یار شبیہ! بے چاری تنوی کی تو سچ مچ قسمت پھوٹ گئی۔ تیرے اندر تو کوئی لطیف حس ہے ہی نہیں۔'' جلال نے بیزاری سے کہا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

☆☆☆

ماوی نے دروازہ کھول کر باہر جھانکا۔

موسم خوش گوار تھا۔ کچھ دیر پہلے خوب بارش برسی تھی۔ اب کن من باقی تھی۔ دھوپ ندارد۔ آسمان پر بادلوں کے غول اترے ہوئے تھے۔ ہوا سرمست تھی۔ ماوی نے چند لمحے سوچا پھر لکڑی کے چھوٹے سے خوب صورت پھاٹک کو دھکیل کر باہر نکل آئی۔

سڑک سیدھی اور بارش کی روانی سے نم تھی۔ بنگلوں کے باہر لٹکتی بیلوں کے پتے بھیگ کر گہرے ہرے معلوم ہو رہے تھے اور ان پر سیاہ پروں والی ننھی منی چڑیاں پھدک رہی تھیں۔

وہ یونہی بے سبب چہل قدمی کرتی آگے نکل آئی۔ ذہن مستقل فیضان ماما اور اینیا کی طرف لگا ہوا تھا۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا فیضان ماما کو کس طرح ان کے ارادے سے باز رکھے۔ اینیا بلاشبہ ایک بہترین لڑکی تھی۔ ماما کی زندگی میں خوشیاں لانے کا سبب بنتی اور فیضان ماما تھے کہ گھر آئی نعمت کو ٹھکرا رہے تھے۔ یہ کس قدر کم عقلی کا فیصلہ تھا مگر کوئی انہیں کیسے سمجھاتا۔

ایسے ہی چلتے اور اس کن من میں بھیگتے ہوئے اسے بنگلے کے باہر بڑے خوبصورت سفید اور زرد رنگ کے پھول لگے دکھائی دیے۔ ماوی کے قدم بے ساختہ رک گئے۔ اس نے اِدھر اُدھر دیکھا، چوکیدار تو دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ ماوی نے ذرا سا آگے ہو کر پھول توڑنا چاہے، لیکن دیوار سے لپٹی بیل گو کہ نیچے جھک آئی تھی مگر پھول اوپر شاخ پر تھے۔ بڑی تگ و دو کے بعد بھی اس کا ہاتھ پھولوں کے گچھے تک نہ پہنچ سکا۔ تب وہ مایوس ہو کر پلٹنے لگی لیکن پلٹتے ہی بری طرح شپٹائی۔ اس سے چند قدم کے فاصلے پر جلال کھڑا تھا اور بے حد دلچسپی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ ماوی کے چہرے پر خفت کے رنگ تھے لیکن اگلے ہی لمحے وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔

”شکر ہے یہ تم ہو...... میں سمجھی، میں پھول چوری کرتے ہوئے پکڑی گئی ہوں۔ اور اب پٹائی ہوگی۔“ اس کے انداز میں شرمساری بھی تھی، شرارت بھی۔

”ویسے پھول اچھے ہیں ناں؟“

اب وہ سر اُٹھا کر اوپری شاخوں پر موجود پھولوں کو حسرت بھری نظروں سے دیکھ رہی تھی اور جلال جواب خاک دیتا، وہ کچھ بولنے کی خواہش کے باوجود بس چپ چاپ اپنی چمکتی ہوئی آنکھوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ ماوی کی پونی ٹیل سے نکل کر کچھ لٹیں تیز ہوا کے ساتھ اس کی گردن سے لپٹ رہی تھیں۔ بارش کی باریک بوندیں اس کے بالوں اور پلکوں پر ٹھہری ہوئی تھیں۔ حسب معمول وہ جینز پر کرتا پہنے ہوئے تھی۔ اس کا کرتا گہرے نیلے رنگ کا تھا یا سیاہ رنگ کا، جلال فیصلہ نہ کر سکا۔ وہ صرف اتنا جانتا تھا یہ رنگ جو وہ زیب تن کیے ہوئے تھی، دنیا کا سب سے خوبصورت رنگ تھا۔

محبت کسی انکشاف کی طرح جلال کے دل پر وارد ہوئی تھی اور اس کا دل اسے جیسے ہواؤں میں اڑائے پھر رہا تھا۔ اس کی نظریں ماوی کے چہرے سے ہٹتی ہی نہ تھیں۔ خوشی و انبساط کا کوئی منفرد سا احساس تھا، جو اس کے سارے وجود کو اپنے حصار میں لیے ہوئے تھا۔

معاً جلال کی نظریں ٹھٹک گئیں۔ ماوی کی اُٹھی ہوئی گردن پر ہنسلی کی ہڈی سے ذرا اوپر ایک گہرا سیاہ تل تھا۔ جلال کے دل میں آن کی آن ایک خیال نے جنم لیا۔ اس سے قبل کہ وہ اس خیال سے بڑبڑا کر اپنی نظروں کا زاویہ بدلتا، ماوی نے اس کی طویل خاموشی پر گردن موڑ کر اسے دیکھا۔

جلال کی نظروں میں کچھ ایسا تھا جس نے لحظہ بھر کے لیے ماوی کو چونکا دیا۔

''کیا بات ہے؟ ایسے کیوں دیکھ رہے ہو؟'' اس کی پیشانی پر ایک الجھن آمیز سلوٹ بیدار ہو چکی تھی۔

''نن......نہیں، کچھ نہیں، بس یونہی۔'' اس نے جلدی سے کہا۔

''پھر اتنی دیر سے خاموش کھڑے میری شکل کیوں دیکھ رہے ہو؟ اتنا لمبا قد ہے تمہارا، کیا فائدہ ایسے قد کا؟ یہ نہیں کہ دو چار پھول ہی توڑ دو۔ پتا ہے میں تمہارے جتنی لمبی ہوتی تو سب کو پھول توڑ کر دیتی۔''

آخر میں رازداری سے بتایا گیا۔ جلال کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی اور یہ پہلی بار تھا کہ ماوی کو کسی بات پر ٹپٹانے کے بجائے وہ مسکرا رہا تھا۔ ''کبھی جب ساری زندگی ساتھ ہی بتانا تھی تو کتنی دیر تک ٹپٹا جا سکتا ہے۔'' وہ سوچ رہا تھا۔

اگلا ایک بھی پل ضائع کیے بنا وہ آگے بڑھا اور سب سے اوپری شاخ پر لٹک رہے پھولوں کے گچھوں میں سے دو پھول توڑ کر ماوی کو پکڑا دیے۔

''تھینک یو۔'' ماوی نے خوش ہو کر پھولوں کو دیکھا، انہیں ناک کے پاس لے جا کر سونگھا۔ مدھم سی خوشبو بڑی دلفریب تھی پھر اس کی طرف دیکھ کر اپنے مخصوص بے تکلف انداز میں پوچھنے لگی۔

''تم اکیلے اکیلے گھوم رہے ہو؟ دوبارہ تمہارا سڑیل بھائی بھی دکھائی نہیں دیا۔''

''وہ آرام کر رہا ہے، اسے بارش سے چڑ ہے۔'' جلال نے سنجیدگی و سادگی سے بتایا۔ اسے اب ماوی کی کوئی بات بری نہ لگ رہی تھی۔

''اور تمہیں؟''

''مجھے تو بارش بہت پسند ہے۔''

''مجھے بھی۔'' وہ چہکی۔ ''آؤ، ذرا وہاں تک واک کرتے ہیں۔ میں نے ممی سے کہا تھا میرے ساتھ آئیں لیکن تمہارے بھائی کی طرح انہیں بھی بارش پسند نہیں ہے۔'' اس نے ناک چڑھا کر کہا۔

''آپ کو پھول پسند ہیں؟'' جلال نے اسے پھولوں کو سونگھتے دیکھ کر مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''ہاں۔'' ماوی نے چہرے پر جھولتی لٹ کو کان کے پیچھے اڑسا۔

''اور بارش؟'' جلال نے مزید پوچھا۔

''ارے بارش تو بہت ہی پسند ہے۔'' ماوی نے کھلکھلا کر کہا۔

''اور کیا کیا پسند ہے؟'' جلال کا بس نہ چلتا تھا، آج کسی طرح اس بہتے ہوئے وقت کو روک لے۔ ان قیمتی لمحوں کو کہیں جانے نہ دے۔

''مجھے؟'' ماوی نے لحظہ بھر کے لیے سوچا، پھر جو بولنا شروع ہوئی تو بات کے درمیان سانس لینا بھی بھول گئی۔ پیڑ پودے، پھول، تتلیاں، آسمان، زمین، چاند، ستارے، سورج، سیارے، پہاڑ، کھائیاں، گھاٹیاں، انسان، جانور......کون سی چیز تھی، جو اس نے اپنی پسندیدگی کی فہرست میں شامل نہ کی ہو۔

جلال نے اس کا ہر ہر لفظ اپنے دل پر تحریر کیا۔

"کچھ ایسا بھی ہے، جو آپ کو ناپسند ہو؟" اس نے مسکرا کر پوچھا۔

ماوی سوال سن کر سوچ میں پڑ گئی، پھر زور سے ہنس دی۔

"مجھے کچھ برا نہیں لگتا جلال! زندگی اتنی خوب صورت چیز ہے۔ اس میں کیا معمولی معمولی چیزوں کے لیے ناپسندیدگی کا اظہار کرنا...... میں تو کہتی ہوں، ہر چیز سے محبت کرو، ہر انسان سے عشق کرو ہاں، لیکن مجھے وہ لوگ بہت برے لگتے ہیں جو دوسروں کو اپنے معمولی معمولی فائدوں کے لیے بے وقوف بناتے ہیں۔ پتا نہیں لوگ اتنے خود غرض کیسے ہو جاتے ہیں۔"

جلال کے ساتھ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی، وہ کہہ رہی تھی۔ ماوی کو سننا، جلال کو اچھا لگ رہا تھا، تب ہی بارش تیز ہو گئی۔ وہ دونوں بھاگتے ہوئے ایک قریبی بنگلے کے باہر لگے شیڈ کے نیچے آ رکے۔ بادل ہولے ہولے گرج رہے تھے۔ کبھی کبھی بجلی بھی کڑکتی، ہاں لیکن بارش تیز تھی۔

"تم نے اپنے بارے میں تو کچھ بتایا ہی نہیں جلال!" ماوی نے بازو پھیلا کر ہتھیلی پر بارش کے موتی جمع کرتے ہوئے پوچھا۔ "کہ تمہیں کیا پسند ہے۔ کیا ناپسند ہے؟" اس نے پھر پوچھا۔ جلال کا دل چاہا بنا جھجکے کہہ دے۔ "مجھے تم پسند ہو۔" مگر پتا نہیں کیوں وہ کہہ نہ سکا لیکن اس روز ان دونوں نے بارش میں بھیگتے ہوئے، کبھی چلتے کبھی رکتے ہوئے بہت سی باتیں کیں گو کہ جلال زیادہ تر خاموش ہی رہا لیکن جب وہ دونوں واپسی کے لیے پلٹے تو جلال کا دل خوشگواریت کے بے پناہ احساس سے بھر چکا تھا۔

ماوی نے لکڑی کے دروازے پر ہاتھ رکھ کر پلٹ کر اسے دیکھا۔

"رک کیوں گئے؟ اندر آؤ نا، ممی سے نہیں ملو گے؟" بارش کب کی تھم چکی تھی۔ بادلوں کی جھری سے سورج جھانک رہا تھا اور تیز زرد کرنوں نے ماوی کے وجود کو سنہری کر دیا تھا۔

جلال نے آہستگی سے نفی میں سر ہلا دیا۔ "آج نہیں پھر کبھی۔" ماوی پرخلوص انداز میں مسکرا دی۔

"ٹھیک ہے جیسے تمہاری مرضی...... بائے دا وے تم سے باتیں کر کے اچھا لگا، یو آر رِچ اے نائس مین۔"

اس نے الوداعی مسکراہٹ اچھالی اور اندر کی طرف پلٹ گئی لیکن چھوٹی سی روش، سیڑھیاں اور پھر مختصر سے برآمدے کو عبور کر کے دروازے کے پیچھے غائب ہوتے ہوئے ماوی کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ کوئی سادہ دل اور معصوم سا انسان اپنے دل میں اس کے لیے بہت خاص جذبات لیے اور آنکھوں میں محبت کا جہان آباد کیے اسے دیکھ رہا ہے۔

جلال نے دروازہ بند ہوتے دیکھ کر سر اُٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا۔ گہرے بادل چھٹ رہے تھے اور سورج جھانکنے لگا تھا لیکن ابھی بھی کہیں کہیں سے پانی جھڑ رہا تھا۔ اس نے باریک بوندوں کو اپنے چہرے پر برسنے دیا پھر زور سے سر جھٹکا اور ایک سرخوشی کے عالم میں چل دیا۔

☆☆☆

"ماوی تم کہاں رہ گئی تھیں؟ میں کب سے راہ دیکھ رہی ہوں تمہاری۔"

ثمینہ کھڑکی کے قریب آرام کرسی پر بیٹھی کوئی کتاب پڑھ رہی تھیں، ماوی کو اندر داخل ہوتے دیکھ کر انہوں نے کتاب سے نظریں ہٹا کر اسے دیکھتے ہوئے پوچھا تھا، کھڑکی کے پردے ہٹے ہوئے تھے۔ آسمان پر پھیلے بادلوں اور ان بادلوں سے جھانکتی کرنوں کی وجہ سے کمرے میں نیم تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔

''میں تو بارش دیکھنے گئی تھی لیکن جلال کے ساتھ باتیں کرتے ہوئے وقت گزرنے کا پتا ہی نہیں چلا۔'' وہ جھک کر اپنے کرتے کا دامن جھاڑ رہی تھی، جس پر کیچڑ لگی ہوئی تھی۔

''تم جلال کے ساتھ تھیں؟'' ثمینہ نے بری طرح چونک کر اسے دیکھا۔ ماوی کا رخ دوسری طرف تھا، وہ ثمینہ کا چونکنا محسوس نہیں کر سکی۔

''جی، اسی کے ساتھ تھی، باہر راستے میں مل گیا تھا۔ ویسے ممی! وہ بدھو نظر آتا ہے لیکن باتیں اچھی کرتا ہے۔'' وہ متبسم لہجے میں لیکن متاثر کن انداز میں کہہ رہی تھی۔

''ہاں...... باتیں تو اچھی کرتا ہے جلال!'' ثمینہ نے واپس کتاب کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے بے تاثر لہجے میں کہا تھا۔

''اچھا میں ذرا چینج کرلوں۔ فیضی ماما سو تو نہیں رہے؟'' ماوی کو یکدم خیال آیا تھا۔

''پتا نہیں۔ بڑی دیر سے اپنے کمرے میں ہے۔ سنو ماوی! تمہیں جلال کیسا لگتا ہے؟'' یکدم ثمینہ نے سرسری لہجے میں پوچھا۔ ماوی حیران ہو کر انہیں دیکھنے لگی۔

''یہ کیسا سوال ہے؟ آئی مین...... اچھا ہے تو اچھا ہی لگے گا لیکن بونگا بہت ہے، یعنی اس کا چہرہ دیکھ کر ہی پتا چل جاتا ہے کہ اسے بے وقوف بنایا جاسکتا ہے۔ لیکن...... لیکن آپ کیوں پوچھ رہی ہیں ممی!''

وہ الجھن بھرے لہجے میں پوچھ رہی تھی۔

''نہیں......کوئی خاص وجہ نہیں۔'' ثمینہ نے ہنس کر ٹالا۔ ''میں نے بس یوں ہی پوچھ لیا تھا سنو، تم کافی پیو گی؟''

''آپ رہنے دیں، میں چینج کرلوں، پھر بناتی ہوں۔'' ماوی ان کے جواب سے فوری طور پر مطمئن نہیں ہوئی تھی لیکن نفی میں سر ہلاتے ہوئے اس نے کہا پھر اپنے اور ممی کے مشترکہ کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

ثمینہ مطمئن انداز میں کرسی جھلاتے ہوئے کتاب پڑھنے لگیں۔ کھڑکی سے باہر بادل ایک بار پھر گہرے ہونے لگے تھے۔ بند شیشے کے باوجود بادلوں کی گرج چمک سنائی دے رہی تھی۔ شیشے پر چند بوندیں بھی تو اتر سے گر کر لکیریں بناتی غائب ہو رہی تھیں۔

☆☆☆

بشریٰ نے اپنی بڑی بیٹی کو سرخ رنگ کا خوب صورت سا فراک پہنا کر اس کے بالوں کی چھوٹی سی پونی بنائی۔ گڑیا سی بچی ایک دم بڑی پیاری لگنے لگی تھی۔ بشریٰ نے بے اختیار اس کی پیشانی پر بوسہ دیا اور کان کے پیچھے نظر کا ننھا سا ٹیکا بھی لگا دیا۔ اس کام سے فارغ ہو کر وہ بچی کو گود میں لے کر بیٹھ گئی اور اس کی چھوٹی چھوٹی معصومانہ شرارتوں پر ہنسنے لگی لیکن اس کا دھیان مستقل باہر کی طرف لگا ہوا تھا، دین محمد نے وعدہ کیا تھا، وہ بڑی بیٹی کو اپنے ساتھ کھیتوں

کی سیر کروانے لے جائے گا لیکن ابھی تک اس نے ایسا کوئی عندیہ نہیں دیا تھا، وہ جب سے آیا تھا۔ جنت سے باتیں کرنے میں مصروف تھا۔

اس نے گردن موڑ کر اپنی چھوٹی بیٹی کی طرف دیکھا جو کمبل میں لپٹی سو رہی تھی۔ یہ بچی بشریٰ کے ہاں چند روز قبل ہی پیدا ہوئی تھی جبکہ گود میں بیٹھی ہوئی بچی کی عمر بمشکل دس ماہ تھی۔ دین محمد کے ہاتھوں پٹنے اور اپنا پہلا بچہ ضائع ہو جانے کے بعد بشریٰ کے دل میں جنت کے لیے نفرت سوگنا نہیں بلکہ چار سو گنا بڑھ گئی تھی، اس نے پہلے سے بھی زیادہ استقلال سے جنت کی جڑیں کاٹنے کی کوشش شروع کر دی تھی مگر وہ یہ نہیں جانتی تھی کہ کسی انسان کی جڑیں کاٹنا اور کھیتوں میں گندم کی بالیاں کاٹنا یکسر مختلف کام ہے۔

وہ جتنی محنت سے جنت کو دین محمد کی نظروں میں گرانے کی کوشش کرتی، جنت اتنی ہی ہوشیاری سے اس کا پیشتر اس پر الٹا دیتی۔ اب تو بشریٰ لاشعوری طور پر جنت سے خوف کھانے لگی تھی۔ وہ کب کیا کر دے، سمجھنا آسان ہرگز نہ تھا۔ پھر آگے پیچھے کی دو بیٹیوں نے اس کی گود میں آ کر اس کی قدر اور بھی گھٹا دی تھی۔ دین محمد اس سے بیٹے کی توقع رکھتا تھا تب ہی بیٹیوں سے اسے کچھ خاص لگاؤ محسوس نہ ہوتا تھا۔ اسے جنت کے چاؤ لاڈ اٹھانے سے فرصت نہ تھی کہ دوسری بیٹیوں پر دھیان دیتا اور یہی بات دن بہ دن بشریٰ کو مزید فکر میں مبتلا کر رہی تھی۔

وہ بہانے بہانے سے دین محمد کو اپنی بیٹیوں کا احساس دلانے کی کوشش کرتی دین محمد بظاہر بچیوں کی پرواہ بھی کرتا لیکن جہاں جنت آ جاتی، اسے کچھ اور دکھائی ہی نہ دیتا تھا۔

کل ملا کر کوئی ایک بھی بات ایسی نہ تھی جس سے بشریٰ کو خوشی نصیب ہو۔ دین محمد کمرے میں داخل ہوا اور آ کر پلنگ پر دوسری طرف لیٹ گیا۔

"کیوں جی! بٹیا کو سیر کے لیے نہیں لے جائیں گے؟" بشریٰ نے اسے تساہل سے لیٹتے دیکھ کر جلدی سے پوچھا۔

"نہیں آج نہیں۔ پھر کسی دن لے جاؤں گا، آج جنت اس کے ساتھ کھیلنا چاہتی ہے۔" دین محمد نے کہا۔ اسی وقت جنت کمرے میں داخل ہوئی اس کے خوب صورت چہرے پر وہی بھول پن تھا، جسے وہ دین محمد کے سامنے اپنے چہرے پر طاری کیے رکھتی تھی۔

"اسے جنت کو دے دو۔" دین محمد نے بشریٰ سے کہا۔

"لیکن۔" بشریٰ نے کچھ کہنا چاہا لیکن اس سے پہلے ہی جنت، بٹیا کو اس کی گود سے لے کر جا چکی تھی، بشریٰ جھاگ کی طرح بیٹھی رہ گئی۔

"جنت بتا رہی تھی، تو اسے بچیوں کے ساتھ کھیلنے نہیں دیتی۔" دین محمد نے کڑکتے لہجے میں کہا۔

"جنت ان دونوں کو مارتی ہے۔" بشریٰ نے کہا۔

"کیوں؟"

"بس ایسے ہی، بغیر کسی وجہ کے۔" بشریٰ نے سابقہ انداز میں کہا۔

"میری جنت پاگل ہے کیا جو تیری حور پریوں کو مارے گی؟" دین محمد تڑخا۔

"میں نے یہ نہیں کہا، لیکن آپ خود سوچیں۔ اتنی چھوٹی بچیاں کیا غلطی کر سکتی ہیں کہ غصے میں آ کر انہیں مارا جائے۔ جنت میں خود سری ہے۔ وہ بچیوں سے برابر کا مقابلہ کرتی ہے۔"

بشریٰ لگی ممیانے، لیکن دین محمد کی ایک ہی دھاڑ نے اسے خاموش کروا دیا۔ اس نے بشریٰ کے ایسے لتے لیے کہ بشریٰ کی آنکھوں سے ٹپاٹپ آنسو گرنے لگے۔

''اگلی بار میری جنت کے بارے میں الٹی سیدھی بکواس کی تو کاغذ تیرے ہاتھ میں پکڑا دوں گا، اپنے ماں باپ کے گھر میں بیٹھ کر ساری زندگی روتی رہنا۔ دروازہ بند کر...... نیند آ رہی ہے مجھے۔''

بشریٰ روتے ہوئے اُٹھی اور کمرے سے باہر آ کر دروازہ بند کر دیا، اسے اپنی اور اپنی بیٹیوں کی کم مائیگی کا احساس بڑی شدت سے ہو رہا تھا تب ہی اسے کچھ عجیب سا احساس ہوا، بتویمی عمل کے تحت چلتی وہ رسوئی تک آ گئی۔ اس کی چھٹی حس جیسے اسے اشارہ دے رہی تھی۔ رسوئی تک آتے ہی اس کے لبوں سے چیخ نکل گئی۔ اس کی ننھی سی گڑیا چولہے کے قریب بیٹھی تھی اور لپک لپک کر آگ کی طرف جا رہی تھی۔ بشریٰ نے وحشت زدہ ہو کر اسے گود میں اُٹھا لیا اور شدت سے چومنے لگی۔

''آج یہ چولہے کے باہر ملی ہے۔ اگلی بار ابا سے میری شکایت لگائی تو چولہے کے اندر پڑی ملے گی۔''

جنت رسوئی کے دروازے کے قریب کھڑی تھی۔ جملہ مکمل کر کے باہر نکل گئی۔ بشریٰ نے ہکا بکا ہو کر اسے جاتے ہوئے دیکھا۔ اس روز پہلی بار اسے جنت سے اتنا خوف محسوس ہوا کہ دل چاہا اپنی بیٹیوں کو لے کر کہیں دور بھاگ جائے۔ یہ لڑکی کسی بھی وقت کچھ بھی کر سکتی تھی۔ محض ساڑھے تیرہ برس کی عمر میں وہ کسی عفریت کی مانند بشریٰ اور اس کی بیٹیوں کے سروں پر منڈلا رہی تھی۔

اس روز بشریٰ نے جنت کے سامنے گھٹنے ٹیک دیے، اس میں اتنی سکت نہیں تھی کہ اس لڑکی سے مقابلہ کرتی اور اس مقابلے کے نتیجے میں اپنی اولاد کو نقصان پہنچاتی۔ اس نے ہار مان لی اور اپنا سر جنت کے آگے جھکا دیا۔

☆☆☆

بڑی دیر کی سوچ بچار کے بعد ماوی اس نتیجے پر پہنچی تھی کہ اپنی تمام تر ناراضی اور اختلاف رائے کے باوجود اسے فیضان ماما سے بات کرنا چاہیے، تب ہی اس نے کافی بنائی اور فیضان ماما کے سر پر پہنچ گئی۔

دروازہ نیم وا تھا۔ اس نے ہلکی سی دستک دے کر اندر جھانکا فیضان ماما بیڈ پر بیٹھے تھے اور لیپ ٹاپ آن کر رکھا تھا۔

''آ جاؤں؟'' فیضان ماما کو اپنی طرف دیکھتا پا کر اس نے پوچھا۔

''کوئی اُلٹی سیدھی بحث کرنا ہے تو مت آؤ۔ معافی مانگنے آئی ہو تو کم آن۔'' فیضان نے لیپ ٹاپ کی اسکرین پر نظریں جھکاتے ہوئے رکھائی سے کہا۔

''نہ میں بحث کرنے آئی ہوں نہ معافی مانگنے آئی ہوں۔ آپ کے لیے کافی لائی ہوں۔'' اس نے بے تکلفی سے اندر آتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے۔ کافی رکھ دو اور جاؤ۔'' فیضان نے سابقہ انداز میں کہا۔

''بیٹھنے کے لیے تو کہیں۔ میں آپ کے ساتھ کافی پینے آئی تھی۔'' ماوی نے دوستانہ انداز میں کہا۔

"دیکھ نہیں رہیں۔ میں مصروف ہوں۔"

"کم آن فیضان ماما! ڈونٹ بی روڈ۔" ماوی نے روہانسی ہو کر کہا۔

"ابھی بھی تم چاہتی ہو تمہارے ساتھ نرمی سے پیش آیا جائے؟" فیضان نے سلگ کر کہا۔

"پلیز ماما! ٹرائے ٹو انڈراسٹینڈ۔" (سمجھنے کی کوشش کریں) وہ زچ ہو کر بولی۔ "آپ اس طرح منہ چھپا کر چلے جائیں گے تو سب آپ کو بزدل کہیں گے۔"

"سب نہیں ...... صرف تم۔" فیضان نے دانت کچکچائے۔ "صرف تم مجھے بزدل کہو گی کیونکہ تمہیں اوٹ پٹانگ حرکتیں کر کے دوسروں کو مشکل میں ڈالنے کی عادت ہے۔"

"فیضان ماما! سمجھنے کی کوشش کریں۔ میں نے اینیا سے کچھ نہیں کہا تھا۔" اس نے خود اپنی فیلنگز مجھ سے شیئر کی تھیں اور میں سمجھتی ہوں، اس میں کوئی برائی بھی نہیں ہے کہ آپ اسے ریجیکٹ کریں۔"

"تم جاؤ یہاں سے، مجھے اس ایشو پر بات ہی نہیں کرنی۔" فیضان نے رکھائی سے کہا۔

"کیوں بات نہیں کرنی۔" ماوی جھنجلا کر بولی۔ اس میں اس سے زیادہ تحمل نہیں تھا۔ "میں آپ کی اس روکھی پھیکی، بے رنگ و بو زندگی میں تھوڑے کلرز ایڈ کرنے کی کوشش کر رہی ہوں۔ چاہتی ہوں آپ تنہائی کی زندگی نہ گزاریں اور آپ ہیں کہ مسلسل......"

"بھئی۔ تم سے کس نے کہہ دیا۔ میری زندگی کے لیے فکر مند ہو۔" فیضان اکتا کر بولے۔ "بے رنگ ہے، روکھی پھیکی ہے لیکن میں اپنی زندگی سے مطمئن ہوں، مجھے کسی لائف پارٹنر کی ضرورت نہیں ہے۔ اینیا جیسی کسی امیچور لڑکی کی تو ہرگز گنجائش نہیں ہے میری زندگی میں۔"

"کیوں؟" ماوی نے سرد مہری سے کہا، "صرف اس لیے کیونکہ ابھی تک آپ میری پھوپھی جان جیسی میچور عورت کو نہیں بھول سکے؟"

"اسٹاپ اٹ ماوی!" فیضان نے غصے سے کہا۔

"مجھ پر یوں چلا کر آپ کچھ ثابت نہیں کر سکیں گے۔" ماوی نے سرد مہری سے کہا تھا۔ "میں صرف آپ کو آپ کے ارادے سے باز رکھنے آئی تھی اینیا جیسی بہترین لڑکی کو رد کریں گے تو ساری زندگی پچھتانا پڑے گا۔ جس عورت نے آپ کو قبول نہیں کیا اس کا جوگ لے کر اپنی ساری زندگی کیوں خراب کر رہے ہیں آپ......"

فیضان کا ہاتھ اُٹھا اور ماوی کے چہرے پر زوردار طمانچے کا نشان چھوڑ گیا، ماوی کی آوازیں بند ہو گئی تھی۔ جیسے ٹیپ ریکارڈ کا بٹن کسی نے بند کر دیا ہو۔

"بار بار اس بات کا ذکر کر کے آخر کیا ثابت کرنا چاہتی ہو تم۔" فیضان نے غضب ناک ہوتے ہوئے کہا۔

ماوی نے جھکا سر اٹھا کر انہیں دیکھا اور بنا ایک لفظ کہے تیزی کے ساتھ کمرے سے باہر نکل گئی۔

فیضان چند لمحے غصے سے سلگتے رہے پھر انہوں نے اپنا سر ہاتھوں میں گرا لیا۔ ایک اور پچھتاوا ان کے دامن سے لپٹ گیا تھا۔

☆☆☆

"اینیا! بیٹے! یہ چوٹ کیسے لگی؟"

اینیا اسٹڈی سے باہر جارہی تھی جب دانیال حسن نے اچانک پوچھا۔ وہ ان کے لیے دودھ کا گلاس لے کر آئی تھی۔

"میں نے آپ کو بتایا تو تھا۔ کالج میں سیڑھیوں سے گر گئی تھی۔" اس نے وہی کہا جو پہلے بھی کہہ چکی تھی۔ دانیال حسن نے آنکھوں سے چشمہ اُتارتے ہوئے اسے بغور دیکھا۔

"مجھے ایسا کیوں لگ رہا ہے انو! کہ تم مجھ سے جھوٹ بول رہی ہو۔"

دانیال حسن نے الجھن آمیز انداز میں کہا۔ اینیا گڑبڑا سی گئی۔ اس کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ دانیال حسن اس کا جھوٹ پکڑ سکیں گے۔

"میں جھوٹ کیوں بولوں گی ڈیڈی!" اس نے اپنی گڑبڑاہٹ پر قابو پاتے ہوئے بے وجہ ہنس کر کہا تھا۔

"ہوں۔" دانیال حسن کی الجھن دور نہیں ہوئی تھی مگر انہوں نے محض یہی کہا پھر کچھ خیال آنے پر پوچھنے لگے۔

"تم نے اپنی ممی کو بتایا؟"

"کس بارے میں؟" اب کی بار اینیا الجھی۔

"اسی چوٹ کے بارے میں۔" دانیال حسن نے ثروت کے ذکر پر دانستہ نظریں چراتے ہوئے کہا۔

اینیا خفیف سے ہو کر ہنس دی۔

"ڈیڈی! بہت معمولی سا زخم ہے۔ ٹھیک ہو جائے گا۔ اب اتنی سی چوٹ کے لیے ممی کو پریشان کیوں کروں؟"

"ہوں...... ہاں...... پھر بھی انو! تمہیں بتانا چاہیے اپنی ممی کو...... خود تو اس عورت کو اولاد کی پروا نہیں ہے، کتنے دن ہو گئے وہاں جا کر بیٹھی ہوئی ہے انسان کو کم سے کم پیچھے رہ جانے والوں کی خبر تو لینا چاہیے۔"

دانیال حسن اپنی ٹیبل پر کچھ تلاش کرتے ہوئے بظاہر لاپروا لیکن جھنجلاہٹ بھرے لہجے میں کہہ رہے تھے۔

اینیا نے بغور انہیں دیکھا پھر ہنس دی۔

"آپ کو ممی یاد آ رہی ہیں تو انہیں فون کر کے بلوائیں۔ بے شک میری چوٹ کا بہانا کر دیں لیکن بلانا انہیں آپ کو خود ہی پڑے گا۔ میری بات نہیں مانیں گی ممی۔ لیکن آپ کا کہا نا لنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

وہ ہلکے پھلکے لہجے میں کہہ رہی تھی۔

"ہو سکتا ہے ڈیڈی! آپ کو میرا اس معاملے میں کچھ بھی کہنا اچھا نہ لگے لیکن مجھے اس کے سوا کوئی حل نظر نہیں آ رہا۔ آپ پلیز ممی کو واپس لے آئیں۔ میرے زخم کی پروا نہ کریں۔ یہ زخم تو بھر ہی جائے گا لیکن جو زخم دل پر لگے ہوں، وہ کبھی نہیں بھرتے۔" اس نے جملہ مکمل کیا اور آہستگی سے دروازہ دھکیل کر باہر نکل گئی۔

دانیال حسن ششدر سے رہ گئے۔ وہ اینیا سے اتنی گہری باتوں کی توقع نہیں کر رہے تھے۔ ہاں یہ درست تھا کہ وہ ثروت کی کمی بری طرح

محسوس کر رہے تھے لیکن یہ ایسا سچ تھا جس کا اعتراف کرنے کی راہ میں ان کی اَنا حائل ہوتی تھی اور ساری زندگی وہ اپنی اَنا کا احترام کرتے آئے تھے لہٰذا اس وقت بھی گہری سوچ لاحق ہو جانے کے باوجود سر جھٹک کر کتاب پڑھنے لگے۔

☆☆☆

فجر کی نماز پڑھ کر اینیا نے سونے کی کوشش کی لیکن نیند جیسے اس کی آنکھوں سے خفا ہو چکی تھی۔ دل کو عجیب سی بے چینی لاحق تھی۔ کچھ دیر وہ کروٹیں بدلتی رہی پھر سلائیڈنگ ڈور ہٹا کر ٹیرس پر نکل آئی۔

رات کی تاریکی کا پردہ صبح نو کی اولین کرنوں نے چیر دیا تھا لیکن ابھی اتنی روشنی نہیں پھیلی تھی کہ روشنیاں گل کر دی جاتیں۔ اینیا بنا ٹیرس کی لائٹ آن کیے ٹیرس پر چکر لگانے لگی۔

صبح کا پرنور سناٹا چاروں طرف پھیلا ہوا تھا۔ نیم تاریک آسمان پر سفید بگلوں کی قطار پرواز کر رہی تھی وہ سر اُٹھا کر پرندوں کو دیکھنے لگی پھر کھٹکے کی آواز پر سر جھکایا۔ ٹیرس کی گرل سے انیکسی کا برآمدہ دکھائی دے رہا تھا۔ ابھی ابھی برآمدے کی روشنی جلائی گئی تھی۔ وہ لاشعوری طور پر گرل کے قریب ہو کر اس طرف دیکھنے لگی۔ دروازہ کھول کر فیضان باہر آئے تھے۔ ان کے ہاتھ میں کچھ سامان تھا اور وہ روانگی کے لیے تیار لگ رہے تھے۔ اینیا کا دل یکدم جیسے کسی شکنجے میں جکڑا گیا۔

اس کا دل چاہا انہیں روک لے لیکن ...... تب ہی کسی احساس کے تحت فیضان نے سر اُٹھا کر ٹیرس کی طرف دیکھا، اس نیم تاریکی، نیم اجالے کے سنگم میں محض ایک پل کے لیے ان دونوں کی نظریں آپس میں ٹکرائی تھیں اینیا تیزی سے پلٹ گئی۔

"کاش! آپ کو میرے چہرے میں کسی اور کا عکس ہی نظر آ گیا ہوتا۔"

اس کے دل سے ہوک سی اُٹھی تھی اور آنکھوں میں آنسوؤں کی یورش شروع ہو گئی تھی۔ دوسری جانب فیضان جانے سے قبل اس سے معافی مانگ لینا چاہتے تھے لیکن حالات نے اجازت دی نہ ہی انہوں نے حالات کو سازگار بنانے کی کوشش کی تھی لہٰذا اب یہ کسی خیال کا کیا فائدہ تھا۔

وہ بوجھل دل کے ساتھ اپنا سامان گاڑی میں رکھنے لگے تھے۔

☆☆☆

بشریٰ نے جنت کے سامنے اپنی ہار تسلیم نہیں کی تھی بلکہ دل سے بھی اس کی غلام ہو گئی تھی۔ وہ جنت کے سامنے زبان بند رکھتی یا اس کی ہاں میں ہاں ملاتی، اس کی تعریف کرتی، اس کی ہر غلط حرکت کو صحیح قرار دیتی، وہ سمجھ چکی تھی اگر اسے اس حویلی میں رہنا ہے تو جنت کے ساتھ بنا کر رکھنے میں ہی عافیت ہے تب ہی اس نے دین محمد کے سامنے ...... کچھ کہنا چھوڑ دیا تھا۔ دین محمد کی غیر معمولی محبت نے جنت کو کم بگاڑا تھا جو سوتیلی ماں کی جی حضوری نے دماغ بالکل ہی ساتویں آسمان پر پہنچا دیا، اس پر مستزاد سہیلیاں بھی ایسی ملی تھیں جو تعریفیں کر کر کے اس کو چنے کے جھاڑ پر چڑھائے رکھتیں اور سچی بات ہے کہ یہ تعریفیں کچھ ایسی بے جا بھی نہ تھیں، وہ بے تحاشا خوب صورت ہوتی جا رہی تھی۔ سمجھنا مشکل تھا، اتنی سی عمر میں اتنا ڈھیر سارا روپ وہ کہاں سے چرائے لا رہی ہے۔

انہی دنوں ''وہ'' چلا آیا۔ کسی نے بتایا اس کا نام فاروق ہے۔ محکمہ زراعت کی طرف سے ملازم ہو کر اس گاؤں میں تعینات ہوا تھا، اونچا لمبا گھبرو جوان، اس پر نظر پڑتی تو لگتا دل تھم رہا ہے۔ فضاؤں میں خوشبو پھیل رہی ہے اور آسمان سے دھنک برسنے لگی ہے اور جب وہ دیکھتا تو یوں محسوس ہوتا جیسے سینے سے دل کھنچ رہا ہو۔

جنت نے آج تک باپ کی بے تحاشا محبت، سہیلیوں کی چاپلوسی دیکھی تھی لیکن اس مرد کی ہر نظر ایک نیا تجربہ تھی اور وہ اس نظر کے زیر اثر ششدر سی کھڑی ہوا کی طرح اچانک زندگی میں در آنے والے احساس کو اپنے وجود سے ٹکراتا ہوا محسوس کر رہی تھی۔

☆☆☆

فیضان کے جانے سے ثمینہ خاصی مطمئن ہو گئی تھیں اور اطمینان سے بیٹھی اس ساری صورت حال پر غور کر رہی تھیں کہ ماوی اپنے کمرے سے نکلی اور آ کر صوفے پر لیٹ گئی۔

''ماما چلے گئے؟'' اس نے آنکھیں بند کیے ہوئے پوچھا، ابھی سو کر اٹھی تھی چہرے پر منہ دھونے کے بعد کی نمی تھی اور اعصاب پر نیند کی غنودگی۔

''ہاں......ساڑھے چھ بجے کی فلائٹ تھی اس کی۔'' ثمینہ نے بغور ماوی کو دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

''بہت برا کیا ہے فیضان ماما نے۔'' ماوی نے اپنے سر کے نیچے کشن رکھتے ہوئے کہا۔ ''صرف اپنے ساتھ ہی نہیں اینیا کے ساتھ بھی برا کیا ہے۔ خوشیوں سے منہ موڑ کر چلے گئے۔ خوشیاں بار بار کسی کے دروازے پر دستک نہیں دیتیں۔''

''تمہیں اس کے ذاتی معاملے میں نہیں بولنا چاہیے تھا، ماوی''

''ذاتی معاملہ؟'' ماوی بری طرح سلگ کر بولی۔ ''یہ ذاتی معاملات کون سے ہوتے ہیں ممی! میری زندگی کے ہر چھوٹے بڑے فیصلے میں فیضان ماما شریک رہے ہیں۔ اسکول، کالج، یونیورسٹی تک کا چناؤ ان کے مشورے اور ان کی رائے کو مد نظر رکھتے ہوئے کیا گیا حتیٰ کہ جب شہروز سے منگنی کی باری آئی، تب بھی فیضان ماما کی مرضی زیادہ شامل تھی اس رشتے میں......اس وقت تو کسی نے اعتراض نہیں کیا کہ وہ میرے ذاتی معاملے میں دخل دے رہے ہیں اور اب......اگر میں ان کی شادی کے معاملے میں کچھ کرتی ہوں یا کہتی ہوں تو یہ ان کے ذاتی معاملات میں دخل اندازی ہو گئی۔ بھئی واہ۔'' اشتعال اور دکھ سے اس کی آواز تیز ہو گئی تھی اور آنکھوں میں نمی بھی دکھائی دینے لگی تھی۔

''ہمیشہ مجھ سے پہلے انہوں نے مجھے اپنی دوست کہا۔ کبھی بہن بنا لیتے تھے۔ لاڈ جتانے ہوتے تو بھانجی بنا لیتے۔ آج ہر رشتہ ایک طرف ڈال دیا ماما نے۔'' اس نے آنکھوں کو ہاتھ کی پشت سے رگڑ ڈالا۔

''اچھا تم ہائپر مت ہو۔'' ثمینہ نے کہا۔ ''ویسے بھی اب تو فیضان جا چکا ہے۔ اب کیا ہو سکتا ہے۔''

''ہو سکتا ہے۔ بہت کچھ ہو سکتا ہے۔'' اس نے پختہ ارادے کے ساتھ کہا اور ایک جھٹکے سے اُٹھ کر بیٹھی اور پاؤں سلیپر میں ڈالنے لگی۔

''جا کہاں رہی ہو؟'' ثمینہ نے حیران ہو کر پوچھا۔

"ابھی آتی ہوں۔"

"ارے رکو نا۔ مجھے تم سے بات کرنی ہے۔"

"کون سی بات؟" ماوی نے چونک کر انہیں دیکھا۔

"میں سوچ رہی تھی ماوی! تم نے اپنے بابا جان کے بارے میں کبھی کچھ نہیں پوچھا۔" ثمینہ نے پُر سوچ انداز میں کہا۔

"بابا جان کے بارے میں کیا پوچھوں؟ ان کے بارے میں تو میں سب کچھ جانتی ہوں۔" ماوی نے ہنس کر کہا۔

"کیا جانتی ہو؟"

"یہی کہ وہ کتنے بہترین اسٹوڈنٹ تھے۔ انہیں رائٹر کون سے پسند تھے انہیں سبزی اور پھل کون کون سے پسند تھے۔ میں نے ان کی ڈائریز پڑھی ہیں۔ ممی! بلیوی میں ان کے بارے میں سب کچھ جانتی ہوں۔" وہ کہتے ہوئے باہر نکل گئی۔

"نہیں ماوی! تم کچھ نہیں جانتیں۔ ڈائریز ہمیشہ کسی کی شخصیت کا ایک رخ جانتی ہیں۔ زندگیوں کے بہت سارے راز انہیں معلوم نہیں ہوتے۔ ٹھیک ویسے ہی جیسے اپنے باپ کی زندگی کے راز تم نہیں جان سکیں۔"

ثمینہ نے گہری سانس لے کر سوچا تھا۔

☆☆☆

کل دن بھر برسنے والی بارش کے بعد آج بے حد چمک دار دن طلوع ہوا تھا۔ ماوی نے برآمدے میں رک کر ہتھیلی سے آنکھوں پر چھجہ بنا کر دیکھا اینیا گیٹ کے قریب کھڑی کوریر سروس کے نمائندے سے کوئی پارسل وصول کر رہی تھی۔

ماوی وہیں رک کر اس کا انتظار کرنے لگی۔

"اینیا آئی تو اس کے ہاتھوں میں ریڈ للی کا بہت ہی خوبصورت سا بوکے (گل دستہ) تھا۔"

"ارے اتنے خوب صورت پھول کس نے بھجوا دیے۔" ماوی نے اشتیاق بھرے لہجے میں پوچھا۔

"پتا نہیں۔ تم خود ہی دیکھ لو۔ جس نے بھی بھجوایا ہے تمہارے لیے بھجوایا ہے۔" اینیا نے کہا۔

"ارے۔" ماوی حیران ہوئی۔ "میرے لیے کس نے بھجوا دیے۔"

اس نے حیرت بھرے انداز میں بوکے اینیا کے ہاتھ سے لیتے ہوئے درمیان میں لگا کارڈ نکال کر دیکھا۔ کارڈ بوکے سے بھی زیادہ خوبصورت تھا لیکن کسی کا نام نہیں لکھا تھا، ماوی اُلجھ کر کارڈ پر لکھی تحریر پڑھنے لگی۔

"میں اپنی ایڑی پہ اتنی تیزی سے گھومتا ہوں

کہ چار جانب تمام منظر بدل کے

نظارہ مسلسل میں ڈھل گئے ہیں

عجب تحرک ہے

اک فسوں ہے

ایک سپنا جو صرف اپنا ہے

تم نہیں ہو

کہو تو یہ گردش ماہ و سال

اپنی ایڑی پہ روک لوں میں؟

جو اک تسلسل ہے منظروں کا

وہ توڑ دوں میں؟

مگر یہ تب ہو سکے گا ممکن

اگر میرے ساتھ تم رکو تو

ماوی نے متعجب سے انداز میں کارڈ الٹ پلٹ کر دیکھا لیکن نتیجہ صفر۔"

"یہ کون ہے بھئی۔ اپنی ایڑیوں پر گھومنے والا۔" اس نے چڑ کر کہا۔

"ایں......" ایشا نے چونک کر اس کے ہاتھ سے کارڈ لے لیا۔ پوری نظم پڑھی پھر کارڈ اس کے سر پر مارا۔

"اتنی خوبصورت نظم کا ستیاناس مار دیا۔"

"اچھا یہ نظم ہے۔ یار! یہ شاعری میری سمجھ میں نہیں آئی۔" اس نے حسب عادت قہقہہ لگایا تھا۔" کوئی مجھے شاعری لکھ کر کیوں بھیجے گا؟ فیضان ماما نے تمہارے لیے بھجوائے ہوں گے۔"

ماوی ابھی بھی خاصی پُرامید تھی۔ ایشا نے کڑی نظروں سے اسے گھورا۔

"یہاں رہتے وہ مثبت جواب دے نہیں سکے۔ دبئی جا کر پھول بھجوائیں گے، اونہہ....." ایشا نے کارڈ ماوی کے ہاتھ پر پٹخا۔

"ویسے بھی اس پر تمہارا نام لکھا ہے۔"

"مجھے کس نے بھجوا دیے یار!" ماوی بیزار ہو کر برآمدے کی سیڑھیوں میں بیٹھ گئی اور گلدستہ بھی نیچے رکھ دیا۔

"کیا پتا شہروز نے بھجوائے ہوں۔" ایشا نے بھی کچھ فاصلے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"شہروز اور پھول بھجوائے گا؟ ناممکن۔" ماوی نے ہنس کر کہا تھا۔

"کیوں بھئی؟"

"شہروز نے آج تک مجھے پھول گفٹ نہیں کیے کیونکہ اس کا ماننا ہے تحفہ ہمیشہ ایسا ہونا چاہیے جو یوزفل (کارآمد) ہونے کے ساتھ ساتھ

دیر پا بھی ہو، ایک مرتبہ اس نے میرے لیے پین خریدا جس کا کیپ ہٹاتے ہی اس میں سے لائٹ نکلتی تھی۔ اس نے کہا۔ ماوی اب تمہیں لکھنے کے لیے لائٹ جلانا نہیں پڑے گی۔ اگلی باراس نے میرے لیے ایک ہیر کلپ خریدا جس سے سر کا مساج بھی ہوتا تھا۔" وہ جل بھن کر لیکن مسکرا کر بتا رہی تھی، اینیا خوب ہنسی۔

"شہروز نہیں تو پھر کون بھجوا سکتا ہے؟ تم ایک بار پوچھ لو، ممکن ہے اس کو اس بار پھول دینے کا خیال آ گیا ہو۔"

"ہوں......" ماوی نے مثبت انداز میں کہا پھر گردن موڑ کر اسے دیکھا۔ ہنسنے کے باوجود اینیا کے چہرے پر اضمحلال دکھائی دیتا تھا، آنکھوں کے گرد غیر واضح حلقے تھے۔

"آئی ایم سوری۔" ماوی نے اچانک کہا۔

"کس لیے؟" اینیا متعجب ہوئی۔

"فیضان ماما چلے گئے۔ میں تمہارے لیے کچھ بھی نہیں کر سکی۔"

"تم نے تو کوشش کی تھی۔" اینیا سر جھکا کر برآمدے کے ٹائلز پر انگلی پھیرنے لگی۔

"بے کار کوشش......اونہہ...... پہلے تمہیں چوٹ پہنچا دی پھر مجھے تھپڑ مار کر چلے گئے۔" ماوی نے ناراضی سے کہا تھا۔

اینیا کا منہ کھل گیا۔

"انہوں نے تمہیں تھپڑ مارا؟ یا اللہ کتنے ہاتھ چھٹ ہیں تمہارے......"

"ارے نہیں یار! بس دونوں بار کچھ جذباتی ہو گئے تھے۔ ورنہ تو بڑے پولائٹ ہیں۔" ماوی نے پھر فیضان کا ساتھ دیا۔

"جانے دو......تم تو یہی کہتی رہتی ہو۔" اینیا نے چڑ کر کہا۔ "میں تو سوچ رہی ہوں، شکرانے کے نوافل پڑھوں، اچھا ہوا انہوں نے کوئی پوزیٹیو رسپانس نہیں دیا ورنہ ساری زندگی مجھے ان کے ہاتھوں پٹنا پڑتا۔ میں تو بھول رہی ہوں بھئی انہیں۔ تم بھی اس سارے قصے کو بھول جاؤ۔"

ماوی نے گہری نظروں سے اسے دیکھا۔ اینیا بول تو مستحکم لہجے میں رہی تھی لیکن مستقل نظریں چرا رہی تھی۔

"کہہ تو رہی ہو کہ بھول جاؤں گی لیکن کیا بھول پاؤ گی؟" ماوی نے یکدم کہا اینیا کچھ بول نہ سکی۔

"میں تو ہرگز نہیں بھول سکتی اس قصے کو......ویسے میں سوچ چکی ہوں مجھے کیا کرنا ہے۔" ماوی نے مزید کہا تھا۔

"اب کیا کرو گی؟" اینیا نے پوچھا۔

"پھپھی جان کو تلاش کروں گی۔" ماوی نے بالآخر بلی تھیلے سے باہر نکال ہی دی۔

"کیا؟" اینیا حیران ہوئی۔

"ہاں......میں پھپھی جان کو تلاش کروں گی۔ بس تم دعا کرو اس عرصے میں وہ بڈھی کھوسٹ ہو چکی ہوں۔ ان کی بڑی بڑی آنکھوں کے گرد حلقے پڑ چکے ہوں۔ خوبصورت جلد عمر رسیدہ ہو کر لٹک چکی ہو۔ بال جھڑ گئے ہوں۔ ان میں اس خوبصورتی کی ذرا سی بھی رمق باقی نہ رہی ہو جسے

دیکھ کر فیضان ماما ان پر فلیٹ ہوئے تھے۔صرف ایک ہی راستہ ہے جس کے ذریعے فیضان ماما کے دل سے میری پھپھی جان کی تصویر اُتار کر وہاں تمہاری تصویر لگائی جاسکتی ہے۔" وہ سنجیدہ تھی یا نہیں۔اینا ضرور اس کی باتیں سن کر چڑ گئی اور جھٹکے سے اُٹھ کھڑی ہوئی۔

"تمہارا تو دماغ خراب ہوگیا ہے۔" وہ اندر چلی گئی۔

"ارے سنو تو، اینا! میں سچ کہہ رہی ہوں۔تم دیکھنا یہ ٹرک سچ مچ کام کرے گی۔" وہ آواز دیتی رہ گئی مگر اینا نے ایک بھی نہ سنی۔ماوی نے مایوسی سے پھولوں کو دیکھا پھر گہری سانس بھرتی اُٹھ کھڑی ہوئی۔

"کیا پتا اس بار شہروز کو مجھے پھول بھجوانے کا خیال آ ہی گیا ہو۔"



یہ عالم استعجاب تھا یا مقام آگہی؟

وہ سمجھ نہ سکی، بس چپ چاپ دیکھتی گئی۔

ہوتا یہ ہے کہ دل ایک ہوتا ہے، لیکن اس دل کے سو تقاضے ہوتے ہیں۔اوّل الذکر اپنا آپ تسلیم کیے جانے کی شدید ترین خواہش اور وقت سے پہلے سر اُٹھانے والی ہر خواہش آتش فشاں کا ایسا دہانہ بنا دیتا ہے جس میں سے کسی بھی وقت لاوا بہہ نکلنے کا خدشہ ہر وقت لاحق رہے۔

فاروق نے تو اس کو سرسری ہی دیکھا تھا۔

ایسے جیسے سرِراہ کسی پر نظر پڑ جائے۔

لاشعور کے کسی کونے میں پہچان کی کرن چمکے تو انسان دوسری نظر ڈال لیتا ہے تو فاروق نے بھی اس پر ایسی ہی نظر ڈالی تھی۔

لیکن یہ ایک نظر جنت کے لیے نئی کائنات کے انکشاف کا ادراک ثابت ہوئی۔

وہ کائنات جہاں طرزِ زندگی الگ ہوتا ہے۔

اس کائنات کے رسم و رواج، رکھ رکھاؤ، تہذیب و تمدن کا اس دنیا سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا۔

لیکن جنت اس کائنات کے اسرار و رموز سے واقف نہیں تھی۔

وہ اُلجھ گئی، اس پراسراریت میں گم ہونے لگی کہ بہرحال اس کائنات کے اسرار میں کشش بہت تھی۔نہ صرف کشش بلکہ ایک پرلطف سی مٹھاس تھی سو وہ کھنچتی چلی گئی، آنکھیں بند کر کے اس کائنات کی سحر انگیزی میں گم ہونے لگی۔

اس کے پاس ایک باپ تھا، جس نے بے تحاشا محبت دی، سوچنے سمجھنے کی صلاحیت نہیں، سوتیلی ماں تھی جس نے خود کو اور اپنی اولاد کو اس کے عتاب سے بچانے کے لیے چاپلوسی کی راہ اختیار کی تھی۔اس کی ہاں میں ہاں ملاتی اور سکون سے رہتی تھی۔جنت کی غلطیوں پر اس نے آنکھیں بند رکھنا سیکھ لیا تھا۔باقی بچیں سہیلیاں۔تو مطلبی، خود غرض سہیلیاں بھی آج تک کسی کے کام آئی ہیں؟

کون تھا اس کے پاس جو بتاتا کہ اس ایک نظر کے طلسم کے ہاتھوں خوار نہ ہونا محتاط رہنا، یہ پراسرار کائنات جسے تم جیسی ناسمجھ کم فہم لڑکیاں

کسی نودریافت شدہ سیارے کی طرح خود پر منکشف ہونے دیتی ہیں، صدیوں سے پنپ رہی دلدل بھی ہو سکتی ہے۔

☆☆☆

"شکریہ جلال بیٹے! آپ کو اندازہ نہیں ہے۔ آپ نے مجھے کتنی بڑی فکر سے آزاد کر دیا ہے۔ ماوی کی خوشی میرے لیے ہر چیز سے بڑھ کر ہے۔ آپ کے اس فیصلے سے میں بے حد خوش ہوں، سمجھ میں نہیں آرہا، آپ کا شکریہ کس طرح ادا کروں۔" ثمینہ احساس تشکر سے بھرپور لہجے میں کہہ رہی تھیں۔

جلال کے چہرے پر مسکراہٹ تھی اور آنکھوں میں جھجک آمیز مسرت کی بات سن کر وہ فطری سے گھبراہٹ کا شکار ہو گیا۔

"پلیز ثمینہ آنٹی! آپ مجھے شرمندہ نہ کریں۔" اس نے جلدی سے کہا، پھر گلاس میز پر رکھ کر اُٹھ کھڑا ہوا۔

"میں آپ کو بتانے آیا تھا، آج حویلی جا رہا ہوں، اپنے بزرگوں سے بات کر کے جلد ہی آپ کو انفارم کر دوں گا۔"

"میں انتظار کروں گی۔ تمہاری اور ماوی کی منگنی ہو جائے تو سکون سے ڈبلن واپس چلی جاؤں گی۔"

ثمینہ نے شہد ٹپکاتے لہجے میں کہا۔ جلال جس طرح مسکراتا ہوا آیا تھا ویسے ہی رخصت ہوا یوں بھی آج کل جس نئے جذبے نے اس کے دل میں ہلچل مچا رکھی تھی، اس جذبے کے ساتھ لبوں پر بات بے بات مسکراہٹ کھیلنا کچھ ایسا حیران کن عمل نہیں ہے۔

جلال کے جانے کے بعد ثمینہ صوفے پر بیٹھ گئیں اور اس ساری صورت حال پر غور کرنے لگیں جو انہوں نے بڑی محنت سے ترتیب دی تھی۔ انہیں اپنی کامیابی کا پہلے بھی یقین تھا، جلال کی جانب سے مثبت جواب ملتے ہی یہ یقین کئی گنا بڑھ گیا تھا۔ لیکن ابھی بھی کوئی سوچ تھی جو انہیں لاحق تھی، دراصل ہر امکان اپنے ساتھ ایک اندیشہ ضرور لاتا ہے۔

اور یہ ہی اندیشہ ثمینہ کی فکرمندی کا سبب تھا۔ وہ جانتی تھیں جلال کو اس راہ پر لانا ہرگز مشکل نہ ہوگا، اصل مسئلہ ماوی کا تھا جو ماضی کے حقائق سے لاعلم، بے فکری کی زندگی گزار رہی تھی۔

یکایک ثمینہ کے سامنے کئی ایک سوالیہ نشان منہ کھول کر کھڑے ہو گئے۔

"کیا ماوی راضی ہو جائے گی۔"

"راضی ہونا تو بڑے دور کی بات ہے، کیا وہ میری بات کا اعتبار بھی کرے گی؟"

"ہاں ضرور...... کیوں نہیں؟ ماں ہوں میں اس کی، میری بات پر اعتبار نہ کرے گی تو کس کی بات پر کرے گی؟"

وہ خود ہی سوچتی اور اپنے ہر سوال کا جواب دیتی رہیں، یہاں تک کہ باہر آسمان پر تیزی سے بادل پھیل گئے اور پورا دن تاریکی میں ڈوب گیا۔

☆☆☆

دین محمد ششدر سا اپنی سب سے چھوٹی بیٹی کو جنت کے ہاتھوں پٹتا دیکھ رہا تھا، وہ اس قدر حیران پریشان ہوا تھا کہ آگے بڑھ کر بچی کو بچا بھی نہیں پا رہا تھا۔ کچھ دیر بعد بچی کو اچھی طرح دھنکنے کے بعد جنت اسے صحن میں پھینک کر اندر چلی گئی۔ بڑی دیر سے خاموشی سے ایک طرف کھڑی بشریٰ نے آگے بڑھ کر بچی کو اُٹھایا اور سہلاتے ہوئے اسے کمرے میں لے آئی۔

"آپ کب آئے؟" کمرے میں دین محمد کو دروازے کے قریب کھڑا دیکھ کر بشریٰ بُری طرح چونکی۔ دین محمد آج طبیعت خرابی کی وجہ سے اپنے مقررہ وقت سے پہلے گھر آ گیا تھا، لیکن جنت اور بشریٰ دونوں ہی اس بات سے ناواقف تھیں۔

دین محمد نے اس کی بات کا جواب دینے کے بجائے ہاتھ بڑھا کر بچی کو اپنی آغوش میں لے لیا، بچی کا چہرہ آنسوؤں سے بھیگا ہوا تھا اور پے در پے پڑنے والے تھپڑوں سے لال ہو رہا تھا۔ وہ بری طرح سہمی ہوئی تھی اور دین محمد کے کندھے سے لگ کر گھٹ گھٹ کر رونے لگی تھی۔

"جنت اسے اتنی بُری طرح کیوں مار رہی تھی؟" دین محمد نے پوچھا، بشریٰ خاموش رہی، لیکن اس کی آنکھوں میں وہ سب کچھ تھا جو دین محمد کو نظریں چرانے پر مجبور کر سکتا تھا۔

"اس نے جنت کی پلیٹ سے بوٹی اٹھائی تھی اور ہاتھ مار کر شوربا گرا دیا تھا۔"

بشریٰ نے بالآخر زبان کھولی۔

"دین محمد اور حیران ہوا، کیا بوٹیاں ختم ہو گئی تھیں؟"

"نہیں۔"

"پھر؟"

"اسے اچھا نہیں لگتا، کوئی اس کی پلیٹ میں سے کھائے۔"

"یہ تو بہت چھوٹی بات ہے۔"

"شوربا گرنے سے اس کے کپڑے بھی خراب ہو گئے تھے۔"

"چھوٹی عقل کی عورت! یہ کوئی ایسی بات ہے کہ بچی کو اس بے دردی سے مارا پیٹا جاتا۔" دین محمد نے یکدم بھڑک کر کہا، لیکن اگلے ہی پل اسے احساس ہوا کہ اس کے اشتعال کی حق دار جنت ہے، بشریٰ نہیں، لیکن جنت پہ وہ غصہ کیسے کر سکتا تھا۔ وہ تو اس کی لاڈلی نازوں پلی اولاد تھی۔

"تو وہاں کھڑی اپنی اولاد کو پٹتا دیکھتی رہی۔ آگے ہو کر روک نہیں سکتی تھی اسے؟"

"میں کیسے روکتی۔" بشریٰ نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

"جنت کا ہاتھ پکڑ لیتی۔" دین محمد نے کہا۔

"جنت کا ہاتھ پکڑ لیتی تاکہ آپ کے گھر آنے پر وہ آپ سے شکایت لگاتی اور پھر آپ مجھے مارتے۔"

دین محمد چپ کا چاپ رہ گیا، بشریٰ نے جیسے اس کے سامنے آئینہ لا کر رکھ دیا تھا۔

"آپ مجھ سے پوچھ رہے ہیں جی! کہ میں نے جنت کو کیوں نہیں روکا۔ آپ بھی تو یہاں کھڑے دیکھتے رہے آپ نے اسے کیوں نہیں روکا؟" بشریٰ نے بچی کو دین محمد سے لے لیا۔

"آپ فکر مند نہ ہوں۔ آپ نے آج پہلی بار جنت کے ہاتھوں اسے پٹتے دیکھا ہے۔ اس لیے پریشان ہو گئے ہیں، میں تو ہر دوسرے

دن دیکھتی ہوں۔ اپنی بیٹیوں کو ڈھور ڈنگروں سے بھی زیادہ بے دردی سے مار کھاتے دیکھنے کی مجھے عادت ہوگئی ہے، آپ کو بھی ہو جائے گی۔"

بشریٰ نے جیسے اس کے منہ پر طمانچہ دے مارا تھا۔

دین محمد وہیں کھڑا عالم پشیمانی میں گھر گیا۔ بشریٰ نے کئی مرتبہ اسے جنت کے ناروا سلوک کا احساس دلانے کی کوشش کی تھی، لیکن ہر بار دین محمد نے جنت کی طرف داری کی تھی، کیونکہ اسے کبھی لگا ہی نہیں کہ جنت بھی کچھ غلط کر سکتی ہے۔

لیکن ہاں جنت کی پیدائش کے بعد پہلی مرتبہ اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ اس سے جنت کی تربیت میں کچھ نہ کچھ کوتاہی ضرور سرزد ہوگئی ہے۔ دین محمد گاؤں کے معززین میں شمار ہوتا تھا، کسی میں اتنی ہمت نہ تھی کہ اس کی بیٹی کے متعلق اس کے منہ پر کچھ کہہ سکے، لیکن بہرحال اس نے بھی کچھ چہ میگوئیاں سن ہی لی تھیں۔ وہ ان چہ میگوئیاں پر ہرگز کان نہ دھرتا۔ بشرطیکہ فاروق اور جنت کو سرِ راہ بات کرتے ہوئے نہ دیکھ چکا ہوتا۔ اس کا دل چاہا تھا فاروق کا منہ توڑ دے، لیکن اس سے بھی زیادہ صدمہ اسے جنت کی روش پر پہنچا تھا۔

وہ جنت کو بشریٰ سے زبان چلاتے دیکھ چکا تھا، چھوٹی بہنوں کو مارتے پیٹتے دیکھ چکا تھا اور اس کی یہ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس سے غلطی کہاں ہوئی ہے۔ اس نے تو جنت کو اتنی محبت دی تھی کہ کوئی باپ اپنی بیٹی کو نہ دیتا ہوگا۔

کیا محبت بھی کسی کو بگاڑ سکتی ہے؟

☆☆☆

"ثروت!" ایئر پیس میں آواز ابھری تھی۔ آواز تھی کہ مسرت کا سندیسہ۔ ثروت کے رگ و پے میں ایک سرخوشی سی دوڑ گئی۔

"دانیال! آپ۔" انہوں نے کہا تو فقط اتنا کہ بلیوں اچھلتے دل نے الفاظ ہی گم کر دیے تھے۔

وہ کم عمر لڑکیوں یا جذباتیت کے ہاتھوں بے حال عورتوں کی طرح خفا ہو کر نہیں نکلی تھیں۔ بڑی سوچ بچار کے بعد اس نتیجہ پر پہنچی تھیں کہ انہیں وہاں سے ہٹ جانا چاہیے، ممکن ہے ان کی غیر موجودگی دانیال کو ان کے رویے کی بدصورتی کا احساس دلا دے۔ اتنا عرصہ بے زبان بن کر گزار دیا، پہلی بار اپنے حق کے لیے آواز اٹھائی تھی تو بھی خدشات ساتھ ساتھ تھے، گو کہ عقل ان کا شانہ تھپکتی تھی۔

جس مرد کے لیے عورت نے اپنی زندگی نثار کی ہو، اپنی وفائیں، اپنا اخلاص جس کے نام لکھا ہو، جس کے بچوں کی پرورش کے لیے اپنے دن رات قربان کیے ہوں، وہ ہی مرد، عورت کو ساری زندگی شک کی مار مارتا رہے، کہاں کا انصاف ہے؟

وہ آتو گئی تھیں، لیکن دل و جان سے دانیال کی محض ایک پکار کی منتظر تھیں۔ فیصلہ تو کر ہی چکی تھیں کہ وہ ایک بار پکار لیں تو جھکنے میں لمحہ بھی نہیں لگائیں گی اور شکر ہے انہوں نے پہل کر بھی لی تھی۔ لیکن دانیال کے اگلے جملے نے جیسے سارے جوش و مسرت پر ٹھنڈا پانی انڈیل دیا۔

"الماری کی چابیاں کہاں رکھی ہیں؟" وہ بھی انا پرست تھے۔ ارادہ کچھ تھا لبوں سے کچھ ادا ہوا۔ جھکنا تو ان کی بھی فطرت میں نہیں تھا، کچھ ضد بھی زور پکڑ چکی تھی۔

"اوہ......" ثروت کے دل کو دھکا سا لگا تھا۔ گہری سانس بھر کر بولیں۔

"میرے پرس میں رکھی رہتی تھیں ہمیشہ سے۔ آتے ہوئے نکال کر آنا یاد ہی نہیں رہا۔"

"انسان میں اتنی عقل ہونا چاہیے، لیکن خیر عقل کا جذباتیت سے کیا تعلق؟" طنزیہ سلگتا ہوا لہجہ۔

ثروت کی تیوری پر بل پڑ گئے۔

"جذباتیت انسان کے پاس سوچنے سمجھنے کی صلاحیت رہنے ہی کہاں دیتی ہے۔" دانیال حسن نے مزید کہا۔

"غالباً آپ شک کہنا چاہ رہے ہیں۔" ثروت نے بھی حساب برابر کرنے کی ٹھانی۔ لیکن اس بار دانیال حسن کا دماغ بھک سے اڑ گیا، یوں بھی ان کے سرد مہری میں ڈوبے ہوئے طنز اس وقت تک کاری ثابت ہوتے تھے، جب تک ثروت زبان بندی کے فیصلے پر عمل درآمد کرتیں۔

"کوئی نہ کوئی بات ہوتی ہے، تب ہی شک زور پکڑتا ہے۔" انہوں نے سلگ کر کہا۔

"جی نہیں...... کچھ لوگوں کو ہوا میں تیر چلانے کا بھی شوق ہوتا ہے...... لیکن آپ نہیں سمجھ سکتے۔"

"چابیاں؟"

"میں کل ہی ڈاک کے ذریعے بھجوادوں گی۔" ثروت نے ان سے زیادہ سرعت سے کہا۔

"بہتر...... کیا ہی اچھا ہوتا کہ تم نے احتیاط سے کام لیا ہوتا تو مجھے فون کرنے کی زحمت نہ اٹھانا پڑتی۔"

"اُف۔" ثروت کا چہرہ خفت سے سرخ ہو گیا۔

"بچے کیسے ہیں؟" انہوں نے پوچھا۔

"خوش و خرم۔ انہیں اس گھر میں کس چیز کی کمی ہے کہ کسی اور کے در پر جا بیٹھیں۔" ایک اور وار...... ثروت نے تحمل سے سہا۔

"میرا دوست فرمان قریشی تو تمہیں یاد ہوگا؟ اس کا بیٹا میڈیکل میں ہے، میں کل اس کی تصویر تمہیں ای میل کردوں گا، اپنی رائے سے آگاہ کر دینا۔ میرا خیال ہے اینیا کے لیے وہ بہترین شریک حیات ثابت ہوگا۔" کھٹاک کی آواز کے ساتھ فون بند ہو گیا۔

ثروت ہکا بکا سی ریسیور ہاتھ میں لے کھڑی رہیں، ان کے کانوں میں اپنا ہی جملہ گونج رہا تھا۔

"علیحدگی کا فیصلہ ہو تو میری بیٹی کو اس گھر سے رخصت کر دیجیے گا۔"

"تو...... تو کیا فیصلہ ہو چکا؟" ایک ہراس میں گھری ہوئی آواز ان کے دل سے ابھری تھی اور پھر دل کسی اتھاہ میں ڈوبتا چلا گیا۔

☆☆☆

بڑی سوچ بچار کے بعد دین محمد نے فاروق سے بات کرنے کا ارادہ کیا، بلکہ بات بھی کیا کرنا تھی سیدھے سادے طریقے سے اسے ذرا دھمکا کر اس گاؤں سے رخصت کرنے کی ٹھانی۔

لیکن فاروق کوئی نو عمر لڑکا نہیں رہ گیا تھا جو ماموں سے چار تھپڑ کھا کر ہراساں ہو جاتا، وہ جوان بھرپور لڑکا تھا، جس کے بازوؤں میں دین محمد سے زیادہ طاقت تھی، پھر وہ محکمہ زراعت کا ملازم تھا اور یہ کوئی معمولی بات نہ تھی۔ کوئی اس کے گریبان پر ہاتھ ڈالتا تو فاروق اتنی استطاعت رکھتا تھا

کہ نہ صرف اسے دھوبی پٹکا دے کر زمین پر گرا دیتا، بلکہ اس کی گردن بھی توڑ دیتا۔

دین محمد کی بات سن کر وہ بری طرح بھڑک گیا۔

"مجھے کچھ کہنے سے بہتر ہے اپنی بیٹی کو سمجھاؤ۔ سو مرتبہ اس سے کہہ چکا ہوں، میرے پاس نہ آیا کرے، مگر اس کی ہڈی میں تو سکون ہی نہیں ہے۔"

"تو اُلو کے پٹھے، میری بیٹی......" دین محمد اس کی بات پر بُری طرح بھڑک گیا۔

"گالی مت دینا ماموں۔" فاروق نے اس سے زیادہ اشتعال انگیز لہجے میں کہا۔ "غیرت مندی صرف تم میں نہیں ہے، میں بھی راجپوتوں کا خون ہوں۔ تمہاری عزت کی پروانہ ہوتی تو آج تمہاری لاڈلی کے کرتوت سارے گاؤں کو پتا چل چکے ہوتے۔ جتنا تم نے مجھے اور میرے ماں، باپ کو ذلیل کیا تھا، میں چاہتا تو بڑے آرام سے تمہاری عزت کا جنازہ نکال کر تمہارے ساتھ حساب برابر کر لیتا، لیکن مجھے صرف اپنی ماں کی پروا ہے، جس کو تم اور تمہاری بیٹی بڑی عزیز ہے اور میں نہیں چاہتا میرے کسی عمل سے میری ماں کو دکھ پہنچے۔

میری مانو ماموں! اپنی اس فتنی کے دو بول پڑھا کر رخصت کر دو، یہ اب تمہارے قابو میں نہیں آنے والی، میں یہاں کب تک ہوں، آج نہیں تو کل میرا تبادلہ کسی اور جگہ ہو جائے گا، لیکن میری جگہ یہاں جو بھی آئے گا، وہ بھی مرد ہی ہوگا اور اتفاق سے اسے تمہاری عزت کی پروا کرنے کی ضرورت بھی نہیں پڑے گی...... ہر کوئی میری طرح نہیں ہوگا، تا کہ پلیٹ میں پیش کی جانے والی شراب کو انکار کر دے۔ اس لیے بہتر ہے سنبھال لو اپنی بیٹی کو۔" فاروق کی زبان الفاظ نہیں زہر اگل رہی تھی۔

دین محمد اٹھے ہوئے سر اور کندھوں کے ساتھ فاروق سے جواب طلبی کرنے گیا تھا، لیکن واپسی میں اس کا سر اور کندھے جھکے ہوئے تھے۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ فاروق کی بات میں سچ اور جھوٹ کا تناسب کتنا تھا، وہ صرف اتنا جانتا تھا کہ دشمنی کے باوجود فاروق نے اس کی عزت کی پروا کی تھی۔

دین محمد بے حد فکر مند ہو گیا تھا۔ جنت کی جگہ اس کا بیٹا ہوتا تو وہ مار پیٹ کر اسے سمجھا سکتا تھا، لیکن جنت لڑکی تھی اور دین محمد کی بے حد لاڈلی۔ وہ اسے پھولوں کی چھڑی سے بھی چھونے کی ہمت نہیں کر سکتا تھا۔

چھوٹی چھوٹی غلطیاں تو ہم سب ہی کرتے ہیں، بعض اوقات ان چھوٹی غلطیوں کا کوئی مجموعہ ہمارے لیے مشکلات بھی کھڑی کر دیتا ہے، لیکن کچھ لوگوں کی چھوٹی چھوٹی غلطیاں اور کوتاہیاں مل کر دلدل کی شکل اختیار کر لیتی ہیں اور خود پر پہلا قدم پڑتے ہی انسان کو اپنے اندر کھینچ لیتی ہیں۔

دین محمد کی غلطیاں بھی ایسی ہی دلدل کی صورت اختیار کر چکی تھیں اور دین محمد سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ اس دلدل میں پیر رکھے بغیر دوسری طرف کس طرح پہنچے۔

بیٹی کی محبت نے بالآخر اسے ایک بند گلی میں لا کر کھڑا کر دیا تھا۔

☆☆☆

شبیہ کمرے میں داخل ہوا تو جلال چھوٹے سے لیدر بیگ میں روزمرہ ضرورت کا سامان رکھ رہا تھا اور کہیں روانگی کی تیاری میں دکھائی دیتا تھا۔

"کدھر کی تیاری ہے جناب؟" اس نے تیکھے انداز میں لیکن خوش گواریت سے پوچھا۔ ابھی کیمپس سے لوٹا تھا اور تھکان زدہ دکھائی دیتا تھا۔

''میں گاؤں جا رہا ہوں۔'' جلال نے مصروفیت بھرے انداز میں جواب دیا۔

''ایں!'' شبیہ چونکا۔ ''یہ اچانک گاؤں جانے کا پلان کیسے بن گیا؟ صبح تک تو کوئی ارادہ نہیں تھا۔اس نے بیڈ پر لیٹتے ہوئے کہا۔

''بس اچانک پلان بنا، سب لوگ بہت یاد آ رہے تھے، سوچا جا کر مل ہی آؤں۔'' جلال نے اصل بات گول کرتے ہوئے بہانہ بنایا۔

''تم بھی چلو شبیہ! پرسوں واپس آ جائیں گے۔'' ساتھ ہی اسے بھی پیش کش کی۔

''نہیں یار! مجھے تو کل تک ہر حال میں اپنا پروجیکٹ سمٹ کروانا ہے۔'' شبیہ نے معذوری ظاہر کی۔ ''تم یوں کرو، تم بھی رک جاؤ، کل اکٹھے گاؤں کے لیے نکلیں گے، ویسے بھی آج موسم بہت خراب ہے، میرا نہیں خیال ایسے موسم میں تمہیں ڈرائیونگ کا رسک لینا چاہیے۔''

وہ شو را تار کر تھکے ہوئے انداز میں بیڈ پر لیٹ گیا۔

''کیا بات ہے، بہت تھکے ہوئے لگ رہے ہو؟'' جلال نے بات ٹالتے ہوئے پوچھا۔شبیہ نے جواب دینے کے بجائے اپنی آنکھوں کو انگلیوں سے مسلنا شروع کر دیا تھا۔

''شبیہ! طبیعت ٹھیک ہے تمہاری؟'' جلال نے فکرمندی سے پوچھا۔

''ہوں......ہاں۔'' شبیہ نے سابقہ انداز میں کہا، پھر دل ہی دل میں کسی نتیجے پر پہنچتے ہوئے پوچھنے لگا۔

''جیڈی! صبح تم پارک گئے تھے؟''

''ہاں......میں تو روز جاتا ہوں۔'' جلال نے جلدی سے کہا، ساتھ اس کے چہرے پر موجود کشمکش بھانپ کر بولا۔

''بات کیا ہے شبیہ؟''

''میں نے کئی روز سے انہیں نہیں دیکھا۔'' اس نے جھجکتے ہوئے کہا۔

''کون؟ کس کی بات کر رہے ہو۔''

''تمہاری ثروت آنٹی۔'' اس نے نظریں چراتے ہوئے کہا۔امی یا ماں ٹائپ الفاظ تو وہ ان کے لیے کبھی بولتا ہی نہیں تھا، اب ان کے لیے کوئی جذبہ دل میں ابھر تو رہا تھا، لیکن اس جذبے کو بھی کوئی واضح نام دینے سے وہ قاصر تھا۔

جلال نے بغور اسے دیکھا۔

''ہاں......میں نے بھی کئی روز سے انہیں نہیں دیکھا۔میرا خیال ہے، وہ پارک آ ہی نہیں رہیں، ورنہ میری ملاقات ضرور ہوتی۔''

شبیہ نے اس بار کوئی جواب نہ دیا، لیکن اس کے چہرے پر اُلجھن یا فکرمندی بڑھ گئی تھی۔

''ممکن ہے وہ بیمار ہوں، یا یہاں موجود ہی نہ ہوں، ورنہ جب سے میں یہاں آیا ہوں، ایک بھی دن میں نے انہیں غیر حاضر نہیں پایا۔'' جلال نے کہا۔

''اگر تم کہو تو میں ان کے گھر جا کر ان کی خیریت معلوم کر لیتا ہوں۔''

"ارے نہیں، اب اتنی بھی امپورٹنٹ نہیں ہیں وہ۔" اس کی سخت مزاجی عود کر آئی۔ جلال کو اکتاہٹ سی محسوس ہوئی۔

"خیر امپورٹنٹ تو وہ ہیں، نہ ہوتیں تو تم ان کے لیے فکرمند نہ ہوتے۔"

"آتے جاتے ہر دوسرے تیسرے نظر آ ہی جاتی تھیں۔ آنکھوں کو عادت ہو جاتی ہے بھئی، سڑک کنارے درخت لگا ہو تو اس سے بھی آنکھیں مانوس ہو جاتی ہیں۔ ورنہ اور کوئی بات نہیں ہے۔" شبیہ نے جھنجلا کر کہا تھا۔

"میں بھی انہیں روز دیکھتا ہوں پارک میں ملاقات ہو جاتی ہے، لیکن میں نے تو ان کی کمی محسوس نہیں کی۔" جلال جرح کرنے لگا۔

شبیہ نے خاموشی سے منہ پر تکیہ رکھ لیا۔ جلال سمجھ گیا، اب وہ اس موضوع پر کچھ نہ سنے گا۔ جلال خاموش رہ کر اپنے کام میں لگا رہا۔ وہ تو خود شبیہ سے ماوی کا ذکر کرنا چاہ رہا تھا، لیکن وہ خود اُلجھا ہوا تھا۔ جلال کی بات میں کہاں دلچسپی لے پاتا۔ یہ ہی سوچ کر جلال نے اس ذکر کو کسی اور وقت پر ٹال دیا۔ لیکن وہ ماوی کے متعلق سوچنے لگا، اسے ماوی کے متعلق سوچنا اچھا لگ رہا تھا، پتا نہیں پھول ملنے پر اس نے کیسا ردِعمل ظاہر کیا ہوگا؟ کاش! میں اپنے لیے ان تمام جذبوں کے رنگ اس کے چہرے پر دیکھ سکتا جو وہ میرے لیے محسوس کرتی ہے۔

ابھی وہ یہ ہی سوچ رہا تھا کہ شبیہ کی آواز سنائی دی۔

"اور ہاں...... تم اس روز روڈ پر کس لڑکی کے ساتھ تھے؟ میں اسے پہچان گیا ہوں، یہ وہ ہی لڑکی تھی نا، جس نے بے وجہ مجھ سے جھگڑا کیا تھا؟ مجھے وہ بالکل اچھی نہیں لگی تھی۔ تمہیں ذرا فرینڈز بناتے ہوئے محتاط رہنا چاہیے۔ ایسی بدتمیز لڑکیوں سے دوستی کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ پتا نہیں ایسی منہ پھٹ، بدتمیز لڑکیاں کن احمقوں کو اچھی لگتی ہوں گی۔"

وہ بڑبڑاتے ہوئے واش روم میں گھس گیا۔ جلال سر پکڑ کر بیٹھ گیا، وہ تو شبیہ کو اپنے اور ماوی کے بارے میں بتا کر دادی جان کو راضی کروانے کے سلسلے میں پہلا اور سب سے اہم ووٹ اپنے حق میں کروانا چاہ رہا تھا، کہاں یہ صورت حال کہ شبیہ صاحب اپنی ناپسندیدگی جتا گئے تھے۔ جلال کو کسی بڑی گڑبڑ کا احساس ہو رہا تھا۔

☆☆☆

بہت تیز بارش تھی۔ بادل گرجتے تو لگتا اللہ کا قہر نازل ہو رہا ہے۔ بجلی کڑکتی تو تیز روشنی آنکھیں چندھیانے لگتی۔ ایسا محسوس ہوتا تھا درمیان میں حائل شیشہ توڑ کر اندر گھس آئے گی۔

کیسا غضب کا طوفان تھا۔ ہوا در و دیوار سے ٹکراتی پھرتی تھی۔

ثمینہ کب سے چپ چاپ کھڑی شیشے کے اس طرف تباہی مچاتے طوفان کو دیکھ رہی تھیں۔

باہر اگر اُتھا پتھل تھی تو اندر ایک سکوت کا عالم تھا جیسے سمندر پر رات پھیل رہی ہو ایسا سناٹا جو وحشت میں مبتلا کر دے۔

ماوی نے کئی بار دیکھا۔ ثمینہ گم سم سی کھڑکی سے باہر جھانک رہی تھیں۔ وہ ہر بار مخاطب کرنے کا ارادہ کرتی پھر ٹال دیتی خدا معلوم کس گہری سوچ میں مبتلا تھیں۔ وہ خود ٹی وی کے سامنے ڈٹی بیٹھی تھی۔ ایک بڑا سا پیالہ گود میں دبوچ رکھا تھا دوسرے ہاتھ میں لکڑی کا چمچ جس کے ساتھ باؤل

میں چینی اور مکھن کا آمیزہ پھینٹا جا رہا تھا۔ دونوں ہی کاموں میں انہماک قابلِ دید تھا۔

بالآخر اس خاموشی کو ثمینہ نے ہی توڑا۔

''کیا کر رہی ہو ماوی! آؤ باتیں کریں۔''

''ایں......'' ماوی نے چونک کر کہا۔ ''ہاں...... باتیں تو مجھے بھی آپ سے کرنی ہیں لیکن پہلے ذرا یہ کوکیز بیک ہونے رکھ دوں؟''

''کوکیز میری بات سے زیادہ اہم نہیں ہیں۔'' ثمینہ نے آہستگی سے کہا۔

''جب میں کافی کے ساتھ کوکیز آپ کی خدمت میں پیش کروں گی تو آپ کو باتیں کرنے کا مزہ آجائے گا۔'' اس نے اپنے مخصوص انداز میں کہا پھر اپنی جگہ سے کھڑے ہوتے ہوئے بولی۔

''ویسے بھی میں آج آپ سے بہت کچھ پوچھنا چاہ رہی ہوں۔''

''مجھے پتا ہے۔ تم کیا پوچھنا چاہ رہی ہو؟'' ثمینہ نے کہا۔

''کیا؟''

''تم زرین کے بارے میں پوچھنا چاہ رہی ہو ناں؟''

''زرین کون؟''

''تمہاری پھپھی جان۔''

''ارے ہاں......'' ماوی بُری طرح چونکی اور آنکھیں متاثر کن انداز میں پھیلا کر پوچھنے لگی۔ ''لیکن آپ کو کیسے پتا چلا کہ میں ان کے بارے میں پوچھنا چاہ رہی ہوں۔ ہائے گاڈ می! کیا آپ کے پاس موکل ہیں جو آپ کو ہر خبر دے دیتے ہیں۔''

ثمینہ اس کی بات پر آہستگی سے ہنسیں۔

''نہیں موکل نہیں ہیں میرے پاس۔''

''پھر جو میں سوچ رہی ہوتی ہوں یا جو بات میرے دل میں ہوتی ہے، اس کا آپ کو کیسے پتا چل جاتا ہے؟'' اس نے اُلجھن آمیز انداز میں پوچھا۔

''کیونکہ میں تمہاری ماں ہوں اور ماؤں کو سب پتا ہوتا ہے۔'' ثمینہ نے سابقہ انداز میں کہا تھا۔

''اچھا......'' ماوی نے ابرو اچکا کر پل بھر کو سوچا۔

''پھر آپ مجھے پھپھو کے بارے میں بتائیں گی ناں؟''

''ہاں...... بتاؤں گی، آج تو سب کچھ بتاؤں گی۔'' ثمینہ نے خود کلامی کے انداز میں کہتے ہوئے کھڑکی کی طرف رخ موڑا۔

''چلیں ٹھیک ہے، میں بس بیس منٹ میں اپنا کام سمیٹ کر آتی ہوں۔'' وہ پھرتی سے کچن کی طرف چلی گئی۔

ثمینہ کھڑکی سے باہر دیکھتی رہیں جہاں بارش مزید تیز ہو گئی تھی اور موٹی موٹی بوندیں زور زور سے بند شیشے سے ٹکرا رہی تھیں۔اللہ جانے کون سا طوفان زیادہ شدید تھا، وہ، جو کھڑکی سے باہر تباہی مچا رہا تھا یا وہ، جو ثمینہ کی ذات کو اتھل پتھل کیے دے رہا تھا۔

☆☆☆

"کیا بات ہے بھائی دین محمد! پریشان لگ رہے ہو۔"

دین محمد نے چونک کر حسین احمد کو دیکھا۔وہ کھانا کھاتے ہوئے تھم روک کر فکر مندی سے دین محمد کو دیکھ رہا تھا۔

"نہیں...... پریشان تو نہیں ہوں بس سوچ رہا تھا اس کا مول اچھا لگ جائے تو اگلی بیائی کے لیے سہولت رہے گی۔" دین محمد نے مہارت سے بہانہ بناتے ہوئے کہا اور رغبت سے کھانا کھانے لگا۔

وہ اپنی کپاس کی ضرورت کے سلسلے میں قریبی قصبہ کی منڈی میں آیا ہوا تھا، یہیں اس کی ملاقات اپنے بے حد عزیز لیکن کئی سال پہلے بچھڑے ہوئے دوست حسین احمد سے ہو گئی۔ حسین احمد اور اس کا خاندان کئی سال اسی گاؤں میں رہ چکے تھے جس گاؤں سے دین محمد کا تعلق تھا۔فرق صرف اتنا تھا کہ اس وقت دین محمد ایک معمولی درجے کا زمین دار تھا لیکن اب اس کی حیثیت میں کئی گنا اضافہ ہو چکا تھا جنت کی پیدائش کے چند مہینے بعد حسین احمد نے اپنے بیوی بچوں کے ساتھ گاؤں چھوڑ دیا تھا، حسین احمد شہر میں جا بسا تھا۔ان دونوں نے اتنے طویل عرصہ بعد کی ملاقات میں خوب باتیں کی تھیں۔از سر نو میل جول بڑھانے کی بات بھی ہوئی۔ حسین احمد نے زہرہ کے انتقال کی خبر سن کر دکھ کا اظہار بھی کیا تھا حسین احمد نے یہ بھی کہا۔

"دوسری شادی کر کے تُو نے بڑا اچھا کیا، آخر انسان کب تک اکیلے زندگی گزار سکتا ہے۔مرد کو بیوی کی ضرورت پڑتی ہی ہے پھر بیٹیوں کی تربیت ماں سے بہتر کوئی نہیں کر سکتا۔"

کوئی اور وقت ہوتا تو دین محمد ہرگز اس کی بات نہ مانتا لیکن اب اسے اس بات پر سو فیصد یقین آ چکا تھا۔کبھی کبھی جب وہ جنت کی طرف سے بہت پریشان ہوتا سوچتا شاید اس سے ہی جنت کی تربیت میں کوئی غلطی سرزد ہو گئی ہے۔اس نے کبھی بشریٰ کو اتنا اختیار دیا ہی نہیں کہ وہ ماں بن کر جنت کو ڈانٹ ڈپٹ لے یا کوئی بات سمجھانے کی کوشش ہی کرے۔

لیکن اب تو پانی سر سے گزر چکا تھا اور بعض اوقات فکر مندی سے اسے رات رات بھر نیند بھی نہ آتی تھی۔

اس کو یاد تھا وہ کئی بار زہرہ کے سامنے اس بات کا اظہار کر چکا تھا کہ وہ جنت کو رخصت نہیں کرے گا بلکہ اس کے لیے کوئی ایسا لڑکا تلاش کرے گا جو گھر داماد بن کر ان کے ساتھ رہے لیکن وقت اور حالات بڑی تیزی سے انسان کے خیالات میں تبدیلی پیدا کر دیتے ہیں۔دین محمد بھی اب اسی کوشش میں تھا کہ جیسے ہی کوئی اچھا رشتہ ملے وہ جنت کو رخصت کر دے، یوں بھی اس کے ساتھ کی بہت سی لڑکیاں بیاہی جا چکی تھیں، صرف دین محمد تھا جس نے جنت کو گھر میں بٹھا کر رکھا ہوا تھا۔

وہ کھانا کھاتے ہوئے ایک بار پھر گہری سوچ میں ڈوب گیا تھا۔حسین احمد نے اس بار تشویش کے عالم میں اس کا کندھا ہلایا۔

"تجھے ہوا کیا ہے دین محمد!"

"کچھ نہیں...... کچھ بھی تو نہیں حسین بھائی!" دین محمد نے کہا۔ حسین احمد اس سے عمر میں کئی سال بڑا تھا لیکن دونوں کی دوستی خوب تھی۔

"اچھا اس سے ملو...... اس کو پہچانتے ہو کہ نہیں؟" حسین احمد نے پُر اشتیاق لہجے میں کہا۔ دین محمد نے سر اُٹھا کر دیکھا۔ اونچے قد کا اور مضبوط ڈیل ڈول والا تیس بتیس برس کا جوان مسکرا رہا تھا۔

"دلاور حسین ......" دین محمد نے بے ساختہ کہا اور اس سے بغل گیر ہو گیا۔ "تم بھی کمال کرتے ہو بھائی حسین! کیا اپنے بھتیجے کو بھی نہیں پہچانوں گا۔"

وہ دلاور سے حال احوال دریافت کرنے لگا۔ پتا چلا وہ فوج میں بھرتی ہو چکا تھا۔ چند سال پہلے شادی بھی کی لیکن بیوی بیٹے کی پیدائش کے وقت فوت ہو چکی تھی۔

"میں تو کہتا ہوں شادی کر لے لیکن یہ سنتا ہی نہیں۔ تو ہی سمجھا اسے دین محمد! آخر بیوی کے بغیر گزارا کرنا کیا آسان ہے۔"

دین محمد، دلاور حسین کو کیا سمجھاتا۔ اس کے ذہن میں تو بجلی کی طرح کوندا لپکا تھا۔ اس نے آنکھیں سکوڑ کر دلاور حسین کو دیکھا۔ شکل و صورت "بہترین خاندان، زمین جائیداد کا مالک پھر حکومت کا ملازم...... جنت کے ساتھ خوب جچتا، لیکن اگلے ہی پل اس نے اپنے خیال کو رد کر دیا اور دل مسوس کر رہ گیا۔ جنت اور دلاور کی عمروں کا فرق یاد آ گیا تھا پھر دلاور کا بیٹا بھی تھا۔

کچھ چیزیں انسان کو اپنے لیے غلط اور اولاد کے لیے درست لگتی ہیں اور کچھ چیزیں انسان اپنے لیے درست اور اولاد کے لیے غلط قرار دے دیتا ہے یہ طرز عمل صحیح ہے یا نہیں لیکن انسان اکثر ایسا کرتا ہے۔

دین محمد نے دل ہی دل میں دلاور حسین کو جنت کے لیے غیر مناسب قرار دیتے ہوئے اپنی اور بشریٰ کی عمروں کے فرق کو بھلایا تھا۔

☆☆☆

لونگ دالشکارا، لونگ دالشکارا
مائیں نی مائیں مینوں لونگ گھڑا دے
لونگ گھڑوا دے، نگ جڑوا دے
نگ جڑوا دے ایسا......

ولید کی اونچی اونچی تانیں سارے گھر میں گونج رہی تھیں اینیا کو بس نہ چلتا تھا، اسے اُٹھا کر گھر سے ہی باہر پھینک دے۔ صبح سے ایسے ہی شادی بیاہ کے گیت سنا سنا کر اس کے کان کھا رہا تھا۔

"ولید کے بچے! اب تم خاموش نہ ہوئے تو گلدان اُٹھا کر تمہارے سر پر مار دوں گی۔" اس نے کتاب پٹخ کر دھمکایا۔ کل اتنا اہم ٹیسٹ تھا اور یہ لڑکا مستقل اس کے سر پر سوار۔

"اس میں اتنا غصہ کرنے کی کیا بات ہے؟" ولید نے معصوم سی شکل بنا کر پوچھا۔ "تمہیں یہ گانا پسند نہیں تو کوئی اور سنا دیتا ہوں...... اچھا وہ

گانا کیسا رہے گا۔"

ابھی وہ یہیں تک ہی پہنچا تھا کہ اینیا چیخ اٹھی۔

"خبردار، خبردار اب ذرا سی بھی آواز نکالی تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔ غضب خدا کا صبح سے میراثیوں والا دورہ تمہیں پڑا ہوا ہے۔ پتا نہیں یہ سارے زنانہ گیت تم نے کہاں سے یاد کیے ہیں اوپر سے تمہاری آواز..... ایسا لگتا ہے درجن بھر کوے۔ ایک ساتھ چیخ رہے ہوں میرے تو کان تک پک گئے۔ اب میں تمہاری آواز میں مزید کچھ نہیں سن سکتی۔ رحم کرو مجھ پہ۔" آخر میں وہ بالکل ہی روہانسی ہو کر بولی تھی۔

ولید نے خفگی سے اسے گھورا۔

"ایک تو صرف تمہاری خاطر میں نے اتنے گانے یاد کیے ہیں اس پر سے تم باتیں بھی تم مجھے ہی سنا رہی ہو۔"

"میری خاطر کس خوشی میں؟" اینیا نے چڑ کر کہا۔ "میں نے تم سے فرمائش کی تھی کیا؟"

"ابھی تک تو نہیں کی لیکن شادی پر تو کرو گی..... اب تمہاری اونگی بونگی سہیلیاں تو گا نہیں سکتیں۔ کوئی تو ہونا چاہیے جو اچھی آواز میں گا سکے یہی سوچ کر میں نے آج سے پریکٹس شروع کر دی ہے لیکن تمہیں تو قدر ہی نہیں ہے۔" انداز احسان جتانے والا تھا۔

"اس کی فکر تم نہ کرو۔" اینیا نے رخ اسٹڈی ٹیبل کی جانب موڑتے ہوئے لاپروائی سے کہا۔

"میری شادی میں ابھی بہت وقت ہے پھر اور ویسے بھی تم سے تو اسی فیصد بہتر گا لیں گی میری اونگی بونگی سہیلیاں۔"

"جی نہیں..... یہ غلط فہمی اپنے دل سے فوراً نکال دو۔" ولید نے کہا۔

"لگتا ہے میری سہیلیوں کی آوازیں سنے بغیر ہی تم حسد میں مبتلا ہو گئے ہو۔" اینیا نے چڑایا۔

"ارے ان سے حسد کرتی ہے میری جوتی..... وعدہ رہا اپنی شادی پر اپنی ساری بے سری سہیلیوں کا مجھ اکیلے سے مقابلہ کروا لینا۔ ایک گھنٹہ بھی میرے آگے ٹھہر گئیں ناں تو اپنا نام بدل دوں گا۔" ولید نے جوش سے کہا۔

"اچھا تو پھر؟" اینیا کو اس کی بات بڑھک سے زیادہ نہ لگی۔

"اپنے دل سے یہ غلط فہمی نکال دو کہ تمہاری شادی میں بہت وقت ہے۔ ڈیڈی تو عنقریب رخصت کرنے کے چکروں میں ہیں..... لڑکا بھی پسند کر چکے وہ تو۔"

اینیا دھک سے رہ گئی۔ اس کے ہاتھ سے پین چھوٹ گیا۔

"کیا کہہ رہے ہو ولید!" اس نے سراسیمگی سے ولید کو دیکھا۔

"تمہیں تمہاری شادی کی خوش خبری سنا رہا ہوں۔" ولید نے اطمینان سے جواب دیا۔ "میں نے خود ڈیڈی کو فون پر کہتے سنا ہے۔"

"یہ خوش خبری ہے؟" اینیا نے چڑ کر کہا۔

"تو پھر کیا ہے؟"

"میں ابھی شادی نہیں کرنا چاہتی ولید!" اسے سخت پریشانی لاحق ہوگئی تھی "اور پھر ڈیڈی، ممی کی غیر موجودگی میں اتنا بڑا فیصلہ کیسے کر سکتے ہیں۔"

"میری مانو...... چپ چاپ شادی کر کے اپنی لائف سیٹ کرو۔ لڑکوں کی زندگی تو ماں باپ کی علیحدگی کے بعد بھی ٹھیک رہتی ہے۔ شبیہ العباس بھائی کو ہی دیکھ لو...... کس بات کی کمی نظر آتی ہے ان کی زندگی میں، میں اور ولی بھی سیٹ ہو ہی جائیں گے اصل مسئلہ تمہارے لیے ہوگا ویسے بھی لڑکیاں ایڈیٹس ہوتی ہیں۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پر ابنارمل ری ایکشن دیتی ہیں۔"

"تم کیا کہہ رہے ہو ولید! میری کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔" ایمنا نے تعجب و نا سمجھی سے کہا۔

"بھئی ڈیڈی اور ممی میں ڈائیورس ہونے والی ہے، اس سے پہلے ہی تمہاری شادی ہو جانا چاہیے۔" بالآخر بلی تھیلے سے باہر آ ہی گئی۔

"شٹ اَپ ولید! کبھی تو سوچ سمجھ کر بولا کرو۔" ایمنا نے غصے سے کہا۔

"غصہ مت کرو اُلو!" ولید نے تحمل سے کہا۔ "جو بات چند روز بعد تمہیں ممی یا ڈیڈی سے پتا چلنا ہے، وہ میں بتا رہا ہوں تو بھڑک کیوں رہی ہو؟ تمہارا کیا خیال ہے، ممی یونہی اتنے روز سے نانا جان کے گھر جا کر بیٹھی ہوئی ہیں؟"

ایمنا بے طرح فکر مند ہوگئی ہر امکان سوچ چکی تھی مگر اس نہج تک تو اس نے ہرگز نہ سوچا تھا۔

"ولید! یہ بھی تم نے ڈیڈی کو کہتے سنا ہے یا تمہارا اندازہ ہے؟" یکایک اسے خیال آیا۔

"میری چھٹی حس بتا رہی ہے۔" ولید نے سنجیدگی سے کہا۔

"خدا کرے تمہاری چھٹی حس اس بار غلط اشارہ دے رہی ہو۔" ایمنا نے صدق دل سے کہا۔

"آمین۔" ولید کی آواز دھیمی تھی۔

"میں ممی کو فون کروں؟"

ولید نے کندھے اچکا دیے۔ ایمنا کے لیے فیصلہ کرنا مشکل ہوگیا لیکن اگلے ہی پل وہ اٹھی اور اپنے سیل فون پر نمبر ڈائل کرنے لگی۔

☆☆☆

دین محمد، باجی زبیدہ کو دیکھ کر بے حد حیران ہوا۔

پچھلی بار باجی زبیدہ زہرہ کے انتقال پر حویلی آئی تھی اور دین محمد نے اسے بے حد بے عزت کر کے نکال دیا تھا۔ اس قدر تذلیل سہنے کے بعد وہ ایک بار پھر اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے حویلی آ گئی تھی تو اس کی وجہ صرف اور صرف ماں جائے کی محبت اور جنت تھی۔

یہ بات صرف باجی زبیدہ ہی جانتی تھی کہ اس نے فاروق کو کن دقتوں سے جنت کے ساتھ شادی پر آمادہ کیا ہے۔ لیکن دین محمد اپنی تمام تر پریشانی کے باوجود اسے دیکھ کر پھر اکڑ گیا اور مصلحت آمیزی کا مظاہرہ کرنے کے بجائے زبیدہ کو مزید بے عزت کرنے لگا۔

"پاگل پن نہ کر دین محمد! تُو نہیں جانتا گھر آئے بر کو ٹھکرا کر تو کیسی بڑی حماقت کر رہا ہے۔" باجی زبیدہ نے اس کی ساری جلی کٹی سننے کے بعد منت بھرے لہجے میں کہا۔

''میں نے کیا کرنا ہے کیا نہیں...... مجھے سکھانے کی ضرورت نہیں ہے باجی!'' دین محمد نے ترخ کر کہا۔ ''تیرے بیٹے نے میرے منہ پر کالک ملنا تھی سو مل دی۔''

''ارے میرے بیٹے نے ایسا کچھ نہیں کیا کہ تُو اسے الزام دے۔ جنت خود اس سے ملنے جاتی رہی ہے۔'' بالآخر باجی زبیدہ کی برداشت بھی جواب دے گئی۔

''بس بس...... میری بیٹی کے بارے میں ایک بھی اور لفظ نہ کہنا۔''

''دیکھا...... اپنی اولاد کے بارے میں کوئی غلط لفظ سننا کتنا برا لگتا ہے۔ پھر بھی میں جب سے آئی ہوں مسلسل فاروق کو کوس رہا ہے اور میں خاموشی سے سن رہی ہوں۔ ایک بار بھی تجھے نہیں ٹوکا...... جانتا ہے کیوں؟ صرف اس لیے تاکہ خاندان کو بدنامی سے بچایا جاسکے۔ فرشتہ تو کوئی بھی نہیں ہوتا کہ غلطی سے دور رہے۔ اب جنت نے جو حماقت کرنا تھی سو کر دی تو عقل مندی کا فیصلہ کر...... میں نے فاروق کو راضی کر لیا ہے بس تو بھی مان جا تو میں اگلے سوموار کو جنت کو رخصت کروالوں۔''

لیکن دین محمد نے راضی تو کیا ہونا تھا۔ باجی زبیدہ کو اتنی باتیں سنائیں کہ بیچاری کچھ کہنے کے قابل ہی نہ رہی۔ صرف اسی پر دین محمد نے اکتفا نہیں کیا بلکہ یہ الزام بھی جڑ دیا کہ وہ اور فاروق، دین محمد کی زمینیں ہتھیانے کے لیے یہ سارا کھیل رہے ہیں۔

باجی زبیدہ اپنے بھائی کی عزت بچانے کے خیال سے بڑی آس لے کر اس کے پاس آئی تھی لیکن دین محمد نے اس کے خلوص کی رتی بھر بھی قدر نہ کی۔ جب زبیدہ رخصت ہونے لگی تو اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

''صرف تیرے اسی رویے کی وجہ سے میں اپنی مری ہوئی ماں کا چہرہ بھی نہ دیکھ سکی۔ مجھے ڈر تھا کہ پھر حویلی آنے پر تو مجھے بے عزت کرے گا۔ لیکن اس بار تو میں تیری عزت کو سہارا دینے آئی تھی دین محمد! تو نے پھر بھی میری قدر نہ کی۔''

''اچھا ٹھیک ہے میں تیری بات مان لیتا ہوں لیکن ایک شرط ہے فاروق کو شادی کے بعد اسی حویلی میں آ کر آباد ہونا پڑے گا۔ میں جنت کو خود سے دور جانے نہیں دوں گا۔'' دین محمد نے ٹالا۔

''لو سن لو اماں! جس بھائی کی محبت میں تم دیوانی ہوئی جا رہی ہو۔ وہ تمہارے بیٹے کو سسرال میں کتے کی سی زندگی گزارنے کی ترغیب دے رہا ہے۔'' فاروق نے استہزائیہ انداز میں پہلی بار زبان کھولی۔

''چلو یہاں سے اماں! ماموں نے ساری زندگی بیٹی کو گھر بٹھانا ہے۔ اس کے کارناموں کا گند بھی اسے خود ہی سمیٹنے دو۔''

دین محمد کا دل چاہا، فاروق کا منہ توڑ دے۔

''تُو تو بیٹی کی محبت میں پاگل ہے دین محمد! تجھے ذرا بھی احساس نہیں تیری غیر معمولی محبت نے جنت کے ذہن کو کس قدر خراب کیا ہے۔ عورت کا ذہن ہی سیدھے راستے پر نہ چلے تو نسلیں کی نسلیں خراب ہو جاتی ہیں...... لیکن تو نہیں سمجھے گا۔ کبھی نہیں سمجھ سکتا۔'' زبیدہ زیر لب بڑبڑاتی اور روتی ہوئی رخصت ہوئی۔

دین محمد نے نخوت سے اسے جاتے دیکھا۔ تکبر سے سر جھٹکا اور فیصلہ کر ڈالا۔

"میری معصوم بچی کو غلط راہ پر ڈال دیا لیکن میں سب سنبھال سکتا ہوں۔ کل ہی نہیں آج ہی میں بھائی حسین احمد سے ملنے روانہ ہو جاتا ہوں...... جنت، میری لاڈو کے لیے دلاور حسین سے بہتر اور کوئی نہیں ہو سکتا۔"

اس نے پکا تہیہ کر لیا اور یوں جنت فاروق کے بجائے دلاور حسین کا مقدر بن گئی۔

☆☆☆

ثمینہ سارا دن مصروف رہی تھیں۔ ایک بھی پل ایسا نہیں گزرا جب وہ ماوی کو حقائق سے آگاہ کرنے کے لیے تانا بانا نہ بنتی رہی ہوں انہیں ماوی کو کس حد تک آگاہ کرنا ہے کتنا سچ بتانا ہے کتنا جھوٹ؟ وہ تقریباً سب فیصلے کر چکی تھیں لیکن پھر بھی کوئی گھبراہٹ تھی جو ان کے اعصاب پر سوار تھی۔ پورا لائحہ عمل ترتیب دینے کے بعد بھی بعض اوقات حسب منشا نتیجہ ملنے کی اُمید نہیں ہوتی۔ اُمید ہو تب بھی گھبراہٹ سر پر سوار رہتی ہے یہی کیفیت ثمینہ کی تھی وہ کبھی بیٹھ جاتیں، کبھی چہل قدمی کرنے لگتیں۔ کھڑکی کے باہر لان کی روش دکھائی دے رہی تھی جو تیز بارش میں تو اُتر سے بھیگ رہی تھی گو کہ طوفان کی شدت میں کمی آگئی تھی لیکن کبھی کبھی بجلی بڑے زور سے کڑکتی اور بادل پوری قوت سے گرجتے تھے۔

انہیں خبر نہ ہوئی کب کچن سے نکل کر ماوی لاؤنج میں آگئی۔

وہ کافی کے ساتھ پاپ کارن اور کوکیز بیک کر کے لائی تھی۔

"اتنی تیاری تو میں تب کرتی ہوں جب کوئی اچھی سی مووی دیکھنا ہو...... مجھے یقین ہے آپ آج مجھے کوئی بہت اچھی سی اسٹوری سنائیں گی۔" ماوی نے ہنس کر کہا تھا ثمینہ نے سر اُٹھا کر اسے دیکھا اسی پل بجلی زور سے کڑکی تھی۔ ماوی کا چہرہ اس روشنی میں منور ہوا تھا۔

"ہاں ماوی! میں تمہیں اچھی سی اسٹوری ہی سناؤں گی لیکن اس سے بھی پہلے مجھے تمہیں ایک اور بات بتانا ہے۔ جسے سن کر تم ضرور شاکڈ ہو جاؤ گی۔" ثمینہ نے تمہید باندھی۔

"ایسی کیا بات ہے ممی!" ماوی نے کچھ حیران ہوتے ہوئے پوچھا۔

"تمہیں پتا ہے، تمہارے بابا جان کا انتقال کیسے ہوا تھا؟" ثمینہ نے پوچھا۔

"ہارٹ اٹیک سے۔"

"کیونکہ تمہیں حقیقت کا علم نہیں ہے۔ تمہارے بابا کو ہارٹ اٹیک نہیں ہوا تھا بلکہ انہیں قتل کیا گیا تھا۔" ثمینہ کی آواز اس قدر دھیمی تھی کہ ماوی کی سماعت تک بمشکل پہنچی۔ لیکن اس دھیمی آواز نے بھی ماوی کے سر پر گویا آسمان گرا دیا تھا۔

"آ...... آپ کیا کہہ رہی ہیں ممی!" الفاظ اس کے لبوں سے بمشکل ادا ہوئے تھے۔

"اور آپ نے مجھے پہلے کبھی کیوں نہیں بتایا؟ کس نے قتل کیا تھا بابا جان کو اور آپ نے اتنا عرصہ یہ بات مجھ سے چھپا کر کیوں رکھی تھی۔" ماوی نے تابڑ توڑ سوال کر ڈالے۔

"پہلے اس لیے نہیں بتایا کہ بتانے کا صحیح وقت نہیں آیا تھا لیکن آج میں تم کو سب کچھ بتاؤں گی۔ تمہارے ہر اُس سوال کا جواب تمہیں ملے گا جو تمہارے دل میں سر اُٹھاتا ہو۔" ثمینہ نے کافی کے مگ پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔

"پھر بتائیں، کس نے میرے بابا جان پر ظلم کیا تھا۔" ماوی نے بے قراری سے کہا۔

"جنت بی بی نے۔" ثمینہ نے زہر بھرے لہجے میں کہا۔

"تمہارے بابا پر ہوئے ہر ظلم کی ذمہ دار وہی عورت تھی حتیٰ کہ انہیں قتل بھی اسی نے کیا تھا۔"

کافی کی سطح سے اُٹھتی ہوئی بھاپ ان دونوں ماں بیٹی کے درمیان پردے کی طرح تن گئی تھی۔ ماوی کو ثمینہ کا چہرہ دھندلا دکھائی دینے لگا تھا۔



جنت نے اپنی چٹیا کے بل کھولتے ہوئے گردن موڑ کر دیکھا۔ دلاور حسین پلنگ پر اوندھے منہ لیٹا گہری نیند سو رہا تھا اور سوتے ہوئے بھی وہ پیارا لگ رہا تھا۔ جنت نے دل ہی دل میں بے اختیار اعتراف کیا کہ اس کے باپ نے بلاشبہ ایک بہترین شخص کو اس کے لیے منتخب کیا تھا۔ یہ خیال آتے ہی جنت کے لبوں پر شرمیلی سی مسکراہٹ بکھر گئی اور وہ رخ بدل کر اپنے کھلے ہوئے لانبے بالوں کو کنگھی کی مدد سے سلجھانے لگی۔

شادی کے دن قریب آنے کے ساتھ ساتھ اس کی اپنے باپ کے ساتھ ناراضی میں اضافہ ہوتا گیا تھا کہ وہ اس کی شادی زبردستی اس سے دگنی عمر کے آدمی سے کر رہا تھا، لیکن یہ ایسی کوئی قابل اعتراض بات نہ تھی۔ اس دور میں ایسی شادیوں کو معیوب بھی نہیں سمجھا جاتا تھا۔ قابل اعتراض بات یہ تھی کہ اسے فاروق پسند تھا اور اس کے باپ کو اس بات کی رتی بھر بھی پروا نہیں تھی اور اپنی منہ پھٹ، منہ زور، سرچڑھی فطرت کے باوجود جنت میں اتنی ہمت نہ تھی کہ باپ کے سامنے احتجاج کر سکے۔

بہر حال دلاور حسین سے پہلی باضابطہ ملاقات کے بعد ہی اسے اپنے شوہر سے بے پناہ محبت ہو گئی تھی اور فاروق کا خیال ساون کے اس بادل کی طرح اس کے ذہن سے نکل گیا تھا، جو بن برسے گزر جاتا ہے۔

دلاور حسین بے شک اس سے دگنی عمر کا تھا، لیکن اس نے جنت کا دامن محبت سے بھر دیا تھا۔ وہ دن رات جنت کو سراہتا تھا، اس کے حسن کی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملاتا تھا، اسے دیوی، پری، حور اور پتا نہیں کیا، کیا کہتا اور جنت کی رفاقت ملنے پر خود کو دنیا کا خوش قسمت ترین انسان قرار دیتا تھا۔ سب سے بڑی بات یہ کہ وہ فاروق کی طرح اسے دھتکارتا نہیں تھا، شاید یہ ہی وجہ تھی کہ جنت کو دلاور حسین سے محبت بھی جلدی ہو گئی تھی۔

دین محمد کی بے جا محبت نے جنت کو جتنا بگاڑنا تھا سو بگاڑ لیا، اور جنت بھی اب قریب قریب اس عمر میں پہنچ چکی تھی جہاں انسان اپنے مزاج اور رویوں پر غور کرنا شروع کر دیتا ہے، لیکن جنت نے ایسی کوئی زحمت گوارا نہ کی۔ دلاور حسین کی ستائش نے اس کی خود پسندی میں اور بھی اضافہ شروع کر دیا تھا۔ یہاں تک کہ جنت خود کو عام انسانوں سے ہی بالاتر سمجھنے لگی۔ وہ اپنے باپ کو بہلاتی آئی تھی، باپ کی اندھی محبت نے اسے بہت ساری چالاکیاں اور ہوشیاریاں سکھا دی تھیں جو لڑکی اپنے باپ سے جھوٹ سچ کہہ کر سوتیلی ماں کو جوتے پڑوا سکتی تھی اس کے لیے کیا مشکل تھا کہ شوہر کو قابو میں رکھنے کے حربے نہ اختیار کر پائی۔

جس طرح کھانے میں شکر حد سے زیادہ بڑھ جائے تو کڑواہٹ محسوس ہونے لگتی ہے تو یہی معاملہ جنت کے ساتھ تھا، اسے محبت اتنی زیادہ ملی تھی کہ محبت کی مٹھاس نے کڑواہٹ کی صورت اختیار کر لی تھی۔

☆☆☆

"مجھے پتا تھا کچھ نہ کچھ ایسا ضرور ہو رہا ہے جو ہمارے لیے پریشان کن ہے۔ یوں ہی تو میرا دل نہیں گھبرا رہا تھا۔" اینیا فون بند کر کے ولید کی طرف پلٹی، اس کے انداز میں سراسیمگی نمایاں تھی۔

"کیا ہوا ہے انو!" ولید نے فکرمندی سے پوچھا۔

"ممی ہاسپٹلائزڈ ہیں پچھلے تین روز سے...... مجھے ابھی روشی نے بتایا ہے۔" اینیا نے اپنی گھبراہٹ پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"کیا؟" ولید نے کہا۔ "ممی تین روز سے ہاسپٹلائزڈ ہیں اور کسی نے ہمیں خبر بھی نہیں دی۔"

"روشی کہہ رہی تھی کہ وہ سب ممی کی بیماری سے بہت پریشان ہو گئے تھے۔ اسی پریشانی میں انہیں کسی کو اطلاع دینے کا خیال ہی نہیں آیا۔" روشی ان لوگوں کی ماموں زاد تھی۔

"ممی کو ہوا کیا ہے۔ روشی نے کچھ بتایا؟" ولید نے پوچھا۔

"صرف یہی کہ ممی اچانک بے ہوش ہو گئی تھیں، جب انہیں اسپتال لے کر گئے تو ڈاکٹرز نے ایڈمٹ کر لیا، فی الحال ان کے بلڈ ٹیسٹ کے لیے جا رہے ہیں، کوئی کلیئر رپورٹ نہیں ملی۔" اینیا نے روہانسی ہو کر کہا۔

"ٹھیک ہے، چلو سامان پیک کرتے ہیں۔" ولید نے حتمی انداز میں کہا، اینیا نے استفہامیہ انداز میں اس کی طرف دیکھا تو جلدی سے بولا۔

"ہم اسلام آباد جا رہے ہیں، میں جب تک ممی کو اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ لوں گا میری تسلی نہیں ہوگی۔"

"لیکن ولید! ڈیڈی؟" وہ تذبذب کا شکار ہو کر بولی۔ ولید نے ایک لمحہ کے لیے رک کر سوچا۔

"انہیں فون پر انفارم کر دو، لیکن اس سے بھی پہلے اپنی اور ولی کی تیاری مکمل کر لو، میں سیٹس کنفرم کروا لیتا ہوں۔" وہ سرعت سے لینڈ لائن کی طرف بڑھا۔

"اور اگر ڈیڈی نے جانے سے منع کر دیا تو......" اینیا کا خدشہ زبان پر آیا۔

"وہ منع نہیں کریں گے اور اگر ایسا ہوا تو بھی میں نہیں رکوں گا، ممی کے ساتھ ڈفرنسز ان کے ہیں میرے یا تمہارے نہیں کہ ہم اپنی ماں کی بیماری میں ان کے پاس نہ جا سکیں۔" ولید کا لہجہ دوٹوک تھا۔

"اب یہاں کھڑی رہ کر سوچو مت، ہمارے پاس پہلے ہی وقت کم ہے۔" اینیا ایک دم ہوش میں آ کر اپنے کمرے کی طرف دوڑی تھی۔

☆☆☆

دلاور حسین سے بے تحاشا محبت کے باوجود کچھ اعتراضات تھے، جو جنت کو بری طرح کھٹکتے تھے۔ سب سے پہلا اعتراض جنت کو دلاور حسین کی فرماں برداری پر تھا جس کا مظاہرہ وہ وقتاً فوقتاً اپنے باپ کے سامنے کرتا تھا۔ جنت کو دلاور حسین کا ہر بات پر اپنے باپ کے سامنے سر جھکانا بُرا لگتا تھا۔ باپ کی کہی ہوئی ہر بات دلاور حسین کے لیے پتھر پر لکیر کی سی حیثیت رکھتی تھی۔

جنت نے سب سے پہلے بے حد سمجھداری کے ساتھ سسر کا اثر و رسوخ گھر میں ختم کروانا شروع کر دیا۔ جہاں جتنا ضروری سمجھتی سسر کو اہمیت دیتی ورنہ دودھ میں سے مکھی کی طرح نکال پھینکتی۔ غیر محسوس انداز میں وہ دلاور کے کان اس کے باپ کے خلاف بھرتی رہتی اور اسے باپ کے فیصلے ماننے سے انکار کرنے پر اکساتی۔ نندیں اور دیور اس کے پہلے ہی شادی شدہ تھے اور اپنی الگ الگ گھر گرہستیاں سنبھال رہے تھے۔ پہلے دن سے ہی جنت نے انہیں زیادہ اہمیت دینا ضروری نہ سمجھا تھا۔ سب سے ہنس کر بات کرتی تھی اور ان کے منہ پر بڑی میٹھی بنی رہتی تھی، لیکن منظر سے ہٹتے ہی وہ بہت چالاکی سے کوئی ایسی چال چل دیتی کہ مڑ کر کوئی اس کے گھر آنے کی جرأت نہ کرتا۔

دوسرا بڑا اعتراض جنت کو دلاور کی مرحومہ بیوی کی اولاد سے تھا۔ اس معاملے میں اس کے سسرال کی طرف سے غلط بیانی سے کام لیا گیا تھا۔ دلاور کے پہلی بیوی سے ایک نہیں دو بچے تھے۔ بڑا بیٹا رجب تقریباً چھ سال کا تھا، جبکہ چھوٹی بیٹی...... دو سال کی تھی۔ اسی بچی کی پیدائش کے وقت کچھ پیچیدگیاں ہو جانے کی وجہ سے دلاور حسین کی پہلی بیوی جانبر نہ ہو سکی تھی اور بچی کی پیدائش کے اگلے روز فوت ہو گئی تھی۔

دونوں بچے جنت کو زہر لگتے تھے۔ بچی اس لیے کیونکہ وہ ہر وقت روتی رہتی تھی اور رجب، دلاور حسین کا بے حد لاڈلا ہونے کی بنا پر جنت کو برا لگتا تھا۔ وہ اسے حتی المقدور ڈرانے دھمکانے کی کوشش کرتی، لیکن رجب کچھ زیادہ ہی سرچڑھا بچہ تھا۔ وہ جنت کا منہ چڑاتا اس کی چٹیا کھینچ کر بھاگ جاتا۔ جنت دلاور سے اس کی شکایت کرتی تو وہ ہنس کر ٹال دیتا اور رجب کو سرزنش کرنے کے بجائے جنت کو سمجھانے لگتا۔

"بچہ ہے ابھی...... تو پیار سے سمجھائے گی تو سمجھ جائے گا، آخر کو ماں ہے تو رجب کی۔"

اور اس بات پر جنت دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا کر رہ جاتی۔ اسے کسی پرائی عورت کے بچوں کی ماں بننے کا شوق نہیں تھا۔ (کبھی اس نے خود سے یہ سوال نہیں کیا کہ جب وہ کسی پرائی عورت کے مرد کی بیوی بن سکتی ہے تو اس پرائی عورت کے بچوں کی ماں بننے میں کیسی اکتاہٹ؟) کبھی کبھی اسے خیال آتا کہ شاید وہ بھی بشریٰ کے لیے ایسا ہی بچہ ثابت ہوئی ہو گی جیسا رجب اس کے لیے ثابت ہو رہا تھا۔ حالانکہ رجب اس کے مقابلے میں بہت معصوم تھا۔ اس کی شرارتیں، بہت بے ضرر قسم کی ہوتی تھیں۔ بلکہ اگر غیر جانب داری سے موازنہ کیا جاتا تو رجب کی شرارتیں جنت کی عیاریوں کا عشر عشیر بھی نہیں تھیں، لیکن چونکہ جنت کے پاس غیر جانب دار نظر نہیں تھی، اس لیے رجب کی شرارتیں اسے رجب سے نفرت کرنے پر مجبور کرتی تھیں۔

چند مہینے اپنے تئیں تحمل سے گزارنے کے بعد بالآخر جنت کے منصوبہ ساز ذہن نے ایک جال تیار کر لیا تھا۔ جس میں جکڑ کر وہ نہ صرف دلاور کو اپنے قابو میں کر سکتی تھی، بلکہ اس سے ہر طرح کا فیصلہ بھی کروا سکتی تھی۔

☆☆☆

گلابی ہتھیلی جابجا جھلسی ہوئی تھی۔

دلاور حسین کے کم عمر، خوب صورت بیوی کے نئے نئے عشق میں مبتلا دل پر گھونسا سا لگا۔

"یہ...... یہ کیا ہوا ہے؟" فکرمندی سے بے حال ہوتے اس نے پوچھا۔

"رجب شرارت کر رہا تھا، میں نے منع کیا تو اس نے مجھے زور سے دھکا دے دیا، گرتے ہوئے میرا ہاتھ چولہے میں جلتی لکڑی سے ٹکرا گیا، میں جلدی سے ہاتھ پر پانی ڈالنے لگی، تاکہ جلن کچھ کم ہو تو رجب نے لکڑی اُٹھا کر زبردستی میرے ہاتھ پر رکھ دی، ابا جی سامنے بیٹھے سب دیکھتے رہے۔انہوں نے رجب کو ایک بار بھی نہیں روکا۔"

جنت نے عیاری سے سسکتے ہوئے اسے بتایا۔دلاور حسین نے آؤ دیکھا، نہ تاؤ رجب کو پکڑ کر اتنا مارا کہ روتے روتے اس معصوم کی ہچکیاں بندھ گئیں۔رجب باپ کے ہاتھوں پہلی بار مار کھا رہا تھا، اس بے چارے کو تو اپنی غلطی کا علم بھی نہیں تھا کہ سزا کا ادراک ہوتا۔باپ سے پٹتے ہوئے وہ اپنے ننھے ننھے ہاتھ جوڑ کر معافی مانگتا رہا، لیکن دلاور حسین بیوی کی محبت میں اندھا اور غصے کے ہاتھوں پاگل ہو چکا تھا، اسے رجب پر رتی بھر بھی ترس نہیں آیا۔یہاں تک کہ بچہ پٹنے کے بعد صحن کے ایک کونے میں خوف اور تکلیف سے ہچکیاں بھرتا سو گیا۔

حسین احمد کی واپسی اس روز رات گئے ہوئی تھی۔رجب کی حالت دیکھ کر اس نے دلاور کی خبر لینے کا ارادہ کیا، لیکن اس سے پہلے دلاور نے باپ کی ایسی خبر لی کہ حسین احمد کی طبیعت صاف ہو گئی، اور وہ اسی وقت اپنا سامان باندھنے لگا۔

"میں اب اپنے چھوٹے بیٹے کے پاس رہوں گا۔" اس نے اعلان کر دیا۔

"ٹھہر و ابا! خواہ مخواہ ذرا سی بات پہ دنیا کو تماشا دکھانے کی ضرورت نہیں۔" دلاور نے کڑے لہجے میں کہا۔

"اور جو تو نے کیا، وہ تماشا نہیں تھا؟ باپ کو ذلیل کیا اپنی عورت کے کہنے پر...... بیٹے کو مار مار کے اَدھ مُوا کر دیا۔"

"کوئی غلطی کرے تو اسے سمجھانا نہیں چاہیے کیا؟" دلاور نے جل کر کہا۔

"وہ غلطی تو کر رہا ہے دلاور حسین! اپنی بیوی کی ہر بات مان کر، دنیا کو تماشا بھی تو ہی دکھائے گا، اسی عورت کی بات مان کر۔ مجھے افسوس ہے تیرے لیے اس لڑکی کا انتخاب میری زندگی کی سب سے بڑی حماقت تھی...... یہ منحوس۔"

"جنت کو منحوس نہ کہو ابا! تم نہیں جانتے یہ کتنی بخت آور ہے، اسی کے نصیبوں سے مجھے ترقی مل رہی ہے۔"

"ہونہہ...... بخت آور...... اس عورت نے سوچنے سمجھنے جتنی عقل چھوڑ دی تیرے اندر تو تو سب سمجھ جائے گا، ایسی عورت نسل بگاڑ سکتی ہے، ترقی نہیں دلا سکتی۔"

پتا نہیں حسین احمد نے بددعا دی تھی یا پیشین گوئی کی تھی۔دلاور حسین نے پروا کی نہ جنت نے۔بس ہوا کچھ یوں کہ حسین احمد رجب اور اس کی بہن کو جنت کے رحم و کرم پر چھوڑ کر اپنے چھوٹے بیٹے کے یہاں جا بیٹھا۔جہاں اس کی عزت و قدر اس گھر سے تو کہیں زیادہ تھی۔

☆☆☆

یہ زندگی کا نیا دور تھا، ہر چیز منفرد اور بدلی بدلی سی محسوس ہوتی۔ دلاور حسین کی محبت اسے جن جذبوں سے روشناس کروا رہی تھی۔ اس کا کوئی نعم البدل ہو ہی نہیں سکتا تھا، لیکن اس محبت نے بھی اس کی شخصیت میں کوئی سدھار پیدا نہ کیا، اُلٹا اس کے اندر کی حاکمیت پسند، ضدی، خودسر اور خود اپنے عشق میں مبتلا عورت زور پکڑتی چلی گئی۔

شاید غلطی اس کی بھی نہیں تھی، دراصل غلط وہ تربیت تھی جو اسے باپ کے گھر ملتی رہی۔ جس عمارت کی بنیاد ہی صحیح نہ رکھی جائے اس عمارت کے سیدھے کھڑے رہنے کے امکانات ہمیشہ کم ہوتے ہیں، لیکن انسان اور پتھر، گارے، اینٹ سے بنی عمارت میں فرق ہوتا ہے۔ عمارت کے پاس سوچنے سمجھنے، اپنا احتساب کرنے کی صلاحیت نہیں ہوتی۔ انسان کے پاس ہوتی ہے، یوں ہی تو اللہ نے انسان کو اشرف المخلوقات نہیں بنا دیا۔

بہر حال جنت نے دل ہی دل میں خود کو کوئی بہت ہی اعلاوارفع مقام دے رکھا تھا۔ دوسرے انسان اسے حقیر کیڑے کوڑے نظر آتے، گو کہ دلاور سے اسے محبت تھی، لیکن کبھی کبھار وہ بھی اسے ایسا شخص لگتا جو اس کی پرستش کرنے کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ اس کی عقل بھی چھوٹی چھوٹی ڈوریوں سے بندھی جنت کی انگلیوں میں قید تھی، وہ جس طرف اور جس طرح چاہتی، اسے موڑ دیتی۔

حسین احمد کے قطع تعلقی اختیار کرتے ہی اسے بچوں کے معاملے میں گویا کھلی چھوٹ مل گئی تھی۔ وہ معمولی معمولی باتوں پر انہیں مارتی پیٹتی، سزا کے طور پر اندھیرے کمرے میں بند کر دیتی اور کبھی کبھار کھانا بھی روک دیتی۔ پھر ان ہی دنوں اسے پہلی خوش خبری نصیب ہوئی۔ وہ خوش خبری جو عورت کو مکمل ہونے کا احساس دلاتی ہے اور کڑے سے کڑے مزاج والی عورت کے دل میں بھی گداز پیدا ہو جاتا ہے۔ لیکن جنت کے ساتھ ایسا کچھ بھی نہ ہوا۔ رجب اور اس کی بہن کے لیے دل میں مزید کدورت آ گئی۔ اسے لگتا یہ دونوں منحوس، مسکین صورتوں والے، اس کے بچے کا حق چھین لیں گے۔ تب ہی اس نے دونوں بچوں پر سختیاں اور بڑھا دیں۔

وقت گزرتا رہا اپنے مخصوص بہاؤ اور رفتار کے ساتھ، لیکن اس دوران بہت سے چھوٹے بڑے واقعات رونما ہوتے رہے، جو بظاہر معمولی تھے، لیکن زندگی کے کینوس پر انہوں نے اپنا پختہ رنگ چھوڑا۔

دلاور حسین کو ایک کے بعد ایک ترقی ملتی رہی، ہر ترقی کے ساتھ اس کی زندگی میں پیسے کا بھی اضافہ ہوا۔ دلاور حسین اسے جنت کی بخت آوری اور اس کی قسمت کا رزق قرار دیتا۔

پہلے سال جنت نے دو جڑواں بیٹوں کو جنم دیا۔ گود میں اولاد خصوصاً بیٹوں کے آتے ہی جنت کی حیثیت دلاور کی زندگی میں اور بھی مضبوط ہو گئی، جبکہ رجب اور اس کی بہن چند قدم اور پیچھے دھکیل دیے گئے۔ سن پینسٹھ کی جنگ میں جب دلاور حسین کو محاذ پر جانا پڑا تو اس نے جنت کو بچوں کا خیال رکھنے کی تاکید کی۔ جنت نے اس کی بات کا مان رکھا اور بچوں کا بے حد خیال رکھا، لیکن یہ بچے وہ تھے جنہوں نے اس کے بطن سے جنم لیا تھا۔ رجب سے تو خیر اسے چڑ تھی سو تھی، بچی جو کم عمر اور جسمانی لحاظ سے خاصی کمزور تھی، اس کی بھی جنت نے کچھ خاص پروا نہ کی۔ نتیجتاً بچی تپ دق میں مبتلا ہو کر اور بروقت مناسب علاج معالجہ نہ ہونے کی وجہ سے مر گئی۔

اس واقعے کے بعد رجب کے دل میں جنت سے نفرت میں کچھ اور اضافہ ہوا اس نے جنت کا ایک ایک ظلم دیکھا تھا، اپنی ذات پر سہا تھا، یہ کیسے

ممکن تھا کہ وہ اس سے نفرت محسوس نہ کرتا۔ ساتھ ہی ساتھ رجب کے خوف میں بھی اضافہ ہوا تھا، جنت اسے چھل پیری لگتی تھی جس کے بارے میں اس کے دوست نے بتایا تھا کہ سالہا سال سے گاؤں کے قبرستان میں ڈیرہ ڈالے بیٹھی ہے اور موقع ملتے ہی لوگوں کے گھروں میں گھس کر ان کے بچے کھا جاتی ہے۔

رجب کو لگتا تھا، اس چھل پیری نے قبرستان چھوڑ کر اس کے گھر کو اپنا مسکن بنا لیا ہے۔ پہلے اس کے باپ کو چھین لیا، پھر اس کی بہن کو کھا گئی، اب وہ وقت دور نہیں جب وہ اسے بھی کھا جائے گی۔

بے چارے کو خوف سے رات رات بھر نیند بھی نہیں آتی تھی، برآمدے کی کونے والی چارپائی پر دبکا بیٹھا رہتا، لیکن کون تھا جو اس خوف کی قید سے آزاد کرا کے اسے اپنے بازوؤں میں چھپا لیتا۔ ماں کو اللہ نے لے لیا اور باپ کو سوتیلی ماں نے۔

رجب کی زندگی غموں اور خوف سے...... بھری ہوئی تھی۔

☆☆☆

جنت سے دلاور حسین کی شادی کو آٹھ سال کا عرصہ گزر چکا تھا اور ان کے جڑواں بچے سات سال کے تھے، جب ایک شام اپنے بڑے بیٹے کو صحن میں کھیلتا دیکھ کر دلاور حسین کے خدشات میں تشویش ناک حد تک اضافہ ہوا تھا، بچہ اُٹھنے کی کوشش میں بار بار گر رہا تھا اور یوں لگتا تھا جیسے اس کی ٹانگوں میں جان ہی نہ ہو۔

شام سے رات گئے تک وہ بے حد فکر مند رہا۔

''تو اس میں فکرمندی کی کیا بات ہے؟'' جنت نے اس کی بات سن کر لاپروائی سے کہا۔ ''بچے تو کھیل کود میں تھک کر گر ہی جاتے ہیں، اب اتنی سی بات کے لیے تم اپنی اور میری نیند برباد کرو گے۔''

لیکن دلاور حسین جانتا تھا بات اتنی سی سے کچھ زیادہ پریشان کن تھی، تب ہی اگلے روز وہ دونوں بچوں کو شہر کے بہترین ڈاکٹر کے پاس لے آیا۔ گو کہ جنت نے بے حد اعتراض کیا تھا، اس کا خیال تھا یہ شہری ڈاکٹر انگریزی دوائیاں کھلا کر معدہ خراب کر دیتے ہیں اور سب سے بڑی بات یہ کہ اس کے بچے تو بیمار بھی نہیں تھے۔

''اور کتنے بچے ہیں؟'' ڈاکٹر نے دونوں بچوں کے بہت سارے ٹیسٹ اور تفصیلی چیک اپ کرنے کے بعد دلاور حسین اور جنت سے پوچھا۔

''دو بیٹے اور ہیں اور سب سے چھوٹی بیٹی ہے۔'' دلاور نے جواب دیا۔

''ان میں سے بھی کوئی جڑواں ہے؟'' ڈاکٹر نے پھر پوچھا۔

''نہیں۔''

''بہتر ہوگا، آپ ان تینوں بچوں کا بھی چیک اپ کروالیں، اس طرح کی بیماریاں اگر ایک بچے میں ہوں تو امکان ہوتا ہے کہ خاندان کے باقی بچے بھی متاثر ہو سکتے ہیں، آپ کے تو پھر دو بچے ذہنی معذوری کا شکار ہیں۔''

ڈاکٹر نے جیسے دلاور کے سر پر دستی بم دے مارا تھا۔ اس کے خدشات درست ثابت ہو چکے تھے۔ اگلے روز اس نے اپنے باقی تینوں بچوں کا بھی معائنہ کروا لیا اور جو تفصیلات اسے ڈاکٹر نے بتائیں وہ ساری تفصیلات عام فہم انداز میں اس نے جنت کے گوش گزار کر دیں۔

"ہمارے دونوں بچوں کے دماغ عام بچوں کے مقابلے میں بہت چھوٹے ہیں۔ وہ نہ عام بچوں کی طرح بڑھ سکتے ہیں، نہ کھا پی سکتے ہیں، نہ کوئی اور کام کر سکتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ سات سال کی عمر میں بھی ان دونوں کا رویہ کسی ڈھائی یا تین سال کی عمر کے بچے جتنا ہے، میں نے تجھے بہت پہلے ہی کہا تھا، جنت ہمارے بچے عام بچوں جیسے نہیں لگتے۔ ان کا دیر سے چلنا......اور پھر چلتے ہوئے گر جانا، ہر وقت رال بہتے رہنا، اپنی بنیادی ضروریات کے لیے بھی کسی کو نہ پکارنا، گو کہ یہ معمولی باتیں ہیں، لیکن سات سال کی عمر میں یہ معمولی باتیں نہیں رہتیں۔ ڈاکٹر کہتا ہے یہ مرض اب ہماری نسلوں میں آگے تک چلے گا، ہمیں احتیاط کرنا ہوگی، اگر ان دونوں کے مرض کا پہلے پتا چل جاتا تو ہم باقی تینوں کو بھی بچا سکتے تھے۔"

وہ بستر پر لیٹا کمرے کی چھت پر نظریں نکائے شکستہ آواز میں رک رک کر بول رہا تھا۔ اس کی آواز اتنی دھیمی تھی کہ جنت نے کچھ باتیں سمجھیں، کچھ نہیں۔

"تو کیا باقی تینوں بھی؟" جنت بری طرح دہل گئی۔

"وہ مستقیم اور زرین بالکل ٹھیک ہیں، لیکن مصطفیٰ کا آئی کیو لیول کم ہے۔"

"وہ کیا ہوتا ہے؟"

"مطلب......تو یوں سمجھ...... بڑے والے دونوں کی طرح اس کا دماغ چھوٹا نہیں ہے، لیکن سمجھنے کی صلاحیت کم ہے۔" ولاور نے اسے بات عام ترین اور آسان طریقے سے سمجھائی۔

"تم فکر نہ کرو جی! یہ کوئی اتنی فکرمندی کی بات نہیں ہے، ہمارے گاؤں میں بابا فردوس ہوا کرتا تھا، اس کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت بھی کم تھی، لیکن اسے تو کسی ڈاکٹر نے یہ آئی کیو لیول ہونے کا نہیں کہا۔ اچھا خاصا خوش پھرتا ہے۔" جنت نے کہا۔

"وہ اس لیے پاگل عورت! کہ بابے فردوس کی شادی ہی نہیں ہوئی، نہ نسل آگے بڑھی، نہ پاگل پن، ہم نے اپنے بچے بیاہنے بھی ہیں، ان کی نسل بھی چلانی ہے۔" ولاور نے غصے سے کہا۔

"فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں ہے جی! تم دیکھنا ہمارے بچے بیاہے بھی جائیں گے اور نسل بھی کسی پاگل پن کے بغیر آگے بڑھے گی۔ یہ شہری ڈاکٹر تو خود پاگل ہوتے ہیں۔ میں نے بچوں کو کبھی برگد کے نیچے جانے سے نہیں روکا، کوئی ہوائی چیز چپک گئی ہوگی، کل ہی انہیں سید کامل شاہ کے مزار پر لے جاؤں گی، میٹھے چاولوں کی دیگ چڑھا کے اپنے بچوں کو پیر جی کا دم کروا لوں گی، دیکھنا دنوں میں بھلے چنگے ہو جائیں گے۔"

"پاگل پن کی باتیں نہ کر جنت! انہیں علاج کی ضرورت ہے۔"

"اب تو جو کریں گے، پیر صاحب ہی کریں گے۔"

جنت نے قطعیت سے کہا، ولاور حسین جانتا تھا۔ وہ اب ایک لفظ نہ سنے گی۔ شادی کے اتنے عرصے میں اتنا تو وہ جنت کو سمجھ ہی چکا تھا اور اب خاموشی سادھنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ جنت کی ضدی وہٹ دھرم فطرت سے واقف تھا۔

☆☆☆

"دم تو میں نے کر دیا ہے۔"

پیر صاحب نے اپنی نشست کے قریب رکھے صندوق میں سے کاغذ کی چند پڑیاں جن میں سفید رنگ کا سفوف بند تھا، نکالتے ہوئے جنت سے کہا۔

سید کامل شاہ کے مزار سے ملحق یہ ایک وسیع گول کمرا تھا۔ دروازے دو تھے اور چاروں طرف تھوڑے فاصلے کی نشست کے قریب دو، تین کھڑکیاں کھلی ہوئی تھیں، جن سے ماگھ کی تیز چمکیلی ٹھنڈی دھوپ چھن چھن کر اندر آ رہی تھی اور ملگجا سا اجالا کمرے میں پھیلا رہی تھی۔ اگربتی کی خوشبو اور دھواں آزادانہ وہاں پھیلا ہوا تھا۔ پیر صاحب کی گدی کے سامنے بچھی چٹائی پر جنت اور اس کے دونوں بچوں کے علاوہ کچھ اور عورتیں بھی بیٹھی تھیں اور اپنی باری کے انتظار میں تھیں۔

"یہ سفوف ہر روز دن میں دو بار چینی کے ساتھ ملا کر بچوں کو کھلانا ہے۔"

پیر صاحب نے پڑیاں جنت کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ جنت جو کمرے کا جائزہ لینے میں مشغول تھی چونک کر ان کی طرف متوجہ ہوئی اور ادب سے پڑیاں پکڑ لیں۔

"نماز اور قرآن کی پابندی کرو بی بی! اپنے شوہر سے کہو، وہ بھی باقاعدگی سے نماز پڑھا کرے۔ تمہارے بچوں پر کوئی آسیب نہیں ہے۔ یہ بیمار ہیں اگر ان کا علاج ممکن نہیں تو اپنے رب سے دعا کرو وہ بیماری ٹالنے پر قادر ہے۔"

پیر صاحب نے تسبیح کے دانے گراتے ہوئے اپنی بھاری بارعب آواز میں کہا۔

"لیکن پیر صاحب! مجھے لگتا ہے یہ آسیب ہی ہے، ویسے تو دونوں بھلے چنگے رہتے ہیں لیکن ہر دوسرے تیسرے مغرب کی نماز کے بعد انہیں غش آنے لگتے ہیں۔ ہاتھوں پیروں کی رگیں پھول کر نظر آنے لگتی ہیں گردن مڑنے لگتی ہے۔ حلق سے عجیب عجیب آوازیں آتی ہیں۔ تھوڑی دیر بعد حالت سنبھل بھی جائے تو کھانے کو نہیں مانگ سکتے۔ مجھے تو لگتا ہے کسی ظالم آسیب نے میرے بچوں پر قبضہ کیا ہوا ہے۔" جنت نے ممتا بھری فکرمندی سے کہا۔

"سن کاکی! اللہ نے جنات کو بے شک نوری مخلوق قرار دیا ہے لیکن نوری مخلوق بنا کر بھی انہیں کھلا نہیں چھوڑ دیا۔ ان کی بھی ایک دنیا ہے۔ اس دنیا کا بھی کوئی ضابطہ اخلاق ہے، کچھ ذمہ داریاں ہیں۔ جنات اتنے فارغ نہیں ہوتے کہ ہمارے تمہارے بچوں کی تاک لگائے بیٹھے رہیں، ہاں ٹھیک ہے کچھ شریر قسم کے جنات بھی ہوتے ہیں لیکن خود پر آئی ہر مصیبت یا بیماری کے لیے جنات کو مجرم قرار دے دینا انصاف کی بات نہیں ہے۔ یہ بھی تو ہو سکتا ہے تمہارے بچوں پر آئی مصیبت، تمہارے کسی گناہ کی سزا ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تمہارے بچوں کو بیماری دے کر اللہ تمہیں آزمانا چاہ رہا ہو۔"

پیر صاحب کی آواز جنت کے اعصاب پر ہتھوڑے کی طرح برسی تھی۔

"گناہ؟" اس نے زیر لب کہا۔

"کوئی کتنا بھی گناہ گار کیوں نہ ہو، اللہ اس کے لیے دعا کا راستہ کبھی بند نہیں کرتا، وہ اپنے بندے کو نوازنے سے نہیں رکتا۔ جو اللہ اپنے بجائے کسی دوسرے کو خدا بنا کر پوجنے والے پر بھی اپنی رحمتیں بند نہیں کرتا، وہ اپنے نام لیوا کے لیے دعا اور توبہ کا راستہ کیسے بند کر سکتا ہے۔ اسی لیے

اپنی چھوٹی بڑی غلطیوں پر اپنے رب سے توبہ کرتے رہو، دعا کا ہاتھ نہ چھوڑو۔"

پیر صاحب اب وہاں بیٹھی تمام عورتوں سے مخاطب تھے۔

"لیکن پیر صاحب!" جنت کے عقب میں بیٹھی ایک عورت نے دھیمی آواز میں کہا۔ "اس بات کا فیصلہ کس طرح کیا جا سکتا ہے کہ جو ہم پر نازل ہوا ہے، وہ خدا کا قہر ہے یا اس کی آزمائش؟ اللہ تو ہمیں نہیں بتاتا کہ یہ آزمائش ہے یہ سزا، نہ وہ عام انسانوں کے لیے فرشتے زمین پر اُتارتا ہے جو انسان کو بتا دیں پھر ہم کس طرح فیصلہ کر سکتے ہیں۔ میری مثال آپ کے سامنے ہے، پچھلے چار سالوں سے میں عذاب میں مبتلا ہوں۔ میرے اردگرد اتنا سناٹا ہے کہ بعض اوقات مجھے اپنی آواز بھی سنائی نہیں دیتی۔ میں اللہ سے دعا مانگتی ہوں کہ وہ میری آزمائش کو ٹال دے پھر خیال آتا ہے کہ یہ ذہنی عذاب کسی گناہ کی سزا بھی تو ہو سکتا ہے، تب میں اللہ سے توبہ کرنے لگتی ہوں، لیکن ہر بار میں اُلجھ جاتی ہوں، آزمائش ٹلنے کی دعا اور کسی گناہ پر توبہ مانگنے کے درمیان پھنس جاتی ہوں...... پورے خشوع و خضوع سے دعا مانگ سکتی ہوں نہ پورے دل سے توبہ کر پاتی ہوں۔ مجھے بتائیں پیر صاحب! میں کیا کروں؟ میں تو عجب کشمکش میں پھنس گئی ہوں، آپ کو سب علم ہے، پیر صاحب! مجھ پر بیتی ہر کیفیت کا علم ہے...... اللہ کے واسطے میری مدد کریں، مجھے اس کشمکش سے نکال دیں۔"

وہ عورت اب سسکنے لگی تھی، کمرے میں سناٹا چھا گیا صرف اگربتی کے دھوئیں کے ساتھ اس عورت کی سسکیاں گونج رہی تھیں۔

"دیکھو بیٹی!" پیر صاحب نے نرم آواز میں کہا۔

"کبھی کسی انسان سے مت پوچھو کہ وہ تمہیں تم پر بیت رہی کیفیت کا اصل نام بتا دے، تم نے مجھے اپنے ہر عمل کی داستان سنا دی بقول تمہارے تم نے ایک بھی لفظ مجھ سے نہیں چھپایا، لیکن جو کچھ تم نے مجھے بتایا، اس میں تمہاری غلطی کا کوئی پہلو نہیں نکلتا۔ انسان فرشتہ نہیں ہے لیکن جب وہ اپنی زبان سے اپنی کہانی بیان کر رہا ہوتا ہے تو غیر ارادی طور پر...... جانے انجانے خود کو غلطیوں اور کوتاہیوں سے بالاتر قرار دے دیتا ہے...... ممکن ہے تم نے بھی جو کچھ مجھے بتایا، اس میں سے اپنی غلطیاں میرے سامنے شرمندگی کے ڈر سے حذف کر دی ہوں۔ اب میں تو تمہاری کیفیت کو تمہاری کہانی کے تناظر میں ہی پرکھوں گا اور اس کیفیت کا نام بتا دوں گا کہ یہ سزا ہے یا آزمائش لیکن تمہاری ساری غلطیوں کے صرف دو گواہ ہیں۔ ایک اللہ، دوسرا تمہارا دل۔ اس لیے کسی انسان سے یہ پوچھنے کے بجائے کہ جو تم پر بیت رہی ہے یہ سزا ہے یا آزمائش، اپنے دل سے رجوع کرو، یہ فیصلہ اسے کرنے دو، تمہاری ہر مشکل آسان ہو جائے گی۔"

"میں نے بہت غور کیا ہے پیر صاحب! مجھے نہیں لگتا، میں نے کوئی گناہ کیا ہے۔" اسی عورت نے کہا۔

"لیکن یہ تو ہو سکتا ہے کہ تم نے کبھی کسی کا دل دکھایا ہو، اسے جانے انجانے اتنی تکلیف پہنچا دی ہو کہ اس انسان کا دکھا ہوا دل بے اختیار تمہیں بد دعا دے ڈالے...... میری ایک بات یاد رکھنا۔ کسی کی دل آزاری یا دل دکھانا حقوق العباد میں عظیم گناہ ہے۔ دکھی دل سے نکلی ہوئی بد دعا پھر ساری زندگی دل دکھانے والے شخص کے جسم سے لپٹی رہتی ہے اور تب تک انسان کا پیچھا نہیں چھوڑتی جب تک بندہ اسے معاف نہ کرے، اسی لیے میں تجھے سمجھا رہا ہوں، اپنے رب سے کہہ تیرے دل کو فیصلہ کرنے کی صلاحیت عطا کرے، بد دعا کے نتیجے میں سزا مل رہی ہوگی تو اس کا فیصلہ بھی تیرا

دل کر دے گا آزمائش ہو گی تب بھی دل ہی بتا دے گا۔"

جنت چپکے سے وہاں سے نکل آئی، اسے ہمیشہ ایسی گفتگو بری لگتی تھی جس میں بے کار سی نصیحتوں کے سوا کچھ نہ ہو۔ پیر صاحب کو وہ بہت مانتی تھی، لیکن آج ان کی باتوں نے اسے اُلجھا سا دیا تھا۔

"گناہ؟ کیسا گناہ؟ میں نے کوئی گناہ نہیں کیا۔" اس نے دل ہی دل میں خود سے کہا ساتھ ہی اسے کئی سال پہلے اپنے باپ کی کہی ہوئی ایک بات یاد آئی۔

"میری بیٹی بچی ہے، وہ کبھی جھوٹ نہیں بولتی، ایسی بھولی بھالی صورت کی سچائی پر کوئی شک کرے تو اس کی عقل پر شک کرنا چاہیے، مجھے تو آسمان سے آکر اللہ کے فرشتے بھی کہیں کہ جنت نے جھوٹ بولا تھا تو میں یقین نہ کروں، اتنا بھروسا ہے مجھے اپنی بیٹی پر۔"

اس سے قبل کہ وہ اپنا احتساب کر پاتی، اسے باپ کا خود پر بھروسا یاد آ گیا، اسی بھروسے کے ذریعے اس نے کئی سال باپ کو بے وقوف بنائے رکھا تھا۔

"اوبی بی...... سنو۔" جنت نے مزار کے احاطے میں پہنچ کر اپنے عقب میں آواز سنی۔ پیر صاحب کا معتمد خاص دوڑا چلا آ رہا تھا۔

"تم یہ دوائیاں بھول آئی تھیں، یاد سے بچوں کو پلاتی رہنا، اللہ شفا دے گا اور پیر صاحب کہتے ہیں، اپنے گناہوں کی معافی مانگو۔"

جنت کی تیوری پر بل پڑ گئے، اس نے پڑیاں جھپٹ کر لیں۔

"میں کیوں گناہوں کی معافی مانگوں؟ کون سے گناہ ہیں میرے جن کی پکڑ ہو گی؟ وہ ڈاکٹر اور اب یہ پیر صاحب فارغ ہی ہیں۔ اللہ کی بھیجی ہوئی آزمائش کو خوامخواہ میرے گناہوں کی سزا بنانے پر تلے بیٹھے ہیں...... اونہہ...... بھئی، میرے بچے یوں ہی ٹھیک ہیں، بھاڑ میں جائے وہ انگریزی ڈاکٹر اور یہ دیسی حکیم۔"

اس نے نخوت سے سر جھٹک کر کہا تھا اور مطمئن ہو بیٹھی تھی۔

☆☆☆

شبیہ العباس کو عجیب سی بے چینی لاحق تھی۔

وہ بیڈ پر اوندھا لیٹا ہوا تھا اور کچھ غیر واضح کیفیت کا شکار تھا۔ اسی کیفیت سے چھٹکارا پانے کے لیے وہ تین گھنٹے سڑکوں پر خوار ہو کر آیا تھا، دو گھنٹے اس نے ٹی وی کے سامنے برباد کیے...... بہت بار پڑھنے کی کوشش کی، مگر بے سود، دل میں موجود بے چینی لحہ بہ لحہ دھوئیں کی طرح اس کے وجود سے لپٹتی جا رہی تھی۔

بہت بار اسے خیال آیا کہ اسے کسی دوست سے گپ شپ لگانا چاہیے، لیکن اس کا بھی کچھ فائدہ نہ ہوتا۔ دراصل وہ بہت سیلف سینٹرڈ انسان تھا۔ اس لفظ کے جتنے بھی اجزائے ترکیبی ہو سکتے ہیں، وہ اس میں بدرجہ اتم موجود تھے۔ قریبی دوستوں کی تعداد بہت کم تھی اور جو دوست تھے، ان کے ساتھ بھی اس کے لیے ممکن نہ تھا کہ طویل گفتگو کر پاتا شاید اسے ہمہ وقت یہ خدشہ لاحق رہتا تھا کہ کوئی اس کے اندر تک رسائی حاصل نہ کر

لے۔خودرو پودے کی طرح اس کے اندر اگ آئے ہوئے احساس کمتری کا سراغ نہ لگا لے۔ یہ ہی وجہ تھی کہ اس نے اپنے گرد بد مزاجی، غصے اور غرور کی دیواریں کھڑی کر لی تھیں اور خود کو سیلف سینٹرڈ کہلوانے میں فخر محسوس کرنے لگا تھا۔

پہلی بار ایسا ہو رہا تھا کہ اس کا حویلی جانے کا بھی ارادہ نہیں بن پا رہا تھا۔جلال ہوتا تو کچھ سہولت رہتی کہ جلال دنیا کا وہ واحد شخص تھا جس کے سامنے شبیہ نے کبھی اپنا آپ چھپانے کی کوشش نہیں کی، وہ اس کے سامنے اپنا ہر خدشہ کھول کر بیان کر سکتا تھا، وہ اس کے ہر احساس کمتری سے واقف تھا یا شاید یہ بھی شبیہ کی خام خیالی تھی، لاشعوری طور پر وہ جلال سے بھی بہت کچھ بیان نہیں کر پاتا تھا۔ہاں لیکن جلال اس کا اچھا غم گسار تھا، اتنی تمام تر بے وقوفیوں اور نالائقیوں کے باوجود وہ ایسا دوست ثابت ہوتا تھا جس کا کندھا بوقت ضرورت شبیہ کو میسر رہتا تھا۔

لیکن فی الوقت جلال نہیں تھا اور شبیہ دل کے کسی کونے میں بالکل غیر ارادی طور پر اس دن کے لیے پچھتا رہا تھا جس روز اس نے ثروت سے بہت غیر مناسب انداز میں بات کی تھی۔

ملازم انہیں اندر لے آیا تھا، اگر وہ شبیہ سے پوچھتا تو یقیناً وہ اسے ثروت کو ٹالنے کا کہتا اور انہیں دروازے سے ہی واپس بھجوا دیتا، لیکن ملازم انہیں اندر لے آیا تھا اور شبیہ کے سامنے وہ گم صم سی بیٹھی تھیں۔

''میں نے سوچا آج تم سے کچھ باتیں کرلوں۔'' انہوں نے گود میں رکھے ہاتھ مسلتے ہوئے کہا تھا۔وہ آف وائٹ اور براؤن کنٹراسٹ کی شلوار قمیص میں ملبوس تھیں، بالوں کو انہوں نے ہمیشہ کی طرح ایک خوب صورتی سے جوڑے میں باندھ رکھا تھا۔اور بلاشبہ وہ بہت سوبر دکھائی دے رہی تھیں۔

شبیہ نے دل ہی دل میں ان کی شخصیت کی خوب صورت اور کشش کا اعتراف کیا۔

''آپ نے خوامخواہ یہاں آنے کی زحمت کی، مجھے باتیں کرنے کا کوئی شوق نہیں ہے۔خصوصاً آپ سے تو بالکل نہیں۔'' اس نے لہجے میں حتی المقدور بدتمیزی سمو کر کہا۔ثروت کے چہرے پر سایہ سا لہرا گیا۔

''شبیہ! میں جانتی ہوں، تم مجھ سے بہت خفا ہو، لیکن بیٹے! میری کچھ مجبوریاں تھیں۔'' انہوں نے کہا۔

''ہوں گی ضرور ہوں گی، لیکن مجھے ان مجبوریوں کے قصے سننے میں بھی کوئی دلچسپی نہیں ہے۔'' اس نے سابقہ انداز میں کہا تھا۔

''کیونکہ جب میری قصے کہانیاں سننے کی عمر تھی تو آپ کی بے وفائی اور دھوکہ دہی کے قصے سن لیے تھے میں نے۔''

''یہ سب تمہارے باپ اور دادی کی پھیلائی ہوئی من گھڑت باتیں ہیں، میرے خلع لینے کے بعد انہوں نے میرے کردار کے متعلق ایسی ایسی ہرزہ سرائیاں کیں کہ میں دنگ رہ گئی تھی۔'' ثروت نے تڑپ کر کہا۔

''دادی کے متعلق تو آپ کچھ نہ کہیں، میں ایک لفظ بھی نہیں سنوں گا، باقی بات رہی ابو کی، تو انہوں نے آج تک مجھ سے آپ کے متعلق کچھ نہیں کہا۔ بلکہ انہوں نے کبھی کچھ نہیں کہا۔آپ کی بے وفائی کا غم منانے سے انہیں کبھی فرصت ہی نہیں ملی۔دادی نے مجھے پالا، ماں اور باپ دونوں کا پیار دیا، کیونکہ ماں تو مجھے باپ کے دروازے پر پھینک کر چلی گئی تھی۔ان دونوں نے اپنے اختلافات میں مجھے ایک ایسا پودا بنا دیا جس کی جڑیں کسی ایک زمین میں اُتر ہی نہیں سکیں۔آپ کہتی ہیں، میرے باپ اور دادی نے من گھڑت باتیں پھیلائیں۔میں ان ہی من گھڑت قصوں کی

چھاؤں میں پروان چڑھا ہوں، کیا آپ دونوں میں سے کوئی ایک بھی مجھے بتا سکتا ہے کہ میرا قصور کیا تھا۔"

وہ بات کرتے ہوئے جیسے پھٹ پڑا تھا۔

"آپ نے مجھے دیکھا ہے، میں کتنی ٹوٹی بکھری شخصیت کا مالک ہوں۔ لوگوں سے کتراتا ہوں کہ کہیں کسی کو میری زندگی کے اس سب سے بڑے راز کا سراغ نہ مل جائے جو میری ماں سے وابستہ ہے۔"

"شبیہ! میری بات سنو۔"

"سنوں گا ضرور سنوں گا، آپ بس ایک سوال کا جواب دے دیں، اگر آپ کو دانیال حسن سے ہی شادی کرنا تھی تو مجھے......"

ثروت پر جیسے بجلی سی گری، اس سے زیادہ شرم ناک بات اور کوئی نہ ہو سکتی کہ ان کا بیٹا ہی ان کے کردار کو ہدف بنا رہا تھا۔

"تم غلط سمجھ رہے ہو شبیہ! ایسی کوئی بات نہیں تھی۔"

"کیوں؟ کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ آپ نے دانیال حسن کے لیے ابو سے خلع لیا تھا۔"

"ہرگز نہیں۔"

"ہاہ...... میں جانتا تھا، آپ جھٹلائیں گی، سب سے بڑی حقیقت تو یہ ہے کہ آپ اسی آدمی کی بیوی ہیں۔ کانوں سنا جھوٹ ہو سکتا ہے۔ آنکھوں دیکھا نہیں۔"

اس نے تمسخر سے کہا۔

"بعض اوقات کانوں سنا اور آنکھوں دیکھا بھی سچ نہیں ہوتا، آنکھوں اور کانوں پر تعصب کی پٹی بندھی ہو تب تو ہرگز نہیں، تمہاری دادی اور باپ نے تمہیں کچھ حقائق ضرور بتائے ہوں گے، لیکن وہ حقائق پوری حقیقت پر مبنی نہیں۔ جب کبھی ماں کی طرف سے دل نرم پڑ جائے تو آ جانا۔ باقی کی حقیقت تمہیں میں بتا دوں گی۔ یہ تمہارے لیے ایک چھوٹا سا گفٹ خریدا تھا۔ تمہاری سالگرہ پر پتا نہیں دے سکوں یا نہیں، اسی لیے آج ہی لے آئی۔"

"اسے لے جائیں۔" "مجھے ضرورت نہیں، اپنی تمام سالگرہ آپ کے تحفے کے بغیر منائی ہیں میں نے، اگلی بھی منا لوں گا، آپ آئیں، مجھے خوشی ہوئی، اگلی بار نہ آیئے گا، مجھے زیادہ خوشی ہوگی۔

اس نے بدلحاظی و بے مروتی کی انتہا کر دی تھی، ثروت کی طرف دیکھے بنا بھی وہ جانتا تھا ان کا چہرہ آنسوؤں سے بھیگا ہوا ہے۔ ان کے جانے کے بعد...... شبیہ کو پشیمانی نے گھیر لیا تھا۔ اسی لیے وہ ان سے ملنے سے کتراتا تھا، کیونکہ جانتا تھا جب بھی بات نکلے گی، اس کی بچپن کی محرومیاں اس کو تلخ کلامی پر مجبور کر دیں گی۔

اس روز کے بعد اس نے ثروت کو نہیں دیکھا تھا۔ وہ پہلے لاشعوری اور پھر شعوری طور پر انہیں پارک میں آتے جاتے تلاش کرتا رہا تھا۔ لیکن اس کی تلاش ہر بار رائیگاں گئی تھی۔

ہر گزرتے دن کے ساتھ اس کے دل پر بوجھ بڑھ رہا تھا اور وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا، اس بوجھ کو کس طرح دور کرے، ہاں یہ ضرور تھا کہ وہ ثروت

کو شدت سے یاد کر رہا تھا اور ان کی خیریت کے لیے دعا گو بھی تھا، لیکن اس بات کا اعتراف خود اپنے آپ سے کرتے بھی اسے جھجک محسوس ہوتی تھی۔

تو وہ بیڈ پر اوندھا لیٹا تھا اور دل میں موجود بے چینی دھوئیں کی طرح لمحہ بہ لمحہ اس کے وجود سے لپٹ رہی تھی۔

☆☆☆

سالوں کے سکے وقت کے کشکول میں پے در پے گرتے رہے۔

اس دوران اکران کی دھن دولت، زمین جائیداد میں اضافہ ہوا تو دوسری طرف اپنی اولاد کا غم بھی جان سے چپکا رہا جو بسا اوقات بے حد پریشان کر دیا تھا۔ جنت اسے آزمائش سمجھ کر اس کے ٹلنے کی دعا کرتی، اس نے کبھی نہیں سوچا، یہ سزا بھی ہو سکتی ہے۔ انسان اپنا احتساب بھی تب ہی کرتا ہے جب اسے اپنے رویوں میں کوئی کمی دکھائی دے، جبکہ جنت خود کو غلطیوں، کوتاہیوں سے ماورا تصور کرتی تھی، اس نے اپنا آپ ایک اونچے سنگھاسن پر بٹھا رکھا تھا اور اپنی پرستش کرنے سے اسے عشق تھا۔

لیکن دلاور حسین کے ذہن میں اب کوئی ابہام نہیں رہ گیا تھا۔ اس کے پاس بہر حال اتنی سوجھ بوجھ تھی کہ سزا اور آزمائش میں سے فرق تلاش کر سکے۔ وہ خدا سے اپنے کردہ، ناکردہ گناہوں اور کوتاہیوں کی معافی مانگتا اسے رہ رہ کر اپنی مرحوم بیٹی یاد آتی تھی۔ خفا اور مرحوم باپ یاد آتا تھا۔

رجب کی طرف اس نے خصوصی توجہ دینا شروع کر دی تھی، کچھ اس لیے کہ وہ اس کا بڑا بیٹا تھا اور کچھ اس لیے بھی کہ وہ اپنی غلطیاں دہرانا نہیں چاہتا تھا، کئی بار اس نے جنت کو بھی سمجھانے کی کوشش کی، مگر ہر بار نتیجہ اس کی توقعات کے برعکس نکلتا۔ جنت غصے میں آکر رجب کے ساتھ اور برا رویہ اپنا لیتی یوں بھی وہ اپنے بچوں کے پاگل پن کو رجب کی نحوست قرار دیتی تھی، پھر اسے دلاور حسین کا رجب سے محبت کا رویہ بھی برا لگتا تھا۔

وہ دلاور پر خوب چیختی چلاتی، ناچار دلاور کو چپ سادھنا پڑتی۔ اسے اس بات کی بھی شرم ساری تھی کہ اس کی بے جا محبت نے جنت کو اس کی ذات پر اتنا حاوی کر دیا تھا کہ دلاور اس سے دبنے لگا تھا۔ ورنہ ہو تو یہ بھی سکتا تھا کہ وہ چار طمانچے لگا کر جنت کو اس کا رویہ درست کرنے کے لیے کہتا۔

دلاور کی پسپائی نے جنت کی خود سری اور حاکمیت پسندی کو مزید ابھار دیا تھا۔

وقت یوں ہی کٹتا رہا۔ سوتیلی ماں کسی کے لیے اتنا بڑا عذاب ثابت نہ ہوتی ہو گی جتنا رجب کے لیے ثابت ہو رہی تھی، گو کہ وہ بڑا ہو گیا تھا، باپ کی طرح لمبا قد اور مضبوط کاٹھی والا، لیکن اس کے اندر جنت کا خوف کچھ اس طرح پھیلا ہوا تھا جس طرح بوڑھے درخت کی شاخیں زمین کے سینے میں پھیلی ہوئی ہیں۔

دلاور حسین نے کئی بار دیکھا، جنت سب کا بچا کچھا کھانا ایک پلیٹ میں جمع کر کے رجب کو دے دیتی ہے، گو کہ وہ کئی بار اسے سرزنش کر چکا تھا لیکن جس جنت نے اتنے سالوں میں اس کی بات نہ سمجھی تھی، اب کیا سمجھتی، اس روز بھی دلاور حسین نے اسے سمجھانے کی کوشش کی تھی۔ جنت نے ضد میں آکر رجب کو روٹی کے وہ ٹکڑے کھانے کے لیے دیے جن پر پھپھوندی لگ چکی تھی۔

رجب اس روز کسی اور موڈ میں تھا۔ اس نے جنت کی اس ناانصافی پر خود بڑھ کر چنگیر سے تازہ روٹی لینا چاہی، لیکن جنت نے بری طرح اسے پیچھے دھکا دیا۔ ردعمل کے طور پر رجب نے زور سے اس کا ہاتھ جھٹک دیا اور بے حد نفرت و اشتعال سے جنت کو گھورا۔ لیکن جنت کے لیے اس کی

یہ گستاخی نا قابل معافی تھی، اس نے نفرت و تکبر آنکھوں میں سمو کر رجب کو دیکھا اور رسوئی سے خاموشی کے ساتھ باہر نکل گئی۔

رجب نے سوچا مصیبت ٹل گئی اور مطمئن ہو کر کھانا کھانے لگا، لیکن اس کا یہ خیال دیوانے کے خواب سے زیادہ کچھ نہیں تھا۔

اسی رات جنت کا بے حد وزنی سونے کا کنگن غائب ہو گیا جو بعد ازاں رجب کی ٹوٹی پھوٹی چار پائی پر بچھے مریل سے کھیس کے نیچے سے برآمد ہوا۔ گو کہ دلاور حسین کو ثبوت مل جانے کے باوجود اس بات پر یقین نہیں آ رہا تھا کہ اس کا بیٹا چوری کر سکتا ہے، لیکن جنت نے وہ واویلا مچایا کہ اس کا دماغ پھٹنے کے قریب پہنچ گیا۔

غصے، بے بسی اور بے زاری کے احساس سے مغلوب ہوتے ہوئے اس نے رجب کو چولہے میں جلانے والی کھردری لکڑی سے اتنا مارا کہ جنت کے شیطانی دل میں سکون اُتر گیا، جبکہ رجب نڈھال اور کسی حد تک لہولہان بھی ہو گیا۔ اس روز رات ہونے تک گھر میں سناٹا چھایا رہا۔ ملازمین تو ملازمین پالتو جانوروں میں سے بھی کسی کی ہمت نہ تھی کہ آواز نکالے۔

اگلی صبح رجب گھر چھوڑ کر جا چکا تھا، ڈیرے کے رکھوالے نے بتایا اس نے رجب کو روکنے کی بہت کوشش کی، لیکن وہ روتا جاتا تھا اور کہتا تھا۔

”ابا سے کہنا...... یہ حویلی اسکو اور اس کی بیوی کو مبارک ہو... میں اب یہاں نہیں آؤں گا، جہاں میری ماں اور بہن چلی گئی، میں بھی وہیں چلا جاؤں گا۔“

دلاور حسین کے دل پر کسی نے گویا گھونسا کھینچ مارا تھا۔ اس نے ملازمین کو دوڑایا، آس پاس کے سارے گاؤں، موضع تک چھان مارے، خود جا کر اپنے تئیں قریبی شہر بھی کھنگال آیا، لیکن رجب کا پتا چلنا تھا سو نہ چلا۔

ناچار دلاور حسین کو دل پر صبر کی سل رکھنا پڑی۔ لیکن ایک روز جب اس کے سامنے کھانا آیا، سرسوں کا ساگ، مکئی کی روٹی، چاول کا بھرا تھال، مکھن، اچار، لسی سے بھرے گلاس...... تو اس کا دل یکا یک بیٹھنے لگا اور ایک غیر واضح سا کرب سارے جسم میں پھیل گیا۔ منہ میں نوالہ لے جاتا ہاتھ کانپنے لگا۔ دلاور کے سینے سے یک دم اتنی سسکیاں ابھریں، آنکھوں سے اتنے آنسو امڈے کہ وہ بے حال ہو کر رہ گیا۔

اس کے بیٹے نے خدا معلوم اتنے روز سے کھانا کھایا ہوگا یا نہیں؟ اسے سونے کے لیے بستر ملتا ہوگا؟ پانی کی چند بوندیں نصیب ہوتی ہوں گی یا پیالہ بھر پانی؟ اس کا لباس پھٹ چکا ہوگا؟ چپل گھس رہی ہوگی؟

گو کہ جب وہ حویلی میں تھا اس کا حال تب بھی اس سے کچھ مختلف نہ تھا، لیکن اب دلاور کو رہ، رہ کر پچھتاوے کے ناگ ڈس رہے تھے۔

جب وہ دیر تک رو چکا تو اس نے سر اُٹھا کر دیکھا، جنت چپ چاپ بنا تاثر زریں کو کھانا کھلا رہی تھی اور وقتاً فوقتاً اس پر بھی نظر ڈال لیتی تھی۔ دلاور کو اپنی طرف دیکھتا پا کر اس نے سرد مہری سے کہا۔

”اپنے چور بیٹے کو جتنا رونا ہے۔ ایک ہی بار رو لو، بار بار یہ نحوست پھیلانے کی ضرورت نہیں ہے، میرے بچوں پر برا اثر پڑے گا۔“

دلاور نے نفرت انگیز نظروں سے اس عورت کو دیکھا، جس کے سینے میں شاید دل نام کی کوئی چیز ہی نہیں تھی۔ اس حسین و دلکش عورت کو اس نے خود اپنے سر چڑھایا تھا اور اب اسے سر سے اُتارنا ہرگز بھی آسان نہ تھا۔

"رجب چور نہیں تھا۔" دلاور نے غصے سے کہا، یوں بھی غم کا ایسا شدید غلبہ تھا اس پر کہ جنت سے سخت لہجے میں باز پرس کرنا کچھ ایسا غیر معمولی نہ ہوتا۔

"تم نے اس کے کھیس کے نیچے سے خود کنگن برآمد کیا، میں نے نہیں کہا تھا کہ وہاں سے جا کر نکالو، اس کی چوری کا ثبوت تم نے خود دیکھا تھا۔" جنت نے سابقہ سرد مہری سے کہا۔ دلاور کے اشتعال کے غبارے سے ہوا نکل گئی۔

"رجب حویلی چھوڑ کر گیا ہے۔ مر نہیں گیا کہ تم ہر گھڑی اسے روتے رہو۔ ایک نہ ایک دن، جس روز دنیا کی ٹھوکریں کھا تا تھک جائے گا تو یہیں واپس آئے گا، اس لیے تم اسے بار بار رونا چھوڑ دو، روتے ہوئے مرد زہر لگتے ہیں مجھے۔"

جنت نے نخوت سے ناک چڑھا کر کہا اور دلاور حسین نے بزدلی سے آنکھیں موند کر بیٹے سے جدائی کا کرب اپنے اندر اُتار لیا۔ اس کی خواہش تھی کہ رجب اسے دوبارہ مل جائے، لیکن دل کے کہیں اندر سے وہ جانتا تھا رجب اسے اب دوبارہ کبھی نہ ملے گا، بیوی، باپ، بیٹی کے بعد اس نے رجب کو بھی کھو دیا تھا۔

☆☆☆

بادل بری طرح گرجتے تھے اور آسمانی بجلی شیطانی کڑک کے ساتھ کمرے میں گھس کر سناٹے کو نگلنے لگی تھی۔ ثمینہ نے دیکھا ماوی دونوں ہاتھوں کے پیالے میں چہرہ رکھے کسی گہری سوچ میں گم تھی، اس کے چہرے پر کچھ عجیب سے تاثرات تھے اور مگوں میں رکھی کافی ٹھنڈی ہو چکی تھی۔

ثمینہ ایزی چیئر سے اٹھیں اور کھڑکی کے پاس جا کر باہر کا جائزہ لینے لگیں۔ بارش رک چکی تھی، لیکن آسمان بادلوں سے اٹا پڑا تھا۔ ہوا گم، پیڑ پودے ساکت، بڑی دیر تک ان دونوں کے درمیان خاموشی حائل رہی، صرف بادلوں کی گرج تھی جو بند کھڑکی کی درزوں سے اندر داخل ہو کر اس خاموشی و سناٹے کی چادر پر سلوٹیں ڈالتی رہی۔

"میں حیران ہوں کہ کوئی اتنا جلاد صفت کیسے ہو سکتا ہے۔" بہت دیر بعد ماوی نے کھوئی کھوئی سی آواز میں کہا تھا۔ ثمینہ نے کوئی جواب نہ دیا، بادل پھر گرجے۔ "اور مجھے تو اس بات کا بھی یقین نہیں آ رہا کہ بابا نے اتنی پر مصائب زندگی گزاری، اتنے ظلم سہے اپنی ذات پر...... کاش! وہ خاتون میرے سامنے آ جائیں تو میں انہیں بتاؤں کسی پر ظلم کرنے کا نتیجہ کیا ہوتا ہے۔" ماوی نے اپنی جون میں لوٹتے ہوئے پر عزم لہجے میں کہا تھا۔

ثمینہ نے بے اختیار گردن موڑ کر اسے دیکھا، ماوی کا فوری ردعمل ان کی توقعات کے عین مطابق تھا۔ ثمینہ کو بے ساختہ خوشی محسوس ہوئی۔

"جو کچھ میں تمہیں بتا چکی ہوں، وہ جنت بی بی کے ظلم کا ایک حصہ تھا۔ سارے حقائق جان کر تو تمہارا ردعمل نہ جانے کیا ہوگا۔" ثمینہ نے تھکے تھکے سے انداز میں کہا تھا۔

"کیا مطلب؟" ماوی بری طرح چونکی۔ "کیا ابھی اور بھی کچھ ایسا ہے جس کے متعلق جاننا باقی ہے؟"

"ہاں بالکل......" ثمینہ نے فوری کہا۔ "میں تہیہ کر چکی ہوں، اب تمہیں مزید لاعلمی کے اندھیرے میں نہیں رکھوں گی۔"

"پھر آپ مجھے جلدی سے سب کچھ بتا دیں۔" ماوی نے بے چینی و بے صبری سے کہا۔

"میرے ذہن میں تو اتنے سوال اودھم مچا رہے ہیں کہ لگتا ہے دماغ ہی پھٹ جائے گا۔"

"اچھا ہے...... جتنا تمہارے ذہن میں سوال جنم لیں گے اتنا ہم اپنے مقصد کے قریب پہنچیں گے۔" ثمینہ نے دل میں جواب دیا کہ ایسی بات ابھی اس کے سامنے کہنے کا وقت نہیں آیا تھا، اس داستان حیات کے کچھ اسرار و رموز تھے۔ کچھ پیچ و خم تھے۔ کچھ انکشافات کے اُتار چڑھاؤ تھے جنہیں ماوی پر منکشف ہونا تھا۔ داستان بیان کرنے کا بھی کوئی طریقہ ہوتا ہے، کوئی سلیقہ ہوتا ہے۔ جس انسان نے اپنے مقصد کے حصول کے لیے لمبا انتظار کیا ہو، صبر و تحمل کے ساتھ مناسب وقت کا انتظار کیا ہو، وہ چند جملے غلط وقت پر بولنے کی حماقت کس طرح کر سکتا ہے۔

"جب بابا کا انتقال ہوا تو میں اس وقت بہت چھوٹی تھی، لیکن جب بھی میں نے انہیں یاد کیا میرے ذہن میں ایک بے حد کمپوزڈ پرسنالٹی کا اسکیچ ابھر آیا۔ ان کی کہی ہوئی کچھ باتیں اب تک میرے لاشعور میں محفوظ ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ میں بابا کو جتنا جانتی ہوں، وہ سب کا سب آپ کی باتوں یا ان ڈائریز کے مرہون منت ہے جو بابا نے لکھی تھیں۔ میرے تو کبھی وہم و گمان میں بھی یہ...... نہیں...... تھا کہ اپنی زندگی کے کسی حصے میں بابا اس قدر ذہنی ٹوٹ پھوٹ کا شکار رہے ہوں گے کہ اپنا آبائی گھر چھوڑنے پر ہی مجبور ہو گئے۔" ماوی اُلجھن آمیز لہجے میں بول رہی تھی۔

"وہ اس لیے کیونکہ تمہارے بابا نے تلخ یادوں کو کبھی اپنی ڈائریز میں تحریر نہیں کیا۔" ثمینہ نے کہا۔ "وہ کہا کرتے تھے۔ سنبھال کر رکھنا ہو تو خوش گوار یادوں کو سنبھالو اور تلخ واقعات کو لاشعور کے کوڑا دان میں ڈال دو، تاکہ کئی سال بعد جب ماضی کو یاد کرو تو تمہیں خوش گواریت کے ثبوت ملیں جو تمہارے لبوں پر مسکراہٹ بکھیر دیں، نہ کہ تلخیاں آنکھوں میں آنسو لے آئیں۔"

"ویل سیڈ......" ماوی نے بے ساختہ ستائشی لہجے میں کہا۔

"اچھا خیر...... آپ مجھے آگے کی detail (تفصیلات) بتائیں ممی! اپنے آبائی گھر سے نکلنے کے بعد بابا پر کیا بیتی؟ کیا وہ دادا جان کو دوبارہ مل گئے تھے؟ اگر ہاں تو پھر آپ ان سے کہاں ملیں؟ آپ دونوں کی شادی کس طرح ہو گئی؟ کیا آپ ان کی کوئی کزن تھیں؟" وہ سوال پہ سوال کرتی چلی گئی۔ ثمینہ نے گہری سانس بھر کر سلسلہ کلام جوڑا۔

"حویلی سے نکلنے کے بعد رجب صحیح معنوں میں دنیا کی ٹھوکروں پر آ گئے تھے۔ اس دور میں انہوں نے بہت کڑا وقت دیکھا، پیٹ بھرنے کے لیے کوڑے دانوں سے کھانا چنا، فٹ پاتھوں پر سوئے، سخت گرمیوں میں سر پر سورج کی چادر تنی رہی تو سردیوں کی طویل راتوں میں خنکی اوڑھ کر سوتے رہے۔ انہوں نے مزدوری بھی کی۔ پتھر تک ڈھوئے، لیکن قسمت نے ان کے لیے کچھ اور سوچ رکھا تھا۔ ہر بار جب رجب کو لگتا کہ اب وقت ذرا سہولت سے کٹنے لگا تو ان پر کوئی نئی مصیبت آ جاتی۔ کم عمر تھے۔ زمانے کی چالاکیوں کا مقابلہ کرنا نہ آتا تھا۔ ایسے ہی وقت میں ایک بار وہ کام سے نکال دیے گئے۔ سرکاری سڑکیں بناتے ہوئے جو مزدور طبقہ ہائر کیا جاتا ہے رجب بھی ان ہی میں سے تھے اور سڑک کے ساتھ ساتھ ہی سیالکوٹ جا پہنچے تھے کہ کسی بات پر سپروائزر نے غصے میں آ کر انہیں نکال دیا اور مزدوری دینے سے بھی انکار کر دیا۔ رجب پورا دن بھٹکتے رہے، شام گئے ایک ڈھابے کے قریب سے گزرے تو روٹی کی خوشبو انہیں اپنی طرف کھینچنے لگی، لیکن جیب میں دھیلا بھی نہ تھا اور پیٹ میں آنتیں کھنچ رہی تھیں، یہیں رجب کی ملاقات ہدایت اللہ صاحب سے ہوئی۔"

"ہدایت اللہ؟" ماوی انہماک سے سنتے ہوئے یک دم پوچھنے لگی۔

"ہاں ہدایت اللہ...... جنہیں خدا نے تمہارے بابا کے لیے رحمت بنا کر بھیجا تھا، وہ قریبی میز پر بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔ رجب کے چہرے پر بھوک، پیاس اور کسمپرسی دیکھ کر انہوں نے رجب کو اپنے ساتھ کھانے کی دعوت دے ڈالی۔ رجب اس وقت بھوک کے ہاتھوں مغلوب تھے انہوں نے پیٹ بھر کر کھایا جب حواس کچھ ٹھکانے پر آئے تو سامنے بیٹھے صاحب کو دیکھا اور بغور انہیں اپنی طرف دیکھتا پا کر شرم سار ہو گئے۔"

"معاف کیجیے جناب! میں دو دن سے بھوکا تھا۔" رجب نے سر جھکا کر کہا۔

"میرے سامنے تکلف برتنے کی ضرورت نہیں ہے بیٹے! کچھ اور کھانا ہو تو منگوا دوں؟" ہدایت اللہ صاحب نے پوچھا۔ رجب کو اور خفت نے گھیر لیا۔

"شرمندہ نہ کریں بڑے صاحب! میں نے بتایا نا دو دن سے بھوکا تھا۔ کھانا نظر آیا تو خود کو روک نہیں سکا...... آپ نے کھانا کھلا کر بڑا احسان کیا مجھ پر...... اس کا اجر آپ کو اللہ دے گا۔"

"اچھا ابھی جانا نہیں، تم کو چائے بھی پلواتے ہیں۔"

"نہیں جی شکریہ......"

"ارے شکریے کی کیا بات؟ دراصل ہمیں تنہا بیٹھ کر چائے پینے کی عادت نہیں۔ تم ساتھ دے دو تو کیا بات ہے۔" انہوں نے بے تکلفی سے کہا، ساتھ ہی ڈھابے کے لڑکے کو چائے لانے کا کہا۔

"جب تک چائے آ رہی ہے۔ تم اس سامنے والے نلکے سے منہ ہاتھ کیوں نہیں دھو لیتے؟ چلو آؤ ہم ہی تمہارے لیے نلکا چلا دیتے ہیں۔" وہ اُٹھنے لگے، لیکن رجب نے منع کر دیا اور خود نلکے کی طرف آ گئے۔ یہ ایک ہاتھ والا نلکا تھا، تم نے ایسے نلکے نہیں دیکھے ہوں گے۔"

ثمینہ کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے اسے تمام تر جزئیات کے ساتھ بتا رہی تھیں۔ بجلی چمکتی تو ان کا آدھا چہرہ روشنی میں نہا جاتا۔ یوں لگتا تھا ان کے سامنے وہ منظر چل رہا ہو اور ٹی وی اسکرین سے دیکھ کر وہ اسے تفصیلات بتا رہی ہوں۔

"رجب نے خوب رگڑ رگڑ کر ہاتھ منہ دھوئے، پیر رگڑے اور جب واپس آئے تو چائے آ چکی تھی۔"

"کیوں میاں! چہرے مہرے، چال ڈھال سے تو اچھے گھر کے لگتے ہو، پیشانی بھی روشن ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ ان حالوں میں پہنچ گئے؟" ہدایت اللہ نے چائے کی چسکیاں لیتے ہوئے ہمدرد لہجے میں پوچھا۔

رجب کم عمر تھے، تنہا تھے انہیں ایک پرسان حال، ہمدرد دوست کی ضرورت تھی جو بھلے ہی تسلی نہ دیتا، لیکن دل کا بوجھ تو ہلکا ہو جاتا ہے، پھر ابھی ابھی تو ہدایت اللہ کا نمک کھایا تھا۔ ایک طرح سے جذباتی طور پر وہ ان کے مقروض ہو گئے تھے۔ شک وشبہ کی تو گنجائش ہی نہ نکلتی تھی۔ تب ہی سب کچھ انہیں کہہ سنایا، ایک لفظ بھی مخفی نہ رکھا۔

ہدایت اللہ نے سب کچھ تحمل سے سنا، تاسف سے سر ہلانے لگے۔

"بے حد افسوس ہوا میاں! خدا معلوم انسانوں میں سے مروت ولحاظ کیوں ختم ہوتا جا رہا ہے، لیکن پھر بھی ایک بات کہیں گے، سوتیلی ماں کے ناروا سلوک سے گھبرا کر تمہیں گھر نہیں چھوڑنا چاہیے تھا، برے تھے یا بھلے، تمہارے والد تھے۔"

"میں گھر نہ چھوڑتا تو وہ عورت ابا سے پٹوا کر مجھے مروا دیتی اور ابا کے ہاتھوں مرنے سے بہتر میں نے سمجھا کہ اس گھر سے ہی نکل جاؤں، کم سے کم اتنا احساس تو رہے گا کہ ابا کو مجھ سے کچھ نہ کچھ محبت تھی۔" رجب نے دکھی لہجے میں کہا۔

"اور اب کیا خیال ہے، وہ تم کو ڈھونڈتے ہوں گے؟" انہوں نے پوچھا۔

"ہاں...... پتا نہیں...... شاید۔" رجب نے سر جھکا کر غیر واضح یقین کے ساتھ کہا تھا۔

"ضرور ڈھونڈتے ہوں گے کہ بہرحال تم ان کی اولاد ہو، پھر تم نے خود ہی بتایا کہ کچھ عرصہ سے وہ تم سے شفقت برتنے لگے تھے، غصے میں آ کر دو چار طمانچے مار بھی دیے تو کون سا گناہ کر بیٹھے۔"

"دو، چار طمانچے نہیں تھے۔" رجب نے بصد اصرار کہا۔ "میری کمر پر ابھی بھی اس مار کے اتنے نیل ہیں کہ لیٹتا ہوں تو تکلیف جاگ اُٹھتی ہے۔"

"اچھا ابھی تمہاری خفگی تازہ تازہ ہے، ڈبل روٹی کے تازہ سلائس کی طرح، اسے پھپھوندی لگ کر بے کار ہونے میں وقت لگے گا اور تب تک تمہیں سمجھانے کا بھی کوئی فائدہ نہ ہوگا۔" ہدایت اللہ نے خود کلامی کے انداز میں کہا۔

"ہمیں یہ بتاؤ، آگے کا کیا ارادہ ہے؟ جذباتی ہو کر گھر سے تو نکل پڑے، اب کیا تمام عمر یوں ہی بھٹکو گے؟"

رجب مخمصے میں پڑ گئے کہ انہوں نے اب تک اس کے متعلق نہ سوچا تھا۔

"ٹھیک ہے، ٹھیک ہے۔" ہدایت اللہ صاحب نے انہیں خاموش پا کر فوری کہا۔

"جب تک کسی نتیجے پر نہیں پہنچ جاتے ہمارے ساتھ چلو، ایک چھوٹا سا گھر ہے، جس میں ہم اور ہماری زوجہ رہائش پذیر ہیں۔ ایک سرکاری اسکول میں گریڈ پندرہ کے استاد کی حیثیت سے ذمہ داریاں نبھا رہے ہیں۔ اولاد نہیں ہے ہماری، تم کو سر چھپانے کا ٹھکانا میسر آ جائے گا اور ہماری بیگم تمہارے لیے کھانا بھی بنا دیا کریں گی۔ چند روز اپنی زندگی پر غور کر کے آئندہ کا لائحہ عمل ترتیب دے لو کہ بے مقصد زندگی گزارنے والا انسان عموماً بھٹکتا ہی رہتا ہے۔"

"لیکن...... بڑے صاحب!" رجب شش و پنج میں پڑ گئے۔

"نہیں، نہیں...... کوئی زور زبردستی نہیں، ہم تو تجویز دے رہے ہیں صرف دل راضی ہو تو چلے چلو، اتنا بتا دیں کہ ہمارے ساتھ چل کر نقصان میں نہیں رہو گے، ہم دراصل پیدائشی استاد ہیں، جسے اللہ نے روحانی تربیت کا فریضہ سونپا ہوا ہے، یعنی یہ ذمہ داری ہمیں پیدا کرتے ہوئے اللہ نے ہمارے خون میں ڈال دی تھی، اب جہاں کوئی راہ سے بھٹکا ہوا دکھائی دیتا ہے ہم اسے "انسان" بنانے کی کوششوں میں لگ جاتے ہیں۔ یوں سمجھو اپنی عادت سے مجبور ہیں، تم کو بھی انسان بنائیں گے تو ہماری استادانہ حس کی تسکین ہوگی اور احساس خود پسندی کو جلا ملے گی۔"

انہوں نے ہنس کر کہا تھا۔ رجب کے پاس اور کوئی راستہ نہیں تھا۔ انہیں سڑکوں پر بھٹکنا ہی تھا۔ چلو اور کچھ نہیں تو سر چھپانے کو ٹھکانا تو مل ہی جائے گا، پھر ہدایت اللہ صاحب انہیں نیک طبیعت بھی لگے تھے، گو کہ انسانوں کی پرکھ انہیں نہیں تھی، پھر بھی ہدایت اللہ صاحب کے ساتھ چل دیے۔

ہدایت اللہ صاحب کا گھر شہر کے ایک پسماندہ علاقے میں تھا اور بے حد چھوٹا سا تھا، ابھی داخلی دروازے سے اندر داخل ہو کر شروع بھی نہ ہوتا کہ پتا چلتا ختم بھی ہو چکا۔ یہیں داخلی دروازے کے پاس سے سیڑھیاں دوسری منزل کی طرف جا رہی تھیں، سامنے کے رخ پر دو کمرے اور چھوٹا سا باورچی خانہ تھا۔ صحن نہایت مختصر جس کے درمیان ...... ننھی سی کیاری بنا کر امرود کے درخت کا بھی اہتمام کر لیا تھا، صحن صاف ستھرا اور کمرے ٹھنڈے اور ہوادار تھے۔ مال واسباب کچھ خاص دکھائی نہ دیتا تھا۔

ہدایت اللہ صاحب کی بیگم نے خوش دلی سے استقبال کیا۔ وہ ملیح صبیح نقوش والی سادہ دل خاتون معلوم ہوتی تھیں۔ بڑی بیگم صاحبہ کہہ کر پکارنے پر رجب کو خوب ڈانٹا اور کہنے لگیں۔

"خالہ، پھپھی، چاچی، تائی، جو مرضی کہہ کر پکار لو، لیکن یوں غیریت بھرے ناموں سے مت پکارو بیٹے! یوں بھی ہمارا مرحوم بیٹا، آج حیات ہوتا تو لگ بھگ تمہارا ہی ہم عمر ہوتا۔" آنکھوں میں آنسو، لہجے میں رقت، رجب کا دل ڈوب سا گیا۔

"بھئی۔ ہم سرکاری اسکول کے استاد ہیں تو یہ لڑکیوں کے پرائمری اسکول کی استانی، ہم کو تو یہی نام بھلا معلوم ہوتا ہے۔ تم چاہو تو اماں کہہ لو چاہو تو باجی، ہمیں البتہ ابو کہہ کر پکارو گے تو ہمیں خوشی ہوگی کہ تمہیں شاگرد نہیں بیٹا بنا کر ساتھ لائے ہیں۔"

ہدایت اللہ صاحب نے ہنس کر کہا۔ ماحول پر چھائی غمگینی ..... چھٹ گئی، رجب کو رہنے کے لیے اوپری منزل کا کمرا دیا گیا، صاف ستھرا جوڑا جو غالباً ہدایت اللہ صاحب کا ہی تھا۔ پھر انہیں رات کا کھانا گھر کے خالص گھریلو ماحول میں ملا۔

رجب کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ ابا کی حویلی گو کہ اس چھوٹے سے مکان سے کہیں بڑی تھی لیکن ایسی بے لوث محبت کی خوشبو وہاں کہاں؟

رجب وہیں رہنے لگے اور انہیں اس بے ریا ماحول اور گھر کے مکینوں سے محبت ہو گئی۔ اماں بڑی اچھی خاتون تھیں، انہوں نے رجب کو سگے بیٹوں والی محبت و توجہ دی۔ جبکہ ہدایت اللہ صاحب بوقت ضرورت باپ کی سی شفقت سے پیش آتے اور ضرورت پڑنے پر استاد بن جاتے۔

رجب نے دیکھا وہ واقعی استاد تھے پیدائشی استاد اندر باہر، ہر طرف سے۔ دنیا کا کون سا موضوع تھا جس پر انہیں معلومات حاصل نہ تھیں، ان کے پاس اتنا ذخیرہ علم تھا کہ سونے سے بھرے ہوئے گھڑے کی طرح ابل ابل کر باہر آتا، پھر رجب پر ہی انہوں نے احسان نہ کیا تھا ایسی بے لوث نیکیاں کرنے کے وہ عادی تھے البتہ گھر میں جگہ رجب کو ہی ملی۔ رجب دیکھتے، جسے دیکھو منہ اٹھائے ان سے فیض حاصل کرنے ان کے گھر میں گھسا چلا آ رہا ہے، رجب نے سوچا۔

"بھئی یہ تو بڑی حماقت کی بات ہے کہ ایک گھنا سایہ دار درخت آپ کو چوبیس گھنٹے میسر رہے۔ ساری دنیا اس کے سائے میں ستائے اور آپ اس درخت کے مہربان سائے سے مستفید بھی نہ ہو سکیں۔"

بس اسی روز رجب نے ہدایت اللہ صاحب کے ہاتھ پر روحانی بیعت کر کے ان کی شاگردی اختیار کر لی۔ اب وہ ان شاگردوں کی جماعت

میں شامل ہو گئے جنہیں ہدایت اللہ صاحب سے فیض یاب ہونے کا موقع مل رہا تھا۔ اتفاق سے اسی جماعت میں سے ایک فیاض بھائی بھی تھے۔

"فیاض بھائی......؟ یعنی بڑے ماموں؟" ماوی نے پوچھا۔

"ہاں......تمہارے بڑے ماموں۔ ماسٹر صاحب کا دست شفقت ان کے سر پر تھا۔ ہم لوگ ان کے سامنے والے مکان میں رہا کرتے تھے۔ فیاض بھائی اور رجب کی خوب دوستی ہو گئی۔ ہمارے گھر بھی ان کا خوب آنا جانا تھا۔"

ہدایت اللہ صاحب نے رجب کو بیٹا کہا ہی نہیں مانا بھی تھا جو انسان اپنے شاگردوں کو کسی صلے کی آس امید کے بغیر اپنا علم بانٹ رہا ہے، وہ منہ بولے بیٹے پر اپنا علم کیسے کیسے نچھاور کرتا ہوگا۔ ذرا سوچو۔ تم کہتی ہو نا تمہارے بابا بہت انٹلیکچوئل پرسنالٹی کے مالک تھے ان کی ذہنی تربیت کا سارا سہرا ہدایت اللہ صاحب کے سر ہے۔

انہوں نے رجب کو پڑھایا لکھایا، اپنی شفقت دی۔ ان کے گھر میں رجب کو وہ آئیڈیل ماحول ملا جس میں ان کی صلاحیتوں کو بڑھنے، پھلنے پھولنے کا موقع ملا۔ اگر وہ حویلی میں رہتے تو عین ممکن تھا ان کی صلاحیتوں کو اس طرح سے نکھرنے کا موقع ہرگز میسر نہ آتا۔ وہ ایک تنزلی کا شکار نا قابل ذکر شخصیت ہی رہتے اور انہیں خود بھی اپنے پوٹینشل کا اندازہ ہو پاتا بہر حال......

رجب کی چمکتی دمکتی، مسحور کرتی شخصیت ایک طرف اور ان کا احساس کمتری اور بزدلی ایک طرف۔

"پلیز ممی!" ماوی نے تڑپ کر انہیں ٹوکا۔ "بابا کے لیے اس طرح کے الفاظ استعمال مت کریں۔"

"میں جانتی ہوں میری جان! اپنے باپ کے لیے اس طرح کے الفاظ سننا کتنا تکلیف دہ ہو سکتا ہے لیکن اگر تم ساری باتوں کو Analyse (تجزیہ) کرو تو تم بھی اسی نتیجے پر پہنچو گی کہ انجام کار رجب ایک بزدل انسان تھے۔ ایک نکھری ستھری شخصیت بن کر اپنی اہمیت کا احساس کر لینے کے باوجود انہوں نے دوبارہ حویلی جانے کی ہمت نہیں کی۔ مجھے بتاؤ، اسے بزدلی نہیں تو کیا کہتے ہیں۔ بجائے اس کے کہ جنت بیگم کا مقابلہ کرتے، انہوں نے پسپائی اختیار کر لی اور مجھے بھی ویسی ہی ڈری سہمی زندگی گزارنے پر مجبور کر دیا جیسی خود گزارتے آئے تھے۔" ثمینہ کے لہجے سے آنچ آئی تھی۔ ماوی کا دل چاہا خاموش ہو کر انہیں کہنے دے لیکن اپنے بابا کا دفاع کرنا بھی از حد ضروری تھا۔

"ان خاتون کے کسی نفسیاتی الجھاؤ کی وجہ سے اگر بابا نے دوبارہ اپنی آبائی حویلی کا رخ نہیں کیا تو اس کے پیچھے ضرور ان کی کوئی مصلحت ہو گی ممکن ہے انہوں نے سوچا ہو ان کے فادر انہیں قبول نہیں کریں گے یا وہ خاتون پھر سے ان کو بے عزت نہ کر دیں۔ اب ان کی مصلحت آمیزی کو بزدلی جیسے شرمناک لفظ سے تعبیر کرنا تو کوئی انصاف کی بات نہ ہوئی۔" ثمینہ کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔

"نفسیاتی الجھاؤ؟" انہوں نے الجھن آمیز لہجے میں کہا کہ ماوی کے تمام جملوں میں یہی لفظ انہیں قابل گرفت اور نا قابل فہم لگا تھا۔

"جی ہاں۔ نفسیاتی الجھاؤ۔ کوئی Psychotic disorder" ماوی نے قطعیت سے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"جینٹ کہا کرتی تھی کسی انسان کے ارد گرد موجود غیر متوازن رویے اس انسان کی سوچ میں گرہیں لگا دیتے ہیں۔"

(وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ) یہ گرہیں نفسیاتی الجھنوں میں بدل جاتی ہیں۔ مجھے اس بات کا مطلب آج سمجھ میں آ رہا ہے کیونکہ جینٹ

کی یہ بات جنت بیگم پر پوری اُترتی ہے۔ ممکن ہے سائیکاٹری میں اس کے لیے کوئی مکمل لفظ استعمال کیا جاتا ہو لیکن مجھے تو یہی سمجھ آرہا ہے کہ وہ خاتون Psychosis (نفسیاتی مرض جس سے ظاہری شخصیت پر اثر نہیں ہوتا لیکن باطنی شخصیت متاثر ہو کر رہ جاتی ہے) کا شکار تھیں۔ ورنہ آپ خود سوچیں کیا کوئی نارمل انسان اتنی معمولی باتوں پر ایسا ہارش ری ایکشن (تلخ ردعمل) دے سکتا ہے جیسا وہ خاتون دیتی تھیں؟"

ثمینہ اُلجھن میں پڑ گئیں، اس پہلو پر انہوں نے اب تک نہ سوچا تھا۔

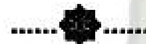
"تو کیا کسی کو اس کے جرم میں نفسیاتی اُلجھن کا مارجن دیا جاسکتا ہے؟" انہوں نے پوچھا۔

"نفسیاتی "اُلجھن" کا تو شاید نہیں البتہ نفسیاتی "مرض" کا مارجن ہمارا قانون دیتا ہے۔" ماوی نے کہا "خیر چھوڑیں اس بات کو۔ ہم یہاں ان خاتون کی سائیکالوجی ڈسکس کرنے تو نہیں بیٹھے۔ آپ مجھے آگے کی تفصیلات بتائیں۔" اس نے گہری سانس بھر کر کہا۔

"خصوصاً ان دونوں کے بارے میں جب آپ اور بابا ایک دوسرے سے ملے اور شادی کی۔ یقیناً آپ سے شادی کے بعد بابا کی زندگی میں اور بہتری آئی ہوگی۔"

ماوی نے مسکرا کر اور اشتیاق بھرے لہجے میں کہا۔ ماضی کے والانوں میں گھومتے پھرتے ثمینہ بوجھل پن کا شکار ہو چکی تھی۔ ماوی اسی بوجھل پن کو ختم کرنا چاہتی تھی۔

ثمینہ نے مسکرا کر وہیں سے آغاز کیا جہاں سے بات قطع ہوئی تھی۔



"ان دنوں ہم ہدایت اللہ صاحب کے سامنے والے مکان میں رہا کرتے تھے، رجب کی فیاض بھائی سے دوستی تھی اور وہ ہمارے گھر آتے جاتے تھے، پھر وہ اعلیٰ تعلیم کے سلسلے میں لاہور چلے گئے، لیکن فیاض بھائی شدید خواہش کے باوجود نہیں جا سکے، کیونکہ ان دنوں ہمارے مالی حالات اب سے بہت مختلف تھے۔ ہم بہت غریب سے لوگ ہوا کرتے تھے اور اپنی چھوٹی چھوٹی ضروریات کے سلسلے میں کڑی محنت کرنا پڑتی تھی۔ وہ بڑے صبر آزما دن تھے۔

ہمارے ابا یعنی تمہارے نانا جان ٹی بی کے مرض میں مبتلا ہو کر بستر پر پڑے تھے۔ ہمارے پاس ان کے مناسب علاج کے لیے پیسے بھی نہیں ہوتے تھے۔ اماں کئی سال پہلے انتقال کر چکی تھیں اور فیاض اس وقت چھوٹا تھا۔ گھر کی مالی کفالت میں ہاتھ بٹانے کی قابل نہیں ہوا تھا۔

میں اجرت پر ہاتھ کی کڑھائی اور آرکا کام کر لیتی تھی لیکن میری محنت گھر کی تمام ضروریات پوری کرنے کے لیے ناکافی تھی، اسی لیے فیاض بھائی نے مناسب سمجھا کہ مزید تعلیم کا خیال دل سے نکال کر کوئی ملازمت تلاش کریں، گو کہ چھوٹی موٹی ملازمتیں وہ پہلے بھی کرتے رہے تھے، لیکن اب انہیں ایسے کام کی ضرورت تھی جو ان کی تمام مالی ضروریات پوری کرے۔ پھر ان ہی دنوں فیاض بھائی کو ایک بہتر ملازمت مل گئی، جس کے سلسلے میں انہیں کوئٹہ جانا پڑا۔

فیاض بھائی کے جانے کے بعد ہمیں کوئی خاص دقتوں کا سامنا نہیں کرنا پڑا کہ پورا محلہ ہماری پہچان کے لوگوں سے بھرا ہوا تھا اور یوں بھی

یہ وہ دن تھے جب پڑوسیوں نے ایک دوسرے کی خبر گیری ترک نہ کی تھی، پھر سب سے بڑی بات سامنے والا گھر چچا ہدایت اللہ کا تھا، جو ابا کے اچھے دوستوں میں شمار ہوتے تھے اور فیاض بھائی کی غیر موجودگی میں ہمارا خیال رکھتے تھے۔ رجب جب گھر آتے تو باقاعدگی سے ہمارے یہاں بھی آتے، ابا کی خبر گیری کرتے، ان کی دوائیوں کے متعلق معلومات رکھتے۔ بالکل خاموشی سے انہوں نے ہم لوگوں کی بہت ساری ذمہ داریاں اپنے سر لے لی تھیں۔ اس سے اگلا سال ہم چاروں کے لیے غم کا سال ثابت ہوا۔

میرے ابا تو خیر کئی سالوں سے بیمار تھے لیکن چچا ہدایت اللہ کی بیگم جنہیں ہم چچی کہتے تھے اور جو بالکل صحت مند خاتون دکھائی دیتی تھیں، کے خون میں کینسر کی علامات ظاہر ہو گئیں۔ ان دنوں کینسر جیسے مرض کا علاج آج سے تین گنا مہنگا تھا اور اسے امراء کی بیماری سمجھا جاتا تھا۔ چچی کے مرض کے بارے میں پتا چلتے ہی رجب اور چچا بری طرح فکر مند ہو گئے کہ اب علاج معالجے کا بندوبست کس طرح کیا جائے۔ تب رجب نے چچا کا مکان جسے کچھ عرصہ قبل چچا رجب کے نام کر چکے تھے، کو فروخت کرنے کا ارادہ کر لیا۔ چچا ہدایت اللہ اور چچی نے بہت سمجھایا کہ اس مکان پر رجب کے مستقبل کی بنیاد کھڑی تھی مگر رجب نے ان کی ایک نہ سنی۔

"آپ دونوں کے مجھ پہ اتنے احسانات ہیں کہ میں ہرگز انہیں نہیں اتار سکتا۔ لیکن جو تھوڑی بہت ذمہ داری میں پوری کر سکتا ہوں، وہ تو مجھے کر لینے دیں۔ یہ گھر بھی آپ لوگوں کا ہی دیا ہوا ہے۔ قسمت میں اپنا مکان ہوا تو دوبارہ مل ہی جائے گا لیکن قسمت مجھے ایک اور ماں فراہم نہیں کرے گی۔"

رجب نے قطعیت سے کہہ کر اگلے چند روز میں مکان فروخت کر دیا تھا اور وہ تمام رقم چچی کے علاج پر خرچ کرنا شروع کر دی تھی جو مکان کی فروخت سے انہیں ملی۔ وہ لوگ اسی محلے میں ایک چھوٹا سا مکان کرائے پر لے کر رہنے لگے تھے۔ سارا جمع جتھا چچی کے علاج پر خرچ کرنے کے باوجود وہ جانبر نہ ہو سکیں۔

ان کے انتقال کے بعد چچا ہدایت اللہ بہت چپ چپ اور مضمحل رہنے لگے تھے۔ وہ رجب کو سمجھاتے کہ کم سے کم ایک بار جا کر اپنے والد سے مل آئیں، لیکن بہت تابعداری کے باوجود یہ واحد بات تھی جو رجب نے ان کی مان کر نہ دی۔

ٹھیک دو ماہ بعد بے حد معمولی بخار میں مبتلا ہو کر چچا ہدایت اللہ بھی اللہ کو پیارے ہو گئے اور میرے ابا جو کئی سالوں سے بیمار اور لاغر تھے، کئی روز تک روتے رہے انہیں اس بات کا قلق تھا کہ ان کی اتنی طویل بیماری کے باوجود اللہ نے انہیں اپنے پاس بلانے کے بجائے ان کے بھائیوں جیسے دوست اور عزیز بھاوج کو بلا لیا۔ رجب ان دنوں بہت افسردہ اور تنہا ہو گئے تھے۔ فیاض بھائی اور ہم سب نے ان کو بہت جذباتی سہارا دیا۔

ابا جو ہر وقت اللہ سے شکوہ کرتے تھے، چند مہینوں کے بعد خاموشی سے چل بسے۔ پچھلی رات میں نے انہیں کھانا کھلایا اور پھر میں اور فیضان دیر تک ان سے باتیں کرتے رہے تھے، لیکن صبح جب میں انہیں جگانے گئی تو ان کا جسم ٹھنڈا ہو چکا تھا۔ ہماری دعائیں اور استطاعت سے بڑھ کر مہنگا علاج بھی ان کی موت کو نہیں ٹال سکا تھا۔ ہم بہت روئے دھوئے۔ یوں لگتا تھا جیسے کسی ان دیکھے ہاتھ نے سر سے آسمان گھسیٹ لیا ہو۔ لیکن ہمیں صبر آ ہی گیا، کیونکہ موت وہ واحد چیز ہے جس پر دیگر تمام صدمات کے مقابلے میں جلد صبر آ جاتا ہے۔ انسان ساری دُنیا سے ٹکرا سکتا ہے، حکم الٰہی سے نہیں۔

بہرحال ہمیں صبر آ گیا اور ہم تینوں نے دل سے یہ بات قبول کر لی کہ اب ہمیں ابا کی شفقت سے محروم ہو کر زندگی گزارنا پڑے گی۔ یہ ہی

بات کچھ مہینے قبل رجب بھی سمجھ چکے تھے۔اب ہم چاروں ایک سے ہو گئے۔ ہمارے ماضی گو کہ مختلف تھے۔ مگر حالات کی پیدا کردہ محرومیاں ہرگز مختلف نہ تھیں۔حال میں ہم ایک ہی مقام پر کھڑے تھے اور ہم چاروں کے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے احساسات موجود تھے۔رجب ان دنوں اسی گھر میں رہائش پذیر تھے جہاں ہم رہتے تھے۔چند روز بعد انہیں لاہور چلے جانا تھا اور فیاض بھائی کو کوئٹہ ،لیکن اصل دقت یہ بھی کہ میں اور فیضان یہاں تنہا کس طرح رہیں گے۔"

کھوئی کھوئی سی کیفیت میں ثمینہ سب کچھ بیان کر رہی تھیں اور ماوی بے حد انہماک سے سن رہی تھی کہ بیڈروم سے ماوی کے سیل فون کی آواز سنائی دینے لگی۔ان دونوں پر پھیلی ہوئی کیفیت کا شیشہ چٹخ گیا۔

"فون سنو ماوی!" ثمینہ نے مسلسل بجتی بپ کی آواز سے اکتا کر گہری سانس بھرتے ہوئے کہا۔ماوی کے چہرے پر بے زاری تھی اور اسے بے وقت فون بجنے کا سخت ملال تھا۔

"بجنے دیں ممی! جو بھی ہو گا دوبارہ کر لے گا، آپ اپنی بات مکمل کریں۔" اس نے اکتا کر کہا، اس کا اٹھنے کا ارادہ نہیں لگ رہا تھا۔

"کوئی ضروری کال بھی ہو سکتی ہے۔" ثمینہ نے زور دے کر کہا۔ماوی نے چڑ کر سر پیچھے کی طرف گرایا اور میز پر دونوں ہتھیلیوں کا بوجھ ڈال کر اُٹھ کھڑی ہوئی۔"

"اس وقت شزا فون کرتی ہے، اب تیں منٹ تو اس سے بات کرنا پڑے گی۔" بے زاری کے ساتھ بیڈروم کی طرف جاتے ہوئے اس نے کہا۔چند لمحے بعد اس کی دھیمی آواز سنائی دینے لگی۔اس کا اندازہ درست تھا، دوسری طرف شزا ہی تھی۔

ثمینہ نے سر کرسی کی پشت سے لگا دیا اور گردن موڑ کر کھڑکی کی طرف دیکھنے لگیں، جس کے باہر ابر آلود رات بہہ رہی تھی۔بارش کی باریک پھوار شیشہ بھگو رہی تھی۔ثمینہ کو خیال آیا، اس بارش سے ان کا کوئی گہرا تعلق تھا کہ ان کی زندگی کے ہر اہم موقع پر بارش ضرور برسی تھی۔کبھی ان کی خوشی میں شریک ہونے کے لیے، تو کبھی غم پر آنسو بہانے کے لیے، معاً انہیں کئی سال پہلے کی وہ شام یاد آ گئی، جب آسمان کو بوجھل بادلوں نے سنوار رکھا تھا اور وقفے وقفے سے برسنے والی بارش نے کچی مٹی کی سوندھی خوشبو کو ساون کی ہوا کا سنگی ساتھی بنا دیا تھا۔

ثمینہ نے آہستگی سے آنکھیں بند کر لیں۔ان کی بند پلکوں کے پیچھے ٹی وی اسکرین پر چل رہے کسی سین کی طرح ایک منظر روشن ہو گیا تھا۔

چھوٹا سا کمرا، کمرے کے کونے میں بچھی چارپائی، چارپائی کے قریب رکھی تپائی پر ابا کی دوائیوں کی چھوٹی بڑی شیشیاں، جنہیں کسی خیال کے تحت اب تک وہاں سے اُٹھانے کی ہمت نہ کی گئی تھی، دروازے سے جھانکتا نیم تاریک نم اجالا، کچے فرش پر بچھی چٹائی اور چٹائی پر دسترخوان کے گرد بیٹھے چار نفوس۔

فیاض بھائی کا چہرہ فکرمندی کا منہ بولتا ثبوت تھا۔کوئٹہ میں ان کے پاس رہائش کا مناسب بندوبست بھی نہیں تھا، نہ ہی ان کے وسائل اتنے تھے کہ ثمینہ اور فیضان کو اپنے ساتھ لے جا کر رکھ سکتے۔

"او بھائی میرے! اس میں اتنی فکرمندی کی کون سی بات ہے، تم اطمینان سے کوئٹہ پہنچو، لاہور، سیالکوٹ کے اس گاؤں سے کوئٹہ کے

مقابلے میں تو کہیں نزدیک ہے۔ میں ہر ہفتے ان دونوں کی خبر گیری کے لیے آتا رہوں گا۔" رجب نے مونگ کی پتلی دال میں نوالہ ڈبو کر کھاتے ہوئے فیاض بھائی سے کہا تھا۔

"نہیں..... یہ قابل عمل حل نہیں ہے، میں ان دونوں کو یہاں اس طرح نہیں چھوڑ سکتا۔" فیاض بھائی نے سابقہ انداز میں کہا تھا۔

"ٹھیک ہے، پھر میں ان دونوں کو اپنے ساتھ لاہور لے جاتا ہوں، جب تم کوئٹہ میں رہائش کا بندوبست کرلو تو ان دونوں کو وہاں بلوا لینا۔" رجب نے ایک اور حل بتایا تھا۔

"تم تو خود اسپتال میں رہتے ہو۔"

"کوئی چھوٹا موٹا کرائے کا مکان دیکھ لوں گا۔" رجب نے رغبت سے کھانا کھاتے ہوئے لاپروائی سے کہا۔ فیاض بھائی کو یہ بات قابل عمل لگی تھی، لیکن اسی وقت ثمینہ پر نظر پڑ گئی اور وہ مخمصے میں پڑ گئے تھے۔

"نہیں یار! یہ بھی قابل عمل نہیں ہے۔" انہوں نے کہا ثمینہ اور فیاض خاموشی سے ان کی گفتگو سن رہے تھے۔ فیضان گڑ سے روٹی کھا رہا تھا، جبکہ ثمینہ سر جھکائے مونگ کے شوربے میں غوطہ زن تھیں۔ اس دن دال بے دھیانی میں کچھ زیادہ ہی پتلی بن گئی تھی۔

"کیوں؟" رجب نے سر اٹھا کر اور ابرو اچکا کر پوچھا تھا۔

"مجھ پر اعتبار نہیں؟" رجب کا سوال، فیاض بھائی سٹپٹائے تھے۔

"یہ بات نہیں ہے۔" انہوں نے جلدی سے کہا تھا۔

"پھر؟" رجب نے پانی کا ایک گھونٹ پیا۔

"تم نے دنیا کی زبان دیکھی ہے؟" فیاض نے بھی گھما پھرا کر بات کی۔

"تم نے دنیا کے ساتھ رہنا ہے، جو اس کی زبان کے لیے فکر مند ہو؟" رجب نے پوچھا تھا۔

"دنیا کے ساتھ نہیں۔ دنیا میں تو رہنا ہے، زبان کی فکر کرنا پڑتی ہے۔" فیاض بھائی نے تحمل سے کہا تھا۔

"اچھا....." رجب نے تھوڑی کھجاتے ہوئے پرسوچ انداز میں کہا۔

"پھر تم یوں کرو فیاض! اپنی بہن کا نکاح مجھ سے پڑھوا دو۔ یہ اس مسئلے کا سب سے بہترین اور لوجیکل حل ہے۔" رجب نے اچانک کہا تھا۔ ان تینوں کے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے۔ رجب کے چہرے پر بے انتہا سنجیدگی تھی، اور انداز ایسا تھا جیسے یہ بات اپنے نہیں کسی اور فرد کے بارے میں کہی ہو۔

"کیا کہہ رہے ہو رجب؟" فیاض بھائی بمشکل بولے تھے۔

"وہی جو تم نے سنا کہ اپنی بہن کا نکاح مجھ سے پڑھوا دو۔ اس کے بعد تو تمہیں ثمینہ کو میرے ساتھ بھجوانے پر اعتراض نہیں ہوگا۔ دنیا کی زبان کی فکر بھی ختم ہو جائے گی اور تمہارا مسئلہ بھی حل ہو جائے گا۔" رجب کا انداز وہ پہلے جیسا ہی تھا۔

"لیکن......" فیاض بھائی شش و پنج میں مبتلا تھے۔

"او بھائی! لیکن وکیل چھوڑ دو، میں جانتا ہوں تمہیں زیادہ پریشانی ثمینہ کو تنہا چھوڑنے کی طرف سے لاحق ہے اسی لیے میں خود کو پیش کر رہا ہوں، کوئی بڑا بزرگ ہوتا میرا تو میری طرف سے وہ ہی بات کرتا، لیکن اب میں ہی ہوں تو مجھے خود ہی بات کرنا پڑے گی۔ زندگی کے جتنے سال میں نے تم لوگوں کے سامنے گزارے ہیں۔ میرے چال چلن کی سند کے طور پر کافی ہوں گے۔ ہاں ابھی میں بے سروسامانی کی حالت میں ہوں، لیکن میرے اندر محنت کرنے کا حوصلہ ہے اور آگے بڑھنے کی لگن...... میری سنگت میں ثمینہ کے چند سال مشکل ضرور ہوں گے، لیکن میرا وعدہ ہے، جلد ہی میں اس کے لیے ایک گھر بنا کر دوں گا اور اس کا مستقبل بے حد محفوظ ہوگا۔ امید ہے فیاض! تمہیں کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔" رجب کی سنجیدگی دیکھنے سے متعلق تھی۔

"مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔" فیاض بھائی خوشی سے چہکے تھے" میرا بہترین دوست میرا بہنوئی بن رہا ہے، اس سے زیادہ خوشی کی بات اور کیا ہو سکتی ہے، کیوں فیضی؟" انہوں نے فیضان سے پوچھا، وہ زور، زور سے سر اثبات میں ہلانے لگا تھا۔

"ٹھیک ہے، پھر اس بات پر تو منہ میٹھا ہونا چاہیے۔" رجب نے دسترخوان سے ہاتھ پونچھتے ہوئے کہا اور اتنی دیر سے ہکا بکا بیٹھی ثمینہ گویا جاگ اُٹھی تھی۔

"لیکن مجھے اعتراض ہے۔" گو کہ یہ ایسا دور نہیں تھا کہ لڑکیاں اتنا آزادانہ اپنی شادی کے متعلق بات کریں، لیکن جس طرح کی صورت حال انہیں لاحق تھی، اس میں زبان پھسل جانا کچھ ایسا غیر معمولی بھی نہیں تا۔

"میں یہ شادی نہیں کر سکتی، کیونکہ میں زبردستی کسی پر مسلط نہیں ہونا چاہتی۔ مسئلہ ہمیں درپیش ہے، آپ کو نہیں، کہ آپ خود کو میرے لیے پیش کریں۔" ثمینہ نے سر جھکا کر قطعیت سے لیکن ناراضی بھرے لہجے میں کہا تھا۔

"مجھے اس زبردستی کے لفظ پر سخت اعتراض ہے لیکن تم کیا چاہتی ہو، تمہاری تشفی کے لیے میں تمہارے بھائیوں کے سامنے تم سے اظہار محبت کروں؟" رجب نے اتنی بے ساختگی سے کہا تھا کہ ثمینہ خفت سے لال پڑ گئی تھیں۔ فیضان اور فیاض قہقہہ لگا کر ہنس دیے تھے۔

"میرا خیال ہے میں تمہارا منہ میٹھا کروانے کے لیے مٹھائی لے آتا ہوں، لیکن یاد رکھنا رجب! میں سالا ہونے کے ساتھ حق دوستی بھی نبھا رہا ہوں۔"

فیاض بھائی نے ہنستے ہوئے شرارتی انداز سے کہا تھا اور ثمینہ کا بس نہ چلا کہ شرم کے مارے کہیں چھپ جائیں۔ فیاض بھائی تو خوشی میں بہت ہی بدلحاظ ہو گئے تھے۔

"شکریہ میرے دوست! لیکن تمہیں کہیں جانے کی ضرورت نہیں، وقت آنے پر اظہار کا بہانہ ہم خود بنا لیں گے۔ فی الحال تم اس گڑ سے منہ میٹھا کرواؤ اور اپنی بہن کا بھی کروا دو جو دل ہی دل میں غصہ پھانک رہی ہے۔" رجب نے گڑ کا چھوٹا سا ٹکڑا دانتوں سے توڑتے ہوئے کہا تھا۔

"اس گڑ کو شگن کی مٹھائی سمجھا جائے، دو روز بعد قاضی اور گواہ بلا کر نکاح کا بندوبست کر لیتے ہیں۔"

رجب نے اضافہ کیا۔ ثمینہ کی آنکھوں میں ساون آ بسا تھا۔ فیاض بھائی نے جلدی سے بڑھ کر انہیں اپنے بازوؤں میں سمیٹ لیا تھا۔ اس رات آسمان وقفے وقفے سے برستا رہا اور ثمینہ بار بار روتی رہی تھیں۔ انہیں اماں یاد آ رہی تھیں، ابا یاد آ رہے تھے اور خدا معلوم کیا کیا یاد آ رہا تھا۔ صبح

تنک ناک سوچ کر لال پکوڑا ہو چکی تھی اور آنکھوں میں سرخ ڈورے دوڑ رہے تھے۔

"السلام علیکم۔" رجب نے قریب سے گزر کر نلکے کی طرف جاتے ہوئے باآواز بلند کہا۔ ثمینہ کونے میں بنے چولہے کے پاس لکڑی کی پیڑھی پر بیٹھی روٹی پکا رہی تھیں۔ اس شرارت بھرے انداز پر غضب ناک ہو کر رجب کو گھورنے لگیں۔

"آنکھیں تمہاری پہلے ہی بھینس جتنی بڑی ہیں، اوپر سے دھویں سے انہیں لالوں لال کیے بیٹھی ہو۔ ایسے غصہ آنکھوں میں بھر کر مجھے گھورتی ہو تو یقین مانو میرا دل خوف سے کانپنے لگتا ہے۔"

رجب نے دستی نلکے کے پاس رک کر اور خوب بازو پھیلا کر انگڑائی لیتے ہوئے مسکراہٹ کے ساتھ شرارتی لہجے میں کہا تھا۔ اس طرف بادلوں کے چھٹنے کے بعد کی تیز چمکیلی دھوپ پڑ رہی تھی اور رجب کا چمکتا ہوا چہرہ ثمینہ کو زہر لگ رہا تھا۔ اوپر سے جملہ بھی ایسا بول دیا کہ تلوؤں میں لگی سر پہ بجھی۔

"یاد رہے، اب ان ہی خوف ناک آنکھوں کے ساتھ ساری زندگی بسر کرنا ہے آپ نے۔ میرا مشورہ ہے ایک بار پھر اپنے فیصلے پر غور کر لیں۔" ثمینہ نے جل کر کہا تھا۔

"جو فیصلہ جذباتیت میں ہو چکا اب اس پر کیا غور کرنا۔" رجب نے نلکا چلا کر زور، زور سے منہ پر پانی کے چھپاکے مارتے ہوئے ساختہ انداز میں کہا تھا۔ "اور اگر اپنے جذباتی فیصلے پر پچھتانا بھی پڑا تو مقدر کا لکھا سمجھ کر خاموش رہیں گے۔ زبان دے کر پھر جانے والوں میں سے تو ہم ہیں نہیں۔"

"اللہ رے یہ قناعت پسندی۔" پتا نہیں دھواں چولہے سے اُٹھا تھا یا ثمینہ کے دل سے۔ انہوں نے زور، زور سے آٹے کے پیڑے کو دونوں ہتھیلیوں میں اچھل پتھل کر کے توے پر پٹخ دیا۔

"اس سے تو اچھا ہے فیاض بھائی میری شادی سلطان پہلوان سے کروا دیں۔" ارشاد ہوا۔

"میرے لیے تو ایک روٹی پکاتے تمہیں مصیبت پڑتی ہے۔ اس پہلوان کے لیے جب پچیس پچیس روٹیاں ایک ساتھ پکانا پڑیں گی تو عقل ٹھکانے آ جائے گی۔"

"پکا لوں گی...... کم سے کم وہ مجھ سے محبت تو کرتا ہے۔" ثمینہ نے دوسری روٹی کا آٹا ہاتھ میں لیا۔

"کیا یہ بات وہ پہلوان خواب میں آ کر بتا گیا تھا؟" رجب نے ابرو اچکا کر قدرے سنجیدگی سے پوچھا تھا۔

"نہیں...... اس نے مجھے خط لکھا تھا۔" ثمینہ نے مزے سے کہا، رجب نے چند لمحے ثمینہ کو بغور دیکھا۔ گویا جھوٹ اور سچ کے تناسب کا تخمینہ لگانے کی کوشش کی تھی لیکن کچھ واضح نہ ہوتا تھا۔ تب ہی چھوٹے سے رومال کو زور سے جھاڑ کر الگنی پر پھیلا دیا۔

"رومال پہ کیسا غصہ؟" ثمینہ نے کن اکھیوں سے رجب کو دیکھا۔

"مجھے پتا ہوتا ایک معمولی سا خط تمہیں جذبوں کی صداقت کا یقین دلا سکتا ہے تو میں بہت پہلے تمہیں خط لکھ چکا ہوتا۔"

رجب نے سادگی سے کہتے ہوئے اس کے قریب پنجوں کے بل بیٹھ کر مہارت کے ساتھ توے پر روٹی پلٹی تھی۔

ثمینہ کے دل کی دھڑکن بے ترتیب ہوئی تھی

"مطلب؟" انہوں نے سر اُٹھا کر رجب کو دیکھا تھا۔

"مطلب یہ ہے کہ خدا نے تمہیں اس روئے زمین پر میرا مقدر بنا کر بھیجا ہے، کوئی پہلوان کا بچہ تمہیں جتنے مرضی خط لکھ لے، تمہیں مجھ سے چھین کر کہیں نہیں لے جا سکتا۔" رجب نے خوب صورتی سے مسکراتے ان کی آنکھوں میں جھانک کر کہا تھا۔

"خوش فہمی۔" ثمینہ نے شپٹا کر، لیکن بظاہر لاتعلقی سے نظروں کا رخ بدلا اور روٹی سینکنے لگیں۔ رجب نے ان کی بات پر بے ساختہ قہقہہ لگایا تھا۔

"خوش فہم ہوتا تو آج تم کو بیٹھا اپنے جذبوں کی صداقت کا یقین نہ دلا رہا ہوتا، بلکہ کئی سال پہلے تمہارے بھائی سے تمہیں مانگ چکا ہوتا۔"

ثمینہ کے چہرے کا رنگ بدلا تھا۔ رجب نے ہنستے ہوئے ان کے سر پر ہتھیلی جما کر سر کو زور سے ہلایا اور چلے گئے۔ ثمینہ متعجب سی انہیں جاتا دیکھتی رہیں۔ بند آنکھوں سے دیکھے ہوئے کچھ خواب آنکھ کھلنے پر ذہن سے محو ہو جاتے ہیں لیکن لاشعور میں اپنا عکس چھوڑ جاتے ہیں۔ جو زندگی میں اکثر مجسم ہو کر سامنے آجاتے ہیں۔ یہ بھی ایک ایسا ہی خواب تھا۔ ثمینہ حیران تھیں۔ پتا نہیں انہوں نے یہ خواب کب دیکھا تھا، لیکن یہ طے تھا کہ دیکھا ضرور تھا۔ اور یہ کیسی دلچسپ بات تھی کہ ان کا یہ انجانا خواب اس طرح اچانک پورا ہو رہا تھا۔ شاید خوش قسمتی اسی کو کہتے ہیں۔ ثمینہ نے مسکراتے ہوئے بے ساختہ سوچا تھا اور ان کا دل ٹھہر سا گیا تھا۔

☆☆☆

"ممی!" ماوی نے آہستگی سے پکارا تھا۔ ثمینہ یوں چونکیں جیسے گہری نیند سے جاگی ہوں۔ وہ کئی سال پہلے کا سفر کر کے آئی تھیں، تب ہی کچھ نا قابل فہم سے تاثرات ان کے چہرے پر ابھر آئے تھے۔

"آپ کی طبیعت ٹھیک ہے ممی!" ماوی نے گھبرا کر ان کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ ثمینہ نے اثبات میں سر ہلا دیا، تب ماوی نے کہا۔

"شزا آپ سے بات کرنا چاہتی ہے۔"

ثمینہ نے اس کے ہاتھ سے سیل فون لے کر کان سے لگا لیا۔

"ہیلو شزا۔"

ماوی خاموشی سے کھڑکی کے پاس جا رکی۔ بند شیشے پر باریک باریک بوندیں دکھائی دیتی تھیں اور شیشے کے اس پار گھٹا ٹوپ اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ آدھی رات کا وقت تھا۔ دیر تک طوفانی بارش برسنے کے بعد اب باہر گہری معنی خیز خاموشی پھیلی ہوئی تھی۔ آسمان خاموش، لیکن بادلوں سے بھرا ہوا تھا۔ کبھی کبھار بادل بڑے زور سے گرجتے اور بجلی کڑکتی تھی۔ ہوا البتہ گم صم اور پیڑ پودے ساکن تھے۔

طوفان آکر گزر چکا، لیکن یوں لگتا تھا جیسے ایک اور طوفان کی آمد آمد ہو۔ ماوی کے خیالات کچھ الجھے سے تھے۔ وہ گو کہ چپ چاپ اور ذہن و دل پر ایک بوجھ لیے ہوئے تھی، لیکن کسی ایک سوچ پر اس کا ذہن ٹکتا ہی نہ تھا۔ کبھی وہ بابا کو سوچنے لگتی، تو ذہن شہروز کی طرف چلا جاتا؟ پھر دادا جان کا خیال آتا تو ان خاتون کی بے رحمی ستانے لگتی، جن کا نام جنت تھا۔ لیکن اپنے نام کے برعکس انہوں نے اس کے بابا کی زندگی کو جہنم بنا دیا تھا۔

اسے بار بار چچا ہدایت اللہ اور ان کی بیگم بھی یاد آتی رہیں۔ نجانے کتنی دیر وہ یوں ہی کھڑی رہی، پھر ممی نے اسے پکار لیا۔

''ماوی!'' اس نے مڑ کر انہیں دیکھا، آرام کرسی پر بیٹھی ہوئی وہ بہت مضمحل دکھائی دیتی تھیں۔

''ایک کپ چائے مل سکتی ہے؟''۔

''ضرور...... میں ابھی لے کر آتی ہوں۔'' ماوی کچن کی طرف چلی گئی۔

ثمینہ آہستگی سے اٹھ کر صوفے پر دراز ہو گئیں اور انہوں نے آنکھیں بند کر لیں۔ ماضی کے سفر نے انہیں تھکا دیا تھا۔ ان کے ذہن و دل کو تھوڑا آرام چاہیے تھا۔ پھر انہیں ابھی ماوی کو اور بھی بہت کچھ بتانا تھا۔ بہت سے رازوں سے پردہ اٹھانا تھا اور اسے قائل کرنا تھا جو کہ وہ جانتی تھیں، ہرگز بھی آسان نہ ہوگا۔ وہ خود کو ماوی کے ہر اعتراض کو رفع کرنے کے لیے تیار کرنے لگیں۔

☆☆☆

''اور یوں میری شادی رجب سے ہو گئی گو کہ میں ان سے عمر میں خاصی چھوٹی تھی، شاید سولہ سال یا سولہ سال کچھ مہینے میری عمر رہی ہو گی لیکن تمہارے بابا سے میری...... بہترین ذہنی ہم آہنگی تھی۔ بعض اوقات ایسا ہوتا کہ وہ کچھ سوچ رہے ہوتے اور وہ بات میرے لبوں سے ادا ہو جاتی اور کبھی میرے ذہن میں کچھ چل رہا ہوتا تو ان کو اس بات کی خبر میرے بنا کہے ہو جاتی۔ ایک دوسرے سے محبت کرنا، احساسات و ترجیحات کی قدر کرنا، عزت دینا، میرا خیال ہے، میوچل انڈر اسٹینڈنگ اسی کو کہتے ہیں یوں لگتا تھا جیسے ہم ایک دوسرے کے لیے ہی بنے تھے اور گزرتے وقت نے یہ ثابت کر دیا۔

اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ جوڑے آسمانوں پر بنتے ہیں تو بالکل ٹھیک کہتا ہے۔ بہر حال میں اور رجب خوش تھے۔ زندگی جیسے یکدم ہی بہت خوب صورت ہو گئی تھی۔ پہلے میں جن باتوں پر پہروں پریشان رہتی تھی اب انہی باتوں کو میں نے چٹکیوں میں اڑانا شروع کر دیا تھا کیونکہ میرا دل کہتا تھا جب تک رجب میرے ساتھ ہیں، کوئی پریشانی دیر تک میرے پاس تک ہی نہیں سکتی۔

رجب کو ملازمت مل گئی تو ہم نے اپنے گھر کے متعلق سوچ بچار شروع کر دی، ہمیں ایک گھر بنانا تھا مضبوط بنیادوں والا گھر، جس میں ہماری اولاد محفوظ رہ سکے، لیکن قدرت کو کچھ اور منظور تھا۔ فیضان ہمارے پاس رہا۔ اس وقت روابط کے ذریعے اتنے تیز تو نہیں تھے کہ انسان دور جانے والے کے پل پل کی خبر رکھ سکے مگر کچھ عرصے بعد ان کی خبر آنا بھی بند ہو گئی۔ لیکن ہم جانتے تھے وہ جہاں بھی ہوں گے خیریت سے ہوں گے یا شاید ہم نے اپنے دلوں کو سمجھا لیا تھا، بہر حال، ہمارا رابطہ ان سے ختم ہو گیا۔ ان ہی دنوں میں اور رجب ہر وقت اپنے نئے گھر کے متعلق باتیں کرتے رہتے تھے۔

ان دنوں تم پیدا نہ ہوئی تھیں اور اولاد کے معاملے میں خدا نے ابھی ہماری دُعائیں قبول نہ کی تھیں۔

ان ہی دنوں رجب کی ملاقات سرِراہ اپنے والد صاحب سے ہو گئی۔ اس وقت تک رجب سولہ سال کے ڈرے سہمے نو عمر لڑکے نہ رہے تھے۔ انہوں نے اعتماد سے اپنے والد کا سامنا کیا۔ ادب احترام کے ساتھ خود آگے بڑھ کر ملے۔ دلاور حسین اس وقت تک ایک بڑے اور سربرآوردہ زمین دار مانے جانے لگے تھے ان کا شملہ اونچا ہو چکا تھا اور وہ چوہدری کہلوانے لگے تھے لیکن میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اونچے شملے والے چوہدری دلاور حسین نے اپنے بیٹے کے سامنے آتے ہی بھرے بازار میں رونا شروع کر دیا تھا۔

رونا آسان نہیں ہوتا۔ آنسو انسان کا خونِ جگر ہوتے ہیں، اس کی کمزوری کی علامت۔ کوئی اپنی کمزوریاں ہر ایک پر عیاں نہیں کرنا چاہتا

لیکن کوئی انسان اگر سب کے سامنے رو پڑے اپنا خون جگر عیاں کر دے تو اس کی لاچاری کا احساس کر لینا چاہیے۔ یہ سمجھ لینا چاہیے کہ وہ بے بسی کی کس آخری حد پر آ کر رو دیا ہوگا۔

اور میں نے چوہدری دلاور حسین کو ان کے ملازمین کی موجودگی میں روتے دیکھا۔ میرا دل بری طرح بھینچ گیا یہی حال رجب کا تھا۔ اپنے باپ کے پہلے آنسو کے ساتھ ہی ان کے سارے گلے شکوے، شکایتیں، ناراضیاں بہہ چکی تھیں۔ وہ بڑے مان سے اباجی کو گھر لے آئے اور سب سے پہلا احتجاج اباجی کو ہمارا بڑے ارمانوں سے سجایا ہوا گھر دیکھ کر ہوا۔

"تم لوگ یہاں رہتے ہو رجب!" اباجی حیرانی و ناپسندیدگی سے ہمارے گھر کی خستہ دیواروں کو دیکھ رہے تھے۔ شاید وہ دیواریں ان کی عظیم الشان حویلی کی دیواروں سے کہیں چھوٹی اور چھتیں اتنی نیچی تھیں کہ وہ ہاتھ بڑھا کر چھو سکتے تھے۔

"جی اباجی!" رجب نے ہنس کر کہا۔ "کیوں آپ کو ہمارا گھر اچھا نہیں لگا؟ خیر یہ تو کرائے کا مکان ہے جلد ہی میں اپنے ذاتی مکان کی بنیاد رکھنے والا ہوں، آپ وہاں ضرور آیئے گا۔"

"اور جو اتنی بڑی حویلی ہے۔" اباجی کی مبہم بات میں جو اشارہ تھا، وہ ہمیں سمجھنے میں ایک پل بھی نہ لگا۔

"وہ آپ کے باقی بچوں کے لیے ہے اباجی! اسے ان ہی کے لیے رہنے دیں۔" رجب نے سر جھکا کر لیکن مستحکم لہجے میں کہا تھا۔

"نہ پتر نہ...... وہ تیرے بہن بھائی نہیں۔ پہلے تو میرے لیے اہم ہے پھر وہ سب...... میرا سب کچھ تیرا ہی ہے، دل چاہے تو ان کو بھی دے دینا ورنہ میں اپنا سب کچھ تیرے نام لگا دوں۔"

"چھوڑیں بھی اباجی! اینٹ گارے کی عمارتیں لے کر میں نے کیا کرنا ہے۔ میرے حصے کی محبت تو آپ مجھے دے نہ سکے۔" شکوہ بالآخر زبان پر آ ہی گیا تھا۔

"پھر دونوں باپ بیٹا میں طویل گفتگو ہوئی۔ شکوے شکایتیں اور ان شکوں کو روکنے کے لیے دلائل...... حاصل بحث یہ کہ جتنے دن اباجی ہمارے یہاں رکے رجب کو ساتھ لیجانے کے لیے اصرار کرتے رہے۔

رجب متامل تھے۔ باپ کے اصرار کے آگے کمزور تو پڑ رہے تھے لیکن وہ اس حویلی میں جانا نہیں چاہتے تھے جہاں وہ جلاد صفت عورت اب تک موجود تھی۔ تب میں نے انہیں سمجھانے کی کوشش کی۔

"آپ وہاں جا کر رہنا نہیں چاہتے تو نہ رہیے، لیکن چند روز کے لیے چلے جانے میں کیا مضائقہ ہے۔"

بات معقول تھی رجب کے دل کو لگی اور وہ حویلی جانے کے لیے تیار ہو گئے، ساتھ ہی انہوں نے اباجی کو بتا دیا کہ ہم چند روز ہی رکیں گے۔ اباجی اسی میں خوش تھے کہ رجب ان کے ساتھ چلنے کے لیے راضی ہو گئے ہیں، سو انہوں نے مزید اصرار کسی اور وقت کے لیے ٹال دیا اور یوں ہم حویلی آ گئے۔

حویلی میری توقعات سے کہیں زیادہ پرشکوہ تھی اور جنت بی بی...... اف میں کیا بتاؤں وہ کیا تھی۔ رجب کی باتیں سن سن کر میرے ذہن

میں دل میں ان کا جو تصور ابھرتا تھا وہ ایک ایسی عورت کا تھا جس کی شکل وصورت تھوڑی سی اچھی تھی لیکن جنت میرے تصور سے ماورا چیز تھی۔

وہ اتنی خوب صورت تھی ماوی کہ میں لفظوں میں اس کی خوب صورتی کو بیان بھی نہیں کر سکتی۔ لگتا ہی نہ تھا کہ وہ اتنے بڑے بڑے بچوں کی ماں ہے۔ زیادہ سے زیادہ ان کی بڑی بہن لگتی۔ اس حساب سے تمہارے دادا کے ساتھ اس کی جوڑی بڑی بے ڈھب لگنے لگی تھی، کہاں وہ لمبی سفید ریش والا اونچا لمبا لیکن ناتواں آدمی، جسے بیٹے کی جدائی نے کچھ زیادہ ہی بوڑھا کر دیا تھا اور کہاں وہ کسی سانچے میں ڈھلی ہوئی نظر و دل کو ٹھٹکنے پر مجبور کر دینے والی عورت...... بولتی تو اس کے لبوں سے گویا پھول جھڑتے تھے۔ اتنی میٹھی محبت بھری زبان سن کر مجھے رجب کی ساری باتیں من گھڑت لگنے لگیں۔ شاید اپنے حویلی سے بھاگ جانے والی بات جسٹی فائی کرنے کے لیے انہوں نے جھوٹی سچی کہانی بنائی تھی۔ بہر حال میں جنت کی خوبصورتی سے مرعوب ہوئی تھی تو اس کی شیریں بیانی نے مجھے چاروں شانے چت کر دیا تھا۔

اور زریں بالکل اپنی ماں کا پرتو تھی۔ ویسی ہی دلکش، وہ طرح دار انداز، یا شاید وہ اپنی ماں کا عکس تھی یا غالباً اس سے کچھ کم خوب صورت تھی، جیسے ایک ہی دکان سے ایک کمپنی کا ایک ہی رنگ کا دھاگا انیس بیس کے فرق کے ساتھ ہاتھ میں آتا ہے تو یہی حال جنت اور زریں کا تھا۔ وہ خوب صورت تو تھی لیکن جنت والی بات اس میں نہ تھی پھر بھی فیضان نے اس کے آگے دل ہار دیا۔ ہم وہاں پندرہ یا بیس دن رکے۔ اس دوران خدا معلوم ان دونوں کے درمیان کیا بات چیت ہوئی۔ واپس آ کر فیضان نے میرے سامنے اپنی خواہش رکھ دی۔"

ماوی کو اسی قصے میں سب سے زیادہ دلچسپی تھی لہٰذا وہ ہمہ تن گوش ہو کر بیٹھ گئی۔ بلکہ ہمہ تن گوش تو پہلے ہی تھی اب اور توجہ سے سننے لگی۔

"لیکن میں نے فیضان کی خواہش کو رد کر دیا۔ کچھ تو میرا دل کہہ رہا تھا کہ یہ رشتہ طے پانا ناممکنات میں سے ہے پھر اس رشتے کی راہ میں بہت ساری رکاوٹیں حائل تھیں۔ عمر کا فرق، رتبے کا فرق...... سب سے بڑی بات جو مجھے اپنے حویلی میں قیام کے دوران ہی پتا چل چکی تھی وہ یہ کہ زریں کا رشتہ اس کی چھوٹی بھاوج کے بھائی سے طے پا چکا تھا۔"

یہی ساری باتیں فیضی کے سامنے رکھ کر میں نے انکار کر دیا کہ یہ رشتہ ممکن نہیں وہ زریں کو بھول جائے۔ فیضان اس وقت بہت کم عمر تھا، کوئی کیریئر نہیں تھا اس کا لیکن اس عمر کی جذباتیت کے ہاتھوں تقریباً خفا ہو کر یہ جرمنی چلا گیا۔ آگے کی اس کی جدوجہد کی داستان تو تمہیں معلوم ہے۔ ہم اپنی زندگیوں میں مست رہے۔

فیضان نے فیاض بھائی کو اپنے پاس کس طرح بلایا اور اپنے قدم جمانے کی کیا کچھ کیا، تم جانتی ہی ہو، اس لیے یہاں ان باتوں کا ذکر غیر ضروری ہوگا۔ میں تمہیں تمہارے دادا کی حویلی کے متعلق بتا رہی تھی۔ ہم حویلی سے واپس تو آ گئے تھے لیکن پھر اکثر وہاں جانے لگے۔

میں غریب گھر کی تھی مجھے حویلی کے وہ ٹھاٹ زیادہ اچھے لگتے تھے، پھر جنت کے حسن و محبت کا سحر بھی مجھ پر چل چکا تھا۔ رجب معترض ہوتے لیکن میں بصد اصرار انہیں حویلی لے جاتی لیکن میں یہ نہیں جانتی تھی کہ اندر ہی اندر وہ کیا پلاننگ کر رہے ہیں۔ انہوں نے چپکے چپکے نوشہرہ جانے کی تیاری کر لی تھی اور مجھے کانوں کان خبر نہ ہونے دی تھی۔ وجہ شاید یہی تھی کہ وہ مجھے جنت کے سحر سے بچانا چاہتے تھے۔

"نوشہرہ روانگی سے کچھ روز پہلے ہم مستقیم کی شادی میں حویلی گئے، وہیں میری پہلی ملاقات دلہن بنی ثروت سے ہوئی۔"

"ثروت؟" یہ نام سن کر ماوی ٹھٹک گئی اس نے زیر لب دوہرایا۔

"ہاں ثروت......اینیا کی ممی......" ثمینہ نے سابقہ اطمینان سے جواب دیا، ساتھ ہی بغور اس کے تاثرات کا جائزہ لیا تھا۔ حالانکہ بغور جائزہ لینے کی ضرورت تو نہیں تھی، سب کچھ صاف نظر آ رہا تھا۔ ماوی مارے تعجب کے کھلی آنکھوں اور کھلے منہ کے ساتھ ہکا بکا ثمینہ کو دیکھ رہی تھی۔

"ثروت آنٹی؟ اینیا کی ممی؟" چند منٹ بعد بالآخر وہ تعجب و بے یقینی کے اثر سے نکلنے کے بعد بولنے کے قابل ہو ہی گئی تھی۔

"اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ دانیال انکل میرے چچا......"

اس کا جملہ بیچ میں ہی رہ گیا ثمینہ نے اس کی بات تیزی سے کاٹی تھی۔

"ارے نہیں بھئی......ثروت دراصل تمہارے سوتیلے چچا مستقیم بھٹی کی پہلی بیوی ہیں۔ مستقیم سے طلاق کے بعد انہوں نے دانیال حسن سے شادی کر لی تھی۔"

"یا اللہ......" ماوی نے اپنا سر دونوں ہاتھوں سے تھام لیا۔ "یہ کیا گڑبڑ ہے ممی! کس کس طرح کے انکشافات کر رہی ہیں آج آپ کا میں یقین نہیں کر پا رہی۔"

اس کی بات پر ثمینہ بے مقصد مسکرا دیں۔

"تم ابھی سے تھک گئیں ابھی تو بہت کچھ ایسا ہے جس سے تمہیں آگاہ ہونا ہے۔"

"تھکی نہیں ہوں۔ لیکن حیران ضرور ہو گئی ہوں۔" اس نے بالوں میں انگلیاں پھنسا کر گہری سانس بھرتے ہوئے کہا تھا۔

"کیا آپ ثروت آنٹی کے بارے میں پہلے سے جانتی تھیں؟"

"نہیں...... پہلے سے کیسے پتا ہو سکتا تھا...... یہاں آنے کے بعد اور ثروت سے ملنے کے بعد مجھے شک سا گزرا تھا کہ میں اس سے پہلے بھی کہیں مل چکی ہوں لیکن چونکہ حویلی میں بڑی مشکل سے ایک یا دو ملاقاتیں ہوئی تھیں اس لیے میں فوری طور پر پہچان نہیں سکی۔ پھر کچھ روز گزرنے کے بعد مجھے یاد آ گیا تھا۔"

"اینیا، ولی اور ولید تو شاید اس بارے میں لاعلم ہوں گے کہ ثروت آنٹی کی پہلے بھی کہیں شادی ہوئی تھی۔" اسے یکدم خیال آیا تھا۔

"میرا نہیں خیال کہ ثروت نے بچوں کو اس بات سے بے خبر رکھا ہو گا۔" ثمینہ نے پرسوچ انداز میں اپنا خیال ظاہر کیا۔ "وہ بھی اس صورت میں کہ جب وہ اپنے پہلے شوہر سے جو اولاد ہے، اس سے بھی رابطہ رکھے ہوئے ہے۔ ایسی باتیں کہاں چھپائی جا سکتی ہیں، خصوصاً اس کنڈیشن میں جب مستقیم کا بیٹا بھی اسی ایریا میں رہائش پذیر ہے۔"

"ارے۔" ماوی کا فطری تجسس جاگا...... "وہ بھی یہیں رہتا ہے۔ آپ ملی ہیں اس سے؟"

"باقاعدہ ملاقات تو نہیں ہوئی لیکن پارک میں اکثر شبیہ العباس کو دیکھا ہے۔"

"شبیہ العباس۔" یہ نام اپنی انفرادیت کی بنا پر ابھی تک اس کی یادداشت سے محو نہیں ہوا تھا۔ اس نے زیر لب نام دوہرایا، پھر ایک خیال

بجلی کی طرح اس کے ذہن کی سرزمین پر گر پڑا۔

''شبیہ العباس تو جلال الدین کا بھائی ہے۔ اس طرح تو......'' اس نے تیزی سے کہا تھا۔

''تم صحیح سمجھ رہی ہو۔'' ثمینہ نے آہستگی سے کہا تھا۔ ''شبیہ العباس جلال الدین کا بھائی ہے، لیکن سگا بھائی نہیں ہے بلکہ تایا زاد بھائی ہے اور وہ دونوں رجب کے سوتیلے بھائیوں کی اولادیں ہیں۔''

''یہ کیسا اتفاق ہے۔ کہاں تو میں ان کے ناموں سے بھی ناواقف تھی اور کہاں پاکستان آتے ہی ان سے ملاقات ہو گئی۔ کبھی ایسا ہوتا ہے، انسان کی پوری زندگی کسی دوسرے انسان سے ملنے کی خواہش میں ختم ہو جاتی ہے اور کبھی قدرت کچھ ایسے انسانوں کو لا کر سامنے کھڑا کر دیتی ہے جن کے متعلق ہم نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا ہوتا۔ مجھے ایسا کیوں لگ رہا ہے ممی! کہ اتنے سارے سوتیلے رشتوں کا ہمارے سامنے اچانک آ جانا کوئی معمولی بات نہیں ہے؟ تقدیر ہمارے ساتھ کوئی ڈبل گیم کھیل رہی ہے یا ہمیں اپنے داؤ پیچ میں اُلجھانا چاہتی ہے؟'' ماوی نے اُلجھن آمیز لہجے میں کہا تھا۔

''نہیں...... یہ محض اتفاق ہے کہ وہ لوگ اس طرح غیر متوقع طور پر ہمارے سامنے آ گئے۔'' ثمینہ نے فوراً سختی سے اس کی تردید کی تھی۔

''ہاں...... لیکن یہ ضرور مانتی ہوں کہ جو کچھ ہو رہا ہے اور جو آنے والے دنوں میں ہو گا، وہ تقدیر کا چلایا ہوا چکر ہے اور ہم کچھ بھی کر لیں، تقدیر سے نہ تو منحرف ہو سکتے ہیں، نہ ہی اس کے چکر سے بچ سکتے ہیں۔ مجھے اس بات پر یقین آ چکا ہے ماوی تم بھی یقین کر لو۔''

ثمینہ کہہ رہی تھیں اور اس وقت ان کی آنکھیں اس طرح چمک رہی تھیں جس طرح کسی گھنے جنگل کی تاریکی میں بھیڑیے کی آنکھیں چمکتی ہوں گی۔ ماوی دونوں ہاتھ اوپر نیچے میز پر رکھی ان ہاتھوں پر ٹھوڑی لگائے سامنے کھڑکی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اس کے چہرے پر گہری سوچ کا عکس تھا۔ چونکہ وہ ثمینہ کی طرف متوجہ نہیں تھی اس لیے ان کی آنکھوں کی چمک بھی نہ دیکھ پائی تھی۔

☆☆☆

عین اس لمحے جب ثمینہ ماوی کو لے کر ماضی کی تلخیوں میں بھٹک رہی تھی، ٹھیک اسی وقت ہسپتال کے پرائیویٹ کمرے میں تنہا لیٹی ثروت کو ان کی یادوں نے گھیر رکھا تھا۔

کبھی انہیں شبیہ کی باتیں، اس کی ناراضی یاد آنے لگتی، کبھی دانیال حسن کی بدگمانی، کبھی مستقیم کی محبت اور کبھی...... کبھی وہ عورت جس نے اپنی کینہ پرور ذہنیت کے ہاتھوں ان کی پرسکون زندگی کو عذاب بنا دیا تھا۔ ہوتا دراصل یہ ہے کہ زندگی مشکل نہیں ہوتی لیکن جب چھوٹی اور معمولی باتوں کو جان بوجھ کر بڑھا چڑھا کر پیش کیا جائے تو زندگی مشکل بن ہی جاتی ہے۔ ثروت کے ساتھ بھی یہی ہوا تھا۔

وہ ایک پڑھے لکھے خوش حال گھرانے سے تعلق رکھتی تھی۔ ان کے والد شہر کے مشہور بیرسٹر تھے۔ وہ ابھی اسکول میں ہی تھیں کہ اس دور کے رواج کے مطابق یہ فیصلہ کر لیا گیا کہ ان کی شادی خالہ زاد دانیال سے کی جائے گی۔ کوئی باقاعدہ رسم نہیں ہوئی تھی لیکن بزرگوں میں سرسری طور پر بات چیت ہو چکی تھی اور اپنی بڑی بہنوں کی زبانی ثروت کو بھی خبر مل چکی تھی۔ ان کے خاندان میں پردے وغیرہ کی ایسی کوئی خاص پابندی نہیں تھی اسی لیے دانیال سے ان کی ملاقات خاندان کی تقریبات وغیرہ میں ہوتی رہتی تھی۔ ثروت جانتی تھیں جلد یا بدیر انہی سے ان کی شادی ہو گی لیکن انہوں نے

کبھی غور نہیں کیا کہ دانیال انہیں پسند ہیں یا نہیں۔

"نشی آپا! یہ بھائی صاحب کے دوستوں میں اتنا لمبا لڑکا کون ہے؟" وہ کچن کی کھڑکی سے نظر آتے لان میں نظریں ڈالتے پوچھ رہی تھیں۔

"کون...... کس کی بات کر رہی ہو؟" نشی آپا ذرا مصروف تھیں۔

"وہی جو اتنا لمبا ہے کہ مجمع میں کھڑا دور سے ہی فوراً نظر آ جائے۔ توبہ، توبہ...... اتنا لمبا بھی کوئی نہ ہو...... ایک منٹ کے لیے تو مجھے یوں لگا جیسے بجلی کے کھمبے پر کسی نے انسانی شکل لگا دی ہو۔" ثروت نے نیم سنجیدگی سے کہا نشی آپا ہنستے ہنستے دوہری ہو گئیں۔

"تمہارا بھی جواب نہیں ہے ثروت!...... بیچارہ مستقیم اتنا بھی لمبا نہیں ہے۔"

"اچھا تو موصوف کا نام مستقیم ہے۔ جتنا لمبا قد اتنا ثقیل نام۔"

"تمہارے بھائی صاحب کے ساتھ انجینئرنگ کالج میں پڑھتا ہے لیکن جونیئر ہے ان سے۔" ویسے مجھے مستقیم بھائی بہت پسند ہیں۔

"اچھا...... میں بتاؤں گی بھائی صاحب کو۔" ثروت نے شرارتی انداز میں آنکھیں مٹکائی تھیں۔

"بتا دینا...... تمہارے بھائی صاحب جانتے ہیں تم ان کی کتنی فسادی قسم کی سالی ہو۔" آپا نے ہنس کر کہا تھا۔ "ویسے ثروت! اگر دانیال کا معاملہ نہ ہوتا تو میں مستقیم کیساتھ تمہاری بات چلاتی۔"

"اچھا" ثروت نے دور کھڑے مستقیم کو دیکھا۔ وہ اس طرف ہی دیکھ رہے تھے۔ ثروت سٹپٹا کر کھڑکی سے ہٹ گئیں۔

"امی نے تمہارا رشتہ کرنے میں بڑی جلد بازی کی۔" آپا کہہ رہی تھیں۔ ثروت خاموش رہیں اور لاحول پڑھ کر اس خیال کو جھٹک دیا لیکن یہ کچھ ایسا آسان بھی نہ تھا، پھر نشی آپا بھی پتا نہیں کیا سوچ چکی تھیں۔ انہوں نے اگلے ہی روز امی سے اس سلسلے میں بات کر ڈالی۔

"آپ خالہ جان کی طرف سے فکر مند نہ ہوں۔ دانیال ابھی تک برسرروزگار نہیں ہوا۔ آخر ہم کب تک ثروت کو اس کے نام پر بٹھائے رکھیں گے۔"

"پھر بھی نشی! تمہاری خالہ بہت خفا ہو جائیں گی۔" امی متذبذب تھیں۔

"اگر ثروت کے لیے ان کے دل میں سچ مچ محبت ہے تو ہرگز خفا نہیں ہوں گی۔ امی! اس زمانہ ہر کوئی اپنی اولاد کی بھلائی سوچتا ہے تو پھر آپ کیوں اولاد سے زیادہ بہن کی فکر کر رہی ہیں؟ میں نے اکبر سے بات کی تھی۔ ان کا بھی خیال ہے کہ ثروت کے لیے مستقیم بھائی دانیال سے زیادہ مناسب ہیں شکلاً بھی اور فیملی بیک گراؤنڈ کے اعتبار سے بھی...... ہماری ثروت ان کی حویلی میں راج کرے گی اور سب سے بڑی بات یہ کہ ثروت بھی مستقیم کو پسند کرتی ہے۔ اس نے خود کہا مجھ سے۔"

نشی آپا کے اس کھلے جھوٹ پر ثروت بری طرح بدکیں

"ہائے اللہ...... آپا! یہ کب کہا میں نے؟"

"کیوں، کل خود ہی نہیں کہہ رہی تھیں کہ اس لمبے قد والے کی آنکھیں کتنی خوب صورت ہیں؟"

"ہاں تو اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ میں اسے پسند کرتی ہوں۔"

"ناپسند بھی تو نہیں کرتیں۔"

"آپا......!" ثروت کے احتجاج کو بھی نشی آپا کسی خاطر میں نہ لائیں اور امی کو قائل کر کے ہی دم لیا۔ ثروت کو نہ دانیال سے دلچسپی تھی، نہ مستقیم سے۔ لیکن نشی آپا کے سمجھانے بجھانے پر انہوں نے بھی اپنے بہتر مستقبل کو اولیت دی اور یوں قرعہ فال مستقیم کے نام نکل آیا۔ لیکن اس شادی کے لیے امی کو بہن کی ناراضی مول لینا پڑی تھی۔

شروع کے دنوں میں یہ شادی ثروت کو کسی خواب کی طرح لگتی تھی۔ کہاں انہیں دانیال کی دلہن بننا تھا اور کہاں آناً فاناً ان کی شادی مستقیم سے ہوگئی۔ مستقیم نے انہیں بتایا تھا، خود انہوں نے بھی ثروت کو اسی تقریب میں دیکھا تھا جب ثروت ان کے لیے قدر پر تبصرہ کر رہی تھیں اور وہ انہیں دیکھ کر پہلی نظر کی محبت ٹائپ کسی جذبے کا شکار ہو گئے تھے۔ بقول ان کے، یہ ان کے جذبوں کی سچائی ہی تھی جس نے انہیں اپنی ماں سے ضد منوانے میں مدد دی تھی۔

یہاں تک سب کچھ ٹھیک تھا۔ نکاح کی بدولت ثروت کو بھی مستقیم سے محبت ہوگئی تھی لیکن جلد ہی انہیں احساس ہو گیا کہ اس حویلی میں آنا صرف مستقیم کی رضا تھی اور اپنی بات منوانے کے لیے انہوں نے اپنی ماں سے تقریباً ضد ہی باندھ لی تھی۔ انجام کار ثروت اس حویلی میں آگئیں لیکن مستقیم کی ماں کے دل میں ان کے لیے بغض پیدا ہو گیا تھا۔

وہ حاکمیت پسند عورت تھی۔ اپنے اختیارات میں دخل اندازی اس سے برداشت نہ ہو پاتی تھی اور اس نے ثروت سے بیر باندھ لیا تھا۔ شادی کے کچھ مہینوں بعد ہی اس نے ثروت اور مستقیم کے درمیان غلط فہمیوں کی دیوار اٹھانا شروع کر دی تھی۔ مستقیم بھی عجیب و غریب انسان تھے۔ انہوں نے ماں سے ایک ضد منوانے کے بعد گویا باقی ساری زندگی شرم ساری سے ان کے آگے سر جھکا دیا تھا۔ مجال ہے جو حقیقت حال سے واقف ہونے کے باوجود ثروت کی طرف داری میں ان کے منہ سے ایک لفظ بھی نکلتا ہو۔

ثروت اس صورت حال سے بے حد پریشان رہنے لگی تھیں۔ وہ خود پڑھے لکھے اور سلجھے ہوئے ماحول کی پروردہ تھیں۔ ایسی شاطرانہ اور گھٹیا چالوں سے ان کا کبھی سابقہ نہ پڑا تھا اسی لیے فوراً ہی گھبرا گئیں اور انہوں نے مستقیم سے شکایت کرنا شروع کر دی۔

"تم مجھے میری ماں کے خلاف کر دینا چاہتی ہو۔"

خدا معلوم جنت بی بی ان کے کان کس کس طرح بھر رہی تھی کہ ہر بار ثروت کی باتیں انہیں یہی سوچنے پر مجبور کر دیتیں۔ رفتہ رفتہ مستقیم ان سے اتنا دور ہوتے چلے گئے کہ ناچار ثروت نے علیحدگی کے متعلق غور کرنا شروع کر دیا۔

"مجھے کچھ روز امی کے یہاں چھوڑ دیں۔ یہاں رہوں گی تو پاگل ہو جاؤں گی۔" انہوں نے اپنا سر دباتے ہوئے التجا آمیز لہجے میں کہا تھا۔

"ہاں ٹھیک ہے...... میں تمہیں چھوڑ دیتا ہوں لیکن اس کے بعد لینے نہیں آؤں گا۔ تم ساری زندگی انہی کے پاس رہنا اور ہاں شبیہ کو بھی میں لے جانے نہیں دوں گا۔" مستقیم نے رکھائی سے کہا تھا۔

"مستقیم......" وہ اس انداز پر ہکا بکا رہ گئی تھیں۔

"مستقیم بالکل ٹھیک کہہ رہا ہے۔ تم اپنی مرضی سے جاؤ گی تو واپس لانا یا نہ لانا ہماری مرضی پر منحصر ہوگا۔ شبیہ مجھ سے بہت قریب ہے، وہ میرے پاس ہی رہے گا۔" جنت بی بی نے یکدم کمرے میں آتے ہوئے کہا تھا۔

"آپ دروازے کے باہر کھڑی ہماری باتیں سن رہی تھیں؟" ثروت نے اچنبھے سے انہیں دیکھا۔ "آپ کو شرم نہیں آتی اس طرح کی گھٹیا حرکت کرتے ہوئے۔"

"مستقیم! تم نے سنا یہ مجھ سے کس طرح بات کرتی ہے؟"

"جی ماں جی! میں نے سنا...... آپ نے ٹھیک کہا تھا، اسے بات کرنے کی تمیز بھی نہیں ہے۔ ثروت! ماں جی سے معافی مانگو۔"

"کس بات کی معافی!" ثروت بری طرح سلگیں "اگر کسی کو معافی مانگنا چاہیے تو وہ تمہاری ماں جی ہیں جو ہمارے کمرے کے باہر کھڑی ہماری باتیں سن رہی تھیں...... پھر انہیں کیا حق ہے کہ ہمارے نجی معاملے میں دخل دیں۔"

"یہ حویلی میری ماں کی ہے۔ یہاں جو کچھ بھی ہوتا ہے، وہ ان معاملات میں شامل ہے اور تمہیں کوئی حق نہیں کہ میری ماں کی توہین کرو...... معافی مانگو ان سے۔" مستقیم نے دانت کچکچا کر کہا تھا۔

"تم جیسے مردوں کو شادی نہیں کرنا چاہیے مستقیم! ساری زندگی ماں کے آنچل میں چھپ کر بیٹھے رہنا چاہیے۔"

اس بات پر مستقیم نے انہیں تھپڑ کھینچ مارا تھا۔ اس کے بعد کیا ہوا یہ بتانے کی ضرورت تو نہیں ہے؟

وہ حویلی چھوڑ کر اپنے باپ کے گھر آ گئیں۔ کورٹ میں خلع اور پھر شبیہ کی کسٹڈی کا کیس فائل کیا گیا۔ لیکن عدالت میں پہلی ہی شنوائی پر مستقیم کے وکیل کی طرف سے ثروت کو ایسے ایسے شرمناک الزامات کا سامنا کرنا پڑا کہ ان کی ہمت جواب دے گئی اور انہوں نے گھبرا کر عدالت میں دی ہوئی خلع کی درخواست واپس لے لی۔ کچھ مہینوں کے بعد مستقیم نے از خود انہیں تحریری طلاق بھجوا دی تھی۔ البتہ شبیہ کو دینے پر وہ راضی نہیں تھا۔

ناچار ثروت نے دل پر جبر کی سل رکھ لی۔ قانون کی مدد لینے کی صورت میں انہیں پھر عدالت جانا پڑتا۔ پھر ان کے کردار پر کیچڑ اچھالا جاتا اور پھر وہ ذہنی توڑ پھوڑ کا شکار ہوتیں۔

تقریباً سال بھر کے بعد خالہ پھر ان کے لیے سوالی بن کر آ گئیں۔ تب امی نے ضد پکڑ لی۔

"دانیال تمہارے لیے سب سے بہتر ہے۔ مستقیم کے لیے بھی تمہی نے دباؤ ڈالا تو مجھے ماننا پڑا تھا ورنہ سچی بات ہے اس کی ماں مجھے ایسی لگی ہی نہیں تھی جو اولاد کا گھر بسنے دے۔"

"لیکن امی!"

"بیٹے! مجھ پر بھروسا کرو۔ ماں ہوں، تمہاری دشمن نہیں۔ دانیال کے دل میں تمہارے لیے محبت ہے ورنہ کون یوں ٹھکرائے جانے کے بعد واپس آتا ہے وہ بھی طلاق یافتہ اور ایک بچے کی ماں کے لیے۔"

امی نے ان کے ہر اعتراض کو رد کر دیا اور جس طرح اچانک ان کی شادی مستقیم سے ہوئی تھی پھر طلاق بھی آناً فاناً ہو گئی، اسی طرح دانیال سے شادی بھی ہو گئی۔

امی کی بات درست تھی۔ دانیال کے دل میں سچ مچ ان کے لیے محبت تھی۔ شادی کے بعد ہر دن یہ محبت گہری ہوتی گئی لیکن دانیال کے دل میں مستقیم کی طرف سے ایک چبھن تھی جو ایک روز مارکیٹ میں غیر متوقع طور پر مستقیم سے مل کر گہری ہو گئی۔ مستقیم کا ثروت کو دیکھ کر ٹھٹکنا اور پھر ثروت کا بے ساختہ اس کی طرف بڑھنا دانیال کے دل میں ہمیشہ کی کدورت ڈال گیا تھا۔

بعد میں ثروت، بہترا سمجھاتی رہیں کہ وہ مستقیم کو دیکھ کر نہیں، بلکہ اس کے ساتھ کھڑے شبیہ کی طرف بڑھی تھیں لیکن ان کو یقین نہ آنا تھا ہو نہ آیا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ دانیال کا دھوپ چھاؤں سا رویہ بڑھتا چلا گیا۔ ثروت عادی ہو کر بھی عادی نہ ہو سکیں۔ ایک بار طلاق کا داغ ان کے دامن پر لگ چکا تھا۔ دوسری بار بھی خدانخواستہ اس مرحلے سے گزر کر وہ خود کو "بری عورت" نہیں کہلوانا چاہتی تھیں۔ ہمارا معاشرہ کسی عورت کو ایک بار طلاق یافتہ ہونے پر معاف کر سکتا ہے، لیکن دوسری بار ہرگز نہیں۔

یہی وجہ تھی کہ ثروت نے اپنی زبان پر قفل لگا کر اپنی گرہستی بچانے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگانا شروع کر دیا۔ لیکن اتنی کوششوں کے باوجود اتنے ڈھیر سارے سالوں کی رفاقت بھی انہیں بدگمانی کے اس دائرے سے باہر نہ نکال سکی تھی جو دانیال نے ان کے گرد کھینچ رکھا تھا۔ چند سال پہلے شبیہ نے بھی اسی علاقے میں رہائش اختیار کی اور اتفاقاً ان لوگوں کی مڈبھیڑ رہنے لگی۔ جہاں شبیہ کو دیکھ کر ثروت کے ماتا سے تڑپتے دل کو کسی قدر سکون آ جاتا تھا، وہیں ذہنی پریشانی شروع ہو جاتی تھی کہ پھر کئی روز تک انہیں دانیال کی ناراضی برداشت کرنا پڑتی تھی۔ لیکن اب وہ سب سہتے سہتے تھک چکی تھیں۔ یہ ذہنی تھکن ہی تھی جو انہیں ہسپتال لے آئی تھی۔ اتنی محنت اتنی جدوجہد کے بعد تھک ہار کر انہوں نے فیصلے کا اختیار دانیال کو دے دیا تھا اور دانیال نے منٹوں میں ان کی محنت مٹی میں ملا دی تھی۔ اپنے چھوٹے سے فیصلے سے انہوں نے ثابت کر دیا تھا کہ انہیں ثروت پر اعتبار نہیں ہے۔

ثروت کی کنپٹیوں پر آنسوؤں کی لکیریں بہہ رہی تھیں اور انتہائی کرب سے وہ سوچ رہی تھیں۔

"اگر اٹھارہ سال کی رفاقت بھی مرد کو عورت کے اخلاص کا اعتبار نہیں دلا سکتی تو کیا فائدہ ہے اس عورت کی زندگی کا؟" زندگی میں پہلی بار ان کا دل چاہ رہا تھا وہ خودکشی کر کے زندگی کے اس عذاب سے چھٹکارہ حاصل کر لیں۔

☆☆☆

منظر کچھ خاص نہ بدلا تھا۔ صوفہ پر نیم دراز ثمینہ، سامنے والے صوفے سے ٹیک لگا کر اور میز پر کہنیاں لگا کر چہرے پر زمانے بھر کا تجسس سجائے کارپٹ پر بیٹھی ماوی، شیشے کی بڑی سی کھڑکی کے باہر چپکے چپکے بہتی رات اور اس رات کے ساتھ سفر کرتے یادوباراں۔

ثمینہ کی دھیمی، یکساں متوازن آواز سارے میں بکھر رہی تھی۔

"زندگی اچھی گزر رہی تھی۔ ہم خوش اور مطمئن تھے لیکن مجھے رجب کے آناً فاناً اٹھ کر نوشہرہ آ جانے کے فیصلے پر اعتراض تھا جو میں وقتاً فوقتاً جتاتی رہتی تھی اور رجب سے ڈانٹ بھی کھاتی تھی کہ ان کو یہ ذکر کچھ خاص پسند نہ تھا جبکہ مجھے حویلی کی شان و شوکت اور وہاں کے کمفرٹس بھولتے ہی نہ تھے۔"

جب ہم آخری بار حویلی گئے تو مستقیم کی شادی ہو رہی تھی۔ حویلی کو خوب سجایا گیا تھا۔ میری آنکھوں میں سے بقعہ نور بنی حویلی کا منظر نکلتا ہی نہ تھا۔ میرا دل چاہتا تھا ہم حویلی جائیں اور ان آرام دہ بستروں کو استعمال کریں جن کی نرماہٹ خواب کی سی لگتی تھی۔

وہ نت نئے کھانے جن کے ذائقے اپنی پہلی زندگی میں، میں نے کبھی نہ چکھے تھے بہر حال میں نے کئی بار رجب کو چل کر حویلی میں رہنے اور اپنا حصہ لینے کے لیے اصرار کیا لیکن ان کے کان پر جوں تک نہ رینگتی تھی۔ وہ میرے اصرار کے جواب میں ہر بار سختی سے انکار کر دیتے تھے۔ میں ان کا غصہ دیکھ کر خاموش ہو جاتی اور چند روز گزرنے کے بعد پھر وہی قصہ چھیڑ دیتی۔

''اچھی بھلی تمہاری عقل تھی۔ آخر اس معاملے میں چلنا کیوں بند ہو گئی؟ جب میں نے کہہ دیا، مجھے حویلی اور جائیداد میں سے حصہ نہیں چاہیے تو تم کیوں آخر ایک ہی بات کے پیچھے پڑی رہتی ہو؟ تم حویلی کی شان و شوکت سے متاثر ہوئی ہو، لیکن یاد رکھو ہر چمکتی چیز سونا نہیں ہوتی۔''

ایک روز رجب نے مجھے بری طرح جھڑک دیا۔ میں ان کے رویے سے دل برداشتہ ضرور ہوئی، تاہم دل ہی دل میں دُعا کرتی رہی کہ اللہ کچھ ایسے حالات بنا دے کہ ہمیں حویلی جا کر رہنے کا موقع ملے۔

اسی دوران سال یا ڈیڑھ سال کا عرصہ گزر گیا اور پھر ایک روز وہ ہو گیا، جس کی توقع کوئی ذی ہوش نہیں کر سکتا۔ ایک معمولی سے روڈ ایکسیڈنٹ میں رجب کی دائیں ٹانگ مفلوج ہو گئی۔ بظاہر کوئی چوٹ دکھائی نہ دیتی تھی۔ ڈاکٹرز نے مکمل چیک اپ، ایکسرے وغیرہ کے بعد بھی یہی بتایا کہ بظاہر کوئی اندرونی گہری چوٹ بھی نہیں ہے اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ رجب کی ٹانگ کام کرنے لگے گی۔ لیکن پھر...... رجب کی ٹانگ نے سن ہوتے ہوتے بالکل ہی کام کرنا چھوڑ دیا۔ دکھ اور تکلیف کی بات ایک تو ٹانگ کا مفلوج ہونا بھی تھا، لیکن اصل پریشانی ہمیں تب لاحق ہوئی جب رجب کو احساس ہونے لگا ان کی دوسری ٹانگ بھی سن رہنے لگی ہے۔

رجب کی ملازمت چھوٹ چکی تھی۔ ہمارے پاس کوئی مال واسباب بھی نہیں تھا، پھر پریشانی بھی کچھ ایسی لاحق ہوئی کہ میں نے گھبرا کر رجب کے والد کو اطلاع بھجوا دی۔ وہ بیٹے کے لیے دوڑے چلے آئے اور رجب کی حالت دیکھ کر مجھ پر خوب برسے کہ میں نے انہیں بروقت اطلاع کیوں نہ دی۔ میں نے انہیں بتا دیا کہ مجھے رجب نے سختی سے منع کر رکھا تھا۔ اس پر ابا جی خاموش ہو گئے اور پھر رجب سے اصرار کرنے لگے کہ وہ ان کے ساتھ چلیں...... وہ رجب کا بہترین علاج کروا سکتے تھے۔

اور میرے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ حویلی جا کر رہنے کی دُعائیں اس طرح قبول ہوں گی۔ سچی بات ہے مجھے ذرا بھی علم ہوتا تو میں دعا مانگنا ہی چھوڑ دیتی۔ رجب نے بہت پس وپیش سے کام لیا، لیکن اس بار ان کے انکار میں وہ پہلے جیسی سختی مفقود تھی۔ ایک رات انہوں نے مجھ سے کہا۔

''میں نے تہیہ کیا تھا کہ کسی بھی قیمت پر حویلی نہیں جاؤں گا، لیکن میرے پاس ایسا کوئی جمع جتھا نہیں ہے جسے اپنے علاج پر خرچ کر سکوں، پھر میں نے فیاض سے وعدہ کیا تھا کہ تمہیں ایک خوشحال زندگی دوں گا۔ مجھے افسوس ہے اور شرمندگی بھی کہ میں اپنا وعدہ پورا نہیں کر پا رہا۔''

ان کے شرمساری بھرے لہجے پر میرا دل کٹ سا گیا۔

میں نے کہا۔ ''آپ فکر مند نہ ہوں رجب! ہم کچھ عرصہ حویلی میں رہیں گے اور جب آپ صحت یاب ہو جائیں گے تو واپس یہاں آ جائیں گے۔ اس میں کوئی معیوب بات تو نہیں ہے۔ دُنیا کے بہت سے باپ اپنے بیٹوں کا علاج کرواتے ہیں۔''

''تمہیں حویلی میں بہت دقتوں کا سامان کرنا پڑے گا۔'' رجب نے کہا۔ میں ان کے خدشات پر ہنس دی۔

”آپ کے خدشات دور کیوں نہیں ہو جاتے رجب! وہاں سب لوگ ہم سے پیار کرتے ہیں۔“

”تصویر کا ایک رخ دلکش ہو تو پلٹ کر دوسری طرف دیکھنے کی زحمت کوئی نہیں کرتا، بہر حال تمہیں ذہنی طور پر ہر طرح کی پریشانیوں کے لیے تیار رہنا چاہیے۔“ رجب نے کہا تھا۔ میں نے زیادہ پرواہ نہیں کی۔ کچھ وہ پہلے ہی وہاں جا کر رہنے کے خلاف تھے اور کچھ بیماری نے انہیں زود رنج اور حساس بنا دیا تھا۔

پھر میں خوشی خوشی حویلی جانے کی تیاریں کرنے لگی اور حویلی آ کر مجھے احساس ہوا، رجب کے خدشات کچھ ایسے بے بنیاد بھی نہ تھے، کیونکہ وہاں سب کے محبت بھرے رویے یکسر تبدیل ہو چکے تھے۔ خصوصاً جنت بی بی وہ میٹھی زبان طنزیہ اور دل جلانے والی باتوں تک محدود ہو چکی تھی۔ میں اس کی باتوں اور رویے پر جلتی کڑھتی لیکن چپ رہنے کے سوا ہمارے پاس کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ عورت بڑے حساب کتاب سے ہمیں زچ کر رہی تھی۔ اباجی کے سامنے وہ بڑی اچھی بن جاتی اور ان کی غیر موجودگی میں جلا دی لگتی۔ لیکن ابھی پھر بھی اس کا رویہ غنیمت تھا۔ رجب تیزی سے صحت یاب ہو رہے تھے۔ پہلے پہل وہ خود سے قدم بھی نہیں اُٹھا پاتے تھے لیکن اب بیساکھی کے سہارے بڑی سہولت سے چلنے لگے تھے۔

بہت ساری ناگواریوں کے باوجود بہت ساری تسلیاں میرے ہمراہ تھیں لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ انہی دنوں جب مجھے اور رجب کو یقین ہو چلا کہ بہترین علاج سے رجب جلد ہی مکمل طور پر صحت مند ہو جائیں گے، اباجی اللہ میاں کو پیارے ہو گئے۔ گو کہ عمر ہو گئی تھی لیکن ان کی موت اچانک، غیر متوقع اور حادثاتی تھی۔ حویلی میں کہرام آ کر گزر گیا اور میرے اور رجب کے لیے صحیح امتحان ان کی وفات کے بعد ہی شروع ہوا۔

جنت بی بی کے خوب صورت چہرے کے پیچھے چھپا ہوا مکروہ پن جلد ہی سامنے آ گیا اور اس نے ہم پر حویلی میں عرصہ حیات تنگ کرنا شروع کر دیا۔ کچھ وہ فطرتاً حاکمیت پرست تھی، کچھ غالباً اسے یہ خدشہ لاحق ہو گیا تھا کہ کہیں رجب اپنا حصہ جائیداد سے وصول کر کے اس کے بچوں کو بے دخل نہ کر دیں۔

اپنے اسی خدشے کو رد کرنے کے لیے وہ ہر وقت ہمیں اپنی زبان سے چھیدتی رہتی۔ مجھ پر تو خیر اس نے ذہنی اور جسمانی ہر طرح کا تشدد کیا۔ مجھے آج بھی وہ دن نہیں بھولتا۔ اپنے چھوٹے بیٹے مصطفیٰ کی شادی کی صبح ہی صبح اس نے کسی معمولی سی غلطی پر مجھے سب مہمانوں کے سامنے بری طرح مارا تھا۔ نئی نویلی دلہن کمرے سے نکل رہی تھی اور میں عین سامنے جنت بی بی کے ہاتھوں اپنے سر میں جوتیاں کھا رہی تھی۔ وہ مار اتنی تکلیف دہ نہیں ہوتی تھی۔ وہ توہین زیادہ تکلیف دہ ہوتی تھی جو مجھے بہت سے لوگوں سے سامنے سہنا پڑتی۔

اس نے مجھے حویلی کے ملازمین سے بھی کم تر حیثیت دے رکھی تھی۔ جب اس کا دل چاہتا، مجھے مارتی، جب دل چاہتا ذلیل کرتی۔ رجب کچھ بولنے کی پوزیشن میں نہیں تھے کیونکہ جنت بی بی نے سب کو باور کروا دیا تھا، ہم اس کے ٹکڑوں پر پل رہے ہیں۔ ایک دو بار جب بولنے کی کوشش کی، منہ کی کھائی۔“

ثمینہ ٹھہر ٹھہر کر بول رہی تھیں۔ ان کی آنکھوں میں نمی اور حلق میں سسکیاں اٹکی تھیں۔ ماوی نے بے ساختہ آگے بڑھ کر اور ان کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر ان کی ڈھارس بندھائی تھی۔

"پھر انہی دنوں ہمیں تمہاری پیدائش کے متعلق خبر ملی۔ یہ ایسی خوش خبری تھی جس کے لیے میں اور تمہارے بابا بڑی شدت سے دعا گو تھے، لیکن جن حالات میں ہمیں خبر ملی، ہم ڈھنگ سے خوش بھی نہیں ہو سکے۔ عجیب بات ہے لیکن خوشی ہو یا غم ...... کبھی کبھی انسانی زندگی میں ایسا وقت بھی آ جاتا ہے جب اس کا ہر جذبہ روپے، پیسے کا محتاج بن کر رہ جاتا ہے۔"

ہمارے لیے بھی وہ وقت ایسا ہی تھا...... سسک سسک کر گزرتا ہوا وقت...... بغیر کسی آس امید کے اندھیری تاریک رات جیسا وقت......

سمجھ میں نہیں آتا تھا، ہم کیا کریں۔ حویلی سے نکلنا ہمارے لیے ممکن نہ تھا کہ ہمارے پاس مال واسباب نہ ہونے کے برابر تھا۔ رجب گو کہ صحت یاب ہو رہے تھے لیکن وہاں سے نکل کر اپنی خود مختار زندگی گزارنا ممکن نہ تھا۔ دراصل اتنی طویل بیماری نے انہیں ذہنی طور پر مضمحل کر دیا تھا اور ان کو خود پر اعتماد نہیں رہا تھا، ورنہ سچ بات تو یہ ہے کہ وہ مکمل طور پر صحت یاب ہو ہی چکے تھے۔

پھر تم پیدا ہوئیں تو رجب جیسے طویل کشمکش سے آزاد ہو کر اس نتیجے پر پہنچ گئے کہ انہیں اپنے والد کے ترکے میں سے اپنا حصہ وصول کر لینا چاہیے کہ بہر حال اب ہمیں صرف اپنی فکر نہیں تھی، تمہاری فکر بھی ہمارے ساتھ لگ چکی تھی۔ پھر...... پھر رجب نے اپنا حق مانگ لیا۔ تم اندازہ کر سکتی ہو ماوی! غلام بنا کر رکھے ہوئے انسان جب بنا کوئی اعتراض کیے سزا بھگت سکتے ہیں تو نعرہ احتجاج بلند کرنے پر، کسی کا ظلم وستم ماننے سے انکار کرنے پر ان کے ساتھ کس حد تک ناروا سلوک برتا جا سکتا ہے۔

سچ بات ہے رجب نے اپنا آپ تسلیم کروانے کے لیے بڑی ہمت کی تھی اور جب ہمیں لگا کہ بالآخر جنت بی بی ہمیں ہمارا حق دے دے گی تو...... تو ایک صبح...... ایک صبح، رجب دنیا سے چلے گئے، مجھے اور تمہیں اکیلا چھوڑ کر۔"

ثمینہ یکدم پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی۔

ماوی نے سرعت سے اُٹھ کر انہیں بازوؤں میں لے کر اپنے ساتھ لگا لیا اور ان کا سر سہلانے لگی۔ اس کی اپنی آنکھیں بھی نم تھیں۔

"اس روز بھی طوفان آیا تھا...... اس رات بھی بارش ہو رہی تھی لیکن ایسی بارش نہیں جو آج برس رہی ہے۔ یہ تو اس رات کے طوفان کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہے۔ ٹھنڈ ایسی کہ بیان سے باہر...... آسمان سے پانی نہیں برس رہا تھا، برف برس رہی تھی۔ ہمیں حویلی کے باہر کا کمرا دیا گیا تھا۔ درختوں میں گھرا ہوا تھا وہ کمرا...... لیکن اس کی دیواروں سے وحشت ٹپکتی تھی اور...... اور اس رات تو اس کمرے کی دیواریں برف کی بن گئی تھیں اور ایسا لگتا تھا ہم برف کے کسی غار میں قید ہوں۔ ہمارے پاس دو لحاف تھے بالکل گھسے ہوئے۔

رجب نے کہا۔ ماوی کو ٹھنڈ لگ سکتی ہے میرا لحاف بھی تم دونوں لے لو، مجھ سے غلطی ہو گئی۔ تمہیں ٹھنڈ لگ جانے کے ڈر سے میں نے ان کا لحاف لے لیا۔ نہ لیتی تو اس رات بے تحاشا سردی کی وجہ سے صرف رجب کی حرکت قلب بند نہ ہوتی، ہم تینوں ہی مر جاتے۔ اچھا ہوتا...... مجھے پچھتاوے تو نہ ستاتا۔"

دیر تک رونے کے بعد ثمینہ مدھم پڑ گئیں لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ ان کے آنسو تھم گئے تھے۔ ان کے چہرے پر ابھی بھی لکیر کی صورت آنسو بہہ رہے تھے اور ماضی کی بھول بھلیوں سے الجھتے ہوئے جیسے وہ مضمحل ہو چکی تھی۔

ماوی دوڑ کر گئی اور پانی کا گلاس بھر لائی۔

"بس کریں ممی!" اس نے ثمینہ کے سر پر بوسہ دیتے ہوئے کہا۔

"رجب کی اچانک وفات نے جیسے میرے حواس ہی گم کر دیے تھے۔ میں نے دیکھا ہی نہیں...... رجب بارش میں بھیگے ہوئے تھے..... میں نے کیوں نہیں دیکھا۔" وہ اور شدت سے رونے لگیں۔

"پلیز ممی...... ڈونٹ کرائے (Cry)۔" ماوی انہیں سنبھالنے لگی پھر پانی کا گلاس زبردستی ان کے لبوں سے لگا دیا۔

"بھول جائیں ان سب باتوں کو...... جو ہونا تھا، ہو چکا۔ ہم گزرا وقت واپس تو نہیں لا سکتے۔

اپ پلیز رونا بند کریں اور بھول جائیں ان سب یادوں کو۔" اس نے نرمی سے کہا تھا۔

"بھول جانا آسان ہے؟ ایسی باتوں کو بھول جانا...... ایسی زندگی کو بھول جانا، جب ہر لمحہ آپ کے جسم پر زخم لگے ہوں۔" ثمینہ نے یکدم درشتی سے کہا تھا۔

ماوی لحظہ بھر کے لیے دم بخود رہ گئی۔ غم اپنی جگہ لیکن وہ ثمینہ سے اتنی درشتی کی توقع نہیں کر رہی تھی۔

"او کے...... نو پرابلم۔" اس نے ہاتھ اٹھا کر صلح جو انداز میں کہا کہ وہ ثمینہ کے غصے کو ان کے غم سے ہی مشروط سمجھ رہی تھی۔

"بہت رات ہو گئی ہے بلکہ اب تو تقریباً صبح ہونے والی ہے۔ چلیں بیڈ روم میں جا کر سو جائیں۔" اس کا انداز ایسا تھا جیسے چھوٹے سے بچے کو بہلا رہی ہو۔

"نہیں...... میں یہیں ٹھیک ہوں۔" ثمینہ نے رکھائی سے اس کا ہاتھ ہٹا دیا۔ "تم جا کر سو جاؤ۔"

ماوی چند منٹ متذبذب سی انہیں دیکھتی رہی، پھر گہری سانس بھر کر بولی۔

"ایز یو وش...... گڈ نائٹ ممی!" اس نے جھک کر ایک بار پھر ثمینہ کے سر کو بوسہ دیا اور بیڈ روم کی طرف چلی گئی۔ ثمینہ نے اپنی نم اور دکھتی ہوئی آنکھیں زور سے بھینچ لیں۔ اس دکھ کو یاد کرتے ہوئے ان کا دل جیسے کٹ رہا تھا اور دماغ بری طرح دکھنے لگا تھا۔ وہ اتنی بری طرح تھک چکی تھیں کہ چند منٹ میں ہی گہری نیند سو گئیں۔

ماوی لحاف لے کر لاؤنج میں آئی۔ ثمینہ کے چہرے پر مرکزی ٹیوب لائیٹ کی روشنی ڈائریکٹ پڑ رہی تھی اور وہ بہت پژمردہ لگ رہی تھیں۔ ماوی نے ٹیوب لائٹ بند کر کے نائٹ بلب جلایا۔ ثمینہ کو لحاف اوڑھا کر انہیں ہمدردی سے دیکھتی رہی۔ اس کا ذہن و دل عجب خالی پن کا شکار تھے۔ پھر وہ صوفے پر خوب اچھی طرح لحاف پھیلا کر لیٹ گئی اور چھت کی طرف دیکھتے ہوئے ان تمام انکشافات پر غور کرنے لگی جو ممی نے آج کی رات اس پر منکشف کیے تھے۔ معاً بجلی کا کوندا سا اس کے ذہن میں لپکا۔

"ممی! تو کہہ رہی تھیں بابا کا قتل ہوا تھا۔" اس خیال کے آتے ہی وہ بے ساختہ اٹھ کر بیٹھ گئی اور اسی بے ساختگی میں ثمینہ کی طرف بڑھنے لگی، لیکن وہ بے حد گہری نیند میں تھیں اور شاید اس وقت ان سے کچھ بھی پوچھنا مناسب نہ رہتا۔ ماوی گرنے کے انداز میں دوبارہ لیٹ کر چھت کو گھورنے لگی اور اس الجھی ہوئی گتھی پر غور کرنے لگی۔ یہاں تک اس کا ذہن نیند کی گہرائیوں میں چلا گیا اور اسے پتا بھی نہیں چلا۔

☆☆☆

گہری نیند کے سائے تلے ثمینہ کئی سال پیچھے پہنچ گئی تھیں۔ وہاں جہاں ان کے ماضی کے اس انتہائی دردناک راز کی کڑیاں بکھری پڑی تھیں۔

"انہوں نے دیکھا...... درختوں میں گھرا ہوا کسی کھنڈر سے مشابہ ایک قدیم برآمدہ تھا۔ برآمدے کی سیڑھیاں گرد اور سوکھے پتوں سے اٹی ہوئی تھیں۔ سیڑھیوں سے آگے سرمئی پتھروں کی ٹوٹی پھوٹی روش تھی۔ درختوں کے تنے قد آور اور پتے گھنے ہو کر جھنڈ کی شکل اختیار کر گئے تھے۔ ان چوڑے اور گھنے پتوں سے کہیں کہیں آسمان جھانکتا تھا۔"

روش جہاں ختم ہوئی تھی وہاں متروک جگت کا کنواں تھا جس کی گہرائی اور تاریکی کا احساس دور سے دیکھ کر بھی ہوتا تھا۔

برآمدے کے دائیں اور بائیں ہاتھ طویل راہداریاں تھیں اور عقب میں ایک بڑا سا دروازہ...... سمٹتے ہوئے دھوئیں کے ساتھ ساتھ منظر ان پر واضح ہو رہا تھا اور ثمینہ کا دل عجیب سا ہو رہا تھا۔

"میں پھر یہاں پہنچ گئی...... یا ابھی یہاں سے جا ہی نہ سکی تھی۔"

ان کا دل لحظہ بہ لحظہ سہم رہا تھا۔ معاً بارش ہونے لگی۔ بالکل خاموشی سے پہلا قطرہ ان کی ناک پر گرا، دوسرا گال پر پھر تیسرا، پھر چوتھا۔ ثمینہ نے سر اٹھایا۔ درختوں کے پتوں میں سے جھانکتے آسمان سے رات کی سیاہی کے ساتھ بارش بھی اتر آئی تھی۔

ثمینہ نے متعجب ہو کر ادھر اُدھر دیکھا۔ وہ تو برآمدے میں کھڑی تھیں یہاں روش پر کیسے پہنچ گئیں۔ ابھی یہ الجھن نہ سلجھی تھی کہ کسی نے ان کو پکارا۔ ثمینہ سہم کر پلٹیں۔

ایک چھوٹی سی بچی ان کی طرف ہاتھ بڑھائے کھڑی تھی۔

"یہ لے لو...... چاچا نے دیا تھا۔"

داہنی طرف سے ایک مردانہ آواز ابھری۔

"جاؤ چلی جاؤ...... جاؤ...... جاؤ۔" وہ چیختا ہوا ان کی طرف لپکا۔

"یہ لے لو...... چاچا نے دیا تھا۔" وہ دونوں چیخنے لگے۔ ثمینہ ہراساں ہوتی پیچھے ہٹنے لگیں۔ بارش چوڑے پتوں پر تڑ تڑ برس رہی تھی۔ معاً جنت بی بی ہوا کے جھونکے کی طرح ان پر جھپٹی۔ نفرت اور غصے نے اس کے نقوش مسخ کر دیے تھے۔ اس نے لوہے کی موٹی سلاخ سے ایک زوردار ضرب ثمینہ کی گردن پر لگائی۔ ثمینہ کے حلق سے ایک چیخ برآمد ہوئی۔

اور ان کی آنکھ کھل گئی۔

ان کے جسم پر لرزہ طاری تھا اور خوف و دہشت سے دل اور آنکھیں پھٹنے کے قریب ہو رہے تھے۔ چند منٹ انہیں خوف کی اس کیفیت پر قابو پانے میں لگے پھر مضمحل انداز میں انہوں نے ادھر ادھر دیکھا۔

شاید ابھی بھی بارش ہو رہی تھی۔ بادلوں سے ڈھکا آسمان کھڑکی پر جھکا ہوا تھا۔ لاؤنج میں زیرو پاور کی نیلگوں روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ ماوی لحاف گردن تک اوڑھے بے سدھ سو رہی تھی۔ ان کا لحاف ٹانگوں سے پھسلتا کارپٹ پر جا گرا تھا۔

ثمینہ تھکے تھکے انداز میں سر کرسی پر لگا کر ستانے لگیں۔

ایسے خواب انہیں اکثر آتے تھے، لیکن ہر بار وہ حویلی کے کسی مختلف حصے میں ہوتیں، البتہ ہر بار کوئی انہیں کچھ دینے کی کوشش کرتا، کوئی حویلی سے جانے کو کہتا، پھر جنت بی بی ان پر جھپٹتی اور ان کی آنکھ کھل جاتی۔ حویلی چھوڑ دینے کے بعد پہلے پہل انہیں ایسے ڈراؤنے خواب تواتر سے آتے رہے، پھر جوں جوں وہ حویلی سے دور اس دوسری زندگی میں گھلنے ملنے لگیں، خوابوں کے تواتر میں کمی آ گئی۔ کبھی ایسا ہوتا رجب کی یاد کے ساتھ یہ خواب مشروط ہو جاتے اور اب تو بہت عرصہ بعد ان ڈراؤنے خوابوں کا سلسلہ شروع ہوا تھا، جس کی ایک واحد وجہ یہی تھی کہ بڑی مدت بعد اس زندگی کی یاد نے ان کے ذہن کو جکڑ لیا تھا۔

دیر تک اسی طرح بیٹھی رہی، پھر ماوی پر ایک نظر ڈال کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔ وہ گہری نیند سو رہی تھی اور اس کے بیدار ہونے تک ثمینہ کو انتظار کرنا تھا۔

☆☆☆

دروازہ آہستگی سے کھول کر اجیا اندر داخل ہوئی۔ ثروت بیڈ پر بیٹھی قدرے بے یقینی سے اسے دیکھ رہی تھیں۔ اجیا بے ساختہ ان سے لپٹ گئی۔

"ممی!......" اور رونے لگی۔

"کیسی ہے میری گڑیا!" ثروت نے خوشی سے اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔ بیٹی کی شکل دیکھتے ہی ان کی پژمردگی چھٹ گئی تھی۔ تھوڑی دیر پہلے نرس ان کی ڈرپ اتار کر تھوڑا ٹہلنے کی تاکید کر گئی تھی۔ اس پرائیویٹ روم میں دو بڑی بڑی کھڑکیاں تھیں جن سے صبح کی چمکیلی کرنیں کمرے کے فرش تک آ رہی تھیں۔

"آپ کیسی ہیں ممی! کیا ہوا ہے آپ کو؟" دیر تک رونے کے بعد اس نے سر اٹھا کر پوچھا۔ سفر کی تھکان اور آنسوؤں نے اسے مضمحل کر دیا تھا۔ ثروت نے پیار سے اس کی پیشانی سے بال ہٹائے۔

"مجھے کچھ نہیں ہوا۔ بالکل ٹھیک ہوں اور اب تو میری بیٹی آ گئی ہے۔ اب تو میں بالکل ہی ٹھیک ہو گئی ہوں۔" صاف لگ رہا تھا وہ اسے ٹال رہی ہیں۔

"اگر آپ ٹھیک ہیں تو ہسپتال میں کیوں ہیں؟" اس نے ناراضی سے پوچھا۔

"بلڈ پریشر اچانک بہت لو ہو گیا تھا۔ ذرا سا سر چکرایا تو بھائی جان ہسپتال لے آئے اور ہسپتال میں تو ڈاکٹرز کو موقع چاہیے ہوتا ہے نہ معمولی معمولی بیماریوں پر لوگوں کو دھڑا دھڑ ایڈمٹ کریں۔ مجھے بھی فنافٹ بیڈ پر لٹا کر دو، چار ڈرپس لگا دیں۔" وہ بڑا پر سکون ہو کر بول رہی تھیں۔

اجیا نے بغور انہیں دیکھا۔ اسے ان کی بات کا اعتبار ہرگز نہیں تھا لیکن یہ وقت جرح کے لیے بھی ہرگز مناسب نہ تھا۔ وہ دوبارہ ان سے لپٹ گئی۔

"میں بہت ڈر گئی تھی۔" اس کی آواز آنسوؤں سے بھیگی ہوئی تھی۔

"میری گڑیا۔" ثروت نے خوب زور سے اسے گلے لگا لیا تھا۔

"اس گڑیا کے ساتھ دو گڈے بھی آئے ہیں۔ تھوڑا سا دھیان ان کی طرف بھی دے لیں ممی!" یہ ولید کی آواز تھی۔ وہ بند آنکھوں سے بھی پہچان گئی تھیں۔ ثروت نے آنکھیں کھولیں اور ان دونوں کی پیشانیوں پر بھی پیار کیا۔

"میں تم لوگوں کو اچانک دیکھ کر اتنی خوش ہوں کہ بیان بھی نہیں کر سکتی۔" ثروت واقعی بہت خوش لگ رہی تھیں۔

"ہم کل رات میں ہی یہاں پہنچ گئے تھے اور اسی وقت آپ کے پاس آنا بھی چاہ رہے تھے، لیکن ماموں نے منع کر دیا کہ اس وقت وزیٹرز الاؤ (Allow) نہیں ہیں...... ورنہ ہم تو رات کو ہی آ جاتے۔"

"اور مجھے پتا ہوتا ثروت تم لوگوں کو دیکھ کر اتنی فریش ہو جائے گی تو رات کو ہی یہاں لے آتا۔" ثروت کے بڑے بھائی سعود اندر داخل ہوتے خوشگواریت سے بولے۔ ثروت نے دیکھا ان کے ہمراہ دانیال حسن بھی تھے گو کہ وہ فکرمند تھے اور فکرمندی ان کے چہرے سے جھلک بھی رہی تھی لیکن ثروت سے نظریں ملتے ہی انہوں نے نگاہ چرا لی۔

"ہم ڈاکٹر سے بات کرنے رک گئے تھے لیکن ڈاکٹر جبار کے آنے میں ابھی ٹائم ہے۔ کیا خیال ہے بچو! تب تک ناشتہ یہیں نہ منگوا لیا جائے؟" سعود بھائی نے گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے پوچھا۔ ان کے ایک بہترین دوست اس ہسپتال کے ایگزیکٹوز میں سے تھے۔ اسی لیے انہیں یہاں وہ سہولیات میسر تھیں جو دیگر مریضوں کو حاصل نہ ہو سکی تھیں۔

☆☆☆

ماوی کی آنکھ دن چڑھے کھلی تھی۔

بڑی سی کھڑکی سے ابر آلود لیکن روشن دن جھانک رہا تھا۔ لاشعوری طور پر ماوی کی دوسری نگاہ آرام کرسی کی طرف اٹھی، پھر سرعت سے اس نے کچن کی طرف دیکھا۔ ثمینہ وہاں بھی نہیں تھیں۔

ماوی کسی خدشے کے تحت سرعت سے اٹھ کر بیڈروم میں گئی۔ وہاں بھی ثمینہ کی غیر دستیابی نے اسے پریشان کر دیا تھا۔ اسی تیزی سے وہ برآمدے میں کھلنے والی جالی کا دروازہ دھکیل کر باہر نکلی۔ جھولے پر بیٹھی ثمینہ کو دیکھ کر بے ساختہ اس کے لبوں سے پرسکون سانس خارج ہوئی تھی۔

"گڈ مارننگ ماوی!" ثمینہ نے ذرا سی گردن موڑ کر اسے دیکھا اور مسکرا کر کہا۔ رات کے مقابلے میں وہ بے حد پرسکون دکھائی دے رہی تھیں۔ انہیں اس طرح دیکھ کر ماوی کو بھی سکون محسوس ہوا تھا۔

"گڈ مارننگ ممی!" اس نے جمائی لیتے ہوئے کہا۔ "مجھے جگا دیا ہوتا۔ میں بہت دیر تک سوئی۔" دیر تک سونے سے اس کی آواز بوجھل ہو رہی تھی۔

"پھر تم میرا دماغ کھاتیں کہ جلد جگا دیا۔ اب میرے سر میں درد ہے۔" ثمینہ نے خوش دلی سے اس کا محبوب جملہ دہرایا تھا۔ ماوی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ سارے بال سمیٹ کر کلائی میں پہنا ربر بینڈ ان پر چڑھاتی واپس پلٹنے لگی۔

"ناشتہ بناؤں؟"

"شیور۔" دروازہ کھلا اور بند ہو گیا۔ بیس پچیس منٹ بعد وہ کپڑے بدل کر جب کچن میں آئی، ثمینہ ناشتے کے لوازمات ڈائننگ ٹیبل پر رکھے نظر کا چشمہ لگائے اخبار پڑھنے میں مصروف تھیں۔

ماوی نے کرسی کھینچتے ہوئے چپکے سے لیکن بغور ان کا جائزہ لیا۔ پچھلی رات کا کوئی شائبہ ان کے چہرے پر دکھائی نہ دیتا تھا۔

ماوی نے جوس کا گلاس اٹھالیا

"فیضان کا فون آیا تھا۔" ثمینہ نے بتایا۔ "تمہارا پوچھ رہا تھا۔"

ماوی گلاس خالی کر کے کارن فلیکس کا ڈبہ کھولنے لگی۔ اس نے جیسے ثمینہ کی بات سنی ہی نہیں تھی۔

"رات کے طوفان نے بہت تباہی مچائی۔ پتا نہیں اینیا نے اپنے لان کا حال دیکھا ہے یا نہیں؟"

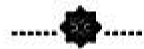
ماوی نے کارن فلیکس باؤل میں ڈالے، پھر ان پر دودھ ڈالنے لگی۔ وہ گاہے بہ گاہے ثمینہ پر نظریں ڈالتے ہوئے رات والا موضوع چھیڑنے کے لیے پر تول رہی تھی۔

دونوں کچھ دیر خاموش رہیں پھر بالآخر ماوی نے بات شروع کرنے کی ٹھانی۔

"ممی! آپ نے مجھے بابا کی ڈیتھ کے متعلق نہیں بتایا...... آئی مین آپ نے تو کہا تھا کہ انہیں کسی نے قتل کر دیا تھا؟" وہ ٹھہر ٹھہر کر بول رہی تھی جیسے الجھن میں ہو۔

"نہیں میں نے ایسا کچھ نہیں کہا تھا۔" ثمینہ نے اخبار کا صفحہ پلٹتے ہوئے کہا۔ "میں نے کہا تھا تمہارے بابا کو کسی نے نہیں بلکہ جنت بی بی نے قتل کیا تھا اور اب میں چاہتی ہوں تم حویلی جاؤ اور اپنے بابا کے قاتل کے خلاف ثبوت لے کر آؤ۔"

ثمینہ نے اطمینان سے کہا۔ ماوی کا منہ دودھ میں بھیگے کارن فلیکس سے بھرا ہوا تھا۔ ماں کی بات کا مفہوم سمجھتے ہی یکدم اس کے حلق میں پھندا لگ گیا تھا اور وہ بری طرح کھانسنے لگی تھی۔



ماوی کے لیے ثمینہ کا جملہ نہ صرف غیر متوقع بلکہ حیران کن بھی تھا۔ اس کی مسلسل کھانسی سے اکھڑی ہوئی سانس چند منٹ میں سنبھلی تب اس نے سر اٹھا کر بغور ثمینہ کو دیکھا۔ وہ اسے پانی پلا کر اور اس کی پیٹھ سہلا کر واپس اپنی کرسی پر بیٹھ رہی تھی۔

ان کی آنکھوں پر ابھی تک نظر کا چشمہ لگا ہوا تھا اور تاثرات اتنے نارمل تھے جیسے چند منٹ پہلے ان کے منہ سے کوئی عجیب وغریب بات ہی نہ نکلی ہو۔ ماوی کو لحظہ بھر کے لیے شک گزرا کہ انہوں نے کوئی بات کی بھی تھی یا نہیں۔

"ممی!......" وہ انہیں پکار بیٹھی۔ اخبار اٹھائے ہوئے ثمینہ نے اسے پل بھر کے لیے نظر اٹھا کر دیکھا۔ "آپ نے ابھی جو کہا تھا وہ دوبارہ کہیں۔"

"تاکہ تمہیں ایک بار پھر کھانسی کا دورہ پڑ جائے؟" ثمینہ نے اخبار کھولتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔ ماوی کچھ بول نہیں سکی اس کے دل و دماغ پر عجب کیفیت وارد ہو رہی تھی جسے لفظوں میں بیان کرنا مشکل تھا۔ وہ بے یقین تھی حیران تھی اور تھوڑی سی ناگواری بھی محسوس ہو رہی تھی۔ آخر کیا

سوچ کر اس کی ماں نے ایسا مطالبہ کیا تھا۔

"ممی! ڈیٹس ناٹ فنی۔" بالآخر اس نے کہا۔

"ہاں...... بالکل ٹھیک...... اس میں فنی تو کچھ بھی نہیں ہے۔" ثمینہ ابھی بھی پرسکون تھی۔

"ممی!......" بیزار ہوتی وہ اپنا سر ہاتھوں میں گرا کر بیٹھ گئی۔

"دیکھو ماوی!" ثمینہ نے اخبار ایک طرف رکھ کر اپنا رخ اس کی جانب موڑا "میری بات سمجھنے کی کوشش کرو۔ میں نے اس وقت کے لیے بہت انتظار کیا ہے۔ برسوں سے کہیں دل کے کونے میں یہ خواہش چھپی ہوئی تھی کہ مجھے رجب کے قاتل کو سزا دلوانی ہے اور اس کا اب صرف ایک ہی راستہ ہے کہ تم حویلی جاؤ اور رجب کے قاتل کے خلاف ثبوت لے کر آؤ۔" ثمینہ کا لہجہ منت بھرا تھا۔

"جی ہاں...... اور وہاں تو جیسے کوئی پلیٹ میں رکھ کر مجھے ثبوت پکڑا دے گا۔" ماوی بدکی۔

"نہیں...... یہ اتنا آسان نہیں ہوگا۔ تمہیں وہاں چھان بین کرنا پڑے گی اور بلاشبہ مشکلات کا سامنا بھی کرنا پڑے گا لیکن تمہیں یہ کام کرنا ہے ماوی!"

"جسٹ اے منٹ" معاً ماوی کو کچھ خیال آیا تھا۔ "میں وہاں کس کے خلاف ثبوت ڈھونڈنے جاؤں؟ جبکہ بابا کا قتل نہیں ہوا تھا آپ نے کل خود بتایا کہ انہیں سردی لگ گئی اور اسی وجہ سے ان کی ڈیتھ ہوئی تھی۔"

"ہاں...... پہلے پہل...... دراصل میں یہی سمجھتی رہی تھی۔ مجھے خود حقیقت کا علم کچھ عرصہ بعد ہوا۔"

"کیا مطلب؟" ماوی کا لہجہ الجھن آمیز تھا۔

"مطلب......" ثمینہ کے لہجے میں دکھ گھل مل گیا۔ "تمہارے بابا کے بعد میری ذہنی حالت بہت خراب تھی۔ بیوگی کا دکھ ہر اس عورت کے لیے تکلیف دہ ہوتا ہے جو اپنے شوہر سے بے تحاشا محبت کرتی ہو۔ لیکن میرے مسائل زیادہ تھے میرے ساتھ تم تھیں اور کوئی میرے آگے پیچھے نہیں تھا۔ فیضان اور فیاض بھائی سے سالوں سے رابطہ منقطع ہو چکا تھا۔ مجھے یہ بھی فکر ستاتی کہ تمہیں لے کر میں کہاں جاؤں گی کیونکہ میں جانتی تھی جلد یا بدیر مجھے حویلی سے نکال ہی دیا جائے گا۔

اپنی طرف سے تو جنت بی بی نے یہ بھی احسان ہی کیا تھا کہ مجھے عدت پوری ہونے تک حویلی میں رہنے دیا لیکن عدت ختم ہوتے ہی مجھے حویلی سے دفع ہونے کا حکم مل گیا۔ مستقیم نے...... تمہارے سوتیلے چچا نے مجھ پر احسان کیا وہ کہیں سے فیاض بھائی کو ڈھونڈ لائے۔ گو کہ میں حویلی سے نکلنا نہیں چاہتی تھی لیکن اب میرے پاس وہاں قیام کا کوئی جواز بھی نہیں تھا...... اس لیے میں نے چپ چاپ اپنا مختصر سامان سمیٹا اور فیاض بھائی کے ساتھ چل دی لیکن اس سے کچھ دیر پہلے جنت بی بی نے ہمیں حویلی کے کسی کمرے میں بلوایا اور کچھ عدالتی کاغذات فیاض بھائی کے سامنے رکھ دیے۔ بقول اس کے یہ کاغذات رجب کی وصیت تھی جس کے مطابق انہوں نے اپنے حصے کی جائیداد جنت بی بی کی سرپرستی میں دے دی تھی اور اسے جائیداد کی دیکھ بھال کے لیے مقرر کیا تھا اور وہ ساری جائیداد...... رجب کی اکلوتی بیٹی کو یعنی تمہیں اٹھارہ سال کی عمر میں پہنچنے کے بعد منتقل ہونا تھی۔

جنت بی بی نے فیاض بھائی سے کہا کہ وہ جہاں مرضی لے جا کر ان کاغذات کی جانچ پڑتال کروا سکتے ہیں، لیکن اس وقت فیاض بھائی اپنی کچھ مشکلات میں گرفتار تھے اور ان کے مالی حالات بھی کچھ ایسے مضبوط نہ تھے کہ وہ جنت بی بی جیسی بااثر عورت کے خلاف کچھ کر پاتے سو وہ خاموشی سے اس کی بات مان گئے۔ میری ذہنی حالت اس وقت ایسی ہرگز نہ تھی کہ کسی بات پر غور کر پاتی ورنہ میں بڑے آرام سے یہ سوال اٹھا سکتی تھی کہ جس جائیداد کے حصول کے لیے رجب اتنے مہینوں سے اس عورت کے پیچھے لگے ہوئے تھے اور جو بالآخر انہیں مل رہی تھی وہ اسی عورت کو اپنی بیٹی کا سرپرست کیسے مقرر کر سکتے ہیں۔

بہرحال میں فیاض بھائی کے ساتھ آ گئی۔ بھائی اور بھابی کی دلجوئی نے میری بڑی ڈھارس بندھائی تھی۔ میری ذہنی حالت نارمل ہونے لگی۔

تبھی ایک روز جنت بی بی مجھ سے ملنے چلی آئی۔ وہ اپنے ساتھ بے تحاشا تحفے لائی تھی۔ میں اس کے رویے سے حیران تھی شاید پہلی اور آخری بار اس روز اس نے تمہیں پیار کیا اور میری خیریت بڑی محبت سے دریافت کی میں اس کے رویے پہ حیران تھی تب جنت بی بی نے بھابی سے کہا کہ وہ کچھ دیر کے لیے ہمیں تنہا چھوڑ دیں۔ وہ مجھ سے کوئی بات کرنا چاہتی تھی۔ بھابی خوشی خوشی کمرے سے چلی گئیں لیکن مجھے سراسیمگی نے گھیر لیا۔

میں جنت بی بی سے مرعوب رہتی تھی اور اس کی موجودگی میں میرے دل پر عجیب ناقابل فہم سی ہیبت طاری ہو جاتی تھی۔ اس وقت بھی یہی ہوا بھابی جاتے ہوئے تمہیں بھی ساتھ لے گئی تھیں۔ میں مرعوب انداز میں سر جھکائے بیٹھی تھی اور میرے ہاتھ باقاعدہ لرز رہے تھے اور......"

بات کرتے کرتے ثمینہ کی آواز بتدریج کم ہوتی گئی تھی یہاں تک کہ وہ اس منظر میں کھو گئیں جب جنت بی بی بڑے پرتمکنت انداز میں ان کے سامنے بیٹھی ہوئی تھی اور ثمینہ کے ہاتھ کپکپا رہے تھے۔

جنت بی بی نے چند منٹ ان کے جھکے ہوئے سر کو دیکھنے کے بعد خاموشی کو توڑ دیا تھا۔

"یہاں کب تک رہو گی؟"

"جی؟" ثمینہ نے ذرا کی ذرا نظریں اٹھا کر جنت کو دیکھا تھا وہ عورت ہمیشہ ثمینہ کو خود سے بلند تر نظر آتی تھی۔

"میرا مطلب ہے تمہارا بھائی تمہیں کب تک اپنے ساتھ رکھے گا؟ بھائیوں کے لیے جلد یا بدیر ایسی بہنیں جن کے شوہر مر چکے ہوں یا انہیں چھوڑ چکے ہوں، بوجھ بن جاتی ہیں۔ تمہارا غریب مسکین سا بھائی کب تک تمہارا بوجھ اپنے کندھوں پر اٹھائے رکھے گا؟" اس کی خوب صورت آواز ثمینہ پر حقائق کے کوڑے برسا...... رہی تھی۔ "عورت کا اصلی گھر تو اس کے شوہر کا گھر ہی ہوتا ہے۔ شوہر جیسا بھی ہو اپاہج، بیوقوف، غریب لیکن جو تحفظ عورت کو شوہر کے گھر میں ملتا ہے وہ اور کہیں نہیں مل سکتا۔"

ثمینہ کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا آخر وہ اس پر کیا ثابت کرنا چاہ رہی تھی۔

"دیکھو ثمینہ! مجھے گھما پھرا کر بات کرنا نہیں آتی۔ میں خود چل کر تمہارے پاس آئی ہوں تو تمہیں میری قدر کرنا چاہیے اور میرا احترام کرنا چاہیے کیونکہ میں ان لوگوں میں سے تو نہیں ہوں جو خود معمولی لوگوں کے پاس جاتے ہیں۔ یہ میری شان کے خلاف ہے لیکن میں نے اگر اپنی شان اور عادت کے برخلاف کوئی کام کیا ہے تو تمہیں سمجھنا چاہیے کہ یہ اہم معاملہ ہی ہو گا۔"

"میں چاہتی ہوں ثمینہ! تم میرے بڑے بیٹے سے شادی کرلو۔"

جنت نے بالآخر بلی تھیلے سے باہر نکال ہی دی تھی۔

ثمینہ ششدر سی اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔

"مجھے اپنے بیٹے کی دیکھ بھال کے لیے ایک عورت کی ضرورت ہے۔ اب یہ عورت اس کی بیوی ہو تو اس سے اچھی بات اور کیا ہوگی اور تم بلاشبہ ایک بہترین خدمت گزار ثابت ہوسکتی ہو۔ پھر اس شادی سے تمہیں بھی بہت فوائد حاصل ہوں گے۔ تمہیں اپنے غریب بھائی کے کندھوں پر بوجھ بن کر پڑے رہنے کے بجائے حویلی میں جا کر رہنے کا موقع ملے گا جس کا تمہیں شوق ہے۔ تمہیں اس سے کہیں زیادہ عزت اور احترام ملے گا جتنا تم رجب کی بیوی بن کر حاصل کر رہی تھیں اور سب سے بڑی بات تمہاری بیٹی اپنوں کے درمیان رہے گی، اسے ماموں کے ٹکڑوں پر نہیں پلنا پڑے گا۔"

"لیکن آپ کا بیٹا پاگل ہے۔" ثمینہ کے منہ سے نکلا۔ جنت بی بی کے چہرے پر واضح ناگواری دکھائی دی۔ اسے ثمینہ کا جملہ بری طرح چبھا تھا۔

"تو تمہارا کیا خیال ہے میرا بیٹا پاگل نہ ہوتا تو کیا میں تم جیسی بیوہ عورت سے اس کی شادی کرنے کے متعلق سوچتی...... ہرگز نہیں...... اسے کوئی بھی بہترین لڑکی مل سکتی تھی۔" جنت بی بی نے نخوت سے سر جھٹک کر کہا تھا۔

"آپ کس طرح کی باتیں کر رہی ہیں۔ میں نے سنا ہے مخبوط الحواس انسان کا تو نکاح بھی جائز نہیں ہوتا۔"

"تم اس جھنجھٹ میں نہ پڑو تو اچھا ہوگا...... مذہب کی تم سے زیادہ سمجھ ہے مجھے۔ نکاح کے لیے ہامی بھرو۔ ہم کسی مفتی سے فتویٰ لے لیں گے۔" جنت بی بی کا انداز ہنوز تھا۔

ثمینہ اس کا چہرہ دیکھتی رہ گئیں، کیا تھی یہ عورت؟ اسے سمجھنا، اس کے متعلق کوئی گمان پالنا نہایت بیوقوفی تھی۔

ٹھیک تھا کہ ثمینہ کو حویلی میں جا کر رہنے کا شوق تھا لیکن یہ اس وقت کی بات تھی جب شروع شروع میں انہیں وہاں عزت ملتی تھی اور پچھلے کچھ سال انہوں نے حویلی میں جو تذلیل سہتے گزارے تھے اس کے بعد وہاں جانے کا تصور بھی محال تھا کجا کہ ایسا شرمناک معاہدہ۔

انہوں نے گہری سانس بھر کر سر جھٹکا۔

"آپ یہاں سے چلی جائیں...... میرے لیے رجب کی یادیں ہی کافی ہیں۔"

"شاباش...... تم ہمیشہ میری توقعات پر پوری اترتی ہو ثمینہ! اور مجھے تم سے اسی بیوقوفانہ جواب کی توقع تھی۔" جنت نے تمسخرانہ انداز میں کہا۔

"یہ ساری افسانوی باتیں ہوتی ہیں۔ کسی مرے ہوئے انسان کی یادوں کے سہارے زندگی گزارنے کی خواہش ایسی ہے جیسے انسان ساری زندگی ٹوٹے ہوئے گھڑے سے پانی پینے کی آس لگا کر بیٹھا رہے۔"

"ایک پاگل آدمی بھی میرے لیے ٹوٹے ہوئے گھڑے سے زیادہ کچھ ثابت نہیں ہوگا۔" ثمینہ نے درشتی سے کہا تھا۔

"لیکن اس پاگل آدمی کی وجہ سے تمہیں اور تمہاری بیٹی کو تحفظ ملے گا۔" جنت نے تیز لہجے میں کہا تھا۔

”میں اور میری بیٹی میرے بھائی کے گھر میں بھی محفوظ رہیں گے۔“

”تم......تم کس قدر احمق ہو۔“ جنت بی بی بری طرح سلگ اٹھی لیکن فوراً ہی اس نے اپنے لہجے کی تیزی پر قابو پالیا۔“ سمجھنے کی کوشش کرو ثمینہ! میرے بیٹے سے شادی کر کے تم نقصان میں ہرگز نہ رہو گی۔ صرف رجب کی حصے کی جائیداد ہی تمہاری بیٹی کو نہیں ملے گی میں اپنے بڑے بیٹے کا حصہ بھی تمہاری بیٹی کے نام لگا دوں گی۔“

”اور میں یہ سمجھ نہیں پا رہی کہ آخر آپ مجھے اتنے لالچ کیوں دے رہی ہیں؟“ ثمینہ الجھیں۔

”رجب کا حصہ تو ماوی کو اٹھارہ سال کی عمر میں مل ہی جانا ہے، اچھا ہوگا آپ اپنے بیٹے کے لیے کسی اور کو ڈھونڈ لیں۔“

”خیر اس غلط فہمی میں تم ہرگز نہ رہنا کہ رجب کا حصہ تمہاری بیٹی کو اتنی آسانی سے ملے گا۔“

”کیا مطلب؟“

”مجھے کیا بیوقوف سمجھ رکھا ہے ثمینہ بیگم!“ جنت بی بی نے طنزیہ انداز میں کہا۔

”تمہیں لگتا ہے رجب نے اگر مجھ سے کہا تھا کہ ماوی کے اٹھارہ سال کا ہونے پر میں جائیداد اسی کے نام منتقل کر دوں تو میں ایسا کروں گی؟ نہیں میں ایسا ہرگز نہیں کروں گی۔ اول تو ایسی کوئی بات رجب نے کبھی ہی نہیں تھی اور اگر کہی بھی ہوتی تو میں ہرگز اس کی بات نہ مانتی......دوسری بات یہ کہ میں نے تمہارے بھائی سے جھوٹ بولا تھا وہ بھی صرف اس لیے تاکہ مجھے کچھ ٹائم مل جائے اور رجب کی جائیداد میں اپنے نام کروا سکوں۔“

اس کے اس قدر اطمینان سے کہنے پر ثمینہ ششدر سی رہ گئی تھیں۔

”کیوں کیا آپ نے ایسا؟“ بڑی دیر بعد ثمینہ کے لبوں سے نکلا تھا۔

”بڑا احمقانہ سوال ہے یہ لیکن اس کا جواب بھی میں دے دیتی ہوں ظاہر ہے مجھے رجب سے زیادہ اپنی اولاد عزیز ہے اور میں نہیں چاہتی کہ میرے مرحوم شوہر کی جائیداد کے اس طرح سے بٹوارے ہوں۔ تبھی میں نے تم لوگوں سے جھوٹ بولا اور اس عرصہ میں جائیداد اپنے نام کروالی۔ مناسب وقت آنے پر میں ساری جائیداد اپنی اولاد میں بانٹ دوں گی.....تمہارے پاس اب صرف یہی آپشن ہے کہ میری بیٹے سے شادی کر کے واپس حویلی آجاؤ اور اپنی بیٹی کا مستقبل محفوظ کر لو۔“

”آپ میری سوچ سے بڑھ کر گھٹیا ثابت ہو رہی ہیں......؟“ ثمینہ نے یکدم نفرت سے کہا تھا۔ جنت کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔

”زبان سنبھال کر بات کرو۔“

”کیوں سنبھالوں میں......میری بچی کا حق مار کر آپ اپنی اولاد کا پیٹ بھرنا چاہتی ہیں اور پھر یہ بھی چاہتی ہیں کہ میں کوئی سخت لفظ استعمال نہ کروں؟“

”تمہاری، میرے سامنے کوئی اوقات نہیں ہے اس لیے اپنی زبان سنبھالو۔“ جنت بی بی کے لیے اپنے غصے پر قابو پانا مشکل ہو گیا تھا۔

”اور اسی بے وقعت عورت سے آپ اپنے پاگل بیٹے کی شادی کی خواہش لے کر آئی ہیں۔“ ثمینہ زہر لہجے میں بولیں۔

"کس قدر ردو غلی ہیں آپ۔"

"صحیح کہہ رہی ہو تم...... تمہاری تو اتنی بھی اوقات نہیں کہ میں اپنے پاگل بیٹے کے لیے تمہیں منتخب کروں۔ پتا نہیں میں نے تمہیں تمہاری حیثیت سے زیادہ نوازنے کا کیسے سوچ لیا۔" جنت بی بی نے نخوت سے کہا تھا۔

"نوازنے والی آپ کون ہوتی ہیں؟ نوازتا تو اللہ ہے اور کچھ لوگ آپ جیسے ہوتے ہیں جو اللہ کی نوازشوں کو بھی اپنا حق سمجھ کر وصولتے ہیں اور اپنا اصل منصب بھول کر زمین پر خدا بن بیٹھتے ہیں۔ لیکن یاد رکھیے گا، اللہ اگر نوازتا ہے تو اس کی پکڑ بھی اتنی ہی مضبوط ہے۔ وہ آپ کو منہ کے بل ضرور گرائے گا۔"

"بکواس بند کرو اپنی۔"

"جا ہی رہی ہیں تو ایک آخری بات سنتی جائیں...... بے شک میرا بھائی غریب ہے لیکن میں اس پر بوجھ ہرگز نہیں ہوں اور میں رجب کی جائیداد کو ضرور حاصل کر کے رہوں گی۔"

"اس کے متعلق تو سوچنا بھی نہیں۔" جنت بیگم نے اس بار بے حد استہزائیہ انداز میں کہا تھا۔

"جائیداد میں سے حصہ تو اب تمہیں مر کر بھی نہیں ملے گا۔ خصوصاً اس صورتحال میں جب کہ تم میرے بیٹے کو انکار کر کے خود اپنے پاؤں پر کلہاڑی مار چکی ہو...... اور جائیداد کے حصول کے لیے کرو گی کیا؟ اپنے بھائیوں کو میرے مقابل کھڑا کرو گی؟ ضرور کھڑا کرو لیکن یہ ضرور یاد رکھنا کہ تمہارے بھائیوں کو مروانا میرے لیے ذرا بھی مشکل نہیں ہوگا۔ اگر میں تمہارے شوہر کو زہر دے کے مروا سکتی ہوں تو پھر میں کسی کو بھی مروا سکتی ہوں۔" اس نے جیسے ثمینہ کے پیروں سے زمین ہی کھینچ لی تھی۔

"رجب کے مرنے کے بعد تم اپنے بھائیوں کے سہارے جی رہی ہو۔ اگر بھائی بھی نہ رہے تو کس کے سہارے جیو گی...... کچھ بھی کرنے سے پہلے ذرا اس بات پر غور کر لینا۔ رجب کو زہر دیتے ہوئے مجھے ذرا سا دکھ ہوا تھا کہ وہ میرے مرحوم شوہر کا بیٹا تھا لیکن تمہارے بھائیوں کو مرواتے ہوئے تو مجھے اتنا بھی دکھ نہیں ہوگا۔" وہ جاتے جاتے ذرا دیر کو رکی، ثمینہ کے ہکابکا چہرے پر ایک جھلملتی نگاہ ڈالی اور باہر نکل گئی۔

ثمینہ کے پیروں تلے سے زمین کھینچ لینے کے بعد وہ سر سے آسمان کھینچ لینے کا ارادہ بھی ظاہر کر گئی تھی اور ثمینہ کو اپنا آسمان بچانا تھا۔ ہر قیمت پر......

کمرے میں گہری خاموشی تھی۔

لگتا ہی نہیں تھا کہ وہاں دو نفوس موجود ہیں جالی دار دروازے سے ملگجا ابر آلود دن جھانک رہا تھا۔

ماوی قدرے سر جھکائے میز کی سطح کو گھور رہی تھی۔ اس کے تاثرات سے یہ اندازہ لگانا مشکل تھا کہ وہ کیا سوچ رہی ہے۔

البتہ ثمینہ کی نظریں ماوی پر جمی تھیں۔

"میں نے بڑی کوشش کی کہ فیاض بھائی میری بات مان کر جنت بی بی کے خلاف کوئی کارروائی کرنے پر راضی ہو جائیں لیکن کسی کو میری

بات کا یقین ہی نہیں آ رہا تھا۔" ان کے لہجے میں تھکن اور دکھ تھا۔

"کیوں؟" ماوی نے متعجب ہو کر انہیں دیکھا۔

"میں نے بتایا ناں، تمہارے بابا کے انتقال کے بعد میری ذہنی حالت بگڑ سی گئی تھی۔ مجھے بے ہوشی کے دورے پڑتے اور کبھی کبھار اوٹ پٹانگ باتیں کرنے لگتی تھی۔ فیاض بھائی نے میرا علاج بھی کروایا تب میں اپنے دکھ سے سنبھلی اور جب سنبھل چکی تو جنت بی بی اپنے جرم کا اعتراف کر کے چلتی بنی۔ فیاض بھائی نے میری باتوں کو میری گذشتہ ذہنی حالت پہ محمول کیا اور میری کسی بھی بات کو سچ ماننے سے انکار کر دیا۔ پھر کچھ عرصہ بعد ہم سب دبئی شفٹ ہو گئے۔ جنت بی بی، وہ حویلی اور اس حویلی سے جڑی ہوئی تلخ یادیں یہیں رہ گئیں۔ فیاض بھائی، بھابھی، فیضان اور کچھ میری شعوری کوششوں کا عمل دخل بھی تھا کہ میں اس بات کو بھولنے لگی، پھر میرے پاس اس کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں تھا کہ میں دل پہ پتھر رکھ کے اس بات کو بھول جاؤں...... یا شاید میں بھولی نہیں تھی بس دل پہ پتھر رکھ لیا تھا جنت بی بی کو سزا دلوانے کے لیے میرے پاس کوئی ٹھوس ثبوت نہیں تھا۔ نہ ہی ابتدائی کچھ سالوں میں فیاض بھائی اور فیضان فنانشلی اتنے اسٹرونگ تھے کہ کورٹ کچہریوں کے چکر میں پڑنے کا رسک لیتے۔"

"وہ سب تو ٹھیک ہے لیکن میرا دل یہ نہیں مان رہا کہ بڑے ماما نے آپ کی بات کا یقین نہیں کیا۔" ماوی نے الجھ کر کہا تھا۔

"تمہیں بھی تو یقین نہیں آ رہا۔" ثمینہ نے مبہم سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ ماوی لحظہ بھر کے لیے چپ سی رہ گئی پھر اصرار بھرے لہجے میں بولی۔

"میرا معاملہ مختلف ہے۔ ایک بیحد عجیب و غریب قسم کا انکشاف آپ نے اچانک میرے سامنے لا کر رکھ دیا ہے اور اگر سچ کہوں تو بات یہ نہیں کہ مجھے آپ کی باتوں کا اعتبار نہیں ہے۔ مجھے آپ کی ہر بات پر یقین ہے ممی! لیکن آپ کی ڈیمانڈ میں پوری نہیں کر سکتی۔"

"کیا تمہیں اپنے بابا سے محبت نہیں ہے۔ تم نہیں چاہتی کہ ان کا قاتل کو سزا ملے؟"

"محبت ہے...... لیکن اس محبت کو ایکسپلائٹ تو نہ کریں۔" ماوی بری طرح چڑ گئی۔

"بابا نے جو اذیتیں برداشت کیں، آپ نے جو مصائب سہے وہ سب اپنی جگہ افسوسناک سہی لیکن میرا اس حویلی میں جانا بالکل ایسا ہی ہو گا جیسے میں خود کو موت کے منہ میں دھکیل دوں...... میں ڈرپوک یا بزدل نہیں ہوں لیکن خودکشی کے حق میں بھی نہیں ہو...... جو عورت فیضان ماما اور بڑے ماموں کو مروانے کی دھمکی دے سکتی ہے آپ کا کیا خیال ہے مجھے زندہ اس حویلی سے واپس آنے دے گی؟"

"تم آرش نیشنل ہو ماوی! تمہارا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ چند روز غائب رہو گی تو ایمبیسی حرکت میں آ جائے گی...... پھر تمہارے دونوں ماموں بھی اس پوزیشن میں آ چکے ہیں کہ تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچنے دیں۔"

ثمینہ نے کہا اور ماوی ہکا بکا سی انہیں دیکھتی رہ گئی۔

یہ اس کی ماں نہیں تھی یہ کوئی اور عورت تھی جو اسے خود موت کے منہ میں دھکیل رہی تھی۔

"ان سب باتوں کا کوئی فائدہ نہیں ہو گا کیونکہ تب تک میں مر چکی ہوں گی۔" وہ کرسی دھکیل کر اٹھی اور تیز قدم اٹھاتی باہر نکل گئی۔

ثمینہ نے گہری سانس بھر کر کرسی کی پشت سے کمر لگا لی۔ وہ جانتی تھیں ماوی کا ردعمل یہی ہو گا۔

کبھی ایسا ہوتا ہے ذہن بالکل بند سا ہو جاتا ہے۔ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ناکارہ لگنے لگتی ہے۔ بالکل ایسے، جیسے تن تنہا انسان کی کشتی سمندر کی وسعتوں میں بھٹک رہی ہو اور پتوار بھی ہاتھ سے چھوٹ کر گہرے پانیوں میں جا سوئے ہوں۔

تو ماوی کی حالت بھی کچھ ایسی ہی ہو رہی تھی۔

بند بند سا ذہن، الجھی ہوئی سی سوچیں۔ وہ جھولے پر بیٹھی تھی۔ جھولا بالکل ساکت تھا۔ ماوی نے گرم شال اپنے گرد لپیٹ رکھی تھی اور اس کے ریشمی لیکن الجھے ہوئے بے ترتیب بال شانوں پر پڑے تھے۔

جس وقت ثمینہ جالی کا دروازہ دھکیل کر باہر نکلیں اسے وہاں بیٹھے تیس منٹ سے شاید کچھ زیادہ وقت گزر چکا تھا۔ دروازہ کھلنے کی آواز پر اس نے گردن موڑ کر لحظہ بھر کے لیے ثمینہ کی طرف دیکھا اور پھر رخ موڑ لیا۔ ثمینہ آہستگی سے اس کے ساتھ جھولے پر بیٹھ گئیں ہلکی سی آواز کے ساتھ جھولا لرزنے لگا۔

بے حد خاموشی کے ساتھ وہ دونوں ساتھ ساتھ بیٹھی لان کا جائزہ لیتی رہیں جہاں پچھلی رات کے طوفان نے بہت تباہی مچائی تھی۔ اینیا خدا معلوم کہاں تھی اور پتا نہیں لان کی حالت دیکھ کر اس کے دل پر کیا بیت رہی ہو گی۔ آسمان پر ابھی بھی بادل تھے۔ معاً تیز ہوا کے جھونکے کے ساتھ پھر بارش شروع ہو گئی اور اور یوکلپٹس کے چوڑے پتوں پر تڑاتڑ برستی بارش کی آواز سنائی دینے لگی۔

"تو یہ سب طے شدہ تھا۔" ماوی نے دونوں کے درمیان حائل خاموشی کو توڑا تھا۔ "ہمارا پاکستان آنا، آپ کا ایک عرصہ تک پاکستان آنے کو ٹالتے رہنا اور پھر اچانک مان جانا، یہاں آ کر ثروت آنٹی کے یہاں قیام کرنا اور پھر شبیہ العباس اور جلال الدین سے ٹکرانا...... یہ ساری آپ کی پلاننگ تھی ممی! مجھے حویلی بھجوانے کے لیے؟"

"نہیں...... یہ میری پلاننگ نہیں تھی، یہ کاتب تقدیر کی پلاننگ ہے۔" ثمینہ نے اطمینان سے جواب دیا۔ "پہلے پہل میں واقعی پاکستان نہیں آنا چاہتی تھی کیونکہ میرے دل میں جنت بی بی کی طرف سے بہت خدشات تھے۔ لیکن پھر ایک روز مجھے خیال آیا کہ اتنا خوف کھانے کی بھی کیا ضرورت ہے۔ بہر کیف وہ عورت ہے تو انسان ہی ناں۔ پھر میری حیثیت اب کسی بھی طرح اس ثمینہ کی حیثیت سے میل نہیں کھاتی جو کئی سال پہلے اس عورت کے مظالم و زیادتیاں سہتی رہی تھی تو میں نے پاکستان آنے کے لیے ہامی بھر لی۔ میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ یہاں ثروت یا شبیہ العباس اور جلال سے ملاقات ہو جائے گی۔ لیکن باری باری ان سب لوگوں سے ملنے کے بعد مجھے احساس ہوا ان کا یوں میرے سامنے آنا بے مقصد ہرگز نہیں ہے۔ یہ تقدیر کا اشارہ ہے جسے ہمیں سمجھنا چاہیے۔ ان لوگوں کے ذریعے سے ہم تمہارے بابا کے قاتل کے خلاف ثبوت لا سکتے ہیں، اس عورت کو سزا دلوا سکتے ہیں میری بات مان لو ماوی...... تمہاری یہ چھوٹی سی فیور تمہارے بابا کی روح کو سکون دلا دے گی۔"

"یہ چھوٹی فیور نہیں ہے ممی! آپ سمجھتی کیوں نہیں ہیں کہ مجھے اس حویلی میں بھیج کر آپ میری زندگی کو خطرے میں ڈال رہی ہیں۔ پھر سب سے بڑی بات یہ کہ فلموں ڈراموں میں اتنے سالوں کے بعد کسی کے قتل کے ثبوت اکٹھے کیے جا سکتے ہیں، حقیقی زندگی میں نہیں۔"

"تمہیں ثبوت تلاش کرنا ہوں گے۔ زندگی میں کوئی بھی چیز اتنی آسانی سے نہیں ملتی۔ اس حویلی میں کوئی نہ کوئی ایسا انسان ضرور ہے جو

جنت بی بی کے جرم کا گواہ ہے۔ میں جانتی ہوں مجھے اکثر خواب میں وہ چہرے دکھائی دیتے ہیں، لیکن میں انہیں پہچان نہیں پاتی...... تمہیں ان لوگوں کو ڈھونڈنا ہے ماوی! وہ تمہیں مل جائیں گے۔"

"ممی! یہ آپ مجھ سے کس طرح کی Hypothetical (فرضی) باتیں کر رہی ہیں۔" ماوی نے صدمے سے چور آواز میں کہا تھا۔

"یہ Hypothetical نہیں ہیں۔" ثمینہ نے گویا تھک کر کہا تھا۔

"میں جانتی ہوں جنت بی بی کے جرم کا ثبوت اسی حویلی میں ہے اور اس ثبوت کو حاصل کرنے کے لیے تمہیں وہاں جانا ہوگا۔"

"اس سے تو اچھا تھا، آپ مجھے بچپن میں موت کے کنویں میں بائیک ہی چلا لینے دیتیں۔ تبھی مر کھپ جاتی تو کم سے کم اب آپ کے ہاتھوں موت کے منہ میں دھکیلے جانے کا افسوس تو نہ ہوتا۔" اس نے جل کر کہا۔

"ایسا کچھ بھی نہیں ہوگا ماوی! دیکھنا تمہارے سارے خدشات دھرے کے دھرے رہ جائیں گے۔" ثمینہ نے رسان سے کہا تھا۔

"کیا تم نہیں چاہتیں تمہارے بابا کے قاتل کو سزا ملے...... محبت نہیں ہے تمہیں ان سے؟" ثمینہ نے جذباتیت کا سہارا لینا چاہا۔

"محبت ہے...... لیکن، آپ اسے میری خود غرضی سمجھیں یا جو مرضی...... کئی سال پہلے خود سے جدا ہوئے باپ کے لیے میں اپنا آپ خطرے میں نہیں ڈال سکتی۔" ماوی نے جھجکتے ہوئے کہا تھا۔

"سب انسانوں کی طرح مجھے خود سے بہت محبت ہے ممی! اور جو راستہ آپ بتا رہی ہیں وہ تو سراسر خودکشی کی طرف جاتا ہے۔" اس کا انداز قطعی تھا۔ ثمینہ کے چہرے پر یکدم پژمردگی چھا گئی۔

"یعنی تمہارے ماں باپ جئیں یا مریں، تمہیں فرق نہیں پڑتا؟"

"ماں سے نہیں، صرف باپ سے۔" ماوی نے تیزی سے کہا تھا۔

"بابا زندہ ہوتے اور انہیں کوئی تکلیف پہنچاتا تو میرا ردعمل کچھ اور طرح کا ہوتا لیکن اس صورت حال میں، جب کہ انہیں مجھ سے بچھڑے کئی سال گزر چکے ہیں مجھے ان کی صرف وہ شکل یاد ہے جو میں تصویروں میں دیکھتی ہوں، بلاشبہ ان کی محبت میرے خون میں شامل ہے لیکن یہ محبت اتنی شدید نہیں ہے ممی! کہ میں موت کے منہ میں کود جاؤں...... آپ کو میری خود غرضی پر غصہ آ رہا ہے، میں جانتی ہوں...... لیکن میں خود غرض نہیں ہوں، یہ آپ بھی اچھی طرح جانتی ہیں۔ بس صرف اتنا ہے کہ میں اس بات کو بغیر جذباتیت کے دیکھ رہی ہوں۔

بابا کے برعکس کسی نے آپ کو تکلیف پہنچائی ہوتی تو میں اسے اچھی طرح سمجھ لیتی کیونکہ بہرحال بابا سے زیادہ محبت مجھے آپ سے ہے......"

"ٹھیک ہے تو اپنے بابا کے لیے نہ سہی۔ میری خوشی کے لیے یہ کام کردو۔" ثمینہ نے کہا۔

"ممی......" ماوی بیزار سی ہوگئی۔ "آپ میری زندگی کا سب سے اہم سب سے خوب صورت اور قیمتی رشتہ ہیں۔ آپ کے لیے تو میں زندگی کی ہر خوشی سے دستبردار ہو سکتی ہوں حتیٰ کہ آپ اگر کہیں کہ میں شہروز کے بجائے کسی اور سے شادی کرلوں تو اس کے لیے بھی میں تیار ہو جاؤں گی کہ اس میں آپ کی رضا اور خوشی ہوگی لیکن میں وہ نہیں کرسکتی جو آپ کہہ رہی ہیں۔ میں حویلی نہیں جاؤں گی۔"

بعض اوقات یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ ہتھوڑے کی پہلی ضرب شدید تھی یا دوسری، ماوی کے ساتھ بھی یہی ہوا تھا۔ وہ ہکا بکا ثمینہ کے مطمئن چہرے کو دیکھ رہی تھی۔

☆☆☆

''واٹ ربش...... ایسا کیوں کہا آپ نے جلال سے؟'' چند منٹ بعد ماوی کے لبوں سے ٹھٹھرے ہوئے بے یقین الفاظ نکلے تھے۔

ثمینہ اسی طرح پرسکون بیٹھی تھیں۔ ان کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں ابھرا تھا۔

''تم میری بات مان کر حویلی جانے پر رضامند ہو جاؤ، میں تمہیں تمہارے سوال کا جواب دے دوں گی۔''

''پلیز ممی! میری برداشت سے زیادہ اونچی ڈیمانڈ کر رہی ہیں آپ...... پہلے حویلی جانے کی ضد اور اب...... اب جلال سے شادی۔''

''جلال وہ ٹرمپ کارڈ ہے ماوی! جو صرف تم سے نکاح کے بعد ہمارے ہاتھ آ سکتا ہے۔'' ثمینہ اس کی پریشانی کی پروا کیے بغیر جیسے ایک ٹرانس کی کیفیت میں بول رہی تھیں۔

ماوی نے اپنا سر دونوں ہاتھوں میں گرا لیا۔ اس کے دماغ کی رگیں گویا جیسے پھٹنے کے قریب پہنچ چکی تھیں۔

''یہ ٹرمپ کارڈ اپنے مناسب وقت پر خود چلے گا...... لیکن اسے اپنے حق میں کرنے کا صرف ایک راستہ ہے اور وہ ہے نکاح...... میں نے جھوٹ بول کر جلال کو تمہارے حق میں قائل کیا ہے، وہ معصوم سا انسان ہے، بڑے آرام سے تمہاری محبت میں مبتلا ہو گیا...... لیکن تمہیں اس کے لیے پریشان ہونے کی ہرگز ضرورت نہیں ہے۔ ہم جلال کو اپنے حق میں استعمال کریں گے۔ اس کے بعد تم اس سے خلع لے لینا اور شہروز سے شادی کر لینا، شہروز کو اس بارے میں کچھ پتا نہیں چلے گا، بلکہ کسی کو بھی کچھ پتا نہیں چلے گا، کیونکہ اس بارے میں تم کسی کو کچھ بتاؤ گی، نہ میں بتاؤں گی۔''

میں جانتی ہوں یہ کام تمہارے لیے مشکل ہے، لیکن انسان ارادہ کرے تو دنیا کا کوئی کام ناممکن نہیں رہتا، مشکل بھلے ہی لگے۔ مجھے یقین ہے ماوی! تم یہ کام کر لوگی۔ میں نے تمہیں دبو یا ڈرپوک نہیں بنایا۔ لاشعوری طور پر میں نے تمہاری تربیت اس طرح کی کہ تم بہادر، حوصلہ مند بنو۔ ہر مشکل کے سامنے ڈٹ جاؤ۔ میری بات سے انکار کر کے مجھے مایوس مت کرو ماوی! رجب کے قاتل کو سزا دلوانا میری زندگی کی سب سے بڑی خواہش ہے۔ میں اس عورت کو اس کے انجام تک پہنچانا چاہتی ہوں...... اس حویلی میں جاؤ گی تو تمہیں تمہارا حق ملے گا اور ثبوت بھی۔

اب تمہارے پاس دو ہی راستے ہیں، ایک تو یہ جو میری مرضی کے عین مطابق ہے، جلال سے نکاح کرو اور حویلی چلی جاؤ اور دوسرا راستہ یہ ہے کہ میری بات سے انکار کر کے میری مری ہوئی شکل دیکھو...... میں سچ کہہ رہی ہوں ماوی! اگر تم نے انکار کیا تو میں خودکشی کر لوں گی۔ باپ کی تمہیں پروا نہیں ہے، ماں کے بغیر بھی مطمئن رہ لینا۔''

ثمینہ اطمینان سے کہتی اٹھ کھڑی ہوئیں۔ ماوی کے سر پر تو یکے بعد دیگرے ہتھوڑے برسے تھے۔ وہ منہ کھولے ماں کی باتیں سن رہی تھی۔

''تمہارا جو بھی فیصلہ ہو مجھے بتا دینا...... اور ہاں یہ بات ہم دونوں کے درمیان رہے تو اچھا ہے، بصورت دیگر خودکشی تو میں کر ہی لوں گی۔''

ثمینہ کا لہجہ مستحکم تھا۔ انہوں نے ماوی سے کبھی اس لہجے میں بات نہیں کی تھی۔ اسے ان کا لہجہ ہی حیران کیے دے رہا تھا۔ حیرانی، پریشانی،

تعجب، بے یقینی، صدمہ...... جیسا ہر لفظ اس کی کیفیت بیان کرنے کے لیے ناکافی ثابت ہو رہا تھا۔

وہ ششدر سی ثمینہ کو جالی کے دروازے کے پیچھے غائب ہوتا دیکھتی رہی۔ اس کے سر میں مسلسل دھما کے ہو رہے تھے۔

"Pschotic Disorder۔" اس کے کانوں میں پچھلی رات کے کہے ہوئے اپنے ہی الفاظ گونجنے لگے تھے، صرف یہ ہی نہیں مختلف آوازیں اس کے اردگرد پھیل گئی تھیں۔

"کسی انسان کے اردگرد موجود غیر متوازن رویے اس انسان کی سوچ میں گرہیں لگا دیتے ہیں۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ گرہیں نفسیاتی الجھنوں میں بدل جاتی ہیں۔" اسے یاد آیا جینیٹ نے ایک بار کہا تھا۔

"وہ خاتون Psychosis کا شکار تھیں۔" اس نے کل کہا تھا۔

"نفسیاتی مریض کبھی اکیلا نہیں ہوتا، وہ اپنے اردگرد رہنے والے ہر انسان کو ایک مختلف نوعیت کا نفسیاتی الجھاؤ منتقل کر رہا ہوتا ہے، یعنی ایک سے دس افراد متاثر ہوئے تو سمجھو معاشرے کے دس خاندان برباد ہوئے۔" ساہیوال میں سیمینار اٹینڈ کرنے کے بعد اس نے سلطانہ آنٹی کو کہتے سنا تھا۔

"ایک معمولی نفسیاتی الجھاؤ کا شکار انسان اپنے اردگرد رہنے والوں میں سے کسی فرد کو بہت شدید نفسیاتی الجھاؤ بھی منتقل کر سکتا ہے۔" یہ اس کی اپنی آواز تھی جو اس کے اردگرد چکرا رہی تھی۔

ماوی کے اردگرد آوازیں بڑھتی جا رہی تھیں۔

اس کی ماں نے اسے خودکشی کی دھمکی دی تھی۔ وہ ہر طرح کے خطرے سے آگاہ ہونے کے باوجود اسے جان بوجھ کر موت کے منہ میں دھکیل رہی تھیں۔ اس نے کل جنت بی بی کو نفسیاتی مریضہ قرار دیا تھا، لیکن آج اسے احساس ہو رہا تھا کہ اس کی ماں خود ایک نفسیاتی مریضہ بن چکی ہیں، یہ بات سوچنے میں عجیب لگ رہی تھی، لیکن...... شاید حقیقت یہ ہی تھی۔

☆☆☆

"ثروت کی طبیعت سنبھل چکی تھی اور وہ اسپتال سے ڈسچارج بھی ہو گئی تھیں، لیکن ڈاکٹر نے انہیں کچھ عرصہ کے لیے مکمل بیڈ ریسٹ کی تاکید کی تھی۔ ساتھ ہی ساتھ سفر کرنے سے بھی منع کر دیا تھا۔ اینیا نے سنا تو فوراً ان کے سر ہو گئی۔"

"ٹھیک ہے، پھر میں بھی آپ کے ساتھ یہیں رہوں گی۔"

"پاگل مت بنو! تو وہاں تمہارے بھائیوں اور ڈیڈی کو تمہاری ضرورت ہو گی۔" ثروت نے پیار سے کہا تھا۔

"ضرورت تو آپ کی بھی ہے...... پھر آپ کیوں نہیں چل رہیں ہمارے ساتھ؟"

"تمہارے سامنے ہی تو ڈاکٹر انصار نے کہا ہے کہ مجھے کچھ عرصہ سفر نہیں کرنا چاہیے۔"

"ڈاکٹر انصار نے ایسی کوئی بات نہیں کہی تھی، انہوں نے صرف آپ کو بیڈ ریسٹ کی تاکید کی تھی۔" اینیا نے بالآخر بات کرنے کی ٹھان ہی لی تھی۔ "میں جانتی ہوں ممی! آپ کے اور ڈیڈی کے درمیان کوئی ایشو چل رہا ہے۔ اسی لیے آپ ہمارے ساتھ نہیں آ رہیں۔"

"نہیں انو! ایسی تو کوئی......" ثروت نے سٹپٹا کر کہا۔

"پلیز ممی! اب کم سے کم آپ مجھ سے تو غلط بیانی نہ کریں میں، ولید حتیٰ کہ ولی بھی جانتا ہے کہ کہیں نہ کہیں کچھ گڑبڑ ہے، لیکن آپ ہوں یا ڈیڈی...... دونوں میں سے کوئی اس ایشو پر بات ہی نہیں کرنا چاہتا۔ ہم تینوں، آپ دونوں کے درمیان پنگ پانگ بالز کی طرح حرکت کر رہے ہیں، کبھی ادھر، کبھی ادھر، آخر ایسا کب تک چلے گا؟ اور ولید بتا رہا تھا آپ اور ڈیڈی میری شادی پلان کر رہے ہیں۔ پلیز ممی! میں ابھی شادی نہیں کروں گی، پہلے میری اسٹڈیز کمپلیٹ ہو جانے دیں، اس کے بعد شادی بھی ہو جائے گی۔" اس نے قطعیت سے کہا تھا۔

"یہ ضروری ہے انو۔" ثروت نے آہستگی سے کہا تھا۔

"تمہاری شادی ہو جائے تو ہمیں کوئی فیصلہ کرنے میں سہولت رہے گی۔"

"ممی! کیسا فیصلہ؟" صدمے سے اس کی آواز خود بخود دھیمی ہو گئی۔

"کیا آپ اور ڈیڈی سچ مچ علیحدگی کے متعلق سوچ رہے ہیں؟" آخر ایسے کون سے اختلاف ہیں آپ دونوں کے جنہیں سلجھایا نہیں جا سکتا؟" وہ جیسے رو دینے کو تھی۔

"دیکھو انو! جب دل پر بوجھ بڑھ جاتے ہیں نا، تب ہی ایک عورت اپنے اندر اتنا حوصلہ پیدا کر پاتی ہے کہ اپنا گھر توڑنے کے متعلق سوچے، خدا نہ کرے کہ تم پر کبھی ایسا وقت آئے۔"

"لیکن ممی!"

"ابھی کوئی سوال مت پوچھو بیٹا! بعض اوقات انسان کوئی فیصلہ کر لیتا ہے، لیکن اس فیصلے کے حق میں دلائل نہیں دے سکتا، کچھ روز بعد یا ممکن ہے، چند مہینوں کے بعد میں اپنے اندر اتنا حوصلہ محسوس کروں کہ تمہارے ہر سوال کا جواب دے سکوں، لیکن ابھی میرے اندر اتنی سکت نہیں ہے۔" ثروت کا انداز اس قدر بے چارگی لیے ہوئے تھا کہ وہ چاہ کر بھی پھر کچھ نہ کہہ سکی۔

☆☆☆

ماوی عجب کشمکش کا شکار تھی۔

گو کہ وہ بہت واضح انداز میں ثمینہ کو اپنے فیصلے سے آگاہ کر چکی تھی اور سچی بات ہے اس کے دل و دماغ کو اس فیصلے کی حمایت میں کوئی تامل بھی نہیں تھا۔ وقت تھی تو صرف ان کی دھمکی، ان کی جذباتی بلیک میلنگ کا طریقہ کار یعنی ان کی مستقل خاموشی۔

یہ ہی بات ماوی کے لیے اور بھی پریشانی کا باعث بنی ہوئی تھی۔ اس کی چھٹی حس اسے بار بار آگاہ کر رہی تھی کہ ماں کی بات ماننے کے نتیجے میں وہ خود کسی ایسی مشکل میں پھنس جائے گی، جس سے نکلنا پھر ساری زندگی آسان نہ ہو گا اور ان کی بات نہ ماننے کے نتیجے میں وہ اپنا کہا سچ کر دکھائیں گی۔ اگر وہ اپنی فطرت کے برعکس کوئی مطالبہ کر سکتی تھیں تو پھر وہ کچھ بھی کر گزریں گی۔

وہ سوچ سوچ کر تھک چکی تھی، لیکن کوئی حل ہاتھ نہیں آ رہا تھا۔ تب ایک ایک کر کے اس نے ان افراد کے نام سوچنا شروع کیے جن سے وہ

اس سلسلے میں مدد کی توقع کر سکتی تھی۔

فیضان ماما سے تو اینیا والے سلسلے کی وجہ سے اب تک ناراضی چل رہی تھی۔ بول چال تک بند تھی۔ اس لیے وہ تو اس لسٹ سے فوراً ہی خارج ہو گئے۔ پھر اسے فیاض ماموں کا خیال آیا۔ اس نے سوچا ضروری نہیں کہ وہ ڈائریکٹ ان سے بات کرے، آخر وہ اشارتاً بھی تو بات کر سکتی ہے اور چونکہ فیاض ماموں کا اس سارے معاملے سے کچھ نہ کچھ تعلق ضرور تھا، اس لیے یقیناً ماموں سے بات کر کے ان پر ماں کی ذہنی حالت واضح ہو سکتی تھی۔

یہ ہی سوچ کر اس نے کال ملائی، لیکن آگے ایک نئی صورت حال اس کی منتظر تھی۔

''ثمینہ کو کیا پریشانی ہے ماوی؟'' فیاض ماموں نے چھوٹتے ہی پوچھا۔

''کوئی پریشانی نہیں ہے ماموں۔'' ماوی کے تمام حواس یک دم چوکنے ہو گئے تھے۔ ''کیوں؟ کیا ممی نے آپ سے کچھ کہا ہے؟''

''نہیں...... کہا تو کچھ نہیں ہے۔'' فیاض ماموں نے پر سوچ انداز میں کہا تھا۔ ''ویسے بھی ثمینہ نے کب کوئی بات شیئر کی ہے۔ اس کے دل و دماغ میں کیا چل رہا ہے، ہمیشہ میرے لیے اندازہ لگانا مشکل رہا ہے۔ بلکہ شاید ہمیشہ کا لفظ میں نے غلط جگہ استعمال کیا ہے ثمینہ ہمیشہ سے ایسی نہیں تھی، لیکن رجب کے انتقال کے بعد اس کے مزاج میں کچھ عجیب سی تبدیلی پیدا ہونے لگی تھی۔

وہ پہروں خاموش رہتی تھی۔ میں اور تمہاری ممانی اسے بولنے پر آمادہ کرتے اور کئی کئی گھنٹوں بلکہ بعض اوقات تو کئی روز کے بعد وہ بات کرنے پر آمادہ ہوتی تھی۔ لیکن دل میں آئے خیالات اس نے کبھی کسی سے شیئر نہیں کیے۔ اور جو انسان اپنے دل کی باتیں یا خیالات اپنے قریبی لوگوں سے ڈسکس نہ کرتا ہو، اسے سمجھنا ہمیشہ مشکل ہوتا ہے۔

مجھے چند روز سے عجیب سے خواب آ رہے ہیں، جن میں ثمینہ پریشان دکھائی دیتی ہے۔ پرسوں میری اس سے فون پر بات ہوئی تھی، اس کی آواز سن کر بھی مجھے یہ ہی لگا کہ وہ کسی پریشانی کا شکار ہے، لیکن میرے پوچھنے پر حسب عادت وہ ٹال گئی۔ مجھے تم سے یہ کہنا تھا بیٹا! اپنی ماں کا بہت خیال رکھو، تمہارے لیے اس نے زندگی میں بہت کچھ سہا ہے، اسے کوئی تکلیف نہ پہنچانا۔''

انہوں نے ماوی کے کچھ کہنے کی گنجائش ہی نہیں چھوڑی تھی۔ ماوی نے جیسے بددل ہو کر فون بند کر دیا۔ اسے یاد آیا فیاض ماما اس طرح کی باتیں کوئی پہلی بار نہیں کر رہے تھے، وہ اکثر اس طرح کی باتیں کرتے تھے، لیکن آج اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے سب کچھ بطور خاص اسے سنایا جا رہا ہو۔

وہ کچھ دیر بیٹھی سنتی رہی، پھر بےزار ہو کر باہر آ گئی۔

لان ویسے ہی جھاڑ جھنکاڑ حالت میں پڑا تھا۔ آج تو مطلع بھی صاف تھا۔ معاً اسے خیال آیا کہ دو روز سے اس کی اینیا سے ملاقات بھی نہیں ہو سکی۔ وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی اور لان کی ابتر حالت پر غور کرتی اینیا کی طرف آ گئی، لیکن یہاں آ کر شازیہ کی زبانی اس کی غیر موجودگی کا پتا چلا۔

''واپسی کب تک ہے؟''

''پتا نہیں بی بی! اس بارے میں تو مجھے کچھ بھی نہیں پتا، مالک لوگ ہیں جب دل کرے گا آ جائیں گے۔'' ماوی جو اینیا سے گپ شپ لگا کر اپنا ذہن بٹانا چاہ رہی تھی، یہاں سے بھی بددل ہو کر نکلی، پھر گیٹ سے ہی باہر آ گئی۔

یوں ہی بے مقصد چہل قدمی کرتے ہوئے اسے خود بھی پتا نہیں چلا وہ کس سمت میں چل پڑی ہے۔ چونکی اس وقت، جب اس نے خود کو کسی بلڈنگ کے کمپاؤنڈ میں کھڑے پایا۔ وہ چونکہ اپنی سوچوں میں غلطاں تھی۔ اس لیے چند لمحے خالی خالی نظروں سے بلڈنگ کو دیکھتی رہی۔ معاً اس کے ذہن میں بجلی کا ایک کوندا سا لپکا۔

"ارے، جلال بھی تو یہیں رہتا ہے...... مجھے پہلے اس بات کا خیال کیوں نہیں آیا کہ مجھے جلال سے اس بارے میں بات کرنا چاہیے۔ ممی نے اس سے جھوٹ بولا تھا کہ میں اس میں انٹرسٹڈ ہوں۔ ممکن ہے اسے ممی کی بات کا یقین ہی نہ آیا ہو اور وہ خود ہی انکار کر دے۔"

اس خیال کا آنا تھا کہ وہ تیزی سے اندر کی طرف بڑھ گئی۔

☆☆☆

یہ محض اتفاق ہی تھا کہ جب ماوی نے ڈور بیل بجانے کے لیے ہاتھ اٹھایا، ٹھیک اسی وقت شبیہ دروازہ کھول کر باہر نکلا تھا۔

ماوی کو دیکھتے ہی اس کی تیوری پر بل پڑ گئے۔

"جی فرمایئے۔"

اس انداز پر ماوی نے اسے تیکھی نظروں سے دیکھا۔ پسند تو وہ اسے پہلے بھی نہیں تھا، عجیب اکھڑ اور بدتمیز سا لگتا تھا۔ اس طرح بات کرنے پر اور بھی برا لگا۔

"فرمانا کیا ہے...... میں جلال سے ملنے آئی تھی۔"

"کیوں؟" شبیہ نے بے ساختہ پوچھا، اب ماوی کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔

"اس کیوں کا کیا مطلب ہے؟ کیا آپ جلال کے پرسنل سیکریٹری ہیں جو اپائنٹمنٹ لیے بغیر ملنے نہیں دیتے؟"

شبیہ نے اسے جانچتی نظروں سے دیکھا۔ ناپسندیدگی کی سند تو وہ اسے پہلی ملاقات میں ہی دے چکا تھا، لیکن دقت یہ تھی کہ فی الحال اس کی یہاں موجودگی شبیہ کو بری طرح کھٹکی تھی۔

"اگر میں کہوں ہاں تو......" اس نے اپنی عادت کے برخلاف بات کو طول دیا تھا۔

"تو میں کہوں گی کہ میں جلال کی فرینڈ ہوں۔ آپ جا کر اس کو بتا دیں کہ میں آئی ہوں، میرا نہیں خیال کہ اس سے بھی زیادہ کسی پرسنل سیکریٹری کے کچھ اختیارات ہوتے ہیں۔" ماوی نے اچھی خاصی چوٹ کی تھی۔ شبیہ تلملایا ضرور، لیکن پھر بھی ضبط کر گیا۔

"جلال گھر پہ نہیں ہے۔"

"ایں......" ماوی پراوس گرگئی۔

"کہاں گیا ہے؟ کب تک واپس آئے گا؟" اس نے بے قراری سے پوچھا اور اس کے انداز کو شبیہ نے بطور خاص نوٹ کیا تھا۔

"ٹورنٹو گیا ہوا ہے۔ ایک مہینے سے پہلے واپسی ممکن نہیں...... آپ دوبارہ تشریف لانے کی زحمت نہ کیجیے گا۔" شبیہ نے رکھائی سے جھوٹ

بولا اور لفٹ کی طرف بڑھ گیا۔

"ٹورنٹو" ماوی نے زیر لب دہرایا، پھر تیزی سے اس کے پیچھے لپکی۔

"سنیے..... کیا مجھے جلال کا کوئی کانٹیکٹ نمبر مل سکتا ہے؟"

"ہرگز نہیں، کیونکہ جلال نے غیر ضروری لوگوں کو کانٹیکٹ نمبر دینے سے منع کر رکھا ہے۔" اس نے دل جلانے والے انداز میں کہا اور ماوی کو پیچ وتاب کھاتا چھوڑ کر آگے بڑھ گیا۔

"جلال خود تو اتنا اچھا ہے، یہ فضول قسم کے رشتہ دار پتا نہیں کس غلطی کی سزا کے طور پر ملے ہیں اسے۔" ماوی نے پیر پٹخ کر سوچا تھا۔

ماوی بری طرح ذہنی تھکن کا شکار ہو چکی تھی۔ گو کہ وہ اتنی جلدی ہمت ہار دینے والوں میں سے نہیں تھی، لیکن مقابل اس کی ماں تھیں اور جن سے وہ بے تحاشا محبت کرتی تھی۔

محبت کس طرح انسان کے ارادوں کو ڈگمگا دیتی ہے اور کس طرح کمزور بنا دیتی ہے۔ اس کا احساس ماوی کو پہلی بار ہی ہوا تھا۔ اس نے ممی کو سمجھانے کی بھی کوششیں کر دیکھی تھیں، لیکن بے سود۔ ثمینہ نے اس معاملے میں ضد باندھ لی تھی اور اپنے مطالبے سے ایک انچ بھی پیچھے ہٹنے کو تیار نہیں تھیں۔

"حویلی جاؤ، اپنے حصے کی جائیداد کے ساتھ ساتھ ثبوت لے کر آؤ۔" ماوی نے کئی بار ان سے بحث کی، لیکن ثمینہ کی ایک ہی رٹ تھی۔

"ان دو کاموں کو انجام دینے کے لیے آخر جلال سے نکاح کرنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"تم میری بات ماننے کی یقین دہانی کرواؤ..... میں تمہیں سارا پلان سمجھا دوں گی۔"

اس نے اپنی ماں کو کبھی اتنا ضدی نہیں پایا تھا، جتنا وہ آج کل ہو رہی تھیں۔ تھک ہار کر اس نے شہروز سے بات کرنے کی ٹھانی۔

لیکن ایک عجیب بات ہوئی۔ شہروز کبھی اس سے اتنا خفا نہیں ہوتا تھا، نہ کبھی اس نے ماوی سے اتنے سخت لہجے میں بات کی تھی، مگر اس روز اس کا موڈ پہلے سے ہی کسی بات پر خراب تھا، رہی سہی کسر ماوی کی جلد بازی نے پوری کر دی۔

"چلو شہروز! شادی کر لیتے ہیں۔" اس نے چھوٹتے ہی کہا تھا۔

"ایں..... یہ تمہیں بیٹھے بٹھائے کیا سوجھی؟" وہ حیران ہوا۔

"بس یوں ہی..... تم کہہ رہے تھے نا۔" اس نے عذر تراشا۔

"جب کہہ رہا تھا کاش اس وقت تم نے میری بات مان لی ہوتی۔ لیکن اس وقت تو تمہیں اپنے شوق، اپنے خواب عزیز تھے۔ شادی تمہیں ایک بوجھ کی طرح لگ رہی تھی اور مجھ سے منگنی اپنی زندگی کی سب سے بڑی حماقت..... میں حیران ہوں ماوی! اتنے سالوں میں، میں تمہیں تمہارے خیالات کو پوری طرح سمجھ ہی نہیں سکا۔"

اس کا لہجہ کڑواہٹ لیے ہوئے تھا۔ ماوی ہکا بکا رہ گئی۔

”تمہیں ہوا کیا ہے شہروز! کس طرح کی باتیں کر رہے ہو؟“

”اب میرے سامنے بنو مت ماوی! پھوپھو نے مجھے سب کچھ بتا دیا ہے۔“

”کیا بتا دیا ہے؟“

”یہی کہ اسی شادی کو ٹالنے کے لیے تم نے پاکستان میں پڑھنے کا ارادہ کیا ہے۔“

”اب تم کچھ بھی کہو، لیکن پھوپھو اس معاملے میں غلط بیانی کیوں کریں گی، میں تو تمہیں خود چند روز میں فون کر کے کہنے والا تھا کہ میری طرف سے تم آزاد ہو اپنی زندگی کا ہر فیصلہ کرنے کے لیے۔“

”شہروز! میری بات تو سنو۔“ لیکن شہروز فون بند کر چکا تھا اور ماوی جانتی تھی اب اسے فون کرنے کا کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ شہروز کو جلدی غصہ نہیں آتا تھا، لیکن جب آتا تھا تو آسانی سے اترتا بھی نہیں تھا۔

ماوی کو اس کے اشتعال کے ٹھنڈے ہونے تک انتظار کرنا تھا اور اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے ہر چیز جان بوجھ کر اس کی مخالفت پر آمدہ ہو گئی ہو۔ ممی کے نفسیاتی الجھاؤ نے اس کے گرد ایسا جال بن دیا تھا کہ پوری کوشش کے باوجود وہ اس جال سے نکل نہیں پا رہی تھی۔

اس وقت وہ سر پکڑے لاؤنج کے صوفے پر بیٹھی تھی، اسی وقت ثمینہ کمرے سے نکلیں۔

”کیا بات ہے ماوی! اس طرح کیوں بیٹھی ہو؟“ پوچھنے کے انداز میں مکمل لاپروائی تھی، جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو اور ان دونوں کے درمیان تعلقات کی فضا مثبت ہو۔

”میری ابھی شہروز سے بات ہوئی ہے۔ آپ نے اسے میرے بارے میں کیا کہا؟“

”ڈونٹ وری مائی چائلڈ! ایسا کچھ نہیں کہا جسے بعد میں Cover نہ کیا جا سکے۔“ ان کا اطمینان قابل دید تھا۔

”بعد میں؟“ ماوی کا صدمے سے برا حال ہو گیا۔

”آپ کی سمجھ میں کیوں نہیں آ رہا ممی! آپ میری پوری زندگی تباہ کرنے پر تلی ہوئی ہیں۔“

”میں تمہاری زندگی تباہ نہیں کر رہی، سنوار رہی ہوں۔ جائیداد ملتے ہی تمہاری زندگی میں کتنی تبدیلیاں آئیں گی، دیکھنا۔“

”لیکن ممی!“

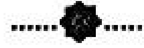
”لیکن ویکن اب کچھ نہیں، مجھے ہاں یا نہ میں جواب چاہیے ماوی!“

”جواب میں آپ کو دے چکی ہوں۔ جو آپ چاہ رہی ہیں میں نہیں کر سکتی۔“

”ٹھیک ہے جیسے تمہاری مرضی۔“ ثمینہ نے متحمل لہجے میں کہا اور واپس بیڈروم میں چلی گئیں۔ ماوی مطمئن نہیں ہوئی تھی، لیکن صوفے پر نیم دراز ہو کر سستانے لگی۔ اس کے ذہن میں عجیب و غریب سوچوں نے یلغار کر رکھی تھی اور اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اگلے تین، چار گھنٹوں میں وہ اپنی زندگی کا سب سے مشکل اور سب سے احمقانہ فیصلہ کرنے والی ہے۔

کچھ دیر بعد جب وہ بیڈ روم میں گئی تو ثمینہ بیڈ پر بے سدھ پڑی تھی۔سائیڈ ٹیبل پر نیند کی گولیوں کی ایک خالی شیشی پڑی تھی یہ ہائی پوٹینسی میڈیسن چند روز پہلے ثمینہ نے اسی سے منگوائی تھی اور اس وقت ماوی کے گمان میں بھی نہیں تھا کہ یہ گولیاں کس مقصد کے لیے منگوائی جا رہی ہیں۔

صورت حال کی سنگینی کا احساس ہوتے ہی ماوی کی سٹی گم ہو گئی۔لیکن اس کا دل چاہا تھا وہ اپنا سر پیٹ لے۔اور پھر...... مرتا کیا نہیں کرتا، کے مصداق اس نے ثمینہ کا مطالبہ ماننے کا فیصلہ کر لیا۔



خاموش شام چپ چاپ دھرتی پر اتر آئی تھی۔

یہ اوائل اکتوبر کے دن تھے،فضاؤں میں نامانوس سی اداسی رچی بسی محسوس ہوتی تھی۔پچھلے دو روز سے برسنے والی بارشوں نے خنکی بھی بڑھا دی تھی۔

کبھی کبھی ہوا چلتی تو ہاتھ پیروں میں سنسنی سی دوڑا دیتی تھی۔

ماوی نے سر اٹھا کر دیکھا۔ہسپتال کی عمارت پر جھکا ہوا آسمان بھی ایک گہرے سناٹے کی زد میں لگتا تھا۔خود اس کے دل کی بھی عجیب حالت تھی ایسے جیسے ہر طرف محض سناٹا ہو،خاموشی ہو۔سوچنے سمجھنے کے لیے کچھ بھی نہ ہو۔وہ جانے کب سے ہسپتال کے اس کاریڈور میں کھڑی تھی،بالکل سامنے لان تھا۔اپنے ڈھیلے ٹراؤزر،شرٹ پر اس نے گرم چادر اوڑھ رکھی تھی اور پیروں میں گھریلو سے سلیپر تھے۔ممی کو ایسی افراتفری میں ہسپتال لانا پڑا کہ اسے اپنا حلیہ درست کرنے کی مہلت بھی نہ مل سکی تھی۔الجھے ہوئے بالوں کو اوپر سے سمیٹ کر کیچر میں لپیٹ رکھا تھا جس سے دو چار لٹیں نکل کر اس کے چہرے کی اطراف میں بکھری ہوئی تھیں۔

خدا معلوم وہ کتنی دیر اسی طرح بے مصرف کھڑی رہی پھر اسٹاف نرس کے پکارنے پر پلٹی۔

"آپ کو ڈاکٹر صاحب آفس میں بلا رہے ہیں۔"

ماوی نے آہستگی سے سر اثبات میں ہلایا اور اس کے پیچھے چل دی۔ڈاکٹر کے پاس تسلی آمیز باتیں تھیں۔ماوی نے سب خالی الذہنی کی کیفیت میں سنا۔

"ممی کب تک ہوش میں آ جائیں گی؟"

"معدہ تو ہم نے واش کر دیا ہے۔یعنی آپ کی مدر اب خطرے سے باہر ہیں لیکن ہوش میں آنے میں انہیں کم سے کم تو اور زیادہ سے زیادہ بارہ گھنٹے تو لگ ہی سکتے ہیں۔" اس نے ایک بار پھر آہستگی سے سر ہلایا اور کرسی گھسیٹ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

چند منٹ بعد وہ ممی کے سرہانے کھڑی انہیں بغور دیکھ رہی تھی۔وہ بے سدھ پڑی تھیں اور رنگت بے حد زرد معلوم ہو رہی تھی۔

یہ تھی اس کی ماں جس نے اپنی ضد منوانے کے لیے وہ انتہائی قدم اٹھا لیا تھا جس کے بعد ماوی مسلسل ضمیر کی عدالت میں کھڑی تھی۔

ایک خلش،کوئی بوجھ سا آ گیا تھا دل پر اور سمجھ تو جیسے بالکل ہی جواب دے چکی تھی۔ممی کی ضد کے آگے وہ بھلے ہی مجبور نہ ہوتی لیکن اس

اقدام نے اسے بالکل ہی مغلوب کر دیا تھا۔ دنیا میں کوئی ایسا انسان نہیں تھا جو اسے اپنی مرضی کے برخلاف کوئی کام کرنے پر مجبور کر سکے سوائے ممی کے اور اسی ایک انسان نے بالآخر اسے قائل کر ہی لیا تھا۔

''ممی! میں نہیں جانتی، آپ نے جو داستان مجھے سنائی، وہ صحیح ہے یا غلط...... اس میں سچ اور جھوٹ کا تناسب کتنا ہے۔ بابا کی موت فطری تھی یا انہیں قتل کیا گیا تھا...... اور یہ بھی نہیں کہ وہ عورت اتنی ہی بری ہے جتنا آپ بتاتی ہیں یا اس سے کچھ کم زیادہ...... میں صرف اتنا جانتی ہوں کہ آپ اپنے ہاتھوں سے مجھے موت کے منہ میں دھکیل رہی ہیں۔ میں یہ بھی جانتی ہوں جن سیکورٹیز کا آپ نے مجھے بہلاوا دیا ہے، ان کی حیثیت محض ہوائی محل بنانے سے زیادہ کچھ نہ ہوگی۔ لیکن اب میں وہی کروں گی جو آپ چاہتی ہیں کیونکہ آپ کو کھونے کا حوصلہ میرے اندر نہیں ہے۔''

اس نے کرسی گھسیٹ کر بیڈ کے قریب کی اور دونوں بازوؤں کے سرہانے پر سر ٹکا کر آنکھیں موند لی تھیں۔

''میں اس حویلی میں ضرور جاؤں گی اس لیے نہیں کہ مجھے اپنے بابا کے قاتل کا سراغ مل جائے یا ان کے حصے کی جائیداد ملے۔ میں صرف اس لیے اس حویلی میں جانا چاہتی ہوں تاکہ اس عورت سے مل سکوں۔ جس نے آپ کی نفسیات میں اپنے ناروا رویوں سے اتنی گرہیں لگا دیں کہ میں انہیں چاہ کر بھی نہیں کھول پا رہی۔ کیونکہ یہ کوئی عام گرہیں نہیں ہیں، یہ نفسیاتی الجھاؤ ہیں...... مجھے افسوس ہے ممی! اس عورت نے آپ کو نفسیاتی مریضہ بنا دیا...... کاش ایسا نہ ہوا ہوتا۔''

وہ دیر تک دل ہی دل میں ثمینہ سے مخاطب رہی تھی۔

''تم گاؤں سے جلدی واپس آ گئے...... میرا خیال تھا، ہفتہ دس دن تو رکو گے۔'' اس روز لنچ کے دوران شبیہ نے جلال سے پوچھا تھا۔

''ہاں...... میرا ارادہ تو یہی تھا لیکن۔'' جلال نے اس آخری لفظ کو پرسوچ انداز میں کچھ زیادہ ہی لمبا کر دیا تھا۔ وہ تو ابھی تک شبیہ کو بھی ماوی کے متعلق اپنے خیالات نہیں بتا سکا تھا کجا کہ والدین اور دادی سے اس متعلق بات کرتا۔ کچھ اس کی کم ہمتی۔ کچھ گھر کا سخت ماحول۔ جتنے دن حویلی میں رکا منصوبے بناتا رہا اور پھر تھک ہار کر واپس آ گیا۔ کس بات کی جلدی تھی اسے کہ گھر والوں کو اپنی پسند سے اتنی جلدی آگاہ کیا جاتا۔ اس سے بڑے بھائی موجود تھے اور ان کی شادی سے پہلے اس کی شادی کا ذکر بے جا ہی ہوتا۔

''لیکن کیا؟'' شبیہ نے ابرو اچکا کر اسے دیکھا۔ ''پھر کسی دوست کا فون آ گیا ہوگا کہ اسے اپنی کسی مشکل میں تمہاری اشد ضرورت ہے اور تم بھاگے بھاگے واپس آ گئے ہو گے۔'' اس نے شرارت بھرے انداز میں جتایا جلال زور سے ہنس دیا۔

''نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میں کسی دوست کے لیے جلدی واپس نہیں آیا۔ اپنے لیے آیا ہوں۔''

''اس بات پر یقین تو نہیں آ رہا۔ لیکن خیر تم کہتے ہو تو مان لیتا ہوں۔'' شبیہ کا انداز سابقہ تھا، جلال محض مسکرا دیا۔

''حویلی میں سب کیسے ہیں؟ دادو کی طبیعت کیسی ہے۔''

''سب ٹھیک ہیں...... دادو کی طبیعت بھی اب بہتر ہے...... بلکہ بالکل ٹھیک ہیں۔'' جلال نے تسلی آمیز انداز میں کہا تھا۔

''ہوں......'' شبیہ نے پانی کا گلاس لبوں سے لگاتے ہوئے پل بھر کے لیے اسے دیکھا۔ ''تمہاری غیر موجودگی میں بھی وہ آئی تھیں۔''

اس کا انداز کچھ جھجک آمیز تھا۔اس کے انداز میں کچھ خاص تھا۔

''کون؟'' جلال نے کچھ چونک کر اسے دیکھا۔شبیہ دل جمی سے کھانا کھاتا رہا۔جلال کو اس کی خاموشی کھلی تھی۔

''کس کی بات کر رہے ہو؟''

''بابا کی ایکس وائف۔'' اس نے دھیمی آواز میں چند منٹ بعد کہا تھا۔

''ثروت آنٹی آئی تھیں؟'' جلال کے لیے یہ خبر کچھ غیر متوقع تھی۔

''اور تم نے یقیناً ان سے مس بی ہیو کیا ہوگا؟'' جلال نے پر یقین انداز میں کہا وہ تو جیسے شبیہ کی رگ رگ سے واقف تھا۔

شبیہ نے اثبات میں گردن ہلادی۔

''شاباش...... مجھے تم سے یہی اُمید تھی۔'' جلال نے بے ساختہ کہا۔شبیہ نے بے زاری سے چمچ رکھ کر کرسی کی پشت سے کمر لگالی۔

''میں نے ارادی طور پر کچھ نہیں کہا جلال!...... بس پتا نہیں انہیں سامنے دیکھ کر مجھے کیا ہو جاتا ہے۔'' اس کے انداز میں ندامت بھی تھی، بے زاری بھی۔

''غلطی میری نہیں ہے۔انہیں آنا ہی نہیں چاہیے تھا۔''

''تو اس میں نئی بات کون سی ہے؟ تمہاری غلطی تو کبھی بھی نہیں ہوتی...... کسی بھی معاملے میں نہیں۔'' جلال نے سلگ کر کہا۔

''اچھا اب تم مجھے شرمندہ کرنے کی کوشش مت کرو۔میں پہلے ہی بہت گلٹی فیل کر رہا ہوں۔خوامخواہ اپنا ٹمپر لوز کیا۔غیر متعلقہ لوگوں پر اپنا غصہ بھی ضائع نہیں کرنا چاہیے۔''

اس کا مزاج عود کر آیا تھا۔جلال نے اسے غضب ناک نظروں سے گھورا لیکن اس موضوع کو کسی اور وقت تک کے لیے ٹال دیا۔

''تنوی تمہارا پوچھ رہی تھی۔''

''اچھا۔''

''گفٹ بھجوایا ہے اس نے تمہارے لیے۔اندر بیڈ روم میں رکھا ہے لے لینا۔''

''ایں۔'' شبیہ حیران ہوا۔''یہ ان محترمہ کو کیا سوجھی؟''

''اسی سے پوچھ لینا۔''

''ہاں۔پوچھوں گا۔''

''اب اس کی کلاس نہ لینا شروع کر دینا اتنی سی بات پہ...... خود تمہیں تو کبھی توفیق ہوتی نہیں اسے کوئی تحفہ دینے کی۔اس نے ہمت کرلی ہے تو باتیں نہ سنانا اسے۔'' جلال کا انداز کچھ ایسا تھا، شبیہ کے لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی پھر کچھ یاد آنے پر بولا۔

''ہائے داوے...... تمہاری وہ دوست بھی آئی تھیں؟''

"کون؟"

"وہ لڑکی...... کیا نام ہے اس کا...... وہ جو بہت بدتمیز سی ہے۔ پتا نہیں ایسی لڑکیوں کو تم دوست بھی کیسے بنا لیتے ہو۔" اس کے انداز میں سخت ناپسندیدگی تھی۔ جلال فوراً سمجھ گیا۔

"ماوی آئی تھی؟"

"ہاں تمہارا کانٹیکٹ نمبر مانگ رہی تھی۔"

"پھر تم نے دیا؟" جلال نے بے قراری سے پوچھا تھا۔

"نہیں۔" وہ چڑ کر بولا۔ "مجھے تم پر بہت غصہ ہے جیڈی! ساری زندگی میں ایک لڑکی سے دوستی کی بھی تو کس سے...... ماوی زمانے بھر کی بدتمیز اور منہ پھٹ لڑکی۔ زہر لگتی ہے ایسی اوور کانفیڈنٹ لڑکیاں۔" اس کا انداز ہنوز تھا۔

"خیر۔ اب اتنی بھی بری نہیں ہے وہ۔" جلال نے فوراً کہا تھا۔ شبیہ بغور اسے دیکھنے لگا۔ جلال گڑبڑ گیا۔

"ایسے کیوں دیکھ رہے ہو؟"

شبیہ نے نفی میں سر ہلایا اور اپنی پلیٹ پر جھک گیا۔

"یہ ماوی والے سلسلے میں میری خاک مدد کرے گا۔ رشتہ طے ہونے لگا تو سب سے پہلے یہی مخالفت میں کھڑا ہو جائے گا۔" جلال فکرمندی سے سوچ رہا تھا۔ "اور مجھ سے غلطی ہوئی۔ گاؤں جانے سے پہلے ماوی کو انفارم کر دینا چاہیے تھا۔ نہ وہ یہاں آتی نہ شبیہ کھٹکتا۔" اسے یہی سوچ لاحق تھی۔

☆☆☆

کھڑکی سے آنے والی چمکیلی دھوپ نے کمرے میں روشنی بکھیر رکھی تھی۔

ثمینہ چپ چاپ بیڈ پر لیٹی چھت کی طرف دیکھ رہی تھیں، تقریباً تین گھنٹے پہلے انہیں ہوش آ چکا تھا لیکن وہ نقاہت کے زیر اثر تھیں۔ اس کے باوجود گاہے بگاہے ماوی پر نظریں ڈال لیتی تھیں وہ صوفے پر بیٹھی تھی اور بے حد سنجیدگی سے تازہ اخبار کے مطالعے میں مصروف تھی اس وقت سے اس نے کوئی بات نہیں کی تھی نہ ہی ثمینہ کو ان کی غلطی کا احساس دلایا تھا۔ وہ بس خاموش تھی اور اس کی یہی خاموشی ثمینہ کو مستقل وسوسوں میں مبتلا کیے دے رہی تھی۔ اسی وقت ادھ کھلے دروازے پر دستک دے کر نرس اندر داخل ہوئی۔ اس کے ہاتھ میں دواؤں کی ٹرے تھی وہ سیدھی ثمینہ کی طرف آئی اور ٹرے سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر انجکشن تیار کرنے لگی۔

"ایکسکیوزمی سسٹر! کیا ڈاکٹر شجاع آن ڈیوٹی ہیں؟" ماوی نے اخبار سمیٹتے ہوئے پوچھا تھا۔

"جی ہاں......" "میم! آپ اپنا بازو آگے کیجیے مجھے انجکشن لگانا ہے۔" نرس نے ماوی کو جواب دے کر ثمینہ سے کہا تھا۔

"نہیں سسٹر! مجھے انجکشن نہیں لگوانا۔ آپ اسے واپس لے جائیں۔" ثمینہ نے ضدی پن سے کہا تھا۔ ماوی دروازے کی طرف بڑھ رہی تھی۔ یکدم رک کر انہیں دیکھنے لگی۔

"دیکھیے...... یہ آپ کے لیے بہت ضروری ہے۔" نرس ثمینہ سے اصرار کرنے لگی لیکن وہ مستقل اس کی بات ماننے سے انکار کیے جا رہی تھیں، ناچار نرس نے ماوی سے امداد چاہی۔

"آپ ہی انہیں سمجھائیں۔"

ثمینہ نے ماوی کی طرف دیکھا ان کی آنکھوں میں جو تحریر تھی اسے ماوی بآسانی پڑھ سکتی تھی۔

"نخرے کرنا بند کریں ممی! وہی ہوگا جو آپ چاہتی ہیں اور اسی طریقے سے جس طریقے سے آپ کی خواہش ہے۔ میں حویلی جانے کے لیے تیار ہوں اور...... اور جلال سے نکاح کرنے کے لیے بھی۔ اس لیے پلیز...... اب آپ مجھے مینٹلی ٹارچر کرنا بند کر دیں۔"

ماوی نے بے حد سنجیدگی سے کہا تھا۔ اس کا جملہ مکمل ہونے تک ثمینہ کے چہرے پر اطمینان پھیل گیا تھا۔ اور انہوں نے اپنا بازو بھی نرس کے آگے کر دیا تھا۔ ماوی نے یہ پورا جملہ عربی زبان میں کہا تھا، اس لیے نرس کے پلے خاک بھی نہ پڑ سکا ثمینہ اسے سہولت سے اس کا کام کرنے دے رہی تھیں اس کے لیے یہی کافی تھا۔

ماوی بوجھل قدموں سے باہر نکل آئی تھی۔

"میں ممی کے سامنے ہامی بھر کر انہیں مزید کوئی احمقانہ قدم اٹھانے سے روک سکتی ہوں۔ جلال ایک مہینہ کے لیے ٹورنٹو گیا ہوا ہے۔ اس کے واپس آنے سے قبل مجھے کوئی نہ کوئی ایسا انسان ڈھونڈنا ہوگا جو ممی کو ان کا فیصلہ تبدیل کرنے کے سلسلے میں مددگار ثابت ہو سکے۔"

اس کا ذہن بہت تیزی سے کام کرنے لگا تھا۔

☆☆☆

جلال پہلے گھر گیا وہاں سے سیدھے ہسپتال کی راہ لی۔ اسے تو یہ سوچ سوچ کر ہی پریشانی لاحق ہوئے جا رہی تھی کہ بے چاری ماوی نے اس ساری صورت حال کو تن تنہا کیسے سنبھالا ہوگا۔

"وہ بے چاری سیدھی سادی معصوم سی لڑکی...... ماں کی بیماری نے تو یقیناً ہاتھ پیر پھلا دیے ہوں گے اور اس شبیہ کا حال دیکھو...... کیا تھا جو اسے میرا کانٹیکٹ نمبر دے دیا ہوتا...... ماوی کس آس کے ساتھ میرے پاس آئی ہوگی۔"

اس کی فکرمندی کی کوئی حد نہ تھی۔ دوسری جانب ماوی اسے سامنے پا کر حقیقتاً گڑبڑا گئی۔ جلال کے ٹورنٹو میں ہونے کا سن کر وہ اچھی خاصی مطمئن ہوئی بیٹھی تھی لیکن اس طرح اچانک اس کا سامنے آ جانا بڑا پریشان کن تھا۔ فوری طور پر وہ اپنے تاثرات بھی نہیں چھپا سکی۔

"تم کہاں سے آ گئے؟ تم تو ٹورنٹو گئے ہوئے تھے۔" اس نے بوکھلاہٹ بھرے انداز میں صدمے سے چُور آواز میں کہا۔

جلال اس انداز پر ٹھٹکا گیا۔

"نہیں...... وہ...... میں تو۔"

"جھوٹ مت بولو، تمہارے بھائی نے مجھے خود بتایا تھا۔" ماوی نے تیزی سے کہا تھا۔ جلال ایک لحظہ میں ساری بات سمجھ گیا۔

"ہاں...... میں گیا تو تھا لیکن آج ہی واپس آ گیا...... پتا نہیں کیوں۔ مجھے لگ رہا تھا، آپ کو میری ضرورت ہے۔ اسی لیے میں جلدی واپس آ گیا۔"

ماوی نے بددلی سے اسے دیکھا۔ اگر وہ اتنی بددلی کا شکار نہ ہوتی تو یقیناً دیکھ پاتی۔ جلال کی آنکھوں میں اس کے لیے محض پسندیدگی یا محبت ہی نہیں عقیدت اور خلوص بھی تھا۔

"تو ماوی بی بی! یہی ہے جو بالآخر آپ کو کرنا ہے۔ ممی کی مرضی یا تقدیر کی اس بے تکی بازی کو آپ کو چلنا ہی پڑے گا۔"

اس کے دل و دماغ میں جیسے بگولے سے اٹھنے لگے تھے لیکن بظاہر وہ پرسکون دکھائی دیتی تھی اور چند منٹ کے بعد وہ جلال کو ممی کے پاس لے جا رہی تھی۔

☆☆☆

جب تک ثمینہ ہسپتال میں داخل رہیں جلال مستعدی سے ان کی دیکھ بھال کرتا رہا، ایک تو یہ کہ دل کی اچھائی ایسا کرنے پر مجبور کر رہی تھی دوسرے دل کے نئے نئے جذبات کے ہاتھوں بھی مجبور تھا بہر حال ان تمام دنوں میں اس نے ثمینہ آنٹی اور ماوی کا بہت ساتھ دیا، اس دوران کئی بار اسے ماوی کی غیر معمولی سنجیدگی، خاموشی اور رُکھائی محسوس ہوئی لیکن ہر بار وہ اسے ثمینہ آنٹی کی خرابی طبیعت کی وجہ قرار دے کر سر جھٹک دیتا۔

جس روز ثمینہ آنٹی کو گھر جانے کی اجازت ملی اس سے ٹھیک اگلے روز جلال نے اپنے سیل فون پر ماوی کی کال ریسیو کی تھی۔

"میں چاہتی ہوں، آج تم لنچ ہمارے ساتھ کرو۔"

اس روز جلال کو کسی ضروری کام کے سلسلے میں ہائی کورٹ جانا تھا لیکن ہر اہم کام کو نظر انداز کر کے اس نے ماوی کے گھر جانے کو ترجیح دی۔ اس روز بھی ثمینہ ہی اس سے باتیں کرتی رہیں۔ اگلی دو تین ملاقاتوں میں ماوی کی رکھائی ختم ہو گئی لیکن بات چیت میں وہ کم ہی حصہ لے رہی تھی۔ کئی بار جلال کے دل میں خیال آیا کہ وہ ماوی سے اس کی خاموشی کی وجہ معلوم کرے لیکن پھر ہر بار ہی وہ اپنے خیال کو ٹال دیتا۔

"اس بیماری نے مجھے توڑ پھوڑ کر رکھ دیا ہے ورنہ میری بڑی خواہش تھی کہ میں اپنی ساس سے اپنے شوہر کی جائیداد حاصل کروں۔ یہ ماوی تو کبھی کبھار بہت جذباتی پن کا مظاہرہ کرتی ہے اور اکثر کہتی ہے کہ جب بھی موقع ملا، وہ اس عورت سے اپنا حق ضرور وصول کرے گی لیکن میں چاہتی ہوں، جلد از جلد اس کے فرض سے فارغ ہو جاؤں۔ میرے دل کے سکون کے لیے یہی کافی ہے۔"

انہوں نے جلال کو اپنے ماضی سے بڑی تفصیل سے آگاہ کر دیا بس یہ بات ظاہر نہیں ہونے دی تھی کہ ان کے ماضی کی کوئی کڑی اس سے بھی ملتی ہے۔ ماوی چپ چاپ سنتی رہتی لیکن کچھ کچھ باتوں پر اس کی برداشت بالکل جواب دے جاتی تھی۔

"ممی پلیز!" ماوی نے چڑ کر کہا تھا، وہ ان کا مافی الضمیر سمجھتی تھی، بھلا اس سے بہتر یہ بات کون سمجھ سکتا تھا کہ وہ بات کو گھما پھرا کر کس پوائنٹ تک لا رہی ہیں۔

"ارے ماوی! جلال سے کچھ چھپانے کی کیا ضرورت ہے۔ یہ کوئی غیر تھوڑا ہی ہے۔ میں نے اسے بیٹا کہا ہی نہیں مانا بھی ہے۔ اس سے

بھی دل کا دکھ نہیں کہوں گی تو کس سے کہوں گی۔"

بعض اوقات تو ان کی باتیں سن کر ماوی حیران ہی رہ جاتی تھی، وہ اس قدر چاپلوسی کی زبان بولتی تھیں کہ وہ پیچ و تاب کھا کر رہ جاتی۔ یوں لگتا تھا، ان کے پاس عزت نفس نام کی کوئی چیز ہی نہ رہی ہو اور وہ ماوی کے اندر سے بھی اس چیز کو کھرچ کر نکال دینا چاہتی ہوں۔

ایک روز تو انہوں نے حد ہی کر دی۔

"میں تم دونوں کے درمیان خود کو بہت مس فٹ محسوس کرتی ہوں، مجھے لگتا ہے، تم لوگوں کو ساتھ وقت گزارنا چاہیے تاکہ ایک دوسرے کو بہتر طریقے سے سمجھ سکو۔ ارے ہاں جلال! تم ماوی کو کل ڈنر پر کیوں نہیں لے جاتے؟"

"فار گاڈ سیک ممی!" ماوی نے دبی زبان میں انہیں ٹوکنے کی کوشش کی تھی، لیکن ثمینہ نے سنی ان سنی کر دی۔

"شیور آنٹی! وائے ناٹ۔" جلال کی تو دل کی خواہش پوری ہو رہی تھی، وہ کیوں کہ انکار کرتا یا ٹال مٹول سے کام لیتا۔ ماوی کا دل چاہا اس کا سر پھاڑ دے۔

"جو میں چاہتی ہوں جب وہ کرنے کی ہامی بھر ہی لی ہے تو جلال سے ہنس کر بات کرنے میں کیا برائی ہے؟" جلال کے جانے کے بعد ثمینہ نے پہلی بار اسے سرزنش کی تھی۔

"کبھی کبھی مجھے اپنا آپ کال گرل کی طرح لگنے لگتا ہے۔" ثمینہ کی بات کے جواب میں ماوی نے سرد لہجے میں کہا تھا۔

"تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے ماوی!" ثمینہ بری طرح بھڑک اٹھی تھی۔

"ٹھیک ہے یا شاید نہیں ہے۔ بہر حال میں خود میں اور ایک کال گرل میں کوئی فرق محسوس نہیں کرتی۔ وہ بھی کسی مقصد کے لیے اپنا آپ کسی مرد کو پیش کرتی ہے۔ میں بھی یہی کر رہی ہوں۔ میں جلال کو اپنا آپ پلیٹ میں رکھ کر پیش کر رہی ہوں۔ آپ کی خواہش کو پورا کرنے کے لیے اللہ جانے ابھی اور کتنے اپنے معیار سے گرے ہوئے کام کرنا پڑیں گے۔ مجھے اپنی ہی نظروں سے گرانے کے لیے بے حد شکریہ ممی!"

اس نے بے حد سرد اور ناگوار لہجے میں کہا اور وہاں سے چلی گئی۔ ثمینہ چپ چاپ اسے جاتا ہوا دیکھتی رہی تھیں۔

☆☆☆

"تمہیں زندگی کیسی لگتی ہے جلال!"

"النخل" کے خواب ناک ماحول میں کھانا کھاتے ہوئے ماوی نے محض بات برائے جلال سے پوچھا تھا۔

"خوب صورت، بے حد خوب صورت۔ بلکہ مجھے تو زندگی سے عشق ہے، کبھی کبھی میرا دل چاہتا ہے، کاش! میں زندگی کو قید کر کے رکھ سکتا۔"

جلال نے بے حد بے ساختگی سے کہا تھا۔ ماوی نے لحظہ بھر کے لیے اسے دیکھا پھر ہنسنے لگی۔ اسے جلال کی بے ساختگی پر بے وجہ ہنسی آئی تھی۔

دوسری جانب جلال بس اسے دیکھے گیا۔ اس ایک پل میں اس کے لیے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو گیا تھا کہ زندگی اسے زیادہ خوب صورت لگتی ہے یا یہ لڑکی......

جس سے ملے اسے شاید دو یا تین مہینے ہوئے تھے اور جس کی محبت میں مبتلا ہوئے بمشکل چھبیس دن۔ لیکن یوں لگتا تھا جیسے وہ اسے صدیوں سے جانتا ہو۔

اس کا ہر انداز، ہر ادا اسے پہلے سے زیادہ خوب صورت لگتی تھی۔

"مجھے زندگی بہت خوب صورت لگتی ہے لیکن آپ سے زیادہ نہیں۔"

جلال نے ایک بار پھر بے ساختگی کا مظاہرہ کیا تھا۔ ماوی کی ہنسی کو مکمل طور پر بریک نہیں لگا تھا لیکن اس کی آنکھوں میں تعجب سا سمٹ آیا تھا۔ جلال گڑبڑا گیا۔

"میرا مطلب ہے۔ آپ آج بہت خوب صورت لگ رہی ہیں۔"

"صرف آج......" اس صورت حال پہ ناخوش ہونے کے باوجود ماوی کی رگ ظرافت پھڑکی۔ "کیا میں ہر روز خوب صورت نہیں لگتی؟"

"نہیں...... ہر روز لگتی ہیں۔"

"یعنی نہیں لگتی۔" ماوی نے مایوسی سے کہا۔ "میں تو سمجھتی تھی، میں ہمیشہ خوب صورت لگتی ہوں۔ اچھا ہوا، تم نے میری خوش فہمی دور کر دی۔ میں یونہی اتراتی تھی۔"

"یہ آپ کا حق ہے آپ کو اترانا بھی چاہیے۔" جلال نے اسے مایوس ہوتا دیکھ کر تیزی سے کہا تھا، یوں جیسے وہ ماوی کو مایوس ہونے نہ دینا چاہتا ہو۔ ماوی کو پھر ہنسی آ گئی۔

"تم بہت اچھے ہو جلال! بہت ہی اچھے۔" (اور مجھے اس بات کا افسوس ضرور رہے گا کہ تم جیسا معصوم انسان میرے ہاتھوں بے وقوف بنایا جا رہا ہے۔ اگر مجھے یہ خدشہ نہ ہوتا کہ ممی اپنی زندگی کو خطرے میں ڈالنے جیسی بے وقوفی پھر کر سکتی ہیں تو میں تمہیں ضرور ساری حقیقت سے آگاہ کر دیتی۔ لیکن میری مجبوری ہے جلال! اپنی ماں کی ضد پوری کرنے کے لیے مجھے تمہیں دھوکے میں رکھنا ہی پڑے گا۔ ہو سکے تو مجھے معاف کر دینا جلال!)

گلاس کے کناروں پر انگلی پھیرتے ہوئے وہ گہری سوچ میں گم ہو گئی تھی جبکہ جلال کا بس نہ چلتا تھا اپنی بصارت میں اس کا چہرہ قید کر لے۔

☆☆☆

کھڑکی سے چھن کر آتی ہوئے دھوپ سنہری اور نرم گرم سی محسوس ہوتی تھی، دھوپ کی کرنیں سیدھی کارپٹ پر ماوی کے پیروں کے قریب پڑ رہی تھیں اور ماوی سر اٹھائے عجب خالی خالی نظروں سے کھڑکی کے شیشے سے باہر دیکھ رہی تھی۔ وہ کسی نہ سمجھ میں آنے والی ذہنی کیفیت کا شکار تھی۔ ہر چند منٹ کے بعد اس کا ذہن کسی نئی سوچ کی طرف مبذول ہو جاتا تھا ہر پہلی سوچ سے دوسری سوچ کی طرف سفر کرتے ہوئے وہ پچھلی سوچ کے لیے فکر مندی محسوس کرتی کہ آخر وہ سوچ کیا رہی تھی۔

کبھی اسے محسوس ہوتا، وہ بالکل خالی الذہن ہو چکی ہے اور کم سے کم آج کی تاریخ میں اس کے پاس سوچنے کے لیے یا کرنے کے لیے کوئی کام نہیں ہے۔ جس طرح وہ متبادل سوچوں کا شکار تھی ٹھیک اسی طرح ہر چند منٹ کے بعد اس کی نظریں پیروں کے قریب پڑے اس کاغذ کی طرف چلی جاتی تھیں۔ جس کی رو سے وہ جلال الدین بھٹی کی منکوحہ قرار دی جا چکی تھی۔ ہر دن عام سا ہوتا ہے، ہر دن گزرے ہوئے دن جیسا ہی ہوتا ہے بس اس دن میں پیش آنے والے واقعات و حادثات اس دن کو خصوصیت عطا کر دیتے ہیں تو یہ بھی ایک عام سا دن تھا جسے ممی کی ضد نے خصوصیت

عطا کر کے اس کے اور جلال کے لیے یادگار بنا دیا تھا۔

وہ ممی کی ذہنی حالت پر جتنا حیران ہوتی وہ کم تھا۔ اس سے بھی زیادہ حیرانی ماوی کو ان کی بہت مکمل قسم کی پلاننگ پر ہو رہی تھی وہ جیسا چاہتی تھیں انہوں نے ویسا کروالیا تھا۔ کبھی کبھی ماوی کو یہ بھی لگتا تھا حالات واقعات بھی ان سے پوچھ کر ترتیب پا رہے ہیں۔ انہوں نے پہلے جلال کے ذہن و دل میں اس کے لیے جذبات پیدا کیے۔ پھر ماوی کو قائل کیا اور اب بالآخر وہ جلال سے ماوی کا نکاح بھی کروا چکی تھیں۔ یہ الگ بات ہے کہ اپنے اس منصوبے کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے انہوں نے لمبا چوڑا ڈرامہ ترتیب دیا تھا بیماری کا ڈرامہ، ایموشنل ایکٹنگ، ہر گھسا پٹا طریقہ انہوں نے آزمایا اور دلچسپ بات یہ کہ جلال جیسا آدمی ان کی باتوں میں بھی آ گیا۔

کیا ہو رہا تھا اور کیا ہونے والا تھا۔ ماوی کچھ نہیں جانتی تھی اسے صرف اتنا پتا تھا۔ زندگی میں اس سے زیادہ مجبور وہ کبھی نہ ہوئی تھی۔

اسی وقت دروازہ کھول کر ثمینہ اندر داخل ہوئیں۔ ماوی نے گردن گھما کر دروازے کی جانب دیکھا۔ ثمینہ کے لبوں پر مسکراہٹ اور چہرے پر اطمینان تھا۔

''میں بہت خوش ہوں ماوی! کامیابی کی طرف پہلا قدم بڑھا دیا ہے ہم نے۔'' ثمینہ نے پرجوش انداز میں کہا تھا۔

''آپ نے کامیابی کی طرف بڑھایا ہوگا۔ میں نے تو بربادی کی طرف ہی بڑھایا ہے۔'' ماوی نے گردن واپس گھماتے ہوئے سرد مہری سے کہا تھا۔

''اور آپ خوش کیسے نہ ہوں گی! آفٹر آل وہی ہو رہا ہے جو آپ چاہتی تھیں۔'' اس کا کڑوا لہجہ سن کر ثمینہ کے چہرے پر سایہ سا لہرا گیا۔

''ہاں...... وہی ہو رہا ہے جو میں چاہتی ہوں لیکن اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ میں تمہیں برباد کر رہی ہوں۔'' انہوں نے وضاحتی لہجے میں کہا تھا۔

''اوہ کم آن ممی! فار گاڈ سیک خود کو اور مجھے اس طرح کی باتوں سے دھوکا دینا بند کر دیں۔'' ماوی جیسے پھٹ ہی پڑی تھی۔

''آپ نے یہ سب میری بھلائی کے لیے کیا، جو بھی ہو رہا ہے، انجام کار اس کا فائدہ میری ہی ذات کو پہنچے گا، یہ سب دراصل آپ کے ذہنی مفروضے ہیں اور کچھ نہیں۔ اس سب کا اگر کسی کو فائدہ پہنچے گا تو وہ بابا جان ہیں اور مجھے بہت افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ انہیں بھی درحقیقت اس سے کوئی فائدہ نہ ہوگا جو انسان اس دنیا میں موجود ہی نہیں ہے، اسے دنیاوی وسائل بھلا کیا فائدہ یا خوشی پہنچا سکتے ہیں باقی رہی میری بات...... تو مجھے اس میں نقصان ہی نقصان ہے۔ آپ نے ایک بار بھی سوچا ہے اگر شہروز کو میرے نکاح کی خبر مل گئی تو کیا ہوگا؟ شہروز مڑ کر میری شکل دیکھنا بھی گوارا نہیں کرے گا، اور آپ جانتی ہیں ناں شہروز میرے لیے کیا ہے؟ وہ میری زندگی کی سب سے بڑی خوشی ہے ممی! اور آج مجھے ایسا لگ رہا ہے، آپ کی ضد کی وجہ سے میں نے جلال سے نکاح نہیں کیا بلکہ شہروز کو کھو دیا ہے۔'' وہ روہانسی ہو گئی تھی۔

''نہیں ماوی! ایسا کبھی نہیں ہوگا۔'' ثمینہ نے جلدی سے کہا تھا۔ ''شہروز کی طرف سے تو تمہیں میں گارنٹی دے سکتی ہوں۔ اول تو اسے پتا ہی نہیں چلے گا۔ دوسری بات یہ کہ پتا چل بھی گیا تو وہ تمہیں نہیں چھوڑے گا۔ میں جانتی ہوں، وہ تم سے کتنی محبت کرتا ہے اور محبت کرنے والے کبھی تنہا

نہیں چھوڑتے۔" وہ اسے بچوں کی طرح بہلا رہی تھیں۔ ماوی نے طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ انہیں دیکھا۔

"محبت کرنے والے تنہا نہیں چھوڑتے لیکن موت کے منہ میں تو دھکیل سکتے ہیں نا۔ آپ بھی تو یہی کر رہی ہیں۔"

"وقت تم پر خود ثابت کرے گا کہ میں نے جو بھی کیا وہی ٹھیک تھا۔" ثمینہ سو فیصد پر یقین تھیں

"اور اگر آپ غلط ثابت ہو گئیں تو......"

"ایسا نہیں ہوگا۔" ثمینہ نے رسان سے کہا "ابھی تم غصے میں ہو، جذباتی ہو کر صرف منفی پہلو تلاش کر رہی ہو لیکن گزرتا وقت تم پر ہر چیز واضح کر دے گا اور تمہیں میرے فیصلے کے پوزیٹیو پوائنٹس نظر آنے لگیں گے۔" ثمینہ اسے سمجھاتی چلی گئیں لیکن ماوی کے اندر باہر جیسے غم و غصے سے آگ سی لگی ہوئی تھی۔

"میں نے آپ سے کہا تھا، مجھے کچھ دیر اکیلا رہنے دیں۔ کیا آپ تھوڑی دیر مجھے تنہا بیٹھنے نہیں دے سکتیں؟"

ماوی نے رکھائی و سرد مہری سے کہا تھا۔ ثمینہ کا چہرہ یکدم پھر تاریک ہوا۔ اپنے تئیں وہ سمجھ چکی تھیں نکاح کے بعد انہیں ماوی کی طرف سے کسی قسم کی مزاحمت یا غصے کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا لیکن ان کے خیالات کم سے کم اس معاملے میں غلط ہی ثابت ہو رہے تھے۔

"ٹھیک ہے جیسے تمہاری مرضی۔ میں تمہیں ڈسٹرب نہیں کروں گی لیکن اس وقت میری لیے ایک اور فیور کرو۔ جلال تم سے چند منٹ بات کرنا چاہ رہا ہے۔ تم ذرا اچھے طریقے سے۔"

"پلیز......اب میں مزید کوئی ڈرامہ نہیں کر سکتی۔" اس نئے مطالبے پر ماوی نے تڑخ کر کہا تھا۔ "عام انسان ہوں میں۔ کوئی اداکارہ نہیں کہ اپنے موڈ سے ہٹ کر کبھی ہنسوں، کبھی روؤں۔"

"میں جانتی ہوں لیکن اتنا بھی مشکل کام نہیں ہے یہ......" اب کی بار ثمینہ نے بھی سختی سے کہا تھا۔

"آپ کے نزدیک تو ہر کام ہی آسان ہے سوائے اپنی ضد چھوڑنے کے۔" ماوی نے سابقہ انداز میں کہا تھا۔

"اچھا تم نہ ہنسنا......لیکن تحمل سے بات تو کر سکتی ہو۔ جلال اسی میں مطمئن ہو جائے گا۔"

"بھول جائیں۔ میں اس وقت کسی کی بھی شکل نہیں دیکھنا چاہتی نہ اپنے موڈ سے ہٹ کر کوئی کام کرنا چاہتی ہوں۔"

"بے جا ضد مت کرو ماوی!" ثمینہ نے لجاجت سے کہا تھا۔

"لیکن اس سے قبل کہ ماوی کچھ کہتی، دروازے پر خفیف سی دستک ہوئی ان دونوں نے بیک وقت دروازے کی جانب دیکھا۔ دونوں کے لیے ہی اندازہ لگانا ہرگز مشکل نہ تھا کہ دستک دینے والا کون ہے۔"

ثمینہ نے منت بھری نظروں سے ماوی کو دیکھا تھا۔

"جہاں خود پر اتنا جبر کر رہی ہو، وہاں میری خوشی کے لیے تھوڑا اور سہی۔ تمہارا ذرا سا غلط رویہ بنا بنایا کھیل بگاڑ دے گا۔"

"خوشی......؟ جب کہ آپ کو صرف اپنی پڑی ہے۔ مجھے ہرگز نہیں پتا تھا آپ اتنی خود غرض ہیں۔" اس کے انداز میں کمزوری در آئی تھی۔

ثمینہ نے قدرے مطمئن ہو کر اس کا کندھا تھپتھپایا اور اٹھ کر دروازہ کھول دیا۔

جلال خفیف سی گھبراہٹ کے ساتھ کھڑا تھا۔

''اندر آ جاؤ جلال!''

''آنٹی! کیا میں ماوی سے بات کر سکتا ہوں؟''

''ارے یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے؟ تمہاری بیوی ہے جب چاہو بات کر سکتے ہو۔'' ثمینہ اسے اندر آنے کا راستہ دے کر باہر نکل گئیں۔ دوسری جانب ماوی کا خون ہی کھول اٹھا تھا، لیکن وہ ضبط کیے کھڑی رہی۔ یہ الگ بات ہے کہ کوشش کے باوجود مسکراہٹ یا خوش مزاجی کا تاثر بھی وہ چہرے پر نہیں لا سکی تھی۔

لال نے اس کو بغور دیکھا پھر ہاتھ میں پکڑا چھوٹا سا سنہری کیس اس کی طرف بڑھا دیا۔

''گو کہ موقع ہونے کے باوجود ایسی صورت حال تو نہیں ہے کہ کسی فارمیلٹی میں پڑا جائے۔ میں جانتا ہوں آپ آنٹی کی وجہ سے پریشان ہیں لیکن یہ میرے دل کی خوشی ہے۔'' جلال کا جھجک آمیز انداز...... ماوی نے خاموشی سے کیس اس کے ہاتھ سے لے لیا۔

جلال اس قدر خوش تھا کہ اسے ماوی کی سرد مہری بھی دکھائی نہیں دے رہی تھی۔

''میں بہت خوش ہوں ماوی! لیکن سچی بات ہے کہ میں یہ سب اس طرح سے نہیں چاہتا تھا۔ میری بڑی خواہش تھی کہ میں آپ کو روایتی طریقے سے اپناتا۔ میرے گھر والے شادی میں شرکت کرتے اور سب اس خوشی کو سیلیبریٹ کرتے۔ لیکن آنٹی کی بیماری کی وجہ سے ہمیں یہ قدم جلد اٹھانا پڑا مگر میرا وعدہ ہے، رخصتی تو میں آپ کو روایتی طریقے سے ہی کرواؤں گا۔ مجھے کچھ وقت چاہیے تاکہ میں ان لوگوں کو قائل کر پاؤں۔ تھوڑا وقت گزرے گا تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔ میں جانتا ہوں، ابھی میرے نکاح کی خبر سن کر وہ سب خفا ہوں گے لیکن آپ سے ملیں گے تو خوش ہوں گے۔ مجھے امید ہے، آپ اتنا انتظار کر لیں گی میرے لیے محبت میں تو انسان بہت کچھ کر لیتا ہے۔''

وہ بے چارا ٹھہر ٹھہر کر بول رہا تھا۔ ماوی کے آگ ہی لگ گئی تھی محبت والی بات سن کر۔

''جلال! میں تنہا رہنا چاہتی ہوں۔'' اس نے بے ساختگی سے کہا تھا لیکن اگلے ہی پل اسے اپنے سخت لہجے کا احساس ہو گیا۔

''تم پلیز! برا مت ماننا۔ میں ایکچوئیلی اس سب کے لیے ذہنی طور پر تیار نہیں تھی۔ میرے سر میں بھی درد ہے، اگر تم مجھے کچھ دیر آرام کرنے دو تو میں اچھا فیل کروں گی۔''

''آپ نے پہلے کیوں نہیں بتایا کہ سر میں درد ہے، میں ڈاکٹر......''

''اس کی ضرورت نہیں ہے۔'' ماوی نے جلدی سے کہا۔

''میں تھوڑا آرام کروں گی تو ٹھیک ہو جاؤں گی۔''

جلال اسے آرام کرنے کی تاکید کر کے چلا گیا۔ ماوی بے زار ہو کر بیڈ پر گر گئی۔

''اتنا معصوم اور سیدھا انسان ہے یہ...... اور میں اس کے ساتھ کیا کر رہی ہوں۔'' اس کا ضمیر اسے مستقل کچوکے لگا رہا تھا۔



اجیانے دور سے دیکھا ماوی برآمدے کے ستون سے ٹیک لگائے کسی گہری سوچ میں گم تھی۔ اس نے گیلا تولیہ گرل پر پھیلایا اور ماوی سے ملنے کا ارادہ کرتی اپنے کمرے کی طرف پلٹ گئی۔ اسی وقت ثمینہ ماوی کو تلاش کرتی ہوئی انیکسی سے باہر آئی تھیں اور اسے یوں الگ تھلگ بیٹھے دیکھ کر انہیں شدید تاؤ آیا تھا

"یہ لڑکی میرا سارا پلان برباد کر کے ہی چھوڑے گی۔" انہوں نے اکتا کر سوچا اور ناچار اس کی طرف آ گئیں ماوی گھٹنوں کے گرد بازو لپیٹے خدا معلوم کس بیزار کن سوچ میں مبتلا تھی۔

"تم یہاں کیوں بیٹھی ہو ماوی! تمہیں اس وقت اندر ہونا چاہیے۔" ماوی کے چہرے پر پھیلی بیزاری کو لفٹ نہ کرواتے ہوئے ثمینہ نے سرزنش کرنے والے انداز میں کہا تھا۔

"اب کیا آپ مجھے یہ بھی ڈکٹیٹ کروائیں گی کہ مجھے کہاں بیٹھنا چاہیے اور کہاں نہیں۔" ماوی نے تڑخ کر پوچھا۔

"جب تک تم اپنی ذمہ داری کا احساس نہیں کر لیتیں، کم سے کم تب تک تو ضرور۔"

"ہاں...... ذمہ داری۔" ماوی نے زہرخند کہا۔

"اس سے بڑا مذاق آپ نے شاید ہی آج تک میرے ساتھ کیا ہو۔"

"جب تم وہ سب حاصل کر لوگی، جس کا ذکر میں کرتی ہوں تو مجھے الزام دینا بھی چھوڑ دوگی لیکن فی الوقت یہ زیادہ ضروری ہے کہ تم اندر چلو۔"

"آخر اندر ایسی کون سی آفت آ گئی ہے، جسے دیکھنے کے لیے میرا اندر جانا ضروری ہے۔"

"جلال آیا ہوا ہے اور پچھلے سوا گھنٹے سے تمہارا انتظار کر رہا ہے۔" ماوی نے مزید بیزاری سے انہیں دیکھا۔

"جلال کو اپنے گھر میں کوئی کام نہیں؟"

"بے تکی باتیں مت کرو ماوی۔" ثمینہ جیسے زچ ہی ہو گئی تھیں۔ "پہلے ہی قسمت نے مجھے کم زچ کیا ہے جو اب تم بھی......"

"اوہ کم آن ممی! میں کوئی ایموشنل ڈائیلاگز سننا نہیں چاہتی۔"

"ٹھیک ہے جیسے تم خوش رہو۔" ثمینہ نے تحمل سے جواب دیا۔ "لیکن پلیز جلال کے ساتھ کچھ وقت گزارو۔"

"اس سے کیا ہوگا؟ مجھے کون سا اس کے ساتھ ساری زندگی گزارنی ہے جو انڈراسٹینڈنگ ڈیویلپ کرنے کی کوشش کروں۔" اس نے پھر پتھر توڑ جواب دیا تھا۔

"بے شک...... لیکن اس کے ساتھ وقت گزارو گی تو تمہیں حویلی والوں کے متعلق معلومات ملیں گی جو بعد میں تمہارے لیے فائدہ مند ثابت ہو سکتی ہیں۔"

"یا اللہ۔" ماوی نے اپنا سر دونوں ہاتھوں میں گرا لیا۔

"ٹھیک ہے آپ جائیں میں آتی ہوں۔" اس کا انداز سراسر جان چھڑانے والا تھا۔ ثمینہ نے بغور اس کا انداز جانچا۔

''شیور؟'' ماوی نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''ٹھیک ہے، لیکن ذرا جلدی آ جانا۔'' ثمینہ کسی قدر مطمئن ہو کر پلٹ گئیں۔ ماوی کچھ دیر تک تو اسی طرح بیزاری سے بیٹھی رہی پھر اٹھنے کے لیے پر تول ہی رہی تھی کہ ایمیا نے آ کر چونکا دیا۔

''تم کہاں غائب ہو گئی تھیں، کوئی خیر خبر ہی نہیں۔''

''ایمیا نے مختصر لفظوں میں ثروت کی بیماری کا احوال کہہ سنایا تو ماوی بوجھل دل کے ساتھ ان کی خیریت معلوم کرنے لگی۔''

''تم بتاؤ! کیا ہو رہا ہے؟''

''کچھ خاص نہیں۔ اپنے ایڈمیشن کا تو میں نے تمہیں بتایا تھا ناں! تو شاید کچھ روز تک ہاسٹل شفٹ ہو جاؤں۔''

''ہاسٹل میں رہنے کی کیا ضرورت ہے ماوی! تمہیں یہاں کوئی پریشانی ہے کیا؟''

''نہیں ایمیا! پریشانی تو کوئی نہیں ہے لیکن میرا خیال ہے، ہاسٹل میں رہ کر میں زیادہ بہتر طریقے سے اسٹڈیز کر سکوں گی۔ پھر ممی بھی دو ایک روز میں واپس آئرلینڈ چلی جائیں گی تو میرا خیال ہے، میرا دل لگنا مشکل ہو جائے گا۔ اچھا میں چلتی ہوں۔ شام میں آؤں گی تمہاری طرف۔''

ماوی نے گول مول سا جواب دیا اور ٹیکسی کی طرف بڑھ گئی۔ ایمیا وہیں کچھ حیران سی کھڑی اسے جاتا دیکھتی رہی۔ گو کہ سب کچھ روٹین کے عین مطابق تھا لیکن ماوی کے انداز میں اسے کچھ مختلف محسوس ہوا تھا اور یہ مختلف عنصر کیا تھا، وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی۔

☆☆☆

جلال سے اس کی مڈبھیڑ دروازے پر ہی ہو گئی۔ وہ مایوس ہو کر اب واپس جا رہا تھا۔

''میں نے آپ کا بہت انتظار کیا۔''

''کیوں؟ کوئی خاص کام تھا کیا؟'' ماوی نے بے حد رکھائی سے پوچھا۔ جلال چپ سا ہو گیا، تب ہی ماوی کو اپنی بے ساختگی کا احساس ہوا تھا۔

''وہ دراصل ایمیا کے ساتھ باتوں میں وقت گزرنے کا پتا ہی نہیں چلا۔'' اس نے فوراً بات تو سنبھالی لیکن لہجہ ایسا ہی رکھا تھا۔

''خیر! تم اتنی جلدی کیوں جا رہے ہو...... آؤ بیٹھو! میں تمہیں اچھی سی کافی پلاتی ہوں۔'' اب کی بار اس نے دوستانہ انداز میں کہا تھا۔ اب کیا بتاتی دراصل ایمیا سے باتیں کرنے میں اسے دیر نہیں ہوئی تھی۔ وہ تو اس سے باتیں کرتی بے دھیانی میں گیٹ ہی عبور کر گئی تھی، جب واپس پلٹی تو دو گھنٹے گزر چکے تھے۔ جلال اس کے ساتھ کچھ وقت ضرور گزارنا چاہتا تھا لیکن اسے کسی ضروری کام سے جانا تھا۔

''ثمینہ آنٹی بتا رہی تھیں، آپ واپس آئرلینڈ جا رہی ہیں۔'' جلال نے کچھ خیال آنے پر پوچھا۔

''آں...... ہاں میں کچھ روز کے لیے جا رہی ہوں۔ وہاں میری اسٹڈیز سے............ متعلق کچھ کام ادھورے پڑے ہیں۔ انہیں مکمل کرتے ہی واپس آ جاؤں گی۔'' ماوی نے ثمینہ کی ہدایت کے مطابق بنا بنایا جواب دیا۔

جلال نے قدرے بددلی سے سر اثبات میں ہلا دیا۔

"میں آپ کو مس کروں گا ماوی!"

ماوی نے کوئی جواب نہیں دیا، بس زبردستی مسکرادی۔

"میں چلتا ہوں......خدا حافظ۔"

ماوی نے اس بار بھی اس کی امیدوں پر پانی پھیرتے ہوئے اسے مروتاً بھی رکنے کے لیے نہیں کہا اور خدا حافظ کہتی اس سے بھی پہلے اندر چلی گئی۔ ثمینہ بری طرح پیچ و تاب کھاتی اس کی منتظر تھیں۔

"تمہیں عقل نہیں آسکتی ماوی! کبھی نہیں آسکتی۔ اپنی حماقتوں کے ہاتھوں سب بگاڑ دو گی تم۔"

"ایسی ہی بات ہے تو میری جگہ آپ حویلی کیوں نہیں چلی جاتیں؟" ماوی نے بری طرح چڑ کر کہا تھا، لیکن فوراً ہی وہ خاموش ہو گئی۔ اس کا لہجہ بدتمیزی کی حد تک ناگوار تھا۔ وہ سر پکڑ کر صوفے پر گر گئی۔ چند لمحے اس نے بالوں میں ہاتھ پھنسائے رکھے، پھر جیسے خود پر ضبط کرتے ہوئے بولی۔

"جو آپ نے مجھ سے کروانا تھا، آپ کروا رہی ہیں، لیکن پلیز! اب باقی کے معاملات مجھے میرے طریقے سے ڈیل کر لینے دیں۔ آپ کو بابا کے قاتل کا ثبوت چاہیے۔ میں اسے لانے کی پوری کوشش کروں گی، باقی بچا وہ ترکہ جو بابا جان کا حصہ ہے تو مجھے اس سے کوئی خاص دلچسپی نہیں ہے، لیکن محض آپ کی وجہ سے میں اس کی ڈیمانڈ ضرور کروں گی، مگر اپنے طریقے سے۔ اس معاملے میں آپ مجھے ڈکٹیٹ نہ کریں تو اچھا ہوگا۔"

اس نے تیز لہجے میں کہا اور اپنے بیڈ روم میں گھس گئی۔ سر پکڑ کر بیٹھنے کی باری اب ثمینہ کی تھی۔

☆☆☆

کمرے میں آ کر ماوی نے کھڑکی کے پردے گرا دیے اور بیڈ پر گر کر اس ساری صورت حال پر غور کرنے لگی۔ اس کے اردگرد نیم تاریکی پھیلی ہوئی تھی اور یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ ایک بند گلی میں آ کر کھڑی ہو گئی ہو۔

معاً وہ اٹھ بیٹھی اور سیل فون پر شہروز کا نمبر ڈائل کرنے لگی۔ کئی بار کوشش کے باوجود دوسری طرف سے اسے کوئی رسپانس نہیں ملا تو اسے مزید مایوسی نے گھیر لیا۔

"اب میں یہ کوشش کیوں کر رہی ہوں۔ اب تو کچھ بھی میرے ہاتھ میں نہیں رہا اور شہروز......شہروز نے بھی تو مجھ سے رابطہ کرنے کی کوشش نہیں کی۔ کیا میں اتنی غیر اہم تھی اس کی زندگی میں کہ معمولی سی تلخ کلامی کے بعد انسان منہ ہی موڑ لے۔"

اس کے پاس سوچنے کے لیے بہت کچھ تھا، لیکن پھر بھی ذہن خالی خالی سا محسوس ہوتا۔ وہ اور شہروز ہمیشہ ساتھ رہے تھے۔ ان میں بہترین دوستی تھی، پھر دل کا رشتہ بھی ایک دوسرے سے جڑ گیا تو ایک دوسرے کی اہمیت اور بھی بڑھ گئی۔ کبھی زندگی میں ایسا مقام بھی آئے گا کہ رابطے کے بہانے تلاش کرنے پڑیں۔ کم سے کم ماوی نے ایسا کبھی نہ سوچا تھا۔

یہ کیا ہو رہا تھا اور زندگی نے اسے کس مقام پر لا کر پٹخ دیا تھا۔ وہ ہر بار ان سوالوں پر غور کرتی، ہر بار الجھتی۔

اس وقت بھی اس کی پیشانی پر ان گنت سوچوں کا جال بچھا تھا اور کوئی حل سجھائی نہ دیتا تھا۔ تھک ہار کر اس نے شہروز سے رابطے کی ایک

آخری کوشش کی۔ مسلسل بیل بجنے کے بعد دوسری طرف سے کال اٹینڈ کر لی گئی تھی۔

"ہیلو شہروز......" ماوی نے بے قراری سے کہا تھا لیکن دوسری طرف سے سنائی دینے والی آواز نے جیسے اسے گنگ ہی کر دیا تھا۔ وہ کسی لڑکی کی آواز تھی جو انگلش زبان میں ماوی کا تعارف حاصل کرنا چاہ رہی تھی۔ ماوی، شہروز کے نمبر پر کسی لڑکی کی آواز سن کر جتنا حیران ہوتی، وہ کم تھا۔ شہروز بہت زاہد خشک قسم کا انسان تھا۔ ماوی اس سے کسی گرل فرینڈ کی توقع بھی نہیں کر سکتی تھی۔

"کیا میں شہروز سے بات کر سکتی ہوں؟" ماوی نے اس دلکش لب و لہجے والی لڑکی سے جھجک آمیز لہجے میں پوچھا تھا۔

"ہاں ضرور......لیکن تمہیں کچھ دیر انتظار کرنا پڑے گا کیونکہ شہروز باتھ روم میں ہے۔" اس لڑکی نے شائستگی سے جواب دیا تھا۔

"اور کیا میں آپ کا تعارف حاصل کر سکتی ہوں؟"

"اوہ ضرور......کیوں نہیں......میں ایلس ہوں، شہروز کی بیوی۔" کھنکتا لہجہ......موبائل فون ماوی کے ہاتھ سے چھوٹتے ہوئے بچا۔

"کیا بکواس ہے یہ......" بمشکل اس کے منہ سے نکلا تھا۔

"ارے......یہ کیا لہجہ ہے۔" اس لڑکی نے اچنبھے سے پوچھا تھا۔

"کون ہے ایلس......" ماوی ہزاروں میں پہچان سکتی تھی، یہ شہروز کی آواز تھی۔

"کوئی بدتمیز لڑکی ہے۔ اسے بات کرنے کی بھی تمیز نہیں ہے۔"

"ہیلو......ماوی؟" یکدم شہروز کی آواز ابھری تھی۔

ماوی چند لمحے بول ہی نہیں سکی۔

"ماوی! یہ تم ہو نا؟" شہروز نے تصدیق چاہی لیکن اس کا گڑبڑایا ہوا لہجہ ماوی پر بہت کچھ ثابت کرنے کو تیار تھا۔

ماوی نے لرزتی انگلیوں کے ساتھ کال منقطع کر کے سیل فون بیڈ پر رکھ دیا۔ اسے لگ رہا تھا، اس کا دماغ پھٹ جائے گا۔ چند ہی لمحے گزرے تھے کہ فون کی بیپ بجنے لگی۔ ماوی اس قدر خالی الذہنی کا شکار تھی کہ اس سے فون کی طرف متوجہ بھی نہیں ہوا گیا، لیکن کتنی دیر تک وہ یہ لاتعلقی برت سکتی تھی۔

"ہیلو ماوی! پلیز یار! مجھے غلط مت سمجھنا۔ میں تمہیں بتانے ہی والا تھا۔ بلیو می...... میرے لیے تم سے زیادہ کوئی اہم نہیں ہے، لیکن ایلس......میں تمہیں بتا دیتا۔" اس کا غیر متوازن وضاحتی لہجہ۔

جھوٹ مجسم نہیں ہوتا۔ اس کا احساس ہوتا ہے جو لہجوں میں عیاں ہو کر کسی دوسرے انسان کی ہستی بگاڑ دیتا ہے۔

"تم کیا بتا دیتے شہروز؟" ماوی نے بے حس لہجے میں پوچھا۔

"یہی کہ میں ایلس سے شادی کر چکا ہوں۔ میں، میں مجبور ہو گیا تھا ماوی! تمہیں سمجھنا چاہیے میں بہت مجبور ہو گیا تھا۔"

ماوی پوچھ نہ سکی کہ اس کی کیا مجبوریاں تھیں۔ بس ذہن کی چوکھٹ پر کھٹ سے ایک خیال آن گرا تھا کہ اس نے بھی تو جلال سے نکاح کا

فیصلہ کسی مجبوری کے تحت ہی کیا تھا۔ ایک فیصلہ اگر شہروز نے بھی کر لیا تو کیا فرق پڑتا ہے۔ آن کی آن میں وہ بے دم سی ہو گئی تھی۔

لیکن ساتھ ہی وہ یہ بھی سمجھ گئی کہ یہ تقدیر کا ایک اور کاری وار ہے، جو ثمینہ کی رضا پوری کروانے کے لیے اس کی ذات پر ہوا تھا۔ اب کوئی حیلہ، کوئی بہانہ کام نہ آتا۔ وہ تھکے تھکے انداز میں اٹھی اور اپنا سامان پیک کرنے لگی۔

☆☆☆

"چند روز بعد بھی تو مجھے حویلی جانا ہے تو ابھی کیوں نہیں۔" اگلے روز ثمینہ کے استفسار پر ماوی نے سنجیدگی سے جواب دیا تھا۔

"آپ کی تو یہی مرضی ہے ناں ممی! کہ میں حویلی جاؤں...... تو بس ٹھیک ہے! میں جا رہی ہوں۔ آپ گاڑی اور ڈرائیور کا بندوبست کر دیں۔...... باقی کام میرا ہے۔ مجھے سانپ کے بل میں تو ہاتھ ڈالنا ہی ہے۔ چند روز بعد ڈالوں یا چند روز پہلے، اس سے فرق بھی کیا پڑتا ہے۔"

اس نے سنجیدگی و کسی قدر لاتعلقی سے جواب دیا۔ اس کے مزاج میں یہ عجیب سا روکھا پن کچھ روز سے در آیا تھا۔

"اچھا تھا کہ تم میری پلاننگ کے حساب سے چلتیں۔" ثمینہ نے بھی سنجیدگی سے کہا تھا۔

"سب کچھ آپ کی پلاننگ کے حساب سے ہی تو ہو رہا ہے۔" ماوی نے پتھر چھوڑے تھے۔

"پھر بھی۔"

"پلیز ممی!" اس نے چڑ کر کہا تھا۔ "میں اس ساری صورت حال سے تنگ آ چکی ہوں۔ واقعی، جب چند روز بعد حویلی جانا ہے تو ابھی کیوں نہیں...... اور آخر ان چند روز میں جلال سے حویلی والوں کے متعلق معلومات حاصل کر کے میں کر بھی کیا لوں گی۔"

"تم ابھی ناسمجھ ہو...... جو میں سمجھانے کی کوشش کر رہی ہوں۔"

"ناسمجھ؟" ماوی نے زہر خند مسکراہٹ اچھالی۔ "آپ اپنی اسی ناسمجھ بیٹی کو جنت بی بی کا منہ توڑنے بھیج رہی ہیں، یاد رہے۔"

"تم کس قدر ضدی اور بدتمیز ہو گئی ہو ماوی۔" ثمینہ نے جیسے صدمے کی کیفیت میں کہا تھا۔

ماوی ایک بار پھر ہنسی۔

"کاش! میں ضدی ہوتی۔ حیرت ہے آپ کو ابھی بھی یہ بات سمجھ میں نہیں آ رہی کہ میں ضدی ہوتی تو آپ کی پروا ہی نہ کرتی اور جہاں تک بدتمیزی کی بات ہے...... تو معاف کیجیے گا۔ اس طرح کی ذہنی حالت کے ساتھ میں کسی تمیز کا مظاہرہ نہیں کر سکتی۔" ماوی نے صاف گوئی سے کہا۔

ثمینہ اس کے چہرے کی طرف دیکھے گئیں۔ یہ ان کی ماوی تو نہیں تھی، اتنی ضدی، اتنی ہٹ دھرم...... لیکن اگلے ہی پل وہ انہیں حق بجانب لگی، ایک انسان کو کسی بہت ہی نامساعد صورت حال کا سامنا کرنے کے لیے تنہا چھوڑ دیا جائے تو وہ شاید اس سے بھی زیادہ بری طرح ردعمل ظاہر کرے۔

"مجھے شہروز کا فون آیا تھا۔ تم اس کی کال ریسیو کیوں نہیں کر رہیں؟" ثمینہ نے بات ٹالتے ہوئے پوچھا۔

ماوی لحظہ بھر کے لیے ٹھٹکی پھر، اس نے ثمینہ کا سوال ہی نظر انداز کرنے کی ٹھان لی۔

"مجھے آپ سے ایک بات کہنی ہے۔" اس نے چند لمحے کے توقف کے بعد کہا۔ "میں یہ نہیں کہہ رہی کہ مجھے آپ کی باتوں کا اعتبار نہیں

ہے۔ یقیناً جنت بی بی نے آپ پر بہت مظالم ڈھائے ہوں گے، لیکن بابا جان کے قتل میں اس عورت کا ہاتھ ہے یا وہ اتنی ظالم ہو سکتی ہے، میرا دل ان باتوں پر اعتبار نہیں کر رہا۔ صرف آپ کی تسلی کے لیے میں حویلی جا رہی ہوں، لیکن اگر آپ کی باتیں جھوٹ ثابت ہوئیں تو، تو آپ ہمیشہ کے لیے مجھے کھو دیں گی ممی! اینڈ ڈیٹس آ پرامس۔'' اس نے حتمی لہجے میں کہا تھا۔

''تمہیں لگتا ہے۔ میں نے تم سے جھوٹ بولا ہے؟'' ثمینہ نے صدمے کی کیفیت میں پوچھا۔

''میں نے یہ ہرگز نہیں کہا۔'' مادی نے تیزی سے کہا ''میں صرف اتنا کہہ رہی ہوں۔ میرے دل کو اعتبار نہیں آ رہا۔''

''ایک ہی بات ہے۔'' ثمینہ نے سرعت سے اس کی بات قطع کی۔

''اور یہ میرے لیے بے حد دکھ کی بات ہے۔''

''ایموشنل نہ ہوں ممی! آپ کے مطالبات نے مجھے اب تک دکھی کیا ہوا ہے، لیکن میں نے تو اس طرح کی جذباتیت کا مظاہرہ نہیں کیا۔'' اس نے چڑ کر کہا اور نیپکن ٹیبل پر پھینک کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ گو کہ اس کے دل میں بہت سے سوالات تھے۔ بہت سے شکوک و شبہات تھے، لیکن کوئی چیز تھی جو ان تمام باتوں کا اظہار اسے ثمینہ کے سامنے کرنے سے روک رہی تھی۔ وہ ثمینہ کو الجھا ہوا چھوڑ کر اپنے کمرے میں آ گئی۔

☆☆☆

ثمینہ کو مادی کی باتوں نے بے حد دکھ پہنچایا تھا۔ ان کے تو وہم و گمان میں بھی نہیں تھا، مادی ان پر شک کر سکتی ہے۔ اب اس شک کے مداوے کا ایک ہی حل انہیں نظر آ رہا تھا۔ وہ فی الفور اٹھیں اور اپنے پورشن سے باہر آ گئیں۔

شام ڈھل رہی تھی اور نیلاہٹیں کھلے آسمان پر اپنے آشیانوں کی طرف لوٹتے پرندوں کی قطاریں گزر رہی تھیں۔ ثروت کی طرف جاتے ہوئے کچھ پل کے لیے ثمینہ دہرے خیالات کا شکار ہوئی تھیں۔

''کہیں مادی کی باتیں درست تو نہیں...... کہیں ایسا تو نہیں کہ میں اپنا انتقام پورا کرنے کے لیے اپنی بیٹی کو موت کے منہ میں دھکیل رہی ہوں۔ نہیں نہیں ایسا ہرگز نہیں ہے۔ میں یہ سب کچھ محض رجب کی روح کو سکون پہنچانے کے لیے کر رہی ہوں۔ جنت بی بی کو سزا دلوانا محض میرا ہی خواب نہیں ہے۔ رجب بھی اس سے خوش ہوں گے۔''

ہر بار کی طرح اس بار بھی ثمینہ نے خود کو مطمئن کر لیا تھا یوں بھی وہ انتقام کے بپھرے ہوئے سمندر میں اتنا گہرا اتر چکی تھیں کہ کبھی کبھار سر اٹھانے والے ان خیالات کو رد کر دینا کچھ ایسا مشکل بھی نہ تھا۔

لاؤنج میں ہی ان کی ملاقات اینا سے ہو گئی۔ وہ ٹی وی دیکھ رہی تھی۔

''السلام علیکم آنٹی! آپ دروازے میں کیوں کھڑی ہیں۔'' اینا نے خوش اخلاقی سے کہا تھا ''اندر آئیے ناں۔''

''نہیں بیٹے!......اندر آنے کا تو ٹائم نہیں ہے...... میں صرف آپ کی ممی کی خیریت معلوم کرنا چاہ رہی تھی۔''

ثمینہ نے نرمی سے جواب دیا

"وہ الحمدللہ اب پہلے سے بہت بہتر ہیں، لیکن ویک نیس کی وجہ سے ڈاکٹر نے سفر کرنے سے منع کیا ہے۔ شاید نیکسٹ منتھ یا نیکسٹ ٹو نیکسٹ منتھ واپس آ جائیں۔" اینیا نے تفصیل سے جواب دیا۔

"اینیا! کیا مجھے ثروت کا کانٹیکٹ نمبر مل سکتا ہے؟"

"شیور آنٹی! ویٹ اے منٹ۔" اینیا نے ٹیلی فون کے قریب پڑی ڈائری سے کاغذ کا پرزہ پھاڑا اور نمبر لکھ کر ثمینہ کی طرف بڑھا دیا۔

ثمینہ نے شکریہ کہہ کر جھٹ پکڑ لی۔ نمبر کو ذہن نشین کرتے ہوئے ان کا دماغ کئی باتیں سوچ رہا تھا۔

☆☆☆

"لو! بات کرو۔"

ماوی اپنے گیلے چہرے کو تولیے سے تھپک رہی تھی جب ثمینہ نے سیل فون اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا تھا۔

ماوی نے ایک نظر سیل فون پر ڈال کر ثمینہ کو دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں الجھن بھرا استفہام تھا۔ اگلے ہی پل اس نے ثمینہ کے ساتھ سے سیل فون لے کر کال ڈسکنیکٹ کی اور فون لاپروائی سے بیڈ پر اچھال دیا۔

"اگلی بار شہروز کا فون آئے تو کہہ دیجئے گا، میں اسے خود کال کروں گی...... ابھی میرا بات کرنے کا موڈ نہیں ہے۔"

"تم پاگل تو نہیں ہو گئیں ماوی!" ثمینہ نے چڑ کر کہا۔

"اس میں پاگل پن کی کیا بات ہے۔" ماوی نے لاپروائی سے کہا۔ "موڈ نہیں ہے، تو نہیں ہے۔ اب کیا اس معاملے میں بھی مجھے آپ کی زبردستی ماننا پڑے گی۔"

"میں نہیں سمجھ پا رہی کہ آخر تم شہروز سے بات کیوں نہیں کر رہی ہیں؟" ثمینہ کے لہجے میں اُلجھن تھی۔

"کیونکہ اگر میں اس سے بات کروں گی تو اس سے جھوٹ بولنا میرے لیے ممکن نہیں ہوگا۔ کیا آپ چاہتی ہے، میں اسے سب کچھ بتادوں؟" ماوی نے بات گھماتے ہوئے کہا تھا۔

ثمینہ خاموش سی ہو گئیں۔ بات تو درست کہہ رہی تھی وہ۔

"ٹھیک ہے! شہروز سے بات مت کرو، لیکن تمہیں دیکھنا تو چاہیے تھا، فون پر دوسری طرف کون تھا۔"

"کون تھا؟" ماوی ٹھٹکی۔

ثروت...... "میں ثروت سے تمہاری بات کروانا چاہ رہی تھی۔" ثمینہ نے تحمل سے جواب دیا۔

"ثروت آنٹی سے؟" ماوی حیران ہوئی۔ "لیکن کیوں؟"

"تا کہ جنت بی بی کے بارے میں کچھ حقائق وہ بھی تمہیں بتا سکے۔ تمہیں اپنی ماں کی باتوں پر تو اعتبار نہیں آ رہا۔ ممکن ہے ثروت کی باتوں پر آ جائے۔" ثمینہ نے کہا تو ماوی کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔

"ممی! آپ مجھے مینٹلی کتنا ٹارچر کرنا چاہتی ہیں؟" چند منٹ بعد اس نے صدمے کی کیفیت میں کہا تھا۔ "ایک بات آپ سے شیئر کرنے کا مطلب یہ تو ہرگز نہیں تھا کہ گواہیاں لانا شروع کر دیں...... کیا ہو گیا ہے آپ کو ممی! کیوں اتنا ڈرامہ کری ایٹ کر رہی ہیں۔ ایک نارمل انسان ہوتے ہوئے ایب نارمل بی ہیو کیوں کرنا شروع کر دیا ہے آپ نے؟"

"میں ایب نارمل نہیں ہوں...... مجھے تو ایسا لگتا ہے، تم ایب نارمل ہو، جس میں کوئی احساس ہی باقی نہیں ہے۔" ثمینہ نے اس سے زیادہ ترخ کر کہا۔

"تمہاری جگہ کوئی اور ہوتا تو ایک منٹ نہ لگاتا اپنے باپ کے قاتل کو سزا دلوانے میں اور ایک تم ہو، جس کو کوئی فرق ہی نہیں پڑتا۔"

"مجھے فرق نہ پڑتا تو آپ کی بات مان کر جلال سے نکاح کی ہامی نہ بھرتی۔" ماوی نے جل کر کہا "آپ ہی کی بات مان کر میں حویلی جا رہی ہوں...... اس کے علاوہ آپ مجھ سے کیا چاہتی ہیں میں سمجھ ہی نہیں پا رہی۔"

"میں چاہتی ہوں، تم میری باتوں پر اعتبار کرو۔ محض زبان سے ہی نہیں بلکہ دل سے بھی۔" ثمینہ نے اس بار لجاجت سے کہا تھا۔

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔" ماوی نے اکتا کر کہا۔ "میں حویلی جا تو رہی ہوں ناں۔"

"وکیل کو جب تک اپنے کلائنٹ کی صداقت کا اعتبار نہ آ جائے، وہ اچھا مقدمہ نہیں لڑ سکتا...... اسی لیے میں چاہتی ہوں، تم ایک بار ثروت سے بات کر لو۔ جہاں مجھ پر اتنے احسان کر رہی ہو، وہاں ایک اور سہی۔" ثمینہ نے عجیب سے انداز میں کہا اور کمرے سے باہر نکل گئی۔

ماوی نے ثمینہ کو کمرے سے باہر جاتے دیکھا، پھر گہری سانس بھر کر سیل فون کو دیکھا۔ اب اس کے پاس اور کوئی چارہ نہیں تھا کہ وہ فون اٹھاتی اور برضا و رغبت ثروت سے بات کرتی۔ بصورت دیگر اس کی ماں کا تاثر خراب ہونے کا خدشہ تھا اور ثمینہ سے ناراضی کے باوجود وہ ایسا ہرگز نہ چاہتی تھی۔

ماوی نے بددلی سے فون ملایا۔ وہ سمجھ نہ سکی، ثمینہ نے ثروت کو اپنی زندگی کے رازوں میں شریک کرنے کے لیے کس طرح آمادہ کیا ہوگا۔ لیکن ثروت کے پاس جنت بی بی کے خلاف ایک طویل فرد جرم تھی، جسے سن کر ماوی کے دل میں اس عورت کے لیے ناپسندیدگی بڑھتی تھی۔ اسے جنت بی بی کی فطرت پر تعجب ہوا تھا اور ثمینہ کی طرف سے ملے ہوئے جذبۂ انتقام میں کسی قدر اضافہ ہوا تھا۔

فون رکھ کر وہ کھڑکی کے پاس آ گئی۔ سامنے آسمان صاف تھا۔ ماوی کی پرسوچ نگاہیں اس آسمان کو کھوجنے لگیں۔

اپنی ماں کے مجبور کرنے پر اس نے زندگی کی سب سے بڑی بازی چلی تھی۔ اس نے حقیقتاً اپنا سب کچھ داؤ پر لگا دیا تھا۔ بعض اوقات ہم زندگی کے ہر چھوٹے بڑے واقعے کو دوسروں کے کھاتے میں ڈال دیتے ہیں اور کبھی اچھی، بری بات کا ذمہ دار تقدیر کو ٹھہرایا جاتا ہے۔

ماوی سمجھ چکی تھی، اس کے ساتھ جو بھی ہو رہا تھا یا جو وہ کرنے جا رہی تھی، وہ اس کی تقدیر کا لکھا تھا اور انسان کتنے بھی ہاتھ پیر مارے، تقدیر سے منحرف نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ ماوی نے خود کو تقدیر کے ہاتھوں میں دے دیا تھا۔ اب دیکھنا یہ تھا کہ تقدیر اسے کہاں لے جاتی ہے۔

آسمان کے کناروں پر تاریکی پھیل رہی تھی۔ دن کا اجالا تاریکی میں مدغم ہونے لگا تھا۔

☆☆☆

ٹیلی فون کی گھنٹی سارے گھر میں گونج رہی تھی۔

اینیا کو فون ریسیو کرنے کے لیے بھاگتے ہوئے آنا پڑا تھا۔ تیز تیز سیڑھیاں اترنے سے اس کی سانس بھی پھول گئی تھی۔

''ہیلو......''

''فیضان بات کر رہا ہوں۔''

اینیا کا دل پوری قوت سے سکڑ کر پھیلا، لیکن فوری طور پر وہ کچھ بول نہیں سکی۔ فیضان نے چند سیکنڈ انتظار کیا تھا۔

''ڈیڈی تو گھر پر نہیں ہیں۔ آپ ان کے سیل پر کانٹیکٹ کرلیں۔'' معاً اس نے سرعت سے کہا تھا۔

''میں جانتا ہوں، دانیال بھائی اس وقت گھر پر نہیں ہوتے اور ان کا سیل نمبر بھی ہے میرے پاس......'' فیضان نے تدبر سے کہا تھا۔

''تو پھر؟'' وہ الجھی۔

''میں تم سے بات کرنا چاہ رہا تھا''

''جی! کہیے...... میں سن رہی ہوں۔'' اینیا نے توقف کے بعد کہا تھا۔

''میں دراصل یہاں آتے ہوئے بھی تم سے بات کرنا چاہتا تھا لیکن بس......اس وقت میری ذہنی حالت اتنی عجیب ہو رہی تھی۔'' فیضان نے کھسیاہٹ بھرے انداز میں کہا۔ ''کہ میں خود کو کچھ بھی کہنے پر آمادہ ہی نہیں کر سکا۔ میں دراصل بہت شرمندہ ہون۔ مجھے تم پر ہاتھ نہیں اٹھانا چاہیے تھا، لیکن وہ بات ہی ایسی تھی اینیا! کہ میں اپنے غصے کو کنٹرول ہی نہیں کر سکا۔ گو کہ میں جانتا ہوں، تم نے وہ تمام باتیں، مادی کی احمقانہ باتوں میں آ کر کی ہوں گی، اس لیے مجھے اپنے اقدام پر زیادہ شرمندگی محسوس ہوتی ہے۔''

اینیا نے ہمہ تن گوش ہو کر اس کی بات سنی۔ جملہ مکمل ہوتے ہی گہری سانس بھر کر بولی۔

''آپ شرمندہ نہ ہوں۔ آپ کی جگہ کوئی بھی دوسرا انسان ہوتا۔ وہ اسی طرح ری ایکٹ کرتا۔''

اینیا کا متوازن لہجہ فیضان کو چپ کروا گیا تھا۔

''تو کیا میں سمجھوں تم مجھ سے خفا نہیں ہو......؟'' چند منٹ بعد انہوں نے پوچھا۔

اینیا کسی قدر تلخی سے ہنس دی۔

''نہیں ہوں......اور اگر ہوتی بھی تو اس سے کیا فرق پڑتا تھا۔''

''تمہاری ناراضی سے مجھے فرق پڑتا ہے اینیا! دوستوں کی ناراضی سے سب کو فرق پڑتا ہے، پھر اپنی اس حرکت کے لیے میں بہت گلٹی فیل کر رہا ہوں۔'' فیضان نے تیزی سے کہا تھا۔

''آپ گلٹی نہ ہوں......میں ناراض نہیں ہوں۔ آپ نے جو کیا، وہ ٹھیک تھا، کیونکہ اس وقت آپ حق بجانب تھے، مجھے واقعی اس طرح کی بات کرنے کا کوئی حق نہیں تھا۔ اپنے جذبے مجھے خود تک محدود رکھنے چاہیے تھے۔ مجھے کیا ضرورت تھی کہ آپ کو شریک کرتی......''

اسکا لہجہ تلخ نہیں۔ لیکن دوٹوک ضرور تھا۔ فیضان سے اس سلسلے میں مزید کچھ کہا نہ گیا۔ وہ اینیا سے اس طرح کے رویے کی توقع ہرگز نہیں کر رہے تھے۔

''اچھا تو کیا میں سمجھوں...... تم واقعی خفا نہیں ہو؟'' چند منٹ بعد انہوں نے دوبارہ پوچھا۔ اس بار اینیا خوش دلی سے ہنس دی۔

''بار بار ایسا پوچھ کر آپ مجھے شرمندہ کر رہے ہیں۔ دوستی تک ٹھیک ہے، لیکن اب اتنی بھی اہم نہیں ہوں میں کہ آپ میری ناراضی کی اتنی پروا کریں۔''

''کیا میں دوبارہ فون کر سکتا ہوں؟'' فیضان نے بے ساختہ پوچھا۔

''ضرور...... لیکن کس لیے؟'' وہ الجھی۔

''اپنے دل کو یہ یقین دلانے کے لیے کہ تم مجھ سے سچ مچ خفا نہیں ہو اور محض فارمیلٹی نہیں نبھا رہیں۔''

''ٹھیک ہے...... آپ کا جب دل چاہے مجھے فون کر لیں۔''

مزید چند ادھر ادھر کی باتوں کے بعد اینیا نے فون بند کر دیا اور فون سیٹ کو دیکھتی رہی۔ اس کا دل عجیب سا ہو رہا تھا اور وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ فیضان کی کال نے اسے خوشی پہنچائی ہے یا نہیں۔

☆☆☆

تیسرے روز ماوی، جنت بی بی کی حویلی جانے کے لیے تیار کھڑی تھی۔

یہ صبح کے گیارہ بجے کا عمل تھا۔ تیز چمکیلی دھوپ نے ہر طرف پہرہ گاڑ رکھا تھا۔ ثمینہ نے دیکھا، ماوی بے حد سنجیدہ اور لاتعلق سی دکھائی دے رہی تھی۔ اس نے سیاہ جینز پر براؤن کرتا پہنا تھا۔ براؤن ہی لیدر بیگ دائیں کاندھے پر لٹک رہا تھا۔ سن گلاسز اس کے ایک ہاتھ میں تھے جب کہ دوسرے ہاتھ میں پکڑے موبائل پر وہ تیزی سے میسج ٹائپ کر رہی تھی۔

''بی بی جی! سامان گاڑی میں رکھ دیا ہے۔'' ڈرائیور کے کہنے پر ماوی نے اثبات میں سر ہلایا اور اسی مصروفیت کے انداز میں گاڑی کی طرف بڑھی ثمینہ کو اس کی لاتعلقی نے دکھ دیا تھا۔

''مجھ سے مل کر بھی نہیں جاؤ گی؟'' ثمینہ نے تیزی سے پوچھا۔ ماوی نے مڑ کر انہیں دیکھا۔ ناراضی اپنی جگہ، لیکن پہلی بار وہ ماں سے دور جا رہی تھی۔ دل خود بخود گداز ہو گیا۔

وہ واپس پلٹی اور ثمینہ سے لپٹ گئی۔

ثمینہ نے بہت شدت سے اسے خود سے لپٹایا تھا۔

اپنی مرضی کے عین مطابق ہر فیصلہ کروا لینے کے بعد بالآخر ثمینہ بے چینی کا شکار ہو گئی تھیں۔

''وہاں اپنا بہت خیال رکھنا...... میں جانتی ہوں۔ تمہیں وہاں بھیج کر میں بہت بڑا رسک لے رہی ہوں، لیکن رجب کی قاتلہ کو سزا دلوانا

میری زندگی کی سب سے بڑی، بلکہ واحد خواہش ہے"

ثمینہ کے لہجے میں بے حد بے چارگی تھی۔ ماوی کوشش کے باوجود بھی اپنے ہونٹوں پر نمودار ہونے والی طنزیہ مسکراہٹ کو روک نہیں سکی، پھر اس نے خفیف سا جھک کر...... ماں کے ماتھے پر بوسہ دیا۔

"اپنا خیال رکھیے گا ممی!"

وہ سرعت سے پلٹی اور گاڑی میں سوار ہو گئی۔ ڈرائیور نے گاڑی پیچھے کی اور تیزی سے گیٹ سے باہر نکال لے گیا۔ ثمینہ کی نظریں اس وقت تک گاڑی کا تعاقب کرتی رہیں، جب تک گاڑی کے پیچھے رہ جانے والی ہلکی سی دھول بھی ختم نہ ہو گئی۔

ان کے دل کی حالت حقیقتاً عجیب ہو رہی تھی۔ کچھ بے چینی، کچھ اضطراب، تھوڑی سی آس اور بہت سی دعائیں۔

جوں ہی وہ اندر جانے کے لیے پلٹیں، اینیا کو دیکھ کر ٹھٹک گئیں۔

"آنٹی! ماوی کہاں گئی ہے؟ میرا مطلب ہے مجھے اس سے کچھ ضروری کام تھا۔ کب تک واپس آئے گی وہ؟" اینیا ذرا عجلت میں تھی۔

ثمینہ اس سوال پر قدرے گڑبڑا گئیں۔

"واپسی کے بارے میں تو کچھ نہیں کہہ سکتی، کیونکہ ماوی بارہ بجے کی فلائٹ سے واپس ڈبلن جا رہی ہے۔ میرا نہیں خیال کہ وہ واپس آئے گی، کیونکہ چار روز بعد تو میری بھی فلائٹ ہے۔" ثمینہ کی سمجھ میں فوری طور پر جو بہانہ آیا، انہوں نے کہہ دیا۔

"ماوی ڈبلن جا رہی ہے...... اتنی اچانک؟" اینیا کو بہت ہی حیرانی ہوئی تھی۔ "حیرت ہے ماوی نے مجھ سے تو ذکر ہی نہیں کیا۔"

"ہاں! بس اس کا اچانک واپسی کا پروگرام بن گیا۔ میری بیٹی ہر روٹین سے جلدی اکتا جاتی ہے۔" ثمینہ نے اپنی گھبراہٹ پر قابو پانے کی کوشش غیر محسوس انداز میں کرتے ہوئے کہا۔

"میں تو چاہ رہی تھی، ہم دونوں کو ایک ہی فلائٹس کی سیٹس مل جائیں، لیکن مجھے چار دن بعد کی سیٹ ملی ہے۔ اپنے ڈیڈی سے کہنا، تو پھر چند روز میں تم لوگوں کے سارے ڈیوز کلیئر کر دے گا۔"

ثمینہ جلدی جلدی وضاحتیں دیتی اپنے پورشن کی طرف چلی گئیں۔ یوں جیسے پیچھا چھڑوانا چاہ رہی ہوں۔ اینیا نے الجھن بھری نظروں سے انہیں جاتے دیکھا تھا۔ وہ اسے کچھ پراسرار سی لگی تھیں۔

☆☆☆

صبح گیارہ بجے شروع ہونے والے سفر کا اختتام شام سوا چار بجے ہوا تھا۔ دھول اڑاتے کچے پکے راستوں پر سفر کرتی ہوئی گاڑی چوہدری دلاور حسین کی حویلی کے سامنے آ کر رک گئی تھی۔

اور پتا نہیں سفر ختم ہوا تھا یا شروع ہو رہا تھا۔ گاڑی سے اترتے ہوئے ماوی نے سوچا۔ اس کے عین سامنے حویلی کا پھاٹک نما قد آدم دروازہ تھا۔ پشت پر ڈھلتے سورج کی روشنی تھی جو اس کے عقب سے نکل کر پھاٹک پر پڑ رہی تھی۔ پھاٹک کی لوہے کی سلاخیں اس روشنی سے چاندی کی

طرح چمک رہی تھی۔

پھاٹک کے دونوں جانب ناریل کے درخت تھے جو پھاٹک پر جھک آئے تھے۔ پھاٹک کے دوسری جانب طویل سرخ پتھروں کی روش تھی۔ پھاٹک کے قریب ہی دو بھیانک شکاری کتے موٹی زنجیروں سے بندھے ہوئے تھے۔ جنہوں نے اجنبیوں کی خوشبو پاتے ہی زور زور سے بھونکنا شروع کر دیا تھا۔

اپنے تمام تر اعتماد کے باوجود ماوی کسی قدر گھبراہٹ کا شکار تھی، جس کا اظہار اس کے چہرے سے بالکل نہ ہوتا تھا مگر رہی سہی کسر ان کتوں نے پوری کر دی تھی۔ اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ تب ہی پھاٹک سے متصل چھوٹا دروازہ کھول کر حویلی کا ملازم باہر نکلا۔

ماوی نے دیکھا، اس نے گرم چادر کے ساتھ کندھے پر بندوق بھی اٹھا رکھی تھی۔

"میرا نام ماوی رجب علی ہے۔ میں آئر لینڈ سے آئی ہوں۔ مجھے حویلی کے مالکوں سے ملنا ہے۔" ماوی نے بے حد اعتماد کے ساتھ ملازم سے کہا۔ وہ اسے انتظار کرنے کا کہہ کر اندر چلا گیا۔ اس دوران ماوی نے ڈرائیور سے اپنا سامان اتارنے کے لیے کہا۔ سامان اتر چکا تو اس نے ڈرائیور کو کرائے کی رقم ادا کی اور جانے کے لیے کہہ دیا۔

اتنی دیر میں وہ ملازم بھی واپس آ چکا تھا۔

"مالکوں میں سے کوئی موجود نہیں ہے۔"

"کب تک آ جائیں گے تمہارے مالک؟"

"صاحب لوگ ہیں۔ اپنی مرضی کے مالک ہیں۔" ملازم نے مؤدبانہ انداز میں جواب دیا۔

"ٹھیک ہے! میں انتظار کر لیتی ہوں۔ کیا میں اندر بیٹھ کر انتظار کر سکتی ہوں؟"

"اجازت ملے بغیر آپ اندر نہیں بیٹھ سکتیں۔" ملازم نے کہا۔ "آپ دوبارہ آ جائیں۔"

"تمہیں پتا ہے، آئر لینڈ جانے اور پھر واپس آنے میں کتنا وقت لگتا ہے؟ میرا کیا دماغ خراب ہے کہ پہلے واپس جاؤں، پھر آؤں...... حویلی کی عورتوں میں سے تو ضرور کوئی موجود ہو گی۔ ان کو جا کر بتاؤ! ماوی رجب علی آئی ہے اور جنت بی بی سے ملنا چاہتی ہے۔" ماوی نے چڑ کر کہا تھا۔

لمبی چوڑی بحث کے بعد بالآخر ملازم اسے اندر لے آیا تھا اور حویلی کے مرکزی باغ میں پڑی کرسیوں پر بیٹھ کر انتظار کرنے کا حکم دے کر چلا گیا۔ اتنی کوفت کیا کم تھی کہ اس کے بعد خواتین ملازماؤں نے آ کر انکوائری شروع کر دی۔

"اب میں کسی سوال کا جواب نہیں دوں گی۔ اندر جاؤ اور جا کر جنت بی بی کو بتاؤ! ماوی رجب علی ان سے ملنے آئی ہے۔" چوتھی مرتبہ جب ملازمہ اس سے کچھ پوچھنے آئی تو ماوی نے پھٹ پڑنے والے انداز میں کہا تھا۔ ملازمہ اپنا سا منہ لے کر واپس چلی گئی۔

ماوی غصے اور اکتاہٹ سے ادھر ادھر ٹہلنے لگی۔ تھوڑی دیر گزری ہو گی، اسی ملازمہ کے ہمراہ ایک بہت خوبصورت لڑکی اس کے پاس آ گئی۔

"السلام علیکم...... معاف کیجیے میں نے آپ کو پہچانا نہیں۔" ماوی گویا جھوم ہی اٹھی۔ جتنی وہ خوبصورت تھی، اس سے زیادہ دلکش آواز تھی

اور خوبصورتی بذات خود کسی معجزے سے کم نہیں ہے۔ ماوی نے کچھ دیر پہلے ہلکی کوفت کو جھڑتے محسوس کیا تھا، لیکن ساتھ ہی اسے وہ چہرہ کچھ جانا پہچانا سا لگا تھا، شاید وہ اسے پہلے بھی کہیں دیکھ چکی تھی۔

"آپ مجھے نہیں پہچان سکتیں...... مختصر تعارف یہ ہے کہ میرا نام ماوی رجب علی ہے، میں آئرلینڈ سے آئی ہوں اور جنت بی بی سے ملنا چاہتی ہوں...... اور دوسری بات یہ کہ آپ لوگوں کے ملازمین بہت ہی ناسمجھ اور irritating ہیں۔ پچھلے تین گھنٹوں سے انہوں نے سوال پوچھ پوچھ کر میرا دماغ پلپلا کر دیا ہے......"

ماوی کی بات پر وہ لڑکی ہنسی۔ جھرنوں سی دلکش ہنسی تھی۔

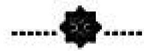
"ملازمین کی اتنی زیادہ غلطی نہیں ہے۔ انہیں تو جو حکم ملتا ہے، وہی کرتے ہیں اور بغیر انکوائری کے کسی اجنبی کو حویلی میں آنے کی اجازت نہیں ہے۔"

"ایک بار جنت بی بی سے ملاقات ہو جائے، سب کو پتا چل جائے گا، میں اس حویلی کے لیے کتنی اجنبی اور غیر ہوں......" ماوی نے اعتماد کے ساتھ جواب دیا۔ لڑکی کی آنکھوں میں الجھن سمٹ آئی۔

"میں کچھ سمجھی نہیں...... کیونکہ میں تو آپ کو بالکل بھی نہیں پہچان پا رہی۔"

ماوی کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔ وہ لڑکی جو خود کو جنت بی بی بتا رہی تھی، بمشکل اٹھارہ یا انیس سال کی رہی ہوگی۔ وہ جس جنت بی بی کی تلاش میں اس حویلی تک آئی تھی یقیناً یہ وہ نہیں تھی اور اگر یہ وہ نہیں تھی تو پھر خود کو جنت بی بی کیوں کہہ رہی تھی۔ کوئی گڑبڑ سی گڑبڑ تھی، کیونکہ ماوی کے ذہن میں کوندا سا لپکا تھا۔ اسے یاد آ گیا تھا اس لڑکی کا چہرہ اسے جانا پہچانا کیوں لگا تھا۔

یہ لڑکی سلطانہ آنٹی کے کالج میں پڑھتی تھی اور جب ماوی ان سے ملنے آئی تھی تو اس نے اس لڑکی کو دیکھا تھا، لیکن اس کا نام جنت نہیں تنوی تھا...... اب وہ تنوی تھی یا جنت...... ماوی سمجھ نہیں پا رہی تھی اور الجھن بھری نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ یہی حال تنوی کا تھا۔



ماوی محاورتاً نہیں حقیقتاً اس لڑکی کو دیکھ رہی تھی، جس کے چہرے پر خوب صورتی کے ساتھ نوعمری کی ملاحت اور دلکشی اتنی تھی کہ یہ سوچنا بھی محال تھا کہ وہ کسی دور میں اس کی ماں پر ظلم وستم ڈھاتی رہی ہوگی۔

پھر اس نے بے ساختہ سر جھٹک کر اس خیال سے پیچھا چھڑایا، یہ تو انتہائی احمقانہ خیال تھا کہ یہ کم عمر لڑکی اس کی ماں کی ساس ہو سکتی ہے۔

"شاید کوئی مس انڈراسٹینڈنگ ہو رہی ہے" اس نے شائستگی سے تمہید باندھی۔ "مجھے جنت بی بی سے ملنا ہے، جو اس حویلی کی مالکن اور دلاور حسین بھٹی...... کی بیوہ ہیں۔"

"اوہ...... تنوی بے ساختہ مسکرائی۔" آپ کو بی جان سے ملنا ہے اور میں سمجھی، آپ مجھ سے ملنے آئی ہیں۔"

"بی جان؟" ماوی نے چونک کر بغور اس کا چہرہ دیکھا، اگر یہ لڑکی اپنی ماں کا پرتو تھی تو فیضان ماما نے غلط دل نہیں ہارا تھا۔ ماوی نے بے

اختیار سوچا تھا۔

"جی ہاں...... جنت بی بی میری نانی ہیں، لیکن حویلی میں چونکہ کوئی انہیں نام سے مخاطب نہیں کرتا، اس لیے ملازماؤں نے یہی سمجھا کہ آپ مجھ میرے متعلق ہی پوچھ رہی ہیں، بائی دا وے۔ کیا میں آپ کا تعارف حاصل کرسکتی ہوں۔" تنوی نے پر اشتیار لہجے میں پوچھا۔

"ہاں کیوں نہیں...... اپنا تعارف کروانے ہی آئی ہوں میں۔" ماوی نے مسکرا کر کہا تھا، لیکن اس کے لہجے میں ایسا کچھ تھا جسے طنز کا نام دیا جا سکے۔

"میں ماوی رجب علی ہوں اور آئرلینڈ سے آئی ہوں، مختصر تعارف تو یہی ہے۔ اگر آپ کی نانی جان سے ملاقات ہو جائے تو باقی تفصیلی تعارف وہی کروادیں گی اور سچ بات ہے، مجھے اس بات کی خوشی بھی زیادہ ہوگی کہ وہی مجھے حویلی میں متعارف کروائیں۔"

"لیکن مجھے افسوس ہے کہ آپ کی ملاقات ان سے نہیں ہو سکے گی۔" تنوی نے شائستگی سے کہا۔ "بی جان میڈیکل چیک اپ کے سلسلے میں انگلینڈ گئی ہوئی ہیں، ایک یا دو ہفتوں کے بعد ان کی واپسی متوقع ہے۔"

"اوہ۔!" ماوی کو بے ساختہ خوشی ہوئی، جنت بی بی کی حویلی میں غیر موجودگی ایک ایسا پلس پوائنٹ تھا جسے وہ بڑی سہولت سے اپنے حق میں استعمال کرسکتی تھی۔

"حویلی میں کوئی بڑا موجود ہوگا، میرا مطلب ہے جنت بی بی کا کوئی بیٹا یا بیٹی؟"

"مستقیم ماموں موجود تو ہیں، لیکن وہ بھی اس وقت زمینوں کی طرف نکلے ہوئے ہیں، اگر آپ انتظار کرسکیں تو......"

"ضرور...... میں انتظار کر لیتی ہوں۔" ماوی نے تیزی سے کہا تھا۔

"ٹھیک ہے میں آپ کے لیے گیسٹ روم کھلوا دیتی ہوں۔" تنوی نے کہا، پھر ملازمہ سے مخاطب ہوئی۔

"کلثوم! پیچھے والا گیسٹ روم کھلوا دو اور بی بی کا سامان وہاں رکھوا دو۔"

"آپ کھانا کھائیں گی یا چائے پینا پسند کریں گی؟" اس نے ماوی سے پوچھا تھا۔

"کافی کے ساتھ اگر کچھ اسنیکس مل جائیں تو کیا ہی اچھی بات ہو۔" ماوی عادت سے مجبور تھی، فوراً بے تکلفی سے بولی، تنوی مسکرا دی۔

"ٹھیک ہے، آپ گیسٹ روم میں آرام کیجئے۔ میں کافی اور اسنیکس بھجوا دیتی ہوں، تب تک ماموں جان بھی آ جائیں گے۔"

ماوی اثبات میں سر ہلا کر ملازمہ کے پیچھے چل دی تھی۔

☆☆☆

ماوی نے بہ نظر غائر کمرے کا جائزہ لیا، اچھا تھا۔ ویسا ہی جیسا اتنی بڑی اور پر شکوہ حویلی کا گیسٹ روم ہو سکتا ہے۔ شاہانہ اور آرام دہ۔ اس نے سر ہلا کر پسندیدگی کا اظہار کیا، ملازمہ اس کا سامان رکھ کر جا چکی تھی۔ ماوی نے پہلے کھڑکیوں کے پردے ہٹائے، پھر بیڈ پر نیم دراز ہو کر آگے کا لائحہ عمل ترتیب دینے لگی۔ لیکن کچھ بھی ترتیب دینا یا طے کرنا قبل از وقت ہوتا، کیونکہ جب تک حویلی کی مکینوں سے اس کی ملاقات نہ ہو جاتی، کسی بھی نتیجے پر پہنچنا از حد مشکل تھا۔ لیکن یہ چند روز جب تک جنت بی بی واپس نہ آ جاتیں اس حویلی کی بنیادوں میں جھانکنے میں بے حد

معاون ثابت ہو سکتے تھے۔

معاً اسے ممی سے بات کرنے کا خیال آیا، ابھی اس نے بیگ سے سیل فون نکالا ہی تھا کہ دروازے پر دستک دے کر ملازمہ اندر داخل ہوئی۔

"بڑی جلدی آ گئیں بھئی تم تو۔" ماوی نے سیل فون سائیڈ پر رکھتے ہوئے خوش دلی سے کہا۔ کلثوم نے ٹرالی بیڈ کے قریب رکھ دی۔

"بی بی! آپ کیا لیں گی؟"

ماوی نے ٹرالی پر تفصیلی نظر ڈالی، پھر اس کی طرف دیکھ کر بولی۔

"مجھے جو چاہئے ہوگا، میں لے لوں گی، تم جاؤ۔" ملازمہ ادب سے سر ہلا کر پلٹی، پھر جاتے جاتے رکی۔

"بی بی! آپ کو کسی چیز کی ضرورت ہو تو یہ گھنٹی بجا دیجئے گا۔"

"ہوں...... اچھا سنو۔" ماوی نے کچھ خیال آنے پر اسے پکارا۔ "یہ مستقیم بھائی صاحب زمینوں پر جاتے ہیں تو کب تک واپس آ جاتے ہیں۔ میرا مطلب ہے، اندازاً کتنے گھنٹے لگتے ہیں۔"

"کیا کہہ سکتی ہوں بی بی! مالک لوگ ہیں، اپنی مرضی سے جاتے، اپنی مرضی سے واپس آتے ہیں۔" کلثوم نے جواب دیا۔

"اچھا اس وقت مالکوں میں سے حویلی میں کون کون موجود ہے؟ میرا مطلب ہے مستقیم صاحب کے بھائی وغیرہ؟"

"بی بی! بڑی بیگمیں تو آج شہر گئی ہوئی ہیں، چھوٹی بیبیوں میں تنوی بی بی اور حرم باجی موجود ہیں۔"

"اور مستقیم صاحب کی بیوی؟"

"جی۔ وہ تو حویلی میں نہیں رہتیں۔"

"اچھا...... لیکن کیوں؟"

"ہم ملازم لوگ ہیں بی بی! جتنا معلوم تھا اتنا بتا دیا، اس سے زیادہ بولنے کی نہ ہمیں اجازت ہے، نہ کوئی خبر۔"

"اچھا ٹھیک ہے، تم جاؤ۔" ماوی کو فوراً ہی اپنی غلطی کا احساس ہو گیا تھا کم سے کم کسی ملازمہ کو اسے شک میں مبتلا نہیں کرنا چاہئے اور اس طرح کرید کرید کر سوالات پوچھنا ضرور اسے شک میں ڈال سکتا تھا۔

لیکن جیسے ہی مستقیم صاحب تشریف لائیں، انہیں میری آمد کی اطلاع ضرور دے دینا۔" وہ تاکید کرتی ٹرالی کی طرف متوجہ ہو گئی تھی۔

ایک، دو، تین، چار......

پورے چار گھنٹے گزر چکے تھے، لیکن مستقیم بھٹی کا کچھ پتا نہ تھا۔ اب تو ماوی بھی یوں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بری طرح تھک چکی تھی، اسے کئی بار خیال آیا کہ اسے گیسٹ روم سے نکل کر ذرا حویلی میں گھوم پھر لینا چاہئے۔ یہاں کسی مثبت پذیرائی کی تو اسے ہرگز توقع نہ تھی تو کیا فرق پڑتا اگر وہ حویلی والوں کی اجازت کے بغیر یہاں ذرا تانک جھانک کر لیتی۔

یوں بھی اسے کئی سوچیں درپیش تھیں، مثلاً جنت بی بی سے پہلے اس کے بیٹے ماوی کو دیکھ کر کس طرح کے ردعمل کا اظہار کریں گے؟ کیا

اسے دھکے مار کر حویلی سے نکال دیا جائے گا یا کچھ روز رہنے کی اجازت دے دی جائے گی؟

ابھی وہ یہی سب سوچ رہی تھی کہ ثمینہ کی کال آ گئی۔

''کم سے کم اپنی خیریت کا ایک ایس ایم ایس ہی کر دیتیں ماوی۔''

ثمینہ نے فون پر اس کی آواز سنتے ہیں بے چینی سے کہا تھا، ماوی بے ساختہ زور سے ہنس دی۔

''آپ کا بھی جواب نہیں ہے ممی! خود ہی اٹھا کر یہاں بھیج دیا؟ آپ کو اچھی طرح معلوم ہے، میرے ساتھ کسی بھی قسم کا سلوک ہو سکتا ہے اور اب فکر مند بھی ہو رہی ہیں۔''

''ماؤں کے دل ایسے ہی ہوتے ہیں جب تک اولاد کی خیریت نہ جان لیں پرسکون نہیں ہوتے۔'' ثمینہ نے متانت سے کہا۔ ماوی تلخی سے مسکرا دی۔

''نہیں ممی! ماؤں کے دل ایسے نہیں ہوتے۔'' اس نے دل میں سوچا اور سر جھٹک کر انہیں تازہ ترین رپورٹ سے آگاہ کرنے لگی۔

''یہ تو بہت اچھی بات ہے کہ جنت بی بی حویلی میں موجود نہیں ہے۔ اس کی غیر موجودگی میں تمہیں حویلی والوں سے گھلنے ملنے کا موقع مل جائے گا۔'' پوری بات سننے کے بعد ثمینہ نے کہا تھا۔

''حویلی والوں سے گھلنے ملنے کا موقع تب ملے گا۔ جب مجھے یہاں رہنے دیا جائے گا اور میری چھٹی حس کہہ رہی ہے ممی کہ مجھے دھکے مار کر یہاں سے نکال دیا جائے گا۔''

ثمینہ لحظہ بھر کے لیے چپ سے ہو گئیں۔

''تمہیں ہر قیمت پر حویلی میں قیام کرنا ہے ماوی، اچھی امید رکھو، نتیجہ بھی اچھا ہی ملے گا اور میری بات مانو۔ گیسٹ روم سے نکل کر ذرا باقی حویلی کا جائزہ لو، تمہارے ہاتھ کوئی نہ کوئی پوائنٹ ضرور لگے گا۔'' ثمینہ نے اسے تاکید کی تھی۔

''یہ تو کوئی ویڈیو گیم ہو گئی کہ پوری حویلی کا راؤنڈ لگا کر سراغ اکٹھے کروں۔'' ماوی نے فون بند کرتے ہوئے باآواز بلند سوچا تھا۔

☆☆☆

اینیا ابھی سو کر اٹھی تھی کہ اس کے فون کی بیل بجنے لگی۔ موبائل اٹھا کر دیکھا۔ ولید کا نام جگمگا رہا تھا۔

''کیا تکلیف ہے تمہیں؟'' اینیا نے اسے چڑایا۔ ''ایک ہی گھر میں رہتے ہوئے خود آ کر بات نہیں کر سکتے جو فون کر رہے ہو۔''

''ایک ہی گھر سے کیا مراد ہے؟ میں معیز کے گھر بیٹھا ہوا ہوں۔'' ولید نے کہا۔

''معیز کے گھر کیا کر رہے ہو؟'' اینیا نے اچنبھے سے پوچھا۔

''یار! گھر میں بیٹھا بور ہو رہا تھا، سوچا معیز کے طرف آ کر ذرا کمبائن سٹڈی ہی کر لوں۔''

''اچھا فون کیوں کیا ہے؟''

"میں اپنی یو ایس بی گھر بھول آیا ہوں، تم ذرا میرے کمرے میں جاؤ، رائٹ سائیڈ والی الماری کے سیکنڈ شیلف پر پڑی ہوگی۔ میں معیز کے ڈرائیور کو بھیج رہا ہوں، تم یو ایس بی اسے دے دینا۔"

"اچھا ٹھیک ہے تم ایسا کرو، معیز کے ڈرائیور کے ہاتھ ایک زنگر برگر بھی بھجوادو۔ میں زنگر وصول کر کے یو ایس بی دوں گی۔"

"میں اپنے کمرے سے نکل کر تمہارے کمرے میں جاؤں گی، پھر وہاں یو ایس بی جیسی چھوٹی سی چیز تلاش کروں گی، اچھا خاصا ٹائم لگے گا اور میری انرجی ویسٹ ہوگی۔ زنگر کھا کر کچھ تو حساب کتاب برابر کروں۔" اینیا نے مزے سے کہا تھا۔

"ایک تو تم اتنی بدصورت ہو کہ کسی اینگل (زاویے) سے مجھ جیسے ہینڈسم لڑکے کی اکلوتی بہن نہیں لگتیں، پھر جتنی بدصورت ہو، اس سے کہیں زیادہ بھوکی ندیدی ہو کہ ہر وقت کھانے پینے کے خواب دیکھتی رہتی ہو، میں سوچتا ہوں، اُف! تم اسی طرح ٹھونس ٹھونس کر کھاتی رہیں تو ایک دن پھٹ جاؤ گی۔"

ولید نے فوراً تصویر کا منفی رخ اسے دکھایا۔ وہ چڑنے کی بجائے مزے سے بولی۔

"اس بات کی تم فکر نہ کرو، بس زنگر بھیجو، ایسا نہ ہو کہ تمہاری قیمتی یو ایس بی تمہاری الماری سے ایسی غائب ہو کہ دوبارہ ملے ہی نہیں۔" انداز صاف دھمکانے والا تھا۔

ولید نے چڑنے کے باوجود پسپائی اختیار کر لی۔

"مرو تم۔ بھیجتا ہوں زنگر...... اللہ کرے، ہضم ہی نہ ہو۔"

اینیا نے ہنستے ہوئے فون بند کیا اور اٹھ کر اس کے کمرے میں آ گئی کہ ولی اور ولید کا کمرہ مشترکہ تھا، لیکن الماریاں ان دونوں کے جھگڑوں کی وجہ سے ممی نے الگ الگ کر دی تھیں۔

اینیا نے پہلے میوزک سسٹم آن کیا، پھر ولید کی الماری کھول کر یو ایس بی تلاش کرنے لگی۔ یو ایس بی تلاش کرنے میں اسے زیادہ وقت کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ وہ پہلے کیبنٹ میں بالکل سامنے ہی پڑی تھی۔ اینیا اپنی جھونک میں جوں ہی یو ایس بی اٹھا کر پلٹنے لگی بے دھیانی میں اس کا ہاتھ لگنے سے قریب رکھا پیکٹ گر گیا۔ اینیا نے قدرے جھنجلا کر پیکٹ اٹھانا چاہا تو پیکٹ کے کھلے منہ سے ایک چھوٹا سا بکس نیچے گرا۔ اینیا کی آنکھوں میں الجھن سمٹ آئی تھی، اس نے بکس اٹھا کر کھولا۔ آنکھوں میں پہلی الجھن بڑھ گئی تھی، کیونکہ اس کے اندر چند سگریٹ اور ایک اسٹائلش سا لائٹر پڑا ہوا تھا۔

☆☆☆

اگلے ایک گھنٹہ مزید انتظار کرنے کے بعد ماوی گیسٹ روم سے باہر آ گئی، اعتماد اس کے اندر بہت تھا، مگر وہ تھوڑی سے جھجک محسوس کر رہی تھی، پھر بھی وہ اطمینان اور بے تکلفی سے چہل قدمی کرتی اردگرد کا جائزہ لینے لگی۔ حویلی کیا تھی، پورا محل ہی تھا۔ خوبصورت اونچی اونچی چھتیں، منقش دریچے اور شہتیر، سجی ہوئی دیواریں...... ماوی جس ماحول کی پروردہ تھی، وہاں ایسے عالی شان گھر دیکھنے کو نہیں ملتے۔ وہ یہاں کی امارت دیکھ کر اچھی خاصی متاثر ہو رہی تھی (مرعوب نہیں)

لیکن ایک بات جو اس نے محسوس کی، وہ یہ تھی کہ یہاں عجیب طرح کی ویرانی محسوس ہوتی تھی، گو کہ ملازم بھی چلتے پھرتے کام کرتے دکھائی دے رہے تھے۔ مگر پھر بھی ایسا لگتا جیسے در و دیوار سے عجیب سی مُردنی لپٹی ہوئی ہو۔

ماوی مزے سے آزادانہ یہاں وہاں گھومتی رہی، یکا یک اسے عجیب سا احساس ہوا اور وہ یہ کہ اس راہداری سے غالباً وہ تیسری مرتبہ گزر رہی تھی۔ یہ خیال آتے ہی بے اختیار اس نے اپنا سر پیٹ لیا۔ اتنی بڑی حویلی تھی اور وہ حویلی کی بھول بھلیوں میں یقیناً گم ہو چکی تھی۔

اس نے دوبارہ اسی راستے پر چلنا شروع کیا۔ مگر مزید تین چکر لگا لینے کے باوجود اسے گیسٹ روم تک رسائی حاصل نہ ہو گی۔ تھک ہار کر وہ راہداری سے منسلک برآمدے کی سیڑھیاں اتر کر کھلے صحن میں آ گئی۔ صحن پر جھکے ہوئے آسمان کی نیلاہٹوں میں شام کی سیاہیاں گھلنا شروع ہو چکی تھی۔ حویلی کا یہ حصہ باقی حصے سے قدرے الگ تھلگ تھا۔ سرخ اینٹوں کا فرش تھا۔ بالکل درمیان میں پختہ اینٹوں کا کنواں تھا اور صحن کے دائیں طرف گولائی کے رخ پر کچھ کمرے بنے ہوئے تھے۔ کمروں کے دروازے پرانی وضع کے اور چھوٹے تھے۔ کنویں سے کچھ فاصلے پر ایک درخت تھا اور درخت سے چند قدم دور ہاتھ والا نلکا تھا، جس کے پاس چند برتن پڑے ہوئے تھے۔

کمرے گو کہ صحن کے رخ پر تھے۔ مگر ان کے دروازوں کو دیکھ کر عجیب سی ویرانی کا احساس ابھرتا تھا۔ ماوی کسی عجیب سے احساس کے ساتھ ان بند دروازوں کی دیکھتی کنویں تک آ گئی اور کنویں کی منڈیر پر ہتھیلیاں جما کر کنویں کے اندر جھانکا، کنویں کا دہانہ اگرچہ کھلا ہوا تھا، لیکن روشنی کی لکیریں چند فٹ نیچے جا کر تاریکی میں مدغم ہو جاتی تھیں۔

ابھی اس تاریکی میں ڈوبے منظر نے ماوی کے دل پر ہیبت پھیلانا شروع کی تھی کہ معاً کسی چیز کے زور سے گرنے کی آواز سنائی دی۔ ماوی اپنی جھونک میں تھی، اس غیر متوقع دھماکے پر بری طرح گھبرا کر سیدھی ہوئی۔ ساتھ ہی اس نے گردن موڑ کر ان کمروں کی طرف دیکھا، کیونکہ آواز اسی طرف سے آئی تھی اور یہ دیکھ کر اس کی حیرانی کی انتہا نہ رہی کہ ایک کمرے کے سامنے بے حد معمولی لباس میں ملبوس ایک لڑکی کھڑی تھی۔ اس کا چہرہ بری طرح حواس باختہ دکھائی دیتا تھا اور اس کے ہاتھوں سے برتنوں کی ٹرے چھوٹ کر گر چکی تھی۔ یہ شور ان ہی برتنوں کے گرنے سے ابھرا تھا۔ ماوی کو اپنی طرف دیکھتا پا کر اس نے پلٹ کر جھٹ پٹ دروازہ بند کر کے تالا لگایا اور چابی گریبان میں اڑس لی۔ پھر سرعت سے جھک کر برتن اٹھا کر ٹرے میں رکھے اور تیز تیز قدم اٹھاتی اس کے پاس آ گئی۔

''آ...... آپ کون ہیں جی؟'' اس نے گھبرائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

''کمال ہے بھئی! اتنی زور سے برتن گرا کر ڈرا تم نے مجھے دیا ہے اور ہوائیاں بھی تمہارے اپنے چہرے پر اڑ رہی ہیں۔'' ماوی نے اپنے مخصوص انداز میں تاثر اتھا، وہ بے چاری پہلے ہی گھبرائی ہوئی تھی، اس انداز اور لہجے پر مزید گھبرا گئی۔

''معاف کر دیں بی بی! وہ میں آپ کو دیکھ کر ڈر گئی تھی۔'' اس نے گھبراہٹ زدہ لہجے میں کہا تھا۔

''کیا میں اتنی ڈراؤنی ہوں۔'' ماوی نے صدمے سے چور لہجے میں پوچھا۔

''نہیں بی بی! وہ میں تو جی......'' وہ بے چاری بری طرح بوکھلا گئی۔

ماوی ہنس دی۔

"ٹھیک ہے بھئی۔اس میں اتنا گھبرانے کی تو کوئی بات نہیں ہے، میں سمجھ گئی، تم اچانک مجھے سامنے دیکھ کر ڈر گئی تھیں۔"

وہ زور زور سے اثبات میں سر ہلانے لگی۔یعنی بہت تھا کہ یہ شکل اور حلیے سے مالکوں کی مہمان دکھائی دینے والی بی بی اس کی بات سمجھ گئی تھی۔

"اچھا سنو...... میں گیسٹ روم میں ٹھہری ہوئی ہوں۔ایسے ہی باہر نکلی تھی تو راستہ بھول کر اس طرف آ گئی۔تم مجھے گیسٹ روم تک پہنچا دو گی؟"

"اچھا اچھا......وہ سر پر ہاتھ مار کر خوش ہوئی۔

"میں بھی کہوں، آپ اس طرف کس طرح آ گئیں۔اس طرف کو کسی کو آنے کی اجازت نہیں ہے۔رستہ بھول کر آئی ہوں گی۔"

"کیوں بھئی۔یہ کیا علاقہ غیر ہے جو یہاں کسی کو آنے کی اجازت نہیں ہے۔" ماوی نے تعجب سے ادھر ادھر دیکھا۔"اور اگر ادھر آنے کی اجازت نہیں ہے تو تم یہاں کیسے آ گئیں؟"

"وہ جی میں...... میں تو......" وہ از سر نو سٹپٹائی پھر سنبھل کر بولی۔"میں آپ کو گیسٹ روم تک پہنچا دیتی ہوں۔"

صاف لگ رہا تھا کہ وہ ماوی کے سوال کو ٹال رہی ہے۔ماوی نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے ایک گہری نظر اس لڑکی پر اور دوسری بند دروازوں پر ڈالی جن پر پھیلی پراسراریت اسے ابہام میں مبتلا کر رہی تھی۔

تین چار مختصر اور طویل راہداریاں عبور کرنے کے بعد اس لڑکی نے ماوی کو گیسٹ روم کے دروازے تک پہنچا دیا۔ماوی نے پلٹ کر اس کا نام دریافت کرنا چاہا تو وہ گدھے کے سر سے سینگوں کی طرح آن کی آن ہی میں غائب ہو چکی تھی۔

"عجیب لڑکی ہے۔" ماوی نے تعجب سے سوچا تھا۔

☆☆☆

ولید بڑے خوشگوار موڈ کے ساتھ گھر میں داخل ہوا تھا۔وہ انگلی پر کی چین گھما رہا تھا اور کوئی ہٹ نمبر بھی گنگنا رہا تھا۔لیکن لاؤنج میں قدم رکھتے ہی وہ بری طرح ٹھٹھکا۔اینیا لاؤنج میں چکر پہ چکر لگا رہی تھی اور پریشانی اس کے چہرے سے ہویدا تھی۔

"تمہیں کیا ہوا ہے؟......فرش کس خوشی میں گھس رہی ہو......اچھا اچھا سمجھ گیا، لگتا ہے میری بددعا اثر کر گئی ہے......زنگر ہضم نہیں ہوا ناں؟"

اینیا نے رک کر گہری نظروں سے اسے دیکھا پھر میز سے سگریٹ کی ڈبیا اٹھا کر اس کے سامنے کر دی۔

"یہ کیا ہے؟"

"سگریٹ ہے......اُف! تم سموکنگ کرنے لگی ہو، تمہیں شرم نہیں آتی۔" ولید کا انداز سنجیدہ لیکن آنکھوں سے شرارت جھانکتی تھی۔اینیا کے تلووں سے لگی تو سر پر جا کر بجھی۔

"شرم مجھے نہیں تمہیں آنا چاہئے۔کیونکہ یہ سگریٹ مجھے تمہاری الماری سے ملے ہیں۔" اینیا نے خاصے طنز اور غصے بھرے لہجے میں کہا۔

"اوہ......" ولید ایک آن میں سمجھ گیا۔

"دھت تیرے کی...... میں کیسے بھول گیا کہ یہ سوغات الماری میں رکھی ہوئی ہے۔" اس نے دل ہی دل میں خود کو کوسا۔

"اس میں شرم کی کیا بات ہے، الماری میں سگریٹ پڑے ہونے کا یہ مطلب تو ہر گز نہیں ہوتا کہ میں پینے بھی لگا ہوں۔" اگلے ہی پل اس نے بات سنبھالی۔ "یہ معیز کی ہے، تم یو ایس بی کے ساتھ ہی بھجوا دیتیں۔"

"ہاں تا کہ تم لوگ معیز کے گھر بیٹھ کر سگریٹ پینے کا شوق پورا کرتے۔ میں بھی سوچ رہی تھی کہ یہ یکا یک کمبائن سٹڈی کا بخار کیسے چڑھ گیا۔"

"توبہ توبہ...... اتنا شک......" ولید نے مذاق اڑانے والے انداز میں کانوں کو ہاتھ لگائے۔

"مجھے باتوں میں مت ٹالو ولید۔" اینیا نے پہلے سے زیادہ سنجیدگی سے کہا تھا۔ "مجھے سچ سچ بتاؤ، کیا تم اسموکنگ کرنے لگے ہو؟"

"نہیں یار......" ولید نے زور دے کر کہا لیکن لہجہ کمزور تھا۔

"جھوٹ سراسر جھوٹ۔" اینیا نے صدمے سے کہا۔

"تمہیں کیسے پتا، میں جھوٹ بول رہا ہوں؟" ولید چڑ گیا تھا۔

"کیونکہ سچ نظریں چرا کر نہیں بولا جاتا۔"

"ایک تو تم اور تمہارے فلسفے۔" ولید جھنجلا کر اپنے کمرے کی طرف بڑھا۔

"تمہیں اچھی طرح پتا ہے کہ ہماری فیملی کس کرائسز سے گزر رہی ہے۔ ممی یہاں نہیں ہیں۔ ڈیڈی ہر چیز ہر بات سے لاتعلق ہوئے بیٹھے ہیں۔ ایسے میں تمہاری حرکتیں......" وہ ابھی یہاں تک ہی پہنچی تھی کہ ولید نے اس کے ہاتھ سے سگریٹ جھپٹ لیے۔

"کون سی حرکتیں؟" ولید کا انداز بے حد پر طیش تھا۔ اینیا چپ سے رہ گئی۔ "میں بتا تو چکا ہوں۔ یہ سگریٹ میرے نہیں ولید کے ہیں۔ اس نے رکھوائے تھے میرے پاس۔ واپس دینا یاد نہیں رہا اور تم ہو کہ تلقین شاہ بن کے نصیحتیں کرنے لگی ہو......"

اس نے اشتعال بھرے انداز میں کہا اور زور زور سے پیر پٹختا اپنے کمرے میں چلا گیا، صرف یہی نہیں زوردار طریقے سے دروازہ بھی بند کیا۔

اینیا وہیں سر پکڑ کر بیٹھ گئی کیونکہ وہ جانتی تھی۔ ولید جھوٹ بول رہا ہے۔

☆☆☆

"ماوی رجب علی!" مستقیم بھٹی نے اس نام پر بری طرح چونکتے ہوئے زیر لب دوہرایا تھا۔ ان کا گارڈ موبائل پر حویلی کے کل وقتی ملازم خادم نواز سے بات کر رہا تھا۔

"مستقیم بھٹی نے ہاتھ بڑھا کر فون اس سے لے لیا۔

"بولو خادم نواز! کوئی لڑکی آئی ہے۔ اپنا نام ماوی رجب علی بتاتی ہے کہتی ہے، آئر لینڈ سے آئی ہوں۔ بڑی چوہدرائن سے ملنا چاہتی تھی پھر بولی آپ سے ملاقات کرے گی۔ ہمارے لیے کیا حکم ہے چوہدری صاحب!"

"تم اسے حویلی میں ٹھہراؤ اور بولو، ہمارا انتظار کرے...... جب تک ہم واپس نہ آجائیں، اسے واپس جانے نہیں دینا۔" مستقیم بھٹی نے

ہدایت جاری کر کے فون گارڈ کو پکڑا دیا۔

"ڈرائیور! فارم ہاؤس کی طرف گاڑی موڑ لو۔ شبیہ صاحب کو پک کر کے حویلی جانا ہے......"

"صاحب! بارانی زمین......" ڈرائیور نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں...... وہ پھر کبھی۔" مستقیم بھٹی نے مختصراً کہا اور بند شیشے سے باہر بھاگتے دوڑتے مناظر دیکھنے لگے۔ ان کی پیشانی پر سوچ کی لکیریں بکھری تھیں۔ کتنے عرصے بعد یہ مانوس نام سماعت سے ٹکرایا تھا۔ متعجب ہو جانا عین فطری تھا۔

"رجب علی......! کیا نام تھا رجب علی کی بیٹی کا؟...... اور کیا یہ واقعی رجب علی کی بیٹی ہے یا کوئی اور...... اور اگر واقعی اس کا تعلق رجب علی سے ہے تو اچانک کہاں سے آ گئی۔"

انہیں کئی سوچیں درپیش تھیں اور پیشانی پر ان گنت لکیروں کا جال بچھا تھا۔

☆☆☆

دور آسمان پر ایک ستارہ ابھر رہا تھا۔

فیضان کی نظریں اس ابھرتے تکتے سے چپک کر رہ گئیں۔ پھر جب آسمان بالکل تاریک ہو گیا اور چمک دار تکتے ہر جگہ دکھائی دینے لگے تو انہوں نے جیب سے سگریٹ اور لائٹر نکالا۔ معمولی سی رگڑ سے ننھا سا شعلہ ابھرا اور سگریٹ سلگا کر اپنی موت آپ مر گیا۔

فیضان نے ایک کے بعد دوسرا سگریٹ سلگایا پھر تیسرا...... بالآخر اکتا گئے اور چوتھا سگریٹ یونہی ایش ٹرے میں مسل دیا۔ انہیں کوئی سوچ لاحق تھی عجیب سی بے چینی، جیسے کچھ کھو دیا ہو، کوئی چیز گنوا دی ہو۔

حالانکہ ان کی زندگی میں تھا ہی کیا۔ جسے کھو دینے کے بعد ایسی بے چینی لاحق ہوتی۔

بعض اوقات کسی چیز کے حصول کے لیے انسان ساری زندگی جدوجہد کرتا رہتا ہے اور جب وہ چیز مل جاتی ہے تو انسان سوچتا ہے، یہ تو کوئی چیز ہی نہیں تھی جس کے لیے اتنی محنت کی اور بعض اوقات کسی چیز کو انسان ایک نظر میں رد کر دیتا ہے اور انجام کار اسے پتا چلتا ہے۔ یہی تو زندگی کا حاصل تھا۔

انسانوں اور چیزوں میں زیادہ فرق نہیں ہوتا۔ شاید اسی لیے بعض اوقات انسان، دوسرے انسانوں کو چیزوں کی طرح رد کر دیتا ہے۔

انہوں نے اینیا کے ساتھ یہی کیا تھا۔

اور اب انہیں پچھتاوے ستانے لگے تھے۔ یہ نہیں کہ دل اس کا نام لیوا تھا بس یہ تھا کہ ضمیر کی چبھن معذرت کے چند بول ادا کر دینے کے باوجود کم نہ ہوتی تھی۔ وہ سادہ و معصوم سی لڑکی تھی۔

اس کی سادگی کو تو وہ پہلی ملاقات میں ہی بھانپ چکے تھے جب وہ جھکی نظروں کے ساتھ اپنے لان کے متعلق ان سے استفسار کر رہی تھی۔ پھر اس کے جھجک آمیز انداز اور آخر کار اظہار کے وہ چند لفظ جن پر فیضان اتنی بری طرح ردعمل ظاہر کر چکے تھے کہ کوئی خود آگاہ لڑکی ہوتی تو پلٹ کر ان کی شکل دیکھنا تو دور کی بات ہے، آواز سننا بھی گوارا نہ کرتی۔

لیکن وہ اینیا تھی شاید عام لڑکیوں سے مختلف اور بہت خاص۔ تب ہی تو دل پلٹ پلٹ کر اس کی طرف جا رہا تھا اور فیضان کو اس صورت حال نے پریشان کر دیا تھا۔

کتنے سالوں میں انہوں نے اپنے اردگرد جو بے حسی کی چار دیواری کھڑی کی تھی، اس کی بنیادیں کمزور پڑنے لگی تھیں۔ ان کا پریشان ہونا کچھ ایسا معمولی امر بھی نہ تھا۔

☆☆☆

"آپ کو پتا ہے حرم آپا! باہر بی جان سے ملنے کوئی لڑکی آئی ہے۔" اپنے اور حرم کے مشترکہ کمرے میں واپس آ کر تنوی نے اطلاع دینے والے انداز میں کہا تھا۔

حرم نے ذرا کتاب سے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔

"تو اس میں اتنا حیران کا ہونے کی کیا بات ہے۔ بی جان سے پہلی بار ملنے تو کوئی آیا نہیں آیا۔ ان کے مہمان تو آتے رہتے ہیں۔"

"ہاں۔ حیرانی کی بات تو کوئی نہیں ہے لیکن مجھے لگتا ہے، میں نے اس لڑکی کو پہلے بھی کہیں دیکھا ہے۔" تنوی پرسوچ انداز میں کہہ رہی تھی۔ حرم نے اس کی بات کا کوئی خاص نوٹس نہیں لیا۔ وہ بری طرح کتاب میں منہمک تھی۔

تنوی آڑی ترچھی بیڈ پر لیٹ کر چھت کی طرف دیکھتے ہوئے کچھ سوچنے لگی۔ چہرے پر سوچ کر پر چھائیاں بڑی واضح تھیں۔

"پتا ہے حرم آپا! میں ہمیشہ سے اس لڑکی کی طرح بننا چاہتی تھی لیکن، لیکن میں جانتی ہوں میں کبھی ایسی نہیں بن سکتی...... اتنی بولڈ۔ اتنی پر اعتماد۔" بڑی دیر بعد تنوی نے سرگوشی کے انداز میں کہا۔ اس کا لہجہ حسرت آمیز تھا۔

حرم نے گردن موڑ کر قدرے تعجب سے اسے دیکھا۔

"کون لڑکی؟"

"وہی جو بی جان سے ملنے آئی ہے۔"

"اچھا اچھا......" حرم کو یک دم یاد آیا کہ وہ ابھی کچھ دیر پہلے آگاہ کر چکی ہے۔ "لیکن اس لڑکی میں کیا خاص بات ہے کہ تم اس جیسی بننا چاہتی ہو۔"

"وہ پر اعتماد ہے آپا! آپ اسے دیکھیں گی تو آپ کو پتا چلے گا۔ اسے دیکھ کر لگتا ہے وہ زندگی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مقابلہ کر سکتی ہے۔ کسی بھی طرح کے نامساعد حالات آ جائیں، وہ گھبرائے گی نہیں، حرم آپا! میں اتنی کانفیڈنٹ کیوں نہیں ہوں۔" اس کا انداز ابھی بھی حسرت لیے ہوئے تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ اب اس حسرت میں جھنجلاہٹ کا اضافہ بھی ہو گیا تھا۔

"تم بھی کانفیڈنٹ ہو تنوی!" حرم نے اسے بہلایا تو وہ مزید چڑ گئی۔

"آپ مجھے بچوں کی طرح نہ بہلائیں۔ بچی نہیں رہی میں۔ اب بڑی ہو گئی ہوں۔"

"اچھا اماں بی! حرم ہنس دی۔" یہ بتاؤ۔ وہ لڑکی واپس چلی گئی۔"

"نہیں میں نے اس کا سامان گیسٹ روم میں رکھوا دیا ہے۔"

"ارے! تم پاگل ہو گیا؟ جب بی جان (جنت بیگم) ہی یہاں نہیں ہیں تو اسے ٹھہرانے کی کیا ضرورت تھی؟"

"وہ مستقیم ماموں سے ملنا چاہ رہی تھی۔ بتا رہی تھی کہ آئر لینڈ سے آئی ہے۔ میں نے سوچا، ضرور کوئی خاص ملاقاتی ہو گی ورنہ اتنی دور سے کوئی مہمان بنا اطلاع دیئے تو نہیں آسکتا۔ سی لیے میں نے اسے گیسٹ روم میں ٹھہرا دیا کہ جب تک ماموں نہیں آجاتے، وہ آرام کرے۔" تنوی نے تفصیل سے بتایا۔

"ہوں!" حرم نے پر سوچ انداز میں کہا۔ "ایسا کرو...... ویسے تو خادم (ملازم) بڑے ابا کو مہمان کی آمد کے متعلق آگاہ کر چکا ہو گا لیکن تم بھی ایک بار انہیں فون کر دو...... زمینوں پر جب جاتے ہیں تو واپسی کا کچھ پتا نہیں ہوتا اور پھر آج تو شبیہ بھی ان کے ساتھ ہے۔ کیا خبر رات کو واپسی کا ارادہ ہی نہ ہو۔"

تنوی حرم کے منہ سے شبیہ کا حوالہ سن کر چونک گئی۔

"شبیہ بھائی کب آئے؟"

"وہ تو کل سے آیا ہوا ہے۔ تمہیں نہیں پتا؟" حرم نے بتا کر پوچھا۔ تنوی نے نفی میں سر ہلا دیا۔ حرم شرارت سے ہنس دی۔

"اتنی بے خبری بھی اچھی نہیں ہوتی جانم! تھوڑی باخبر رہا کرو خصوصاً شبیہ العباس کے معاملے میں۔"

تنوی جھینپ سی گئی۔

"اب کوئی ایسا ضروری بھی نہیں کہ خبریں رکھوں۔"

اس نے قدرے بن کر کہا تھا۔ حرم پھر ہنس دی۔

"اچھا چھوڑو اس بات کو۔ بڑے ابا کو فون کر دو اور اگر وہ ریسیو نہ کریں تو شبیہ کے نمبر پر کر دینا۔ وہ دل سے زیادہ قریب رکھتا ہے اپنا سیل فون۔" تنوی نے حرم کا سیل فون اٹھا کر مستقیم ماموں کا نمبر ملایا۔ دل میں خواہش سی جاگی تھی کہ وہ فون ریسیو نہ کریں اور اس ستمگر کی آواز سننے کو مل جائے۔ لیکن اف کچھ خواہشات کس طرح پوری ہو جاتی ہیں کہ دل خوشی سے بے قابو ہی ہونے لگتا ہے۔

مستقیم ماموں کے نمبر پر کال تو اٹینڈ ہوئی لیکن آواز شبیہ العباس کی تھی۔ تنوی کے دل میں بے ساختہ خوشی جاگی۔

"ہیلو...... حرم! بولو بھی یا کال ملا کر سو گئی ہو۔" وہ مستقل ہیلو ہیلو کرتے رہنے کے بعد اکتا کر بولا تھا۔

"وہ...... حرم آپا نہیں ہیں، میں بول رہی ہوں۔" تنوی نے جلدی سے کہا تھا۔

"میں کون؟...... تمہارا کوئی نام بھی ہے یا نہیں؟" حسب عادت چڑ کر پوچھا گیا۔ بے چاری تنوی اپنا سا منہ لے کر رہ گئی۔ عبیر کہتی تھی جن سے دل کا تعلق ہو، وہ تو خاموشی تک پہچان لیتے ہیں گو کہ اس وقت تنوی کو یہ بات بڑی افسانوی سی لگی تھی اور اسے اس بات پر یقین بھی نہیں آیا تھا لیکن

اب دل چاہ رہا تھا کہ کاش عمیر کی کہی بات سچ ہو لیکن تف ہے ہمی ایسی افسانویت وردمانویت پر...... وہ تو آواز سن کر بھی نہ پہچانا۔ خاموش رہتی تو خاک پہچانتا۔

''تنوی بول رہی ہوں۔ مستقیم ماموں کو بتادیں۔ حویلی میں ان کے مہمان آئے ہوئے ہیں۔ جلداز جلد حویلی پہنچ جائیں۔'' اس نے بددلی سے کہہ کرفون بند کردیا اور پلنگ پر لیٹ کر پھر سے چھت کو گھورنے لگی۔

☆☆☆

ماوی تھک ہار کر ایک بار پھر گیسٹ روم سے باہر آگئی تھی۔

برآمدے سے آگے حویلی کا مرکزی باغ تھا۔ دور دور تک پھیلی ہوئی گھاس جو ابتدائی رات کے منظر میں کاہی مائل دکھائی دیتی تھی بڑے بڑے درخت جو بھوتوں کی طرح تنے کھڑے تھے۔ ہر طرف نامانوس سے اندھیرے کا راج تھا۔ وہ برآمدے کی سیڑھیوں میں بیٹھ گئی اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اردگرد کوئی بھلا منظر تلاش کرنے لگی۔

خدا معلوم کیا وجہ تھی کہ اتنی بڑی حویلی کی لائٹیں بھی ابھی تک نہیں جلائی گئی تھیں۔

وہ یہی سب سوچ رہی تھی کہ معاً پھاٹک کے اس طرف تیز روشنیاں چمک اٹھیں۔ چوکیدار اور گارڈ پھرتی سے پھاٹک کھولنے لگے۔ لینڈ کروزر فراٹے بھرتی اندر آگئی تھی۔

ماوی بے ساختہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کا دل اچانک کچھ عجیب انداز میں دھڑکنے لگا تھا۔ تھوڑی سے بے چینی، ذرا سی گھبراہٹ اور شاید ایکسائٹمنٹ۔

ملازم نے بڑھ کر پچھلی طرف کے دروازے کھول دیئے تھے۔ سفید رنگ کے لباس میں ملبوس مستقیم بھٹی اس کے سامنے تھے۔ لمبے چوڑے مضبوط کاٹھی اور بہترین شخصیت کے مالک۔

ماوی کی نظروں میں پسندیدگی ابھری تھی اسی وقت برآمدے اور لان کی آرائشی لائٹیں جل اٹھی تھیں۔ مستقیم بھٹی نے ملازم کی بات سنتے ہوئے اس کی طرف دیکھا تھا۔ ماوی تیز قدموں سے چلتی جلداز جلد ان تک پہنچنا چاہتی تھی لیکن اسی پل اس نے گاڑی کے متوازی سمت سے شبیہ العباس کو آتے دیکھا تھا۔ ماوی کا حلق تک کڑوا ہو گیا۔ کیا ضروری تھا کہ پہلے ہی روز اس سڑیل سے ٹکراؤ ہوتا؟

''یہ لڑکی یہاں کیا کر رہی ہے؟'' شبیہ العباس نے کسی قدر حیران ہوتے ہوئے جیسے خود کلامی کے انداز میں کہا تھا۔

''تم اسے جانتے ہو؟'' مستقیم بھٹی نے متعجب ہو کر پوچھا۔

''زیادہ تو نہیں لیکن...... خادم! یہ لڑکی کون ہے اور حویلی میں کیا کر رہی ہے؟'' شبیہ نے الجھن بھرے انداز میں کہتے ہوئے ملازم سے پوچھا۔

چھوٹے چوہدری! یہ دوپہر سے آئی بیٹھی ہے۔ بڑی چوہدرائن سے ملنا چاہتی ہے۔ ہم نے بتایا کہ وہ حویلی میں موجود نہیں ہیں تو حویلی

کے باقی مالکوں سے ملنے پر اصرار کرنے لگی۔ مجبوراً ہمیں اسے اندر بٹھانا پڑا، پھر تنوی بی بی نے بولا کہ اسے گیسٹ روم میں ٹھہرا دو۔" خادم نے بھاری، مؤدب آواز میں جواب دیا تھا۔

"ہوں......نام کیا بتاتی ہے؟" مستقیم بھٹی نے دور متذبذب سی کھڑی ماوی کو دیکھتے ہوئے پرسوچ انداز میں کہا۔

"جی! ماوی رجب علی۔"

مستقیم بھٹی نے ایک اور پرسوچ ہنکارہ بھرا۔ مانوس نین نقش، بولتی ہوئی سی، کسی کی یاد دلاتی ہوئی سی پیشانی، وہی ذہانت کی چمک لیے ہوئے آنکھیں۔ شک وشبہ کی گنجائش و نہ تھی۔ جو بھی تھا سامنے کی بات تھی۔

لیکن پھر بھی کچھ ایسا تھا جو انہیں کشمکش میں ڈال رہا تھا۔

"مہمان کو مہمان خانے میں لے چلو خادم!" انہوں نے ملازم سے کہا۔

"لیکن بابا......" شبیہ نے کچھ کہنا چاہا۔ مستقیم بھٹی نے ہاتھ کے خفیف سے اشارے سے اسے بولنے سے روک دیا۔

"مجھے اس سے بات کرنے دو شبیہ!"

شبیہ کچھ کہنا چاہتا تھا، لیکن خاموش رہا اور مستقیم بھٹی کے پیچھے چل دیا۔

☆☆☆

"ابا جان کی وفات کے بعد ممی مجھے دبئی لے گئی تھیں، بلکہ یوں کہنا زیادہ مناسب رہے گا کہ فیاض ماما ہم دونوں کو اپنے ساتھ دبئی لے گئے تھے۔ کچھ عرصے دبئی میں رہے، پھر وہاں سے قطر اور اب آئرلینڈ......لیکن اس دوران میں اپنے دل سے پاکستان آنے کا خواب نکال نہیں سکی۔ مجھے بے حد شوق تھا کہ اس ملک، اس علاقے کو دیکھوں جہاں بابا جان پیدا ہوئے تھے اور پلے بڑھے تھے۔ مجھے وہ انسٹی ٹیوٹ دیکھنے کا بھی بہت شوق تھا، جہاں انہوں نے تعلیم حاصل کی۔"

ماوی بہت ٹھہر ٹھہر کر اور تحمل سے بول رہی تھی اور مستقیم بھٹی کی زیرک نگاہیں بغور اس کا جائزہ لے رہی تھیں۔

"ممی کے واپس آئرلینڈ جانے سے پہلے ہی میں نے یہاں ایڈمیشن لے لیا تھا، لیکن جیسے ہی ممی نے جانے کا ارادہ کیا، میں نے اسی روز حویلی آنے کا فیصلہ کر لیا۔ یہ کیسے ممکن تھا کہ میں اس ملک میں آؤں اور انسٹی ٹیوٹ کو دیکھے بغیر چلی جاؤں، گاؤں نہ دیکھوں، جہاں میرے بابا جان کی یادیں وابستہ ہیں اور اس مکان کو نہ دیکھوں جہاں میرے بابا بروٹ اپ ہوئے تھے۔" اس نے چند لمحوں کا توقف کیا اور جانچتی نظروں سے مستقیم بھٹی کا جائزہ لیا۔

"آپ سے صرف اتنی ریکوسٹ ہے کہ مجھے چند روز یہاں رہ لینے دیں۔ بابا جان کی حویلی کو دیکھ لوں، ان سے وابستہ افراد سے مل لوں، اس کے بعد میں واپس چلی جاؤں گی۔"

اس نے بہت سوچ سمجھ کر اسکرپٹ تیار کیا تھا۔ فرق صرف اتنا تھا کہ اس اسکرپٹ کی حیثیت تاش کے پتوں کے قلعے کی سی تھی۔ دیکھنا صرف یہ تھا کہ قلعہ قائم رہتا ہے یا انکار کی ایک پھونک سے ڈھے جاتا ہے۔

"آپ کو ریکویسٹ کرنے کی ضرورت نہیں ہے بیٹے! اس حویلی پر آپ کا بھی اتنا ہی حق ہے جتنا کہ اس حویلی میں رہنے والے باقی افراد کا ..... بلکہ اگر میں کہوں کہ اس حویلی پر آپ کا ہم سب سے زیادہ حق ہے۔ رجب بھائی صاحب کی وجہ سے تو یہ بھی غلط نہیں ہوگا۔"

مستقیم بھٹی کا نرم مگر مہربان لہجہ ماوی کو اس کے تمام تر اعتماد کے باوجود ہونق بنا گیا تھا۔

"جی...... میں کچھ سمجھی نہیں۔" اس نے جھجکتے ہوئے کہا۔ مستقیم بھٹی آہستگی سے ہنس دیئے، جیسے کسی بچے کی بات پر ہنسا جاتا ہے۔

"اوہ تھینک یو سو مچ مستقیم صاحب!"

"ارے! یہ تو بہت ہی غیریت والا طرز تخاطب ہے۔ آپ کے اور میرے درمیان ایک بہت ہی خوبصورت اور قابل احترام رشتہ ہے۔ چچا، باپ کے برابر ہی تو ہوتا ہے۔ مجھے اچھا لگے گا، اگر آپ مجھے اسی رشتے کے حوالے سے پکاریں۔"

"جی ضرور......" ماوی اس بار بھی اپنے ہونق پن پر پوری طرح قابو نہیں پا سکی تھی۔ لیکن چونکہ مستقیم بھٹی کسی اور ہی دھن میں تھے، لہٰذا انہوں نے ماوی کی تاثرات کا کچھ خاص نوٹس نہ لیا۔

"رجب بھائی صاحب کے ساتھ اگرچہ ہمیں زیادہ وقت گزارنے کا موقع نہیں ملا لیکن ان کے حوالے سے کچھ بہت اچھی یادیں بہر حال میرے حافظے میں موجود ہیں۔ آپ کو بھی یوں اچانک سامنے دیکھ کر میں بہت خوش ہوں۔ بھائی صاحب کے حوالے سے آپ ہمیں عزیز بھی بہت ہو ..... مجھے امید ہے اماں بھی آپ سے مل کر بہت خوش ہوں گی۔" ماوی ان کے پرخلوص لہجے پر محض مسکرا ہی سکی تھی۔

"میں ملازمہ سے کہہ کر آپ کا سامان گیسٹ روم سے اندرونی کمرے میں بھجوا دیتا ہوں۔ رات کے کھانے پر باقی سب سے بھی آپ کی ملاقات ہو جائے گی۔ اس وقت آپ آرام کرنا چاہو تو بصد شوق......"

مستقیم بھٹی نے اپنی جگہ سے کھڑے ہوتے ہوئے کہا تھا۔ ماوی بھی دل ہی دل میں متعجب ہوتے ہوئے احتراماً اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ایک بات اور......" مستقیم بھٹی دروازے کی طرف جاتے ہوئے پلٹے۔

"یہ حویلی آپ کی ہے۔ اس حویلی میں رہنے والے افراد بھی آپ کے اپنے ہیں، لہٰذا آپ کو...... کسی بھی قسم کی جھجک محسوس کرنے کی ضرورت ہرگز نہیں ہے۔ جیسی اس حویلی کی باقی بچیاں ہیں، ویسی ہی آپ بھی ہیں۔"

اپنائیت کا بھرپور احساس دلاتا مشفق لہجہ تھا۔ ماوی متاثر ہوئے بنا نہ رہ سکی۔

"میں ملازمہ کو بھجواتا ہوں، وہ کمرے تک آپ کی رہنمائی کر دے گی۔" مستقیم بھٹی باوقار چال چلتے ہوئے مہمان خانے سے باہر نکل گئے۔

ماوی چند لمحے خالی الذہنی کی کیفیت میں دروازے کی طرف دیکھتی رہی پھر گرنے کے انداز میں صوفے پر بیٹھ گئی۔ مستقیم بھٹی کا رویہ اس کی توقعات کے بالکل برعکس تھا۔ وہ ان کی طرف سے غرور، اکتاہٹ اور بیزاری جیسے رویوں کی توقع کر رہی تھی، جبکہ انہوں نے اس سے بہت اپنائیت کا رویہ اختیار کیا تھا، بلکہ بہت کھلے دل سے اسے خوش آمدید بھی کہا تھا۔ بہر حال ماوی مطمئن تھی اور کسی قدر خوش بھی۔ اسے حویلی میں قیام کی اجازت مل گئی تھی اور فی الحال یہی بہت تھا۔ اب دیکھنا صرف یہ تھا کہ حویلی کے باقی مکین اس کے ساتھ کس طرح کا رویہ اختیار کرتے ہیں اور وہ یہ دیکھنے کے لیے بے چین تھی۔

☆☆☆

حرم، تنوی اور رشنا اطمینان سے بیڈ پر بیٹھی تھی۔ درمیان میں سے ان سلے چمکیلے کپڑوں کا ڈھیر اور لڑکیوں کے چہرے پر اشتیاق کی کرنیں۔

"حرم آپا! یہ باٹل گرین کلر آپ کو بہت سوٹ کرے گا۔" تنوی نے گرین کلر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے دبے دبے سے جوش کے ساتھ کہا۔

"میں تو کہتی ہوں، مہندی کے لیے اس کی لانگ شرٹ بنوالیں۔ ساتھ میں پیلا چوڑی دار پاجامہ...... سچ! آپ بہت پیاری لگیں گی۔"

"چوڑی دار پاجامہ پہننے کون دے گا۔" حرم نے پھیکی سی ہنسی کے ساتھ کہا۔ رشنا اور تنوی نے بے ساختہ ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ رشنا کا ہاتھ تیزی سے اپنی گود میں سوتے ہوئے ڈیڑھ سال کے رافع کو تھپکنے لگا۔

"حرم صحیح کہہ رہی ہے۔ ویسے بھی ہم کتنے ہی پلانز بنالیں، فائنل چوائس تو بی جان کی ہی ہوگی۔" رشنا نے سادگی سے کہا۔

تنوی نے بددلی سے کپڑا واپس پھینک دیا۔

"اٹھالیں اس ڈھیر کو...... جب فائنل چوائس بی جان کو ہی کرنا ہے تو ہم کس لیے اپنا ٹائم ضائع کریں۔"

"تم کیوں اپنا موڈ آف کر رہی ہو؟" حرم نے پیار سے اس کے بال سہلائے۔

"تمہیں تو بی جان کبھی منع نہیں کریں گی۔ کیونکہ تمہاری بات وہ ٹالتی ہی نہیں ہیں۔ تمہیں پسند ہے یہ کلر اور کپڑا تو تم بنالو۔"

"نہیں حرم آپا! یہ کپڑے آپ کے لیے آئے ہیں۔ میں ان میں سے کچھ نہیں لے سکتی......" اس نے منہ بسور کر ابھی یہیں تک کہا تھا کہ دروازے پر مخصوص سی دستک ہوئی۔

"آجاؤ بھئی!" رشنا نے دروازے کی طرف منہ کر کے آواز لگائی۔ دروازہ آہستگی سے کھول کر ملازمہ کلثوم اندر داخل ہوئی۔

"رشنا بھابھی! آپ کو بڑی بی بی نے اپنے کمرے میں بلوایا ہے اور حرم باجی اور تنوی باجی! بڑی بی بی کہہ رہی ہیں، آپ لوگ کھانے کے کمرے میں آجائیں۔ آج سب لوگ اکٹھے کھانا کھائیں گے۔"

وہ رٹے رٹائے طوطے کی طرح پیغام نشر کر کے رخصت ہونے لگی۔ حرم نے فوراً آواز دے کر روک دیا۔

ارے! رکو بھئی۔ کہاں بھاگی جا رہی ہو؟ آج کیا خاص بات ہے کہ سب اکٹھے کھانا کھائیں گے؟ کوئی مہمان آیا ہے کیا؟ اس نے فطری تجسس کے ہاتھوں مجبور ہو کر پوچھا۔

یہ پتا نہیں جی! بڑی بی بی نے اتنا ہی کہنے کو کہا تھا۔ کلثوم نے مؤدب ہو کر جواب دیا۔

"اچھا! ٹھیک ہے۔ تم جاؤ۔"

"رکو کلثوم! وہ لڑکی جو شام میں آئی تھی اور جسے گیسٹ روم میں ٹھہرایا تھا، وہ واپس چلی گئی؟" اب کی بار تنوی نے پوچھا۔

نہیں جی...... بڑے چوہدری جی نے اس کا سامان ابھی آپ کے ساتھ والے کمرے میں رکھوا دیا ہے۔ کلثوم نے تو عام سے انداز میں بتایا تھا لڑکیوں کے سر پر گویا بم پھوٹا۔

"ارے! یہ کون محترمہ ہیں بھئی، جنہیں گیسٹ روم سے نکال کر اندر کمرے میں ٹھہرایا جا رہا ہے؟" رشنا نے قدرے تعجب سے کہا۔

"خدا جانے...... لیکن ہو نہ ہو، یہ ہے کوئی خاص بندی۔" حرم نے خیال ظاہر کیا تھا۔

یہ ڈنر بھی اسی کے لیے ارینج ہوا ہے۔" تنوی نے بھی خیال ظاہر کیا، پھر جوش کے ساتھ بولی۔" دیکھیے گا حرم آپا! وہ کتنی پیاری ہے۔ رشنا بھابھی! میں نے حرم آپا کو پہلے بھی بتایا تھا۔

رہنے دو تنوی! تمہاری بات پر اب کون بھروسا کرے۔ تمہیں آج تک کوئی برا لگا بھی ہے؟ رشنا نے مزے سے اس کا مذاق اڑایا۔

اور نہیں تو کیا...... "حرم ہنسی۔" یہ اور جلال" دونوں ہی ایک سے ہیں۔ مجال ہے جو کبھی کسی کی تعریف سے چوک جائیں۔"

دونوں ہاتھ پر ہاتھ مار کر ہنسنے لگیں۔ تنوی منہ بسور کر بیٹھ گئی۔

"اچھا میں امی کے کمرے میں جا رہی ہوں۔ تم لوگ بھی جلدی سے آجاؤ۔ دیکھیں تو سہی کون سا گوہر نایاب آیا ہے۔" رشنا افراتفری میں باہر نکل گئی۔ حرم اٹھ کر کپڑوں کا ڈھیر سمیٹنے لگی ساتھ ہی گاہے بگاہے تنوی پر بھی مسکراتی نگاہیں ڈال لیتی تھی جو مستقل منہ بنائے بیٹھی تھی۔

☆☆☆

"آؤ ماوی! یہاں بیٹھو"

مستقیم بھٹی کی آواز نے ماوی کی رہنمائی کی تھی۔ وہ رسمی سے انداز میں جا کر کرسی پر بیٹھ گئی۔ اس کے کمرے میں داخل ہوتی ہی ایک محسوس کن خاموشی پھیل گئی تھی اور اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ سب کی نظریں اس کے چہرے پر ٹکی ہیں۔ اتنے بہت سے لوگوں میں صرف تین چہروں سے وہ واقف تھی۔ مستقیم بھٹی کا چہرہ، تنوی کا معصوم پر اشتیاق چہرہ اور شبیہ العباس کا خشونت بھرا چہرہ۔

"یہ ماوی ہے۔ ہمارے بڑے بھائی رجب علی کی بیٹی۔ رجب بھائی صاحب کا انتقال بہت جواں عمری میں ہو گیا تھا، تب ماوی کی والدہ کو ماوی کے ماموں اپنے ساتھ دبئی لے گئے تھے۔ اب ماوی کئی سال بعد پاکستان آئی ہے۔" مستقیم بھٹی نے بنا کسی کو مخاطب کیے اسے متعارف کرانا شروع کر دیا تھا پھر انہوں نے ماوی کو مخاطب کیا۔

"ماوی بیٹے! چونکہ آپ یہاں کسی سے بھی واقف نہیں ہیں، اس لیے میں فرداً فرداً سب کا تعارف کرا دیتا ہوں۔ یہ منصور بھٹی ہیں، ہمارے سب سے چھوٹے بھائی اور آپ کے چھوٹے چچا۔ یہ ان کی زوجہ عالیہ ہیں۔

یہ شبیہ العباس ہیں، ہمارے صاحبزادے...... سب آپ کے بہن بھائی ہیں ماوی! اتنے عرصے آپس میں نہ مل پانے کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ خون کی کشش ختم ہو جاتی ہے۔ مجھے امید ہے، آپ کو سب کے ساتھ گھلنے ملنے میں کسی وقت کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔"

کھانا بے حد خاموشی کے ساتھ شروع ہوا تھا۔ اگر سب کے دلوں میں ماوی کے متعلق کوئی الجھن تھی بھی تو اسے وقتی طور پر دبا دیا گیا تھا۔ صرف نمل تھی جو حرم کے کان میں گھسے جا رہی تھی۔

"ہمارے کوئی رجب علی نام کے تایا بھی تھے؟ حرم آپا! آپ نے کبھی مجھے بتایا بھی نہیں۔"

"لو...... ہمیں تو خود آج پتا چل رہا ہے۔ تمہیں کہاں سے بتا دیتی۔"

"ویسے حرم آپا! میں نے بتایا تھا ناں! لڑکی بہت خوب صورت ہے۔ اب کیا کہتی ہیں؟" تنوی نے دوسری جانب سے سرگوشی کی تھی۔

"ہاں......اس میں تو کوئی شک نہیں۔"

ماوی ان سب کے تبصروں اور نظروں سے بے پرواہ ہو کر اطمینان سے سیر ہو کر کھانا کھا رہی تھی۔ جب سب لوگ کھانا کھا چکے اور مرد حضرات اٹھ کر جانے لگے تب ماوی نے واضح طور پر دیکھا۔ شبیہ العباس اسے کڑے نظروں سے گھور رہا تھا۔ ماوی کا ڈگمگاتا اعتماد مستقیم بھٹی کے محبت و شفقت بھرے لہجے میں اچھا خاصا حوصلہ پکڑ چکا تھا۔ اس نے ادائے بے نیازی سے اسے دیکھا اور تیکھے پن سے منہ موڑ لیا۔

☆☆☆

"مستقیم......یہ لڑکی......" منصور بھٹی نے عجلت میں اسٹڈی میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

"رجب بھائی صاحب کی بیٹی ہے۔" مستقیم بھٹی نے جو ریک میں کوئی کتاب تلاش کر رہے تھے، فوراً جواب دیا تھا۔

ہاں! لیکن......تمہیں اماں سے پوچھ لینا چاہیے تھا۔" منصور بھٹی کی آواز میں کسی قدر تشویش تھی۔

"منصور چچا بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔" شبیہ بھی ان کے پیچھے ہی اندر داخل ہوا تھا۔ "اول تو اس لڑکی کے پاس کوئی ثبوت نہیں ہے، جس سے یہ ثابت ہو سکے کہ یہ آپ کے سوتیلے بھائی کی بیٹی ہے، دوسرے بی جان سے پوچھے بغیر آپ کو اسے حویلی میں ٹھہرانے کا فیصلہ نہیں کرنا چاہئے تھا ابا!"

جنت بیگم کا لاڈلا ہونے کی بنا پر وہ ایسے بہت سے رازوں سے واقف تھا، جن سے باقی لوگ ناواقف تھے۔

"ماوی کا چہرہ سب سے بڑا ثبوت ہے یہ ثابت کرنے کے لیے کہ وہ رجب بھائی صاحب کی بیٹی ہے۔ باقی رہی اماں سے پوچھنے کی بات......تو تم دونوں اچھی طرح جانتے ہو، اماں بیمار ہیں۔ ان کی غیر موجودگی میں جب ہر طرح کا چھوٹا بڑا فیصلہ کرنے کا اختیار میرے پاس ہے تو میں کیوں ماوی کو نہ ٹھہراؤں؟" مستقیم بھٹی کو شبیہ کا انداز ناگوار گزر رہا تھا۔

"آپ میری بات نہیں سمجھ رہے ابا!" شبیہ نے تحمل سے کہا۔

"دراصل میں اس لڑکی کو پہلے سے جانتا ہوں اور یہ کبھی بھی مجھے اچھی نہیں لگی۔ عجیب بدتمیزسی لڑکی ہے اور اسی لیے مجھے شک ہے کہ یہ کہیں آپ کو بے وقوف نہ بنا رہی ہو۔"

"تم اسے کس طرح جانتے ہو؟"

منصور بھٹی نے الجھ کر پوچھا۔ شبیہ نے لمحہ بھر کا توقف کیا اور پھر اپنی اور ماوی کی پہلی ملاقات سے آخری ملاقات تک کا حال سنایا، لیکن نہ جانے کیوں کسی مصلحت کے تحت وہ جلال کا نام گول کر گیا تھا۔

"تمہیں وہ شاید اسی لیے بری لگی کہ کسی نے پہلی بار تمہیں یوں منہ توڑ جواب دیئے ہوں گے۔ تمہیں عادت بھی تو نہیں، کسی سے کھری کھری سننے کی۔" مستقیم بھٹی وہ واحد انسان تھے جو بنا گھبرائے اس کے مزاج پر تنقید کر لیتے تھے اور یہی بات یہ ہے کہ یہی بات شبیہ کو بھی چبھتی بھی تھی۔ حسب توقع وہ اس بار بھی چڑ گیا تھا۔

"آپ کو میرے علاوہ بھی کوئی غلط لگتا ہی نہیں۔" وہ لڑکی سچ بول رہی ہے یا جھوٹ میں صرف اتنا جانتا ہوں، ان ماں بیٹی کو اماں نے خود حویلی سے نکالا تھا۔ ایسا نہ ہوا اس کو ٹھہرا کر ہم اماں کے غصے کو دعوت دے بیٹھیں اور تم جانتے ہو، اماں کا غصہ بہت غضب ناک ہوتا ہے۔"

"میں جانتا ہوں منصور! اماں تھوڑا بہت غصہ ضرور کریں گی لیکن میرا خیال ہے، ہم عمر کے اس حصے میں پہنچ چکے ہیں، جہاں اماں کو ہمارے فیصلوں کو بھی اہمیت دینا چاہیے۔" مستقیم بھٹی نے ٹھوس لہجے میں کہا۔

"ساری زندگی بہت غلط فیصلے کیے ہیں اماں نے بھی اور ان کی تقلید میں ہم نے بھی...... لیکن اب اور نہیں...... میں اپنے غلط فیصلوں کو سدھارنا چاہتا ہوں منصور! اور جتنا اللہ موقع دے رہا ہے، اتنا تو میں ضرور کروں گا، آدھی سے زیادہ زندگی پچھتاووں کی نذر ہو گئی۔ میں نہیں چاہتا کہ قبر تک بھی یہ پچھتاوے میرے ساتھ رہیں۔"

منصور بھٹی نے بڑھ کر بڑے بھائی کے کندے پر ہاتھ رکھ دیا۔

"صحیح کہہ رہے ہو تم۔ اماں کے غلط فیصلوں کا بھگتان تو سب نے ہی بھگتا ہے، لیکن میں اس فیصلے میں تمہارے ساتھ ہوں۔"

"ماوی کا بھی اس حویلی پر اتنا ہی حق ہے جتنا ہم سب کا ہے۔ میں اس کا حق اسے واپس کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے ایسا لگتا ہے منصور! اللہ ہم سے ناخوش ہے۔ اماں نے ایک نہیں، دو دو یتیموں کا حق غضب کیا تھا اور یتیموں کا حق مارنے والوں سے اللہ خوش کیسے ہو سکتا ہے؟ ماوی کا حق اسے دے دیں تو اللہ ہم سے خوش ہو گا اور یہ بے سکونی بھی ختم ہو جائے گی۔ مجھے یقین ہے۔"

منصور بھٹی مستقل تائید میں سر ہلا رہے تھے۔

☆☆☆

نماز کے بعد تسبیح پوری کرنا تنوی کے لیے دو بھر ہوا جا رہا تھا۔ فطری تجسس تھا جو دل و دماغ میں مستقل ہچکولے لے رہا تھا۔ بس نہ چل رہا تھا، ابھی اڑ کر چھوٹی امی (عالیہ) کے پاس جائے اور ماوی کے متعلق دل میں ابھرتا ہر سوال ان سے پوچھ لے، لیکن نمل تھی کہ بستر سے نکلنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی اور حرم کی فجر کی نماز کچھ زیادہ ہی طویل ہو گئی تھی۔ ایک تو تنوی آج تک یہ نہ سمجھ سکی تھی کہ اتنے لمبے لمبے سجدوں میں وہ اللہ سے مانگتی کیا ہے۔

بہر حال پچھلی رات بھی جب تک نیند پلکوں کی دہلیز سے اتر کر آنکھوں کے اندر تک نہ گھس گئی تھی وہ لوگ ماوی کو موضوع بحث بنائے رہے تھیں اور ان لوگوں نے آپس میں یہی طے کیا تھا کہ صبح اٹھتے ہی چھوٹی امی کے در پر حاضری دیں گے۔

"اب اٹھ بھی جائیں حرم آپا! آپ کو پتا بھی ہے، آج کل چھوٹی امی نماز پڑھ کر سو جاتی ہیں۔ ذرا سی بھی دیر کی تو وہ جلدی دوبارہ نہیں اٹھیں گی۔" جائے نماز سے اٹھتے ہوئے اس نے ٹھنک کر کہا تھا۔

"اٹھ جاتی ہوں بھئی۔ آخر تمہیں اتنی جلدی کیوں ہے؟ حرم نے دعا مکمل کر کے پوچھا۔ ساتھ ہی جائے نماز کا کونا موڑ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"بیٹھے بٹھائے ہمیں اطلاع ملی کہ ہمارے کوئی بڑے ماموں بھی تھے اور خیر سے ان کی ایک عدد بیٹی بھی ہے۔" تنوی کے لہجے میں اشتیاق بھی تھا، تجسس بھی۔" آپ کو یہ سب سن کر حیرانی نہیں ہوتی حرم آپا؟ میرا تو دل چاہتا ہے کہ جلد از جلد اصل بات جان لوں کہ اگر کوئی ماموں تھے تو بھی

اب تک ان کا نام صیغہ راز میں کیوں رکھا گیا۔ آپ مانیں یا نا مانیں، اس کے پیچھے ضرور کوئی لمبی کہانی ہے۔"

"بھئی لمبی کہانی ہو یا چھوٹی۔ میں کسی کہانی کے لیے اپنی نیند برباد نہیں کر سکتی۔" نمل نے بے نیازی سے کہہ کر کروٹ بدل لی۔

"کل رات تو سب سے زیادہ تم ہی بے چین تھیں کہ امی سے پوچھتے ہیں، اب نیند زیادہ پیاری ہوگئی؟" حرم نے کہا۔

"رات گئی، بات گئی۔ یہ میں نہیں کہتی، سیانے کہتے ہیں۔ دوسری بات یہ کہ اس لڑکی کے بارے میں جاننے کا مجھے تجسس ہے، لیکن اپنی نیند سے زیادہ پیارا مجھے کچھ بھی نہیں ہے۔ آپ لوگ کہانی سن کر مجھے بھی سنا دیجئے گا۔ اچھا گڈ نائٹ۔" وہ کہہ کر نیند کی وادی میں اتر گئی۔

"اس کی جب تک نیند پوری نہیں ہو جاتی۔ اس کی نائٹ ہی رہے گی۔"

حرم اور تنوی کمرے سے باہر آ گئیں۔ چھوٹی امی کا کمرہ کون سا میلوں دور تھا۔ ہلکی سی دستک دی اور اجازت پاتے ہی اندر داخل ہوگئیں۔

"السلام علیکم چھوٹی امی!"

تنوی سب سے پہلے ان کے کمبل میں گھسی۔ اس کی پرورش بھی عالیہ کے ہاتھوں ہوئی تھی اور ان کے اپنے بچوں کے برعکس وہ ان کی لاڈلی بھی بہت تھی، بلکہ ایک طرح سے انہی کا پرتو تھی۔

"وعلیکم السلام...... تم دونوں آج صبح صبح کیسے؟" انہوں نے قدرے تعجب سے پوچھا۔ نماز کے انداز میں گرم شال لیے وہ قرآن مجید پڑھ رہی تھی۔

"بس! آپ کی یاد بہت آ رہی تھی۔" تنوی نے لاڈ سے کہا۔ عالیہ ہنس دی۔

"اب مجھے بناؤ نہیں۔ اچھی طرح جانتی ہوں اپنی بیٹی کو۔" تنوی ہنسنے لگی۔ حرم نے کہا۔

"امی ہم ماوی کے بارے میں جاننا چاہ رہے تھے۔"

"ہیں......؟ سب کچھ مستقیم صاحب بتا تو چکے ہیں، اب مجھ سے کیا جاننا چاہ رہی ہو تم لوگ؟" انہوں نے تعجب سے پوچھا۔

"یہی کہ بیٹھے بٹھائے ہماری نئی نویلی اور اتنی بڑی کزن کہاں سے آ گئی جب کہ اس کا تو کہیں دور دور تک پتا نہیں تھا۔" اب کے تنوی نے کہا تھا۔

"مجھے پتا تھا تجسس کے مارے تم لوگوں کو نیند نہیں آئی ہوگی۔ نمل کیسے پیچھے رہ گئی؟" عالیہ نے قرآن پاک غلاف میں لپیٹتے ہوئے پوچھا۔

"اسے اپنی نیند زیادہ پیاری ہے۔" حرم نے کہا۔

"اچھا! آپ چھوڑیں نمل کو...... ہمیں ماوی کے باری میں بتائیں؟" تنوی نے بے چینی سے کہا تھا۔

"بھئی تقریباً ساری ہی بات تو تمہیں مستقیم صاحب بتا چکے ہیں۔ سمجھ میں نہیں آ رہا اب مجھ سے تم لوگ کیا جاننا چاہتی ہو۔" عالیہ الجھ کر بولیں۔

"سب کچھ بتا چکے ہیں بڑے ابا۔ لیکن حیرانی ہمیں اس بات پر ہے کہ اگر یہ لڑکی واقعی ہماری کزن ہے تو آج تک ہم نے اس کا یا اس کے ابا کا ذکر کیوں نہیں سنا؟" تنوی نے کہا۔

"بھئی معاملہ کچھ یوں ہے کہ ہمارے سسر اور تمہارے نانا جان نے دو شادیاں کی تھیں۔ ان کی پہلی بیوی سے دو بچے تھے ایک یہ رجب بھائی اور دوسری ان کی بیٹی جو بچپن میں ہی فوت ہوگئی تھی۔ مجھے زیادہ معلومات تو نہیں ہیں۔ جتنا تمہارے ماموں نے بتایا، وہی جانتی ہوں کہ رجب

بھائی صاحب اسی حویلی میں پلے بڑھے تھے، پھر وہ حویلی سے چلے گئے، کہاں گئے، کس کے پاس رہے۔ کوئی نہیں جانتا۔ اس کے بعد جب میں بیاہ کر اس حویلی میں آئی تو رجب بھائی صاحب اور ان کی بیوی ثمینہ اسی حویلی میں تھے اور رجب بھائی صاحب کسی بیماری یا حادثے کی وجہ سے اپنی ٹانگ گنوا بیٹھے تھے۔ اب اماں (جنت بیگم) کی سخت مزاجی سے تو تم سب واقف ہی ہو۔ انہیں اپنے شوہر کی پہلی بیوی کی اولاد سے پرخاش تھی۔ اسی پرخاش کے ہاتھوں انہوں نے رجب بھائی صاحب اور ثمینہ بھابھی پر عرصہ حیات تنگ کر رکھا تھا۔"

عالیہ بولتے بولتے اس صبح کے دوراہے پر جا پہنچیں، جب اپنی شادی کی پہلی صبح وہ اپنے کمرے سے باہر نکلیں تو عین صحن کے درمیان ان کی ساس اپنی بڑی بہو بلکہ سوتیلی بہو کی مار پیٹ رہی تھیں۔ ثمینہ کو تشدد کا نشانہ کیوں بنایا جا رہا تھا، یہ تو عالیہ کو پتا نہیں چل سکا۔ وہ صرف اتنا جان پائیں کہ ان کی ساس بہت زور آور ہیں۔ اختیارات کا جو منبع انہیں حاصل ہے وہ کسی اور کو نہیں مل سکتا۔ عالیہ غریب گھرانے سے تعلق رکھتی تھیں۔ پہلے ہی روز ساس کا کچھ ایسا رعب اور خوف ان کے دل و دماغ پر چھایا کہ پھر ساری زندگی ان کے سامنے سر اٹھانے کی ہمت نہ کر سکیں۔ شاید یہی وجہ تھی کہ انہوں نے ساری زندگی ڈری سہمی سی گزاری تھی۔ بچوں کی پرورش بھی اسی نہج پر کی۔

یہ الگ بات ہے کہ تنوی کے علاوہ ان کے سہم کا اثر کوئی بھی قبول نہ کر سکا۔ گو کہ وہ ان کی اولاد نہیں تھی مگر جتنا ان کا اثر تنوی نے قبول کیا اور کوئی نہ کر سکا۔

"کیا ہوا امی! آپ کہاں کھو گئیں؟" حرم نے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو عالیہ چونک سی گئیں، پھر گہری سانس بھر کر بولیں۔

"یہ تو میری آنکھوں دیکھی بات ہے۔ اماں کا مزاج ایسا ہے کہ سکون سے تو انہوں نے خیر کبھی بھی کسی کو نہیں رہنے دیا، لیکن ثمینہ بھابھی کو تو انہوں نے بہت ہی تنگ رکھا۔ لوگ جانور پالتے ہیں تو اس سے بھی نرمی سے پیش آجاتے ہیں۔ اماں نے ثمینہ بھابھی کو جانور کی سی نرمی بھی نہیں دی اور جب رجب بھائی صاحب کا انتقال ہو گیا پھر تو اماں نے ثمینہ بھابھی کو بہت ہی تنگ کرنا شروع کر دیا تھا۔ اس وقت ماوی بہت ہی چھوٹی تھی۔ ثمینہ بھابھی کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ ماوی کو لے کر اپنے بھائی کے پاس چلی جائیں۔

تم لوگوں کے دادا کا انتقال بھی اس وقت تک ہو چکا تھا۔ ثمینہ بھابھی کے جانے سے رجب بھائی صاحب کے نام کا باب بالکل ہی بند ہو گیا۔ ایک طرح سے اماں نے پابندی عائد کر رکھی تھی کہ رجب بھائی صاحب کی بیوی اور بیٹی کا تذکرہ تک نہیں کیا جائے گا۔ یہی وجہ تھی کہ تم بچوں میں کوئی بھی ماوی اور اس کی ماں سے واقف نہیں ہے۔ بلکہ میں تو خود حیران ہوں کہ مستقیم بھائی صاحب نے ماوی کو حویلی میں ٹھہرانے جیسا فیصلہ کیسے کر لیا جبکہ اماں کے فیصلوں سے انحراف کی ہمت تو کوئی بھی نہیں کر سکتا۔"

تینوں کے مابین گہری خاموشی چھا گئی۔ جیسے تینوں کے دل اپنی اپنی جگہ بوجھل ہوں۔

"اس کا مطلب ہے کچھ عرصہ پہلے تک بی جان بہت ظالم تھیں۔" چند منٹ بعد تنوی نے کسی قدر بے یقینی اور تاسف کے ساتھ کہا۔

"تھیں نہیں...... وہ اب بھی ایسی ہی ہیں۔" عالیہ نے دل میں سوچا مگر کچھ کہا نہیں۔ اب بچوں کے سامنے کیا کہتیں۔

☆☆☆

نئی جگہ تھی۔ اسے رات کو نیند بھی مشکل سے آئی اور صبح آنکھ بھی جلد کھل گئی۔ یہ الگ بات ہے کہ مختصر سی نیند کے بعد وہ خود کو بہت تر و تازہ محسوس کر رہی تھی، شاید اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ ذہن سے حویلی والوں کے رویوں کے خدشات کا بوجھ ہٹ گیا تھا۔

نماز سے فارغ ہو کر اس نے کچھ سوچا، پھر کمرے سے باہر نکل آئی۔ کمروں کے آگے بنی ہوئی راہداری دور تک سنسان پڑی تھی اور گہری خاموشی کا راج تھی۔ ممکن ہے ان بند دروازوں کے پیچھے کوئی جاگ رہا ہو مگر باہر سے تو ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے یہاں محض آسیب بستے ہوں۔ وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی اور ارد گرد کا جائزہ لیتی باہر آ گئی۔

حویلی کے وسیع و عریض لان میں صبح کی اولین کرنیں بڑی خوب صورتی سے بکھری ہوئی تھیں۔ ہلکی سے ہوا کے نرم جھونکوں سے درختوں کے پتے لرز رہے تھے اور گھاس نم سی محسوس ہوتی تھی۔

اس نے چپل وہی برآمدے میں اتار دی اور گھاس کی نرمی کو اپنے تلوؤں پر محسوس کرنے لگی۔ ارد گرد کئی طرح کے پودوں کی بہتات تھی۔ اسے خیال آیا، ایپا اور فیضان ماما یہاں ہوتے تو بہت خوش ہوتے، فیضان ماما سے اسے زریں کا خیال آیا اور زریں سے تو ہی یاد آ گئی۔

"اے لڑکی! رکو......"

ماوی اپنی ہی سوچوں میں الجھی ہوئی تھی، جب اسے اپنے عقب سے آواز سے سنائی دی۔ اس کے قدم ٹھٹک کر رکے، ساتھ ہی اس نے گردن موڑ کر دیکھا اور بدمزا ہو گئی۔ سفید رنگ کی کرسی پر شبیہ العباس بیٹھا اسے خشمگیں نظروں سے گھور رہا تھا۔ سامنے ٹیبل پر اخبار پھیلا ہوا تھا۔

ماوی نے گردن موڑی اور پھر سے چہل قدمی کرنے لگے۔ شبیہ العباس کو اس کا انداز اور بھی ناگوار گزرا۔

"تمہیں سنائی نہیں دیتا؟ رکو ابھی اور اسی وقت!" اس کا لہجہ پہلے سے زیادہ بلند اور بدتمیز تھا۔

ماوی نے پلٹ کر قدرے تعجب سے اسے دیکھا۔ "کیا تم نے مجھ سے کچھ کہا؟"

شبیہ نے اخبار میز پر پٹخا اور تن فن کرتا اس کے سر پر پہنچ گیا۔

"تمہیں واقعی سنائی نہیں دیتا۔ کیا تمہارے علاوہ یہاں کوئی اور ہے، جس سے میں رکنے کے لیے کہوں گا؟"

"حالانکہ حرکتیں تو تمہاری ایسی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ تمہیں سنائی نہیں دیتا۔ کل رات بھی تمہارے ابا تمہیں بتا چکے ہیں کہ میرا نام ماوی ہے۔ اے لڑکی نہیں۔" ماوی نے تحمل سے لیکن منہ توڑنے والے انداز میں کہا تھا۔

"اگلی بار مجھے مخاطب کرنا ہو تو میرے نام سے کرنا۔ ورنہ مخاطب کرنے کی غلطی ہی نہ کرنا۔"

شبیہ العباس سے اس انداز میں کب کوئی بات کر سکتا تھا۔ خصوصاً ایک لڑکی تو ہرگز نہیں، اس کا غصہ عود کر آیا۔

"مجھے بھی تم جیسی جاہل اور بدتمیز لڑکی کو مخاطب کرنے کا کوئی شوق نہیں ہے۔ میں صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ تم حویلی کیوں آئی ہو؟ عزائم کیا ہیں تمہارے؟"

یہ تو تم نے بالکل ٹھیک پہچانا میں جاہل بھی ہوں اور بدتمیز بھی۔ لیکن ابھی تو تم نے صرف ٹریلر دیکھا ہے۔ اگلی بار مجھ سے اس انداز میں بات

کرنے کی کوشش کی تو پوری فلم دکھا دوں گی اور تم غش کھا کر گر پڑو گے۔" اس کا انداز اور لہجہ دونوں ہی آگ لگانے والا تھا شبیہ کو بری طرح تاؤ آیا۔

"تم......"

"یہ تو ہوئی ایک بات۔" ماوی نے اپنی بات جاری رکھی۔

"دوسری بات یہ کہ میرے عزائم بہت خطرناک ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ تفصیل سے میں تمہیں کیوں آگاہ کروں......ہو کون تم؟" مسکرا کر طنز کرنا اور آگ لگانا اسے خوب آتا تھا۔ شبیہ کا چہرہ اشتعال سے سرخ پڑ گیا۔

"غرور کو خاک میں صرف اللہ ملا سکتا ہے تم کیا چیز ہو جو اتنا بڑا دعویٰ کر رہے ہو۔ باقی بات رہی مجھے اس حویلی سے باہر پھینکوانے کی......تو ایسی حماقت بھول کر بھی مت کرنا۔ کیونکہ یہ حویلی صرف تمہارے دادا کی نہیں ہے، میرے دادا کی بھی ہے......ایک طرح سے اس حویلی پر میرا حق تم سے تو زیادہ ہے۔ ایسا نہ ہو مجھے باہر پھینکوانے کے بجائے تمہیں خود یہاں سے جانا پڑے۔ امید ہے میری بات تم سمجھ گئے ہو گے۔"

ماوی جاتے جاتے پلٹی۔

"اور ہاں......اگلی بار مجھے دھمکی دینے کی غلطی بھی مت کرنا۔ میں تمہاری حویلی کی لڑکیوں جیسی نہیں ہوں جو تمہاری دھمکیوں سے سہم جاؤں۔ بظاہر ایسی لگتی نہیں ہوں، لیکن غصے میں آ جاؤں تو اچھے اچھوں کی طبیعت صاف کر کے رکھ دیتی ہوں۔ سو بی کیئر فل اینڈ اسٹے اوے فرام می۔" (محتاط رہو اور مجھ سے دور رہو) یہ بات بھی مسکرا کر ہی کہی گئی تھی۔

"تمہیں تو میں دیکھ لوں گا۔" شبیہ العباس پیر پٹخ کر پلٹ گیا۔ ماوی نے مسکرا کر کندھے اچکا دیئے اور زور سے بولی۔

"ایز یو وِش۔"

شبیہ العباس کی رگوں میں تو جیسے آگ دوڑنے لگی تھی۔

☆☆☆

یہ محض اتفاق ہی تھا کہ جب شبیہ العباس انگارے چباتا اپنے کمرے کی طرف جا رہا تھا کہ اس کی مڈبھیڑ مستقیم بھتی سے ہو گئی۔

"تمہیں کیا ہوا ہے؟" انہوں نے اس کا مشتعل چہرہ دیکھ کر پوچھا۔

"میں نے آپ سے کہا تھا ناں۔ اس لڑکی کو حویلی میں نہ ٹھہرائیں۔ انتہائی بدتمیز لڑکی ہے بات کرنے کا تو رتی بھر بھی سلیقہ نہیں ہے۔" اس نے پتھر توڑے۔ مستقیم بھتی الجھے۔

"ماوی کی بات کر رہے ہو؟" پھر فوراً جیسے سمجھ گئے۔

"جی ہاں وہی آپ کی قابل احترام مہمان۔" شبیہ العباس نے سلگ کر کہا تھا۔

"اس لڑکی کو بات کرنے کی بالکل بھی تمیز نہیں ہے۔"

"تم کل بھی یہی کہہ رہے تھے اب بھی یہی کہہ رہے ہو، جب پتا چل گیا ہے اسے بات کرنے کی تمیز ہی نہیں تو بات کرنے کی ضرورت ہی

کیا ہے؟'' مستقیم بھٹی نے الٹا اسے لتاڑا۔

''اب کیا میں اپنے ہی گھر میں پابند رہوں کہ کس سے بات کرنا ہے اور کس سے نہیں؟'' وہ جل کر بولا۔

''بھئی وہ تمہاری ملازمہ تو ہے نہیں کہ تمیز سے پیش آنے کی پابند ہے۔'' ''تم نے ہی کوئی غلط بات کی ہوگی۔''

''اور میں دیکھ چکا ہوں وہ بچی ذرا بھی بدتمیز مزاج کی نہیں ہے۔ بہت ہی تمیز اور سلیقے سے بات کرنے کی عادی ہے، البتہ تمہارے مزاج سے بھی میں واقف ہوں۔ اس لیے مجھے یقین ہے تم نے ہی کوئی غلط بات کی ہوگی۔''

شبیہ العباس کا موڈ آف ہو گیا۔

''سنو شبیہ! وہ بچی میری مہمان ہے اور اگر مجھے پتا چلا کہ میرے مہمان کے ساتھ کسی نے بھی کوئی بدتمیزی کی ہے۔ خواہ وہ تم ہی کیوں نہ ہو تو یاد رکھنا! میں بہت برے طریقے سے پیش آؤں گا۔ زندگی بھر تمہارے کسی معاملے میں دخل نہ دینے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ میں اس معاملے میں بھی چپ رہوں گا۔'' مستقیم بھٹی نے مضبوط لہجے میں کہا اور مستحکم چال چلتے ہوئے اپنے راستے پر چل دیے۔

شبیہ کے ماتھے پر اتنے بل پڑ چکے تھے کہ شمار کرنا مشکل تھا۔ اس نے غصے سے فرش پر ایک ٹھوکر رسید کی اور تیز قدموں سے اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔

☆☆☆

لڑکیوں کے کمرے کی طرف جاتے ہوئے وہ ذرا بھی جھجک کا شکار نہیں تھی کیونکہ کل رات کھانے کے بعد اور آج ناشتے کے وقت ان لوگوں نے آپس میں کافی باتیں کی تھیں۔ درمیان میں جو جھجک تھی، وہ تقریباً مٹ ہی چکی تھی۔ تب ہی ماوی اکیلے بیٹھی اکتا گئی تو اس طرف آ گئی۔

دروازہ کھلا ہوا تھا ماوی نے ذرا جھجکتے ہوئے اندر جھانکا۔ سب اپنی اپنی جگہ مصروف تھے۔ اس نے جھجک بالائے طاق رکھ کر دروازے پر ہلکی سی دستک دی۔ سب کی نظریں خود بخود دروازے کی طرف اٹھ گئیں۔

''کیا میں اندر آ سکتی ہوں؟'' اس نے مسکرا کر پوچھا۔

''آؤ ناں ماوی! اس میں اجازت لینے کی کیا بات ہے۔'' عالیہ چچی بھی وہیں موجود تھیں، خوشدلی سے بولیں۔

لڑکیوں نے بھی اس کا استقبال مسکرا کر کیا تھا۔

''یہاں تو لگتا ہے کسی فینسی ڈریس شو کی تیاری کی جا رہی ہے۔''

ماوی نے اندر آتے ہوئے کپڑوں کے اس ڈھیر کو دیکھا، جو ابھی بھی لڑکیوں کے درمیان دھرا تھا۔

''فینسی ڈریس شو ہی سمجھ لو...... کیونکہ شادی کے فنکشنز بھی تو کسی فینسی ڈریس شو سے کم نہیں ہوتے۔'' ثمل نے تحمل سے کہا۔

''کس کی شادی کی تیاریاں ہو رہی ہیں بھئی؟''

''حرم آپا کی...... اگلے مہینے کی پچیس کو مہندی ہے۔'' یہ جواب بھی ثمل کی جانب سے ہی آیا تھا۔ حرم کے چہرے پر البتہ دھیمی سی مسکراہٹ

لہرائی تھی۔

"اوہ کانگریچولیشنز۔"

ماوی! آپ پچیس تاریخ تک یہیں ہوں گی ناں؟" تنوی نے پوچھا۔

"ہوپ سو......" ماوی مسکرا کر بولی۔

"ارے آپ رکیے گا ناں...... بہت مزا آئے گا شادی میں۔" تنوی بہت پر جوش ہو کر کہہ رہی تھی۔

"ارے! یہ بھی کوئی کہنے کی بات ہے اس کی بہن کی شادی ہے، شرکت کیوں نہیں کرے گی۔" عالیہ چچی کا انداز بے حد مشفق تھا۔

ماوی کو یکدم جنت بیگم کا خیال آیا تھا۔ اس نے فوراً سر جھٹک دیا اور ان کے کپڑے اور شادی کی دیگر تیاریوں کے متعلق پوچھنے لگی۔

"تقریباً سب ہی لوگ اس کی توقعات سے بڑھ کر اچھے ثابت ہوئے تھے۔ سب ہی نے اسے پر جوش طریقے سے خوش آمدید کہا تھا اور اس بات نے ماوی کی حوصلہ بڑھا دیا تھا۔ باقی بچا شبیہ العباس تو اس کی ماوی کو کوئی خاص پرواہ نہیں تھی۔ ان سب کے درمیان بیٹھی بظاہر ان سب سے باتیں کرتے ہوئے وہ مستقل انہی سب پہلوؤں پر سوچ رہی تھی۔

تب ہی اس نے ملازمہ کی آواز سنی۔

"حرم بی بی! آپ کو، نمل اور تنوی باجی کو شبیہ صاحب اپنے کمرے میں بلوا رہے ہیں۔"

"ایں...... شبیہ کو اس وقت کیا کام پڑ گیا۔" حرم نے کہا پھر ملازمہ سے بولی۔

"اچھا تم اس سے کہو، ہم تھوڑی دیر میں آتی ہیں۔"

"چلی جاؤ حرم! پہلے جا کر اس کی بات سن لو ورنہ بہت غصہ کرے گا۔" عالیہ نے اس کی ممکنہ ردعمل سے آگاہ کیا۔

"چلے جاتے ہیں امی! شبیہ ہی تو ہے۔" حرم نے چڑ کر کہا تھا۔

"تم لوگوں کو پتا ہے ناں اس کے مزاج کا...... ذرا سا غصہ آ گیا تو قیامت اٹھا دے گا۔" عالیہ چچی نے نرمی سے کہا تھا لیکن ماوی نے صاف محسوس کیا تینوں لڑکیوں کو ان کی بات کچھ خاص پسند نہیں آئی۔

"تم یہیں بیٹھو ماوی! ہم ذرا شہزادہ سلیم کی بات سن کر آتے ہیں۔"

"بدتمیزی مت کرو حرم" عالیہ چچی نے ڈپٹا۔ لڑکیاں منہ بسورتی باہر نکل گئیں۔

"آنٹی کیا میں حرم کے دولہا کی تصویر دیکھ سکتی ہوں؟" ماوی نے عالیہ سے پوچھا۔ "حرم اتنی پیاری ہے میں دیکھنا چاہ رہی ہوں، اس کا دولہا کیسا ہے۔" اسے کوئی بات تو کرنا ہی تھی۔

"ہاں کیوں نہیں...... لیکن میں تمہاری چچی ہوں۔ اچھا ہو گا تم مجھے آنٹی کہنے کے بجائے چچی کہو۔"

عالیہ چچی نے وہیں بیٹھے قریبی دراز سے ایک تصویر نکال کر اس کی طرف بڑھا دی۔ ماوی نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بڑے اشتیاق

سے تصویر پکڑی تھی مگر تصویر پر نظر پڑتے ہی اس کے اشتیاق پر ٹھنڈا پانی پڑ گیا۔ بے حد معمولی شکل وصورت کا چالیس پینتالیس برس کا مرد تھا۔ حرم کے مقابلے میں تو کچھ بھی نہیں۔

''یہ......'' ہادی نے مایوسی سے تصویر عالیہ چچی کو پکڑا دی تھی۔

''مستقیم بھائی صاحب کے دوست کا بھائی ہے، اماں نے رشتہ طے کیا ہے۔''

عالیہ چچی خوشی خوشی اسے تفصیلات سے آگاہ کرنے لگیں، لیکن ہادی کا جوش پر ٹھنڈا پانی پڑ چکا تھا۔ اسے ان تفصیلات سے رتی بھر بھی دلچسپی نہ رہی تھی۔

☆☆☆

''میں نے تم لوگوں کو یہی کہنے کے لیے بلایا تھا کہ اس لڑکی سے کوئی زیادہ گھلنے ملنے کا نہیں۔ ابا چاہے کچھ بھی کہیں۔ تم لوگوں کو محتاط رہنا ہو گا۔ زیادہ دوستیاں گانٹھنے کی ضرورت نہیں ہے۔'' اس کا لہجہ دوٹوک اور رعب دار تھا۔

''لیکن شبیہ! اس میں آخر برائی کیا ہے؟'' حرم نے بڑے ہونے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے نکتہ اعتراض بھی سب سے پہلے اٹھایا تھا۔ ''پھر بڑے ابا نے خود کہا ہے۔''

''تم ضرور کوئی نہ کوئی اعتراض کا پہلو نکال لیا کرو۔'' شبیہ نے حسب توقع بھڑک کر کہا۔ ''ابا وہ بات نہیں سمجھ پا رہے، جو میں کہہ رہا ہوں۔ بی جان آئیں گی تو وہ بھی میری ہی بات کو درست کہیں گی اور تب تو اس لڑکی کو یہاں سے جانا ہی پڑے گا اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ بی جان کو تم تینوں کا اس سے گھلنا ملنا بھی اچھا نہیں لگے گا، اسی لیے تاکید کر رہا ہوں۔''

''اچھا ٹھیک ہے۔'' حرم نے جان چھڑانے والے انداز میں کہا اور نمل اور تنوی کو اشارہ کرتی دروازے کی طرف چل دی۔

''اور تم......'' شبیہ نے تنوی کی طرف اشارہ کیا، وہ سہم کر رک گئی۔

''تم بطور خاص اس سے دور رہنا۔ تم جیسی عقل سے پیدل لڑکی کو قابو کرنا تو اس کے لیے اور بھی آسان رہے گا۔'' تنوی سعادت مندی سے سر ہلاتی بعجلت باہر نکل گئی۔

شبیہ سر جھٹک کر اپنے اسکیچ کی طرف متوجہ ہوا۔ اس کی نظر کارپٹ پر پڑی نوٹ بک پر پڑ گئی، جس کے اوپر جلی حروف میں جنت بی بی لکھا ہوا تھا۔

''اس لڑکی سے اپنی کوئی چیز سنبھالی نہیں جاتی۔'' اس نے جھنجلاہٹ کر نوٹ بک اٹھائی تاکہ میز پر رکھ دے نوٹ بک عین درمیان سے کھل گئی۔ شبیہ کی نظریں غیر ارادی طور پر تحریر پر بھٹکنے لگیں اور وہ جوں جوں پڑھتا جا رہا تھا، اس کی پیشانی پر شکنوں کا جال بچھ رہا تھا۔

......❀......

ڈیئر عروش! مجھ سے دوستی کرنے کے لیے تمہیں سروش کے نام کا سہارا لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں بھی تمہیں پسند کرتی ہوں اور دوستی کرنا

چاہتی ہوں۔تم جو نہیں کہتیں، تمہاری آنکھیں کہہ دیتی ہیں اور تمہاری آنکھیں صرف محبت کی زبان بولتی ہیں۔ میں تمہاری محبت اور دوستی کی قدر کرتی ہوں اور اس محبت میں ڈوب جانا چاہتی ہوں۔ پلیز! اس خط کا جواب جلدی دینا۔

صرف اور صرف تمہاری...... جنت۔

شبیہ العباس کی آنکھوں میں الجھن سمٹ آئی، پھر ناپسندیدگی اور جھنجلاہٹ دکھائی دینے لگی۔ بھڑکنے کے لیے تو یوں بھی اسے کم ہی باتوں کی ضرورت پڑتی تھی۔ اب تو پھر بھی متن الجھانے والا تھا۔ اس پر سے غضب یہ ہوا کہ تنوی بھی اسی وقت اپنی نوٹ بک کی تلاش میں آ گئی۔

''وہ شبیہ بھائی! میری نوٹ بک آپ کے روم میں رہ گئی تھی شاید'' تنوی نے جھجکتے ہوئے کہا تھا۔ شبیہ نے پلٹ کر کڑی نظروں سے اسے گھورا۔

''شاید نہیں...... یقیناً۔'' ساتھ ہی نوٹ بک اس کی طرف بڑھا دی۔

''یہ کیا بکواس ہے؟'' کھلا ہوا صفحہ اس کے سامنے تھا۔ تنوی نے ذرا سی حیرت کے ساتھ نوٹ بک پکڑ لی، پھر سٹپٹا گئی۔

''وہ......وہ......''

''تم لڑکیوں کو دوستیاں کرنے سے فرصت نہیں ہے۔'' شبیہ نے کڑے لہجے میں کہا۔

''وہ...... یہ میری فرینڈ نے مذاق میں لکھ دیا تھا۔'' تنوی نے سراسیمہ ہو کر وضاحت پیش کی یا محض کوشش ہی کی۔

''یعنی ایک اور واہیات فرینڈ تمہارے پاس پہلے سے موجود ہے؟'' شبیہ نے زہر خند لہجے میں کہا تھا۔ تنوی کا جھکا ہوا سر اتنا جھک گیا کہ ٹھوڑی ہنسلی کی ہڈی سے ٹکرانے لگی۔

''میری بات کان کھول کر سن لو! فوراً سے بیشتر اپنی دوستیاں محدود کر لو۔ میں نے تمہیں کالج میں ایڈمیشن سے پہلے بھی سمجھا دیا تھا کہ کسی اوٹ پٹانگ سرگرمی کی خبر نہ ملے مجھے...... اور پھر بھی تم ایسی چیپ لڑکیوں سے دوستیں گانٹھتی پھر رہی ہو۔''

''آپ غلط سمجھ رہے ہیں۔'' آنسو پہلے نکلے، لفظ لبوں سے بعد میں ادا ہوئے تھے۔ ''میں سچ کہہ رہی ہوں میری فرینڈ نے مذاق میں لکھ دیا تھا۔''

شبیہ مزید چڑ گیا۔

''اسی لیے میں تم سے بات کرنا پسند نہیں کرتا۔ آنسوؤں کے بغیر تو تمہیں بات کرنا آتا ہی نہیں ہے۔ اونہہ...... جاہل!۔''

تنوی کی ہچکیاں ہی بند گئیں۔

''گیٹ لاسٹ...... جسٹ گیٹ لاسٹ......'' شبیہ نے چنگھاڑ کر کہا۔ ''اور اگلی بار مجھے اپنی شکل تب دکھانا جب ان آنسوؤں سے چھٹکارا حاصل کر لو۔''

تنوی سرپٹ باہر بھاگی۔ شبیہ بے وجہ غصے سے کھولتا رہا۔

☆☆☆

ماوی اپنی ہی جھونک میں تھی۔ تنوی غم زدہ اور حواس باختہ۔

راہداری کے کنارے بری طرح ٹکرا گئیں۔

"ارے بھئی! دھیان سے۔" ماوی نے ہی کچھ حاضر دماغی کا ثبوت دیتے ہوئے اپنے ساتھ ساتھ اسے بھی گرنے سے بچایا تھا۔

"چوری کی ہے یا محض تفریح کے لیے بھاگ رہی ہو؟" حسب عادت ماوی نے سنجیدگی کے ساتھ انتہائی غیر سنجیدہ سوال جڑا۔ تنوی کے پہلے ہی حواس درست نہیں تھے، آن کی آن اور بھی ہونق نظر آنے لگی۔

ماوی نے بغور اسے دیکھا، پھر تعجب سے بولی۔

"ارے! تم تو رو بھی رہی ہو۔" استفسار تھا یا محض بات برائے بات تنوی سمجھی نہیں۔ یوں بھی تازہ تازہ جھاڑ کھا کر نکلی تھی۔ سمجھ بوجھ نے تقریباً ساتھ چھوڑ ہی رکھا تھا۔

"کچھ تو بولو تنوی! ہوا کیا ہے آخر تمہیں؟"

لیکن تنوی نے جواب دینے کے بجائے آنسو پونچھتے ہوئے آہستگی سے نفی میں سر ہلا دیا۔

"تو پھر کیا جسٹ فار دا سیک آف فن رو رہی ہو؟" ماوی نے زور دے کر پوچھا۔ لیکن تنوی مستقل نفی میں سر ہلاتے تیزی سے تقریباً بھاگتے ہوئے آگے نکل گئی۔

"عجیب لڑکی ہے۔" ماوی نے کندھے اچکا کر سوچا اور آگے کی طرف چل دی۔ یوں ہی چلتے پھرتے، گھومتے گھامتے حویلی کے آرکیٹکچر پر غور کرتے ہوئے اسی طرف آ گئی۔ جس طرف پچھلی بار حویلی کی بھول بھلیوں میں کھو کر پہنچ گئی تھی۔

وہی برآمدے کی سیڑھیاں، سامنے احاطہ، کنواں، درخت اور تین اطراف میں بنے کمرے۔

عجیب سا اسرار چھپا تھا اس حصے میں، جو بیک وقت اسے اپنی طرف کھینچتا بھی تھا اور دور رہنے پر مجبور بھی کر رہا تھا۔ معاً اسے وہی لڑکی دکھائی دی۔ ماوی اسے دیکھ کر غیر ارادی طور پر محتاط ہو گئی۔

"لگتا ہے، آپ آج پھر راستہ بھول گئی ہیں۔" وہ لڑکی ماوی کے پاس چلی آئی۔ "آئیں بی بی! آپ کو آپ کے کمرے تک پہنچا دوں۔"

ماوی نے محسوس کیا، وہ پچھلی بار سے کہیں زیادہ پر اعتماد دکھائی دیتی تھی۔

"ایک بار رستہ بھولنے کا مطلب یہ تو ہرگز نہیں ہے کہ ہر بار ایسا ہی ہو۔" ماوی نے بظاہر ہنس کر لیکن معنی خیزی سے کہا۔ "اور میرا خیال ہے، اس بار تو میں بالکل صحیح جگہ پر پہنچی ہوں خیر...... نام کیا ہے تمہارا؟"

"تسنیم۔"

"ہوں...... اچھا نام ہے۔" ماوی نے سرسری سی نظریں اس پر ڈال کر بند دروازوں کو دیکھا۔

"ان بند دروازوں کے پیچھے کیا ہے تسنیم! جو تم ان کی اتنی حفاظت کرتی ہو؟" گو کہ اس کا انداز سرسری تھا۔

"راز ہیں بی بی!"

"ایں......کیا مطلب؟"

تسنیم ہنس دی۔

"ہر حویلی کے کچھ راز ہوتے ہیں بی بی! جن سے حویلی والے واقف ہوتے ہیں یا حویلی کے ملازم...... باہر والوں کو ان رازوں سے آشنائی کی اجازت نہیں ہوتی۔ ان بند دروازوں کے پیچھے بھی راز چھپے ہیں۔ اس لیے میرا مشورہ مانیں ان دروازوں سے دور رہی رہیں۔"

"ان ہی رازوں سے پردہ اٹھانے تو میں یہاں آئی ہوں اور میرا دل کہتا ہے تسنیم! ان بند دروازوں کو کھولنے میں تم ہی میری مدد کرو گی۔" ماوی نے گہری پرسوچ نظریں تسنیم کے چہرے پر ڈالتے ہوئے سوچا۔

"آپ کو کسی چیز کی ضرورت ہو تو بتائیں بی بی! میں آپ کے کمرے میں پہنچا دیتی ہوں۔"

"نہیں! فی الحال تو کسی چیز کی ضرورت نہیں، لیکن اب میں اکثر تمہیں زحمت دوں گی...... سمجھیں؟......نہیں نا؟...... اچھی بات ہے، کچھ معاملات میں کچھ لوگوں کی سمجھ کم ہو، تب ہی بہتر رہتا ہے۔ اچھا! میں چلتی ہوں۔" اس نے مسکرا کر تسنیم کا کندھا تھپتھپایا اور اپنے رستے چل دی۔

تسنیم الجھی ہوئی نظروں سے اسے دیکھتی رہی۔ یہ لڑکی رجب ہی کی بیٹی ہے، یہ خبر گھومتے پھرتے اس تک بھی پہنچ ہی گئی تھی اور دل ہی دل میں اس نے بہت کچھ سوچ بھی لیا تھا، لیکن اس وقت اسے ایسا لگ رہا تھا کہ وہ اپنے ارادوں میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکے گی۔ کیونکہ ماوی کا ہاتھ اسے عقل کی طرف سے تھوڑا تنگ لگ رہا تھا۔

☆☆☆

یہاں سے ہٹ کر جس وقت ماوی، حرم کے کمرے میں پہنچی، تنوی اس کے کندھے پر سر رکھے زار و زار رو رہی تھی۔ حرم اسے پیار سے سہلا رہی تھی جبکہ نمل غصے سے یہاں وہاں ٹہل رہی تھی۔

"چلو......ابھی بڑے ابا سے بات کرتے ہیں۔ آخر شبیہ بھائی کو کس نے اتنا اختیار دیا ہے کہ......"

"ارے ماوی! آؤ نا......دروازے میں کیوں کھڑی ہو؟"

ساتھ ہی ساتھ آنکھوں ہی آنکھوں میں نمل کو اشارہ بھی کیا کہ خاموش رہے، لیکن نمل، حرم جیسی صلح جو اور معاملہ فہم تھی اور نہ ہی تنوی جیسی ڈرپوک کہ کسی کے ڈر سے خاموش ہو جائے۔ ماوی پر ایک اڑتی پڑتی نظر ڈال کر اس وقت بھی اس نے اپنا بیان جاری رکھا تھا۔

"تنوی سمیت ہم سب پر رعب جماتے رہیں۔ یہ ساری بی جان کی دی ہوئی ڈھیل ہے اور سچی بات ہے تنوی!"

تمہاری بزدلی کا بھی بڑا ہاتھ ہے کہ شبیہ بھائی اپنی من مانی کرتے رہتے ہیں۔ جس وقت وہ تمہیں ڈانٹ رہے تھے، وہ چار کھری کھری سنائی ہوتیں تو مجال نہیں تھی کہ دوبارہ تمہیں کچھ کہتے۔"

"تمہارا بھی دماغ ہی خراب ہے نمل!" حرم نے اس کی نان اسٹاپ چلتی زبان سے چڑ کر کہا۔

"تمہیں نہیں پتا کہ تنوی اور شبیہ کے درمیان کیا رشتہ ہے؟ اگر وہ تنوی پر حق جتاتا ہے تو صرف اسی رشتے کی وجہ سے۔ تنوی کیسے اسے کچھ کہہ سکتی ہے؟"

"رشتے کی نوعیت مختلف ہونے کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ انسان جان کو ہی آ جائے۔" نمل مشکل ہی سے قائل ہوتی تھی۔ "اور پھر حق جتانے اور محض رعب جھاڑنے میں بہت فرق ہوتا ہے حرم آپا! منگیتر ہونے کا یہ مطلب تو نہیں ہوتا کہ لڑکا لڑکی کو دوسرے انسانوں سے کاٹ کر ہی رکھ دینا چاہیے۔"

"اچھا! اب اس بات کو ختم کرو۔" حرم نے کن انکھیوں سے ماوی کو دیکھتے ہوئے بحث سمیٹنا چاہی۔

"میں اس بحث کو ختم نہیں کر سکتی۔ مجھے اتنا غصہ آ رہا ہے اس لڑکی پر۔ حد ہوتی ہے بزدلی کی ہر بار کسی نہ کسی بات پر آنسو بہا کر چپ ہو بیٹھتی ہے یہ نہیں کہ اسی وقت دو باتیں سنا کر اپنے دل کا بوجھ ہلکا کر لے۔ اور اس پر سے بی جان سینئر ہٹلر یہ نہیں کہ اپنے جانشین ہٹلر جونیئر کو بھی ساتھ ہی لے جاتیں، بٹھا گئیں ہمارے سروں پر رعب جمانے کے لیے۔ کیا ہمارے ماں باپ موجود نہیں جو ہر ہدایت ہمیں شبیہ بھائی کی طرف سے جاری کی جاتی ہے؟" نمل بہت ہی غصے میں تھی۔

"بس کرو نمل! خدارا بس کر دو۔" حرم کو بری طرح تاؤ آیا۔

"ایک تو بے چاری تنوی ویسے ہی رو رو کر ہلکا ہو رہی ہے، اس پر سے تمہاری بک بک ختم ہونے کا نام نہیں لے رہی۔"

"میری چڑ چڑ اس لیے ختم نہیں ہو رہی کہ شبیہ بھائی کے سامنے آپ نے مجھے بولنے ہی نہیں دیا۔ لے کے ہاتھ دبا دیا میرا۔"

"بھائی ہے وہ ہمارا۔ اگر کسی بات پر کچھ کہہ بھی دیا تو کون سی قیامت آ گئی؟ بھول بھی جاؤ۔" حرم چاہتی تھی، جلد از جلد یہ موضوع ہی سمٹ جائے تاکہ ماوی کے سامنے بات کھلے ہی نہیں۔

"خواہ مخواہ بھول جاؤں۔ چلو تنوی پر پابندیاں لگائیں، بات کسی حد تک سمجھ میں آتی ہے۔ کچھ لوگ بیوی اور منگیتر کے معاملے میں پوزیسو ہوتے ہیں، لیکن ہمیں کیوں منع کیا کہ ماوی سے بات چیت ہی نہ کریں؟" حرم نے سر ہی پیٹ لیا۔ وہی ہوا جس کا ڈر تھا۔ ماوی کے تاثرات ہی بدل چکے تھے۔

"ایں...... مجھ سے بات کرنے سے منع کیا ہے۔ لیکن کیوں؟" وہ جو اب تک ان کی ساری گفتگو سے لاتعلق نظر آنے کی کوشش کر رہی تھی اس نے اچھنبے سے پوچھا۔

"صرف بات کرنے سے منع نہیں کیا تم سے "دور" رہنے کے آرڈر جاری کیے ہیں۔" نمل نے جل کر کہا۔

"واقعی؟" ماوی نے دلچسپ قہقہہ لگایا۔ یوں جیسے بڑی اچھی بات ہوئی ہو۔

تینوں نے بیک وقت اس کو دیکھا۔ اس میں اتنا ہنسنے کی کیا بات تھی آخر؟ لیکن ماوی نے ان تینوں کے تاثرات پر زیادہ توجہ نہیں دی وہ مزے سے پیر جھلاتے ہوئے دل ہی دل میں بہت کچھ سوچنے میں مصروف ہو گئی۔

"تو ثابت ہوا شبیہ العباس بھئی! کہ تم مجھ سے خائف ہو، تب ہی تو اپنی کزنز کو مجھ سے دور رہنے کی تاکید کرتے پھر رہے ہو۔ اب آئے گا

حزا۔ تمہارا نام تو شبیہ العباس کے بجائے "اکڑو بھٹی" ہونا چاہیے تھا۔ اب دیکھنا۔ میں نے بھی تمہاری بساط تم پر ہی نہ الٹ دی تو میرا نام ماوی احسان نہیں۔" وہ مزے سے ارادے باندھ رہی تھی۔

"اب اس موضوع پر کوئی بات نہیں ہوگی۔ تم تو حد ہی کرتی ہو نمل ......! اور تنوی اٹھ کر فوراً منہ دھوؤ" حرم بڑی آپا کا رول نبھاتے ہوئے بولی۔

☆☆☆

اس بات کی پروا کیے بغیر کہ شبیہ العباس لڑکیوں کو اس سے فاصلہ رکھنے کی تاکید کر چکا ہے، ماوی آرام سے بیٹھی ان کے ساتھ گپیں لڑاتی رہی۔ پھر جب ممی کو فون کرنے کے خیال سے وہاں سے باہر نکلی تو حرم اس کے پیچھے ہی چلی آئی۔

"ماوی!" وہ تقریباً آدھی راہداری عبور کر چکی تھی، جب اس نے اپنے عقب میں حرم کی آواز سنی۔ ماوی نے گردن موڑ کر دیکھا۔ حرم تیز تیز چلتی اس کی طرف آ رہی تھی، لیکن ماوی یہ دیکھ کر بھونچکا رہ گئی کہ حرم کی چال میں واضح لڑکھڑاہٹ تھی۔

"رکو ماوی! مجھے تم سے بات کرنی ہے۔" حرم نے قریب پہنچتے ہوئے کہا، مبادا وہ پھر سے چل پڑے۔

"حرم! ...... یہ ......؟" اس کا الجھا ہوا سا استفسار اور نگاہوں کا رخ پیروں کی طرف تھا۔

"کیا؟" حرم نے قدرے تعجب سے اپنے پیروں کی طرف دیکھا، پھر آہستگی سے بے مطلب ہنس دی۔ "اچھا یہ ...... اوہ! میں بھی پتا نہیں کیا ہوا۔ یہ تو میرے پیر میں بچپن سے لنگ ہے اب تو اس کی اتنی عادت ہو گئی ہے کہ اگر میں لنگڑا کر نہ چلوں تو عجیب لگے گا۔ دراصل تم نے پہلی بار دیکھا ہے تو عجیب لگ رہا ہے۔"

اتنی وضاحت کے باوجود ماوی کچھ بول نہیں سکی۔

"علاج نہیں کروایا؟"

"شاید بچپن میں کروایا ہو۔ مجھے ٹھیک سے یاد نہیں" حرم نے لاپروائی سے کہا۔

"مجھے بہت دکھ ہو رہا ہے حرم! آئی ایم سوری۔" ماوی نے ہمدردی سے کہا۔

"تم کیوں دکھی ہو رہی ہو۔" حرم نے دوستانہ انداز میں کہا۔

"اس حویلی میں رہی نہیں ہو نا! اس لیے تمہیں کچھ بھی نہیں پتا۔ بی جان کی ساری اولادوں کو اللہ نے کسی نہ کسی آزمائش میں ضرور ڈالا ہے۔ خود ہمارے بڑے دونوں تایا ذہنی طور پر معذور ہیں۔ پھر بڑے ابا ہیں۔ انہیں اور ان کی اولاد کو کسی بیماری کی آزمائش تو نہیں ملی البتہ ان کو فیملی کا سکون نصیب نہیں ہو سکا۔ پھر ہمارے ابا ہیں تو ان کی اولاد میں سے مجھے بیماری ملی ہے۔ اف ماوی! تم کیا کیا سنو گی۔ بڑی لمبی داستان ہے۔ تم چھوڑو اس بات کو۔ میں تو تم سے صرف اتنا کہنے آئی تھی کہ پلیز نمل کی باتوں کو سیریس مت لینا۔ شبیہ نے تو ذرا سی بات کہی تھی، اس نے بات کا بتنگڑ ہی بنا دیا۔ شبیہ دل کا برا نہیں ہے۔ پتا نہیں کس جھونک میں کہہ گیا ہوگا۔ تم پلیز اس کی باتوں کو دل پر مت لینا۔" حرم بے چاری اپنی ذمہ داری نبھا رہی تھی۔

"ارے نہیں! (میں کسی کی باتوں کو دل پر نہیں لیتی۔ لیکن بدلہ ضرور لیتی ہوں اور شبیہ العباس سے بھی بدلہ ضرور لوں گی۔)" وہ مسکرا مسکرا

کر دل ہی دل میں ارادے باندھ رہی تھی، جبکہ حرم کہہ رہی تھی۔

"شبیہ العباس ہمیشہ سے بی جان کے قریب رہا ہے۔ بی جان اس کی باتوں کو بہت اہمیت دیتی ہیں تو اسی وجہ سے ہمیں بھی اس کی ہر صحیح غلط بات کو ماننا پڑتا ہے۔ اب تو خیر عادت ہی ہو گئی ہے، لیکن نمل ابھی چھوٹی ہے، اسی لیے ہر بات پر اعتراض کرنا شروع کر دیتی ہے۔"

"اور تنوی؟" ماوی نے پوچھا۔ "آئی مین! تنوی اتنا کیوں رو رہی تھی؟ کیا اس کے نزدیک شبیہ العباس کی بات اہم نہیں ہے؟"

"اس کے لیے تو سب سے اہم ہے۔" حرم نے ہنس کر کہا۔

"شبیہ، بی جان کا لاڈلا ہے اور تنوی بی جان کی چھوٹی بیٹی کی نشانی۔ اسی لیے دونوں ہی بی جان کو عزیز ہیں۔ اسی بنا پر بی جان نے تنوی کے پیدا ہوتے ہی اسے شبیہ سے منسوب کر دیا تھا۔ اب میں اور نمل تو شبیہ کی کسی بات سے پھر بھی انکار کر سکتے ہیں، لیکن تنوی ہرگز نہیں۔"

"اچھا!" ماوی کو تعجب ہوا۔

"کیا منسوب ہونے کا مطلب یہ ہی ہوتا ہے کہ لڑکی اپنے سارے اختیارات چھوڑ دے؟" اس کے لہجے میں طنز تھا۔

"ارے نہیں!" حرم ذرا سٹپٹا گئی۔

"دراصل تنوی کچھ خود بھی بزدل ہے۔ اسے اپنا حق لینا آتا ہی نہیں ہے اور کچھ شبیہ بھی بے جا روک ٹوک کر کے زیادتی کر جاتا ہے، پھر تنوی کو پالا بھی میری امی نے ہے اور تمہیں یہ سن کر حیرت ہوگی کہ وہ بالکل میری امی جیسی ہے یعنی فطرتاً اور عادتاً...... ہم بہن بھائیوں میں سے تو کچی بات ہے، جلال کے علاوہ کسی نے بھی امی کی عادات نہیں لیں۔ ہاں! تنوی ہو بہو ان کی کاپی ہے۔ ویسی ہی صلح جو کسی حد تک بزدل...... شبیہ کی ہر کھوٹی کھری سن کر تنوی نے بھی اسے سر چڑھا لیا ہے، ورنہ سچی بات ہے، شبیہ دل کا برا ہرگز نہیں ہے۔"

ماوی نے اس بات پر تبصرہ کرنا کچھ ضروری نہ سمجھا۔

"اور تنوی کے پیرنٹس؟ اس کی ممی کو تو میں نے اب تک نہیں دیکھا۔"

"یہ بھی بڑی افسوس ناک بات ہے کہ تنوی کی پیدائش کے کچھ عرصہ بعد بیٹی پیدا کرنے کے جرم میں تنوی کے والد نے زریں پھپھو کو طلاق دے دی تھی اور تنوی شاید بمشکل ڈیڑھ سال کی ہوگی، جب پھپھو کا بھی انتقال ہو گیا تھا۔"

"اوہ......" ماوی فقط یہ ہی کہہ سکی۔ یہ بڑی افسوس ناک خبر تھی۔ ممی کے اصرار کے باوجود وہ بنیادی طور پر زریں کی تلاش میں ہی حویلی آئی تھی اور اب ان کے انتقال کی خبر نے اسے از حد دکھی اور مایوس کر دیا تھا۔ معاً اسے تسنیم دکھائی دی وہ لان سے گزر کر حویلی کے اندرونی حصے کی طرف جا رہی تھی۔

یکایک ماوی کے ذہن میں کوندا سا لپکا۔

"حرم! تم نے کہا، ہمارے دو تایا ذہنی طور پر معذور ہیں، لیکن میں نے تو ابھی تک انہیں بھی نہیں دیکھا۔"

"نجیب تایا کی تو خیر چھوٹی عمر میں وفات ہو گئی تھی جبکہ زبیر تایا جی حیات ہیں، مگر حویلی کے اندر ان کا اتنا آنا جانا نہیں۔ اب تو خیر! کچھ بیماری اور کچھ بڑھتی عمر کی وجہ سے ضعیف بھی ہو گئے ہیں۔ خود سے چل پھر بھی نہیں سکتے۔ تم نے ابھی بی جان کو نہیں دیکھا۔ زندگی میں اتنے مصائب کا

سامنا کرنے کے باوجود انہوں نے خود کو بہت فٹ رکھا ہے۔ اگر کسی کو بتایا جائے کہ زبیر تایا جی ان کے بیٹے ہیں تو کوئی یقین نہیں کرے گا۔"

حرم اسے جو تفصیلات بتا رہی تھی، ان سے ماوی کو چنداں دلچسپی نہ تھی۔ اس کی پرسوچ نگاہیں تو تسنیم کے تعاقب میں تھیں۔

"تو اگر حویلی کے اندر آنے کی اجازت نہیں ہے تو زبیر تایا جی کہاں رہتے ہیں؟" اس نے اگلا سوال اٹھایا۔

"حویلی کے پچھلے حصے میں بی جان نے کچھ کمرے بنوا رکھے ہیں، ان ہی میں سے ایک کمرے میں تایا جی رہتے ہیں۔ ملازمین ان کی دیکھ بھال کرنے کے لیے ہیں۔"

"ہوں۔" ماوی نے محض اتنا ہی کہا تھا۔ گو کہ ذہن میں سوال سر اٹھا رہے تھے کہ باقی کمروں کو کس مقصد کے لیے استعمال کیا جاتا ہے، لیکن اس سوال کا جواب اسے خود ڈھونڈنا تھا، کیونکہ وہ جانتی تھی، حرم اسے خاطر خواہ جواب نہیں دے سکے گی۔

☆☆☆

شام سے ذرا بعد کا وقت تھا جب ملازمہ مستقیم بھٹی کا بلاوا لیے چلی آئی۔

ماوی ابھی سو کر اٹھی تھی۔ موسم کی مناسبت سے ہلکے نیلے رنگ کی لانگ شرٹ اور جینز پہن رکھی تھی۔ متوقع اعتراضات سے بچنے کے لیے گلے میں اسٹول بھی ڈال لیا تھا اب کافی کی شدید طلب محسوس ہو رہی تھی۔ اس نے کمرے سے نکلتے ہوئے ملازمہ سے اپنے لیے کافی بھجوانے کے لیے کہا اور اسی کی ہمراہی میں مستقیم بھٹی کی اسٹڈی میں آ گئی۔

"السلام علیکم!"

مستقیم بھٹی چشمہ لگائے کوئی کتاب پڑھ رہے تھے جب ماوی نے اندر داخل ہو کر سلام کیا۔

"وعلیکم السلام! آؤ ماوی! میں تمہارا انتظار کر رہا تھا۔" مستقیم بھٹی نے کتاب بند کرتے ہوئے خوشدلی سے کہا۔ ساتھ ہی انہوں نے اسے کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"کیسا گزر رہا ہے وقت؟ کوئی دقت تو پیش نہیں آ رہی؟"

"ارے! دقت کیسی۔ یہاں سب اپنے ہی تو ہیں...... اور سچ بات ہے کہ مجھے یہاں اچھا بھی بہت لگ رہا ہے۔ آفٹر آل میرے بابا کی یادیں جڑی ہوئی ہیں اس حویلی سے اور آپ سب لوگوں سے۔" ماوی نے ہنس کر کہا اور صاف محسوس کیا کہ اس آخری بات پر مستقیم بھٹی کے چہرے پر شرمندگی کے تاثرات دکھائی دیے ہیں۔

"لیکن میرا خیال ہے، کچھ لوگوں کو میرا یہاں آنا پسند نہیں آیا۔"

اس نے معصومیت سے پتا چلایا۔ "آئی مین...... دیکھیے! میں سمجھ نہیں پا رہی کہ مجھے آپ سے یہ کہنا بھی چاہیے یا نہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ میں ابھی حویلی میں رہنا چاہتی ہوں اور سب لوگوں کی ساتھ اچھا ٹائم گزارنا چاہتی ہوں مگر......" وہ یوں ظاہر کر رہی تھی جیسے الجھ رہی ہو بات کا سرا اسے نہ ملتا ہو۔

"تم کو جو بھی کہنا ہے، کھل کر کہو۔" مستقیم بھٹی نے دلچسپی اور سنجیدگی سے کہا۔ "کسی سے ڈرنے یا گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"ڈر یا گھبراہٹ والی تو کوئی بات نہیں تایا جان! لیکن مجھے عجیب سا لگا، جب لڑکیوں نے بتایا کہ شبیہ العباس نے انہیں مجھ سے بات چیت کرنے سے منع کیا ہے۔ اور یہ بہت انسلٹنگ لگا مجھے۔"

"کیا شبیہ العباس نے ایسا کہا؟" مستقیم بھٹی نے اچنبھے سے پوچھا۔

"جی ہاں! بالکل...... اور میری تو خود سمجھ میں نہیں آ رہا کہ اس نے ایسی بات کس بیس (بنیاد) پر کی ہے۔ میری اس سے کوئی دشمنی تو نہیں ہے۔"

اس نے سابقہ انداز میں کہا تھا۔ اب یہ ماوی کی خوش قسمتی تھی یا شبیہ کی بدقسمتی کہ وہ اسی وقت کسی کام سے اسٹڈی میں چلا آیا اور ماوی کو وہاں موجود پا کر اپنی ناپسندیدگی کے تاثرات چھپا نہیں سکا۔

"آپ شاید مصروف ہیں۔ میں پھر آ جاؤں گا۔"

"رکو شبیہ!" مستقیم بھٹی کی آواز پر اس کے پلٹتے قدم تھم گئے۔

"جی؟" اس نے سوالیہ نظروں سے مستقیم بھٹی کی طرف دیکھا۔

"تم نے حرم، تنوی اور نمل کو ماوی سے بات چیت کرنے سے منع کیا ہے؟" ان کا لہجہ سخت تھا۔ شبیہ اتنی واضح جواب طلبی کی توقع نہیں کر رہا تھا لمحہ بھر کو گڑ بڑایا تھا، لیکن اگلے ہی پل اس کا اکل کھرا پن عود کر آیا۔

"جی۔"

"وجہ جان سکتا ہوں؟" مستقیم بھٹی کا لہجہ سخت تھا۔

ماوی کو دل ہی دل میں گدگدی سی ہونے لگی۔

"میں نہیں چاہتا کہ مجھ سے وابستہ کوئی بھی انسان اس سے بات کرے۔" اس نے صاف گوئی سے کہا۔

"ان تینوں کا جو رشتہ تم سے ہے، وہی ماوی سے بھی ہے، پھر تمہیں کس نے اتنا حق دیا ہے کہ انہیں ماوی سے بات کرنے سے روکو؟" مستقیم بھٹی نے بھڑک کر کہا۔

"لیکن ابا......" شبیہ نے کہنا چاہا۔

"بس۔" مستقیم بھٹی نے ہاتھ اٹھا کر روک دیا۔

"تم جا سکتے ہو۔ مجھے تم سے فی الحال کوئی بات نہیں کرنا...... اور ہاں! اگلی بار بھول کر بھی کسی کو ہدایات جاری کرنے کی کوشش مت کرنا۔ خصوصاً ماوی کے معاملے میں تو بالکل بھی نہیں۔"

شبیہ کا چہرہ توہین کے احساس سے سرخ ہو گیا۔ اس نے غضب ناک ہو کر ماوی کی طرف دیکھا۔ وہ پہلے ہی اطمینان سے دائیں ٹانگ بائیں پر رکھے فاتحانہ نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

شبیہ تن فن کرتا باہر نکل گیا۔

"ماوی!" مستقیم بھٹی کی آواز نے اسے چونکایا۔

"جی۔" وہ قدرے گڑبڑا کر متوجہ ہوئی کہ شبیہ کی درگت بنتے دیکھ کر بری طرح مسکرا رہی تھی۔

"شبیہ کی طرف سے میں تم سے معذرت چاہتا ہوں۔ یہ ذرا سر پھرا ہے لیکن تمہیں دوبارہ اس کی طرف سے شکایت کا موقع نہیں ملے گا۔"

"پلیز تایا جان! اب آپ مجھے شرمندہ کر رہے ہیں۔" اس نے ہوشیاری سے کہا اور دل ہی دل میں خود سے بے حد متاثر ہوئی، کیونکہ وہ ہرگز نہ جانتی تھی کہ وہ اتنی باصلاحیت ہے۔ بھئی! ایک تیر سے دو شکار کرنا کوئی معمولی بات تو نہیں ہے نا۔

اگر مستقیم بھٹی سامنے نہ ہوتے تو یقیناً وہ اپنا کندھا تھپک چکی ہوتی۔ وہ مزے سے مستقیم بھٹی سے ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگی۔ تب ہی تسنیم ماوی کے لیے کافی لے کر آئی۔

"چوہدری صاحب! آپ سے بات کرنی تھی۔" وہ مودب ہو کر بول رہی تھی۔

ماوی نے پرسوچ نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے پہلا گھونٹ لیا۔ "لاحول ولاقوۃ، اس قدر بدمزا کافی۔"

"تسنیم! یہ کافی تم نے بنائی ہے؟" بدمزا کافی کے گھونٹ کے باوجود اسے خیال آیا تو پوچھ لیا۔

"جی بی بی!"

"بہت اچھی کافی بنائی ہے تم نے۔" اس نے مرے دل سے، لیکن جوش کے ساتھ کہا۔ "سنو..... اب سے ہر بار میرے لیے کافی تم ہی بنانا۔"

"ہاں بھئی...... بی بی کو تمہارے ہاتھ کی کافی پسند ہے تو تم ہی بی بی کے لیے کافی بنانا۔ خیال رہے ماوی بی بی کو کوئی شکایت نہیں ہونا چاہیے۔"

مستقیم بھٹی نے فوراً اس کی مشکل آسان کردی۔ ماوی اطمینان سے کافی کے کڑوے کسیلے گھونٹ بھرنے لگی۔

☆☆☆

اینیا بے حد پریشان تھی۔ ولید کی طرف سے اس کی فکرمندی دن بہ دن بڑھتی جا رہی تھی، مگر وہ سمجھ نہ پا رہی تھی کہ یہ ساری الجھنیں کس سے ڈسکس کرے۔ ممی بیمار تھیں اور پھر دور بھی جبکہ ڈیڈی کو تو لگتا تھا، کسی معاملے سے کوئی دلچسپی ہی نہیں ہے۔ وہ صبح جلدی آفس جاتے اور رات گئے ان کی واپسی ہوتی تھی۔ ماوی اور ثمینہ آنٹی بھی بہت دن ہوئے انیکسی چھوڑ کر جا چکے تھے ورنہ وہ ضرور ماوی سے ڈسکس کرتی۔

اس روز بھی وہ ولید کے لیے فکرمند ہو کر نماز کے بعد رونے لگی۔ اچھی خاصی پرسکون زندگی کی جھیل میں اتنے سارے پتھر ایک ساتھ۔ تلاطم تھا کہ تھمتا ہی نہ تھا۔ پتھروں کے تہ میں بیٹھنے کا انتظار کرتا تھا، لیکن یہاں تو ایک کے بعد ایک پتھر تھا کہ آئے چلا جا رہا تھا۔

وہ اپنی سوچوں میں غلطاں تھی کہ ڈور بیل نے اسے چونکا دیا۔ اس وقت چار بجے تھے۔ ڈیڈی یا ولید کی آمد بھی غیر متوقع تھی اور کسی مہمان کے آنے کا تو چانس ہی نہ تھا۔ بڑے شہروں میں تو اب اچانک آ کر سرپرائز دینے کا رواج بھی نہیں رہا۔

وہ سوچتے ہوئے اپنے کمرے سے باہر نکلی اور عادتاً بالائی منزل کی ریلنگ سے نیچے لاؤنج میں جھانکا۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اس وقت سچ مچ ایک سرپرائز اس کا منتظر ہوگا۔

☆☆☆

''تمہارے ساتھ مسئلہ کیا ہے شبیہ؟''

مستقیم بھٹی بنادستک دیے جارحانہ انداز میں کمرے میں داخل ہوئے۔ شبیہ اپنے لیپ ٹاپ کے ساتھ مصروف تھا اس نے گردن موڑ کر لاتعلق سی نگاہ ان پر ڈالی۔

''اس دو ٹکے کی لڑکی کے سامنے میری انسلٹ کر کے آپ کی تسلی نہیں ہوئی جو آپ پھر مجھ سے سوال جواب کرنے آ گئے ہیں؟'' اس کا لہجہ گو کم سرد مہر، لیکن تمیز سے عاری تھا۔

مستقیم بھٹی کا چہرہ اشتعال سے سرخ ہو گیا۔

''دو ٹکے کی لڑکی؟'' تمہاری ہمت کیسے ہوئی کہ ماوی کے لیے اس طرح کے الفاظ استعمال کرو۔ عورت کی عزت کرنا سیکھو شبیہ! ورنہ ساری زندگی نقصان اٹھاؤ گے۔'' ان کا لب ولہجہ ان کے غصے کا غماز تھا۔

''آپ بھول رہے ہیں، آپ نے مجھے عورت کی عزت کرنا کبھی نہیں سکھایا۔'' اس نے دوٹوک انداز میں جیسے جوتا ان کے منہ پر دے مارا تھا۔

''ایک وقت پر میں اپنی سگی ماں کے لیے آپ کے منہ سے اس سے کہیں زیادہ برے لفظ سنتا رہا ہوں جیسے لفظ میں اس لڑکی کے لیے بول رہا ہوں۔ حیرت اس بات پر ہے کہ جب آپ کو ایک عورت کے لیے کچھ بولتے ہوئے برا نہیں لگا تو دوسری عورت کے لیے سنتا کیوں برا لگ رہا ہے؟''

''یہ تم نہیں...... تمہارے منہ میں اماں کی زبان بول رہی ہے۔'' مستقیم بھٹی نے تنفر سے کہا۔ ''مجھے ساری عمر پچھتاوا رہے گا کہ میں نے تمہاری تربیت کا ذمہ انہیں سونپ دیا۔ انہوں نے تمہیں بھی اپنے جیسا خودسر اور ضدی بنا دیا۔''

''آپ کو پچھتانا بھی چاہیے، لیکن افسوس اس پچھتاوے کا مجھے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ کس نے کہا تھا مجھے بی جان کی گود میں ڈالیں؟ انہیں میری تربیت کرنے دیں؟ میری ماں کو کیوں نہیں رہنے دیا آپ نے میری زندگی میں؟ اچھا ہوتا، برا ہوتا، کم سے کم میری تربیت تو ان کے ہاتھوں ہوتی۔ آپ نے، آپ کی سابقہ بیوی نے اپنے جھگڑے میں میری پروا نہیں کی۔ ایسے میں بی جان نے مجھے سنبھالا اب میں انہیں کیسے برا کہہ سکتا ہوں...... جبکہ مجھے اپنی پوری زندگی میں نہ کبھی ماں کی محبت کا احساس ہوا اور نہ کبھی باپ کی موجودگی کا۔''

مستقیم بھٹی بے حد غصے میں آئے تھے، لیکن اس وقت اپنا سا منہ لے کر رہ گئے۔ ٹھیک ہی تو کہہ رہا تھا شبیہ۔ اس کی بظاہر اس متوازن پرکشش شخصیت کے پیچھے جو ٹوٹ پھوٹ مچی رہتی تھی، اس میں سراسر قصور ان ہی کی کوتاہیوں کا تھا، پھر آخر وہ کیوں بار بار ہر بات کا الزام اماں کے سر ڈال کر بری الذمہ ہو جانا چاہتے تھے۔

شبیہ کہہ رہا تھا۔

''بی جان کی شخصیت کی خامیوں سے آپ تو واقف تھے، پھر آپ نے کیوں مجھے انہیں سونپ دیا؟ کیوں نہیں مجھے اپنے جیسا بنا لیا؟ افسوس تو یہ ہے کہ نہ میں مکمل طور پر بی جان کے قالب میں ڈھل سکا۔ نہ آپ جیسا بنا اور...... اور نہ اپنی ماں جیسا...... میری تو کوئی انفرادی شخصیت بھی نہیں ہے ابا! اور آپ مجھ سے خدا معلوم کیا کیا توقعات وابستہ کیے بیٹھے ہیں...... مجھے آپ کی بھتیجی سے کوئی مسئلہ نہیں ہے، لیکن میرا دل کہتا ہے کہ وہ

ہمیں کوئی نہ کوئی نقصان ضرور پہنچائے گی۔ بی جان نے زندگی میں بھلے ہی بہت سے غلط فیصلے کیے ہوں، لیکن ان کے کیے ہوئے درست فیصلوں کو بھی آپ کو فراموش نہیں کرنا چاہیے......اس لڑکی کو حویلی میں ٹھہرانے جیسا فیصلہ بی جان سے پوچھے بغیر آپ کو نہیں کرنا چاہیے تھا۔ مجھے جو کہنا تھا میں کہہ چکا۔ اب اس معاملے پر میں آپ سے مزید کچھ نہیں کہوں گا۔ آپ خود سمجھدار ہیں۔"

مستقیم بھٹی جب اس کے کمرے سے نکلے تو ان کے کندھے جھکے ہوئے تھے اور الفاظ گم ہو چکے تھے۔ ہم ہمیشہ بڑے آرام سے دوسروں کو کٹہرے میں کھڑا کر کے احتساب کرنا شروع کر دیتے ہیں اور یہ بھول جاتے ہیں کہ خود کٹہرے میں کھڑے ہو کر احتساب دینا بھی پڑ سکتا ہے۔

☆☆☆

اینیا، فیضان کو اس طرح دیکھ رہی تھی جس طرح کوئی خواب کا منظر اس کے سامنے ہو۔ بن مانگی دعا مجسم ہو کر اس کے سامنے آ گئی تھی۔

"آ......آپ کب آئے؟" بے یقینی اور دبی دبی سی خوشی اس کے لہجے اور آنکھوں سے جھلکتی تھی۔

فیضان خوبصورتی سے مسکرا دیے اور اس کے معصوم چہرے کو آنکھوں میں جذب کرتے ہوئے بولے۔

"اب تو کافی سال گزر چکے۔"

"جی۔" اینیا نے ناسمجھی سے انہیں دیکھا، پھر کھسیانی ہو کر ہنس دی۔

"آپ پلیز! بیٹھیں۔ کیسے ہیں آپ؟"

"میں ٹھیک ہوں اور تم؟"

اس نے بس اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔ دل چاہتا تھا ان کے چہرے سے نظریں ہی نہ ہٹائے۔ اس نے تو سوچا تھا شاید یہ قصہ ختم ہو چکا، لیکن فیضان کو موجود پا کر دل و دماغ کو ایسی خوشی حاصل ہو رہی تھی جو بیان سے باہر تھی۔

"میں انیکسی کی طرف گیا تھا، لیکن وہ لاکڈ ہے۔ شاید ثمینہ آپا اور ماوی کہیں گئی ہوئی ہیں۔ اس لیے میں ادھر آ گیا۔ اگر تمہارے پاس ڈپلیکیٹ کی ہے تو......"

"ہاں......شاید آپ نے اچھا کیا ادھر آ گئے۔ میں انیکسی کھلوا دیتی ہوں۔ شازیہ......" پھر ساتھ ہی کچھ خیال آنے پر بولی۔

"آپ کھانا کھائیں گے؟"

"نہیں! کھانا تو میں فلائٹ میں کھا چکا ہوں۔ ابھی تو سوؤں گا، پھر اس کے بعد چائے۔ اس وقت تک تو شاید ثمینہ آپا اور ماوی بھی آ چکی ہوں اور دانیال بھائی بھی۔" فیضان نے کہا

"اوہ ہاں" اینیا نے کچھ خیال آنے پر بہت سی باتیں ٹال دیں اور شازیہ کو بلا کر انیکسی سے متعلق ہدایات دینے لگی۔

☆☆☆

ماوی کو حویلی میں رہتے تقریباً تین ہفتے گزر چکے تھے اور سچ تو یہ ہے کہ ان تین ہفتوں میں اس نے بہت انجوائے کیا تھا گو کہ شہروز اور شزا

کے ساتھ بھی اس نے بہت یادگار وقت گزارا تھا لیکن یہاں کی بات ہی اور تھی حرم، تنوی اور نمل کے ساتھ ساتھ دونوں بھائیوں سے بھی اس کی اچھی دوستی ہوگئی تھی۔ وہ سب کے ساتھ مل کر حرم کی شادی کی تیاریوں میں بھرپور حصہ لے رہی تھی اور ان سب کے زرق برق کپڑے اسے بہت متاثر کرتے تھے۔

عالیہ نرم طبیعت کی مہربان خاتون تھیں۔ وہ بالکل ماؤں کی سی شفقت کی ساتھ اس کا خیال رکھتیں، لیکن اتنی اچھائی کے باوجود ان کے اندر بے وقوفی کی حد تک سادگی موجود تھی جو جج جلال اور تنوی میں دکھائی دیتی تھی۔

تنوی نے اپنی نانی یعنی جنت بیگم کا صرف نام اور خوبصورتی لی تھی فطرتاً وہ اس عورت کے بالکل برعکس تھی۔

حویلی میں ٹڈی دل کی طرح ملازمین بھرے ہوئے تھے اور اتنے ملازمین کی کھیپ میں سے وہ کسی نہ کسی طرح تسنیم کا اعتماد حاصل کرنے میں کسی حد تک کامیاب ہو ہی گئی تھی۔ شاید اس میں کچھ ہاتھ تسنیم کا اپنا بھی تھا۔ وہ پراسراری لڑکی تھی۔ مالکان کے ڈر سے غالباً کھل کر بات نہ کرتی تھی، البتہ ہر بار کوئی نہ کوئی ایسی بات ضرور کر جاتی تھی کہ ماوی اور محتاط ہو جاتی۔

شبیہ العباس نے اس کے بعد دوبارہ اس کے راستے میں آنے کی کوشش نہیں کی تھی، البتہ ماوی وقتاً فوقتاً اس پر طنزیہ فاتحانہ نگاہیں ڈال لیتی تھی جس سے وہ سلگ کر رہ جاتا مگر خاموش رہتا۔ چند روز بعد وہ واپس لاہور چلا گیا ان تین ہفتوں کے دوران وہ صرف ایک مرتبہ ایک دن کے لیے آیا تھا۔

ماوی شروع میں ہر چھوٹی چھوٹی تفصیل ثمینہ کو بتاتی رہی تھی، مگر پھر اس نے یہ سلسلہ محدود کر دیا۔ جب تک جنت بیگم نہ آ جاتیں، اس کے پاس بتانے کے لیے ایسی کوئی تفصیل نہ تھی جسے سن کر ثمینہ خوش ہوتیں۔

ماوی یہاں جنت بیگم سے ملنے آئی تھی اور اس عورت کے متعلق اتنا کچھ جان لینے کے باوجود وہ کسی قسم کی گھبراہٹ یا ڈر کا شکار نہ تھی، البتہ جلال کا سامنا کرنے کے خیال سے اس پر گھبراہٹ طاری ہونے لگتی تھی اور وہ شرمندگی کا شکار ہو جاتی تھی۔

ایک عام سے دن وہ جب صبح بیدار ہوئی اور ساتھ ہی اپنی بالکونی میں آ کھڑی ہوئی۔ آج اسے بیدار ہونے میں تھوڑی تاخیر ہو گئی تھی۔ تیز چمکیلی دھوپ کی کرنیں بھلی معدوم ہو رہی تھیں۔ اسے جو کمرہ دیا گیا وہ حویلی کی دوسری منزل پر تھا اور یہاں سے حویلی کے مرکزی پھاٹک کا کچھ حصہ دکھائی دیتا تھا۔ معاً اسے ڈرائیو وے پر کچھ گاڑیاں کھڑی دکھائی دیں۔ ایک گاڑی کے پاس شبیہ العباس کھڑا کسی عورت سے بات کر رہا تھا۔

ماوی کی چھٹی حس یکدم بیدار ہوئی۔ وہ چونک کر سیدھی ہوئی اور اس نے بغور اس عورت کو دیکھا جس کے نقوش تو اتنی دور سے بہت واضح نہیں ہو رہے تھے، مگر اس کا مجموعی تاثر خوبصورتی کا تھا اور اس کی شخصیت سے شاہانہ پن اور رعونت جھلکتی تھی۔

"ہو نہ ہو......یہی جنت بیگم ہے۔" ماوی نے زیرلب کہا۔



ماوی بالکونی میں کھڑی تھی۔ معاً اسے ڈرائیو وے پر کچھ گاڑیاں دکھائی دیں۔ ایک گاڑی کے پاس شبیہ العباس کھڑا کسی عورت سے بات کر رہا تھا۔ ماوی کی چھٹی حس یک دم بیدار ہوئی اس نے بغور عورت کو دیکھا۔ اس کا مجموعی تاثر خوب صورتی کا تھا۔

"ہو نہ ہو یہی جنت بیگم ہے۔" ماوی نے زیرلب کہا۔

وہ عورت دور سے دیکھنے پر جتنی دلکش لگتی تھی۔ قریب آنے پر اس کی دلکشی اور خوب صورتی میں کئی گنا اضافہ ہوا تھا۔

بہت ہی شاہانہ سا رکھ رکھاؤ تھا، وقار تھا جو جنت بیگم کی شخصیت سے جھلکتا تھا۔

ماوی اس کے سامنے کھڑی دل ہی دل میں اعتراف کر رہی تھی۔ جبکہ جنت بیگم کی آنکھوں میں الجھن بھرا استفہام تیر رہا تھا۔

ماوی یکدم آگے بڑھی اور بے تکلفی سے بیگم جنت کے گلے لگ گئی۔

''آپ سے مل کر مجھے اتنی خوشی ہو رہی ہے کہ لفظوں میں بیان نہیں کر سکتی۔''

اتنا والہانہ پن...... جنت بیگم کا چہرہ ایک انجانی مسرت سے دمکنے لگا تھا، انہوں نے پیار سے ماوی کو دیکھا اور اس کے چہرے میں پہچان کا رنگ تلاش کرنے کی کوشش کی۔ ماوی نے دیکھا۔ جنت بیگم کی گہری بھوری آنکھوں میں اپنی پذیرائی کی چمک تھی تو اس کی طرف سے الجھن بھی تیر رہی تھی۔

''تم...... میں نے پہچانا نہیں؟'' جنت بیگم نے الجھن آمیز نرم لہجے میں کہا۔ ماوی نے جانا، جتنی وہ خوب صورت تھی اس سے زیادہ دلکش اس کی آواز تھی۔

''آپ انہیں نہیں پہچان سکتیں بی جان! کیونکہ آپ نے انہیں پہلی بار دیکھا ہے۔'' اس سے پہلے کہ ماوی کوئی جواب دیتی، شبیہ العباس نے ڈرائیونگ سیٹ کے دروازے کو زور سے بند کرتے ہوئے کہا۔

''یہ ماوی رجب علی ہیں۔ دادا جان کے سب سے بڑے بیٹے کی اکلوتی دختر نیک اختر.... آئر لینڈ سے بطور خاص آپ سے ملنے کے لیے تشریف لائی ہیں۔''

جنت بیگم کے عقب میں کھڑا اپنی پشت پر دونوں ہاتھ باندھے وہ گہری نظروں سے ماوی کو دیکھتا بے حد طنزیہ لہجے میں بول رہا تھا۔

جنت بیگم تو جنت بیگم دوسری طرف کھڑا جلال بھی اس اطلاع پر دم بخود رہ گیا تھا۔ لیکن چونکہ وہ گاڑی کی دوسری سمت میں تھا اس لیے اس کے تاثرات تو ماوی دیکھ نہیں سکی البتہ جنت بیگم کے چہرے پر بدلتے رنگوں کو ماوی نے دیکھا تھا اور دل ہی دل میں جی بھر کر محظوظ بھی ہوئی تھی۔

''کیسی ہیں آپ دادی جان'' اس نے فرط جذبات سے ایک بار پھر انہیں گلے لگانا چاہا لیکن اس بار جنت بیگم بدک کر پیچھے ہٹی اپنے سابقہ تاثرات کی طرح وہ یہ تاثرات بھی چھپا نہیں پا رہی تھی۔

''میں ٹھیک ہوں...... کچھ دیر آرام کروں گی۔'' جنت بیگم نے یک دم خود پر قابو پاتے ہوئے لاتعلقی سے کہا۔

ایک نخوت بھری نظر ماوی پر ڈالی اور مخالف سمت میں چلی گئی۔ حرم اور عالیہ جھٹ پٹ ان کے عقب میں چل دی تھیں۔

شبیہ العباس مستقل ماوی کو طنزیہ نظروں سے گھور رہا تھا جبکہ جلال ابھی تک اس اچانک لگنے والے جھٹکے سے ہی نہیں سنبھلا تھا۔

ماوی کی نظر جوں ہی اس پر پڑی، وہ گڑبڑا کر تیزی سے دوسری طرف چل دی تھی۔ اسے جنت بیگم کا سامنا کرنے سے اتنی گھبراہٹ نہیں ہو رہی تھی جتنا ڈر جلال کا سامنا کرنے سے لگ رہا تھا۔

''ممی نے اسے برا پھنسایا ہے۔'' صرف جلال کا خیال آتے ہی اس کے ذہن میں یہ جملہ گونجنے لگتا تھا۔

☆☆☆

''کیسا لگا سرپرائز!''

ماوی کو تیز قدموں سے جاتا دیکھ کر شبیہ العباس نے کہا، اس کا مخاطب بجا طور پر جلال الدین تھا جو تقریباً ہکا بکا کھڑا ماوی کو جاتے دیکھ رہا تھا۔

شبیہ العباس نے گردن موڑ کر جلال کو دیکھا اور اس کے تاثرات دیکھ کر اپنی ہنسی چھپا نہیں پایا۔

''میں نے کہا، جلال الدین صاحب، اپنی پیاری سہیلی کو دیکھ کر کیسا محسوس ہو رہا ہے؟''

''کیا بکواس کر رہے ہو؟'' جلال بری طرح گڑبڑایا تھا۔

''بکواس نہیں کر رہا۔ صرف تمہاری رائے جاننا چاہ رہا تھا کہ اتنے زبردست سرپرائز پر کیسا محسوس کر رہے ہو؟ اتنی اچھی دوست ہے یہ لڑکی تمہاری اور اب اتنی قریبی رشتہ داری بھی نکل آئی ہے۔ یقیناً تمہیں بڑی خوشی ہو رہی ہو گی۔'' اس نے بغور جلال کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

''مجھے کیوں خوشی ہو گی؟'' جلال فوری طور پر بات سنبھال نہیں پا رہا تھا نہ ہی اپنے تاثرات چھپا پا رہا تھا۔

''تو کیا تمہیں افسوس ہو رہا ہے؟'' شبیہ نے کریدا۔

''نہیں...... ایسی بھی کوئی بات نہیں۔

''اچھا تو پھر......؟''

''پھر یہ کہ حیران ضرور ہوا ہوں'' جلال نے محض اتنا کہا۔

''مجھ سے جھوٹ مت بولو جلال! کہ تم صرف حیران ہوئے ہو۔ تمہیں اچھا خاصا شاک لگا ہے۔'' شبیہ کا انداز اچھا خاصا استہزائیہ تھا۔

جلال بری طرح چڑ گیا۔

''تم یہاں کھڑے ہو کر اندازے لگاتے رہو۔ میں اتنی لمبی فلائیٹ سے تھک گیا ہوں۔ تھوڑا آرام کروں گا تو شاید تمہاری اوٹ پٹانگ باتیں سننے کے لیے دماغ تیار ہو جائے۔'' جلال نے اکتا کر کہا اور چلا بنا۔ بغیر پلٹ کر شبیہ کی طرف دیکھے بھی وہ جانتا تھا کہ وہ مستقل مسکرا رہا ہے۔ یوں جیسے اس کی چوری پکڑ لی ہو اور یہی خیال اس کے قدموں میں مزید تیزی بھر رہا تھا۔

☆☆☆

''یہ لڑکی حویلی میں کیا کر رہی ہے؟''

جنت بیگم نے بے حد سرد لہجے میں پوچھا تھا۔ سوال بلاشبہ ماوی کے بارے میں ہی کیا گیا تھا۔ مستقیم اور منصور کوئی بھی جواب نہ دے سکے۔ اتنی عمریں گزار کر بھی ان دونوں میں اتنی ہمت نہ آئی تھی کہ ماں سے اپنے حق کے لیے بول سکیں۔ اس وقت تو یوں بھی وہ طیش میں تھی اور اس کا انداز کہتا تھا کہ کوئی بھی وضاحت سننے پر راضی نہ ہو گی۔

''میں کیا پوچھ رہی ہوں تم دونوں سے؟'' انہیں مستقل خاموش پا کر جنت بیگم نے مزید بھڑک کر کہا۔'' کس نے اجازت دے اسے حویلی

میں رہنے گی؟"

"ابا نے۔" بلآ خر شبیہ نے خاموشی کو توڑا تھا۔

شبیہ کی بات سن کر جنت بیگم پر جیسے بجلی گری تھی۔ اس نے بے یقینی سے مستقیم بھٹی کو دیکھا۔

"کیا شبیہ ٹھیک کہہ رہا ہے؟" مستقیم بھٹی نے ناچار اثبات میں گردن ہلا دی۔ اس بات نے جنت بیگم کے غصے کو دوگنا بڑھا دیا۔

"تم...... تم نے...... یہ حرکت منصور نے کی ہوتی تو میں مان بھی لیتی۔ اس کے پاس عقل کی کمی ہمیشہ سے رہی ہے لیکن...... مستقیم تم۔" دونوں کے چہروں پر رنگ گزرے تھے۔

"اماں! میری بات تو سنیں۔" مستقیم بھٹی نے کہنا چاہا۔

"کون سے کارنامے انجام دیے ہیں تم نے جن کو میں سنوں؟ اپنی طرف دیکھو مستقیم! سر میں ایک بھی بال ایسا نہیں جو سفید نہ ہو چکا ہو۔ میں نے اپنی پوری عمر گزار دی تاکہ تم لوگوں کی کچھ بھلائی ہو سکے لیکن تم بھائیوں کو عقل آنی تھی سو نہ آئی۔" وہ بھڑک کر بول رہی تھی۔

"کیسی کیسی قربانیاں نہیں دیں میں نے تم لوگوں کے لیے اور تم سے اتنا نہ ہو سکا کہ میرے ایک فیصلے کا مان ہی رکھ لو"

"آپ مجھے غلط سمجھ رہی ہیں اماں!" مستقیم بھٹی نے تڑپ کر کہا۔

"غلط سمجھ رہی ہوں؟ ہرگز نہیں...... کیا تم نہیں جانتے، رجب اور اس کی بیوی بچی کو اس حویلی اور جائیداد سے دستبردار کروانے کے لیے میں نے کتنے جتن کیے تھے؟ سب کچھ جانتے بوجھتے تم نے پھر اس لڑکی کو حویلی میں گھسا لیا۔"

"صرف اس لیے اماں! کیونکہ مجھے لگتا ہے جو بھی ہوا، وہ غلط تھا۔" مستقیم بھٹی نے جلدی سے کہا، مبادا اس بار بھی اسے بولنے سے روک دیا جائے۔

"آپ نے کبھی غور کیا ہے اماں! کہ ہماری زندگی میں سکون کی کس قدر کمی ہے۔ بظاہر سب ٹھیک لگتا ہے جیسے ہم سب مکمل اور بھرپور زندگیاں گزار رہے ہوں لیکن ہم سب اندر سے کھوکھلے ہیں۔ اتنے بے سکون کیوں ہیں ہم اماں! آپ نے یہ سوچا ہے کہ ایسی کیفیت تب سے ہے جب سے رجب کا انتقال ہوا ہے آپ نے زبردستی اس کی بیوی اور بیٹی کو حویلی سے نکال دیا۔"

"بس اب اس کے آگے ایک لفظ مت کہنا مستقیم!" جنت بیگم نے بھڑک کر کہا۔ کمرے میں چند منٹوں کے لیے بالکل خاموشی چھا گئی تھی۔

"بڑھاپا تم پر اب آیا ہے لیکن سٹھیا تم کئی سال پہلے گئے تھے۔ ایسی باتیں میں آج نہیں سن رہی، کئی سالوں سے سن رہی ہوں۔ کیے کرائے پر پانی پھیرنا کوئی تم جیسی اولاد سے سیکھے۔" جنت بیگم نے تنفر سے کہا۔

"تم سب لوگ فی الحال یہاں سے چلے جاو۔ مجھے تمہارہ کر اس بات پر غور کرنا ہے کہ اس لڑکی سے چھٹکارا کیسے حاصل کیا جائے"

جنت بیگم نے آرڈر جاری کیا۔ سر جھکا کر کمرے سے نکلنے والوں میں مستقیم بھٹی پہلا شخص تھا۔

☆☆☆

جلال کی بے چینی شبیہ العباس سے مخفی نہ رہی تھی یا یوں کہنا زیادہ مناسب رہے گا کہ وہ اپنی بے چینی جمع پریشانی چھپا ہی نہ رہا تھا۔ دوسرے شبیہ کے دل میں اس کی طرف سے پہلے ہی کچھ شک سا آیا ہوا تھا تب ہی وہ زیادہ دیر خاموش بھی نہ رہ سکا۔

''تم خود بتاؤ گے کہ مسئلہ کیا ہے یا میں بتا دوں؟''

''مسئلہ...... کیسا مسئلہ؟'' جلال اس کی بات پر ایک دم ٹھٹھک کر اسے دیکھنے لگا۔

''وہی مسئلہ جس کے لیے تم پریشان ہو۔''

''پریشان...... نہیں۔ ایسی تو کوئی بات نہیں۔'' وہ خفیف سا ہنسا۔

''ہاہاہا...... پریشانی تو تمہارے چہرے پر لکھی ہے۔''

''شبیہ! فضول نہ بول یار!'' ''اس میں فضول کیا ہے۔ سچ کہو، کیا تم ماوی کی وجہ سے پریشان نہیں ہو؟'' شبیہ نے جیسے تاک کے وار کیا تھا۔

جلال کچھ بولتا، اس سے قبل ہی وہ پھر بول اٹھا۔

''مجھے اندازہ تھا اس لڑکی کو دیکھ کر تم چونک جاؤ گے، حیران ہو گے لیکن پریشان ہو گے۔ اس کا رتی بھر بھی اندازہ نہیں تھا۔ وہ تمہاری اچھی دوست ہے، اسے دیکھ کر پریشان ہونے کی وجہ میری بالکل سمجھ نہیں آ رہی۔''

''شبیہ! کیا یہ ضروری ہے کہ تم ہر بات سے متعلق اندازے لگاتے رہو؟'' جلال نے جیسے چڑ کر کہا تھا۔

شبیہ بے ساختہ ہنسا۔

''اس کا مطلب میرے اندازے درست ہیں؟''

''شبیہ! اللہ کو مانو یار! جان بخشو میری۔''

''ٹھیک ہے۔ جاؤ معاف کیا...... تم بھی کیا یاد کرو گے۔ لیکن ماوی سے متعلق وہ راز کی بات تمہیں مجھے بتانا ہی پڑے گی جو تم نے اپنے دل میں دبا رکھی ہے۔''

''شبیہ! تو پاگل تو نہیں ہو گیا! کس طرح کی باتیں کر رہا ہے۔''

''کوئی آج سے نہیں جانتا میں تمہیں جلال! جتنی تمہاری اور میری عمر ہے، اتنے ہی عرصے سے میں جانتا ہوں۔ تمہارے بارے میں کوئی اندازہ لگانا میرے لیے کبھی بھی مشکل ثابت نہیں ہوا۔ ہاں اندازے کی سو فیصد درستی کا دعویٰ نہیں کرتا۔''

''میں کچھ دیر اور یہاں رکا تو ایسی باتیں کر کر کے تم میرا دماغ ہی چاٹ جاؤ گے۔ اس لیے بہتر ہے میں یہاں سے چلا ہی جاؤں۔ غضب خدا کا، رائی ہوتی ہے تو لوگ پہاڑ بناتے ہیں تم تو بنا رائی کے ہی پہاڑ بنانے لگے ہو۔'' وہ ایک بار پھر چڑ کر کمرے سے باہر نکل گیا۔

''ٹھیک ہے جلال میاں! اگر تم نے ٹھان لی ہے کہ اپنے راز نہ اگلو گے تو میرے پاس بھی اصل بات نکلوانے کے طریقے کم نہیں ہیں۔ اب میں اس بات کا پتا لگا کر ہی رہوں گا۔ شبیہ دل ہی دل میں سوچ رہا تھا۔

☆☆☆

منتقم مزاج تو خیر وہ ہمیشہ سے رہی تھی۔

لیکن اتنی بھی نہیں کہ فوراً انتقام کے لیے سوچنے لگے۔ایسا پہلی بار ہی ہو رہا تھا کہ اس کے ذہن نے فوراً کوئی لائحہ عمل ترتیب دینا شروع کر دیا تھا۔

یا شاید ہمیشہ ایسا ہی ہوتا تھا تب ہی تو آج وہ اس مقام پر تھی۔

اور اس مقام پر بھی وہ ہمیشہ سے ہی تھی۔ بلا شرکت غیرے، ہر طرح کا اچھا برا فیصلہ کرنے کے لیے آزاد۔

بچپن سے ہی وہ یہ دیکھتی آ رہی تھی کہ اسے ہمیشہ خاص مقام ملتا، اس کے باپ نے اسے یہی سکھایا تھا کہ وہ بہت خاص ہے۔خوب صورتی اور ذہانت میں اس کا کوئی ثانی نہیں۔

اس کے فیصلے پتھر پر لکیر کی طرح ہیں جو مٹ نہیں سکتے، وقت کے ساتھ معدوم ہونے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

وہ رات کو دن کہنا چاہے تو دیگر افراد پر فرض ہے کہ وہ بھی رات کو دن مان لیں۔

اور دن کو رات کہہ دے تو کوئی اس سے بھی منحرف نہیں ہو سکتا۔اس کی زبان سے ادا ہوا ہر لفظ سچا ہے۔

وہ معصومیت میں فرشتوں کو مات کرتی ہے۔

اب وہ فرشتوں کو مات کرتی تھی یا نہیں، لیکن اسے ایسا ہی لگنے لگا تھا۔ جو انسان اس طرح کی باتیں سنتا پروان چڑھا ہو۔اس سے بھلائی کی توقع ذرا کم ہی کی جا سکتی ہے۔

جب سوتیلی ماں اس کے راستے میں حائل ہونے لگی تو اس نے مہارت سے سوتیلی ماں کو پچھاڑ دیا۔

شوہر نے اڑی کی تو راستے سے ہٹا دیا۔

بلکہ اس نے تو راستے میں آئے ہر اس پتھر کو مہارت سے ہٹایا تھا جس سے اسے ٹھوکر لگنے کا اندیشہ ہو، پھر یہ کس طرح ممکن تھا کہ جب کا پتھر راستے سے ہٹ جانے کے بعد وہ ثمینہ اور اس کی بیٹی کو کانٹا بن کر اپنے حلق میں اٹکا رہنے دیتی۔اس نے بڑی مہارت سے ان کے پتے بھی صاف کر دیے تھے۔

ہاں، ایک بار تھوڑی بھلائی ذہن میں آئی جو در حقیقت اس کے اپنے فائدے کی ہی تھی تو پھر سے ثمینہ کے در پر پہنچی لیکن اس بار ثمینہ نے اسے رد کر دیا تھا۔

جنت بی بی اشتعال سے بھر گئی۔بس نہ چلتا تھا کہ کیا کر ڈالے۔دو ٹکے کی عورت نے اسے انکار کر دیا۔کیوں؟ آخر اس کی ہمت کیسے ہوئی؟ تب وہ اسے دھمکا کر واپس چلی آئی۔

ہاں، یہ الگ بات ہے کہ اس کا غصہ بڑی مشکلوں سے ٹھنڈا ہوا تھا اب پھر ثمینہ کی بیٹی اس کے سینے پر مونگ دلنے چلی آئی تھی۔

جنت بی بی کو اس لڑکی سے کوئی خدشہ نہ تھا، جہاں اتنوں کا مقابلہ کر لیا، وہاں یہ نازک سی لڑکی کیا چیز تھی۔

صدمہ تھا، غصہ تھا تو صرف اس بات کا کہ بیٹے نے اس کی اجازت بغیر اتنا بڑا فیصلہ کیسے کر لیا۔

وہ تو ماں کا پلو پکڑ کر چلنے کا عادی تھا۔ماں کی ہر بات آنکھیں اور کان بند کر کے ماننے کا پابند۔

پھر وہ منحرف کیسے ہو رہا تھا۔ آخر ایسی کون سی جادو گری کی تھی اس لڑکی نے کہ مستقیم اسے ہی صحیح قرار دینے لگا تھا۔

وہ اپنے کمرے میں تنہا بیٹھی اسی نہج پر سوچ رہی تھی کہ پھر مستقیم بھٹی نے ماں کے کمرے میں جھانکا۔

"تم یہاں سے چلے جاؤ مستقیم! بے حد غصہ ہے مجھے تم پر۔" اس نے سرد مہری سے کہا۔

"اماں! کیا مجھے اپنی صفائی پیش کرنے کا ایک موقع بھی نہیں دیں گی آپ؟" مستقیم بھٹی کے دل پر ماں کے خفگی کے خیال سے ٹھیس سی لگی۔

"صفائی پیش کرنے کا موقع......؟" جنت بیگم نے سرد مہری سے کہا۔ "کیا تم میں خود عقل نہیں ہے جو اس لڑکی کو حویلی میں گھسا لیا؟"

"اماں! آپ ماوی سے ایک بار بات تو کر کے دیکھیں۔ آپ کو خود اندازہ ہو جائے گا کہ وہ بری لڑکی نہیں ہے" مستقیم نے کھکھیا کر کہا۔

"مجھے اس کی اچھائی، برائی سے کیا لینا۔ میں نے کون سا اسے اپنی بہو بنانا ہے جو اس بات پر دھیان دوں۔" جنت بیگم نے نخوت سے کہا۔

"اماں......!"

"بس......" جنت بیگم نے سرد مہری سے اسے ٹوک دیا۔

"اس لڑکی کو میرے پاس بھیجو۔ دیکھوں تو سہی، بیٹا کتنے پانی میں ہے۔ ثمینہ کی بھی بڑی ہمت ہے جو جوان جہان بیٹی کو اٹھا کر اتنی حوصلہ مندی سے حویلی بھجوا دیا۔ کیا وہ جانتی نہیں ہے مجھے۔"

یہ آخری جملہ خود کلامی کے سے انداز میں کہا تھا۔ مستقیم بھٹی کے لیے یہی بہت تھا کہ "پیاری اماں" ماوی سے بات کرنے پر راضی ہو گئی ہیں۔

☆☆☆

اور ماوی کتنے پانی میں ہے۔ اس بات کا اندازہ جنت بیگم کو اگلے چند منٹوں میں بخوبی ہو گیا تھا۔ جب ماوی نے ملازمہ کو یہ کہہ کر واپس بھجوا دیا کہ ابھی وہ آرام کر رہی ہے اور عصر کی نماز کے بعد جنت بیگم سے ملنے آئے گی۔

جنت بیگم کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ اتنی ہمت تو ان کے بچوں اور پھر آگے ان کے بچوں نے بھی کبھی نہ کی تھی کہ وہ بلوائے اور کوئی آنے سے انکار کر دے۔

وہ تن فن کرتی ماوی کے سر پر پہنچیں۔ ماوی بی بی پلنگ پر نیم دراز کانوں پر ہیڈ فون لگائے کسی دھن پر گردن اور پیر ایک ساتھ ہلا رہی تھی۔

جنت بیگم کو دیکھ کر خوش دلی سے مسکرائی اور نزاکت سے ہیڈ فون اتارتی سیدھی ہو بیٹھی۔

"آپ نے کیوں زحمت کی دادی جان! میں عصر کی نماز کے بعد خود آ جاتی آپ سے ملنے۔"

"پہلے تو کچھ باتیں ذہن نشین کر لو، ایک یہ کہ میں تمہاری دادی نہیں ہوں۔ تمہارے باپ کی ماں اس کے بچپن میں ہی اس دنیا سے رخصت ہو گئی تھی اور مجھے لے پالک بچے پالنے کا کوئی شوق نہیں تھا۔ اس لیے اگلی بار تم مجھے دادی کہہ کر مخاطب مت کرو تو اچھا ہو گا۔

دوسری بات یہ کہ اگلی بار میں تمہیں بلواؤں تو فوراً آنا۔ میری بات سے انکار کی جرأت آج تک اس حویلی میں کسی نے نہیں اور تم جب تک اس حویلی میں ہو، اس اصول کی پیروی کرو تو تمہارے حق میں بہت ہی اچھا ہو گا۔" جنت بیگم نے سرد مہری سے کہا۔

"چھوٹی سی دو باتیں...... لیکن اتنے غصے میں...... اور یوں کھڑے کھڑے۔" ماوی نے حسب سابق مسکرا کر کہا۔

"اب اگر آپ میرے کمرے میں آ گئی ہیں تو آیئے نا! اطمینان سے بیٹھ کر باتیں کرتے ہیں۔" بھگو بھگو کر لگانے میں تو اسے یوں بھی ملکہ حاصل تھا۔ یہ کیسے ممکن تھا کہ جنت بیگم کو بخش دیتی۔ اس بات پر جنت بیگم نے برح طرح پیچ و تاب کھایا تھا۔

"یہ کمرا تمہارا ہرگز نہیں ہے۔ ہاں تمہیں عارضی طور پر چند روز کے لیے ضرور دیا گیا ہے۔ یہ حویلی میری ہے اور اس کا ہر کمرا بھی میرا ہے۔ یہاں بیٹھنے کے لیے مجھے کسی کی دعوت یا اجازت کی ضرورت ہرگز نہیں ہے۔"

جنت بیگم نے اسٹاکش سی کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

اس کے چہرے پر مسکراہٹ واضح طور پر گہری ہوئی تھی۔ لیکن اس بار وہ خاموش رہی اور پلنگ کے کنارے پر ٹک کر جنت بیگم کے اگلی بات کا انتظار کرنے لگی۔

"دیکھو لڑکی! جو بھی تمہارا نام ہے۔" جنت بیگم نے نخوت سے سر جھٹکا۔ "مجھے تم سے کوئی لمبی چوڑی بات نہیں کرنی، صرف یہ جاننا چاہتی ہوں کہ تمہارے ارادے کیا ہیں؟ کس مقصد کے لیے آئی ہو تم حویلی میں؟"

"میں آپ لوگوں سے ملنے...... اس حویلی میں رہنے......" ماوی نے کہنا چاہا، جنت بیگم نے درشتی سے ٹوک دیا۔

"تمہارے اس جھوٹ پر مستقیم یقین کر سکتا ہے، میں نہیں۔" اس نے کڑی نظروں سے ماوی کو گھورتے ہوئے کہا۔ "بہتر ہوگا کہ مجھے باتوں میں الجھانے کی بجائے تم اصل بات بتاؤ۔ شکل سے تو اچھی خاصی چالاک لگتی ہو، میرا نہیں خیال کہ تم محض یہاں کسی سے ملنے آئی ہو۔" ماوی کھل کر مسکرائی پھر مسکراتے مسکراتے ہنس دی۔

"چلیں۔ آپ کے بارے میں میرا یہ اندازہ تو بہت درست ثابت ہوا کہ آپ شکل دیکھ کر انسان کو پہچان لیتی ہیں۔" اس کا انداز صاف مذاق اڑاتا ہوا تھا۔ "اور اب آپ کو پتا چل ہی چکا ہے کہ میں بہت چالاک ہوں تو جھوٹ بول کر میں کیا کروں گی۔ آپ صحیح سمجھ رہی ہیں، میں اس حویلی میں محض آپ لوگوں سے ملنے نہیں آئی، بلکہ مقصد کچھ اور ہے۔" وہ مزے سے بول رہی تھی۔

"کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ تم مختصر لفظوں میں وہی مقصد بیان کر دو۔" جنت بیگم نے سلگ کر کہا۔ "اتنے سالوں کے بعد آخر تمہیں یا تمہاری ماں کو کیا سوجھی کہ تمہیں اٹھا کر یہاں بھجوا دیا، آخر کوئی نہ کوئی مقصد تو ہوگا۔"

"ظاہر ہے۔" وہ حسب سابق مسکرائی۔ "ویسے بھی اتنے مصروف دور میں اتنا فضول وقت کس کے پاس ہے کہ محض رشتہ داروں سے تعلق قائم رکھنے کو اتنی دور آتا پھرے۔" اس نے بنا کیسی لاگ لپیٹ کے کہا تھا۔

جنت بیگم کے چہرے کا رنگ بدلا تھا۔ اسے اتنی صاف گوئی کی توقع بھی نہیں تھی۔

"تو پھر......؟"

"مجھے اپنے دادا کی وراثت میں سے اپنے بابا کا حصہ چاہیے۔"

''ہاہاہا......وہ تو تمہیں نہیں مل سکتا۔'' جنت بیگم نے تمسخرانہ انداز میں کہا تھا۔'' کیونکہ تمہارا باپ اپنا حصہ پہلے ہی وصول کر چکا ہے۔''

''کوئی ثبوت؟'' ماوی نے تیکھے انداز دے پوچھا۔

''تمہیں ثبوت دینے کی پابند نہیں ہوں میں۔''

''ثبوت تو آپ کو دینا پڑے گا۔ چاہیں تو اسے چیلنج سمجھ لیں۔''

''تم بھی اسے چیلنج سمجھو۔ ڈھونڈ سکتی ہو تو خود ثبوت ڈھونڈ لو۔ مجھ سے تعاون کی امید مت رکھنا۔'' جنت بیگم نے اٹھتے ہوئے کہا۔

''ڈھونڈ تو میں لوں گی اور تعاون بھی آپ کو کرنا پڑے گا۔ اسپیشلی میرے بابا کے قاتل کے خلاف ثبوت ڈھونڈنے میں تو آپ کو ہی تعاون کرنا پڑے گا۔''

جنت بیگم تڑپ کر پلٹی'' کیا کہا تم نے؟''

''وہی جو آپ نے سنا۔'' ماوی نے بے مروتی سے کہا اور جنت بیگم کے تاثرات کو بغور جانچا۔

''جب آپ میرے ساتھ کوئی لحاظ، مروت رکھنے کو تیار نہیں ہیں تو مجھے بھی فرشتہ نہ سمجھیں کہ میں تمیز سے پیش آؤں گی، میرے بابا کا قاتل کون ہے، میں نہیں جانتی لیکن آپ اور آپ کے بچے میرے شک کے دائرے میں سب سے پہلے آتے ہیں۔''

''تو ہمارے خلاف کوئی ثبوت ڈھونڈو گی۔''

''آپ نے میری بات غور سے نہیں سنی شاید میں نے کہا میں قاتل کے خلاف ثبوت لینے آئی ہوں۔'' اس ایک جملے میں اس نے بہت کچھ جتا دیا تھا۔ جنت بیگم کا پورا وجود پہلے حیرانی اور پھر غصے سے بھڑ بھڑ جلنے لگا۔ س نے بری طرح ماوی کو گھورا، پھر تمسخرانہ ہنس دی۔

''تمہارے پاس صرف چار دن ہیں۔ جو ڈھونڈنا ہے ڈھونڈ لو، ٹھیک چوتھے دن میں تمہیں اس حویلی سے باہر پھنکوا دوں گی۔''

''میرا دل چاہے گا تو میں چار دن رکوں گی اور دل چاہے گا تو چار مہینے۔''

''اتنا بڑا دعویٰ مت کرو لڑکی! منہ کے بل گرنے میں ایک منٹ ہی لگتا ہے۔''

''دوسروں کے راستے میں رکاوٹ کھڑی کر کے انہیں گرانے کا آپ کو بہت شوق ہے۔ لیکن افسوس، اس بار آپ خود کو اوور اسٹیمیٹ کر رہی ہیں۔''

''پہلی بار تمہارا جنت بیگم سے سامنا ہوا ہے۔ اسی لیے اتنا اونچا اڑ رہی ہو۔ چند روز کی بات ہے سب سمجھ آ جائے گا۔''

''اور آپ کا سامنا آج تک جن لوگوں سے ہوا۔ وہ بودے لوگ تھے۔ آپ بھی مجھ سے پہلی بار مل رہی ہیں۔ اتنی جلدی میرے بارے میں آپ بھی اندازہ نہ لگائیں۔ میں جس مقصد کے لیے آئی ہوں اسے پورا کر کے ہی جاؤں گی۔''

جنت بیگم تمسخرانہ نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔ اسی وقت ملازمہ مہمانوں کی آمد کا پیغام لیے چلی آئی۔'' حرم باجی کی ساس اور نند آئی ہیں۔''

جنت بیگم نے اسے جانے کا اشارہ کر کے ماوی کو دیکھا۔'' صرف چار دن......یاد رکھنا۔'' اور کمرے سے باہر نکل گئی۔

ماوی کے لبوں پر گہری مسکراہٹ آ گئی۔

☆☆☆

اینیا باہر نکلی تو دیکھا، فیضان برآمدے میں پریشان سے ٹہل رہے تھے۔ "خیریت تو ہے، آپ پریشان لگ رہے ہیں۔" اینیا نے آ کے قریب جاتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں...... میں ماوی کے لیے پریشان ہوں۔" فیضان نے کہا۔

"کیا مطلب، کیا ہوا ہے۔ ماوی کو؟" اینیا نے بھی پریشان ہو کر پوچھا۔

"یہی تو پتا نہیں...... لیکن وہ کل سے واپس نہیں آئی نہ ہی میرا اس سے فون پر رابطہ ہو پا رہا ہے۔ میں نے اسی لیے تمہیں بلوایا تھا کہ تمہیں اس کے ہاسٹل کے بارے میں کچھ علم ہے کہ......"

وہ الجھے الجھے سے بول رہے تھے۔ اینیا نے دیکھا، ان کی بڑی بڑی سیاہ آنکھوں میں سنہری دھوپ شنگر بن کر پھیل گئی تھی۔ اینیا کا دل چاہا ان کی آنکھوں سے ساری پریشانی چن لے لیکن......

"ماوی کے ہاسٹل کا علم مجھے کیسے ہو سکتا ہے اس کے بارے میں تو آپ کو ثمینہ آنٹی سے پوچھنا چاہیے۔"

اس نے خفیف سا سر جھٹک کر خود کو اس کیفیت سے نکالنا چاہا۔ جس کا شکار وہ فیضان کو دیکھ کر ہو جاتی تھی۔

"میں آپا سے پوچھ چکا ہوں۔ وہ کہتی ہیں ان کے ڈبلن جانے تک وہ یہیں رہ رہی تھی لیکن اب اس طرح اچانک غائب ہو گئی ہے کہ کچھ سمجھ نہیں آ رہا۔" فیضان نے کہا تو اینیا بری طرح چونکی۔

"ڈبلن جانے کے بعد......؟ پھر کچھ سوچ کر کہنے لگی۔

"آپ اس کے ڈیپارٹمنٹ سے پتا کریں، ہو سکتا ہے اس نے کوئی پرائیویٹ ہاسٹل لیا ہو یا...... لیکن اس کا جملہ ابھی یہیں پہنچا تھا کہ وہاں ولید کی آواز نے مداخلت کی۔

اینیا نے گردن موڑ کر دیکھا، وہ سیڑھیاں چڑھ کر ان دونوں کے پاس آ گیا تھا۔

اسلام علیکم فیضان بھائی...... "آپ کب آئے؟"

"کل دوپہر میں آیا ہوں۔" فیضان نے اس کے سلام کا جواب دیتے ہوئے کہا۔ "تم کیسے ہو ولید! بہت کمزور ہو گئے ہو۔"

وہ کئی روز بعد اسے دیکھ رہے تھے اور اس کی شخصیت میں آئی تبدیلی کو صحیح نام دینے کی کوشش کر رہے تھے۔ بظاہر کچھ بھی نہیں تھا لیکن کچھ نہ کچھ تو ایسا تھا جو چونکانے کا سبب بنتا تھا۔ ولید کی رنگت میں واضح طور پر زردی گھلی ہوئی تھی اور آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے واضح نظر آ رہے تھے۔

"بس پڑھائی کا برڈن بہت زیادہ ہو گیا ہے فیضان بھائی! اچھا آپ سے پھر ملاقات ہو گی۔ انو! تم ذرا آنا، مجھے کام ہے تم سے......"

اینیا نے ایک معذرت خواہانہ نظر فیضان پر ڈالی اور ولید کے پیچھے چل دی۔

☆☆☆

جنت بیگم کے غصے کی انتہا نہیں رہی تھی۔ جب اس نے ماوی کو ڈرائنگ روم میں آتے دیکھا۔

ماوی نہ صرف یہ کہ بنا اجازت اندر آگئی تھی، بلکہ اس نے بڑے اعتماد کے ساتھ اپنا تعارف بھی کروادیا تھا اور اب وہ ٹانگ پر ٹانگ رکھے دل جلانے والی مسکراہٹ لبوں پر سجائے مزے سے بیٹھی باتیں مٹھار رہی تھی۔

''آپ نے کبھی بتایا ہی نہیں کہ آپ کے بڑے بیٹے کا انتقال ہو چکا ہے۔'' حرم کی ساس نے روئے سخن جنت بیگم کی طرف موڑتے ہوئے کہا تھا۔

''ایکچوئیلی! بابا کی وفات کے بعد ممی مجھے اپنے بھائی کے پاس دبئی لے گئی تھیں۔ جب ہم یہاں تھے ہی نہیں تو یقیناً دادی نے ذکر کرنا مناسب نہیں سمجھا ہوگا۔''

جنت بیگم کی بجائے ماوی نے جھٹ سے کہا۔ جنت بیگم تلملا کر رہ گئی۔ لیکن خاموش رہنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ دوسری جانب ماوی بے حد طمینان محسوس کر رہی تھی۔ وہ یہاں جنت بیگم کے چیلنج کا سامنا کرنے ہی آئی تھی۔ لیکن حرم کی ساس اور نند کو دیکھ کر بھی اسے خاصا اطمینان حاصل ہوا تھا۔ ورنہ حرم کے منگیتر کی تصویر نے تو اسے اچھا خاصا مایوس کر کے رکھ دیا تھا۔ وہ بڑی عمر کا اور بے حد واجبی شکل وصورت کا مالک تھا۔

''پاکستان آئی ہو تو اچھا ہے حرم کی شادی میں شرکت کرلو گی۔'' حرم کی نند نے ماوی سے بے تکلف ہونے میں جلدی دکھائی تھی۔ اس کی ساس نے جاتے ہوئے بطور خاص ماوی کو بھی یہاں آنے کی دعوت دی تھی۔

وہ لوگ تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ رکیں۔ اس دوران ماوی مستعدی سے بیٹھی جنت بیگم کا دل جلارتی رہی اور جیسے ہی مہمان خواتین رخصت ہوئیں ماوی بھی ڈرائنگ روم سے نکل گئی۔

وہ تیر چلا آئی تھی اور بخوبی جانتی تھی کہ تیر نشانے پر ہی لگے گا۔ حسب توقع جنت بیگم نے فوراً ہی مستقیم کے سر پر برسنا شروع کر دیا تھا۔

''اس لڑکی کو ابھی فوراً حویلی سے نکال دو۔ میں اس کی موجودگی ایک منٹ بھی برداشت نہیں کرسکتی۔''

''ماں! آپ کیسی بچوں جیسی باتیں کر رہی ہیں۔ وہ تو بڑی غیر مناسب بات ہوگی کہ اسے اس طرح سے نکال دیا جائے۔'' اصل معاملے سے بے خبر مستقیم نے دبے لفظوں میں کہا۔

''میں کچھ نہیں جانتی بے تکی بات ہے تو یوں ہی سہی۔'' جنت بیگم نے سلگ کر کہا۔

''آپ کو حرم کی شادی تک تو انتظار کرنا ہی پڑے گا اماں! کیونکہ اس کے علاوہ چارہ نہیں ہے۔'' مستقیم نے کہا۔

''کہہ دیں گے کہ وہ واپس چلی گئی ہے۔'' جنت بیگم نے فوراً کہا۔

''یہ ممکن نہیں بی بی جان!'' شبیہ نے بڑی سنجیدگی سے مداخلت کی تھی۔ ''حرم کی سسرال کا معاملہ نہ ہوتا تو بہ آسانی کچھ بھی کہا جاسکتا تھا۔ لیکن اب ہمیں بہت خیال رکھنا ہوگا۔''

بات معقول تھی، جنت بیگم کے دل کو لگی اور ناچار اسے چپ ہونا پڑا۔ ورنہ دل تو یہی چاہ رہا تھا کہ ماوی کو اس کی اوقات سمجھانے میں ایک منٹ بھی نہ لگائے۔ دوسری جانب ماوی کی تمسخر اڑاتی مسکراہٹ کا تصور اسے سلگا رہا تھا۔

☆☆☆

فیضان نے درست کہا تھا۔ ولید واقعی کمزور ہو گیا تھا۔ اٹھتے بیٹھتے ولید کے لیے متفکر رہنے کے باوجود اینیا یہ بات محسوس نہیں کر سکی تھی اور اب فیضان کی نشاندہی کے بعد اسے ولید سچ مچ بہت کمزور لگ رہا تھا۔ اینیا نے ایک محبت بھری متفکر نظر سوئے ہوئے ولید پر ڈالی اور آہستگی سے دروازہ بند کر کے اس کے کمرے سے باہر آ گئی۔

ولید نے اس سے پانی میں سرکہ ملا کر دینے کو کہا تھا اور پورا گلاس وہ غٹا غٹ چڑھا کر سو گیا تھا۔

ہر گزرتے دن کے ساتھ اینیا کی پریشانی میں اضافہ ہو رہا تھا۔ لیکن اپنی پریشانی وہ کسی سے شیئر نہیں کر سکتی تھی۔ ابھی بھی اس نے صاف طور پر محسوس کیا تھا کہ فیضان نے بغور لیکن الجھن آمیز انداز میں ولید کو دیکھا ہے تو جو تبدیلی وہ یا کوئی دوسرا شخص ولید میں محسوس کر سکتا ہے وہ ڈیڈی کو دکھائی کیوں نہیں دے رہی۔

فیضان کا خیال آتے ہی اس کا ذہن فوراً ماوی کی طرف چلا گیا اور اسے فیضان کی باتیں یاد آنے لگیں۔ وہ کچھ دیر ان باتوں پر غور کرتی رہی لیکن الجھی ہوئی گتھی کا کوئی سرا ہاتھ نہ لگا تو اٹھ کر انیکسی کی طرف آ گئی۔

فیضان انیکسی کے سامنے والے برآمدے میں ادھر اُدھر مضطرب انداز میں چکر لگاتے ہوئے موبائل فون کان سے لگائے ثمینہ بات کر رہے تھے۔

”آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں ثمینہ آپا! اگر آپ اسے یہیں چھوڑ کر گئی تھیں تو اب کیا اسے زمین نگل گئی یا آسمان کھا گیا...... میں کل سے ماوی کے لیے پریشان بیٹھا ہوں۔ اگر وہ ہاسٹل میں بھی رہنے لگی ہے تو کم سے کم یہاں کسی کو تو پتا ہونا چاہیے۔ میں سمجھ نہیں پا رہا کہ آپ اتنی لاپروا کب سے ہو گئیں کہ بیٹی کی خبر ہی نہ رکھیں...... جی بالکل درست، لیکن میں اسے تلاش بھی کروں تو کہاں؟ اس کا ایڈریس آپ کے پاس ہے یا کوئی کانٹیکٹ نمبر...... حد کرتی ہیں آپ آپا۔ ایسی بھی لاعلمی...... بچپن میں آپ ماوی کو کسی فرینڈ کے گھر بھی نہیں جانے دیتی تھیں اور اب...... ٹھیک ہے...... کوشش کریں اور مجھے بتائیں۔“

انہوں نے فون کان سے ہٹایا تو ان کی نظر اینیا پر پڑی۔

”تم، کب آئیں؟“ ان کا لہجہ اکتایا ہوا ضرور تھا، لیکن نرم تھا۔

”ابھی چند منٹ پہلے۔“ اینیا نے بتا کر پوچھا۔ ”ماوی کا کچھ پتا چلا؟“

فیضان نے مایوسی سے نفی میں سر ہلا دیا۔

”مجھے تو کچھ سمجھ میں بھی نہیں آ رہا کہ اسے کہاں تلاش کروں؟“

”یہاں بیٹھ کر تو آپ اسے تلاش کر بھی نہیں سکتے۔ اس کے لیے تو آپ کو ڈبلن جانا پڑے گا۔“ اینیا نے برآمدے میں نصب لکڑی کے جھولے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

”ڈبلن جا کر کیا کروں گا، جبکہ ماوی پاکستان میں لاپتہ ہوئی ہے۔“ فیضان نے کسی قدر حیرانی سے کہا۔ ”آپ کو غلط فہمی ہو رہی ہے، ماوی پا

کستان میں نہیں تھی۔ وہ تو ثمینہ آنٹی سے بھی چند روز پہلے واپس آئرلینڈ چلی گئی تھی۔'' اینیا نے جیسے انہیں اطلاع دی۔

''کیا؟'' فیضان بری طرح چونکے۔

''ہاں بالکل......اور یہ بھی مجھے ثمینہ آنٹی نے بتایا تھا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ انہوں نے بتایا تھا۔ ماوی پہلے جا رہی ہے، چونکہ ان دونوں کو ایک فلائٹ کی سیٹیں نہیں مل سکیں۔ اس لیے وہ چند روز کے بعد جائیں گی، تب ہی وہ جاتے ہوئے انیکسی خالی کر گئی تھیں۔ ورنہ آپ خود سوچیں! اگر ماوی رہ رہی ہوتی تو اس کا کچھ سامان تو یہاں پڑا ہوتا۔'' بات میں وزن تھا۔ فیضان سوچ میں پڑ گئے

''لیکن...... آپا نے تو کہا تھا وہ یہاں ایڈمیشن لے چکی ہے اور تم دونوں کی انیکسی میں رہ رہی ہے۔'' فیضان الجھن آمیز لہجے میں بولے۔

''کہا تو ماوی نے مجھ سے بھی یہی تھا لیکن پھر ایک روز وہ اچانک چلی گئی۔ مجھ سے ملی بھی نہیں۔ میں نے اسے جاتے دیکھ کر ثمینہ آنٹی سے پوچھا تو انہوں نے بتایا وہ آج کی فلائٹ سے واپس آئرلینڈ جا رہی ہے۔''

''یہ کیسے ہو سکتا ہے؟'' فیضان کی الجھن بڑھتی جا رہی تھی۔

''عجیب تو مجھے بھی لگا تھا کہ وہ اس طرح اچانک کیوں جا رہی ہے۔ لیکن ان دنوں میں خود اتنی پریشان تھی کہ اس بات پر زیادہ غور ہی نہیں کر سکی۔''

''تم......تم کیوں پریشان تھی؟''

اینیا پھیکی سی ہنسی ہنس دی۔

''ابھی آپ خود بہت پریشان ہیں۔ یہ گتھی سلجھالیں، پھر بتاؤں گی۔'' اس نے جھولے سے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ فیضان محض سر ہلا کر رہ گئے۔

ثمینہ نے فوراً ماوی سے بات کی۔

''میرے لیے تو اچھی خاصی مصیبت ہو گئی۔ فیضان اچانک اٹھ کر پاکستان پہنچ گیا ہے اور اسے پتا چل گیا ہے کہ تم وہاں نہیں ہو...... میں نے بات سنبھالنے کی بہت کوشش کی۔ لیکن اب میری سمجھ میں نہیں آ رہا فیضان کو کس طرح مطمئن کروں۔ وہ تو بال کی کھال نکال کے چھوڑے گا۔'' وہ بہت متفکر سی بول رہی تھیں۔

''اب میں کیا کہہ سکتی ہوں۔'' ماوی نے سیل فون کان سے لگاتے ہوئے کہا۔

''بھئی! مجھے مشورہ تو دو۔'' ثمینہ جھنجلا کر بولیں۔ ''فیضان کو بھنک بھی پڑ گئی کہ میں نے تمہیں حویلی بھیجا ہے تو وہ تو میری جان کو آ جائے گا۔''

''مجھے ڈبلن سے پاکستان لانے اور پھر حویلی بھجوانے تک کی پلاننگ تو آپ نے بخوبی کر لی تھی۔ اب فیضان ماما کو مطمئن کرنے کی ترکیب بھی خود ہی سوچیں۔ کم سے کم اس معاملے میں مجھ سے کسی تعاون کی امید نہ رکھیں تو بہت اچھا ہو گا۔'' ماوی نے دوٹوک کہا۔

''لیکن ماوی! میں اکیلی کیسے یہاں کیسے بات سنبھالوں؟''

''جب میں یہاں اکیلی بہت سارے مسائل کا سامنا کر سکتی ہوں تو آپ اکیلی بات کیوں نہیں سنبھال سکتیں؟''

ماوی کے انداز میں تلخی تھی۔ ''اور ویسے بھی اس پہلو پر بھی آپ کو پہلے سے سوچ کر رکھنا چاہیے تھا''

"تم کبھی کبھی حد کر دیتی ہو مادی! اتنی لاتعلق ہو جاتی ہو جیسے مجھ سے...... اس سارے معاملے سے تمہارا کوئی واسطہ ہی نہیں ہے۔"

"واسطہ ضرور ہے ممی! لیکن آپ نے اس سارے معاملے کو میرے لیے اتنا کومپلیکیٹڈ بنا دیا ہے کہ میری پوزیشن بہت عجیب سی لگتی ہے۔" مادی نے سرد مہری سے کہا۔ ثمینہ چند لمحے چپ سی رہ گئیں۔

اس سے قبل کہ مادی کوئی جواب دیتی، اسے اپنے عقب میں کسی کی موجودگی کا احساس ہوا۔ وہ تیزی سے پلٹی اور جنت بیگم کو دیکھ کر پل بھر کے لیے گڑبڑائی۔ لیکن اگلے ہی لمحے مطمئن ہو گئی کہ جنت بیگم کے انداز سے لگتا تھا، وہ ابھی ابھی کمرے میں داخل ہوئی ہے۔

"میں آپ سے پھر بات کروں گی۔" اس نے فون بند کرنے میں ایک پل صرف نہیں کیا تھا۔ اس کی نظریں جنت بیگم پر تھیں۔

"آپ نے دوبارہ زحمت کی۔ اس بار تو مجھے بلوا لیا ہوتا۔" اس کا انداز سادہ سا تھا۔

"میں تمہیں صرف یہ بتانے آئی ہوں کہ اگر تمہاری آج کی حرکت پر میں نے کوئی ردعمل ظاہر نہیں کیا تو تم اسے میری کمزوری ہرگز نہ سمجھو۔"

"اوکے...... فائن...... اور کچھ؟" مادی نے مکھی اڑانے والے انداز میں ہاتھ چہرے کے آگے لہراتے ہوئے پوچھا۔

"تم انتہائی بدتمیز اور بدتہذیب لڑکی ہو۔" جنت بیگم نے دانت یوں کچکچائے، گویا یقین ہو دانتوں تلے مادی کی گردن ہے۔

"اوہ...... ہولڈ آن...... اتنی بھی بدتمیز یا بدتہذیب نہیں ہوں۔" اس کا انداز دوستانہ ہو گیا۔ "دراصل! میں آپ کو بری بہت لگی ہوں، تب ہی آپ میری کوئی بات برداشت نہیں کر پا رہیں۔ لیس دادی جان! اس سارے معاملے کو جنگ کی طرح ہینڈل نہ کریں تو بہتر ہے۔ میں یہاں اپنا حق لینے آئی ہوں۔ اس کی ڈیمانڈ کرنا تو بہرحال میرا حق بنتا ہے۔"

"مجھے باتوں میں مت الجھاؤ اور میری بات کان کھول کر سن لو۔ حرم کی شادی میں اگر تمہاری وجہ سے کوئی بدمزگی ہوئی تو میں تمہارا بہت برا حشر کروں گی اور شادی کے بعد تو میں ویسے بھی تمہیں حویلی سے باہر پھنکوا ہی دوں گی۔"

جنت بیگم کا انداز تنبیہی تھا۔ مادی کا مفاہمت آمیز رویہ بھک سے اڑ گیا۔

"آپ نے تو چار دن بعد کے بارے میں بھی یہی کہا تھا۔"

وہ جان بوجھ کر زور سے بولی، کیونکہ جنت بیگم اپنی بات مکمل کر کے کمرے سے باہر نکل گئی تھی۔

☆☆☆

جلال نے شیبہ کے سوالوں سے تو پیچھا چھڑا لیا لیکن خود یہ گتھی کسی طرح سلجھا نہ پا رہا تھا کہ مادی حویلی میں کیا کر رہی ہے۔ اس نے کئی بار کوشش کی کہ کسی طرح مادی سے بات کرنے کا موقع مل جائے لیکن ایسی کوئی صورت حال بن ہی نہ پا رہی تھی۔ ایک تو حویلی میں لوگ ہی اتنے تھے کہ کسی کی نظروں سے بچ کر بات کر پانا ممکن ہی نہ تھا۔ دوسرے مادی بھی تنہا نظر ہی نہ آتی تھی۔ وہ عموماً حرم تنوی یا نمل میں سے کسی کے ساتھ دکھائی دیتی۔

تھک ہار کر جلال نے رات کے وقت اس کے کمرے میں جانے کا سوچا۔ گو کہ یہ بہت بڑا رسک تھا۔ کوئی دیکھ لیتا تو وہ بری طرح پھنس جاتا۔ مگر سچ تو یہ تھا کہ اس کے بغیر گزارہ بھی نہ تھا۔

انہدارات کے پچھلے پہر جب اسے یقین ہو گیا کہ حویلی کے تمام مکین سو چکے ہیں اس نے ماوی کے دروازے پر آہستگی سے دستک دی۔

☆☆☆

اگلی دستک اس سے زوردار تھی۔ تیسری دستک اس سے بھی زیادہ۔

زوردار آواز۔ سنسان راہداری میں گونجی۔ جلال بے اختیار پچھتایا۔

اسی وقت ماوی کے کمرے کی لائیٹس جل اٹھیں۔ چند لمحے کے فرق سے اس نے تیزی سے دروازہ کھولا۔ لیکن جھری سی بنا کر باہر جھانکا۔

جلال نے ایک بھی لمحہ ضائع کیے بنا دروازے پر ہاتھ رکھ کر تیزی سے اور پوری قوت سے اسے دھکیلا اور اندر داخل ہو کر اسی سرعت سے دروازہ بند کر دیا۔

''تم...... یہاں کیا کر رہے ہو جلال؟'' ماوی نے شپٹا گئی۔

''یہی تو میں تم سے پوچھنے آیا ہوں کہ تم یہاں کیا کر رہی ہو؟'' جلال نے دبی آواز میں، لیکن زور دے کر کہا۔

''یہ بات صبح بھی ہو سکتی ہے۔'' ماوی نے کہا۔

''میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ صبح بھی تم بات کرنے کا موقع نہیں دو گی۔ سارا وقت جان بوجھ کر تم حرم لوگوں کے ساتھ لگی رہتی ہو تا کہ مجھے بات کرنے کا موقع نہ مل سکے۔''

''جلال اتنا بھی بے وقوف نہیں ہے، جتنا لگتا ہے۔'' ماوی نے بے اختیار سوچا۔

''اب تم یہاں آرام سے بیٹھ جاؤ اور مجھے تفصیل سے بتاؤ کہ یہ سب کیا ہے؟'' جلال نے کہا۔

ماوی تھکے ہوئے انداز میں پلنگ کے کنارے پر ٹک گئی۔ اسے یقین ہو چکا تھا کہ جلال کے سوالوں سے بچنا ممکن نہیں ہے۔

''ممی نے تمہیں ہمارے رشتہ داروں کے متعلق بتایا تھا نا اور میری سوتیلی دادی کا بھی...... تو وہ رشتہ دار تم لوگ ہی ہو۔''

''لیکن......'' جلال نے کہنا چاہا۔

''پلیز! مجھے کہنے دو...... میں تم سے بہت شرمندہ ہوں جلال! کیونکہ یہاں آنے تک میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ تم سے اتنا قریبی رشتہ نکل آئے گا۔ میں تو یہاں اپنے بابا کی جائیداد کا مطالبہ کرنے آئی تھی اور ان کے قاتل کا سراغ ڈھونڈنے، لیکن......؟

اس کے خوب صورت چہرے پر ادھوری نیند تحریر تھی۔ کھلے ہوئے بال بے ترتیبی سے چہرے کے اطراف میں بکھرے تھے۔ اس نے لمبی قمیص کے ساتھ چیک دار ٹراؤزر پہن رکھا تھا اور اس حلیے میں بھی وہ اتنی دلکش لگ رہی تھی کہ اس کے چہرے سے نظریں ہٹانے کو دل نہیں چاہتا تھا۔

''اس میں شرمندہ ہونے کی کوئی بات نہیں۔'' جلال نے فکرمندی سے کہا۔ ''مجھے تو یہ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ میں اب دادی جان کو کس طرح مناؤں گا۔ جہاں تک میں اندازہ لگا پایا ہوں وہ تمہیں کچھ خاص پسند نہیں کرتیں۔''

تمہارا اندازہ بالکل درست ہے اور ظاہر ہے، وہ مجھے پسند کریں گی بھی کیوں؟ میں ان ہی سے جائیداد کا مطالبہ کر رہی ہوں اور قاتل کے

خلاف ثبوت کا بھی۔" ماوی نے کہا۔

"جائیداد میں حصہ تو خیر! وہ تمہیں دیں گی لیکن قاتل کی خلاف ثبوت...... معاف کرنا! تمہارا شک بے بنیاد ہے، کیونکہ اس حویلی میں کوئی تمہارے بابا کا قاتل نہیں ہے۔" جلال کا لہجہ پُر یقین تھا۔ ماوی کو اس کا یقین توڑنا اچھا نہیں لگا۔

"تم جاؤ جلال کسی کو پتا چلا کہ تم اس وقت میرے کمرے میں موجود ہو تو نہ جانے کیا سوچے۔"

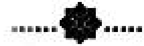
"ہوں۔" جلال مایوسی سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"تمہارے پاس میرا سیل نمبر ہے نا، کسی چیز کی ضرورت ہو تو کال کر دینا۔ میں کوشش کروں گا کہ ہر اہم موقع پر تمہارے پاس رہوں" جلال نے کمرے سے نکلتے ہوئے کہا۔

"دروازہ بند کرلو، پھر میں جاتا ہوں۔" جلال نے دروازے کے باہر رک کر کہا۔

راہ داری کے دوسری سمت سے آتا شبیہ العباس، جلال کو ماوی کے کمرے سے نکلتا دیکھ کر سرعت سے ستون کی اوٹ میں ہو گیا۔ اس کی آنکھوں میں الجھن الجھن سمٹ آئی۔

"آخر! یہ لڑکی کون سا کھیل رہی ہے؟" شبیہ نے سوچا۔



ماوی دیکھ رہی تھی شبیہ کا رویہ اس کے ساتھ بدلتا جا رہا تھا وہ نہ صرف اس سے بات چیت کرنے لگا تھا بلکہ اس سے بات کرنے کے بہانے ڈھونڈنے لگا تھا۔ ممکن ہے یہ اس کی غلط فہمی ہو لیکن ہر گزرتے دن کے ساتھ اس کا یقین پختہ ہو رہا تھا کہ دال میں کچھ کالا ضرور ہے۔ شبیہ کے التفات بے جا نہیں تھے لیکن اس کے پاس ایسا کوئی راستہ بھی نہیں تھا جس کے ذریعے اپنے شک کی نفی کر سکے یا اسے یقین میں بدل سکے لہٰذا اسے خاموشی سے وقت کے بدلتے ہوئے دھارے کو سمجھنا تھا۔

دوسری جانب وہ خود بڑی مستعدی سے ثبوت تلاش کرنے میں لگی ہوئی تھی۔ شادی کی وجہ سے حویلی میں کام بھی بہت بڑھ گیا تھا تبھی اسے تسنیم سے بھی بات کرنے کا موقعہ نہیں مل پا رہا تھا کیونکہ دیگر ملازمین کی طرح وہ بھی بیحد مصروف تھی۔ ناچار ماوی کو حالات کے سازگار ہونے کا بھی انتظار کرنا تھا۔

اس روز وہ لان میں تھی بے وجہ ادھر ادھر چکر لگا رہی تھی کہ وقت کٹنے کا کچھ تو سبب بنے۔

"موسم انجوائے کیا جا رہا ہے۔"

ماوی نے گردن موڑ کے دیکھا شبیہ العباس کرسی کی پشت پہ ہتھیلیاں جمائے بغور اسے دیکھ رہا تھا۔

ماوی دانستہ مسکرائی۔

"یہی سمجھ لو۔"

گو کہ شبیہ کی موجودگی اسے ناگوار گزری تھی لیکن یہ جتا کر وہ ایک نئی مصیبت مول لینا نہیں چاہتی تھی۔

''کیا میں کچھ دیر یہاں بیٹھ سکتا ہوں؟''

شبیہ نے چند لمحے کے توقف کے بعد پوچھا تھا۔

''آپ کی حویلی، آپ کا لان اور آپ کا ہی میز کرسی...... یہاں بیٹھنے کے لیے آپ کو میری اجازت کی کیا ضرورت ہے۔''

ماوی نے کندھے اچکا کر لاپروائی سے کہا تھا۔شبیہ کے چہرے پہ مسکراہٹ چھب دکھلا کر غائب ہوگئی۔

''یہی بات اس رات یقیناً جلال سے کہی ہوگی......''

شبیہ نے کرسی گھسیٹ کر بیٹھتے ہوئے کہا تھا۔ماوی ابھی تک اس کے رویے کے اتار چڑھاؤ کو سمجھنے میں لگی تھی تڑپ کر پلٹی۔

''کیا مطلب...... میں سمجھی نہیں۔''ماوی نے اپنی گھبراہٹ پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا تھا۔

''اس میں نا سمجھی کی کیا بات ہے......سادہ سا سوال ہی تو پوچھا ہے۔''شبیہ نے مسکرا کر کہا لیکن حقیقتاً اس کے اعتماد کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔لیکن وہ بھی ماوی تھی اپنے نام کی طرح منفرد اور بلا کی پر اعتماد......

''کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ تم مجھ سے سیدھے لفظوں میں بات کرو......''

''ذہین تو تم بہت ہو میں کیسے مان لوں کہ تمہیں میری بات سمجھ نہیں آرہی......''

''ٹھیک ہے...... پھر تم یہاں بیٹھ کر موسم انجوائے کرو...... میں ہی چلی جاتی ہوں۔''ماوی نے پلٹتے ہوئے کہا تھا۔

''ضرور جاؤ......لیکن جانے سے پہلے میرے چند سوالوں کا جواب دینا ہی ہوگا......''شبیہ نے دوٹوک لہجے میں کہا تھا۔

''میں تمہارے ابا کی ملازمہ نہیں ہوں کہ ہر سوال کا جواب دینے کی پابند رہوں۔''ماوی نے تڑخ کر کہا تھا۔

''کسی خوش فہمی میں مت رہو ہم ملازم بھی اپنی پسند کے رکھتے ہیں۔''شبیہ نے ناگواری سے کہا تھا۔

''پھر مجھ پر اتنا احسان کس خوشی میں جناب شبیہ العباس بھٹی صاحب!''اس کا انداز بھی کچھ کم طنزیہ نہیں تھا۔

شبیہ نے گہری سانس بھری اور گہری ہی نظروں سے اسے دیکھا۔

''تم حویلی کس مقصد سے آئی ہو مجھے اس سے فی الحال کوئی غرض نہیں ہے میں صرف اتنا جاننا چاہتا ہوں کہ تم میرے بھائی کے ساتھ کیا گیم کھیل رہی ہو......؟''

ماوی کو ایسے سوال کی توقع ہرگز نہیں تھی...... وہ ایک پل کے لیے گڑبڑائی۔

''کس قدر احمقانہ سوال ہے۔میں تمہارے بھائی کے ساتھ کوئی گیم کیوں کھیلوں گی...... میں اتنی دور سے اس لیے تو نہیں آئی کہ تمہارے بھائی کے ساتھ گیمز کھیلوں۔''اس نے طنزیہ انداز میں کہا تھا

''ڈونٹ ٹرائی ٹو بی سمارٹ ماوی!''شبیہ نے چڑ کے اور کسی قدر طنزیہ انداز میں کہا تھا۔''تم اچھی طرح جانتی ہو میرے کہنے کا کیا مطلب ہے۔''

"نہیں شبیہ! میں نہیں جانتی تمہارے کہنے کا کیا مطلب ہے۔"

"ٹھیک ہے اگر تم چاہتی ہو میں صاف لفظوں میں بات کروں تو ایسا ہی سہی...... مجھے صرف اتنا بتاؤ اس رات جلال کو تم نے اپنے کمرے میں کیوں بلایا تھا...... آخر ایسا کونسا جھانسا دیا تھا تم نے جلال کو کہ وہ تمہارے کمرے میں آنے پر مجبور ہوا۔"

ماوی چند لمحے کچھ بول نہیں سکی۔ تو گویا اس کا خدشہ درست ثابت ہو ہی گیا کہ کوئی جلال کو اس کے کمرے سے نکلتے ہوئے نہ دیکھ لے۔

"اس معاملے سے تمہارا کوئی تعلق نہیں ہے شبیہ! اس لیے بہتر ہوگا کہ تم اس معاملے سے دور ہی رہو۔"

"جس معاملے میں میرا بھائی انوالو ہے اس معاملے سے میرا تعلق ہے۔" شبیہ نے تیز لہجے میں کہا تھا۔

"تو کیا بہتر نہیں ہوگا کہ تم ساری انکوائری اپنے بھائی سے ہی کرو۔" ماوی نے اس سے بھی تیز لہجے میں کہا تھا۔

شبیہ بے ساختہ مٹھیاں بھینچ کر رہ گیا اصل وقت تو یہی تھی کہ جلال منہ سے کچھ اگلنے کو تیار نہیں تھا اور ایسا پہلی بار ہو رہا تھا ورنہ شبیہ کو اس دو ٹکے کی لڑکی سے بات کرنے کی زحمت گوارا کرنا ہی نہ پڑتی۔

"میرا بھائی بہت معصوم انسان ہے ماوی! اگر تم نے اس کی معصومیت سے کوئی فائدہ اٹھانے کی کوشش کی نا...... تو یاد رکھنا میں بہت برا حشر کروں گی تمہارا......" شبیہ نے دانت کچکچا کر کہا تھا۔

"تم پھر مجھے دھمکا رہے ہو حالانکہ اچھی طرح جانتے ہو کہ اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے...... کروں گی تو میں وہی جو میرا دل چاہے گا۔" ماوی نے بے نیازی سے کہا تھا اور ایک طرف سے نکل کر آگے جانے لگی لیکن شبیہ نے اس کا راستہ روکا تھا۔

"ایسا سوچنا بھی مت۔"

"میرے راستے سے ہٹو شبیہ!" ماوی نے سرد مہری سے کہا تھا۔

"مجھے میرے سوال کا جواب چاہیے۔"

"اپنے بھائی سے مانگو۔"

"وہ کیا کرنے آیا تھا تمہارے کمرے میں؟...... یا میں یہ سمجھوں کہ تم ہر کسی کو اپنے کمرے میں آنے کی اجازت دے دیتی ہو؟"

"شٹ اپ......" ماوی بری طرح چیخی تھی اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ شبیہ اس طرح کی بات بھی کر سکتا ہے۔

"تم تو میری توقعات سے بھی چھوٹی ذہنیت کے مالک نکلے شبیہ العباس! افسوس تو مجھے تنوی کی قسمت پہ ہو رہا ہے۔"

اب کی بار شبیہ کے تلووں پر لگی سر پر بجھی تھی۔

"تمہیں تنوی کی قسمت پر افسوس کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"کیوں بھئی؟" ماوی نے اطمینان سے کہا۔

"جو رشتہ تمہارا جلال سے ہے وہی میرا تنوی سے ہے پھر میں تنوی کے لیے پریشان کیوں نہیں ہو سکتی۔"

"کیونکہ تمہیں ایسا کوئی حق نہیں ہے......" شبیہ نے سلگ کر کہا تھا

حق کی بات نہ کرو شبیہ العباس! اس حویلی کے ہر راز سے واقف ہو جاتے ہی ہو گے تمہاری دادی اور تم لوگ میرے کون کون سے حقوق غضب کیے بیٹھے ہو......" ماوی نے خاصے طنز سے کہا تھا۔

"خیر میں تم سے زیادہ بات کر کے اپنا موڈ خراب نہیں کرنا چاہتی...... میری طرف سے جو سمجھنا ہے سمجھتی رہو۔"

ماوی نے ناک چڑھا کر نخوت سے کہا تیزی سے پلٹی اور بڑے بڑے قدم اٹھاتی وہاں سے چلی گئی۔

شبیہ کی رگوں میں خون کے ساتھ جیسے شرارے دوڑنے لگے تھے۔

☆☆☆

شبیہ العباس کا غصے سے برا حال تھا اور جلال کا برا وقت چل رہا تھا کہ اسی وقت دونوں کی مڈ بھیڑ ہو گئی۔

"تم......" شبیہ نے پل بھر سوچا "اچھا ہوا تم یہیں مل گئے۔ کچھ ضروری بات کرنا ہے ذرا اسٹڈی میں آنا۔"

"بہت سنجیدہ لگ رہے ہو...... خیریت تو ہے نا؟"

"تم آؤ...... بتاتا ہوں۔" اس کے تاثرات ذرا بھی نہ بدلے تھے۔ جلال کے لیے اتنی مبہم بات سے کوئی بھی اندازہ لگانا ازحد مشکل تھا لیکن اتنا تو وہ سمجھ ہی گیا تھا کہ معاملہ کچھ گڑبڑ ہے۔ دل ہی دل میں اندازے لگاتا وہ اسٹڈی میں آیا۔ شبیہ ایک کرسی پہ بیٹھا بےحد سنجیدگی سے اس کا منتظر تھا۔

"جی جناب! ارشاد ہو۔" جلال نے اپنا لب و لہجہ سادہ ہی رکھا تھا یعنی اپنے انداز سے کسی قسم کا تجسس ظاہر نہ ہونے دیا تھا۔

شبیہ نے ابرو اچکا کر پہلے گہری نظروں سے اسے دیکھا پھر بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے بولا۔

"میں جو پوچھوں گا اس کا ٹھیک ٹھیک جواب دینا۔ ٹال مٹول نہیں چاہیے مجھے۔"

"ہوا کیا ہے یار!" جلال نے الجھ کر پوچھا تھا۔

"ماوی تمہاری کیسی دوست ہے؟...... آئی مین از شی یور گرل فرینڈ؟"

جلال ٹپٹا گیا اور یہ ٹپٹاہٹ اس کے چہرے پر بھی صاف دکھائی دی تھی۔

"یہ کیسا سوال ہے؟...... تم جانتے ہو......"

"میں نے کہا تھا جلال! کوئی ٹال مٹول نہیں۔" شبیہ نے تیز لہجے میں کہا تھا

"ماوی میری اچھی دوست ہے شبیہ! گرل فرینڈ نہیں ہے۔" جلال کو فوری طور اور کچھ نہیں سوجھا تو یہی کہہ دیا۔

"تو اپنی اچھی دوست کے کمرے میں تم آدھی رات کو کیا کرنے گئے تھے؟" شبیہ نے دائیں ٹانگ بائیں پر رکھتے ہوئے کہا تھا۔

جلال کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔

"وہ میں...... میں وہ دراصل......"

"وہ میں...... میں وہ دراصل...... کیا؟"

"شبیہ! ایسی کوئی بات نہیں ہے جو تم سمجھ رہے ہو۔"

"پھر کیسی بات ہے تم سمجھا دو۔" شبیہ نے ساتھ انداز میں کہا تھا

"ویسے اگر ٹائم پاس کے لیے گئے تھے تو بھی مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔" شبیہ نے یکدم پینترا بدلتے ہوئے کہا تھا۔

"کیا مطلب؟" جلال نے قدرے ناگواری سے اسے دیکھا تھا۔

"مطلب یہ کہ لڑکی تو اچھی ہے۔ یعنی پیکنگ تو اچھی لگتی ہے......"

"شبیہ کیا فضول بکواس کر رہے ہو......"

"اس میں فضول تو کچھ بھی نہیں ہے...... تم تو اس طرح بھڑکے ہو جس طرح میں نے اس کے کمرے میں جانے کی اجازت مانگ لی ہو۔"

جلال بے ساختہ مٹھیاں بھینچ کر رہ گیا۔ اس کی غیرت پہ تازیانہ پڑا تھا خون رگوں میں ابلنے لگا۔

"ایک شریف لڑکی کے بارے میں تمہیں ایسی بات کرتے ہوئے سوچنا چاہیے۔" اس نے بمشکل ضبط کرتے ہوئے کہا تھا۔

"وجہ؟" شبیہ نے کندھے اچکا کر پوچھا تھا

"وہ شریف لڑکی ہے شبیہ! ہر کسی کے بارے میں تم اسی طرح منہ پھاڑ کر کچھ بھی کہہ دیتے ہو کم سے کم کبھی تو سوچا کرو۔"

"میں ہمیشہ سوچ سمجھ کر ہی بولتا ہوں۔" شبیہ نے گہری نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا تھا۔ "سوچ میں یہ رہا ہوں کہ تم اس لڑکی کے بارے میں اتنے ایموشنل کیوں ہو رہے ہو؟...... اتنی جذباتیت کا مظاہرہ یا تو انسان بہن کے معاملے میں کرتا ہے یا گرل فرینڈ کے معاملے میں۔"

"شبیہ! پلیز یار!...... کیا ہم کسی اور ایشو پہ بات نہیں کر سکتے؟"

"نہیں...... کیونکہ مجھے اسی ایشو پر بات کرنی ہے۔"

"لیکن کیوں؟"

"سیدھی سی بات ہے میں نے تمہیں آدھی رات کے وقت اس کے کمرے سے نکلتے ہوئے دیکھا ہے...... جو لڑکا لڑکیوں سے کوسوں دور بھاگتا ہو اس کا ایسی حرکت کرنا غیر معمولی لگتا ہے نا...... محبت وحبت کا معاملہ ہے تو بھی بتا دو ورنہ اس لڑکی کی شرافت پہ تو میں یوں بھی مشکوک ہوں کمرے میں بلانے کے پیسے لیے ہیں تب بھی بتا دو تھوڑا بہت میں بھی......"

"شٹ اپ شبیہ! تمہیں کوئی حق نہیں ہے کہ میری بیوی کے بارے میں اس طرح کی گھٹیا باتیں کرو......"

جلال نے یکدم خود پر ضبط کھوتے ہوئے کہا تھا۔ شبیہ گو کہ اس سے کسی بھی قسم کے انکشاف کی توقع کر رہا تھا لیکن اس انکشاف پر ہکا بکا ہو کر اس کی شکل دیکھنے لگا تھا۔

☆☆☆

فیضان عجب الجھن کا شکار تھے۔ حالات کچھ کہہ رہے تھے، ثمینہ آپا کا بیان کچھ اور تھا جبکہ اینیا کی باتیں کسی اور ہی حقیقت کو آشکار کر رہی تھیں بلکہ حقیقت بھی کیا آشکار کرنا تھی بس یوں تھا کہ الجھن بڑھتی جا رہی تھی۔ فیضان بھول گئے کہ پاکستان کس کام سے آئے تھے انہیں صرف ماوی کی تلاش تھی جس کے بارے میں سمجھ ہی نہیں آ رہا تھا کہ اسے زمین نگل گئی یا آسمان کھا گیا۔

دوسری جانب ثمینہ آپا کا رویہ بھی قدرے حیران کن تھا وہ ماوی کے لیے پریشانی کا اظہار کر رہی تھیں لیکن یہ پریشانی اس حد تک نہیں تھی جس کی توقع کسی گمشدہ بیٹی کی ماں سے کی جا سکتی ہے۔ گویا سراغ کم تھے سوال اور الجھنیں زیادہ۔

تمام تر پریشانیوں کے باوجود کاروباری معاملات میں دلچسپی لینا ان کی مجبوری تھی سو صبح کے نکلے شام چھ بجے واپس آئے تھے۔ خدا معلوم اینیا کو ان کی آمد و رفت کے اوقات کار کی خبر کیسے ہو جاتی تھی جب تک وہ فریش ہو کر باہر آئے اینیا ملازمہ کے ہاتھ کافی اور اسنیکس بھجوا چکی تھی۔ فیضان کی بھوک جاگ اٹھی دل نہ ہونے کے باوجود انہوں نے رغبت سے کھایا پھر جب تنہا بیٹھ کر اوٹ پٹانگ خیال ستانے لگے تو کافی کا مگ لے کر باہر نکل آئے۔

شام کے آسمان پر پرندوں کی قطاریں گزر رہی تھیں پودوں سے ٹکراتی ہوئی ہوا میں نامانوس لیکن بھلی سی خوشبو کا احساس رچا تھا۔

فیضان نے دیکھا اینیا مگن سی اپنے لان میں پانی لگا رہی تھی۔ فیضان بے ساختہ یک ٹک اسے دیکھنے لگے۔

ہلکے زرد رنگ کے لباس میں وہ نوخیز کلی سی محسوس ہوتی تھی۔ اپنے کندھوں تک آتے بالوں کو ڈھیلے سے جوڑے میں باندھ رکھا تھا۔ ہوا سے کچھ لٹیں بار بار چہرے کے اطراف میں بکھر جاتیں تو وہ انہیں بیزاری سے کانوں کے پیچھے اڑس لیتی۔

فیضان اسے بے خودی سے دیکھتے رہے وہ خود ان کے رستے میں آئی تھی کوئی سطحی سی ذہنیت رکھنے والے مرد ہوتے تو فائدہ اٹھانے میں ذرا سا وقت بھی ضائع نہ کرتے۔ لیکن خوش قسمتی سے وہ ایسے ہرگز نہ تھے۔ زندگی نے جب بھی موقع دیا کنی کترا کر بچ نکلے تھے اب بھی یہی کیا اس سے قبل کہ دل کسی ضد پہ آمادہ ہوتا انہوں نے نظریں ہی پھیر لیں مبادہ کسی ضدی بچے کی طرح مچلتے دل کو ٹالنے کا حوصلہ ہی نہ رہے۔

واپس پلٹنے کا ارادہ کر ہی رہے تھے کہ اینیا کی نظر ان پر پڑ گئی۔ نظریں ملتے ہی وہ خفیف سا مسکرائی اور پانی کا پائپ احتیاط سے کیاری میں رکھ کر ان کی طرف آ گئی۔

''ماوی کا کچھ پتا چلا؟'' اس نے قریب آتے ہوئے پوچھا۔

فیضان نے مایوسی سے نفی میں سر ہلا دیا۔

''اوہ۔'' اینیا بھی مایوس ہوئی پھر بولی۔ ''میں نے آپ سے کہا تھا ثمینہ آنٹی سے پوچھیں۔''

''پوچھا ہے لیکن ان کے پاس بھی کوئی جواب نہیں ہے۔ وہ خود پریشان ہیں۔'' دل میں بہت سے خدشات ہونے کے باوجود انہیں بہن کی پوزیشن تو کلیئر کرنا ہی تھی سو کہہ دیا۔

''عجیب بات ہے۔'' اینیا نے کہا ''ثمینہ آنٹی نے تو مجھے خود کہا تھا کہ ماوی ڈبلن جا چکی ہے۔'' پھر کچھ سوچ کر بولی۔ ''اگر آپ کو برا نہ لگے تو ایک بات کہوں؟''

"ضرور...... لیکن ایسی کیا بات ہے جس کے لیے بطور خاص اجازت لینا پڑے۔"

"دراصل میں خود ماوی کے لیے بہت فکر مند ہوں اسی لیے مجھے یہ خیال آیا کہ معاملہ کچھ اور ہے۔" اینیا نے کہا۔

"آپ خود سوچیں ایک ہی وقت میں ثمینہ آنٹی مجھے کچھ بتاتی ہیں اور آپ کو کچھ اور...... کیا یہ حیران کن بات نہیں ہے۔ مجھے تو ایسا لگ رہا ہے جیسے وہ جان بوجھ کر کوئی بات چھپا رہی ہیں۔"

فیضان چند منٹ متفکر سے خاموش رہے یہ بھی حیران کن بات تھی کہ یہی خیال بیک وقت ان کے اور اینیا کے دماغ میں آ رہا تھا۔

"لیکن سوال تو یہ بھی ہے کہ ثمینہ آپا کیوں چھپائیں گی...... آخر ایسی کیا بات ہو گئی ہے جسے چھپانا پڑے۔"

"اب اس بارے میں میں تو کچھ نہیں کہہ سکتی آپ کی بہن ہیں وہ۔ اور آپ انہیں بہر حال مجھ سے زیادہ بہتر جانتے ہیں۔ میرے دل میں تو وہم سا آ رہا تھا تو میں نے اظہار کر دیا باقی میں کیا کہہ سکتی ہوں۔" اینیا نے دامن بچاتے ہوئے کہا تھا۔

وہ دونوں بے دھیانی میں ساتھ چلنے لگے تھے ہوا پہلے کی نسبت تیز ہو گئی تھی اور اینیا کے بال تیزی سے بکھیر رہی تھی۔

"آپ فکر مند نہ ہوں ماوی جہاں بھی ہو گی خیریت سے ہو گی۔ لیکن میرا خیال ہے آپ کو اس سلسلے میں پولیس سے بھی مدد لینا چاہیے۔" اینیا نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا تھا

"ہاں میں بھی یہی سوچ رہا ہوں کہ ماوی کی گمشدگی کی ایف آئی آر درج کروا دینا چاہیے۔"

دونوں کچھ دیر خاموش رہے پھر اینیا نے کہا۔

"آپ ڈنر میں کیا کھانا چاہیں گے؟...... مجھے بتا دیں میں بنا کر شازیہ کے ہاتھ بھجوا دوں گی۔"

"میرے لیے کسی تکلف کی ضرورت نہیں ہے۔ جو سب کے لیے بنے گا میں وہی کھا لوں گا۔"

"اور اگر آج سب کے لیے کھانا نہ بنا تو......"

فیضان ہنس دیے۔

"تب بھی کوئی فکر نہیں میں باہر سے جا کر کھا لوں گا۔"

"خیر اب اتنے بے مروت تو نہیں ہیں ہم کہ چار دن آپ کی مہمانداری بھی نا کر سکیں۔" اینیا نے شرارت سے ہنس کر کہا تھا

فیضان بے ساختہ گردن موڑ کر اسے دیکھنے لگے اتنی دلکش ہنسی تھی جو انہیں کسی اور کی یاد دلاتی تھی اینیا اپنے ہوا سے چہرے پہ بکھرتے بالوں کو کانوں کے پیچھے اڑس رہی تھی فیضان کا دل چاہا اس کی کانوں کے پیچھے بال لے جاتی انگلیاں تھام کر اسے روک دیں اور اسے بتائیں وہ اس طرح بکھرے بالوں کے ساتھ کتنی دلکش لگتی ہے لیکن آج تک انہوں نے دل کی کب مانی تھی جو اب اس کی فرمائشوں پہ کان دھرتے۔

"کیا ہوا؟" اینیا نے ان کی نظروں کے ارتکاز پر خفیف سا ہوتے ہوئے پوچھا فیضان نے دھیمی مسکراہٹ کے ساتھ آہستگی سے نفی میں سر ہلا دیا۔ "بتانا نہیں چاہتے تو اور بات ہے ورنہ میں جانتی ہوں کچھ تو ہے جو آپ چھپا رہے ہیں۔"

فیضان بیساختہ ہنس دیے۔

"تمہاری ہنسی نے کسی اور کی یاد دلا دی تھی۔"

اینیا کے دل میں چھن سے کچھ ٹوٹ گیا پھیکی مسکراہٹ لبوں پر پھیل گئی تھی

"ایک بات تو بتائیں ...... کیا بہت خوبصورت تھی وہ؟" اس نے جھجک بالائے تاک رکھتے ہوئے پوچھا تھا جب دیر تک کوئی جواب موصول نہ ہوا تو گردن موڑ کر جواب طلب نظروں سے انہیں دیکھنے لگی۔

"پتا نہیں...... اتنی پرانی بات ہے کہ اب تو مجھے ٹھیک سے یاد بھی نہیں۔"

"یہ تو خیر آپ مجھے ٹال رہے ہیں۔ ورنہ انسان اپنی پہلی محبت کبھی نہیں بھولتا۔"

"تو کیا میں امید رکھوں کہ تم بھی مجھے ہمیشہ یاد رکھو گی؟" فیضان کے لبوں سے بیساختہ پھسل گیا اگلے ہی لمحے وہ کہہ کر پچھتائے۔ اینیا کے چہرے پر سایہ سا لہرا گیا تھا۔

"آئی ایم سوری اینیا! میرے کہنے کا یہ مطلب ہرگز نہیں تھا کہ......" فیضان نے فوراً وضاحتی لہجے میں کہنا چاہا۔

"آپ کے کہنے کا جو بھی مطلب تھا میں صرف اتنا جانتی ہوں کہ سچ مچ میں آپ کو کبھی نہیں بھولوں گی...... اور میں یہ بھی چاہتی ہوں کہ آپ بھی مجھے یاد رکھیں...... کیا آپ مجھے یاد رکھیں گے؟" اس نے بہت آس سے پوچھا تھا۔

"مجھے کچھ کام ہے اینیا! میں چلتا ہوں۔" فیضان نے اس کا سوال نظر انداز کرتے ہوئے کہا انداز ایسا تھا جیسے بہت جلدی میں ہوں اور اس کی بات سنی ہی نہ ہو۔

"کم سے کم اس بار تو میرے سوال کا جواب دیتے جائیں۔" اینیا نے بغیر پلٹے التجا کی تھی۔

"تم جانتی ہو اینیا! تمہاری اور میری عمروں میں کتنا فرق ہے؟" فیضان نے تیزی سے پوچھا تھا۔

"پندرہ سال، چار مہینے، تین دن......" اینیا نے سرعت سے کہا تھا

"نہیں...... اٹھارہ سال، چار مہینے، تین دن......" فیضان کے لہجے میں جھلاہٹ تھی۔ "دانیال بھائی سے کچھ ہی سال چھوٹا ہوں گا......"

"اور آپ کو خود سے اتنی چھوٹی عمر کی لڑکی میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔" اینیا نے تیزی سے ان کا جملہ اچک لیا تھا۔ "یہی کہا تھا نا آپ نے ماوی سے؟ کتنی عجیب بات ہے نا...... میں نے اپنی اور آپ کی عمروں کا حساب اس لیے رکھا کیونکہ میں آپ سے محبت کرتی ہوں لیکن جب آپ کو مجھ سے کوئی دلچسپی ہی نہیں ہے تو آپ اتنا حساب کتاب کس لیے رکھے ہوئے ہیں؟"

فیضان بجا طور پر لاجواب ہوئے تھے یہ تو انہوں نے خود بھی نہیں سوچا تھا۔

"حیران ہو رہے ہیں نا کہ آپ کو یہ خیال کیوں نہیں آیا...... میں بتاؤں؟...... کیونکہ آپ کے دل میں بھی کہیں نہ کہیں میرا خیال موجود ہے جسے آپ جھٹکتے رہتے ہیں اور خود سے بھی اعتراف کرنا نہیں چاہتے۔"

اتنا حقیقت پسندانہ تجزیہ تھا کہ فیضان اس بار بھی کچھ نہ بول سکے۔

دونوں کے درمیان خاموشی کا طویل وقفہ حائل ہوا تھا۔

"کچھ تو کہیں......اور کچھ نہیں تو میری غلط فہمی ہی دور کر دیں۔" اس طویل ہوتی خاموشی کو اینیا نے ہی توڑا تھا۔

"یہ وقتی کشش ہے اینیا! اور کچھ نہیں۔" فیضان نے بالآخر کہا۔

"دانیال بھائی بتا رہے تھے انہوں نے تمہارے لیے کوئی لڑکا دیکھا ہے بہت تعریف کر رہے تھے اس کی۔ میں دعا کروں گا تمہارا لائف پارٹنر تمہیں بہت خوش رکھے۔ جب میں تمہارے سامنے نہیں ہوں گا تو تمہیں یاد بھی نہیں رہوں گا......تم بہت آرام سے مجھے بھول جاؤ گی......" فیضان دوسری سمت میں دیکھتے ہوئے ٹھہر ٹھہر کے بول رہے تھے۔

"کیا آپ زریں کو بھول چکے ہیں؟ اتنے سال گزرنے کے بعد کیا آپ انہیں یاد نہیں کرتے؟ کیا آپ کی ان سے محبت وقتی کشش تھی؟" اینیا نے تیز لہجے میں ان کی بات قطع کی تھی۔

"آپ کہہ رہے ہیں میں آرام سے آپ کو بھول جاؤں گی اور......اور......اور پھر ساری زندگی ایک کم عمر کسی لڑکے کے چہرے میں آپ کا چہرہ تلاش کرتی رہوں گی ٹھیک ویسے ہی جیسے آپ میرے چہرے میں زریں کا چہرہ تلاش کرتے ہیں۔" اینیا بولتے ہوئے جیسے ہانپنے لگی تھی اس کی آنکھوں میں نمی بھی دکھائی دیتی تھی۔

فیضان اس کے ردعمل پر ہکا بکا رہ گئے تھے۔

"اینیا! میرا وہ مطلب نہیں تھا......" انہوں نے کہنا چاہا۔

"آپ کا کبھی بھی وہ مطلب نہیں ہوتا جو اتفاق سے آپ کہنا چاہتے ہیں۔" اینیا کے لہجے میں گہرا طنز تھا۔ "لیکن آپ کو کوئی حق نہیں ہے کہ میری فیلنگز کو وقتی کشش قرار دیں......آپ کو صرف اپنے بارے میں فیصلہ کرنے کا اختیار ہے میرے بارے میں نہیں۔ ماوی ٹھیک کہتی تھی آپ سے محبت کرنا پتھر سے سر پھوڑنے کے برابر ہے۔" اس نے کہا اور آنکھوں میں آنسو لیے تیز قدموں سے اپنے پورشن کی طرف چلی گئی۔ فیضان اپنے لفظوں پر شرمندہ تھے کہ بہر حال اسے ہرٹ کرنا تو ان کا مقصد نہیں تھا اور اسے روکنا چاہتے تھے لیکن ہر بار کی طرح انہوں نے دیر کر دی تھی......پتا نہیں اپنی زندگی کے ہر اہم معاملے میں وہ اسی طرح دیر کیوں کر دیتے تھے۔

☆☆☆

"شٹ اپ شبیہ! تمہیں کوئی حق نہیں ہے کہ میری بیوی کے بارے میں اس طرح کی گھٹیا باتیں کرو......"

جلال نے یکدم خود پر ضبط کھوتے ہوئے کہا تھا۔ شبیہ گو کہ اس سے کسی بھی قسم کے انکشاف کی توقع کر رہا تھا لیکن اس انکشاف پر ہکا بکا ہو کر اس کی شکل دیکھنے لگا تھا۔

"یہ کیا مذاق ہے جلال!" چند منٹ کے بعد جب بے یقینی کا جھٹکا ذرا ہلکا ہوا تو شبیہ نے کہا۔

"مذاق نہیں ہے میں سو فیصد سنجیدہ ہوں۔" جلال نے نظریں چراتے ہوئے کہا تھا جذباتیت میں حقیقت تو اگل گیا تھا لیکن پچھتا بھی رہا تھا کہ اتنی جلدی اس راز میں کسی کو شریک نہیں کرنا چاہیے تھا۔

"میں نے انگلینڈ جانے سے پہلے ماوی سے نکاح کر لیا تھا سوچا تھا مناسب وقت آنے پر سب کو بتا دوں گا......"

"لیکن یہ سب ہوا کیسے؟...... تم تو کہتے تھے وہ تمہاری صرف اچھی دوست ہے۔"

"ہاں کہتا تھا......" جلال نے آہستگی سے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "لیکن یہ دوستی کب محبت میں بدل گئی مجھے خود بھی پتا نہیں چلا۔"

"یہ اس محبت کے مرض میں صرف تم مبتلا ہوئی ہو یا وہ لڑکی بھی ایسا کوئی دعویٰ کرتی ہے؟"

"ظاہر ہے ہم دونوں ہی ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں تب ہی تو بات نکاح تک پہنچی ورنہ یکطرفہ محبت میں معاملات اتنا نہیں بڑھتے۔"

"محبت۔" شبیہ نے زہر خند اچھالی۔ "یہ لفظ مجھے اس دور کی یاد دلاتا ہے جب ہمارے بزرگوں کے بزرگ بھی ہماری عمروں کے ہوں گے۔ فی زمانہ ایسے کسی جذبے کا کوئی وجود نہیں ہے......"

"تم نے اس جذبے کی خوبصورتی کو کبھی محسوس نہیں کیا تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ کسی دوسرے کی فیلنگز کو بے کار سمجھو۔ میں ماوی سے اور وہ مجھ سے محبت کرتی ہے میرے لیے اتنا جاننا کافی ہے۔"

"یعنی میرا شک صحیح نکلا اس لڑکی نے حویلی میں آنے کے لیے تمہیں مہرہ بنایا ہے۔" شبیہ نے نخوت سے کہا تھا۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے اس بیچاری کو تو پتا بھی نہیں تھا کہ ہمارے درمیان اتنی قریبی رشتہ داری نکل آئے گی۔"

"ایسی بے تکی باتوں پہ شاید اسے یقین آ سکتا ہے۔ جس کی آنکھوں پر نام نہاد محبت کی پٹی بندھی ہو۔ مجھے تو بہرحال اس لڑکی کی کسی بات کا بھروسہ نہیں ہے۔" شبیہ نے سر جھٹکتے ہوئے کہا تھا

"اتنی بدگمانی اچھی نہیں ہوتی شبیہ!"

"اور اتنی خوش گمانی بھی اچھی نہیں ہوتی۔" شبیہ نے دوبدو کہا تھا۔ "تمہیں اس سے محتاط رہنا چاہیے۔"

"اس کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ مجھے ماوی پر پورا بھروسہ ہے۔" اس کے لہجے میں یقین بولتا تھا۔

"تو تو پاگل ہے جلال!"

"نہیں پاگل نہیں ہوں۔ تمہیں کبھی محبت نہیں ہوئی نا اس لیے تم نہیں سمجھ سکتے۔ جس سے محبت ہو نا شبیہ! اس کی ہر بات پر یقین کر لینے کو دل چاہتا ہے۔"

"ظاہر ہے عقل جو ساتھ نہیں رہتی۔" شبیہ نے چڑ کے کہا تھا جلال بے وجہ ہنس دیا شبیہ کی جان اور جل کر خاک ہوئی۔

"بہرحال میں تو مشورہ ہی دے سکتا ہوں اس لڑکی سے محتاط رہو۔ مجھے اس لڑکی کے ارادے ٹھیک نہیں لگتے۔"

"میں نے سوچا تھا ابھی اس بارے میں کسی کو نہیں بتاؤں گا لیکن اب تمہیں پتا چل ہی گیا ہے تو اس بات کو اپنے تک ہی رکھنا۔ میں نہیں چاہتا کہ حالات درست ہونے سے پہلے کسی کو بھی میرے اور ماوی کے متعلق پتا چلے۔" جلال نے تعاون چاہنے والے انداز میں کہا تھا اس کے بعد شبیہ نے کیا جواب دیا یہ تو پتا نہیں لیکن یہ ضرور ہوا تھا کہ نیم وا دروازے کے باہر کھڑی تنوی کی آنکھوں میں اس نئی اطلاع سے چمک سی دوڑ گئی تھی۔ وہ فی الفور یہ خبر حرم اور نمل کو دینے بھاگی تھی۔

☆☆☆

"کیا......" حرم اور نمل کے منہ سے بے ساختہ نکلا تھا نمل کی آنکھیں تو باقاعدہ حیرت اور بے یقینی سے پھیلی ہوئی تھیں۔

تنوی نے کانوں پہ ہاتھ رکھ لیا۔

"اوہو......آہستہ تو بولیں...... میرے کان پھاڑیں گی کیا؟" اس نے ناگواری سے کہا تھا۔

"تم نے بات ہی ایسی بتائی ہے کہ ہم اپنا ری ایکشن چھپا ہی نہیں پا رہے۔" نمل نے تعجب کے زیر اثر کہا تھا۔

"تمہیں ضرور غلط فہمی ہوئی ہوگی تنوی!" حرم نے کہا تھا۔ "میرا دل تو یہی بات ہے یہ بات ہی نہیں مان رہا کہ جلال اور ماوی کے نکاح والی بات درست ہے۔" وہ مستقل نفی میں سر ہلا رہی تھی۔

"تو کیا میں جھوٹ بول رہی ہوں؟" تنوی نے آنکھیں پھیلا کر صدمے کی کیفیت میں پوچھا تھا۔ "بھئی میں اپنے کانوں سے شبیہ اور جلال بھائی کی باتیں سن کر آ رہی ہوں اب کانوں سنی تو غلط نہیں ہو سکتی نا۔"

"درست......لیکن اس بات کی تصدیق کون کرے گا۔" نمل نے کہا۔ "میرا مطلب ہے شبیہ بھائی سے پوچھنے کی ہمت کوئی نہیں کر سکتا اور جلال بھائی نے اگر خود شبیہ بھائی کو تاکید کی ہے کہ ان کے اور ماوی کے رشتے کی سچائی سے کسی کو آگاہ نہ کیا جائے تو بھول ہی جاؤ کہ وہ اپنے منہ سے کچھ اگلیں گے۔" نمل نے ہاتھ جھاڑتے ہوئے کہا تھا۔

"کہتی تو تم ٹھیک ہو۔" حرم نے پرسوچ انداز میں کہا تھا۔

"ایک آئیڈیا آیا ہے۔" معاً تنوی نے کہا تھا وہ دونوں سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگیں۔

"ہم جا کر ماوی سے ہی پوچھ لیتے ہیں کہ کیا واقعی اس نے جلال بھائی سے نکاح کیا ہوا ہے۔" اس نے پرجوش نظروں سے حرم اور نمل کو دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

"وہ ہمیں کیوں بتائے گی؟" نمل نے مایوسی سے کہا تھا۔ "میں بھی پتا نہیں کیا آئیڈیا دینے لگی ہو۔"

"پھر بھی ہمیں ایک بار کوشش تو کرنا چاہیے۔" تنوی بضد تھی۔ "کیا پتا وہ ہمیں بتا ہی دے آخر اس میں کوئی مضائقہ بھی تو نہیں ہے۔"

"نمل ٹھیک کہہ رہی ہے تنوی! ماوی ہمیں کچھ نہیں بتائے گی۔" حرم نے کہا تھا۔ "اگر جلال شبیہ کو منع کر سکتا ہے کہ کسی کو کچھ نہ بتایا جائے تو یقیناً اس نے ماوی کو بھی منع کر رکھا ہوگا۔"

''اور اگر انہوں نے واقعی نکاح کر رکھا ہے تو آپس میں کچھ نہ کچھ تو طے کر ہی رکھا ہوگا نا۔''

''یعنی ابھی بھی تم لوگوں کو شک ہے کہ میں جھوٹ بول رہی ہوں؟'' تنوی جل کر بولی۔

''تم پر کون احمق شک کر رہا ہے پاگل! ہم تو صرف یہ کہہ رہے ہیں کہ حقیقت حال کا پتا کس طرح لگایا جائے۔'' حرم نے کہا۔

''تمہیں یاد ہے حرم آپا! ہم سب سوچ رہے تھے کہ اچانک ماوی کو حویلی آنے کا خیال کیسے آ گیا......'' نمل نے چند منٹ بعد کہا تھا۔

''ہوسکتا ہے نا وہ اپنے نکاح کو منوانے ہی حویلی آئی ہو یعنی جلال بھائی اور ماوی کی پلاننگ ہو یہ ساری......''

حرم نے گھور کر اسے دیکھا۔''تم ہر معاملے میں فلمی باتیں ڈھونڈ لیا کرو۔''

''اس میں فلمی باتیں ڈھونڈنے کی کیا بات ہے۔ تم خود بتاؤ کیا تمہیں معاملہ ایسا نہیں لگ رہا......دو لوگ ایک دوسرے سے محبت کرنے لگتے ہیں اچانک انہیں پتا چلتا ہے کہ بزرگ ان کا رشتہ ہونے نہیں دیں گے۔ تب وہ......''

''بس کرو نمل!'' حرم نے چڑ کر اس کے آگے ہاتھ ہی جوڑ دیے تھے۔

''پھر کیا کریں حرم آپا!'' تنوی نے بے قراری سے پوچھا تھا اسے سب سے زیادہ جلدی تھی کہ اصل بات جان لے۔ ماوی اسے اچھی بہت لگتی تھی جبکہ جلال اسے سگی بہنوں کی طرح چاہتا تھا گو کہ حویلی کے باقی لڑکے بھی اس کے لیے بھائیوں کی طرح ہی تھے لیکن جو انسیت اپنی اچھی فطرت کی وجہ سے وہ جلال سے محسوس کرتی تھی وہ بات کسی اور میں نہ تھی۔

''میرا خیال ہے خاموشی سے بلی کے تھیلے سے باہر آنے کا انتظار کرنا چاہیے۔ مناسب وقت آنے پر وہ جلال اور ماوی خود ہی ہر بات ڈس کلوز کر دیں گے تو ہمیں بھی پتا چل جائے گا......ایسا نہ ہو ہماری جلد بازی ان لوگوں کے لیے کوئی مسئلہ کھڑا کر دے۔'' حرم ہمیشہ دور اندیشی سے سوچتی تھی۔

''یہ کیا بات ہوئی حرم آپا!'' تنوی نے ...رو کے کہا۔''کیا پتا کب تھیلا پھٹتا ہے اور بلی باہر آتی ہے اور خدا ہی جانے تھیلا پھٹتا بھی ہے یا نہیں......اتنا لمبا انتظار کون کرے اور آپ کیسی بہن ہیں حرم آپا! آپ کے بھائی نے چپکے سے شادی کر لی اور آپ کو کوئی دلچسپی ہی نہیں ہے۔'' اس کا انداز شرم دلانے والا تھا حرم زور سے ہنس دی یوں بھی مایوں کے زرد سنہری جوڑے میں ہنسی بات بے بات اس کے لبوں پر بکھر رہی تھی۔

''دلچسپی کیوں نہیں ہے بالکل ہے لیکن میں تمہاری طرح زندگی کے معاملات کو محض جذباتیت سے نمٹانے پر یقین نہیں رکھتی۔ بات صرف اتنی سی ہے۔''

''شاید آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔'' تنوی نے بظاہر کہا اور دل میں سوچا۔''جذباتیت ہے تو یوں ہی سہی لیکن واقعی اتنا لمبا انتظار کون کرے میں جلال بھائی سے نہ پوچھ سکی تو ماوی سے تو ضرور پوچھ لوں گی۔'' اس نے مصمم ارادہ کر لیا تھا۔

☆☆☆

''تسنیم!'' ماوی نے اسے راہداری سے گزرتے دیکھ کر بے ساختہ پکارا تھا۔ وہ بڑے بڑے تھال اٹھائے تیز قدموں سے کہیں بھاگے جا رہی تھی۔ ماوی کی آواز پہ وہ ٹھٹھک کر رک گئی اور سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

''بڑی جلدی میں لگتی ہو۔کہیں جانے کی جلدی ہے کیا؟'' ماوی نے دوستانہ انداز میں پوچھا تھا۔

''ہم تو ملازم ہیں بی بی! کسی نہ کسی کام کی جلدی ہی رہتی ہے۔'' تسنیم کا انداز سادہ سا تھا۔

''تمہیں اپنا وعدہ یاد ہے نا؟''

''کون سا وعدہ؟'' خدا جانے وہ انجان تھی یا بن رہی تھی۔

''میری مدد کرنے کا وعدہ...... حویلی کے رازوں سے پردہ اٹھانے کا وعدہ۔''

''بی بی! آپ ناحق مجھ غریب کے پیچھے پڑی ہیں۔'' تسنیم نے بے چارگی سے کہا تھا۔

''یہ لو'' ماوی نے سر پہ ہاتھ مارا تھا۔''ابھی تو میں تمہارے پیچھے پڑی نہیں ہوں۔ کبھی پڑ گئی تو جانے تمہارا کیا حشر ہوگا۔اب نخرے کرنا بند کرو اور سیدھی طرح بتاؤ میری مدد کب کرو گی۔'' عجب دھونس جماتا انداز تھا۔

''بی بی! حویلی میں کسی کو بھنک بھی پڑ گئی ناں کہ میں نے آپ کو کچھ بتایا ہے تو آپ کو تو کوئی کچھ نہیں کہے گا میری جان مصیبت میں آجائے گی۔'' تسنیم روہانسی ہو کر بولی تھی۔

''میں تمہیں ایک بات صاف بتا دوں تسنیم! میرے بارے میں کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہونا...... کیونکہ اگر تم نے مجھے کچھ نہ بتایا تو مجھ سے زیادہ تمہاری جان کوئی مصیبت میں نہیں ڈال سکتا۔''

بڑے ہی دوستانہ انداز میں دھمکایا گیا تھا۔ تسنیم جو انہماک سے اس کی بات سن رہی تھی ہونق سی بن کر اس کی شکل دیکھنے لگی۔

ماوی ہنس دی۔

''دیکھو میں تمہاری دشمن نہیں ہوں۔اور میں یہ بھی جانتی ہوں اس حویلی میں تم وہ واحد انسان ہو جو میری مدد کر سکتا ہے اس بات کا اندازہ بھی میں نے تمہاری اس روز کی گفتگو سے لگایا جس میں تم اپنے اور میرے بابا کے اچھے تعلقات کا ذکر کر رہی تھیں۔ایک بات تم ذہن نشین کر لو جتنی مجھے اپنی خیریت عزیز ہے اتنی ہی تمہاری بھی ہے اس لیے یہ تو بھول ہی جاؤ کہ میں تم پر کوئی آنچ آنے دوں گی۔ میں اس حویلی میں اپنے بابا کے قاتل کے خلاف ثبوت لینے آئی ہوں اور اگر مجھے خالی ہاتھ واپس جانا پڑا تو یاد رکھنا قیامت کے روز قاتل کے ساتھ ساتھ تمہیں بھی اللہ کے سامنے جواب دہ ہونا پڑے گا۔کیونکہ خاموش رہ کر تم اس قاتل کا ساتھ ہی دے رہی ہو۔''

''بی بی! آپ غلط سمجھ رہی ہیں میں اتنا کچھ تو نہیں جانتی کہ آپ کی مکمل طور پر مدد کر سکوں۔'' تسنیم نے سابقہ بے چارگی سے کیا تھا۔

''تھوڑا جانتی ہو یا زیادہ لیکن تم پر ذمہ داری تو ہے کہ مجھے ان حقائق سے آگاہ کرو۔'' ماوی نے کہا۔''اب فیصلہ کرنا تمہارا کام ہے کہ تم خاموش رہ کر قاتل کا ساتھ دینا چاہتی ہو یا......'' ماوی نے جتاتی نظروں سے اسے دیکھا اور جملہ ادھورا چھوڑ کر واپس مڑ گئی۔

ماوی بی بی!'' معاً تسنیم نے اسے پکار لیا ماوی چند قدم ہی آگے گئی تھی کہ اس کی آواز سن کر پلٹی۔

تسنیم تذبذب سے انگلیاں مروڑ رہی تھی۔ چند قدموں کا فاصلہ عبور کر کے ماوی کے قریب آگئی اور رازداری سے بولی۔

"کل حرم بی بی کی رسم مہندی ہے۔ رسم کے وقت سب لوگ مصروف ہوں گے آپ موقع دیکھ کر حویلی کے پچھلے حصے میں آ جائیے گا۔ مجھے جو کچھ پتا ہے وہ آپ کو بتا دوں گی۔ لیکن ایک بات ہے بی بی! مجھ سے زیادہ مدد کی امید نہ رکھیے گا۔ ہو سکتا ہے مجھ سے معلومات لے کر بھی آپ کو کوئی فائدہ نہ ہو۔ میں آپ کا انتظار کروں گی۔" اس نے جھجکتے ہوئے لیکن بعجلت کہا اور ادھر ادھر دیکھتی جلدی سے آگے بڑھ گئی۔

ماوی چند لمحے بے یقینی سے کھڑی رہی پھر ہنس دی۔ تسنیم اس کی توقع سے جلدی مان گئی تھی لیکن اب اگلا مرحلہ طے کرنا بھی ایک دقت کا مرحلہ تھا۔

☆☆☆

"فیاض بھائی! آپ ثمینہ آپا سے صاف صاف بات کریں۔ میں یہ بات مان ہی نہیں سکتا کہ انہیں ماوی کے بارے میں کوئی خبر ہی نہ ہو۔" فیضان نے فون پر فیاض بھائی سے کہا تھا۔

"تم کس طرح کی باتیں کر رہے ہو فیضان!" فیاض حتی المقدور حیران ہوئے تھے۔

"ثمینہ بھلا ہم سے کیوں چھپائے گی کہ ماوی کہاں ہے وہ تو خود اس کے لیے اتنی پریشان ہے۔"

"آپ کی بات اپنی جگہ درست سہی لیکن معاملہ کچھ گڑبڑ ضرور ہے بھائی!"

فیضان نے انہیں وہ ساری تفصیلات کہہ سنائیں جو اینیا نے انہیں بتائیں تھیں۔

"تم عجیب بات بتا رہے ہو فیضان!" فیاض بھائی نے متعجب ہو کر کہا تھا۔ "مجھے تو ثمینہ کے کسی انداز سے ایسا نہیں لگا کہ وہ غلط بیانی کر رہی ہے اور سوچنے کی بات تو یہ بھی ہے کہ وہ ایسا کرے گی بھی کیوں؟...... تمہیں ضرور غلط فہمی ہوئی ہے فیضان!"

"یہی تو زیادہ پریشانی کی بات ہے بھائی! کہ آپا ایسا کر کیوں رہی ہیں...... اور آپ اس بات کو بھی دماغ سے نکال دیں کہ مجھے غلط فہمی ہوئی ہے اس سارے معاملے میں ایسا کچھ ضرور ہے جو آپا ہم سے چھپا رہی ہیں۔" فیضان کی آواز پریشانی میں ڈوبی ہوئی تھی۔

"میری مانیں...... آپ ثمینہ آپا کو اعتماد میں لے کر سچائی جاننے کی کوشش کریں۔"

"او میرے بھائی! سچائی جاننے کے لیے بھی کسی بنیاد کی ضرورت ہوتی ہے جبکہ تمہیں محض شک ہے۔" فیاض نے کہا تھا۔

"اور ذرا یہ بھی تو سوچو کہ اگر ثمینہ واقعی لاعلم ہوئی تو اس کے دل پر کیا گزرے گی کہ اس کے بھائی کس بنیاد پہ اس پر شک کر رہے تھے۔"

بات معقول تھی فیضان سوچ میں پڑ گئے۔ پھر تھک ہار کر بولے۔

"ٹھیک ہے فیاض بھائی! آپ نہ پوچھیں ثمینہ آپا سے۔ میں خود ہی کسی طرح ماوی کا پتا چلانے کی کوشش کرتا ہوں۔" ان کا لہجہ کسی قدر مایوسی لیے ہوئے تھا۔

☆☆☆

"دادی جان! کیا سوچ رہی ہیں؟" ماوی نے بڑی بے تکلفی اور چاہ سے پوچھا تھا۔ وہ دونوں بڑی سی ڈائننگ ٹیبل کے آمنے سامنے والی کرسیوں پر بیٹھی تھیں باقی کرسیاں خالی تھیں۔ اسی لیے دونوں کو ایک دوسرے کے بخیے ادھیڑنے کا خوب موقع ملنے والا تھا۔

''میں سوچ رہی ہوں۔ جب میں حویلی سے دھکے دے کر تمہیں نکالوں گی تو تمہارے چہرے پر تاثرات کیسے ہوں گے؟'' جنت بیگم نے اس کے سوال پر کوئی بھی ردعمل ظاہر کیے بغیر جواب دیا تھا۔

ماوی اس بات پر ہنسی۔ یوں جیسے کسی بچے کی بات پر ہنسا جاتا ہے۔

''مائی گاڈ! کتنا غرور ہے آپ میں۔ لیکن جب یہ غرور ٹوٹے گا تو آپ کے تاثرات کیا ہوں گے؟''

''کچھ لوگوں پہ غرور جچتا ہے اور میں انہی لوگوں میں سے ایک ہوں۔'' جنت بیگم نے تیکھی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

''ہاہاہا......'' ماوی بدتمیزی سے ہنسی تھی، جنت بیگم نے ناگواری سے اسے دیکھا۔

''تمہیں تھوڑی تمیز سیکھنی چاہیے۔''

''آپ کے پاس آ گئی ہوں نا۔ سکھا دیجیے۔''

''میں نے ٹھیکا نہیں لے رکھا کہ لوگوں کی بگڑی ہوئی اولادیں سدھارتی پھروں......'' جنت بیگم نے نخوت سے ناک چڑھا کر کہا تھا۔

''دادی جان!......'' ماوی نے جتنے لاڈ سے پکارا جنت بیگم نے اتنی ہی بری طرح اسے ٹوک دیا تھا۔

''میں تمہیں کتنی بار کہہ چکی ہوں مجھے دادی مت کہا کرو۔ تمہاری دادی تمہارے باپ کے بچپن میں ہی مر گئی تھی۔''

''ظاہر ہے تبھی تو میرے دادا نے آپ سے شادی کی تھی۔ اس حساب سے آپ میری دادی ہی بنتی ہیں۔''

ماوی کا انداز اصرار بھرا تھا۔

''نہیں......میں تمہاری سوتیلی دادی بنتی ہوں۔'' جنت بیگم نے زور دے کر کہا تھا۔

''تو ٹھیک ہے میں آپ کو سوتیلی دادی جان کہہ کر بلا لیا کروں گی۔ کیا خیال ہے آپ کا؟'' بڑا دوستانہ انداز تھا جنت بیگم کے تن بدن میں آگ ہی لگ گئی۔

''تم انتہائی ڈھیٹ لڑکی ہو۔'' اس نے دانت کچکچا کر کہا تھا۔

''تھینکس فار دا کامپلیمنٹ سوتیلی دادی جان!'' وہ ابھی بھی باز نہیں آ رہی تھی۔ ''آپ کو اسی بات سے اندازہ لگا لینا چاہیے کہ آپ کا برا وقت شروع ہونے والا ہے۔ ثبوت لیے بغیر میں اس حویلی سے نہیں جاؤں گی اور آپ کو سزا دلوائے بغیر اس ملک سے۔'' انداز میں کوئی لچک نہ تھی۔ سیدھا سپاٹ سا انداز تھا۔ لحظہ بھر کے لیے جنت بیگم کا دل لرزا اگلے ہی پل اس نے اپنی گھبراہٹ پر قابو پا لیا تھا اور کرسی سے کھڑے ہوتے ہوئے استہزائیہ ہنسی ہنس دی تھی۔

''اپنی سی کوششیں کر دیکھو جب اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاؤ تب بات کرنا۔'' اس نے ایک جتاتی نظر ماوی پہ ڈالی اور ڈائننگ ہال سے نکل گئی۔ ماوی نے اسے جاتے دیکھا پھر سر جھٹک کے پلیٹ میں باقی بچا سینڈوچ ختم کرنے لگی۔

☆☆☆

"ولید مجھے تم سے بات کرنی ہے۔" اینیا نے ولید کے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا تھا۔

ولید اپنے لیپ ٹاپ پر مصروف تھا اس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا پھر اسی مصروفیت بھرے انداز میں بولا۔

"میں مصروف ہوں انو!"

"ذرا دیر کو بات سن لو گے تو کون سی قیامت آجائے گی۔" اینیا نے چڑ کر کہا تھا۔

"یار انو!......" ولید نے بیزاری سے کہا۔

"آئی سوئیر...... پندرہ منٹ سے زیادہ نہیں لونگی تمہارے۔"

ولید نے ناچار لیپ ٹاپ بند کر دیا اور کرسی کا رخ ذرا سا اس کی طرف موڑتے ہوئے بولا۔

"جلدی سے شروع ہو جاؤ...... زیادہ وقت نہیں ہے میرے پاس۔"

"تم کیا کرتے پھر رہے ہو ولید!"

"مطلب؟" وہ حیران ہوا۔

"مطلب یہ کہ تم کن ایکٹوٹیز میں مصروف ہو۔ اپنی حالت دیکھی ہے کتنے کمزور ہو گئے ہو۔ آنکھوں کے گرد باقاعدہ حلقے پڑ گئے ہیں۔"

اینیا بڑے پریشان انداز میں کہہ رہی تھی۔

"اوہ ایسی کوئی بات نہیں ہے یار! بس ایگزامز کی وجہ سے خود پر دھیان دینے کا ٹائم ہی نہیں مل پا رہا...... ورنہ اور تو کوئی بات نہیں ہے۔"

ولید نے اسے ٹالتے ہوئے کہا تھا۔

اینیا چند منٹ خاموشی سے اسے دیکھتی رہی سمجھ نہیں پا رہی تھی مزید کچھ کہے یا نہیں گو کہ آج تہیہ کر کے آئی تھی کہ دوٹوک بات کرے گی۔

"ولید!" بالآخر اسی نے خاموشی کو توڑا تھا۔ "اور اسموکنگ کے بارے میں کیا کہو گے؟"

"تم آج پھر وہی کھاتا کھول کر بیٹھ جاؤ۔" ولید نے سرد مہری سے کہہ کر رخ دوبارہ موڑ لیا تھا اور لیپ ٹاپ بھی دوبارہ آن کر لیا تھا۔

مطلب صاف تھا کہ وہ اب مزید کوئی بات کرنا نہیں چاہتا اور اینیا کو چاہیے اپنی شکل لے کر وہاں سے دفع ہو جائے۔

اینیا کو تاؤ آ گیا۔

"جب تک یہ کھاتا نہیں کھلے گا تمہاری حرکتیں بھی ٹھیک نہیں ہونگی۔" اینیا نے غصے سے آگے بڑھ کر لیپ ٹاپ بند کر دیا تھا۔

"اپنے کام سے کام رکھنا سیکھو انو!" ولید نے سرد مہری سے اس کا ہاتھ جھٹک دیا تھا۔

"یہ بھی میرا کام ہے۔" اینیا نے سابقہ انداز میں کہا تھا

"میں اسموکنگ نہیں کرتا انو! میں نے تمہیں اس روز بھی بتایا تھا کہ وہ سگریٹ میرے دوستوں کے تھے۔" ولید نے غصے کے باوجود قدرے دوستانہ انداز میں کہا تھا۔

"اچھا۔" اینیا نے طنزیہ نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا پھر پلٹ کر گئی اور اس کی الماری کے سب سے نچلے حصے میں سے کچھ میگزینز نکال لائی اور انہیں ولید کے سامنے میز پر پٹخ دیا۔

"سگریٹ تمہارے دوستوں کے تھے تو ان پورن میگزینز کے بارے میں کیا کہو گے؟"

ولید کے چہرے کا رنگ بدل گیا تھا۔ اسے اس طرح گھیرے جانے کی توقع ہرگز نہیں تھی۔

"اور وہ تمام نیوڈ ویب سائیٹس جنہیں تم سارا دن پڑھائی کے بہانے سرچ کرتے رہتے ہو؟...... اور وہ تمام گھٹیا سٹف ...... جسے تم نے اپنے کمرے کے کونوں کھدروں میں چھپا رکھا ہے...... ان سب چیزوں کے بارے میں کیا کہو گے ولید!"

اینیا کا غصے سے برا حال تھا جبکہ ولید کی شکل دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ لیکن اسے چند منٹ ہی لگے تھے اپنی حالت پر قابو پانے میں۔ اگلے ہی پل اس نے میگزینز اٹھا کر میز کے سب سے نچلے خانے میں ڈال دیے تھے۔

"تمہاری ہمت کیسے ہوئی کہ میرے کمرے کی تلاشی لو؟" ولید نے کرسی سے کھڑے ہو کر سینے پر بازو باندھتے ہوئے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے پوچھا تھا۔ اینیا اس سے ڈھٹائی کی توقع کر رہی تھی مگر اتنی بھی نہیں۔

"پہلے میرے سوالوں کا جواب دو...... ورنہ میں تمہاری حرکتوں کی ساری خبر ڈیڈی کو دے دوں گی۔"

"کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ میری جاسوسی کرنے کی بجائے تم پہلے اپنی حرکتوں پر دھیان دے لو۔" ولید نے اطمینان سے اس کے پیروں تلے سے زمین کھینچنا شروع کی تھی۔

"مطلب کیا ہے تمہارا؟" اینیا الجھی۔

"مطلب یہ کہ آجکل گھر میں جو کچھ ہو رہا ہے ممکن ہے وہ ڈیڈی کو نظر نہ آ رہا ہو لیکن مجھے سب کچھ نظر بھی آ رہا ہے اور سمجھ بھی۔ لیکن میں نے تم سے کچھ کہا اس لیے نہیں کہ میں سمجھ رہا تھا یہ تمہارا پرسنل معاملہ ہے مجھے اس میں انٹرفیئر کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ لیکن اب جبکہ تم بہت اچھی بہن بنتے ہوئے میرے ہر معاملے میں ٹانگ پھنسا رہی ہو تو میرا بھی فرض بنتا ہے کہ میں بھی بہت اچھے بھائی کا رول پلے کرتے ہوئے تمہاری حرکتوں کی خبر ڈیڈی کو دے دوں۔"

"کیا بکواس کر رہے ہو ولید!" اینیا نے خائف ہوتے ہوئے کہا گو کہ اس کے دل میں چور نہیں تھا لیکن ولید کے بات کرنے کا انداز اسے ہراساں کر رہا تھا۔

"بکواس ابھی میں نے کی نہیں ہے لیکن تم اگر اسی طرح میری جاسوسی کرتی رہیں تو تمہارے اور فیضان بھائی کے بارے میں جو کچھ ڈیڈی کو بتاؤں گا وہ ضرور بکواس کے زمرے میں آ جائے گا۔" ولید نے غرا کر کہا تھا اب کی بار چہرے کا رنگ بدلنے کی باری اینیا کی تھی۔

"ولید فضول مت بولو۔"

"اچھا اپنی باری آئی تو میری باتیں فضول ہو گئیں۔" ولید نے استہزائیہ کہا۔

"اگر تم نے ڈیڈی سے کوئی بھی فضول بات کہی ناں ولید! تو میں تمہارا بہت برا حشر کروں گی۔" اینیا نے کہا۔

"فضول بات؟......کونسی فضول بات؟...... میں تو حقیقت ہی بتاؤں گا انہیں۔"

"اپنی طرف سے افسانہ گھڑ کے حقیقت بتاؤ گے؟"

"اپنی طرف سے کیوں بنانے لگا یہ تو سامنے کی حقیقت ہے۔ موقع ملتے ہی تم انیکسی میں چلی جاتی ہو۔ کھانے بنا بنا کر بھجوائے جا رہے ہیں۔ لان میں واک کی جا رہی ہے...... کچھ نہ کچھ تو بات ہے ناں" وہ خوب آنکھیں مٹکا مٹکا کر بول رہا تھا لیکن اینیا کے منہ میں تو جیسے زبان ہی نہ رہی تھی اس کا تو وہ حال تھا کہ کاٹو تو بدن میں لہو نہیں۔

"اب میری ایک بات کان کھول کر سن لو مس حسن! اگر اگلی بار تم نے میرے کمرے کی تلاشی لینے کی کوشش کی یا میری جاسوسی کرتے ہوئے پائی گئیں تو یاد رکھنا میں تمہارے اور فیضان بھائی کے بارے میں ایک کی چار لگا کر ممی اور ڈیڈی کو بتانے میں ذرا بھی نہیں سوچوں گا۔" اس نے واضح الفاظ میں دھمکی دی تھی۔

"اب اپنی شکل گم کرو میں مصروف ہوں۔"

"اور ہاں......" اینیا جس وقت کمرے سے باہر نکل رہی تھی اس نے ولید کو کہتے سنا۔

"میں جو کہتا ہوں اسے بھولتا نہیں ہوں...... یہ بات ضرور یاد رکھنا۔"

اینیا خاموشی سے باہر نکل گئی تھی۔

☆☆☆

فیضان بیڈ پر سیدھے لیٹے ہوئے تھے سر کے نیچے دونوں ہاتھوں کا تکیہ تھا اور آنکھیں چھت سے لگی ہوئی تھیں جبکہ کانوں میں اینیا کی آواز گونج رہی تھی۔

"آپ کے کہنے کا جو بھی مطلب تھا میں صرف اتنا جانتی ہوں کہ سچ میں آپ کو کبھی نہیں بھولوں گی......اور میں یہ بھی چاہتی ہوں کہ آپ بھی مجھے یاد رکھیں...... کیا آپ مجھے یاد رکھیں گے؟"

"کتنی عجیب بات ہے نا...... میں نے اپنی اور آپ کی عمروں کا حساب اس لیے رکھا کیونکہ میں آپ سے محبت کرتی ہوں لیکن جب آپ کو مجھ سے کوئی دلچسپی ہی نہیں ہے تو آپ اتنا حساب کتاب کس لیے رکھے ہوئے ہیں؟"

"کیونکہ آپ کے دل میں بھی کہیں نہ کہیں میرا خیال موجود ہے جسے آپ جھٹکتے رہتے ہیں اور خود سے بھی اعتراف کرنا نہیں چاہتے۔"

"کیا آپ زریں کو بھول چکے ہیں؟ اتنے سال گزرنے کے بعد کیا آپ انہیں یاد نہیں کرتے؟ کیا آپ کی ان سے محبت وقتی کشش تھی؟"

فیضان اٹھے اور کھڑکی میں جا کر کھڑے ہو گئے رات کا آسمان ستاروں سے جھلملا رہا تھا اور ہوا شائیں شائیں کر کے لان میں درختوں کو چھوتی تھی۔

"آپ کہہ رہے ہیں میں آرام سے آپ کو بھول جاؤں گی اور......اور......اور پھر ساری زندگی ایک کم عمر کسی لڑکے کے چہرے میں آپ کا چہرہ

تلاش کرتی رہوں گی ٹھیک ویسے ہی جیسے آپ میرے چہرے میں زریں کا چہرہ تلاش کرتے ہیں۔" اس نے جیسے فیضان کے سامنے آئینہ لا کر رکھ دیا تھا۔

"آپ کو کوئی حق نہیں ہے کہ میری فیلنگز کو وقتی کشش قرار دیں...... آپ کو صرف اپنے بارے میں فیصلہ کرنے کا اختیار ہے میرے بارے میں نہیں۔ ماوی ٹھیک کہتی تھی آپ سے محبت کرنا پتھر سے سر پھوڑنے کے برابر ہے۔"

کتنی بے چارگی تھی اس کے لہجے میں۔ فیضان کو از سر نو شرمندگی نے آن گھیرا۔ انہوں نے بیزاری سے کھڑکی بند کر دی ایک جھٹکے سے ہوا کی تیز آواز کا رابطہ ٹوٹ گیا تھا

فیضان نے محض وقت گزاری کے لیے لیپ ٹاپ آن کر لیا۔ ان کے ان بکس میں اینا کی کچھ ای میلز پڑی تھیں۔ سادہ اور معصوم بے ضرر سی باتوں سے بھری ہوئی۔ وہ ایک ایک کر کے تمام ای میلز دیکھتے چلے گئے معاً ذہن میں ایک کوندا سا لپکا تھا۔ انہوں نے فی الفور اپنی آئی ڈی کو سائن آؤٹ کر کے ثمینہ آپا کا میلنگ ایڈریس لگانا شروع کیا۔ کسی وقت میں ثمینہ آپا کا دیا ہوا پاس ورڈ کام آنے لگا تھا اور گو کہ وہ جانتے تھے کہ وہ بہت ہی غیر اخلاقی حرکت کے مرتکب ہونے جا رہے ہیں لیکن یہ وہ واحد راستہ تھا جس کے ذریعے ماوی کا پتا لگایا جا سکتا تھا۔

تھوڑی سی محنت کے بعد بالآخر وہ اصل پاس ورڈ لگانے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ توقع کے عین مطابق ان بکس ماوی کی ای میلز سے بھرا ہوا تھا وہ ایک ایک کر کے تمام میلز چیک کرنے لگے۔

پہلی چار پانچ میلز میں کوئی قابل ذکر بات نہ تھی لیکن چھٹی میل میں انہیں سراغ مل ہی گیا۔

"......آپ کی ڈیمانڈ کے مطابق میں حویلی پہنچ چکی ہوں لیکن سمجھ نہیں پا رہی کہ میں یہاں آئی کس لیے ہوں۔ اگر بابا جان کے قاتل کے خلاف ثبوت ہی تلاش کرنا تھا تو ہم پولیس کی مدد بھی تو لے سکتے تھے......اس کے لیے مجھے حویلی بھیجنے کی کیا ضرورت تھی......"

فیضان کے دماغ پر جیسے پتھر سے گرنے لگے تھے۔ اگلی ای میل میں لکھا تھا۔

......"بالآخر آج میری ملاقات جنت بیگم سے ہو ہی گئی۔ آپ نے ٹھیک کہا تھا ممی وہ بہت خوبصورت خاتون ہیں اور اگر زریں آنٹی اپنی ماں جیسی تھیں تو فیضان ماما نے بلاوجہ دل نہیں ہارا ہو گا۔ بلاشبہ ان میں ضرور ایسا کچھ ہو گا کہ دل ہار دیا جائے......"

اب تو کسی شک وشبہ کی گنجائش ہی نہ تھی ساری صورتحال سمجھ آتے ہی فیضان سر پکڑ کر بیٹھ گئے تھے۔

"آپ سے اور آپ کی بیٹی سے مجھے عقلمندی کی توقع تو کبھی بھی نہیں رہی۔ لیکن اس بار تو آپ دونوں نے حد ہی کر دی۔"

فیضان نے موبائل فون کان سے لگا رکھا تھا اور بیحد غصے میں تھے۔

"کیسی باتیں کر رہے ہو فیضان!" ثمینہ آپا نے قدرے تعجب سے پوچھا تھا۔

"پہلے آپ مجھے بتائیں ماوی کہاں ہے؟" فیضان نے ان کے گرد گھیرا تنگ کرنا شروع کیا۔

"مجھے پتا ہوتا تو کیا پہلے ہی نہ بتا دیتی۔" ثمینہ عاجز آ کر بولیں۔

"تو پھر آپ کے لیے ایک خبر ہے۔ ماوی حویلی جا چکی ہے تاکہ وہاں سے رجب بھائی کے قاتل کا سراغ لا سکے۔" فیضان نے طنزیہ لہجے میں کہا تھا۔

"کک...... کیا...... کیا کہہ رہے ہو فیضان!" ثمینہ خود پر قابو رکھنے کے باوجود ہکلا گئی تھیں۔

"وہی کہہ رہا ہوں جو آپ سن رہی ہیں۔" فیضان نے تیز لہجے میں کہا تھا۔ "اور بہتر ہوگا کہ آپ میرے سامنے مزید انجان بننے کا ڈرامہ نہ کریں کیونکہ میں اچھی طرح جانتا ہوں ماوی نے آپ کے کہنے پر حویلی جانے کی حماقت کی ہے۔"

"فیضان! میں......" ثمینہ نے کہنا چاہا لیکن فیضان کچھ بھی سننے کے موڈ میں نہیں تھے اور ثمینہ نے آج سے پہلے بھائی کو کبھی اتنے غصے میں نہیں دیکھا تھا۔ وہ اپنی کیفیت اس شخص کی سی محسوس کر رہی تھیں جس کی چوری پکڑی گئی ہو۔ ناچار انہیں اعتراف کرنا پڑا کہ ماوی انہی کے اصرار پر حویلی گئی ہے۔

"ثمینہ آپا! مجھے سمجھ نہیں آ رہا آپ کی عقلمندی کا اعتراف کن الفاظ میں کروں۔" فیضان کا غصے سے برا حال تھا۔

"آپ کو ذرا سا بھی احساس ہے آپ نے کتنی بڑی حماقت کا ثبوت دیا ہے۔ ماوی کو اپنے ہاتھوں سے مصیبت کے منہ میں دھکیل دیا۔ ایک بار بھی آپ نے سوچا وہاں اسے کوئی نقصان پہنچا تو آپ کیا کریں گی؟"

"تم اس طرح کی باتیں مت سوچو فیضان! ماوی کو کچھ نہیں ہوگا۔" ثمینہ نے کہا

"آپ اپنے خیالوں میں خوش رہیں مجھے ایسی کوئی خوش امیدی کی آس نہ دلائیں۔" فیضان نے دوٹوک کہا تھا۔

"ماوی کا کونٹیکٹ نمبر دیں مجھے۔ میں اسے مزید اس حویلی میں چھوڑنے کا رسک نہیں لے سکتا۔"

"میرے پاس اس کا نمبر نہیں ہے۔" ثمینہ نے کہا۔

"اب آپ پھر جھوٹ بول رہی ہیں۔" فیضان کو تاؤ آ گیا۔

"فیضان!......" ثمینہ آپا نے بیزاری سی کہا تھا۔ "تم بنا بنایا کھیل بگاڑ دو گے۔ میں نے کن دقتوں سے ماوی کو حویلی جانے پر راضی کیا تھا اپنے مقصد کے اتنا قریب پہنچ کر اگر وہ واپس آ گئی تو سب کئے کرائے پر پانی پھر جائے گا۔"

"آپ کو اپنی پلاننگ خراب ہونے کا خدشہ ہے اس بات کی کوئی فکر نہیں کہ ماوی کو وہ لوگ کوئی نقصان پہنچا سکتے ہیں۔"

"ماوی ان لوگوں کا اپنا خون ہے وہ اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔"

"جی ہاں...... ماوی ان کا اپنا خون ہے۔ خون بھی وہ جو کب کا سفید ہو چکا۔" فیضان نے ثمینہ کا جملہ اچکتے ہوئے انہیں آڑے ہاتھوں لیا تھا۔

"ایک طرف آپ نے ماوی کو وہاں رجب بھائی کے قاتل کے خلاف ثبوت لینے بھیج دیا دوسری طرف آپ کہہ رہی ہیں کہ ماوی ان کا اپنا خون ہے اس لیے محفوظ ہے اگر وہ حویلی رجب بھائی کے لیے محفوظ نہیں تھی تو ماوی کے لیے کس طرح محفوظ ہو سکتی ہے۔ اس بات پر یقیناً آپ نے غور کرنے کی زحمت گوارا نہیں کی ہوگی...... اب مجھے ایک بھی منٹ ضائع کئے بغیر ماوی کا نمبر دے دیں ورنہ غصے میں میں کیا کر بیٹھونگا۔"

یہ دھمکی کارگر رہی یوں بھی ثمینہ کو فیضان کی ٹون سے سمجھ آ گیا تھا کہ اب کوئی بھی بہانہ بنانا فضول ہوگا۔ بددلی کے ساتھ انہوں نے نمبر دے دیا تھا۔

☆☆☆

''تم معاملے کی نزاکت کو سمجھ ہی نہیں رہی ہو ماوی!'' ثمینہ نے جھنجلا کر کہا تھا۔

''ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ۔'' ماوی نے سابقہ انداز میں کہا تھا۔

وہ تنوی کے کمرے میں موجود بڑے سے سنگھار میز کے سامنے کھڑی لپ اسٹک لگا رہی تھی۔ آج حرم کی رسم مہندی تھی سب لڑکیاں بھابھیاں تنوی کے کمرے میں تیار ہونے کے لیے جمع تھیں سب کی موجودگی کی وجہ سے ماوی کو بہت آہستہ آواز میں بات کرنا پڑ رہی تھی۔ اس نے کندھے کی مدد سے موبائل فون کان سے لگا رکھا تھا جبکہ لپ لائنر برش کی مدد سے وہ بیحد نفاست سے لپ اسٹک لگا رہی تھی۔ اس نے بائل گرین کلر کے غرارے کے ساتھ لائیٹ گولڈن شرٹ پہن رکھی تھی بائل گرین ہی بڑا سا دوپٹہ جس کے کناروں پر سنہری کام کیا ہوا تھا اس کو آگے کی طرف دونوں کندھوں نے پر بڑے اسٹائلش انداز میں سیٹ کر رکھا تھا۔ کرل کیئے ہوئے بال کندھوں پر آگے آ رہے تھے جن سے کانوں میں ڈالے ہوئے بڑے بڑے جھمکے جھانک رہے تھے۔ اس نے میک اپ بھی بہت نفاست سے کر رکھا تھا اور بلاشبہ خوبصورت بھی بہت لگ رہی تھی۔ لپ اسٹک کو فائنل ٹچ دے کر اس نے شیشے میں خود پر تفصیلی نظریں ڈالیں پھر اپنی تیاری سے مطمئن ہو کر خود کو اوکے کا سگنل دیا اور پہلی بار پوری سنجیدگی سے ثمینہ کی طرف متوجہ ہوئی۔

''اب بتائیں آپ مجھ سے چاہتی کیا ہیں؟''

''فیضان کی کال آئے تو تم اٹینڈ مت کرنا۔''

''اس سے کیا ہو گا؟''

''فیضان مایوس ہو کر دوبارہ رابطہ نہیں کرے گا۔''

''اور اگر وہ حویلی آ گئے تو............''

''ایسا نہیں ہو گا۔''

''فیضان ماما آج پیدا ہوئے ہیں یا آپ؟''

''ایں مطلب؟''

''مطلب یہ کہ فیضان ماما کے بارے میں آپ ایسا دعویٰ تب کریں جب آپ انہیں جانتی نہ ہوں۔'' ماوی نے کہا۔'' آپ اچھی طرح جانتی ہیں میں ان کا فون ریسیو کروں یا نہ کروں اگر انہیں میرے بارے میں علم ہو گیا ہے تو وہ مجھ تک پہنچیں گے بھی ضرور۔''

''تو اب میں کیا کروں؟'' ثمینہ نے پریشانی سے کہا تھا

''میں نے پہلے بھی کہا تھا آپ کو کیا کرنا ہے اور کیا نہیں یہ سوچنا آپ کا کام ہے......''

''ماوی! تمہارے پاس بلیو آئی لائنر ہے؟'' اچانک پیچھے سے آ کر نمل نے پوچھا تھا ماوی نے ذرا سا چونکتے ہوئے پلٹ کر اس کی طرف دیکھا پھر ڈریسنگ ٹیبل سے آئی لائنر اٹھا کر اس کی طرف بڑھا دیا اور مزید آواز دھیمی کر کے بولی۔

''آپ کو پہلے ہی فیضان ماما کو طریقے سے ہینڈل کرنا چاہیے تھا اب جب کہ تیر کمان سے نکل چکا ہے تو میرا نہیں خیال کہ ہم فیضان ماما کو

ان کے ارادے سے باز رکھنے کے لیے کچھ کر سکتے ہیں۔ وہ جو کر رہے ہیں انہیں کرنے دیں ویسے بھی میرا خیال ہے آج رات تک مجھے کچھ نہ کچھ معلومات مل ہی جائیں گی۔"

"واقعی؟" ثمینہ یکدم پرجوش ہوئی تھیں۔

"جی بالکل...... لیکن ابھی میں حتمی طور پہ کچھ نہیں کہہ سکتی۔ لیکن جیسے ہی کچھ پتا چلا میں آپ کو بتاؤں گی ضرور...... آپ بس دعا کریں فیضان ماما کے مجھ تک پہنچنے سے پہلے مجھے مطلوبہ معلومات مل جائیں۔"

"خدا کرے ایسا ہی ہو۔" ثمینہ نے صدق دل سے کہا تھا پھر کچھ خیال آنے پر پوچھنے لگیں۔ "جلال کیسا ہے؟"

"ٹھیک ہے...... معصوم آدمی۔"

ماوی تم فیضان کے سامنے بات سنبھال لوگی ناں؟" ثمینہ نے بڑی آس سے پوچھا تھا۔

ماوی نے بیزاری سے گہری سانس بھری تھی۔

"آپ کی ہر پلاننگ ادھوری کیوں ہوتی ہے ممی! مجھے حویلی بھجواتے ہوئے بھی آپ کی پلاننگ آدھی تھی باقی معاملات سنبھالنے کے لیے آپ نے مجھے تنہا چھوڑ دیا اور اب فیضان ماما کے معاملے میں بھی آپ کی اسٹریٹجی یہی رہی...... کل کو آپ کہیں گی کوئی مشکل آ جائے تو بھی اسے تنہا سنبھال لو۔"

"ماوی تم مجھے ہمیشہ غلط سمجھتی ہو۔ جبکہ میں......" ثمینہ نے کہنا چاہا۔

"اوہ فار گاڈ سیک...... اب وہی پچھلا چیپٹر کھول کے مت بیٹھیں۔" ماوی نے بیزاری سی کہا تھا۔ "اور فیضان ماما جو کرتے ہیں انہیں کرنے دیں۔ دیکھا جائے گا جو ہوگا۔ اور میں فون بند کر رہی ہوں اب مزید بات نہیں کر سکتی۔ ویسے بھی فنکشن اسٹارٹ ہونے والا ہے نمل اور تحریمہ بھابھی کئی دفع بلانے آ چکی ہیں...... ٹیک کیئر آف یور سیلف...... اللہ حافظ۔"

ثمینہ مزید کچھ بات کرنا چاہتی تھیں لیکن ماوی نے فون بند کر دیا تھا۔

☆☆☆

رسم کا اہتمام حویلی کے مرکزی لان میں کیا گیا تھا ماوی جان بوجھ کر لڑکیوں سے ذرا پیچھے پیچھے رہی تا کہ کسی کی نظروں میں آئے بغیر تسنیم کے کہے کے عین مطابق حویلی کے عقبی حصے میں جا سکے۔ لیکن اتنی احتیاط کے باوجود اس کی موجودگی کو بہت سے لوگوں نے نوٹ کر لیا تھا۔

گو کہ سب نے ہی اسے سراہا تھا لیکن تنوی نے بطور خاص اس کی بہت تعریف کی تھی۔ اگر اسے باقی سب کی پرواہ نہ ہوتی تو اب تک یقیناً ماوی اور جلال کو ساتھ ساتھ کھڑا کر کے بھی دیکھ چکی ہوتی کہ ان کی جوڑی کیسی لگتی ہے۔ وہ تو مصروفیت زیادہ ہونے کی بنا پہ ماوی سے پوچھ نہ پا رہی تھی ورنہ شوق کا تو وہ عالم تھا کہ بس حد نہیں۔ جنت بیگم نے البتہ اس پر سرسری سی خشمگیں نظریں ہی ڈالی تھیں۔

ماوی کی نظریں مستقل تسنیم کے تعاقب میں لگی ہوئی تھیں۔ تسنیم بھی آتے جاتے اس پر نظر رکھے ہوئے تھی۔ جس وقت حرم کے سسرال والے مہندی لے کر آئے مہمانوں کی آمد کی وجہ سے تسنیم کو وہاں سے نکلنے کا موقع مل گیا۔ اس نے کھسکنے سے پہلے ماوی کو اشارہ کر دیا تھا۔ ماوی نے کچھ

دیر سب کی نظریں خود سے ہٹنے کا انتظار کیا پھر نظر بچا کر سب کے درمیان سے نکل آئی۔

حویلی کے مرکزی حصے کے برعکس عقبی حصہ تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ عجیب سی وحشت محسوس ہوتی تھی۔

ماوی اپنی آنکھوں کو اس اندھیرے سے مانوس کرنے کی کوشش کرتی اپنے غرارے کو دونوں ہاتھوں سے مگر بڑے بے ڈھب طریقے سے ذرا سا اوپر اٹھائے احتیاط سے آگے بڑھ رہی تھی۔ یہ لباس عالیہ نے اس کے لیے بنوایا تھا اور اسے یہ روایتی سا لباس پسند بھی بہت آیا تھا ایسا لباس پہننے کا اس کا پہلا تجربہ تھا اور وہ اس تجربے سے لطف اندوز بھی ہو رہی تھی لیکن ان سب باتوں کے باوجود اسے چلنے پھرنے میں بھی اچھی خاصی دقت کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔

اس سے قبل کہ وہ مایوس ہو کر واپس پلٹتی نیم وا دروازے سے نکلتی زرد روشنی نے اسے متوجہ کر لیا۔ اندھیرے میں جگنو کے مترادف تھی یہ روشنی۔ وہ تیزی سے اس طرف بڑھی۔ دروازے پر انگلیوں کا ذرا سا دباؤ ڈالتے ہی دروازہ کھلتا چلا گیا تھا۔ ماوی نے اندر داخل ہو کر جلدی سے دروازہ بند کر دیا تھا۔

''شکر ہے تسنیم! تم نے لائیٹ جلا دی ورنہ اتنے اندھیرے میں تو میں کسی دیوار کو ہی ٹکر مارنے لگی تھی......'' حسب عادت تیز تیز بولتی وہ جوں ہی پلٹی تسنیم کی جگہ خود سے محض چند قدم کے فاصلے پر کھڑے ڈھانچہ نما وجود کو دیکھ کر بری طرح ڈر گئی اور الٹے قدموں بند دروازے سے جا لگی۔ وہ جو کوئی بھی تھا بے حد ضعیف اور مدقوق تھا اس کی بڑی بڑی آنکھیں کمزور جلد سے باہر ابلتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔ وہ ٹکٹکی باندھے ماوی کو دیکھ رہا تھا۔ اپنی تمام تر طراری کے باوجود ماوی کو اس سے بری طرح خوف محسوس ہو رہا تھا۔ اس نے چاہا کہ چیخ کر تسنیم کو آواز دے لیکن قوت گویائی نے اس کا ساتھ دینا بند کر دیا تھا۔



اس کے حلق سے کچھ عجیب عجیب آوازیں بھی آ رہی تھیں جن کا مفہوم سمجھنا مشکل تھا۔ لیکن اس کے دیکھنے کا انداز کہتا تھا کہ وہ عنقریب حملہ کرنے والا ہے۔

تبھی وہ رینگتا ہوا اس کی طرف بڑھنے لگا ماوی کا رہا سہا حوصلہ بھی جواب دے گیا۔ اس نے بند دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے بمشکل تھوک نگلا اور اتنی ہمت جمع کی کہ کسی کو مدد کے لیے پکار سکے لیکن اس سے پہلے کہ وہ حلق کا پورا زور لگا کر چیختی دروازہ زوردار آواز کے ساتھ کھلا اور تسنیم تیر کی تیزی سے اندر داخل ہو کر اس ڈھانچے کی طرف بڑھی۔

''ادھر آؤ ابا! ان کو کچھ نہیں کہنا۔ یہ رجب چاچا کی بیٹی ہیں تم سے ملنے آئی ہیں۔'' تسنیم پچکار پچکار کر اسے کونے میں پڑی چارپائی کی طرف لے جا رہی تھی اور وہ تھا کہ ماوی کی طرف جانے کو بے چین تھا۔ اس عمل کے دوران اس کے حلق سے کچھ عجیب ناقابل فہم آوازیں بھی نکل رہی تھیں جو کم سے کم ماوی کے لیے تو سمجھنا ناممکن تھا لیکن تسنیم نہ صرف ان آوازوں کے مفہوم کو سمجھ رہی تھی بلکہ ان پہ ردعمل بھی ظاہر کر رہی تھی۔

بالآخر تھک ہار کے اس نے ماوی کی طرف مدد طلب نظروں سے دیکھا۔

"بی بی! آپ ڈریں نہیں۔ ابا آپ کو کچھ نہیں کہے گا۔"

"تمہیں یقین ہے نا تسنیم!" ماوی نے سابقہ سہمے ہوئے انداز میں پوچھا تھا۔ "ان کے انداز سے تو ایسا نہیں لگتا کہ یہ کچھ نہیں کہیں گے۔"

"نہیں بی بی! آپ بے فکر رہیں میرے ابا کتنے بھی بیمار سہی لیکن نقصان کسی کو نہیں پہنچاتے۔" تسنیم نے جیسے اس کی بات کا برا مناتے ہوئے کہا تھا۔ پھر اس نے اپنے ابا کو مخاطب کر کے پنجابی میں کچھ کہا تھا اور ماوی چونکہ اس زبان سے نا صرف نابلد تھی بلکہ خوف کے زیر سایہ بھی تھی اس لیے خاک بھی اس کے پلے نہ پڑی۔

"بی بی! ابا آپ کے سر پہ پیار دینا چاہتے ہیں۔ ان کی بات مان لیں ورنہ یہ اسی طرح اپنی ضد پہ اڑے رہیں گے اور اپنی جگہ سے ایک انچ نہیں ہلیں گے۔" تسنیم نے اس سے منت بھرے انداز میں کہا تھا۔

"ہیں......میں سر پہ پیار لے کر کیا کروں گی؟" اس نے ہونق پن سے پوچھا۔

"بڑوں کا پیار تو بڑا نیک شگون ہوتا ہے بی بی!......ان کی دعاؤں سے تو بگڑے کام بھی بن جاتے ہیں۔" تسنیم نے جیسے اسے لالچ دیا تھا۔

"اچھ...... چھا۔" لیکن ماوی ابھی بھی تذبذب کا شکار تھی اور الجھن بھری نظروں سے اس بوڑھے اور حواس باختہ شخص کو دیکھ رہی تھی۔

"جلدی فیصلہ کرلیں بی بی! کیونکہ اپنی مرضی پوری کیے بغیر ابا نے یہاں سے ٹلنا نہیں ہے اور اتنی دیر میں آپ کو کوئی ڈھونڈتا ہوا آ گیا تو سمجھیں سب کچھ آپ کے ہاتھ سے نکل جائے گا۔" تسنیم نے جلدی جلدی اسے تصویر کا دوسرا رخ بھی دکھا دیا تھا۔ "مجھے تو پھر آپ کے پاس تو کیا شاید اس حویلی کے پاس بھی بھٹکنے نہ دیا جائے۔"

بات درست تھی ماوی کے دل کو بھی لگی تبھی ساری ہمت مجتمع کرتی وہ انتہائی مختصر قدم آگے بڑھی۔ یہ پیش رفت اس کی آمادگی کی نشانی تھی۔ تسنیم نے جلدی سے ابا کو آگے کیا تاکہ وہ ماوی کے سر پہ ہاتھ پھیر کر اپنا شوق پورا فرما سکیں لیکن اس دوران بھی اس نے بزرگوار کو کندھوں سے دبوچ رکھا تھا۔

بوڑھے آدمی نے اپنا رعشہ زدہ ہاتھ ماوی کے سر پہ پھیرا اور نہ سمجھ میں آنے والی زبان میں غالباً اسے دعاؤں سے نوازتا چارپائی کی طرف پلٹ گیا۔

ماوی نے جلدی سے ہاتھ پھیر کر اپنا ہیر اسٹائل درست کیا لیکن نظریں مستقل تسنیم اور اس کے ابا کے تعاقب میں ہی تھیں۔

تسنیم ابا کو لٹا کر ماوی کی طرف آ گئی۔

"میں نے کہا تھا نا ابا آپ کو کچھ بھی نہیں کہیں گے۔" اس کا انداز جتاتا ہوا تھا ماوی اتنی دیر میں ریلیکس ہو چکی تھی لیکن اس کی نظریں ابھی تک اس بوڑھے آدمی کی طرف ہی تھیں جو لیٹنے اور آنکھیں بند ہونے کے باوجود بڑبڑا رہا تھا۔

"ویسے تمہارے ابا نے میری جان نکالنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔" ماوی نے پر سکون لہجے میں کہا تھا۔

"آپ یہاں آ کر بیٹھ جائیں بی بی!" لیکن تسنیم نے اس کی بات پر کوئی رد عمل ظاہر نہیں کیا اور کمرے میں موجود واحد ٹوٹا پھوٹا موڑھا

جھاڑ پونچھ کر اسے پیش کیا۔

''تمہارے ابا کو کیا بیماری ہے تسنیم! اور یہ اس ویران جگہ پہ قیدیوں کی طرح کیوں رہ رہے ہیں؟'' ماوی نے ایک سانس میں دو سوال نمٹا لیے تھے۔

''بڑھاپا تو خود سب سے بڑی بیماری ہے جی!'' تسنیم نے اس کے بالکل سامنے زمین پہ نشست سنبھالتے ہوئے کہا تھا۔

''ہاں لیکن ایسی بیماری تو نہیں ہے کہ سب سے کاٹ کر انسان کو الگ تھلگ کر دیا جائے۔'' ماوی نے جرح شروع کی۔ تسنیم کے چہرے پر واضح طور پر سایہ لہرایا تھا۔

''آپ مجھ سے اپنے ابا کے متعلق کیا جاننا چاہتی ہیں؟'' اس نے بات پلٹتے ہوئے پوچھا تھا۔

''فی الحال تو میں تم سے تمہارے ابا کے بارے میں پوچھ رہی ہوں۔'' ماوی نے سنجیدگی سے کہا تھا۔ ''اور بہتر ہوگا کہ تم مجھے ٹالنے کی بجائے ساری حقیقت بتا دو اپنے ابا کے بارے میں بھی اور میرے ابا کے بارے میں بھی۔'' اس کا انداز بے لچک اور دوٹوک تھا۔

''بی بی! میں پہلے بھی آپ کو بتا چکی ہوں کہ میں بہت کچھ نہیں جانتی لیکن جو مجھے پتا ہے وہ آپ کو ضرور بتا دوں گی۔'' تسنیم نے کہا۔ ''جہاں تک سوال میرے ابا کا ہے تو یہ بھی حقیقت ہے کہ بڑھاپا خود سب سے بڑی بیماری ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ حویلیوں کے اپنے اصول ہوتے ہیں کئی دفعہ ایسی غلطیوں کی سزائیں بھی بھگتنا پڑ جاتی ہیں جو غلطیاں ہم جیسے پیدائشی کمیوں نے کی ہی نہیں ہوتیں۔'' تسنیم کا سر جھکا ہوا اور زبان ٹھہر ٹھہر کے چلتی تھی۔

ماوی کے تجسس کو گویا ہوا ملنے لگی۔

''سنو تسنیم! میں بڑی نالائق سی لڑکی ہوں مشکل باتیں آسانی سے سمجھ نہیں آتیں۔ کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ تم مجھے ساری بات آسان لفظوں میں سمجھا دو۔''

تسنیم نے گہری سانس بھر کے اسے دیکھا اور گو کہ منہ سے کچھ نہیں کہا لیکن ماوی جانتی تھی وہ سو جان سے اس کی کم عقلی پر لعنت بھیج رہی ہے۔

''میرے ابا کو بڑی بی بی یعنی آپ کی سوتیلی دادی نے اس کال کوٹھڑی میں پچھلے کئی سالوں سے بند کر رکھا ہے۔ ان کی غلطی کیا تھی میں نہیں جانتی مجھے صرف اتنا پتا ہے کہ حویلی کے اس حصے میں میرے ابا سمیت کئی ملازم قید ہیں۔ باقی تمام ملازم اپنی چھوٹی موٹی کوتاہیوں کی سزا بھگتنے کے بعد چھوٹتے بند ہوتے رہتے ہیں لیکن میرے ابا کی قید تا حال ختم نہیں ہوئی اور مجھے اب اس کی کوئی امید یا خواہش بھی نہیں ہے۔''

''لیکن کیوں؟'' ماوی نے اچنبھے سے پوچھا تھا۔

''وہ اس لیے بی بی! کیونکہ میرے آگے پیچھے تو کوئی ہے نہیں۔ ہوش سنبھالتے ساتھ ہی خود کو اور ابا کو اس حویلی کا ملازم پایا تھا۔ کبھی کبھی تو مجھے ابا کی قید نعمت کی طرح ہی لگتی ہے کیونکہ اگر بڑی بی بی نے ہمیں حویلی سے نکال دیا تو میں ایسے ابا کو لیکر کہاں خوار ہوتی پھروں گی جس کا دماغ ہی کام نہیں کرتا جو اپنی حفاظت نہیں کر سکتا اس سے میں اپنے لیے کوئی اچھی امید کیا رکھوں۔''

"جو بھی ہو لیکن یہ تو تمہاری بڑی بی بی کا سراسر ظلم ہے۔"

"کچھ بھی ہے بی بی! لیکن کم سے کم اس حویلی میں میری عزت تو محفوظ ہے۔کوئی بری نظریں ڈالنے والا تو نہیں۔" تسنیم اس حال میں بھی اچھی خاصی مطمئن تھی۔ماوی کو تعجب تو ہوا لیکن اس نے زیادہ کریدنا یا اکسانا مناسب نہ سمجھا۔

"ٹھیک ہے بھئی۔جیسے تم خوش۔میں کون ہوتی ہوں تمہیں مشورے دینے والی۔اب تم مجھے وہ بات بتاؤ جس کے لیے اتنا رسک لیا ہے۔"

"ہاں بی بی! میں بتاتی ہوں۔اس وقت میں بہت چھوٹی تھی لیکن اس کے باوجود اپنے ابا اور رجب چاچا کی دوستی کے قصے مجھے یاد ہیں۔ پھر کچھ باتیں جب تک ابا کا دماغ کام کرتا رہا وہ بھی مجھے بتاتے رہتے تھے۔"

"تمہارے ابا اور میرے بابا دوست تھے؟"

"صرف دوستی کہنا بھی غلط ہوگا بی بی! یہ دونوں تو بھائیوں کی طرح رہتے تھے۔آپ سوچتی ہوں گی نوکر اور مالکوں میں کیسا بھائی چارہ؟......تو یہ حقیقت ہے جی! اس وقت تو رجب چاچا اور ان کی بیوی بھی یہاں نوکروں کی طرح ہی رہتے تھے۔بڑی بی بی نے بچی بات ہے ان دونوں پہ بڑے ظلم ڈھائے تھے۔ابا کہتا تھا ایسا سلوک تو کوئی اپنے دشمنوں سے بھی نہ کرتا ہوگا جیسا بڑی بی بی ان دونوں سے کرتی ہیں۔"

"اچھا مثلاً......ایسا کیا کرتی تھیں" ماوی نے پوچھا۔تسنیم آگے اسے وہی تفصیلات بتانے لگی جو وہ ممی سے سن آئی تھی لیکن تسنیم سے سارے حقائق اگلوانے کے لیے اس سے یہ سب سننا ضروری تھا تا کہ گفتگو کے بہاؤ میں وہ سب اگلتی چلی جائے۔

تسنیم بول رہی تھی اس کی آواز سرگوشی سے زیادہ محسوس نہ ہوتی۔ماوی کو اس کی بات سمجھنے کے لیے ہمہ تن گوش ہونا پڑ رہا تھا اور اپنی اپنی مصروفیت میں گم ان دونوں کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ چارپائی پر لیٹے ہوئے نحیف و نزار اور ہوش و خرد سے بیگانہ وجود کو اس کا لاشعور ماضی کے ویرانوں میں پٹخنیاں دیتا پھر رہا ہے۔

☆☆☆

یہ برسات کے دن تھے لیکن کئی دن گزر جانے کے باوجود بارش کے نام پر ایک بوند بھی نہ بری تھی۔

آسمان بے رونق سا محسوس ہوتا۔جلتے بلتے سورج نے جیسے ساری کائنات کے رنگ چھین رکھے تھے۔دن بھر اور شام ڈھلنے تک آسمان کے محور پر کالی سیاہ چیلیں گردش کرتی رہتی تھیں۔جس سے وقت کے چہرے سے اور نحوست ٹپکنے لگتی۔

ہوا چلتی لیکن لو کے تھپیڑوں سے لبریز۔ایسا لگتا مدت سے ہوا کی تراوٹ کو محسوس ہی نہیں کیا۔

وہ بھی ایک ایسا ہی دن تھا سخت ترین گرم، بیزاری میں مبتلا کر دینے والا اور حقیقتاً منحوس۔

رب نواز نے سر اٹھا کر اپنی چندی آنکھوں سے آسمان کا چہرہ ٹٹولنے کی کوشش کی۔لیکن اس کوشش میں وہ بری طرح ناکام رہا تھا آسمان آگ اگلتا تھا اور اپنی طرف نظر بھر کے دیکھنے بھی نہ دیتا تھا۔رب نواز گو کہ گھنے برگد کے سائے میں کھڑا تھا لیکن اسے اپنا آپ بھی اس آگ سے جھلستا محسوس ہو رہا تھا۔اس نے سامنے دیکھا دور دور تک پھیلے ہوئے کھیت پانی مانگتے تھے۔اس کے چہرے پر سوچ کی پرچھائیاں ابھر آئی تھیں۔

☆☆☆

"بڑی بی بی! چوہدری فیاض کے آدمیوں نے پھر ہماری زمینوں کا پانی روک دیا ہے۔" رب نواز جنت بیگم کے سامنے مؤدبانہ سر جھکائے کھڑا تھا۔

جنت بیگم نے ناگواری سے سر جھٹکا۔

"چوہدری فیاض کے آدمی کچھ زیادہ ہی سر چڑھتے جا رہے ہیں۔" اس کا انداز جھنجلاہٹ آمیز اور پرسوچ تھا۔

"سب چوہدری کی دی ہوئی ڈھیل ہے بی بی! ورنہ نوکروں کی کیا مجال کہ ایسی حرکت کریں۔"

"ہاں ٹھیک کہتے ہو۔" رب نواز کو جنت بیگم کے ہاں میں ہاں ملانے سے بڑا سکون ملتا تھا۔

"پھر بی بی! وہ لوگ یہ بھی جانتے ہیں کہ ان زمینوں کی سرپرست ایک عورت ہے۔ اس بات نے انہیں نڈر بنا دیا ہے۔"

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔" جنت بیگم نے تڑخ کر کہا تھا۔ "کونسا کوئی عورت پہلی بار سرپرستی کر رہی ہے...... تم جاؤ چوہدری فیاض کے آدمیوں سے بات کرو۔ تحمل سے بات کر کے نہیں سمجھتے تو میں چوہدری سے خود بات کروں گی۔" جنت بیگم نے اپنے مخصوص اٹل کھرے انداز میں کہا تھا لیکن لہجہ اس طنطنے سے خالی تھا جو ان کا خاصا تھا۔ شاید اس کی وجہ یہی تھی کہ ساتھ والے گاؤں کے آدمیوں نے اس کے ناک میں دم کر رکھا تھا۔ وہ بار بار اس کی زمینوں کا ناکہ توڑ کے پانی کا رخ اپنی زمینوں کی طرف موڑ لیتے تھے۔ رب نواز کی بات اس کے دل کو لگی تھی لیکن ایک ملازم کے سامنے اعتراف کرنا اس کی انا اور خوداری کے خلاف تھا۔

"تم جاؤ اور ان سے بات کرو...... جاہل لوگوں کو تمیز کی زبان سمجھ ہی نہیں آ رہی۔"

"اچھا سنو......" کچھ خیال آنے پر اس نے کہا۔ "اپنے ساتھ رجب کو بھی لیتے جانا پڑھا لکھا آدمی ہے سجاؤ سے بات کرلے گا۔"

رجب کے سامنے مانے یا نہ مانے دل میں تو اعتراف کرتی ہی تھی کہ رجب میں کوئی قابلیت ہے۔

"بلکہ رجب کو میرے پاس بھیجو...... میں خود اسے تاکید کر دیتی ہوں کہ وہاں سلیقے سے بات کرے۔ کب سے مفت کی روٹیاں توڑ رہا ہے کسی کام تو آئے اس کا ناکارہ وجود۔" اس نے نخوت سے کہا تھا۔ رب نواز سر جھکا کر باہر نکل گیا تھا۔

☆☆☆

"مل گئی فرصت؟" جنت بیگم نے رجب کو دیکھتے ہی حسب عادت ناک چڑھا کر کہا تھا۔

"مجھے ابھی رب نواز نے آپ کا پیغام دیا۔" رجب علی نے اپنی ناگواری کو چھپا کر تحمل سے کہا تھا یوں بھی جب سے وہ بیمار ہوا تھا کسی بھی بات پر معترض ہونا اس نے چھوڑ دیا تھا۔ اسے خود سے زیادہ ثمینہ کی خوشی اور عزت پیاری تھی اور جنت بیگم کی کسی بھی بات پر اعتراض کرنا ہر پل کی بے عزتی کو گلے لگانے کے مترادف تھا اس لیے رجب کو یہی مناسب لگتا کہ چپ چاپ اپنی سوتیلی ماں کے سامنے سر جھکائے کھڑا رہے۔

"خیر اب اپنی ہڈحرامی کو رب نواز کے کھاتے میں تو نہ ڈالو۔ وہ تم سے کہیں زیادہ قابل اور احسان شناس ہے۔" جنت بیگم نے سابقہ انداز میں کہا تھا۔ رجب خاموش رہا۔

"اب میری بات دھیان سے سنو۔رب نواز کچھ ملازمین کے ساتھ چوہدری فیاض کے منشی سے ملاقات کے لیے جا رہا ہے۔وہ لوگ بار بار ہماری زمینوں کا پانی روک دیتے ہیں میں چاہتی ہوں تم وہاں جاؤ اور ذرا طریقے سے بات کرو۔وہ جاہل لوگ ہیں میں ان کے منہ نہیں لگنا چاہتی۔معاملات سنبھالنا تمہاری ذمہ داری ہوگی۔"

"جی بہتر......"

"اور سنو......میری بات یاد رکھنا تم کو وہاں میں معاملات سنبھالنے کے لیے بھیج رہی ہوں۔ایسا نہ ہو سب بگاڑ کر آ جاؤ۔" انداز اب بھی ویسا ہی تھا اور اس بار رجب کو بری طرح تاؤ آ گیا تھا۔

"آپ کو لگتا ہے میں معاملات نہیں سنبھال سکوں گا تو مستقیم یا منصور میں سے کسی کو بھجوا دیں۔وہ یقیناً بہت بہتر طریقے سے اس سارے معاملے کو سنبھال لیں گے۔" یہ کھلا طنز تھا کہ وہ دونوں ہی بخوبی جانتے تھے کہ منصور میں تو پریشان کن حالات کا سامنا کرنے کی صلاحیت سرے سے ہے ہی نہیں جبکہ مستقیم کو جنت بیگم نے خود زمین جائیداد کے معاملات سے کسی مصلحت کے تحت الگ رکھا ہوا تھا۔

جنت بیگم کا سلگ جانا کچھ ایسا بیجا بھی نہ تھا۔

"اپنی اوقات میں رہو رجب!اور جو کہا جا رہا ہے صرف وہی کرو اپنی طرف سے مشورے دینے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"میں اپنی اوقات پہچانتا ہوں اچھا ہوگا اب آپ بھی پہچان لیں۔" رجب نے ہمت کر کے کہا تھا یوں بھی وہ روز کی چخ چخ سے تنگ آ چکا تھا۔اسے اب دیکھنا تھا کہ حالات کیا رخ لیتے ہیں

"مجھے ابا کی جائیداد میں سے اپنا حصہ چاہیئے۔آپ جتنی جلدی ترکہ میرے حوالے کر دیں اتنا ہی بہتر ہوگا۔میں چوہدری فیاض کے آدمیوں سے مل لیتا ہوں آپ بے فکر رہیں میں۔معاملات سنبھال لوں گا لیکن اس بارے میں جلد کوئی فیصلہ ہو جائے اتنا ہی بہتر رہے گا۔"

رجب علی دوٹوک انداز میں کہتا اپنی ٹانگ گھسیٹتا باہر نکل گیا تھا اس نے پلٹ کر جنت بیگم کے تاثرات بھی نہیں دیکھے۔یہ اس کی ایک اور غلطی تھی۔

☆☆☆

رجب علی،رب نواز کے ساتھ چوہدری فیاض کے آدمیوں سے ملنے آ تو گیا تھا لیکن اس نے کوئی خاص لائحہ عمل تیار نہ کیا تھا۔یہ اس کی ایک اور غلطی تھی۔

اس کا خیال تھا سیدھے سبھاؤ سے بات کی جائے گی اور پھر واپسی کی راہ لیں گے لیکن اس کی حیرانی کی انتہا نہ رہی جب بات کرتے کرتے اچانک رب نواز نے اس کے کان میں ریوالور نکالنے کا خیال ظاہر کیا۔

"پاگل پن کرنے کی ضرورت نہیں ہے رب نواز!جب وہ لوگ آرام سے بات کر رہے ہیں تو ہمیں یہ حماقت کرنے کی کیا ضرورت ہے۔" رجب نے درشتی سے کہا تھا مبادہ وہ اپنے خیال پر عمل نہ کر بیٹھے۔

"آپ کو نہیں پتا چھوٹے چوہدری جی! یہ سارے کے سارے لاتوں کے بھوت ہیں خالی خولی باتوں سے ان کا کچھ نہیں ہونا۔ بندوق کی شکل دیکھتے ہی سیدھے ہو جائیں گے۔" رب نواز نے اپنا تجربہ جھاڑا تھا۔

"جو بھی ہو لیکن یہ حماقت کرنے کی ہرگز ضرورت نہیں ہے۔" رجب نے ڈپٹ کر کہا تھا

"بھولو مت کہ ہم یہاں حالات بہتر کرنے آئے ہیں بگاڑنے نہیں۔"

"لیکن چھوٹے چوہدری!......" رب نواز نے اکتا کر کہا تھا مگر ساتھ ہی رجب کی ہدایت کو نظرانداز کرتے ہوئے اس نے پھرتی سے ریوالور بھی نکال لیا تھا۔ رجب نے جھنجھلاتے ہوئے اس سے ریوالور چھیننا چاہا لیکن ان کے ہاتھ میں اسلحہ دیکھتے ہی مخالفین نے اپنے بچاؤ کے لیے ان پر لاٹھیاں برسانا شروع کر دی تھیں۔

عجیب سی صورتحال ہو گئی تھی۔ رجب کے لیے تو بہت ہی پریشان کن۔ کیونکہ اسے تو ایسے لڑائی جھگڑوں کی عادت ہی نہ تھی اور وہ معاملہ اتنا بگڑنے کی توقع بھی نہیں کر رہا تھا۔ اس جھگڑے کو روکنے کا فوری طور پر اسے ایک ہی طریقہ سمجھ آیا اور اس نے وہی آزمانے کا سوچتے ہوئے رب نواز کے ہاتھوں سے ریوالور چھیننے کی کوششیں تیز کر دی تھیں۔ اپنی مفلوج ٹانگ کے ساتھ یہ مشقت اسے بہت بھاری پڑ رہی تھی پھر بھی وہ پوری جان سے لگا ہوا تھا۔

لیکن اس کی کوششیں کوئی اتنی بارآور ثابت نہیں ہو سکی تھیں عین اس لمحے جب ریوالور اس کے ہاتھ میں آیا رب نواز کی انگلی ٹریگر دبا چکی تھی اور گولی مخالفین کے ایک آدمی کو لگ بھی چکی تھی۔

فائر کی آواز کے ساتھ چلتی ہوئی لاٹھیاں رک گئی تھیں۔ لیکن درختوں پر بیٹھے ہوئے کوؤں نے اپنی پناہ گاہیں چھوڑ دی تھیں اور ساری کائنات جیسے ان کی مکروہ آوازوں سے بھر گئی تھی۔

چند لمحوں بعد سارے ماحول میں سناٹا پھیل گیا تھا وہ سب پھٹی پھٹی نگاہوں سے چتوں سے اُلٹی گری زمین پر پڑی لاش کو دیکھ رہے تھے۔

"یہ...... یہ کیا کر دیا......"

پتا نہیں کس نے کہا تھا مگر رب نواز وہ پہلا شخص تھا جس کے اعصاب نے پھرتی سے کام کرنا شروع کیا تھا۔ معاملے کی نزاکت کا احساس ہوتے ہی اس نے رجب علی کی طرف دیکھا جو اب تک بے یقینی سے اس زخمی کو دیکھ رہا تھا۔

"یہ آپ نے کیا کر دیا چھوٹے چوہدری جی!...... چوہدری فیاض کا خاص بندہ مار دیا۔"

"مم...... میں...... میں نے نہیں...... مجھے نہیں پتا یہ کیسے چل گئی۔" رجب نے ہڑبڑا کر ریوالور یوں چھوڑ دی تھی جیسے اس پر کانٹے اگ آئے ہوں۔

"کوئی چوہدری صاحب کو تو خبر کرو۔" ان میں سے ایک نے چلا کر کہا تھا۔

"نہیں پہلے چوہدری رجب کو پکڑو...... بھاگنے نہ پائے۔" دوسرا چیخا۔ تیسرا تیزی سے اس کی طرف لپکا لیکن اس سے قبل کہ رجب تک رسائی حاصل کر پاتا رب نواز اس کے سامنے سیسہ پلائی دیوار بن کر تن گیا تھا۔

''کوئی چھوٹے چوہدری جی کو ہاتھ نہیں لگائے گا۔'' اس کا انداز جارحانہ تھا۔

''چھوٹے چوہدری جی! آپ نکلیں یہاں سے...... ان سب کو میں سنبھال لونگا۔'' اس نے تیز لہجے میں رجب سے کہا تھا۔

''لیکن رب نواز!......''

''آپ بھاگ جائیں چوہدری جی! وقت کم ہے۔''

رجب نے ممنون نظروں سے اسے دیکھا اور حتی المقدور تیزی سے مخالف سمت نکل گیا اس بات سے بے خبر کہ وہ کسی جرم سے بچ کر نہیں بھاگ رہا بلکہ اس طرح منہ چھپا کر بھاگنے سے ایک ناکردہ جرم اپنے کھاتے میں لکھوا رہا ہے۔

☆☆☆

جنت بیگم ہکا بکا ان دونوں کی شکل دیکھ رہی تھی۔

''کیا کہہ رہے ہو تم...... رجب نے چوہدری فیاض کا آدمی مار دیا؟''

''یہ...... یہ...... جھوٹ ہے۔'' رجب کا پریشانی سے برا حال تھا۔ ''میں نہیں جانتا گولی کیسے چلی اور اس آدمی کو لگ گئی۔'' وہ تقریباً رو دینے کو تھا۔

''آپ کو غلط فہمی ہے چوہدری جی! آپ کی انگلی ٹریگر پر آئی جب ہی تو گولی چلی ناں......'' رب نواز نے زور دیتے ہوئے لیکن مؤدبانہ کہا تھا اس کا سارا زور اسی بات پر تھا کہ کسی طرح بس یہ ثابت ہو جائے کہ جس وقت گولی چلی ریوالور اس کی بجائے رجب کے ہاتھ میں تھا اور اس مقصد کے لیے وہ ایڑھی چوٹی کا زور بھی لگا رہا تھا۔

''کس طرح کی باتیں کر رہے ہو رب نواز!'' رجب نے اپنے خوف کے زیر سایہ چڑ کر کہا تھا۔ ''میں تو تمہیں ریوالور نکالنے سے روک رہا تھا یہ کیسے ممکن ہے کہ میں نے خود اس پر فائر کر دیا ہو۔''

''چوہدری جی!......'' ''تم دونوں خاموش ہو جاؤ بلکہ یہاں سے دفع ہی ہو جاؤ...... ایک ذرا سا کام نمٹانے بھیجا تھا میرے لیے اور مصیبت کھڑی کر دی۔'' جنت بیگم نے غصے سے پیچ و تاب کھاتے ہوئے کہا تھا وہ باقاعدہ سر پکڑ کر بیٹھ گئی تھی۔

رب نواز مالکن کے مزاج کو بخوبی سمجھتا تھا اسی لیے خاموشی سے باہر نکل گیا یوں بھی وہ ساری صورتحال کو اپنے حق میں اور رجب کے خلاف کرنے میں کامیاب ہو چکا تھا۔ جنت بیگم کی نظروں میں رجب کی جو حیثیت تھی اس سے تو وہ واقف ہی تھا اس لیے پریشانی کسی قدر کم ہو گئی تھی۔ ایسا لگتا تھا کندھوں سے بوجھ اتر گیا ہو گو کہ رجب سے اس کی کوئی دشمنی نہ تھی بلکہ اس کی ہمدردیاں تو ہمیشہ ہی رجب کے ساتھ رہی تھیں لیکن اس وقت مسئلہ یہ تھا کہ اسے اپنا آپ بچانا تھا اور واحد مہرہ رجب ہی ہو سکتا تھا سو اس نے بڑے آرام اور خود غرضی سے اس مہرے کو چل دیا تھا۔

رب نواز کے جانے کے بعد رجب جنت بیگم کو وضاحتیں دینے لگا تھا لیکن جنت بیگم کو اس کی وضاحتوں سے کوئی غرض نہ تھی اس کے نزدیک سب سے اہم سوال یہ تھا کہ بنا کسی اور مشکل کا شکار ہوئے اس صورتحال سے کیسے نمٹا جائے یعنی سانپ بھی مار دیا جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔ وہ اسی سوچ کا شکار تھی اور رجب کی آواز اس کے ارتکاز کو بار بار توڑتی تھی۔

"تم یہاں سے دفع کیوں نہیں ہو جاتے۔" اس نے چیخ کر کہا تھا۔ رجب ایک دم چپ ہو گیا۔

"مجھے سوچ لینے دو کہ اب کیا ہو سکتا ہے۔ اچھی خاصی بنی بنائی ساکھ بگڑ کر رہ جائے گی۔ وہ چوہدری فیاض سر چڑھے گا سو الگ...... اور یہ سب تمہاری وجہ سے ہوگا رجب! اس کے لیے معاف نہیں کروں گی میں تمہیں۔ خدا گواہ ہے جب بھی تم اس حویلی میں قدم رکھتے ہو میرے لیے مشکلات ہی کھڑی کرتے ہو۔" جنت بیگم کا نخوت بھرا انداز تھا رجب کے پاس اس کے سوا اب کوئی چارہ نہ تھا کہ چپ چاپ باہر نکل جائے۔

☆☆☆

"تم جھوٹ کیوں بول رہے ہو رب نواز! تم اچھی طرح جانتے ہو چوہدری فیاض کے آدمی پر گولی میں نے نہیں چلائی۔"

چند روز بعد تھک ہار کر رجب نے پھر رب نواز سے رابطہ کیا تھا۔ وہ اس ساری صورتحال سے بری طرح اکتا چکا تھا اور مشکل یہ تھی کہ اس سب سے بچ نکلنے کی اسے کوئی راہ بھی دکھائی نہ دیتی تھی۔ جنت بیگم ہر گزرتے دن کے ساتھ اس کو ذلیل کرنے کا کوئی نہ کوئی بہانہ ڈھونڈ لیتی تھی اب تو پھر اس کے ہاتھ ایک مستقل بہانہ آیا ہوا تھا۔ ہاں تسلی کی بات یہ تھی کہ اس بات سے حویلی میں صرف کچھ ہی لوگ واقف تھے رجب کے لیے سہولت ہو گئی تھی کہ وہ خود پر لگے ہوئے الزام کو ثمینہ سے چھپا سکے۔ لیکن جتنا وہ اس مسئلے کا حل تلاش کرتا تھا اتنا الجھتا تھا۔

"میں آپ کا نوکر ہوں چوہدری جی!" رب نواز نے عاجزی سے کہا تھا۔ "میں غریب بھلا کیوں جھوٹ بولوں گا۔ حقیقت یہی ہے کہ بندوق آپ سے چلی اور گولی اس بندے کو لگ گئی۔"

"ریوالور بھلے ہی میرے ہاتھ میں تھی لیکن گولی کسی اور نے بھی تو چلائی ہو سکتی ہے۔" رجب کا انداز ایسا تھا جیسے اب ہمت ہار کر گرا کہ تب۔

"یہ کیسے ممکن ہے جی! جبکہ بندوق ہی وہاں صرف ایک تھی۔" رب نواز نے چوکنا ہو کر بات سنبھالی تھی۔

"آپ مانیں یا نہیں لیکن گولی آپ ہی سے چلی ہے......"

"نہیں رب نواز! مجھے اتنی بڑی غلط فہمی نہیں ہو سکتی......" رجب کے انداز میں بیچارگی تھی لیکن اس نے وثوق سے کہا تھا۔

اس کے اتنے اعتماد پر لحظہ بھر کے لیے رب نواز کا اعتماد ڈگمگا گیا جسے اس نے فوراً سنبھالا تھا۔

"غلط فہمی ایک آدمی کو ہو سکتی ہے دو کو ہو سکتی ہے لیکن اتنے بہت سے لوگوں کو تو غلط فہمی نہیں ہو سکتی ناں۔"

"دیکھو رب نواز!......"

"چھوٹے چوہدری جی! ہم تو غریب لوگ ہیں ہم نے کیا دیکھنا دکھانا ہے۔ اچھا ہو گا آپ یہ ساری باتیں بڑی چوہدرائین جی کو بتائیں۔"

اس نے بظاہر اپنائیت سے لیکن نظریں پھیرتے ہوئے کہا تھا۔

تمہاری بات درست ہے لیکن صرف تم ہو جو میرے حق میں گواہی دے سکتے ہو۔" رجب نے یکدم کہہ کر رب نواز کے پیروں تلے سے گویا زمین کھینچی تھی۔

"کیا مطلب چوہدری جی!"

"مطلب صاف ظاہر ہے۔" رجب نے لجاجت سے کہا تھا۔ "صرف تم ہو جو ہماری حویلی میں سے اس وقت میرے ساتھ تھے۔ صرف تم جانتے ہو کہ میں بے گناہ ہوں...... تو میرے حق میں گواہی بھی تو تم ہی دے سکتے ہوناں۔"

"بے شک میں آپ کے ساتھ تھا لیکن میں نہیں جانتا کہ آپ بے گناہ ہیں یا نہیں۔" رب نواز نے اب کی بار دوٹوک کہا تھا۔ بے شک رجب نے اس پر بہت احسانات کیے تھے لیکن اسے سمجھ آگئی تھی کہ اس مروّت مروّت کے کھیل میں بلاشبہ سب سے زیادہ نقصان وہ ہی اٹھائے گا اس لیے یہی بہتر تھا کہ رجب کی ہر آس امید کو توڑ دیا جائے۔

"میں تو خود کہہ رہا ہوں کہ گولی آپ ہی سے چلی تھی...... ہاں یہ ضرور ہو سکتا ہے کہ آپ اسے گولی مارنا نہ چاہتے ہوں لیکن وہ آدمی تو اپنی جان سے چلا گیا ناں۔ میں اسی لیے آپ سے کہہ رہا ہوں کہ آپ بڑی چوہدرائین سے بات کریں صرف وہی ہیں جو آپ کو اس سارے معاملے سے بچا سکتی ہیں ورنہ آپ جانتے ہیں چھوٹے چوہدری جی! ہم چھوٹے لوگوں کی کیا اوقات ہے۔"

رجب کی ہر آس پر پانی پھر چکا تھا اس نے اتنی مایوسی کا سامنا زندگی میں شاید اس وقت بھی نہیں کیا ہوگا جب اسے حویلی سے بے یار و مددگار نکلنا پڑا تھا۔

☆☆☆

یہ درست ہے کہ جس وقت ریوالور سے گولی نکلی اور چوہدری فیاض کے آدمی کو اس نے گھائل کیا ریوالور رجب کے ہاتھ میں تھا لیکن ٹریگر پر دباؤ ڈالنے والی انگلی رب نواز کی تھی اور یہ بات صرف رب نواز ہی جانتا تھا۔

اس کا خیال تھا وہ اپنا جرم رجب کے سر ڈال کر مطمئن ہو بیٹھے گا لیکن یہ محض اس کی خام خیالی تھی اگر اسی طرح انسان نے مطمئن ہونا ہوتا تو ضمیر نام کی کسی چیز کا وجود اس دنیا میں نہ ہوتا یا کم سے کم اس کا ذکر نہ ہوتا۔ صرف دو ہفتوں بعد جب یہ طے پا چکا کہ رجب کو پولیس کے یا چوہدری فیاض کے حوالے کر دیا جائے گا تو رب نواز اچھا خاصا مطمئن ہو گیا لیکن اسی رات سے اس کے ضمیر نے اسے جھنجھوڑنا شروع کر دیا تھا۔ پہلے پہل تو وہ اس منحوس ضمیر کی بے تکی آوازوں پر کان ہی نہیں دھر رہا تھا پھر اس نے اسے حتی المقدور ٹالا بھی لیکن نتیجہ وہی صفر کا صفر۔

تھک ہار کر رب نواز نے اپنا گناہ تسلیم کرنے کا سوچا گو کہ یہ فیصلہ کرنا بھی بڑی دقتوں کی بات تھی۔ اس کی بیوی کا انتقال ہو چکا تھا اور ایک ہی بیٹی تسنیم تھی۔ کوئی قریبی رشتہ دار بھی نہیں تھا کہ تسنیم کو اس کے حوالے کر جاتا۔ اپنا جرم تسلیم کرنے میں اگر کوئی دقت تھی تو سچ بات ہے وہ تسنیم کا وجود ہی تھا جو اس کی راہ میں حائل ہوتا تھا اور حتمی فیصلہ کرنے نہ دیتا تھا۔ وہ ہر رات تہیہ کرتا کہ اگلے روز اسے جنت بیگم کو حقیقت حال سے آگاہ کرنا ہے اور اگلے دن کا سورج طلوع ہوتے ہی اس کے ارادے ڈگمگا جاتے تھے۔

لیکن پھر ایک روز اس نے اپنے ارادے کو عملی جامہ پہنا ہی دیا اور جنت بیگم کے سامنے جا کر اپنا گناہ قبول کر لیا اس وقت وہ باقاعدہ کانپ رہا تھا اور اس کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ متوقع سزا کا خیال ہی اس کی آدھی جان نکال چکا تھا۔

جنت بیگم الگ ششدر۔ آخر معاملہ کیا ہے۔ کون سچا ہے کون جھوٹا۔

''مجھے معاف کر دیں چوہدرائین جی! بڑی غلطی ہو گئی مجھ سے جو اپنا جرم چھوٹے چوہدری جی کے سر ڈالا۔'' وہ روتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''میں نے پہلے بھی سوچا کہ آپ کو ساری حقیقت بتا دوں لیکن ہر بار شیطان بہکا دیتا تھا اور درست فیصلہ نہ کرنے دیتا تھا...... مجھے معاف کر دیں جی!......اور مجھے سزا سے بچا لیں۔ میری چھوٹی سی بچی ہے۔ میں اسے کس کے بھروسے چھوڑ کر جاؤں گا چوہدرئین جی!...... مجھے بچا لیں جی!......'' وہ روتا جاتا تھا اور کہتا جاتا تھا۔

جنت بیگم نے چند منٹ سوچنے میں صرف کیے پھر گہری نظروں سے اسے دیکھ کر بولی۔

''اس بات سے کون کون واقف ہے؟''

''جی! میں سمجھا نہیں۔'' رب نواز متعجب ہوا کہ سوال اس کے سر سے گزرا تھا۔

''اس میں نہ سمجھنے کی کیا بات ہے جاہل آدمی!'' جنت بیگم حسب معمول جلدی اکتائی تھی۔

''میں پوچھ رہی ہوں تم نے یہ بات کہ چوہدری فیاض کے آدمی کا قتل رجب سے نہیں بلکہ تم سے ہوا ہے کس کس کو بتائی ہے؟''

''کسی کو نہیں چوہدرائین جی! اتنی ہمت ہی نہیں آ رہی تھی کہ کسی کو بتا سکتا۔'' رب نواز نے لاچاری سے کہا تھا۔

''ہوں۔'' جنت بیگم کا انداز اس بار بھی پرسوچ تھا۔ ''اب میری بات غور سے سنو رب نواز! بھول جاؤ کہ اس روز جو بھی ہوا تھا۔ بھول جاؤ کہ ریوالور تمہارے ہاتھ میں تھا۔......''

''جی!......'' رب نواز حیران پریشان اس کی شکل دیکھنے لگا۔

''ہاں رب نواز! بھول جاؤ کہ تم سے کوئی قتل ہوا ہے اور اپنی زبان ہمیشہ کے لیے بند کر لو...... یاد رکھنا جب تک تمہاری زبان بند رہے گی تب تک تم اور تمہاری بیٹی کی حفاظت اور کفالت کی ذمہ داری میری ہو گی لیکن اگر تمہاری زبان کسی کے سامنے بھی کھلی حتیٰ کہ رجب کے سامنے بھی...... اس دن سے میری ذمہ داری ختم ہو جائے گی۔ پھر تم جانو اور تمہارا کام...... تمہیں حویلی میں رہائش دی جائے گی، روٹی، کپڑا ہر طرح کی ضروریات زندگی فراہم کی جائے گی...... باقی فیصلہ کرنا تمہارا کام ہے اچھی طرح سوچ لو پھر مجھے بتا دینا...... یہ کوئی مہنگا سودا نہیں ہے فائدہ بہرحال تمہارا ہی ہو گا۔''

''لیکن...... چوہدرائین جی! چھوٹے چوہدری جی...... میرا مطلب ہے وہ تو ناحق مارے جائیں گے۔'' رب نواز کے آنسو تھم چکے تھے اس سے آگے تو تعجب اور بے یقینی کی منزل تھی۔

''اس کا معاملہ تم مجھ پر چھوڑ دو۔ تمہارا کام اپنا جرم قبول کرنا تھا سو تم نے کر لیا اب میں جانوں اور میرا کام...... رجب بچتا ہے یا ناحق مارا جاتا ہے اس سے تم کو کوئی غرض نہیں ہونا چاہیے...... تم صرف اتنا بتاؤ تمہیں یہ سودا منظور ہے یا نہیں؟''

اس لمحے جنت بیگم اسے بے حد سفاک لگی تھی لیکن چونکہ سودا واقعی مہنگا نہیں تھا سو اس کا سر نیم رضامندی سے اثبات میں ہل گیا تھا۔

خدا جانے کون زیادہ سفاک تھا جنت بیگم یا وہ خود۔

☆☆☆

رسم مہندی تھی یا رنگوں کا میلہ سا لگ گیا تھا۔

آرائشی قمقموں سے سجی حویلی میں رنگ ہی رنگ بکھرے تھے۔حرم زرد جوڑے میں سمٹی سمٹائی، شرمائی گھبرائی سی اتنی پیاری لگتی تھی کہ بے ساختہ بلائیں لینے کو دل چاہتا۔ باقی لڑکیاں بھی بڑے دل سے تیار ہوئی تھیں سوسب کی چھب ایک دوسرے سے بڑھ کر تھی۔

تنوی سب سے منفرد لگ رہی تھی کیونکہ کبھی اس طرح سے بنی سنوری نہ تھی۔ سب نے سراہا جنت بیگم نے تو اکلوتی نواسی پر سے مرچیں وار کر جلانے میں بھی تاخیر نہیں کی۔تنوی اپنی تعریفوں پر خوش تھی جتنی بار شبیہ سے سامنا ہوا تو قع کرتی رہی وہ بھی کچھ کہے گا لیکن شبیہ وہ پتھر تھا جس کے سینے پر پانی کے قطرے ٹپکتے رہنے کے باوجود ابھی سوراخ ہونے میں وقت لگنا تھا۔

وہ مایوس ہو کر بھی تھک گئی تو دو تعریفی جملوں کی آس بھی ترک کر دی سوئے اتفاق اسی وقت شبیہ کی نظر اس پر پڑ گئی۔

تھا تو سچ مچ پتھر لیکن اس بار چونک سا گیا۔وہ لگ ہی اتنی منفرد اور خوبصورت رہی تھی کہ لحظہ بھر کو تو یقین ہی نہ آیا کہ یہ وہی جھلی سی لڑکی ہے جس کے معمولی معمولی باتوں پر آنسو نکل آتے ہیں۔جسے کھانے پینے، پہننے اوڑھنے سے زیادہ بلکہ بہت زیادہ رغبت صرف رونے اور منہ لٹکا کر رکھنے سے تھی۔

آج خوب چہک رہی تھی شبیہ کی نظریں اس پر سے ہٹ کر نہ دیں۔

''کیا دیکھ رہے ہو؟'' جلال نے بروقت اس کی چوری پکڑی تھی۔شبیہ نے ٹپٹا کر نظریں پھیر لیں۔

''کچھ بھی تو نہیں۔'' اس نے صاف مکرتے ہوئے کہا تھا۔

جلال چڑانے والے انداز میں خوب زور سے ہنس دیا۔

''یار اب ہم سے کیا پردہ داری۔''

شبیہ نے گھور کر اسے دیکھا۔''مطلب کیا ہے؟''

''آئے ہائے......جیسے تم تو جانتے ہی نہیں۔'' جلال چہکا۔

شبیہ کا موڈ حسب سابق ذرا بھی نہ بدلا یوں بھی بہت سے معاملات میں وہ خود کو لاتعلق ظاہر کرنے کے لیے یوں ہی خود پر غصے کا پردہ ڈالے رکھتا تھا۔اور یہ عادت کوئی نئی نہ تھی کہ جلال سمجھ ہی نہ پاتا وہ تو اسے بچپن سے جانتا تھا سو ذرا بھی پرواہ نہ کی۔

''اچھا اس میں غصہ کرنے کی تو کوئی بات ہی نہیں ہے۔اچھی لگ رہی ہے تو بتا دو اسے۔وہ بیچاری بھی خوش ہو جائے گی۔''

''تم اپنے مشورے اپنے پاس رکھو۔تمہارے مشوروں پر عمل کرنے لگا تو بس کر چکا عقلمندی کے کام۔ٹھیک ویسے ہی جیسے تم کر چکے ہو۔''

اس کا انداز کاٹ دار تھا۔

''محبت میں عقل کا کیا کام میرے بھائی!'' جلال آج کچھ زیادہ ہی چہک رہا تھا۔''ویسے اگر تم کہو تو میں بی جان سے بات کروں۔گھر کا لڑکا، گھر کی لڑکی......نہ کوئی جھنجھٹ نہ پریشانی......حرم کی رخصتی کے بعد تم لوگوں کی نیا بھی پار لگ جائے گی۔'' اپنی طرف سے بڑا مخلص بنا مشورے دے رہا تھا۔شبیہ نے غضب ناک ہو کر گھورا۔

"مجھے ضرورت ہوئی تو بی جان سے خود بات کرلوں گا تمہاری طرح کوئی اوٹ پٹانگ کام نہیں کروں گا۔"

"اوٹ پٹانگ کام؟......اچھ...... چھا......مثلاً کون سا اوٹ پٹانگ کام؟" وہ جانتے بوجھتے انجان بنا۔

"آئے ہائے...... جیسے تم تو جانتے ہی نہیں۔" شبیہ نے اسی کا جملہ لوٹا دیا جلال ایک بار پھر زور سے ہنس دیا۔

"تم نے کبھی محبت نہیں کی نا۔جس روز محبت کرو گے سب سمجھ میں آجائے گا کہ محبت میں کچھ بھی اوٹ پٹانگ نہیں ہوتا۔صرف عمل ہوتا ہے جو محبوب کو مشکل میں دیکھ کر خود بخود سرزد ہو جاتا ہے۔دل چاہتا ہے اس کی پریشانیاں سمیٹ لی جائیں۔اس کی آنکھوں میں آنسو نہ آنے دیے جائیں اور......"

جلال نے ایک جذب کے عالم میں بولتے ہوئے شبیہ کی طرف دیکھا وہ غضب ناک نظروں سے اسے گھور رہا تھا جیسے اس کی کم عقلی پر بھڑک اٹھا ہو۔جلال ذرا سا جھینپا۔پھر ہولے سے ہنسا اور یکا یک اس کی ہنسی خوش دل قہقہے میں بدل گئی تھی۔

شبیہ کے غصے میں اضافہ ہوا تھا لیکن صاف محسوس ہوتا تھا کہ محبت نے جلال کو بدل کے رکھ دیا ہے۔وہ سر جھٹکتا دوسری طرف چلا گیا تھا یوں جیسے اب جلال سے کسی عقلمندی کی امید عبث ہو۔

جلال کی متبسم نگاہیں ماوی کو تلاش کرنے لگی تھیں یکا یک اسے احساس ہوا کہ وہ بہت دیر سے دکھائی نہیں دے رہی۔آخر وہ کہاں غائب ہوگئی تھی۔جلال کو تشویش نے گھیر لیا۔اس کی نظریں مزید شدومد سے ماوی کو تلاش کرنے لگی تھیں۔

☆☆☆

"ڈیڈی! کیا یہ ممکن ہے کہ آپ ممی کو واپس لے آئیں؟" ڈائننگ ٹیبل پر اینیا نے ولی کے اٹھ جانے کے بعد دانیال حسن سے اچانک پوچھا تھا۔وہ بڑی دیر سے تذبذب کا شکار تھی آیا کہ اسے ڈیڈی سے بات کرنا بھی چاہیے یا نہیں۔پھر ولی کی موجودگی بھی معنی رکھتی تھی ولید نے تو خیر ڈائننگ ٹیبل پر آنا ہی چھوڑ رکھا تھا جبکہ ولی بیچارہ دن بہ دن خاموش سے خاموش تر ہوتا جا رہا تھا اینیا کو ڈر تھا کہیں وہ بھی ولید کی طرح کسی غلط سرگرمی میں نہ پڑ جائے۔لیکن وہ کر بھی کیا سکتی تھی اس کے ہاتھ میں تو کچھ بھی نہیں تھا جن کے ہاتھ میں سب کچھ تھا وہ چپ سادھے بیٹھے تھے۔

ناچار اینیا نے ایک آخری کوشش کرنے کی ٹھانی گو کہ پہلے بھی ایک ایسی ہی کوشش میں منہ کی کھا چکی تھی پھر بھی اس نے ہمت کر کے دانیال حسن سے کہہ ہی دیا۔

دانیال حسن نے صبح کے اخبار سے نظریں ہٹا کر قدرے تعجب سے اسے دیکھا تھا۔

"میں نے تمہیں منع کیا تھا کہ دوبارہ اس ایشو پر کوئی بات نہیں ہوگی۔" دانیال حسن نے سنجیدہ لہجے میں اس کو یاد دلایا تھا۔

"کیوں ڈیڈی؟" وہ روہانسی ہو کر بولی۔"اسی ایشو پر بات ہونا سب سے ضروری ہے آخر آپ سمجھتے کیوں نہیں ہیں۔"

"تو پھر اپنی ماں سے کہو آنا ہے تو خود واپس آئے۔تمہیں مہرہ بنانے کی ضرورت نہیں ہے۔" دانیال حسن کا لہجہ سخت ہی نہیں ناگواری لیے ہوئے بھی تھا۔

اینیا دم بخود رہ گئی۔

"آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں؟ ممی نے مجھ سے کچھ نہیں کہا۔"

"میں اچھی طرح جانتا ہوں کس نے کیا کہا کس نے کیا نہیں۔" دانیال حسن نے سلگ کر کہا تھا۔

"لیکن یہ طے ہے کہ میں ثروت کو لینے نہیں جاؤں گا اسے آنا ہے تو خود آئے یہاں سے جانے کا فیصلہ بھی اس کا اپنا تھا تو واپس آنے کا فیصلہ بھی اسے خود ہی کرنا ہوگا۔ بتا دینا اسے۔" دانیال حسن نے اخبار تہہ لگا کر میز پر پٹخا اور اٹھ کر چلے گئے۔

اجیا مایوسی سے سر پکڑ کر بیٹھ گئی تھی۔

☆☆☆

رب نواز نے جنت بیگم سے خود کو سزا سے بچانے کی استدعا کی تھی لیکن چونکہ جنت بیگم اپنے نام کی طرح منفرد تھی اور اسے ہمیشہ سے کچھ نہ کچھ منفرد کرتے رہنے کا شوق بھی تھا خواہ وہ کسی کی زندگی کا سکون برباد کرنا ہی کیوں نہ ہو اس لیے اس نے نہ صرف رب نواز کو بچا لیا تھا بلکہ رجب کا نام بھی اس کیس سے بڑی صفائی کے ساتھ خارج کروا لیا گیا تھا۔

گو کہ جنت بیگم کے اپنے باپ کی زندگی میں آجانے کے بعد سے ہی رجب کو اپنی زندگی کا تاوان ادا کرنا پڑتا رہا تھا لیکن اس احسان کے بعد جب جب تک زندہ رہا اسے اس احسان کا کفارہ ادا کرنا پڑتا رہا۔

☆☆☆

تسنیم کے خاموش ہوتے ہی ماوی کا انہماک بھی ٹوٹ گیا تھا۔

اس کی نظریں تسنیم کے چہرے سے ہٹ کر چارپائی پر لیٹے رب نواز کے وجود سے لپٹ گئی تھیں لیکن اس کا ذہن اس وقت بالکل کام نہیں کر رہا تھا آج انکشافات کی ایک اور رات اس کی زندگی میں در آئی تھی اور ہر بار جب اپنے باپ سے متعلق کسی انکشاف کا سامنا اسے کرنا پڑتا تھا وہ اسی طرح پہلے بے یقین اور پھر گم صم ہو جاتی تھی۔

"کیا اس شخص کو دوبارہ کبھی ضمیر کی سرزنش کا سامنا نہیں کرنا پڑا ہوگا۔" رب نواز کے ضعیف بے بس وجود کو دیکھتے ہوئے اس نے سوچا تھا۔

"پھر......" معاً اس نے تسنیم کی طرف رخ پھیرا۔ "خاموش کیوں ہوگئی ہو تسنیم! مجھے بتاؤ پھر کیا ہوا تھا؟" وہ اپنی عادت کے برخلاف بے حد سنجیدہ اور مغموم دکھائی دیتی تھی۔

"کیا تمہارے ابا کو دوبارہ کبھی ضمیر کی اس آواز نے تنگ نہیں کیا جس نے ان سے جنت بیگم کے سامنے اعتراف جرم کروایا تھا؟" نہ چاہتے ہوئے بھی اس کا انداز کاٹ دار ہو گیا تھا۔

"ضمیر کی آواز نے تنگ نہ کیا ہوتا تو کیا آج ابا اس حال میں ہوتے؟" تسنیم نے گردن موڑ کر بوڑھے رب نواز کو ترحم بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

"جب انسان اندر کی آوازوں سے بہت تنگ آجاتا ہے نا بی بی! تب ہی ان حالوں کو پہنچتا ہے۔ ایسے جیسے دیمک لکڑی کو چاٹ گئی ہو۔

بالکل بیکار سا ہو جاتا ہے۔تم نے تو آج میرے ابا کو دیکھا ہے ناں میں نے جب سے ہوش سنبھالا ہے ابا کو ایسے ہی دیکھ رہی ہوں۔اچانک بیٹھے بیٹھے گم صم ہو جاتے تھے یا اچانک خود سے باتیں کرنے لگتے تھے...... مجھے نہیں یاد کہ میں نے انہیں کبھی اس سے زیادہ ہوش میں دیکھا ہو۔" تسنیم کے لب و لہجے میں تاسف بولتا تھا۔کرب کی تحریر اس کے چہرے پر صاف پڑھی جاتی تھی۔ماوی کو ذرا سی شرمندگی نے گھیرا لیکن مقابل اس کے اپنے بابا تھے اور بے قصور بھی تھے سو زیادہ ہمدردی انہی کے ساتھ تھی۔

"خیر تم مجھے اس سے آگے کی بات بتاؤ......" اس نے جلدی سے کہا تھا۔

"بی بی! اس سے آگے تو......" ابھی اسنے اتنا ہی کہا تھا کہ باہر کے گھور سناٹے میں کھٹکا سا ہوا۔وہ دونوں چونک کر دروازے کی طرف دیکھنے لگیں۔دل بے ڈھب انداز میں دھڑکنے لگے تھے۔

"مجھے پہلے ہی ڈر تھا کوئی آ نہ جائے۔" تسنیم نے سراسیمگی سے اس کی طرف دیکھا تھا۔

"گھبرانے کی کیا بات ہے کوئی آ بھی گیا تو میں سنبھال لوں گی۔" ماوی نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا تھا یہ الگ بات کہ گھبرا وہ بھی گئی تھی۔ساتھ ہی وہ اٹھ کر دروازے کی طرف جانے لگی تو تسنیم نے پھرتی سے اس کا ہاتھ پکڑ کر روک دیا۔

"آپ رکیں۔پہلے میں جا کر دیکھتی ہوں میری یہاں موجودگی حیران کن نہیں ہے لیکن آپ کو یہاں دیکھ کر کوئی بھی چونک جائے گا۔" اس نے کہا اور تیزی سے دروازے کی طرف بڑھی ماوی بھی پھرتی سے اس کے پیچھے آئی تھی۔

ان دونوں کے دل بہت تیزی سے دھڑک رہے تھے اور ہر عضو جیسے ساعت بن گیا تھا۔

☆☆☆

"ممی! کیا یہ ممکن ہے کہ آپ خود واپس آ جائیں؟"

اینیا نے ذرا سے گھماؤ کے ساتھ ایک ہی سوال ثروت کے سامنے بھی رکھ دیا تھا۔

"نہیں انو! یہ ممکن نہیں ہے۔" ثروت نے گہری سانس بھرتے ہوئے اور فون ایک ہاتھ سے دوسرے میں منتقل کرتے ہوئے کہا تھا۔

اینیا کی اس آخری امید پر بھی پانی پھر گیا جس کے سہارے اس نے ثروت کو فون کیا تھا۔

"لیکن آپ نے کہا تھا آپ آ جائیں گی۔" اس نے یاد دلایا۔

"میں اتنے دن سے ہمت ہی جمع کر رہی ہوں انو! لیکن مجھے افسوس ہے کہ میں نہیں کر پا رہی۔" ثروت نے بے بسی سے کہا تھا۔

"اس طرح سے واپس آؤں گی تو دانیال کے ہاتھ ایک اور کمزوری لگ جائے گی۔وہ مجھے ٹیز کرنے کا ایک اور بہانہ ڈھونڈ لیں گے۔سمجھنے کی کوشش کرو میرے بچے! میں بہت مجبور ہوں۔کئی سال میں نے اپنی انا کو مارے رکھا دانیال کا ہر طعنہ ہنس کر سہہ گئی لیکن اب مجھ میں اور ہمت نہیں ہے۔"

کیا آپ اپنی اولاد کے لیے اتنا بھی نہیں کر سکتیں؟" وہ ماں کا درد محسوس کرنے کے باوجود خود کو بے بس پاتی تھی۔

"دانیال کے ساتھ مسلسل بے عزتی سہتے ہوئے اتنے سال صرف اولاد کے لیے ہی گزارے ہیں میں نے۔" ثروت نے سابقہ بے بسی

کے ساتھ کہا تھا۔

"لیکن ہمیں آپ کی ضرورت ہے می!" اینیا رو دینے کو تھی۔

ثروت سے کچھ بولا نہیں گیا اینیا کی بات ماننے میں سراسر ان کی نسوانیت کی توہین تھی اور بیٹی کی آواز میں جھلکتا درد بھی سہانہ جاتا تھا۔

"آپ جانتی ہیں کہ ولید آج کل کن ایکٹوٹیز میں پڑا ہوا ہے....." بالآخر اس نے ماں کو حقیقت بتانے کی ٹھان لی تھی۔

"کک......کیا کہہ رہی ہو تم۔" ثروت حقیقتاً پریشان ہو گئی تھیں۔

"ٹھیک کہہ رہی ہوں میں۔" اس نے آنسوؤں سے بوجھل آواز میں کہا تھا۔ "اور وہ اتنا بدلحاظ ہو چکا ہے کہ کوئی بات سننے کے لیے بھی تیار نہیں ہے۔"

"م......میں اس سے بات کرتی ہوں۔" ثروت نے کہا تھا

"می صرف اس سے بات کرنے سے کچھ نہیں ہوگا آپ کو یہاں آنا پڑے گا۔" اس کا لہجہ اس بار تیز تھا ماں باپ میں سے کوئی بھی تو اس کی بات سمجھنے پر تیار نہیں ہو رہا تھا۔

"مجھے ایک بار بات کر لینے دو اتو! وہ سمجھدار ہے مجھے یقین ہے میری بات سمجھ لے گا۔" ثروت کی طرح اینیا خوش امید نہیں تھی سو مایوسی سے اس نے ریسیور رکھ دیا۔

☆☆☆

جس طرح شبیہ کی چوری جلال کی نظروں سے پوشیدہ نہ رہ سکی تھی ٹھیک ویسے ہی جلال کی متلاشی نظروں نے تنوی کو ہائی الرٹ کر دیا تھا۔ وہ یوں بھی متجسس تھی اور ان دونوں کی ٹوہ میں لگی ہوئی تھی کہ کوئی موقع ہاتھ لگے اور ان دونوں کو گھیرے یہ الگ بات ہے کہ تقریب کی رنگارنگی بار بار اس کی توجہ بھٹکا دیتی تھی۔ ایسے ہی کسی وقت میں ماوی غائب ہو گئی اور اب جلال کی نظریں مستقل اسے کھوج رہی تھیں۔

"کسی کو ڈھونڈ رہے ہیں جلال بھائی؟" عین اس لمحے جب وہ ماوی کو نہ پا کر پریشان ہونے لگا تھا تنوی نے اسے جالیا۔

"نہیں بھئی۔ میں نے کسے ڈھونڈنا ہے۔" جلال نے سٹپٹا کر کہا تھا۔

"اچھا...... مجھے لگا کسی کو ڈھونڈ رہے ہیں۔" وہ شرارت سے بولی تھی۔

"ارے نہیں بھئی۔۔" جلال نے ٹالا پھر کچھ خیال آنے پر پوچھ ہی لیا۔

"سنو ماوی نظر نہیں آرہی بہت دیر سے......تم نے اسے دیکھا ہے کہیں؟"

"اچھا تو یوں کہیں نا کہ آپ ماوی کو ڈھونڈ رہے ہیں۔" اس نے پھر آنکھیں مٹکا کر کہا تھا۔

"بھئی میں اسے کیوں ڈھونڈنے لگا وہ تو بس بہت دیر سے نظر نہیں آرہی تھی تو تم سے پوچھ لیا۔" اس نے جھنجھلا کر کہا تھا۔

"نظر تو بہت دیر سے نمل بھی نہیں آرہی۔ اس کے بارے میں تو نہیں پوچھا۔" وہ بھی آج بال کی کھال اتارنے پر تلی تھی جلال حیران ہوا۔

"وہ تو گھر کی فرد ہے ماوی کی طرح مہمان تو نہیں کہ حویلی کی بھول بھلیوں میں گم ہو جائے گی۔"

"اچھا جی......صرف یہی بات ہے کیا؟"

"معاف کر دو تنوی جو تم سے پوچھنے کی غلطی کر بیٹھا۔" جلال نے با قاعدہ ہاتھ جوڑے اور دوسری طرف چلا گیا۔ تنوی شرارت سے ہنسی اور نمل کی تلاش میں دوڑی۔ بڑی کھوج کے بعد وہ حرم کے پہلو سے چپکی ملی۔

"یعنی تم اب ان دونوں کی جاسوسی کرو گی؟" نمل نے اس کے ارادے جان کر پوچھا۔

"صرف میں نہیں...... بلکہ ہم دونوں۔" تنوی نے جیسے اسے باور کروایا تھا۔

"مجھے تو معاف کر دو بھئی۔" نمل نے بیزاری سے کہا تھا۔ "جلال بھائی کی بزدلی سے اچھی طرح واقف ہوں اس لیے تمہاری بات پر یقین آ ہی نہیں رہا کہ وہ پسند کی شادی کرنے جیسی بہادری کر سکتے ہیں۔ ہاں یہی بات کوئی شبیہ کے بارے میں کہے تو میں فوراً یقین کر لوں گی۔"

"اسی لیے تو تم سے کہہ رہی ہوں میرے ساتھ چلو۔ آج سب دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا۔"

شوق کا عالم......حرم اور نمل زور سے ہنس دیں۔

"اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے۔ حرم آپا! آپ اس سے کہیں ناں......ارے آپ تو خود مذاق اڑا رہی ہیں۔" وہ بُرا منا گئی تھی۔

"نمل ٹھیک کہہ رہی ہے تنوی!" حرم نے کہا۔ "اور یہ تم جا کہاں رہی ہو ادھر آؤ۔" اسے منہ موڑ کر جاتا دیکھ حرم نے ڈپٹ کر کہا تھا۔

"میں جا رہی ہوں جو کرنا ہے اب خود ہی کر لوں گی۔"

"خبردار جو کوئی الٹی سیدھی حرکت کی تو......ورنہ میں ابھی بی جان سے تمہاری شکایت کر دوں گی۔ کسی بات کا اثر نہیں تم پر......خدا معلوم شبیہ اور جلال میں کیا بات ہو رہی تھی اور تم کیا سمجھ بیٹھی......اب بے وجہ کوئی اوٹ پٹانگ حرکت کر کے بات کا بتنگڑ نہ بناؤ......تمہیں تو کوئی کچھ نہ کہے گا میرا بھائی پھنس جائے گا۔"

حرم نے خوب لتاڑا تنوی برا مان گئی۔

"ہاں جیسے جلال بھائی میرے تو کچھ لگتے ہی نہیں ناں۔"

"یہ کس نے کہا؟"

"تو آپ کی بات کا اور کیا مطلب ہے؟......اونہہ......"

"اچھا غصہ تھوک دو۔ میں اپنے الفاظ واپس لیتی ہوں۔" حرم نے مصلحت آمیزی سے کہا تھا

"جی نہیں......اب تو جو آپ نے کہنا تھا کہہ دیا میں بھی ثابت کر کے دکھاؤں گی کہ جو میں کہہ رہی ہوں وہی سچ ہے جلال بھائی نے ماوی سے نکاح کیا ہوا ہے۔ پھر آپ دونوں کو پتا چلے گا......اور جو کرنا ہے وہ بھی میں اکیلی کر لوں گی۔ نہ دیں آپ دونوں میرا ساتھ۔" وہ اٹھ کر تیزی سے اس طرف چلی گئی جس طرف جلال کو جاتے دیکھا تھا کہ حرم پکارتی ہی رہ گئی۔

"یا اللہ اس لڑکی کو عقل دے۔ کوئی نئی مصیبت نہ کھڑی کردے یہ۔"

"چھوڑو حرم آپا! اس بونگی نے کیا کر لینا ہے۔" نمل نے بیزاری سے کہا تھا۔ حرم محض سر ہلا کر رہ گئی۔

☆☆☆

"ماوی میری کال رسیو نہیں کر رہی۔" ائیر پیس پر ابھرنے والی آواز میں گو کہ اشتعال نمایاں تھا لیکن اس آواز نے ثمینہ کو اچھا خاصا سکون فراہم کیا تھا۔

"آپ نے مجھے اس کا کانٹیکٹ نمبر غلط دیا ہے ناں آپا؟" فیضان نے سابقہ ٹون میں پوچھا تھا۔

"میں ایسا کیوں کروں گی؟"

"آپ اچھی طرح جانتی ہیں۔" فیضان نے تیز لہجے میں کہا تھا۔

"تم مجھ سے اتنے بدگمان کیوں ہو گئے ہو فیضان! کہ میری کسی بات پر یقین ہی نہیں کر رہے۔" ثمینہ کے لہجے میں دکھ بولتا تھا۔

"میں آپ سے بدگمان نہیں ہوں لیکن آپ کی کسی بات کا اعتبار بھی نہیں رہا مجھے اور ایسا کیوں ہے اب پلیز یہ مجھ سے مت پوچھیئے گا کیونکہ آپ تو سب جانتی ہیں۔ انسان امیچور ہو کم عقل ہو تو چلو اس سے ایسی بیوقوفی کی توقع بھی کی جائے۔ آپ نے تو بالکل ہی حد کر دی۔"

"بس اب باتیں سناتے رہو مجھے۔ تم میری فیلنگز سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کرتے۔ کئی سال میں نے اس آس میں گزار دیے کہ جنت بیگم کو سزا دلواؤں گی۔"

"اور اپنے اس شوق کے لیے کس خود غرضی سے اپنی ہی اولاد کو آپ نے خطرے کے منہ میں دھکیل دیا۔" فیضان نے بے رحمی سے کہا تھا۔

"صرف اس لیے کیونکہ میرے بھائیوں کو میرا اتنا بھی احساس نہیں تھا کہ وہ میرے لیے کچھ کرتے۔" ثمینہ نے ایک پل میں اس کی اور فیاض بھائی کی ساری ریاضت خاک میں ملائی تھی۔ فیضان نے اپنے دل میں اشتعال کو ابھرتے محسوس کیا جسے اگلے ہی پل لیکن بڑی دقتوں سے دبا لیا اور استہزا ابھرے لہجے میں بولے۔

"مجھے بہت افسوس سے کہنا پڑ رہا ہے آپا! کہ آپ نے اپنے ذہن میں جو دنیا تخلیق کر رکھی ہے اس میں سب ظالم ہیں سوائے آپ کے، عقل پر صرف آپ کی اجارہ داری ہے باقی سب عقل سے پیدل ہیں۔ کاش کہ مجھے کچھ عرصہ پہلے آپ کی ذہنی حالت کا اندازہ ہو گیا ہوتا تو میں آپ کو یوں ہرگز ماوی کو مشکل کے منہ میں نہ دھکیلنے دیتا۔ اب مہربانی فرما کر مجھے فوراً سے پیشتر اس کا درست کانٹیکٹ نمبر دے دیں۔ ورنہ میں اسی وقت حویلی پہنچ جاؤں گا اور پھر جو ہو گا اس کے نتائج آپ کو خود ہی بھگتنا پڑیں گے۔" ثمینہ کو فیضان کی ساری باتیں بری لگیں لیکن اس کے لہجے میں سنگینی تھی اور ثمینہ کو یہ بھی ڈر تھا کہ کہیں وہ سچ مچ حویلی نہ پہنچ جائے سو مصلحت آمیزی کے ساتھ وضاحتی لہجے میں بولیں۔

"میں جھوٹ نہیں کہہ رہی فیضی! میں نے بالکل درست نمبر تمہیں دیا تھا۔ ممکن ہے ماوی کہیں مصروف ہو؟" انہوں نے خیال ظاہر کیا۔

"اور یہ بھی ممکن ہے کہ آپ نے اسے میرا فون رسیو کرنے سے منع کر دیا ہو۔"

ثمینہ فوری طور پر کچھ بول نہ سکیں۔

"کیوں ٹھیک کہا ناں میں نے؟"

"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" ثمینہ نے تحمل سے کہا تھا۔ "مجھے یقین ہے ماوی مصروف ہوگی کیونکہ حویلی میں کسی فنکشن کا ذکر کیا تھا اس نے۔ شاید کسی کی شادی ہے۔ تم اس کا نمبر ٹرائی کرتے رہو وہ جب بھی فارغ ہوئی تم سے بات کرلے گی۔"

"ٹھیک ہے میں ایک بار پھر آپ کی بات کا یقین کر لیتا ہوں۔ لیکن بہتر ہوگا کہ آپ اسے مجھ سے بات کرنے کی تاکید کر دیں۔"

فیضان نے کہہ کر رابطہ منقطع کر دیا تھا ثمینہ سر پکڑ کر بیٹھ گئی تھی۔ وہ تو جس مشکل سے نکلنے کی کوشش کرتی تھیں اور زیادہ اس میں پھنستی جا رہی تھیں اور یہ بات ان کے لیے بیحد جھنجلاہٹ کا باعث بن رہی تھی۔

☆☆☆

ان دونوں کے دل بہت تیزی سے دھڑک رہے تھے اور ہر عضو جیسے سماعت بن گیا تھا۔

تسنیم نے آہستگی اور احتیاط سے ذرا سا دروازہ کھول کر باہر جھانکا اس کی آنکھوں میں بلی کی سی چمک اور تیزی تھی تبھی اندھیرے سے مانوس ہونے میں زیادہ وقت نہیں لگا۔ اس نے پہلے دروازے کی جھری بنا کر باہر جھانکا پھر ماوی کو وہیں رکنے کا اشارہ کرتی باہر نکلنے لگی تو ماوی نے سرعت سے اس کا ہاتھ پکڑ کر روک لیا۔

"تم کہاں جا رہی ہو؟"

"آپ یہیں رکیں بی بی! میں باہر اچھی طرح دیکھ کر آتی ہوں کیا پتا کوئی تاک میں ہو۔" تسنیم نے آواز دبا کر کہا تھا۔

"لیکن......" ماوی نے خائف نظروں سے رب نواز کی طرف دیکھا جو چارپائی پر لیٹا اس وقت اپنی چنی منی سی آنکھیں کھولے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

"ڈریں نہیں بی بی! ابا جتنے بھی بیمار سہی لیکن حملہ نہیں کرتے۔"

"بیوقوف...... یہ بات نہیں ہے۔" ماوی بری طرح شرمندہ ہو کر بولی تھی۔

"تو پھر......" تسنیم حیران بھی ہوئی اور اکتائی بھی کہ ماوی مسلسل اسے دیر کروا رہی تھی اور اس دوران اگر واقعی کوئی باہر تھا تو اندر آنے میں اسے کتنی دیر لگ سکتی تھی۔

"پھر...... وہ اکیلے ......" ماوی جانے کیوں تذبذب کا شکار تھی۔

"بی بی! مجھ پر بھروسہ کریں۔ میں یوں جاؤں گی اور یوں واپس آجاؤں گی۔" تسنیم یقیناً اس کے خدشات بھانپ گئی تھی تبھی تسلی دینے والے انداز میں اس کا اپنے کندھے پر رکھا ہاتھ دبا کر بولی۔ ماوی نے لمحہ بھر کو سوچا اور اپنا ہاتھ اس کے بازو سے ہٹا لیا۔ تسنیم پھرتی سے باہر نکل گئی دروازہ البتہ اس نے نیم وا رہنے دیا تھا یوں کہ ماوی تو باہر جھانک سکے لیکن کسی کی اندر تک نظر نہ پڑنے پائے۔

ذرا دیر بعد تسنیم واپس آ گئی تھی ماوی نے یہ چند منٹ بڑے صبر اور وقت سے گزارے تھے۔

"ملی بدذات نے کچا گرا دیا تھا۔" تسنیم نے آتے ہی خوش ہو کر بتایا تھا۔ "لیکن آپ فوراً یہاں سے نکلنے کی کریں ہمیں تو باتیں کرتے ہوئے وقت گزرنے کا اندازہ ہی نہیں ہو سکا۔ اور کچھ نہیں تو کم سے کم دو تین گھنٹے گزر ہی چکے ہیں۔ مجھے یقین ہے اگلی طرف آپ کی تلاش بھی شروع ہو گئی ہو گی۔"

"نہیں خیر...... اتنے لوگوں میں کسی کو میری کمی کیا محسوس ہوئی ہو گی۔" ماوی نے وثوق سے کہا لیکن اس کے باوجود اپنا غرارہ اور دوپٹہ آگے پیچھے سے سمیٹتی دروازے کی طرف چل دی تھی۔

"سنو تسنیم!" دروازے کے قریب پہنچ کر وہ رکی۔ "موقع ملتے ہی تمہیں مجھے باقی بات بتانی ہو گی......"

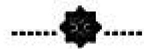
اس نے آگے تسنیم کا جواب سننے کی بھی زحمت گوارا نہ کی تھی اور تیزی سے باہر نکل گئی تھی۔ تسنیم چند منٹ رک کر احتیاط سے تالہ بند کرنے لگی۔

ماوی ہائی ہیل کے ساتھ احتیاط لیکن پھرتی سے چلتی حویلی کے اندرونی حصے کی طرف جا رہی تھی محتاط انداز میں ارد گرد نظریں ڈالتے ہوئے اس کا ذہن بھی تسنیم کی باتوں میں الجھا ہوا تھا اور اس کا رخ بھی اپنے کمرے کی جانب تھا کہ مبادہ کسی کی نظر پڑ بھی جائے یا اس کی غیر موجودگی کو نوٹس کر لیا گیا ہو تو وہ طبیعت خرابی کا بہانہ کر کے کمرے میں جانے کا کہہ سکتی تھی۔

بہت احتیاط سے چلنے کے باوجود اس کی ہائی ہیل غرارے میں اٹکنے لگی تھی اس سے پہلے کہ وہ لہرا کر گرتی اس نے غرارے کا کنارہ ہیل سے نکالنے کے لیے سر جھکایا ہی تھا کہ اچانک کسی نے عقب سے اس کا بازو پکڑا اور ماوی کے چونکنے سے بھی پہلے تیزی سے اسے گھسیٹ کر نیم تاریک راہداری میں لے گیا۔

ماوی نے بری طرح ہڑبڑا کر دیکھا اور کچھ بول بھی نہ سکی۔ وہ جلال تھا اور اس نیم تاریک ویران راہداری میں اس کے اتنا قریب تھا کہ ماوی کو اس کی سانسوں کا لمس تک اپنے چہرے پر محسوس ہوتا تھا۔

اس کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں جکڑ لیا تھا۔



ماوی نے بری طرح ہڑبڑا کر دیکھا اور کچھ بول بھی نہ سکی۔ وہ جلال تھا اور اس نیم تاریک ویران راہداری میں اس کے اتنا قریب تھا کہ ماوی کو اس کی سانسوں کا لمس تک اپنے چہرے پر محسوس ہوتا تھا۔

اس کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں جکڑ لیا تھا۔ جلال اس کے انتہائی قریب تھا کہ ماوی ذرا سا ہلتی تو اس کے آویزے کے موتی تک جلال کے چہرے کو چھو جاتے۔ ماوی نے ہوش میں آتے ہوئے اس کی گرفت سے آزاد ہونا چاہا لیکن جلال کا ایسا کوئی ارادہ نہ تھا۔ ماوی کا دل اور لرزا۔

"جلال!...... ہم...... میں......"

جلال نے سرعت سے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ کر آواز کا گلا گھونٹ دیا تھا۔

"تنوی اسی طرف آ رہی ہے۔ کوئی آواز مت نکالنا ورنہ اسے پتا چل جائے گا کہ ہم دونوں یہاں ہیں۔" جلال نے آواز دبا کر کہا تھا لیکن

اس کی نظریں مستقل ماوی کے چہرے پر جمی تھیں۔

ماوی کی آنکھیں گویا پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ اس کا بس نہ چلتا تھا کہ کسی طرح جلال سے آزاد ہو کر بھاگ جائے لیکن یہ بات سن کر اس کی مزاحمت دم توڑ گئی اور جلال...... اس کی سماعت گو کہ راہداری کے دہانے سے آتی اٹھتے گرتے قدموں کی آوازوں کی طرف لگی تھیں لیکن آنکھیں...... آنکھیں ماوی کے ایک ایک نقش کو جذب کر لینا چاہتی تھیں۔

چند لمحوں کے بعد آوازیں آنا بند ہو گئی تھیں اسی پل ماوی تڑپ کر اس سے دور ہو گئی۔

"تت...... تم یہاں کیا کر رہے ہو؟"

"یہی میں تم سے پوچھنے والا تھا کہ تم اس وقت یہاں کیا کر رہی ہو؟"

"مم...... میں......" وہ بوکھلائی پہلے ہی ہوئی تھی اس بات پر اور گڑبڑا گئی۔

"میں ایکچویلی غلطی سے اس طرف آ گئی تھی۔ مجھے ابھی حویلی کے راستوں کا ٹھیک سے علم نہیں ہے...... تو سمجھ ہی نہیں آ رہا تھا کہ کس طرف جاؤں۔" اسے بروقت مؤثر بہانہ سوجھ گیا تھا۔

"جب تمہیں راستوں کا نہیں پتا تو اکیلے نہیں آنا چاہیے تھا تم کسی کو ساتھ لیکر آتیں۔" جلال نے کہا

"کم آن جلال! میں کوئی بچی تھوڑا ہی ہوں کہ ہر وقت کسی نہ کسی کی انگلی تھام کر پھروں۔" اس نے بات ہنسی میں ٹالنا چاہی۔ "دیکھو میں نے اس وقت بھی تو درست راستہ ڈھونڈھ ہی لیا ناں۔"

"ہاں تمہاری بات بھی ٹھیک ہے...... ویسے بھی حویلی سے جان پہچان ابھی سے نہیں بڑھاؤ گی تو بعد میں دقت ہو گی۔ کیونکہ بالآخر آنا تو تم نے یہیں ہے۔" جلال نے مسکراتے ہوئے لطیف سے انداز میں کہا تھا۔ ماوی نے مسکرانے کی کوشش کی لیکن ایک ہونق سی مسکراہٹ اس کے چہرے پر آ کر ٹھہر گئی۔

یہ نہیں کہ وہ جلال کی بات سمجھ نہ پائی تھی۔ بات سمجھ گئی تھی اسی لیے ہونق بن گئی تھی۔

"میں...... میں جاتی ہوں...... کوئی آ نہ جائے۔"

وہ ان سنی کرتے ہوئے ایک طرف سے نکل کر جانے لگی لیکن ایک جھٹکے سے اسے رکنا پڑا کیونکہ اس کا ہاتھ جلال کے ہاتھ میں تھا۔

جلال کے لبوں پر دلکش مسکراہٹ تھی اور وہ بڑی چاہ سے ماوی کو دیکھتا تھا۔

اپنا اعتماد بحال رکھنے کی انتہائی کوشش کے باوجود ماوی ہراساں نظر آئی۔

"کوئی کام ہے جلال؟"

جلال سے اس کی گھبراہٹ مخفی نہ رہی تھی لیکن وہ چپ چاپ اسے دیکھ رہا۔

"مجھے جانے دو جلال! کوئی آ جائے گا۔" ماوی نے بڑی دقتوں سے کہا تھا۔

"کیا میں نے تمہیں کبھی بتایا ہے کہ تم کتنی خوبصورت ہو؟" جلال نے غیر محسوس انداز میں چند قدم اس کی طرف بڑھتے ہوئے پوچھا تھا۔

"میرا خیال ہے میں نے تو کبھی یہ بھی نہیں بتایا کہ میں تم سے کتنی محبت کرتا ہوں۔" ایک بار پھر وہ اس کے اتنا قریب آ گیا تھا کہ فرار کے تمام راستے مسدود نظر آتے تھے۔ ماوی نے اپنے دل کو بے ہنگم انداز میں دھڑکتے ہوئے سنا تھا۔ اس نے صدق دل سے دعا کی کہ تنوی یا کوئی اور اس طرف آ ہی جائے اور یقیناً یہ قبولیت کی گھڑی تھی اسی پل کہیں کھٹکا سا ہوا تھا۔ جلال جو ایک ٹرانس کی کیفیت میں مبتلا اسے دیکھ رہا تھا ٹپٹا کر اس سے دور ہو گیا۔

ایک مشکل صورتحال سے بچ نکلنے کا یہ واحد موقع ہاتھ لگا تھا سو ماوی فی الفور وہاں سے کھسک لی۔ جب تک جلال کو اسے روکنے کا خیال آیا وہ بہت دور جا چکی تھی۔ جلال نے دیکھا راہداری کے آخری سرے پر گھبراہٹ کے مارے ماوی کے قدم الٹے سیدھے پڑ رہے تھے۔ اس کے لبوں پر جاندار مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔

☆☆☆

"میں نے کہا تھا ناں تمہیں کوئی غلط فہمی ہو گئی ہے ولید ایسا کوئی کام کر ہی نہیں سکتا جو ہماری شرمندگی کا باعث بنے۔"

ثروت سے اینیا کی بات اسی روز شام کو دوبارہ ہوئی تھی اور وہ خاصی مطمئن لگ رہی تھیں۔ اینیا تعجب میں مبتلا ہوئی۔

"آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں۔ میں نے یہ کب کہا تھا کہ آپ ولید سے تصدیق کروائیں۔ بھئی وہ غلط ایکٹوٹیز میں پڑا ہوا ہے۔ میں نے خود سارا سٹف اس کے کمرے میں دیکھا ہے۔"

"میری اس سے بات ہو گئی ہے انو! اس نے ایڈمٹ کیا ہے کہ وہ اسموکنگ کرتا رہا ہے باقی سب چیزوں کے لیے وہ کہہ رہا تھا اس کے دوستوں کی ہیں جو وہ جلد ہی انہیں واپس کر دے گا۔ کہہ رہا تھا انو بے وجہ پریشان ہو گئی اگر پہلے مجھ سے بات کر لیتی تو آپ سے بات کرنے کی نوبت ہی نہ آتی۔"

"ممی وہ جھوٹ بول رہا ہے۔" اینیا نے روہانسی ہو کر کہا تھا۔ "میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی تھی مگر اس نے میری بات نہیں سنی الٹا مجھے دھمکانے لگا۔"

"انو! پلیز بیٹا! میرے لیے پہلے ہی بہت پرابلمز ہیں انہیں بڑھاؤ مت۔" ثروت نے عاجزی سے کہا تھا۔

"اگر تمہارا ولید سے کوئی جھگڑا ہوا ہے تو اسے آپس میں سلجھا لو بات کو اتنا بڑھانے کی کیا ضرورت ہے۔"

"ممی......!" اس نے کہنا چاہا۔

"ولید نے مجھے بتایا ہے کہ چند روز پہلے تمہارا اور اس کا کوئی جھگڑا ہوا تھا جس کا بدلہ لینے کے لیے تم اس طرح کی باتیں کر رہی ہو۔"

"اور آپ نے اس کی بات پر یقین کر لیا۔" اس نے صدمے کی کیفیت میں پوچھا تھا۔

"یقین نہ کرنے کی کوئی وجہ بھی تو نہیں ہے۔ میں تم دونوں کو بہت اچھی طرح سے جانتی ہوں۔"

ثروت نے بیچارگی سے کہا اور اسے بھائیوں کے ساتھ سلوک سے رہنے کی تاکید کر کے فون بند کر دیا۔ اینیا بہت دیر تک بے جان فون کو ہاتھ میں لیے بیٹھی رہی تھی اور پھر تھک ہار کر اس نے فیصلہ کیا کہ اسے خود کو حالات کے دھارے میں بہنے کے لیے چھوڑ دینا چاہیے۔

☆☆☆

دوسری جانب معاملے کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے شبیہ نے تنوی کو پچھلی طرف جانے سے روکا تھا۔ وہ اسے جلال کا تعاقب کرتے تو دیکھ ہی چکا تھا اور اسے یقین تھا اگر تنوی جلال اور ماوی کو اکھٹے دیکھ لیتی تو اس نے حویلی میں شور مچانے سے ہرگز نہ چوکنا تھا۔ عورتوں کا ہاتھ یوں بھی عقل کی طرف سے تنگ ہوتا ہے تنوی کے پاس تو عقل نام جیسی کوئی چیز سرے سے تھی ہی نہیں۔

''کہاں بھاگی پھر رہی ہو تم؟''

تنوی کے تیز تیز اٹھتے پڑتے قدم شبیہ کی آواز پر ٹھٹھک کر رکے تھے۔

''وہ میں......میں تو......'' حسب عادت وہ گڑبڑا گئی۔

''اب اس بات کا کیا مطلب ہے؟''

''وہ تسنیم سے کچھ کام تھا میں نے اسے پچھلی طرف جاتے دیکھا تھا......اسی لیے اسے ڈھونڈنے جا رہی تھی۔''

''تم میں عقل نام کی کوئی چیز ہے یا نہیں؟'' شبیہ نے حسب توقع ڈپٹ کر کہا تھا۔

''دن کے وقت بھی بی جان تم لڑکیوں کو پچھلی طرف جانے نہیں دیتیں اور تم منہ اٹھا کر رات کو جا رہی ہو۔''

تنوی کا سر جھک گیا یہ طے شدہ بات تھی کہ جب بھی اس کا سامنا شبیہ سے ہوگا اسے جھاڑ ہی پڑے گی۔

''مجھے تسنیم سے کچھ کام تھا۔'' وہ منمنائی اب یہ تو نہیں کہہ سکتی تھی کہ جلال کے پیچھے پیچھے یہاں تک چلی آئی ہے اور بے دھیانی میں بی جان کی تاکید بھی نظر انداز کر دی ہے۔ اس صورت میں اور بھی باتیں سننا پڑتیں اور یہی وہ نہیں چاہتی تھی۔

''ایسا کیا ضروری کام تھا جو دن کی روشنی میں اس سے نہیں کہا جا سکتا۔'' شبیہ نے ڈپٹ کر پوچھا۔

''وہ تھا ناں کچھ کام۔ میں آپ کو نہیں بتا سکتی۔'' وہ ذرا سا چڑ گئی۔ اچھی مصیبت ہے بھی۔ ہر وقت کی انکوائری جان ہی نہیں چھوڑتی۔

شبیہ یک دم چپ ہو گیا اسے تنوی کا انداز دلچسپ لگا تھا کچھ غصہ تو خیر بناوٹی ہی تھا کہ وہ خائف ہو کر وہاں سے کھسک جائے۔ اس نے ارادتاً غور سے اس کے تنتے ہوئے خفا خفا سے چہرے کو دیکھا پھر بے سبب ہنس دیا۔ تنوی ہمیشہ اسے چھوٹی سی بچی لگتی تھی۔ پتا نہیں بی جان نے کیا سوچ کر ان دونوں کے درمیان رشتہ جوڑ دیا تھا ورنہ شبیہ تو کبھی چاہ کر بھی ان دونوں کے مابین اس رشتے کی لطافت کو محسوس بھی نہیں کر سکا تھا۔

تنوی نے اس کے ہنسنے پر تعجب سے اسے دیکھا تھا۔

''اچھا نکلو اب یہاں سے۔ اول تو مجھے یقین ہے اتنی رات گئے تسنیم نے اس طرف جانے کی حماقت نہیں کی ہوگی لیکن میں دیکھتا ہوں اگر وہ پچھلی طرف ہو تو کہہ دوں گا تمہارا بہت ضروری کام سن لے۔ دوسری بات یہ کہ اگلی بار تم مجھے اس طرف نظر نہ آؤ۔''

شبیہ نے اسے ٹالتے ہوئے کہا تھا اور تنوی جانتی تھی وہ اسے ٹال ہی رہا ہے تبھی اس کی خفگی میں اضافہ ہوا۔

''میں نے تسنیم کو اس طرف جاتے ہوئے خود دیکھا ہے۔'' اس نے زور دیتے ہوئے کہا تھا۔

''بات مانا کرو تنوی! وہ اس طرف نہیں گئی۔''

"میں نے دیکھا ہے شبیہ بھائی! آپ مانتے کیوں نہیں ہیں میری بات۔" وہ رو دینے کو تھی۔ "مجھے اس سے ذرا سا کام ہے بات کر لینے دیں۔"

شبیہ کھٹک سا گیا۔ اس نے بے ساختہ گردن موڑ کر اس راستے کی طرف دیکھا جو بل کھاتا ہوا حویلی کے پچھلے حصے کی طرف لے جاتا تھا اور جہاں حویلی کے کئی راز دفن تھے۔

"تمہیں یقین ہے تم نے تسنیم کو اسی طرف جاتے دیکھا ہے؟"

تنوی نے زور سے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"ٹھیک ہے تم جاؤ میں تسنیم کو ابھی تمہارے پاس بھیج رہا ہوں۔"

"لیکن......" تنوی کی امیدوں پہ پانی پھر رہا تھا اسے سخت مایوسی ہونے لگی جو اس کے چہرے سے بھی جھلکتی تھی۔

"لیکن ویکن کچھ نہیں...... جاؤ یہاں سے۔" وہ اتنی زور سے بولا تھا کہ تنوی بری طرح خائف ہو کر وہاں سے بھاگی۔

شبیہ نے حویلی کے پچھواڑے کی طرف رخ کیا تھا۔

☆☆☆

ماوی جیسے تیسے اپنے کمرے میں پہنچی پھر فٹافٹ دروازہ بند کیا اور دروازے سے پشت لگا کر خوب گہرے گہرے سانس لینے لگی۔ اس کی پیشانی پر اب تک نمی چمک رہی تھی۔ یقیناً اپنی پوری زندگی میں وہ اس سے زیادہ کبھی نہیں گھبرائی ہو گی۔

رہ رہ کر اسے جلال کے انداز یاد آ رہے تھے اور اس کی سراسیمگی میں اضافہ کر رہے تھے۔

"یہ آپ نے مجھے کہاں پھنسا دیا ممی!" اس نے روہانسی ہو کر بلند آواز میں شکوہ کیا تھا۔

"نکاح کرواتے ہوئے کم سے کم آپ کو یہ تو سوچنا چاہیے تھا کہ جلال لاکھ بے ضرر دکھائی دیتا ہو لیکن اس کے بھی کچھ فطری تقاضے ہوں گے جنہیں پورا کروانے کی آرزو وہ اپنی بیوی سے کرے گا...... ممی نے نہیں سوچا تو مجھے سوچنا چاہیے تھا...... یا خدا مجھے یہ خیال کیوں نہیں آیا۔" وہ سخت پریشانی کا شکار تھی یکایک اس کی پریشانی جھنجلاہٹ اور غصے میں بدلنے لگی۔ اس نے کھڑے کھڑے اپنے پیر ہائی ہیلز سے آزاد کروائے۔ الماری سے اپنا سیل فون نکالا اور بیڈ پر جا کر بیٹھ گئی۔ اس کے سیل پر کئی مسڈ کالز اور میسجز آئے ہوئے تھے۔ جنہیں نظر انداز کرتے ہوئے اس نے ثمینہ کا نمبر ملانا شروع کیا لیکن کئی بار کی کوشش کے باوجود بھی ثمینہ اس کی کال ریسیو نہیں کر رہی تھیں۔ ماوی نے چڑ کر سیل ایک طرف پھینک دیا اور سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔

صورتحال تھی بھی پریشان کن۔ کہتی تو کس سے، مدد مانگنے جاتی تو کس کے پاس۔

اسی پل اس کا سیل فون وائبریٹ کرنے لگا ماوی نے جھپٹ کر فون اٹھایا یہ سوچ کر کہ ثمینہ نے ہی کال بیک کی ہو گی لیکن کوئی غیر محفوظ شدہ نمبر تھا۔ پہلا دھیان فیضان کی طرف ہی گیا تھا کیونکہ یہ نمبر تو صرف ثمینہ کے پاس تھا یا جلال کے پاس۔ اگر کسی تیسرے نمبر سے کال آ رہی تھی تو وہ فیضان ہی ہو سکتا تھا۔ وہ شش و پنج میں پڑ گئی۔ اب کیا کیا جائے آخر؟

پھر ایک نتیجے پر پہنچی اور کال ریسیو کیے بغیر فون واپس سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا۔

"اس مسئلے کا صرف یہی حل ہے کہ جلد از جلد ثبوت حاصل کروں اور حویلی سے نکلنے کی کروں۔ جلال نے زیادہ بے تکلف ہونے کی کوشش کی تو میں تو اپنے دفاع میں کچھ بھی نہ کر سکوں گی۔" انتہائی پریشان کن حالت میں اس نے اپنی کمزوری کا اعتراف کرلیا تھا جو یقیناً عام حالات میں وہ کبھی بھی نہ کرتی۔ لیکن بہرحال تھی تو یہ بھی مایوس کن بات سو وہ اور بھی دلبرداشتہ ہو کر بیڈ پر گرنے کے انداز میں لیٹ گئی اور اس مصیبت سے نکلنے کا کوئی اور حل تلاش کرنے لگی۔

☆☆☆

یہ محض اتفاق تھا کہ شبیہ کا پہلا ٹکراؤ جلال سے ہوا تھا۔

"ہو گئی ملاقات؟ مل گیا سکون؟" اس نے حسب عادت طنز سے آغاز کیا تھا۔

"کہاں......" جلال نے اس کے طنز کو نظر انداز کرتے ہوئے منہ لٹکا کر کہا تھا۔ "ماوی تو میری شکل دیکھتے ہی بھاگ گئی۔ میں تو ڈھنگ سے اسے دیکھ بھی نہیں پایا۔"

"شرم تو نہیں آرہی ہوگی ایسی بات کرتے؟" شبیہ نے دانت پیس کر کہا تھا

"اس میں شرم کی کیا بات ہے۔ اپنی منکوحہ سے ملنے آیا تھا کسی غیر سے نہیں۔" اس نے ہاتھ لہرا کر کہا۔

"منکوحہ سے کسی مہذب وقت میں اور مہذب جگہ پر بھی ملا جا سکتا تھا۔ ابھی تمہارے پیچھے پیچھے تنوی پہنچ جاتی تو ملاقاتوں کا سارا شوق پورا ہو جانا تھا۔"

"مجھے پتا تھا وہ اسی طرف آرہی ہے اسی لیے میں نے ماوی کو کچھ دیر روک لیا تھا"

"اگر میں اسے نہ روکتا تو آپ کی تو اچھی درگت بن رہی ہوتی اب تک۔"

"یارا آ ہی جانے دیتے تنوی کو۔ کم سے کم وہ سب کو بتا تو دیتی۔ میں تو خود تنگ آچکا ہوں اس بات کو چھپاتے چھپاتے۔ ایسا لگتا ہے نکاح نہیں کوئی غلطی کر بیٹھا ہوں۔"

"اچھے بھلے سینس ایبل آدمی تھے تم۔ اس لڑکی کی محبت نے تمہیں کیسا چغد بنا دیا ہے کہ معاملے کی نزاکت کو سمجھ ہی نہیں رہے۔"

"چلو کم سے کم تم نے یہ تو مانا کہ میں سینس ایبل تھا۔ ورنہ اس سے پہلے تو تم یہ ماننے کو بھی تیار نہیں تھے۔" جلال نے پھر اس کی بات ہنسی میں اڑائی تھی شبیہ کو مزید پتنگے لگ گئے۔

"تیرا کچھ نہیں ہو سکتا جلال! اس لڑکی کے ہاتھوں منہ کی کھائے گا تب تجھے عقل آئے گی۔"

"اور ایسا کبھی نہیں ہوگا میں جانتا ہوں۔"

عین اس وقت جب شبیہ دوسری سمت میں جا رہا تھا اس نے جلال کی متبسم آواز اور پر یقین لہجہ سنا تھا۔ شبیہ ایک گہری سانس بھر کر رہ گیا ہاں لیکن اس نے دل ہی دل میں غیر ارادی طور پر جلال کی بات کے سچ ہونے کی دعا ضرور کی تھی۔ جیسا بھی تھا لیکن جلال کو وہ تکلیف میں بہرحال دیکھنا نہیں چاہتا تھا۔

تسنیم اسے سامنے پا کر ٹھٹھک کر رکی تھی۔ وہ اتنا اچانک سامنے آیا تھا کہ تسنیم اگلے حصے میں جانے کے لیے متبادل راستہ بھی اختیار نہیں کر سکتی تھی۔

"تم اس وقت یہاں کیا کر رہی ہو؟" شبیہ نے سخت لہجے میں پوچھا تھا۔

"وہ جی میں...... کھانا پہنچانے آئی تھی۔" اس نے فوراً بات بنائی۔

"ہوں......" شبیہ نے بغور اسے دیکھا گویا جھوٹ سچ کا اندازہ لگانا چاہ رہا ہو۔

"کھانا پہنچانے کے لیے ماوی بی بی کو ساتھ لانے کی کیا ضرورت تھی؟"

"جی؟......" وہ صاف گڑبڑا گئی۔ "نہیں جی...... وہ تو......"

"یہ ٹکڑوں میں باتیں کرنے کی ضرورت نہیں ہے مجھ سے۔" شبیہ نے ڈپٹ کر کہا تھا تبھی ایک اور ملازمہ تسنیم کو تلاش کرتی اس طرف آن نکلی۔

"وہ تمہیں بڑی چوہدرائن جی بلا رہی ہیں۔"

تسنیم نے دل ہی دل میں شکر ادا کرتے ہوئے اجازت طلب نظروں سے شبیہ کو دیکھا۔ شبیہ کو جھنجلاہٹ تو ہوئی لیکن اس کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں تھا کہ انکوائری کو کسی اور وقت پر ٹال کر اسے جانے دیا جائے۔ سو اس نے یہی کیا۔

تسنیم خیر مناتی رخصت ہوئی لیکن شبیہ کے ذہن میں سوچ کی پرچھائیاں چھوڑ گئی تھی۔

☆☆☆

ماوی کی پچھلی رات بہت بے چینی میں کٹی تھی کہیں فجر کے وقت جا کر آنکھ لگی تو بھی بڑی بیکار سی نیند آئی۔ صبح اسے جگانے کے لیے تنوی کو آنا پڑا تھا۔

"میں نے سوچا پوچھ لوں طبیعت تو ٹھیک ہے ناں۔ ورنہ آپ اتنی دیر سوتی تو نہیں ہیں۔" تنوی نے جھینپتے ہوئے انداز میں کہا تھا کیونکہ ماوی کی آنکھیں ادھوری نیند کی غمازی کر رہی تھیں۔

"ہاں طبیعت تو ٹھیک ہے بس رات تھکاوٹ بہت ہو گئی تھی شاید اسی لیے ٹھیک سے نیند نہیں آئی۔" آنکھیں ملتے ہوئے اس نے بات سنبھالی تھی۔

"اچھا آپ فریش ہو کر آ جائیں ہم لوگوں نے آپ کے انتظار میں اب تک ناشتہ بھی نہیں کیا۔" تنوی نے جرح کا ارادہ کسی اور وقت پر ٹال کر کہا تھا۔

"ٹھیک ہے...... تم چلو...... میں بس دس منٹ میں آ رہی ہوں۔" اس نے مسکرا کر کہا تھا تنوی جواباً مسکراہٹ اچھال کر کمرے سے باہر نکل گئی۔ ماوی کچھ دیر ایسے ہی سستی سے لیٹی رہی رات کے تمام واقعات اپنے تمام تر سیاق و سباق کے ساتھ یاد آنے لگے تھے تب اٹھ بیٹھی۔ یوں ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھے رہنے یا پریشان ہونے سے تو کچھ بھی نہ ہو سکتا تھا سو بہتر تھا کہ اٹھ کر ذرا حویلی والوں کی خیر خبر معلوم کر لی جاتی۔

چند منٹ بعد وہ منہ ہاتھ دھو کر تولیے سے چہرہ تھپتھپاتی باہر نکلی تو اس کا سیل فون پورے حلق سے چیخ رہا تھا۔

''ہیلو......''

''شکر ہے تمہیں فون ریسیو کرنے کی فرصت مل گئی۔'' اس کی آواز سنتے ہی فیضان نے کہا تھا۔

''کیسے ہیں فیضان ماما!؟'' اس نے فیضان کے انداز وسوال کو نظر انداز کرتے ہوئے عام سے لہجے میں پوچھا تھا۔

''یہ کیا حماقت کی ہے تم نے؟'' فیضان نے بھی اس کا سوال نظر انداز کیا۔

''ممی آپ کو ڈیٹیلز بتا تو چکی ہیں اب مجھ سے کیا سننا چاہ رہے ہیں۔'' اس نے ٹاول بیڈ پر اچھالتے ہوئے کہا تھا۔

''مجھے صرف اتنا بتا دو اس وقت تمہاری عقل کہاں تھی جب تم آپا کی بات مان کر حویلی جا رہی تھیں۔''

ماوی نے ایک گہری سانس بھری ذہن میں ان جملوں کو، جو یہ پتا چلتے ہی کہ فیضان کو اس کے حویلی جانے کی خبر مل چکی ہے اس نے اسے مطمئن کرنے کے لیے بطور اسکرپٹ تیار کیے تھے، ترتیب دیا اور معتدل لہجے میں بولی۔

''آپ کے تمام اعتراضات درست۔ تمام خدشات بھی درست...... لیکن حقیقت یہی ہے ماما! کہ ممی نے مجھے اتنا ایموشنل بلیک میل کر دیا تھا کہ میرے پاس ان کی بات ماننے کے سوا کوئی راستہ بچا ہی نہیں تھا۔''

''جانے دو ماوی! تم کو آج تک کوئی ایموشنل بلیک میل کر سکا ہے بھلا؟......'' فیضان کا لہجہ استہزائیہ تھا

''یہ بات تم اس سے کہنا جو تمہیں جانتا نہ ہو...... اس سارے میں تمہاری سو فیصد مرضی شامل تھی تبھی تم نے حویلی جانے کا فیصلہ کیا۔ مجھے یہ بھی اندازہ ہے کہ ثمینہ آپا نے رجب بھائی سے متعلقہ حقائق کس انداز میں تمہیں سنائے ہوں گے لیکن تمہیں عقل سے کام لینا چاہیے تھا ماوی! شیر کی کچھار میں جا کر بیٹھ جانا اور یہ توقع کرنا کہ شیر آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا نری حماقت نہیں تو اور کیا ہے؟ تمہیں تو میں بہت عقلمند سمجھتا تھا۔''

ماوی نے ایک نظر گھور کر سیل فون کو دیکھا جیسے وہاں فیضان کی تصویر آ رہی ہو لیکن ساتھ ہی اس نے دل میں اعتراف بھی کیا تھا کہ فیضان بہرحال اسے بہت اچھی طرح جانتا ہے۔

''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں مجھے کوئی بلیک میل نہیں کر سکتا لیکن ممی کی بات دوسری ہے وہ ''کوئی'' نہیں ہیں میری ماں ہیں۔ پھر بات بھی میرے بابا کی تھی سو مجھے ماننا ہی پڑا اور یہ بھی سچ ہے کہ میں ممی کی بات ٹال بھی دیتی بشرطیکہ انہوں نے میرا انکار سن کر خودکشی کی کوشش نہ کی ہوتی۔''

''کیا......'' فیضان کے لیے یہ بہت بڑا دھچکا تھا۔ ''ثمینہ آپا نے خودکشی کی کوشش کی اور تم مجھے اب بتا رہی ہو۔''

''میں نے تو آپ کو باقی باتیں بھی پہلے نہیں بتائی تھیں پھر اس اعتراض کا کیا جواز ہے۔'' اس نے گہری سانس بھر کر کہا تھا۔

''پھر بھی ماوی! تمہیں ہم میں سے کسی کو تو اعتماد میں لینا چاہیے تھا۔ مجھے نہیں بتایا تو فیاض بھائی کو بتاتیں اور ان کو بھی نہیں تو شہروز سے ہی ڈسکس کیا ہوتا۔ پھر آپا کو ہینڈل کرنا ہماری ذمہ داری ہوتی۔''

''میں نے کوشش کی تھی ماما! لیکن اس وقت حالات ہی کچھ ایسے ہو گئے تھے کہ ہر بات ممی کے حق میں اور میرے خلاف جاتی تھی۔''

"تم اپنی کمزوری کو اب حالات کے کھاتے میں مت ڈالو۔" فیضان نے سلگ کر کہا تھا

"میں سچ کہہ رہی ہوں ماما! میں نے فیضان ماما سے بات کرنے کی کوشش کی تھی لیکن انہوں نے اس وقت یہ کہہ کر مجھے خاموش کروا دیا کہ می نے زندگی میں بہت مشکلات دیکھی ہیں اور مجھے ان کی ہر بات ماننا چاہیے جبکہ شہروز......" روانی سے بولتے ہوئے وہ یک لخت خاموش ہو گئی تھی۔

"ہاں اب کہہ دو کہ شہروز نے بھی ایسی ہی کوئی بات کہہ کر تمہیں خاموش کروا دیا تھا۔" فیضان نے اس کی طویل خاموشی سے اکتا کر کہا تھا۔

ماوی بری طرح چڑ گئی۔

"جی نہیں اس نے کچھ کہہ کر مجھے خاموش نہیں کروایا تھا بس جب میں نے اسے کال کی تو فون اس کی گرل فرینڈ نے ریسیو کیا تھا اور شہروز نے مجھے صرف اتنا بتایا کہ وہ کچھ روز پہلے شادی کر چکا ہے۔ اب مجھے آپ صرف اتنا بتا دیں کہ اس کے بعد میرے پاس کیا جواز رہ جاتا تھا کہ میں اپنا اتنا پرسنل معاملہ اس سے ڈسکس کرتی......" وہ ہر لفظ دانتوں تلے چبا کر ادا کر رہی تھی۔

فیضان سے کچھ بولا ہی نہیں گیا۔ کہتا بھی کیا؟ انکشاف پہ انکشاف کے اس سلسلے نے جیسے اسے گم صم ہی کر دیا تھا۔

"شہروز نے تم سے خود کہا کہ وہ شادی کر چکا ہے؟" اس نے جیسے دل کی تسلی کے لیے پوچھا تھا

"نہیں...... میں جھوٹ بول رہی ہوں۔" ماوی بری طرح تاؤ کھا کر بولی۔ "اور پتا نہیں میں آپ کو اتنی وضاحتیں کیوں دے رہی ہوں جبکہ آپ کو میری کسی بات کا یقین ہی نہیں آ رہا......"

"یہ بات نہیں ہے کہ مجھے یقین نہیں آ رہا۔" فیضان نے کہا۔ "لیکن تمہاری ساری باتیں اتنی ناقابل یقین ہیں کہ میں چاہ کر بھی یقین نہیں کر پا رہا۔"

"ٹھیک ہے پھر میں فون بند کرتی ہوں جب آپ کو یقین آ جائے تب بات کر لیں گے ویسے بھی مجھے بہت بھوک لگ رہی ہے اور سب لوگ ناشتے پر میرا انتظار کر رہے ہیں۔"

"میرا یہاں پریشانی سے برا حال ہے اور تمہیں اپنے ناشتے کی پڑی ہوئی ہے۔"

تو اور کیا کروں؟...... بھلا اس پریشانی کا کوئی فائدہ ہے؟" وہ جلد ہی اپنی سابقہ ٹون میں لوٹ آئی تھی۔

"تم صرف یہ کرو کہ اپنا سامان سمیٹو اور فوراً سے پیشتر لاہور پہنچ جاؤ۔" فیضان نے حکمیہ انداز میں کہا تھا۔

"ایم سوری ماما! آپ کی بات اب نہیں مان سکتی۔ شیر کی کچھار میں آ ہی گئی ہوں تو اس کے منہ کا نوالہ چھینے بغیر واپس نہیں آؤں گی۔" اس نے سنجیدگی سے کہا تھا۔

"ڈائیلاگ ذرا کم بولو تو اچھا ہوگا۔" فیضان نے کہا ماوی جھنس دی۔

"تو آپ کا کیا خیال تھا ڈائیلاگز صرف آپ بول سکتے ہیں۔" اس کا انداز نیم سنجیدہ سا تھا۔ "مطلب صرف یہ تھا کہ اب یہاں آ ہی گئی ہوں تو ثبوت لیے بغیر واپس نہیں آؤں گی۔"

"ٹھیک ہے تم نہیں آرہی تو میں وہاں آتا ہوں۔" فیضان نے حتمی انداز میں کہا تھا۔

"اور اس سے کیا ہوگا؟" ماوی نے پوچھا۔ "کیا یہ لوگ ہمیں ثبوت جلد فراہم کردیں گے؟...... نہیں کبھی نہیں...... الٹا بنا بنایا کھیل بگڑ جائے گا آپ میرے لیے مشکلات کھڑی کرنے کے سوا اور کچھ نہیں کرسکتے۔"

"ان سب باتوں کے باوجود میں تمہیں وہاں اکیلے رہنے نہیں دے سکتا۔ اگر ان لوگوں نے تمہیں کوئی نقصان پہنچا دیا تو......"

"میں جب یہاں آرہی تھی تو میں نے بھی ممی سے یہی کہا تھا۔ آپ کو جو خدشات اب لاحق ہیں مجھے اس وقت بھی تھے۔ لیکن ہوا کیا؟ یہی کہ مجھے یہاں آنا ہی پڑا۔ اپنی مرضی سے یا ممی کے فورس کرنے پر...... یا شاید یہ بات میری قسمت میں لکھی ہوئی تھی...... جو بھی ہوا مجھے آنا تو پڑا۔ اور اب آ ہی گئی ہوں تو ہر بات سے لاپرواہ ہو کر وہ کام کرنا چاہتی ہوں جس کے لیے یہاں آئی تھی۔ مجھے کوشش کر لینے دیں ماما! ہوسکتا ہے میں کامیاب رہوں۔"

"محض مفروضوں کی بنیاد پر وہاں بیٹھے رہنا اور بھی بڑی حماقت ہوگی ماوی!" فیضان نے نرمی سے سمجھانا چاہا۔

"نہیں اب ایسی بھی کوئی بات نہیں ہے میرا خیال ہے مجھے کچھ ہی اور دن یہاں رکنا پڑے گا۔ جلد ہی مجھے ثبوت مل جائیں گے۔"

"میں آرہا ہوں وہاں۔ اور تمہاری کوئی بات بھی نہیں سنونگا۔" فیضان نے اس کی ساری باتوں کو نظر انداز کرتے ہوئے فیصلہ کن انداز میں کہا تھا۔

"پلیز ماما! ٹرائے ٹو انڈر اسٹینڈ......" اس نے جھنجھلا کر کہا تھا

"زیادہ سے زیادہ بھی میں ایک یا دو دن میں حویلی میں ہوں گا تم اپنا سامان پیک کر رکھو۔" فیضان نے اس کی اگلی بات سنے بغیر ہی فون بند کر دیا۔ ماوی نے بیزاری سے سیل فون بیڈ پر اچھال دیا۔ رات بھر میں وہ اسی نتیجہ پر پہنچی تھی کہ اسے جلد از جلد حویلی سے نکلنا چاہیے فیضان سے بات کر کے اس کے ارادے میں پختگی آئی تھی کیونکہ وہ جانتی تھی فیضان نے اگر کہا ہے تو وہ پہنچ ہی جائے گا اور اس سے پہلے کہ صورتحال بگڑتی یا معاملہ اس کے ہاتھ سے نکلتا اسے ثبوتوں تک رسائی حاصل کرنا تھی۔

☆☆☆

فیضان نے ابھی فون بند کیا ہی تھا کہ اس کے آفیشل نمبر پر کال آنے لگی۔

"اسلام وعلیکم توقیر بھائی! بڑے دن بعد مجھے یاد کیا۔" اس نے حتی المقدور اپنا لہجہ فریش رکھا تھا۔

"واسلام...... یار میں نے تو پھر بھی تمہیں یاد کیا تمہیں اتنی بھی توفیق نہ ہوئی۔" انہوں نے جواباً فوراً جتا دیا تو فیضان قہقہہ لگا کر ہنس دیا۔

"کیا کروں توقیر بھائی! اس کاروبار نے تو سر اٹھانے کے قابل بھی نہیں چھوڑا اتنی مصروفیت ہے کہ بس......"

اچھا سنو...... دانیال کے ساتھ آجکل تمہارے تعلقات کیسے چل رہے ہیں؟" اچانک توقیر صاحب نے پوچھا

فیضان الجھے۔ سوال کچھ عجیب سا تھا

"کیا مطلب توقیر بھائی! یہ کیسا سوال ہے میں کچھ سمجھا نہیں۔"

"مطلب یہ کہ تمہارا کوئی جھگڑا وغیرہ تو نہیں ہوا کاروباری معاملات میں سو طرح کے اتار چڑھاؤ آجاتے ہیں، اسی حوالے سے پوچھ رہا ہوں......"

"نہیں ایسا تو کچھ بھی نہیں ہوا۔" فیضان نے سابقہ الجھن کے ساتھ جواب دیا تھا۔ "بلکہ میرا خیال ہے بطور بزنس پارٹنرز ہمارے تعلقات تو مثالی ہیں۔"

"اگر ایسی بات ہے تو دانیال پارٹنر شپ ختم کرنے کی بات کیوں کر رہا ہے؟" توقیر صاحب نے مزید الجھ کر جیسے خود کلامی کے انداز میں کہا تھا بلکہ درحقیقت فیضان کے سر پر بم دے مارا تھا۔

"یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ؟"

ہاں فیضان! میں نے اسی لیے تمہیں فون کیا ہے ابھی تھوڑی دیر پہلے میری دانیال سے بات ہوئی ہے اور اس نے مجھ سے کہا کہ وہ تمہارے ساتھ مزید کام نہیں کرنا چاہتا اس لیے پارٹنر شپ کو ختم سمجھا جائے میں تمہیں انفارم کر دوں کہ جلد از جلد اس کی ایجنسی خالی کر دو اور یہ کہ اس کا وکیل ایک دو روز میں تمہیں نوٹس بھی بھجوا دے گا۔ میں تو خود بہت حیران ہوا اس کی باتیں سن کر اسی لیے تمہیں فوراً فون کیا کہ اصل معاملے کا پتا لگاؤں۔ کاروبار کونسا معمولی بات ہے کہ جب دل کیا شروع کر لیا جب دل چاہا ختم کر دیا۔"

"بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں آپ۔ مانتا ہوں میرا سرمایہ دانیال بھائی سے کم ہے لیکن میری تو ساری جمع پونجی اس کاروبار میں لگ چکی ہے۔ میں کیسے اچانک پارٹنر شپ ختم کرنے کا متحمل ہو سکتا ہوں۔" اسے سمجھ نہیں آرہی تھی کیا کہے۔

"میں نہیں مانتا کہ دانیال بھائی نے ایسا کچھ کہا ہوگا آپ کو ضرور کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔"

"نہیں فیضان! مجھے غلط فہمی ہرگز نہیں ہوئی۔" توقیر صاحب نے متحمل لہجے میں کہا تھا۔ "دانیال نے میرے سامنے اپنا ارادہ ہی ظاہر کیا ہے، ہاں لیکن ساتھ ہی اس نے یہ بھی کہا کہ تم کو ایجنسی خالی کرنے کا کہہ دوں۔"

"میں کل چھ بجے تک ان کے پاس بیٹھا ایک پراجیکٹ ڈسکس کرتا رہا ہوں۔ اگر کوئی ایسا ارادہ تھا بھی تو انہوں نے مجھ سے اس وقت کیوں نہیں کہا؟"

"ہاں...... یہ ایک اور حیرانی کی بات ہے۔"

"ضرور کوئی مس انڈر اسٹینڈنگ ہو رہی ہے توقیر بھائی!"

"میں دانیال سے دوبارہ بات کرتا ہوں۔"

"نہیں آپ فون پر بات نہ کریں۔ میں آپ کو پک کر لیتا ہوں ہم دونوں دانیال بھائی کے آفس جا کر بات کرتے ہیں۔ اچھا ہے کہ کوئی کنفیوژن نہ رہے۔" فیضان نے کہا تھا۔

"ٹھیک ہے میں تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔"

☆☆☆

کچھ دیر بعد وہ دونوں دانیال حسن کے آفس پہنچ گئے تھے اور دانیال حسن نے انتہائی بدتمیزی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان دونوں سے ملنے سے انکار کر دیا تھا۔

"واٹ دا ہیل...... آخر اس طرح کے رویے سے دانیال بھائی ثابت کیا کرنا چاہ رہے ہیں۔" فیضان یکدم طیش میں آ گئے تھے۔

"مانتا ہوں میرے شیئرز پچیس فیصد ہیں لیکن ان کے پاس بھی ایسا کوئی اختیار نہیں ہے کہ پارٹنر شپ کو اس طرح اچانک ختم کریں۔" وہ پہلے ہی ماوی کی طرف سے پریشانی کا شکار تھے اس افتاد پر بالکل ہی آؤٹ ہونے لگے۔

توقیر صاحب نے قدرے بوکھلا کر انہیں دیکھا۔ دانیال نے اگر کسی وجہ سے جلد بازی کا مظاہرہ کیا ہے تو ان کا خیال تھا فیضان ضرور تحمل کا ثبوت دیں گے۔

"تم اپنا ٹمپرامنٹ لوز مت کرو میں دانیال سے بات کرتا ہوں۔" توقیر صاحب نے جیب سے اپنا سیل فون نکالتے ہوئے کہا تھا۔ کچھ فاصلے پر جا کر انہوں نے بات کی تبھی دانیال حسن کا پیون ان کا بلاوا لیے چلا آیا۔

"تم ذرا یہاں انتظار کرو فیضان! میں دانیال سے بات کرتا ہوں۔"

فیضان نے جز بز ہو کر انہیں دیکھا انتہائی سبکی محسوس ہو رہی تھی لیکن بات ماننے کے سوا کوئی چارہ بھی نہ تھا۔ سو ناچار اثبات میں سر ہلا دیا۔

☆☆☆

"آؤ توقیر!......" دانیال حسن نے ان کو دیکھتے ہی کہا تھا۔

"کیا حماقت ہے یار دانیال!...... باہر فیضان بھی آیا بیٹھا ہے تمہیں اسے بھی اندر بلانا چاہیے۔" توقیر صاحب نے آتے ہی ان کے لتے لیے تھے۔

"میں اس گھٹیا انسان کی شکل دیکھنا نہیں چاہتا تم اندر بلانے کی بات کر رہے ہو۔" دانیال حسن نے انتہائی غصے کی کیفیت میں کہا تھا۔

"آخر ہوا کیا ہے جو تم اتنا بھڑکے ہوئے ہو؟ میں نے فیضان سے پوچھا تو وہ بھی لاعلمی ظاہر کر رہا ہے۔ الٹا وہ تو پارٹنر شپ ختم کرنے کی بات سن کو بری طرح پریشان ہوا ہے۔"

"ظاہر ہے اس کی ساری حکمت عملی جو دھری کی دھری رہ گئی اس نے تو پریشان ہونا ہی ہے۔" دانیال حسن نے تنفر کے ساتھ کہا تھا۔

"دانیال! کیا بہتر نہیں ہوگا کہ تم مجھے اصل بات بتاؤ۔ اس طرح پہیلیاں بجھواتے رہو گے تو میں کچھ بھی نہیں سمجھ سکوں گا۔"

"میں یہ معاملہ یہاں ڈسکس کرنا ہی نہیں چاہتا اسی لیے تمہیں کہا تھا کہ ابھی نہیں مل سکتا گھر پہ بات ہوگی لیکن تمہاری ضد......"

"میں بتا چکا ہوں مجھے آج رات کی فلائیٹ سے ایبٹ آباد جانا ہے واپسی میں شاید دس پندرہ دن لگ جائیں اسی لیے میں چاہ رہا تھا تم اور فیضان آمنے سامنے بیٹھ کر جو بھی مس انڈر اسٹینڈنگ ہے اسے دور کر لو...... یار! کاروبار کیا گڑیا گڈے کا کھیل ہوتا ہے کہ جب دل چاہا ختم کر دیا......"

"تمہیں اس لڑکے کی حقیقت نہیں پتا۔ جب پتا چلے گی تو تمہیں اندازہ ہوگا میں کتنے تحمل کا مظاہرہ کر رہا ہوں۔"

"ہوا کیا ہے دانیال!" توقیر صاحب نے عاجز ہو کر کہا تھا۔

دانیال حسن تذبذب میں پڑے رہے جیسے فیصلہ نہ کر پا رہے ہوں کہ بتائیں یا نہیں۔ پھر بالآخر ایک حتمی فیصلے پر پہنچ کر انہوں نے کہنا شروع کیا اور جو بات انہوں نے توقیر صاحب کے گوش گزار کی وہ توقیر صاحب کو بھی دم بخود کر دینے کے لیے کافی تھی۔

"آئی کانٹ بلیو دس...... میں فیضان کو بہت اچھی طرح سے جانتا ہوں وہ اس طرح کی حرکت کر ہی نہیں سکتا۔"

"تم میرے دوست ہو یا اس کے وکیل بن کر آئے ہو؟......"

"لیکن دانیال!...... میں فیضان کی شرافت کا حلف اٹھا سکتا ہوں اس کا سارا بچپن جوانی میرے سامنے گزری ہے آج تک اس کے بارے میں ایسی کوئی بات سامنے نہیں آسکی جو اس کے کردار میں جھول ظاہر کرے اس لیے میرا دل مان ہی نہیں رہا کہ فیضان اینیا کو ٹریپ کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔"

"وتمہیں اس کی شرافت پر بھروسہ ہے تو مجھے اپنے بیٹے کی سچائی پر رتی بھر بھی شک نہیں ہے۔ میں نے بھروسہ کرتے ہوئے اسے اپنے گھر میں رہنے کی اجازت دی اور اس نے میری بیٹی کو ہی گمراہ کرنا شروع کر دیا۔ اینیا بہت معصوم ہے کچھ نہ کچھ اس کی باتوں میں آ ہی گئی اور یہ بھی شکر ہے کہ ولید نے مجھے بروقت آگاہ کر دیا ورنہ اس نے تو میری عزت خاک میں ملانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی......"

تیز تیز بولتے اور غصے سے ہاتھ مسلتے دانیال حسن کا تنفس اشتعال کے مارے بری طرح پھول رہا تھا۔

☆☆☆

ماوی حویلی کے مختلف حصوں میں تسنیم کو ڈھونڈتی پھر رہی تھی دو تین ملازمین سے بھی سرسری انداز میں پوچھ لیا مگر وہ نہ جانے کہاں غائب ہو چکی تھی کہ ملنے کا نام ہی نہ لے رہی تھی۔ پھر عین اس وقت جب ماوی مایوس ہو چکی تو تسنیم پتا نہیں کہاں سے اچانک اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔

"اچھا ہوا بی بی! آپ مجھے یہاں مل گئیں۔" حسب معمول وہ جلدی میں تھی۔

"تم کہاں غائب ہو گئی تھیں تسنیم! میں کب سے تمہیں ڈھونڈ رہی ہوں۔" ماوی نے کہا

"اس بات کو چھوڑ دیں بی بی! کہ میں کہاں تھی اہم بات یہ ہے کہ چھوٹے چوہدری کو مجھ پر شک ہو گیا ہے کہ میں آپ کی مدد کر رہی ہوں۔" اس کا محتاط لہجہ سراسیمگی کا غماز تھا۔

"کیا...... لیکن تمہیں کیسے پتا چلا۔" ماوی نے پریشانی سے پوچھا۔

"کل آپ کے جانے کے بعد، جب میں تالا لگا رہی تھی تو وہ پچھلی طرف آئے تھے اور آپ کا بھی پوچھ رہے تھے وہ تو شکر ہے کہ اسی وقت کوثر مجھے بلانے آ گئی کہ بڑی چودھرائن نے بلوایا ہے اسی لیے بچت ہو گئی ورنہ میں تو بری پھنستی......" تسنیم بتا رہی تھی۔

"بلکہ پھنستی کیا۔ مجھے تو لگتا ہے میں پھنس چکی ہوں کسی بھی وقت چودھری جی پوچھ کچھ کے لیے بلوا سکتے ہیں......"

"پھر اب کیا کیا جا سکتا ہے؟" ماوی نے کسی قدر متفکر ہو کر پوچھا تھا

"دوبارہ تو شاید ہمیں بات کرنے کا موقع نہ مل سکے اس لیے میں آپ کے لیے یہ لے آئی ہوں۔" تسنیم نے دوپٹے کے پلو سے بندھا ایک بوسیدہ سا لفافہ اس کی طرف بڑھا دیا۔

"یہ کیا ہے؟" ماوی نے پوچھا۔

"میں پڑھی لکھی نہیں ہوں کہ صحیح بتا سکوں لیکن میرا اندازہ ہے کہ خط ہی ہوگا۔ اور مجھے یہ بھی نہیں پتا کہ یہ کس نے کس کو لکھا ہے مگر میرا دل کہتا ہے کہ اس خط سے آپ کو اپنے بابا کے قاتل تک پہنچنے میں ضرور مدد ملے گی کیونکہ جب آپ کی امی اس حویلی سے جا رہی تھیں ان دنوں میرے بابا بیمار تھے اور انہوں نے مجھے یہ لفافہ دے کر کہا تھا کہ آپ کی امی کو دے دوں۔ میں نے ان تک پہنچانے کی بہت کوشش کی تھی لیکن انہیں جلدی میں حویلی سے جانا پڑا اور وہ خط نہ لے جا سکیں تب میرے بابا کو بہت افسوس ہوا تھا اور انہوں نے مجھ سے کہا تھا میں یہ لفافہ سنبھال کے رکھوں اور اگر بھی رجب چاچا سے وابستہ کسی انسان سے ملاقات ہو سکے تو اسے دے دوں۔ جب تک بابا کے بولنے کی صلاحیت کام کرتی رہی وہ مجھے یہی تاکید کرتے رہے تھے۔ مجھ سے غلطی ہوئی رات کو جب آپ پچھلی طرف آئی تھیں مجھے یا اسی وقت آپ کو دے دینا چاہیے تھا کم سے کم سر پر تلوار تو نہ لٹکتی رہتی۔"

"کون سی تلوار؟" وہ جو لفافے کو الٹ پلٹ کر دیکھ رہی تھی حیرانی سے بولی۔

"یہی کہ آپ تک پہنچنے سے پہلے کوئی گڑبڑ نہ ہو جائے۔"

"ٹھیک ہے تسنیم! تمہارا شکریہ کہ تم نے میری اتنی مدد کی۔ خدا کرے مجھے اسی خط سے کوئی ٹھوس ثبوت مل جائے تاکہ مزید کسی کی مدد نہ لینا پڑے۔" ماوی نے قدرے بیزاری سے کہا تھا۔

"آمین......" تسنیم نے صدق دل سے کہا تھا پھر کچھ خیال آنے پر پوچھنے لگی۔ "بی بی! اگر آپ کو ثبوت مل گئے تو کیا آپ فوراً واپس چلی جائینگی؟"

"ہاں...... بلکہ فوراً سے بھی پیشتر۔" ماوی نے سرعت سے کہا اور اس کا انداز صاف ظاہر کرتا تھا کہ وہ خود بھی حد سے زیادہ بیزار ہے۔

"میں چلتی ہوں بی بی! ایسا نہ ہو کوئی مجھے آپ سے بات کرتا دیکھ لے اور کھٹک جائے۔"

ماوی نے اثبات میں سر ہلا دیا اور وہ دونوں مخالف سمت میں مڑ گئیں۔ ماوی کی ساری توجہ اپنے ہاتھ میں دبے لفافے کی طرف تھی کیسا اسرار پوشیدہ تھا اس لفافے میں کہ وہ چاہ کر بھی اس کی طرف سے دھیان ہٹا نہیں پا رہی تھی۔

وہ اپنی جھونک میں تھی کہ سامنے سے آتے جلال سے ٹکراتے ٹکراتے بچی۔

مرد چاہے کتنا بھی سیدھا یا معصوم کیوں نہ ہو اسے ایسے ٹکراؤ بہت پسند آتے ہیں خصوصاً تب جب صنف مخالف سے شرعی رشتہ بھی ہو تو ایسے ٹکراؤ کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔

"کہاں بھاگی پھر رہی ہیں آپ محترمہ!" جلال نے خوشگواری سے پوچھا تھا۔

"کہیں بھی تو نہیں۔" ماوی نے نادانستہ لفافے والا ہاتھ پیچھے کر لیا تھا۔

''میں بس نمل کو ڈھونڈ رہی تھی اس نے کہا تھا وہ مجھے سب کی پرانی تصویریں دکھائے گی۔'' اسے بروقت بہانہ سوجھ گیا تھا۔

''ہوں......'' جلال نے مسکراتے ہوئے سر ہلایا۔ ''نمل وغیرہ سے اچھی دوستی ہو گئی ہے تمہاری۔''

''آ...... ہاں۔'' ماوی نے ہونقوں کی طرح مسکرا کر کہا تھا اور کہتی بھی کیا؟

جلال بے سبب ہنس دیا پھر بغور اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

''تمہیں حویلی میں کوئی پریشانی ہو تو مجھے بتانا۔''

''ہاں ضرور......'' ماوی بھی دانستہ مسکرا کر بولی تھی اور ان دونوں نے ہی بیک وقت محسوس کیا تھا کہ بظاہر ان دونوں کے درمیان کل ایک نازک سا لمحہ آ کر گزر گیا تھا جس کی کوئی حیثیت بھی نہ تھی لیکن اس ایک لمحے کے نقوش ان دونوں کے ذہنوں میں نہ صرف باقی تھے بلکہ وہ دونوں ہی اپنی اپنی جگہ شرمندہ بھی تھے اسی شرمندگی کے مارے بے سبب گفتگو کیے جا رہے تھے۔

''وہ نمل آ رہی ہے میں چلتا ہوں۔'' معاً جلال نے کہا تھا ماوی بری طرح کھٹک گئی تھی اس پر جیسے کسی سوچ کا در وا ہوا تھا۔

''کل تم نے تنوی کے ڈر سے مجھے چھپا دیا آج نمل کے ڈر سے بھاگ رہے ہو اس کے باوجود کہتے ہو کہ کوئی پریشانی ہو تو تمہیں بتاؤں۔ تم تو مجھے بیچ راستے میں چھوڑنے کی صلاحیت رکھتے ہو جلال!'' اس کا لہجہ اچھا خاصا طنزیہ تھا جلال پر ڈھیروں پانی آ گرا ہو جیسے۔ وہ تیزی سے چلا گیا تھا۔

ماوی نے اسی طنزیہ انداز میں سر جھٹکا۔

''اور ممی اس سے امید لگائے بیٹھی ہیں کہ مجھے مسئلہ درپیش ہوا تو یہ میری مدد کرے گا...... اونہہ...... بزدل۔''

☆☆☆

''تمہارا ولید سے کوئی جھگڑا ہوا ہے کیا؟'' واپس جاتے ہوئے توقیر صاحب نے فیضان سے پوچھا تھا۔ دانیال حسن نے ان کے سمجھانے کے باوجود فیضان سے ملنے سے انکار کر دیا تھا۔

''مجھے پتا ہے فیضان کو دیکھتے ہی میں اپنا غصہ کنٹرول نہیں کر پاؤں گا اور آفس میں میں کوئی سین کری ایٹ نہیں کرنا چاہتا اس لیے بہتر ہو گا تم فیضان سے کہو فی الحال یہاں سے چلا جائے۔ اسے جو بھی کہنا ہے وہ میں گھر میں سن لوں گا لیکن انیکسی اسے فارغ کرنا ہی ہو گی۔ اب اسے اپنے گھر میں میں ہرگز برداشت نہیں کر سکتا۔'' بہت سمجھانے کے بعد دانیال حسن کے انداز میں بس اتنی سی لچک آئی تھی البتہ لہجہ ابھی بھی دوٹوک اور غیر مبہم رہا تھا۔

فیضان اس پذیرائی پر الگ غصے میں تھے لیکن چونکہ توقیر صاحب کو انہوں نے ہمیشہ بڑے بھائیوں والا درجہ دیا تھا سو ان کی بات مانتے ہوئے چپ چاپ واپس آ گئے تھے۔

وہ دونوں لفٹ سے نکل کر پارکنگ کی طرف جا رہے تھے کہ توقیر صاحب نے پوچھ لیا۔

گاڑی کا دروازہ کھولتے ہوئے فیضان بری طرح چونکے۔

''نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔ آپ سے کس نے کہا کہ میرا ولید سے جھگڑا ہوا ہے؟...... بلکہ میری تو اس سے آخری ملاقات بھی بہت

دن پہلے ہوئی تھی۔" فیضان سوچ سوچ کر بول رہے تھے جیسے اس کی اور اپنی آخری ملاقات یاد کرنے کی کوشش کر رہے ہوں۔

"اچھا......" توقیر صاحب نے محض اتنا کہا اور خاموش ہو گئے۔ فیضان نے گاڑی اسٹارٹ کر کے پارکنگ سے نکالی پھر سیدھی سڑک پر ڈال دی اس دوران وہ منتظر رہے کہ توقیر صاحب کچھ کہیں گے لیکن ان کی خاموشی کچھ زیادہ ہی طوالت پکڑ گئی تھی جیسے وہ کسی گہری سوچ میں ہوں۔

"آپ نے میری بات کا جواب نہیں دیا توقیر بھائی!" بالآخر فیضان نے ہی خاموشی کو توڑا تھا۔

"یار فیضان! میں سمجھ نہیں پار ہا کہ کس طرح بات کو ایکسپلین کروں۔" توقیر صاحب نے معذوری ظاہر کی فیضان اور بھی الجھ گئے۔

"آپ مجھے کانشس کر رہے ہیں آخر ایسی کیا بات ہے......؟"

دراصل......" توقیر صاحب نے تمہید باندھنے کے ارادے سے گہری سانس لے کر بات کا آغاز کیا تھا۔

"ولید نے دانیال سے کہا ہے کہ تم......اس کے سارے کاروبار پر قبضہ کرنے کے لیے......ایشا کو ٹریپ کر رہے ہو۔"

"کیا......" گاڑی ایک جھٹکا کھا کر رک گئی کیونکہ فیضان کا پاؤں بے ساختہ بریک پر جا پڑا تھا ورنہ سامنے والی گاڑی سے ٹکراؤ یقینی تھا۔

"سنبھل کر......" توقیر صاحب نے تیزی سے کہا تھا۔

حادثہ ہوتے ہوتے رہ گیا تھا دونوں کو اس ٹرانس سے نکلنے میں چند منٹ لگے اس دوران پیچھے ٹریفک کی ایک لائن لگ چکی تھی۔

"پارٹنر شپ ختم کرنے کے لیے اس سے زیادہ گھٹیا بہانہ نہیں بنایا جا سکتا تھا۔" گاڑی دوبارہ اسٹارٹ کرتے ہوئے فیضان نے دانت پیس کر کہا تھا۔

"تم ہائپر مت ہو فیضان! اگو کہ میں جانتا ہو یہ کہنا بھی فضول ہے بات ہی ایسی ہے کہ کسی بھی شریف انسان کی برداشت جواب دے سکتی ہے۔" توقیر صاحب نے انہیں ٹھنڈا کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا تھا

"میں ایسی گھٹیا بات سوچ بھی نہیں سکتا۔ آخر دانیال حسن نے یا ولید نے کیا سوچ کر یہ بات کہی ہے......ایسی کونسی کجی نظر آ گئی ان لوگوں کو میرے کردار میں؟......"

"میں تمہیں اچھی طرح جانتا ہوں اسی لیے میں نے دانیال سے کہا کہ ولید کی بات سراسر جھوٹ ہے لیکن اس کے ساتھ ہی مجھے تشویش ہوئی کہ آخر ولید نے ایسی فضول بات کی کیوں ہے۔ آخر اس کے پیچھے کوئی نہ کوئی وجہ تو ہوگی۔"

"اب یہ تو وہ ہی بتا سکتا ہے کہ اس کے دماغ میں کیا آیا...... مجھے تو یہ سارا خاندان ہی پاگل لگتا ہے۔" فیضان نے غصے اور جھنجلاہٹ کے ساتھ کہا تھا۔

توقیر صاحب نے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اس کے غصے کو کم کرنے کی کوشش کی تھی۔

"میں نے دانیال کو بھی سمجھایا ہے۔ وہ رات میں تم سے بات کرنے پر آمادہ ہوا ہے۔"

"مہربانی ان کی...... بڑا احسان کیا میرے سر پر۔"

"تمہیں اپنی صفائی میں کچھ بھی کہنا برا لگے گا لیکن بعض اوقات انسان کو ناپسندیدہ کام کرنا پڑ جاتے ہیں سو......" توقیر صاحب نے گہری سانس بھر کر کہا تھا۔ فیضان کے خون میں جیسے شرارے دوڑ رہے تھے۔ بھلے ہی انہوں نے توقیر صاحب سے کچھ نہ کہا تھا لیکن بہر حال سارا معاملہ تو انہیں سمجھ آ ہی چکا تھا کہ اینیا کی مہربانی نے کسی نہ کسی کو ان کی نیک نامی پر انگلی اٹھانے کا موقع فراہم کر ہی دیا تھا۔ اور ان کا بس نہ چلتا تھا کہ اینیا کی گردن ہی دبا دیں۔

☆☆☆

"میں نے تم سے کہا تھا اپنے کپڑے استری کرنے کے لیے سلیمہ کو دے دو۔"

نمل نے کچھ خیال آنے پر ماوی سے کہا تھا۔ وہ اسے پرانی تصویروں کا البم دکھا رہی تھی اور تصویریں تھیں کہ ختم ہونے کا نام ہی نہ لیتی تھیں۔ ماوی کی جان اس لفافے میں اٹکی تھی جو اس کی الماری کے نچلے خانے میں حفاظت سے رکھا تھا اور جسے کھولنے کا موقع اسے اب تک نہ مل سکا تھا۔ اس نے کئی بار کوشش کی کہ کسی طرح کچھ دیر کمرے میں جا کر بیٹھنے کا موقع مل جائے لیکن ہر بار کوئی نہ کوئی اسے واپس بیٹھا لیتا تھا۔ ناچار ماوی کو فرصت ملنے کا انتظار کرنا تھا اور اب وہ بڑے تحمل سے بیٹھی اس وقت کا انتظار کر رہی تھی۔

تنوی نے کئی بار کوشش کی کہ کسی طرح اسے ماوی سے اس کے اور جلال کے متعلق پوچھنے کا موقع مل جائے۔ ایک آدھ بار جب موقع ہاتھ آیا بھی تو سارے تجسس کے باوجود اسے مناسب لفظ نہ مل سکے تھے۔

"ماوی! تم آج جو سوٹ پہننے والی ہو وہ میں نے اب تک نہیں دیکھا۔" معاً تنوی کو ماوی کو سب کے درمیان سے اٹھانے کا ایک بہانہ سوجھ ہی گیا تھا۔

"آؤ...... میں تمہیں دکھاتی ہوں۔" ماوی نے اس موقع کو غنیمت جانتے ہوئے جلدی سے کہا تھا

"تمہیں یہاں سے جانے کی کیا ضرورت ہے۔ کوثر جا ذرا بی بی کے کمرے سے ان کا سوٹ لے آؤ۔" تحریمہ بھابھی نے کہا تھا۔

"نہیں بھابھی! اسے پتا نہیں چلے گا کہ سوٹ کہاں ہے میں خود نکال لاتی ہوں۔" اس نے بعجلت اٹھتے ہوئے کہا تھا مبادہ موقع ہاتھ سے نکل ہی نہ جائے۔

"میں بھی ساتھ آتی ہوں۔" تنوی بھی اس کے پیچھے دوڑی تھی۔

وہ دونوں آگے پیچھے ماوی کے کمرے میں داخل ہوئی تھیں۔

"تم بیٹھو...... میں اپنا ڈریس لے کر آتی ہوں۔"

"رہنے دو ماوی! تمہارا ڈریس تو میں نے دیکھ رکھا ہے۔"

"ایں......" ماوی بری طرح حیران ہوئی۔ "لیکن تم نے تو کہا تھا کہ......" اس کی بات ادھوری رہ گئی تنوی نے اس کی بات قطع کی تھی۔

"وہ تو میں نے اس لیے کہا تھا کہ تمہارے ساتھ کچھ دیر بیٹھنے کا موقع مل سکے۔ دراصل میں تم سے کچھ پوچھنا چاہ رہی تھی۔" اس نے

جھجکتے ہوئے کہا تھا۔

"ہاں پوچھو۔"

"نہیں۔ پہلے تم وعدہ کرو کہ میری کسی بات پر خفا نہیں ہو گی۔"

ماوی ہنس دی۔"ہاں بھئی میں خفا نہیں ہوں گی۔ تم پوچھو جو پوچھنا ہے۔"

"وہ دراصل......" تنوی کو اس کا لہجہ خاصا حوصلہ افزا لگا تھا۔"میں نے شبیہ بھائی اور جلال بھائی کو بات کرتے ہوئے سنا تھا وہ لوگ کہہ رہے تھے کہ تم جلال بھائی کی منکوحہ ہو۔"

"من......کو......حہ......؟" ماوی نے ناسمجھی سے کہا تھا۔

"یعنی تم ان کی بیوی ہو۔ نکاح کیا ہے تم نے ان سے۔ میں یہی جاننا چاہ رہی ہوں کہ کیا یہ درست ہے یا مجھے کوئی غلط فہمی ہوئی ہے؟" اس کے لہجے میں دبا دبا سا جوش تھا۔

"جب خود سن ہی لیا ہے تو مجھ سے کیوں پوچھ رہی ہو؟ اپنے بھائیوں کی بات پر یقین نہیں ہے کیا؟"

"یہ بات نہیں ہے نمل اور حرم آپا میری بات پر یقین ہی نہیں کر رہیں وہ اتنے وثوق سے میری بات کو رد کرتی ہیں کہ میں خود کنفیوژ ہو جاتی ہوں کہ جو سنا وہ درست بھی تھا یا میری غلط فہمی تھی۔" اس نے بیچارگی سے کہا تھا۔

ماوی ہولے سے مسکرا دی۔"ہاں تنوی جو تم نے سنا وہ درست ہے۔ لیکن وعدہ کرو اس بارے میں تم کسی کو کچھ نہیں بتاؤ گی۔"

"لیکن کیوں؟" وہ جو پر جوش ہو کر چیخنا چاہتی تھی اچنبھے میں پڑ گئی۔

"دراصل میرے حویلی آنے سے پہلے ہی میں اور جلال نکاح کر چکے تھے اور ہم یہ بھی نہیں جانتے تھے کہ ہمارے درمیان کوئی رشتہ داری ہے یہ تو ہمیں تب پتا چلا جب یہاں حویلی میں ہمارا آمنا سامنا ہوا تبھی میں نے اور جلال نے ڈیسائیڈ کیا تھا کہ جب تک جلال کو مناسب نہیں لگے گا اور حویلی کے تمام افراد مجھے یہاں کا ایک فرد نہیں سمجھ لیتے نکاح کے بارے میں کسی کو نہیں بتائیں گے۔ اب اگر تم نے یہ بات ڈس کلوز کر دی تو ہم دونوں کے لیے بہت ٹینشن کری ایٹ ہو جائے گی۔ شاید دادی جان اس بات پر بری طرح ری ایکٹ کریں۔ امید ہے تم میری بات سمجھ گئی ہو گی۔"

"تم بے فکر رہو میں کسی کو کچھ نہیں بتاؤں گی۔" تنوی نے اسے یقین دلاتے ہوئے کہا تھا اور اس کا چہرہ خوشی سے جیسے دمک رہا تھا۔

"لیکن میں بہت خوش ہوں۔ جلال بھائی بہت اچھے ہیں تم بہت لکی ہو ماوی!" وہ چہکنے لگی تھی اس کی باتیں زیادہ تر جلال کے گرد ہی گھوم رہی تھیں اور اس کا بس نہ چلتا تھا کہ ماوی کو اس کی خوش قسمتی کا یقین دلا دے۔ ماوی کبھی پوری توجہ سے اور کبھی بے توجہی سے اس کی باتوں کے جواب دیتی رہی یہاں تک کہ بارات کے آنے کا وقت ہو گیا اور ملازمہ کو ان دونوں کو بلانے کے لیے آنا پڑا۔ ماوی بوجھل قدموں سے اس کے ساتھ چل دی تھی کیونکہ اس لفافے کو کھولنے کا موقع اسے تا حال نہ مل سکا تھا۔

☆☆☆

سب لڑکیاں زور و شور سے تیار ہونے میں مصروف تھیں جب بالآخر اسے اپنے کمرے میں آنے کا موقع میسر آ ہی گیا۔ خود وہ وقت سے بہت پہلے تیار ہو چکی تھی آج اس نے سرخ رنگ کی سیدھی لمبی قمیص کے ساتھ سفید چوڑی دار پاجامہ پہنا تھا۔ سرخ دوپٹہ گردن سے لگا تھا دوپٹے اور قمیص پر بہت باریک سلور کام ہوا تھا۔ میک اپ میں تو اسے مہارت حاصل تھی جبکہ سلکی بالوں کو اس نے ڈھیلے سے جوڑے میں باندھ دیا تھا جو اس کی لمبی گردن پر بہت بھلا معلوم ہوتا تھا کچھ لٹیں دانستہ چہرے کے اطراف میں پڑی رہنے دی تھیں۔ اپنے بدیسی حسن کے ساتھ اس خالصتاً دیسی حلیے میں وہ بہت سوبر اور اسٹائلش لگ رہ تھی۔

کمرے میں آتے ہی اس نے بعجلت الماری کھولی اور احتیاط سے لفافہ نکال کر اسے چاک کیا۔ حسب توقع اندر بوسیدہ کاغذ پر خط ہی تحریر کیا گیا تھا۔

وہ خط لیے بیڈ پر آ کر بیٹھ گئی اور جلدی جلدی تحریر پر نظریں دوڑانے لگی۔

بلاشبہ اس کے بابا کی لکھائی شاندار تھی۔

لیکن اس سے قبل کہ وہ متن سمجھ پاتی عقب سے کسی نے اس کے ہاتھ سے کاغذ کا وہ بوسیدہ ٹکڑا اچک لیا تھا۔ ماوی سرعت سے پلٹی۔ وہ جنت بیگم تھیں اور کاغذ کا ٹکڑا ہاتھ میں پکڑے اسے استہزائیہ نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔

ماوی کو اپنے پیروں سے جان نکلتی محسوس ہوئی ثبوت تک پہنچنے کا یہ موقع بھی اس کے ہاتھوں سے نکل گیا تھا۔



ماوی کو اپنے پیروں سے جان نکلتی محسوس ہوئی ثبوت تک پہنچنے کا یہ موقع بھی اس کے ہاتھوں سے نکل گیا تھا۔

یا کم سے کم اسے ایسا ہی لگ رہا تھا۔

"مجھے تم سے بات کرنی ہے۔ یہ بیکار چیز تم پھر کسی وقت بھی پڑھ سکتی ہو۔" جنت بیگم نے نخوت سے کہا تھا

"آپ کسی اور وقت بھی بات کر سکتی ہیں۔" ماوی نے سرعت سے خط ان کے ہاتھ سے جھپٹتے ہوئے کہا تھا۔ "اور یہ کوئی طریقہ نہیں ہے کسی کے کمرے میں آنے کا۔"

"میں نے تم سے پہلے بھی کہا تھا مجھے طور طریقے سکھانے کی کوشش نہ کرو۔ ایسی باتیں انہیں زیب دیتی ہیں جنھوں نے خود کسی اصول کی پاسداری کی ہو۔" جنت بیگم کا انداز ابھی بھی سابقہ تھا۔

"میں تم سے صرف اتنا کہنے آئی ہوں کہ مجھے انجان نہ سمجھو بے شک میں حرم کی شادی کے سلسلے میں مصروف ہوں لیکن آنکھ اور کان کھلے ہیں میرے۔ اور تم نے یہ سوچ بھی کیسے لیا کہ میری حویلی میں تم اپنی من مانیاں کرتی پھرو گی اور مجھے کانوں کان خبر نہ ہو گی۔"

"اچھا ہو گا آپ جو کہنا چاہتی ہیں ذرا واضح الفاظ میں کہیں۔"

"اگلی بار تم مجھے تسنیم کے آس پاس بھی نظر آئیں تو نتائج کی ذمہ دار تم خود ہو گی۔" جنت بیگم نے دھمکی آمیز لہجے میں کہا تھا۔

"اوہ......" ماوی استہزائیہ ہنسی۔ ثبوت اس کے ہاتھ میں تھا اب بھلا مصلحت اختیار کرنے کی ضرورت بھی کیا تھی۔ "تو آپ تک خبر پہنچ ہی گئی۔ چلیں اچھی بات ہے۔ اب آپ ذرا تیاری کر لیں کیونکہ آپ کے خلاف ثبوت مجھے مل ہی چکا ہے۔ حرم کی شادی ختم ہوتے ہی میں پولیس سے رابطہ کرنے والی ہوں۔"

جنت بیگم بری طرح چونکیں۔

"اچھا ذرا میں بھی تو دیکھوں۔ ایسا کونسا ثبوت فراہم کر دیا تسنیم نے۔ کہ تم مجھے دھمکا رہی ہو۔"

اس سے قبل کہ ماوی کوئی جواب دیتی دروازے پر زوردار دستک ہوئی تھی۔ ان دونوں نے بیک وقت دروازے کی طرف دیکھا تھا۔

"اماں! آپ یہاں ہیں۔" مستقیم نے اندر جھانکا تھا ان کے پیچھے منصور، شبیہ اور جلال بھی تھے۔

"ہم نے آپ کو ساری حویلی میں ڈھونڈ لیا اور آپ یہاں بیٹھی ہیں۔ بارات آنے والی ہے اماں!......"

جنت بیگم نے ہاتھ اٹھا کر بیٹے کو بولنے سے روک دیا۔

"مجھے ذرا اس لڑکی کی بکواس سن لینے دو جو مستقل مجھ پر انگلی اٹھا رہی ہے اور میری اولاد میں کوئی ایک بھی ایسا نہیں جو اس کی زبان روک سکے۔" جنت بیگم بری طرح تلملائی ہوئی تھی۔ جملہ افراد اپنی جگہ چونکے تھے۔

"آخر بات کیا ہے اماں!"

"اسی سے پوچھو۔"

"ٹھیک ہے میں ہی ان لوگوں کو حقیقت بتا دیتی ہوں۔" ماوی نے گہری سانس بھرتے ہوئے کہا۔ "آپ سب لوگ جانتے ہیں کہ میرے بابا کا قتل ہوا تھا۔ مستقیم چچا میں نے آپ سے جھوٹ بولا تھا کہ میں یہاں محض آپ لوگوں سے ملنے آئی ہوں۔ میں دراصل یہاں اپنے بابا کے قاتل کی تلاش میں آئی تھی۔ بلکہ قاتل کی تلاش کہنا غلط ہوگا۔ قاتل کا نام تو میں پہلے سے جانتی تھی میں تو یہاں ثبوت لینے آئی تھی اور وہ مجھے مل چکا ہے جو یہ ثابت کرتا ہے کہ میرا شک درست تھا جنت بیگم ہی میرے بابا کی قاتل ہیں۔"

ان سب کے دماغ گویا بھک سے اڑ گئے تھے۔

"کیا بکواس کر رہی ہو تم۔" شبیہ بری طرح غرایا تھا۔

"میں بکواس نہیں کر رہی یہی حقیقت ہے۔" ماوی نے اطمینان سے کہا تھا اور اس دوران وہ حتی المقدور جلال کی طرف دیکھنے سے گریز کر رہی تھی۔

"اب اگر تم نے ایک بھی لفظ اور کہا تو میں تمہاری زبان کھینچ لوں گا۔" وہ غراتا ہوا اس کی طرف لپکا تھا اگر مستقیم اور منصور بھائی نے اسے پکڑ کر نہ روکا ہوتا تو اب تک یقیناً وہ دو تین تھپڑ تو ماوی کو جڑ ہی چکا ہوتا۔

"میری باتوں پر اس طرح سے ری ایکٹ کر کے تم لوگ خود کو سچا اور مجھے جھوٹا ثابت نہیں کر سکتے۔ میں نے کہا ناں میرے پاس ثبوت موجود ہے۔"

"اچھا...... ذرا ہم بھی تو دیکھیں وہ ثبوت۔" مستقیم بھٹی نے جیسے اپنا غصہ ضبط کرتے ہوئے کہا تھا انہیں اس وقت ماوی کو حویلی میں ٹھہرانے پر ازحد افسوس ہو رہا تھا۔

"ضرور کیوں نہیں......" ماوی نے بغیر کسی تامل کے وہ خط ان کی طرف بڑھا دیا تھا" لیکن یاد رہے اس کی ایک کاپی میں آل ریڈی آئی جی پولیس کو بھجوا چکی ہوں......" اس نے ہوا میں تیر چلایا تھا وہ بھی محض اس لیے تاکہ اس خط کو ان لوگوں کے ہاتھوں ضائع ہونے سے بچایا جا سکے۔

مستقیم بھٹی نے اس کے ہاتھ سے خط لیا اور ماتھے پر تیوریاں ڈالے اسے پڑھنا شروع کیا سب ازحد تجسس بھری نظروں سے انہیں دیکھ رہے تھے سوائے ماوی کے سب کے چہروں پر پریشانی تھی۔ وہ تو کمال خوبی سے اپنے تاثرات چھپائے ہوئے تھی۔

"کیا لکھا ہے مستقیم!" جوں ہی مستقیم بھٹی نے نظریں اٹھائیں، جنت بیگم نے بے چینی سے پوچھا تھا۔

وہ خشمگیں نگاہوں سے ماوی کو گھورتے رہے۔ خط تیزی سے ان کے ہاتھ سے شبیہ پھر جلال اور آخر میں منصور بھٹی کے ہاتھ میں منتقل ہوا تھا۔

شبیہ کا تو بس نہ چلتا تھا ماوی کی گردن ہی توڑ ڈالے۔

"یہ لڑکی مجھ پر بے بنیاد الزام لگا رہی ہے...... اگر اس کے پاس کوئی ثبوت ہے بھی تو اس کا خود کا تیار کیا ہوا ہے...... میں سچ کہہ رہی ہوں یہ جھوٹ بول رہی ہے۔" جنت بیگم نے تقریباً گھگھیاتے ہوئے اپنی صفائی دینا چاہی تھی۔

"آپ کو کچھ بھی کہنے کی ضرورت نہیں ہے اماں!" مستقیم بھٹی نے کہا تھا۔

"بالکل بی جان! آپ باہر چلیں اس لڑکی سے ہم خود نمٹ لیں گے۔" شبیہ نے خونخوار لہجے میں کہا تھا۔

"یہ وقت مناسب نہیں ہے حرم کی رخصتی کا انتظار کرنا چاہیے ہمیں۔" جلال نے آہستگی سے کہا تھا۔

"جلال بالکل ٹھیک کہہ رہا ہے۔" مستقیم بھٹی نے کہا۔

"چلیے اماں! بارات پہنچ گئی ہو گی۔"

ماوی حیران تھی ان سب کا ردعمل ماوی کی توقعات کے برعکس تھا۔

"تم سے تو بعد میں نمٹتے ہیں۔ کسی پر انگلی اٹھانے سے پہلے کم سے کم ہوم ورک ضرور مکمل کر لینا چاہیے۔" شبیہ نے خط ماوی کے چہرے کی طرف اچھالتے ہوئے نفرت سے کہا تھا۔ پھر وہ سب جنت بیگم کو لیے باہر نکل گئے۔

ماوی ایک بھی پل ضائع کیے بغیر خط کی طرف لپکی تھی۔

"ثمینہ!

جب تک تمہیں یہ خط ملے گا میں بہت دور جا چکا ہوں گا۔ میں نے فیصلہ کیا ہے مجھے اب اس زندگی سے رابطہ ختم کر لینا چاہیے گو کہ میں مانتا ہوں کہ میں بہت بڑی خود غرضی کا مرتکب ہو رہا ہوں لیکن یہ میری مجبوری ہے۔ اور تم میری اس مجبوری سے واقف ہو۔ مجھ سے اب یہ الزامات اور طعنوں سے بھری زندگی نہیں گزاری جاتی اس لیے میں خود اپنے ہاتھوں سے اپنی زندگی ختم کر رہا ہوں۔ میں حرام موت کو گلے لگا رہا ہوں وہ بھی صرف

اس امید پر کہ اللہ اپنے بندوں کی کوتاہیوں کو معاف کرسکتا ہے انسان نہیں۔ مجھے اس گناہ کی سزا دی جارہی تھی جو میں نے کیا ہی نہیں ہے اور بغیر غلطی کے سزا بھگتنا دنیا کا مشکل ترین کام ہے۔ جنت بی بی کے طعنے اب میری برداشت سے باہر ہو چکے ہیں کیا ہی اچھا ہوتا کہ وہ عورت مجھے زہر دے دیتی نہ کہ اپنے طعنوں سے میری زندگی عذاب بناتی۔ اپنا اور ماوی کا خیال رکھنا اور ہو سکے تو مجھے معاف کر دینا۔ تمہیں اس مصائب بھری زندگی کا مقابلہ کرنے کے لیے تنہا چھوڑ کر جانے کا بوجھ ہمیشہ میری روح پر رہے گا...... فقط...... رجب"

ماوی کے ہاتھ میں وہ کاغذ کا ٹکڑا پھڑ پھڑا رہا تھا اور وہ گم صم تھی جیسے زندگی کا سب سے بڑا صدمہ سہنے کے بعد کوئی بھی انسان سکتا ہے۔ بے یقین، دم بخود اور مایوس......

☆☆☆

اینیا ہکا بکا فیضان کی شکل دیکھ رہی تھی۔

"آ...... آپ کیا کہہ رہے ہیں......؟"

اس نے حیرانی سے نکلنے کی کوشش کرتے ہوئے پوچھا تھا وہ ہیزری تو کسی کام سے باہر نکلی تھی گیٹ پر فیضان سے مڈ بھیڑ ہوگئی اور فیضان اتنے غصے میں تھے کہ ولید کا کارنامہ اس تک پہنچانے میں ایک پل بھی ضائع نہیں کیا۔

"یہ تم مجھ سے نہ پوچھو جا کر اپنے بھائی سے پوچھو کہ اس نے یہ گھٹیا بکواس کس بنیاد پر کی ہے۔" فیضان بری طرح خار کھائے ہوئے تھے۔

"میں تو اسے سینس ایبل سمجھتا تھا لیکن وہ...... اور تمہیں کتنی بار منع کیا میں نے کہ اپنی فضول حرکتوں سے باز آجاؤ لیکن تم......"

"فضول حرکتیں؟...... کون سی فضول حرکتیں؟" اینیا کی رگوں میں جیسے شرارے سے دوڑنے لگے تھے۔

"آپ سے پسندیدگی کا اظہار کر دینے کا یہ مطلب تو ہرگز نہیں کہ آپ میری فیلنگز کو اس طرح کے الفاظ دیں۔ میں مانتی ہوں کہ ولید نے غلط کیا ہے لیکن اس میں میرا کیا قصور ہے۔"

"سارا قصور تمہارا ہی ہے۔" فیضان کا غصہ کسی طور کم نہ ہو رہا تھا۔ "نہ تم بھاگ بھاگ کر انیکسی کی طرف آتیں نہ ولید کو بات بنانے کا موقع ملتا۔"

"میں بھاگ بھاگ کر صرف اس لیے آتی تھی کیونکہ مجھے آپ کی پرواہ تھی۔ آپ کو میرا آنا اتنا برا لگتا تھا تو منع کر دیا ہوتا۔" اس نے بھی دو بدو کہا تھا۔

"تم اور تمہارا بھائی دونوں پاگل ہو پتا نہیں میں تم لوگوں کے درمیان کس طرح پھنس گیا۔" فیضان جیسے غصے سے پاگل ہوئے جا رہے تھے۔

"ہاں ہیں ہم پاگل۔ لیکن شکر ہے آپ کی طرح خود غرض نہیں ہیں۔ جنہیں صرف اپنی نیک نامی اور کاروبار کی فکر ہے۔" اینیا نے توہین سے سرخ پڑتے چہرے کے ساتھ کہا تھا۔

"آپ اپنے کاروبار کی فکر میں ہلکان نہ ہوں ڈیڈی کی غلط فہمی میں دور کر دوں گی آپ کو کسی قسم کا نقصان برداشت نہیں کرنا پڑے گا اور ولید اور میری وجہ سے آپ کو جو پریشانی برداشت کرنا پڑی میں اس کے لیے معذرت چاہتی ہوں اور......" اس نے لحظہ بھر کو توقف کیا۔ "اور ماوی ٹھیک کہتی

تھی آپ سے محبت کرنے سے بہتر تھا میں کسی پتھر سے سر پھوڑ لیتی۔ مجھے افسوس ہے میں نے ایک پتھر کو چنا اور یہ افسوس مجھے ساری زندگی رہے گا.....
اب تو مجھے اس بات پر بھی حیرانی نہیں ہے کہ آپ اب تک تنہا کیوں ہیں۔ جنہیں دوسروں کی فیلنگز کی قدر کرنے کی عادت نہ ہو وہ ساری زندگی تنہا ہی رہتے ہیں۔ آپ اس قابل ہی نہیں تھے کہ کوئی آپ کی زندگی کا ساتھی بنتا۔"

اینیا نے غم اور غصے کے ساتھ کہا اور واپسی کے لیے پلٹ گئی۔ اس نے ایک بار بھی پلٹ کر فیضان کے تاثرات دیکھنے کی زحمت گوارا نہیں کی تھی ہاں یہ الگ بات تھی کہ مرکزی دروازے تک پہنچتے تک اس کی آنکھوں کے کٹورے آنسوؤں سے لبالب بھر چکے تھے۔

☆☆☆

اس رات دانیال حسن کی واپسی رات گئے ہوئی تھی اینیا ان کے انتظار میں جانے کب سے بیٹھی ہوئی تھی۔

"ڈیڈی! مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔" وہ فوراً اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولی تھی۔

دانیال حسن جلدی میں تھے اور سنجیدہ دکھائی دیتے تھے۔ اینیا کی بات سن کر انہوں نے پل بھر کے لیے اس کی طرف دیکھا تھا۔

"میں بہت تھکا ہوا ہوں۔ ابھی کوئی بات نہیں ہو سکتی..... جو بات کرنی ہے صبح کرنا۔"

"ڈیڈی!....." اینیا نے منت بھرے لہجے میں کہا تھا اسے یہ سمجھنے میں ذرا بھی وقت نہیں لگا تھا کہ فیضان کی باتیں درست ہیں۔ ولید نے ضرور ان کے کان بھرے تھے۔

"ڈیڈی! میں ابھی بات کرنا چاہتی ہوں..... پلیز....."

"میں تھکا ہوا ہوں اینیا! ابھی کوئی بات نہیں ہو سکتی۔" دانیال حسن نے سخت لہجے میں کہا تھا۔

"آپ کے پاس ولید کی باتیں سننے اور ان پر یقین کرنے کے لیے وقت ہے صرف میرے لیے وقت نہیں ہے۔" اس کے لہجے ایسا کچھ ضرور تھا کہ دانیال حسن ٹھٹھک کر اس کا چہرہ دیکھنے لگے تھے۔

"کہو کیا کہنا چاہتی ہو۔" انہوں نے سرد مہری سے کہا تھا۔

"ڈیڈی! یوں کھڑے ہو کر بات کرنا ضروری ہے؟ کیا ہم بیٹھ کر بات نہیں کر سکتے۔"

"تمہیں جو کہنا ہے یہیں کہو میں زیادہ دیر نہیں رک سکتا۔"

"ولید نے آپ سے کیا کہا ہے..... میں یہی جاننا چاہتی ہوں۔" اینیا نے کسی قدر بددل ہوتے ہوئے کہا تھا۔ "اور یہ بھی کہ آپ کو اس کی بات پر کتنا بھروسہ ہے؟"

"تمہیں کس نے بتایا کہ ولید نے مجھ سے کچھ کہا ہے؟"

"ڈیڈی! ولید جھوٹ بول رہا ہے۔" اینیا نے ان کے سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے تیزی سے کہا تھا اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

دانیال حسن کا غصہ جھاگ کی طرح بیٹھنے لگا۔ ان کی ساری سخت مزاجی ایک طرف لیکن بیٹی کی آنکھوں میں آنسو برداشت کرنا مشکل تھا۔

"آپ کو اس کی باتوں پر یقین کرنے سے پہلے کم سے کم ایک بار مجھ سے پوچھنا تو چاہیے تھا۔ کیا میں اتنی ناقابل بھروسہ ہوں ڈیڈی!......" اس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنا شروع ہو گئے تھے

"زیادہ ایموشنل ہونے کی ضرورت نہیں ہے اینیا!......" ان کا لہجہ ابھی بھی سخت تھا۔" ولید کی باتوں میں کتنی سچائی ہے کتنی نہیں اس بات کا اندازہ لگانا تو یوں بھی مشکل نہیں ہے کہ تم تک خبر پہنچ چکی ہے۔"

"ڈیڈی!......" اینیا نے روہانسی ہوتے ہوئے اپنی صفائی میں کچھ کہنا چاہا لیکن دانیال حسن نے ہاتھ اٹھا کر فوراً اسے ٹوک دیا۔

"مجھے اس موضوع پر مزید کوئی بات نہیں کرنی۔ بہتر ہو گا تم اب اس بارے میں کوئی بات نہ کرو۔ ولید کی باتوں میں کتنی سچائی ہے کتنی نہیں میں اس کا خود پتا لگا لونگا۔"

دانیال حسن نے سرد مہری سے کہا اور تیز قدموں سے سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئے۔ اینیا جو یہ سمجھ رہی تھی باپ کو قائل کرلے گی اپنا سا منہ لے کر رہ گئی تھی۔

☆☆☆

"دانیال! بہتر ہو گا تم ایک بار فیضان کی بات سن لو۔ وہ اس وجہ سے بہت پریشان ہے۔" توقیر صاحب نے فون پر کہا تھا۔

"میں خود کو اس کی بات سننے پر آمادہ نہیں کر پا رہا توقیر! میرے اعتماد کو بہت ٹھیس پہنچائی ہے اس نے۔ دل چاہتا ہے اب تو اس کی شکل بھی نہ دیکھوں۔" دانیال حسن نے ناراضی سے کہا تھا۔

"یار! فیضان ایسا لڑکا نہیں ہے۔ میں اسے بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔"

"تو تمہارا کیا خیال ہے، ولید نے جھوٹ بولا ہے...... وہ اپنی بہن کے بارے میں ایسی گھٹیا بات کیوں کرے گا۔"

"تم ایک بار اینیا کو اعتماد میں لے کر بات کرو۔ ممکن ہے وہ واقعی فیضان کے لیے کوئی فیلنگز رکھتی ہو اور اگر ایسی بات ہوئی تو فیضان سے اس کی شادی میں کوئی برائی بھی نہیں ہے فیضان اچھا لڑکا ہے۔"

"پاگل تو نہیں ہو گئے میں ایسی بات سوچ بھی نہیں سکتا۔"

"کیوں اس میں آخر برائی کیا ہے؟ میں نے کہا ناں فیضان اچھا لڑکا ہے اینیا کو خوش رکھے گا۔ جہاں تک ولید کی باتوں کی سچائی کا تعلق ہے تم اسے اعتماد میں لے کر بات کرو مجھے یقین ہے اسے کچھ غلط فہمی ہوئی ہے...... لیکن اس سے بھی پہلے تم اینیا سے پوچھو۔"

"کیسی باتیں کرتے ہو توقیر! بھلا میں بیٹی سے ایسی باتیں کیسے کر سکتا ہوں۔ فرینک نیس اپنی جگہ لیکن باپ بیٹی میں کوئی لحاظ بھی ہوتا ہے۔ ہو سکتا ہے تم اتفاق نہ کرو لیکن میرا ماننا ہے اس لحاظ کو ختم نہیں ہونا چاہیے۔"

"ٹھیک ہے۔ پھر تم ثروت بھابھی سے کہو کہ اینیا سے پوچھیں۔" توقیر صاحب نے ایک اور راہ دکھائی۔ دانیال حسن چپ سے رہ گئے، اس سارے سلسلے میں ثروت کا خیال انہیں ایک بار بھی نہیں آیا تھا۔

''توقیر! وہ میں......'' اس سے پہلے کہ وہ جملہ مکمل کر پاتے باہر سے کسی غیر معمولی کھٹکے کی آواز سنائی دی تھی۔ دانیال حسن چونک کر متوجہ ہوئے۔

''توقیر میں تم سے بعد میں بات کرتا ہوں۔'' انہوں نے فون بند کیا اور باہر کی جانب لپکے تھے۔

☆☆☆

''ہیلو!......'' ولید نے اینا کو لاؤنج میں بیٹھے دیکھا تو وہیں چلا آیا۔ اینا نے اس کی آمد کا کوئی خاص نوٹس نہیں لیا تھا۔ ولید پر ایک خاموش نظر ڈالنے کے بعد وہ دوبارہ اخبار کی طرف متوجہ ہو گئی تھی۔

ولید اس کے ساتھ بیٹھ گیا تھوڑی دیر وہ اینا کے ہاتھ میں پکڑے اخبار پر نظریں دوڑاتا رہا پھر اس نے اخبار چھین لیا۔

''اخبار واپس کرو ولید!'' اس کا انداز بیحد سرد مہر تھا۔

''کیوں؟'' ولید نے اس کے موڈ پر دھیان دیئے بنا کہا تھا۔

''کیونکہ مجھے ایسی بدتمیزیاں بالکل پسند نہیں ہیں۔'' اینا نے یکدم اس کے ہاتھ سے اخبار جھپٹتے ہوئے غرا کر کہا تھا۔

''ارے اس میں اتنا غصہ کرنے کی کیا بات ہے۔'' ولید نے حیرانی سے پوچھا تھا۔

''جیسے تم تو نہیں جانتے۔''

ولید نے کندھے اچکا دیئے۔

''کیا بکواس کی ہے تم نے ڈیڈی سے؟''

''بھئی کس بارے میں بات کر رہی ہو؟''

''اتنے انجان مت بنو ولید! جیسے تمہیں تو کچھ پتا ہی نہیں۔'' اینا کا غصے سے برا حال تھا۔ ''میرے اور فیضان کے بارے میں تم نے ڈیڈی سے کیا کہا ہے؟''

''تم یہ بتاؤ کیا میں نے کچھ غلط کہا۔'' ولید نے ٹانگ پر ٹانگ رکھتے ہوئے مزے سے پوچھا تھا۔

''تم کس قدر گھٹیا انسان ہو ولید! اپنی سگی بہن کے بارے میں اتنی فضول باتیں کرتے ہوئے تمہیں ذرا سی بھی شرم نہیں آئی۔''

''لو اور سنو۔ ایک تو میں نے تمہاری مدد کی اوپر سے تم مجھے ہی باتیں سنا رہی ہو۔'' ولید نے ناراضی سے کہا تھا۔

''ایسا گھٹیا الزام لگا کر تم نے کیا مدد کی ہے میری۔'' اینا نے تعجب سے پوچھا تھا۔

''تمہارا اور فیضان بھائی کا معاملہ ڈیڈی تک پہنچا دیا کیا یہ کم ہے۔'' اس نے اطمینان سے کہا تھا۔ ''ورنہ تم تو کبھی یہ نہ کر سکتیں۔ تمہیں تو میرا شکر گزار ہونا چاہیے۔''

''ہاں مجھے تمہارا شکر گزار ہونا چاہیے کہ تم نے ایک ذرا سی بات کو انتہائی فضول انداز اور الفاظ میں ڈیڈی تک پہنچا کر مجھے ان کی نظروں سے گرا دیا۔''

"اپنے امپریشن کی بڑی فکر ہے تمہیں۔ یہ بات میرے معاملے میں سوچی ہوتی تو ایسی نوبت ہی نہ آتی۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب صاف ہے میں نے تم سے کہا بھی تھا کہ میرے معاملات سے دور رہو ورنہ نتائج کی ذمہ دار تم خود ہوگی لیکن تم نے میری بات کو کوئی اہمیت ہی نہیں دی اور ممی کو میری ایکٹویٹیز کے بارے میں بتا دیا۔ اب جب تم نے اچھی بہن ہونے کا ثبوت دیا تو مجھے بھی تو خود کو اچھا بھائی ثابت کرنے کے لیے کچھ نہ کچھ کرنا ہی تھا اسی لیے میں نے تمہارے اور فیضان بھائی کے بارے میں ڈیڈی کو بتا دیا۔"

"میں نے ممی کو تمہارے بارے میں اس لیے بتایا تھا کیونکہ مجھے تمہاری فکر ہے۔" ایمیا نے صدمے کی کیفیت میں کہا تھا۔

"تو تمہارا کیا خیال ہے مجھے تمہاری فکر نہیں ہے؟" ولید نے کمینگی کی حد کر دی تھی۔

"لیکن تم نے جھوٹ بولا ہے۔" ایمیا تڑپی۔

"ہاں اس میں تو کوئی شک نہیں۔" وہ مکاری سے ہنسا تھا۔ "جھوٹ بولنا میری مجبوری تھی۔ اسی لیے میں نے بہت سی باتیں اپنی طرف سے ایڈ کر کے ڈیڈی کو بتا دیں...... تمہارے اور فیضان بھائی کے قصے میں خوب مرچ مصالحہ لگانا پڑا مجھے...... یار دراصل مجھے اچھا نہیں لگ رہا تھا کہ میں تو ممی کو اتنی مشکلوں سے مطمئن کروں اور تم اتنی آسانی سے چھوٹ جاؤ......"

"تو تم نے یہ سب مجھ سے بدلہ لینے کے لیے کیا؟"

"بالکل......" ولید نے ایک لفظ میں بات ختم کی تھی لیکن اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ لاؤنج کے دروازے میں کھڑے دانیال حسن ان دونوں کی باتیں سن رہے ہوں گے۔

"تم نے جھوٹ بولا تھا۔" دانیال حسن کی غصے اور صدمے سے چور آواز نے جہاں ان دونوں کو چونکایا تھا وہیں ولید کو بوکھلاہٹ میں بھی مبتلا کر دیا تھا۔ وہ ہڑبڑا کر پلٹا تھا۔

"ڈ...... ڈیڈی! وہ...... میں......" اس نے کہنا چاہا لیکن اس کے چہرے کی اڑی ہوئی رنگت اس کے جھوٹ کا پردہ فاش کرنے کے لیے کافی تھی۔ دانیال حسن نے اس کی بات پوری ہونے سے قبل ہی ایک زوردار تھپڑ اسے کھینچ مارا تھا۔

"تم گھٹیا انسان!......"

"پلیز ڈیڈی! میری بات سنیں۔" ولید نے اپنا بچاؤ کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہنا چاہا لیکن دانیال حسن نے ایک کے بعد ایک اسے کئی تھپڑ رسید کیے تھے۔ ان کا بس نہ چلتا تھا اسے قتل ہی کر ڈالیں۔

"بات سنوں...... وہ بھی تمہاری...... پہلے ہی تمہاری بات سن کر میں نے نقصان اٹھایا ہے۔ اپنی بیٹی کے کردار پر شک کیا۔ فیضان جیسے شریف النفس شخص پر شک کیا...... یہ سب کچھ تمہاری وجہ سے ہوا......"

"ڈیڈی!...... ڈیڈی پلیز...... ولید کو چھوڑ دیں۔" ایمیا روتے ہوئے انہیں روکنے کی کوشش کرنے لگی۔

"تم دور رہو نو! میں اس کا حشر برا کردوں گا۔اس کی ہمت کیسے ہوئی کہ اس طرح کا الزام لگائے......"

وہ غصے سے بے حال ولید کو بری طرح پیٹ رہے تھے اور اس پر چلا رہے تھے اینا نے دوبارہ ان کو نہیں روکا تھا۔

"ڈیڈی! پلیز ولید کو مت ماریں۔وہ مر جائے گا۔"

"مر جانے دو اس کا مر جانا ہی ٹھیک ہے۔" دانیال حسن نے اسے پیچھے دھکیلتے ہوئے کہا تھا۔

"ظاہر ہے میرے مرنے سے آپ کو کوئی فرق بھی تو نہیں پڑے گا۔" معاً ولید نے ان کا خود کو پیٹتا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔

"تمہیں میں قتل کردوں گا ولید!"

"آپ کر سکتے ہیں۔" ولید نے ان کا ہاتھ جھٹکتے ہوئے کہا تھا۔اس کا آنسوؤں سے بھیگا ہوا چہرہ بے حد سرخ ہو رہا تھا اور اس کے ہونٹ سے خون بھی بہہ رہا تھا۔دانیال حسن نے اسے بہت بری طرح پیٹا تھا۔

"بلکہ اچھا ہو گا آپ مجھے قتل کر ہی دیں اور صرف مجھے ہی نہیں اپنے دونوں بچوں کو بھی۔جنہیں اپنی ذات سے بہت زیادہ محبت ہو، انہیں اولاد کے جھنجھٹ میں پڑنا ہی نہیں چاہیے۔"

"کیا بکواس کر رہے ہو۔" دانیال حسن بری طرح غرائے تھے۔

"اپنی غلطیوں پر پردہ ڈالنے کے لیے تم نے بہن پر الزام لگایا اور اب آنکھیں بھی دکھا رہے ہو۔"

"ہاں تو میں کیوں نہ کرتا یہ۔آپ نے اور ممی نے بھی تو اپنی کوتاہیوں پر پردہ ڈالنے کے لیے ہم لوگوں کو نظر انداز کیا۔" ولید یکدم حلق کے بل چلایا تھا۔دانیال حسن جیسے ایک دم ہی خاموش ہو گئے تھے۔لاؤنج میں سناٹا سا پھیل گیا تھا وہاں تین افراد موجود تھے لیکن جیسے کوئی بھی نہیں تھا۔

"تم پوچھ رہی تھی نا اینا! میں سگریٹ کیوں پیتا ہوں۔میں تمہیں بتاؤں مجھے سکون ملتا ہے کم سے کم نشہ آور سگریٹ پی کر مجھے یہ خیال نہیں آتا کہ میرے ماں باپ میں ہر وقت نا چاقی کیوں رہتی ہے جب سب کے ماں باپ ہنسی خوشی زندگی بسر کر سکتے ہیں تو ہمارے کیوں نہیں۔ہمارے باپ کو صرف اپنی پرواہ کیوں ہے......اور جب انہیں ہماری پرواہ نہیں ہے تو ہم ان کی عزت کی پرواہ کیوں کریں......"

"ولید!......" دانیال حسن نے صدمے سے کہا ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ ولید ان سے اتنا بدگمان ہو گا۔

"بس کریں ڈیڈی! مجھے اب آپ کی کوئی بات نہیں سننی۔اب جب سب آپ کو پتا چل ہی چکا ہے تو میں بھی کچھ چھپانا نہیں چاہتا۔میں سگریٹ پیتا ہوں ڈرگز بھی لیتا ہوں لیکن اس پر مجھے کوئی شرمندگی بھی نہیں ہے یہ میری زندگی ہے میں اس کے ساتھ جو چاہوں کر سکتا ہوں۔اگر آپ اور ممی ہمارے لیے اپنے اختلافات ختم نہیں کر سکتے تو مجھ سے بھی امید نہ رکھیں کہ میں آپ لوگوں کے لیے کچھ کروں گا......" وہ باہر کی طرف جاتے ہوئے رکا تھا۔

"سوری اینا! تم سے میں سچ مچ شرمندہ ہوں۔لیکن میں یہ بھی اچھی طرح جانتا ہوں کہ تم فیضان بھائی کو پسند کرتی ہو۔میرا مشورہ مانو تم بھی وہ کرو جس سے تمہارا دل خوش ہو ممی ڈیڈی کے لیے اپنے دل کی خوشی سے دستبردار ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"رکو ولید! تم کہاں جا رہے ہو۔" اینا نے اس کے مشورے کو نظر انداز کرتے ہوئے تیزی سے کہا تھا مگر ولید تیزی سے باہر نکل گیا تھا۔

"ولید کو روکیں ڈیڈی! اتنی رات کو کہاں جائے گا وہ۔" اس نے دانیال حسن سے کہا لیکن وہ ابھی تک اس کی باتوں کے اثر سے ہی نہ نکل سکے تھے۔ چند منٹ بعد چونک کر سرعت سے باہر کی جانب لپکے لیکن اتنی دیر میں ولید جا چکا تھا۔

☆☆☆

صبح کا وقت تھا دھوپ میٹھی میٹھی سی تھی اور موسم بے حد خوشگوار۔

آسمان پر بادلوں کے ٹکڑے اڑتے پھر رہے تھے اور ہوا بھی تر و تازہ تھی۔

ماوی ایک کونے میں نصب لکڑی کے بینچ پر بیٹھی ہوئی تھی لباس مڑا تھا اور کھلے ہوئے سیدھے بال کندھوں پر دونوں طرف آگے آرہے تھے۔ وہ بڑی دیر سے وہاں بیٹھی تھی ایسا لگتا تھا جیسے اسے دوسرا کوئی کام ہی نہ ہو۔

وہ کبھی سر جھکا کر اپنے گھاس پر رکھے پیروں کو دیکھنے لگتی اور کبھی سر اٹھا کر آسمان کو دیکھنے لگتی اس کا ذہن جیسے ہر سوچ سے خالی ہو چکا تھا۔

دوسری جانب حویلی کے در و دیوار پر بھی سناٹا چھایا ہوا تھا۔

معاً ماوی کا موبائل فون بجنے لگا اس نے ناپسندیدگی سے اس بپ کو سنا۔ وہ اس وقت کسی کی مداخلت نہیں چاہتی تھی۔

اس نے بیزاری سے فون اٹھا کر کان سے لگا لیا۔

"ماوی!......دوسری طرف ثمینہ تھیں اور ان کی آواز میں بے قراری تھی۔

"جی ممی!......"

"وہ خط جھوٹا ہے ماوی!...... جنت بیگم کی سازش ہے یہ......تم اس عورت کو نہیں جانتیں وہ بہت شاطر ہے ہو نہ ہو وہ خط اس نے تمہیں مس گائیڈ کرنے کے لیے خود تیار کروایا ہوگا۔" ثمینہ کی آواز میں آنسوؤں کی آمیزش تھی۔ ماوی بے زار ہوئی۔

"ممی پلیز......اس طرح کی باتیں مت کریں اب۔ جنت بیگم لاکھ شاطر دماغ ہی سہی لیکن وہ خط انہوں نے تیار نہیں کروایا میں بابا کی رائٹنگ پہچانتی ہوں۔"

"لیکن ماوی!......"

"فار گاڈ سیک ممی! ایک ہی بات پر اصرار کرنا بند کر دیں۔" اس نے مزید بیزاری سے کہا تھا۔

"میں کل لاہور واپس چلی جاؤں گی اور جو بھی پہلی فلائیٹ ملے گی اس سے ڈبلن آجاؤں گی۔ بہت رو لیا پاکستان میں......" اس کی آواز میں مایوسی ہی مایوسی تھی۔

"نہیں ایسا مت کرو ماوی! اس طرح ہمت ہار کر واپس نہ آؤ تمہیں ابھی وہاں ہی رکنا چاہیے...... مجھے یقین ہے تمہیں اس عورت کے خلاف کوئی نہ کوئی ثبوت ضرور مل جائے گا۔"

"فیضان ماما کو بتا دیجیے گا میں واپس آرہی ہوں۔ وہ حویلی آنے کی زحمت نہ کریں۔" اس نے ثمینہ کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا تھا۔

"تم سنتی کیوں نہیں ہو میری بات۔" یکدم ثمینہ حلق کے بل چیخی تھیں۔

"میں اس بار آپ کی بات سننا نہیں چاہتی۔ آپ کی باتیں سن سن کر ہی اتنی شرمندگی اٹھانا پڑی ہے مجھے۔" ماوی نے بھی تیز لہجے میں کہا تھا۔

"اگر تمہارے بابا نے خودکشی کی ہوتی تو جنت بیگم نے میرے سامنے انہیں قتل کرنے کا اعتراف کیوں کیا تھا ایک بار یہ بھی تو سوچو۔"

ثمینہ اب باقاعدہ رونے لگی تھیں۔

ماوی چڑ کر کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن اس بات پر لحظہ بھر کے لیے الجھ سی گئی پھر اس نے اپنا سر جھٹک کر ہر بیزار کن خیال سے پیچھا چھڑوانا چاہا۔

"میں فون بند کر رہی ہوں ممی۔ مجھے ابھی پیکنگ بھی کرنی ہے۔"

"ماوی! ماوی!...... میری بات سنو۔"

لیکن ماوی نے ان کی بات سنے بغیر فون نہ صرف بند کر دیا بلکہ سوئچ آف ہی کر دیا تھا۔

اس پر مایوسی طاری تھی لیکن اس کا ذہن ایک بار پھر الجھ گیا تھا۔ اسی الجھن سے پیچھا چھڑوانے کے لیے وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ اٹھتے ساتھ ہی اس کی نظر دور برآمدے کے ستون کے قریب کھڑے جلال پر پڑی تھی وہ بھی اسی طرف دیکھ رہا تھا اور اس کے انداز سے لگتا تھا کافی دیر سے کھڑا ہے۔ ماوی اسے اپنی طرف دیکھتا پا کر خفیف سی ہو گئی تھی۔

جلال چند لمحے اس کی طرف دیکھتا رہا پھر مخالف سمت میں مڑ گیا۔

ماوی جزبز سی ہو گئی۔ تبھی اس نے اپنے پیچھے تسنیم کی آواز سنی تھی۔

"ماوی بی بی! آپ میرے ساتھ چلیں۔" وہ عجلت میں تھی۔

"کیا بات ہے تسنیم!......"

"آپ میرے ساتھ آئیں بی بی!...... آپ کو ایک بات بتانی ہے۔"

"تسنیم!...... میں ابھی نہیں آ سکتی۔ مجھے پیکنگ کرنی ہے۔"

"آپ کہیں جا رہی ہیں؟"

"ہاں میں کل واپس جا رہی ہوں۔"

"لیکن ثبوت......"

"اب کسی ثبوت کی ضرورت نہیں ہے۔" ماوی نے کہا۔ "تمہارا شکریہ۔ تم نے میری اتنی مدد کی۔"

"ٹھیک ہے بی بی! لیکن آپ آخری بار میرے ساتھ آئیں۔ بابا آج باتیں کر رہے ہیں وہ بار بار آپ کا پوچھ رہے تھے۔ یقیناً وہ آپ کو کچھ بتانا چاہتے ہیں۔ اسی لیے میں آپ سے کہہ رہی ہوں ایک بار میرے ساتھ آئیں۔ ابھی بہت صبح ہے کسی کو پتا بھی نہیں چلے گا۔" اس نے اصرار سے کہا تھا۔

"تسنیم! میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے پھر ابھی مجھے پیکنگ بھی کرنی ہے.....فرصت ملے گی تو تمہارے بابا سے ملنے آؤں گی۔" اس نے ٹالتے ہوئے کہا تھا۔

"لیکن ماوی بی بی!......" تسنیم نے کہنا چاہا مگر ماوی اسے نظرانداز کرتی اندر کی طرف بڑھ گئی تھی۔

☆☆☆

"اگر اس لڑکی کو حویلی میں رہنے کی اجازت دینے سے پہلے مجھ سے پوچھ لیا ہوتا تو آج یہ دن نہ دیکھنا پڑتا لیکن اس وقت تو سب کو اپنی عقل ثابت کرنے کا جنون چڑھا تھا۔" جنت بیگم نے طنزیہ لہجے میں کہا تھا۔ مستقیم، منصور اور شبیہ اس وقت جنت بیگم کے کمرے میں موجود تھے۔ حرم کی شادی کا ہنگامہ سرد پڑ چکا تھا اور اس ہنگامے کے سرد پڑتے ہی یہ دبی ہوئی چنگاری بھڑک اٹھی تھی۔

"میں شرمندہ ہوں اماں! مجھے واقعی آپ سے پوچھے بغیر ماوی کو نہیں ٹھہرانا چاہیے تھا۔" مستقیم بھٹی نے کہا تھا۔

"یہی بات پہلے سوچ لیتے تو آج یوں شرمندہ نہ ہونا پڑتا۔" جنت بیگم نے نخوت سے کہا تھا۔

"اماں! میں آپ کو الزام نہیں دے رہا۔" منصور بھٹی نے بھی زبان کھولی تھی۔ "لیکن کوئی وجہ تو ہوگی جو ثمینہ بھابھی آپ کے متعلق اتنی بڑی غلط فہمی کا شکار ہوئیں۔"

"تو تمہارا کیا خیال ہے میں نے سچ مچ رجب کو قتل کیا ہے۔" جنت بیگم نے اچنبھے سے کہا تھا۔ "تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے منصور!"

"میرا یہ مطلب نہیں تھا اماں!"

جنت بیگم نے ناگواری سے سر جھٹکا لیکن ساتھ ہی اسے وہ دن بھی یاد آیا تھا جب وہ اپنے ذہنی طور پر معذور بیٹے کا رشتہ لے کر ثمینہ کے پاس گئی تھی۔ ان میں خود پسندی اتنی زیادہ تھی کہ انہیں یقین تھا ثمینہ ان کی بات ہرگز رد نہ کریں گی۔ تبھی جب ثمینہ نے انکار کیا تو ان کی انا کو بری طرح ٹھیس پہنچی تھی محض اپنی ضد کو پورا کرنے کے لیے انہوں نے کہہ دیا کہ رجب کو انہوں نے قتل کیا ہے۔ مقصد صرف یہی تھا کہ ثمینہ کو ذہنی اذیت پہنچا سکیں اور ہوا بھی یہی۔ لیکن بات اتنی بڑھ جائے گی ایسا ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔

"اب اس لڑکی کے حویلی میں رکنے کا کوئی جواز نہیں ہے میں اس سے کہتا ہوں یہاں سے چلی جائے۔" مستقیم بھٹی نے کہا تھا۔

"نہیں......اتنے آرام سے تو میں اسے ہرگز نہیں جانے دوں گی۔" جنت بیگم نے کہا تھا۔

"کیا مطلب؟" شبیہ چونکا۔

"اس لڑکی نے جو ذہنی اذیت مجھے پہنچائی جب تک اس کی سزا نہ دے لوں مجھے سکون نہیں آئے گا۔" جنت بیگم کے تاثرات کچھ عجیب سے تھے۔

وہ تینوں بری طرح چونک گئے۔

"بات بڑھانے کی کیا ضرورت ہے بی جان!" شبیہ نے کہا تھا۔

"جو ہونا تھا ہو چکا اب اس بات کو بھول جائیں اور ماوی کو جانے دیں۔"

"تم لوگوں میں غیرت ختم ہو چکی ہے تو میں کیا کر سکتی ہوں۔ اتنا تو ہو نہ سکا کہ مجھ پر انگلی اٹھانے والی کی انگلی ہی توڑ دو۔ جو میں کرتی ہوں مجھے کر لینے دو۔ میں ایسے انسان کو معاف نہیں کر سکتی جو مجھ پر الزام تراشی کرے۔" جنت بیگم نے دوٹوک انداز میں کہا تھا۔ اب کچھ بھی کہنا فضول تھا سو شبیہ نے خاموش رہنا ہی مناسب سمجھا۔

☆☆☆

"کیا بات ہے منہ کیوں لٹکا رکھا ہے۔" شبیہ اپنے لیپ ٹاپ پر مصروف تھا جلال کسی کام سے اس کے پاس آیا تھا پھر اسی کے پلنگ پر لیٹ کر چھت کو گھورنے لگا تو شبیہ نے پوچھا۔

جلال نے چونک کر اس کو دیکھا پھر نفی میں سر ہلا دیا۔

"نہ بتانا چاہو تو دوسری بات ہے ورنہ تو جو بات ہے وہ تمہارے چہرے پر لکھی ہے۔" شبیہ نے جتا کر کہا جلال چڑ گیا۔

"جب پتا ہے تو پوچھنے کی وجہ؟" وہ جل کر بولا تھا۔

"ہاہاہا...... اب اس طرح چڑنے کا کیا فائدہ...... میں نے تو پہلے ہی تمہیں وارن کر دیا تھا کہ اس لڑکی پر بھروسہ نہ کرو...... لیکن تم نے میری ایک نہیں سنی۔"

"یار! یہ بات نہیں ہے۔" جلال نے کہا۔ "ماوی نے کونسا میرے اعتماد کو ٹھیس پہنچائی ہے میں تو صرف یہ سوچ رہا ہوں کہ اب بی جان میری بات بالکل ہی نہیں مانیں گی۔ وہ پہلے ہی ماوی کو کچھ خاص پسند نہیں کرتی تھیں اس بات کے بعد تو ان کی ناراضی اور بڑھ گئی ہے۔" اس نے پریشانی کی اصل وجہ اگلی۔

"تیری غلط فہمی ہے میرے بھائی! بی جان ماوی کو "کچھ نہیں"...... دراصل وہ اسے "بالکل بھی" پسند نہیں کرتیں۔ اور یہ غلط فہمی بھی دور کر لو کہ وہ پہلے تمہاری بات سنتیں...... ماوی کے معاملے میں وہ کبھی تمہاری بات نہ سنتیں۔" وہ صاف اس کا تمسخر اڑا رہا تھا۔

"یار! میں مانتا ہوں ماوی بی جان کے متعلق غلط فہمی کا شکار تھی لیکن اس بات سے ہٹ کر دیکھا جائے تو بری تو نہیں ہے کہ اسے اتنا ناپسند کیا جائے۔ بلکہ اچھی ہے وہ۔"

"ہاں تمہاری نظر سے دیکھا جائے تو اچھی ہی ہے۔" شبیہ نے سابقہ انداز میں کہا تھا جلال چڑ گیا

"کیوں بھئی کیا برائی ہے اس میں۔"

شبیہ ہنس پڑا۔ "ہاں واقعی کوئی برائی نہیں ہے بس کافی زیادہ بدتمیز اور بہت زیادہ جھگڑالو ہے۔ بدزبان ہے...... جب میں سوچتا ہوں کہ تم اپنی آنے والی زندگی اس کے ساتھ گزارو گے تو مجھے تم پر ترس آتا ہے...... لیکن خیر یہ تمہارا ذاتی معاملہ ہے۔" اس کا انداز خاصا شرارتی تھا۔

جلال اور جل بھن گیا اس کی شکل دیکھ کر شبیہ نے قہقہہ لگایا تھا۔

"مجھے ایسے مت دیکھو۔ میں صرف سچائی بیان کر رہا ہوں۔"

"خدا خیر کرے ہمیشہ جلے بھنے رہنے والے شبیہ العباس صاحب کا موڈ بہت خوشگوار رہنے لگا ہے آج کل۔"

"جی ہاں جلنے بھننے کی ڈیوٹی آپ نے جو لے لی ہے۔" وہ پھر خوشگواری سے بولا تھا جلال اور بھی مشکوک نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔

"بڑی مشکوک ادائیں ہیں جناب آپ کی۔ ذرا روشنی ڈالئے کہ وجہ کیا ہے؟"

شبیہ نے مسکراتے ہوئے کرسی کی پشت سے ٹیک لگا لی چند لمحے سوچتا رہا پھر اس کی طرف دیکھ کر پوچھنے لگا۔

"تم اپنے اور ماوی کے بارے میں بی جان سے کب بات کرو گے؟"

جلال بری طرح چونکا۔" کیوں پوچھ رہے ہو؟"

"جنرل نالج میں اضافے کے لیے......"

"بڑا گھسا پٹا لطیفہ ہے۔" جلال بدمزہ ہوا۔

"ہاہاہا......" شبیہ دل کھول کر ہنسا تھا۔

"کوئی نہ کوئی بات تو ضرور ہے۔" جلال نے وثوق بھرے انداز میں کہا تھا۔

"میں سوچ رہا تھا کیوں نہ تم اور میں ایک ہی دن شادی کریں۔ کیا کہتے ہو۔" وہ پوری طرح اس کی طرف گھوما۔

"اچھا......تو یہ بات ہے۔" جلال نے مزہ لیتے ہوئے کہا تھا۔

شبیہ کھسیانا سا ہو کر ہنس دیا۔

"اب اس میں کیا ہے؟......تم شادی کر سکتے ہو تو کیا میں شادی کا سوچ بھی نہیں سکتا۔"

"سوچئے......سوچئے بھلا ہم کون ہوتے ہیں اعتراض کرنے والے۔" جلال پھر سے لیٹ گیا۔

"ویسے آئیڈیا برا نہیں ہے لیکن......" اس نے مدد طلب نظروں سے جلال کو دیکھا۔

"کیا لیکن؟"

"تم میرے بی ہاف پر بی جان سے بات کرو گے؟"

"ہرگز نہیں۔" شبیہ نے ایک بھی پل کا تامل کئے بنا کہا تھا۔

"پلیز شبیہ!......میرا بھائی نہیں ہے......میرے اندر اتنی ہمت نہیں ہے کہ بی جان سے بات کرسکوں۔"

"جب بات کرنے کی ہمت نہیں تھی تو محبت جیسی بہادری کرنے کی کیا ضرورت تھی۔" شبیہ نے آرام سے اس کے لتے لے ڈالے۔

"اب ہوگئی غلطی......کیا کروں۔" وہ مسکینی سے بولا تھا۔ شبیہ مذاق اڑانے والے انداز میں ہنسا پھر لیپ ٹاپ کی طرف رخ پھیرتے ہوئے بولا۔

"میری طرف سے اس سلسلے میں بالکل معذرت۔ اپنے معاملات خود نمٹاؤ۔ بی جان کا پتا نہیں ہے ایک منٹ میں مجھے بھی ڈانٹ کر رکھ دیں گی۔"

"اب مدد نہ کرنا چاہو تو اور بات ہے۔ ورنہ کون ہے جو یہ نہیں جانتا کہ تم بی جان کے کتنے لاڈلے ہو اور وہ تمہاری کوئی بات نہیں ٹالتیں......اس لیے یہ بہانے بازیاں کسی اور کے سامنے کرنا۔"

"میں بہانے نہیں بنا رہا۔ میں لاکھ بی جان کا لاڈلا سہی لیکن اس وقت وہ اتنے غصے میں ہیں کہ میری بھی کوئی بات نہیں سنیں گی۔" شبیہ نے کہا۔ "میں نے پہلے ہی انہیں سمجھانے کی کوشش کی کہ ماوی سے ناراضی چھوڑ دیں مگر وہ بضد ہیں کہ جب تک اسے سزا نہیں دے لیتیں آرام سے نہیں بیٹھیں گی اور تم ان کی ضدی طبیعت سے واقف ہی ہو پھر تم نے لڑکی بھی تو ایسی پسند کی ہے جو بذات خود بہت بڑی مصیبت ہے۔ اب بتاؤ میں ایسی سچوایشن میں کیا کروں۔"

"تم صرف میرا مذاق اڑاؤ اور اپنی شادی کی تیاریاں کرو۔" جلال نے جل کر کہا اور کمرے سے ہی باہر جانے لگا۔

"جیسے تمہاری خوشی......ویسے میں آج کسی کام سے لاہور جا رہا ہوں۔ کچھ منگوانا ہو تو بتا دینا۔" شبیہ نے چڑانے والے انداز میں کہا تھا اور مسکراتے ہوئے اپنا کام کرتا رہا تھا۔

☆☆☆

اگلے روز شام تک ماوی اپنی پیکنگ مکمل کر چکی تھی وہ بار بار دروازے تک جا کر پلٹ آتی تھی۔ یہ طے کرنا اس کے لیے بہت مشکل ہو رہا تھا کہ اسے جانے سے قبل کسی کو آگاہ کرنا چاہیے یا چپ چاپ نکل جانا چاہیے گو کہ ایسا کرنا بھی ناممکن تھا کیونکہ اتنے ملازمین کی نظروں سے بچ کر نکلنا محال تھا۔

بڑی دیر کی سوچ بچار کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچی کہ جانے سے قبل کسی اور سے نہیں تو اسے جنت بیگم سے ضرور معذرت کر لینا چاہیے۔ حالانکہ یہ بھی ایک دقت طلب کام تھا مگر اخلاق کا تقاضہ یہی تھا کہ وہ اپنی ذات سے پہنچنے والی پریشانیوں پر معذرت کر لے۔ لیکن وہ کیوں معذرت کرے؟ بلاواسطہ ہی سہی لیکن جنت بیگم اس کے بابا کے قتل کی ذمہ دار تو ضرور تھیں۔

ڈبل مائنڈڈ ہو کر وہ جنت بیگم کے کمرے کی طرف آ گئی۔ دروازے پر دستک دینے سے قبل بھی وہ تذبذب کا شکار تھی۔ پھر اس نے ابھی دستک کے لیے ہاتھ اٹھایا ہی تھا کہ اچانک دروازہ کھل گیا۔ باہر آنے والی تسنیم تھی۔

"بی بی آپ!"

"ہاں مجھے جنت بیگم سے کچھ بات کرنی ہے۔" ماوی نے کہا تھا۔

"آپ نے کہا تھا آپ آئیں گی۔" تسنیم نے اسے یاد دلایا۔

"میں آج ہی واپس جا رہی ہوں تسنیم! ویسے بھی تمہارے بابا کے پاس اب ایسا کچھ نہیں ہے جو میرے کام آ سکے۔"

"آپ ایک بار آ جائیں بی بی! یہ آپ کے لیے بہتر ہوگا۔" تسنیم بہت اصرار کر رہی تھی ماوی کو ماننا ہی پڑا

"اچھا ٹھیک ہے میں جنت بیگم سے مل کر تمہارے پاس آ ؤنگی۔"

تسنیم اس کے وعدے پر بھروسہ کر کے چلی گئی تب ماوی اندر جانے کی بجائے لڑکیوں کے کمرے کی طرف چل دی بہت کوشش کے باوجود

وہ خود کو جنت بیگم سے بات کرنے پر آمادہ نہیں کر پا رہی تھی۔

☆☆☆

"کیا میں اندر آ سکتی ہوں؟" ماوی نے کمرے میں جھانک کر پوچھا تھا۔

"اس میں پوچھنے کی کیا بات ہے...... آؤ ناں۔" ثمل نے کہا ماوی اندر آ گئی

"اچھے وقت پر آئی ہو۔ میں اور تنوی چائے پینے کا سوچ رہے تھے۔ تم پیو گی؟" ثمل نے پوچھا ماوی نے اثبات میں سر ہلا دیا

"ہاں ضرور...... لیکن صرف آدھا کپ۔"

"اچھا میں کہہ کر آتی ہوں۔" ثمل باہر نکل گئی تھی۔

"کیا کر رہی ہو تنوی؟" "کچھ نہیں بس یہ میگزین دیکھ رہی تھی۔" وہ میگزین پہلے ہی بند کر چکی تھی۔

"تم کالج کیوں نہیں جاتیں؟" ماوی کو اتنے دن بعد خیال آیا تھا۔

"پہلے جاتی تھی پھر شبیہ بھائی نے منع کر دیا۔"

"کیوں؟ اس نے کیوں منع کیا؟"

"بس وہ نہیں چاہتے تھے کہ میں مزید پڑھوں۔" وہ اصل بات گول کر گئی تھی۔ "تو بی جان نے کہا جیسا شبیہ کہتا ہے ویسا ہی کرو۔ زندگی بھی تو اسی کے ساتھ گزارنی ہے۔"

"ہم......" ماوی نے کوئی خاص تبصرہ نہیں کیا کہ یہاں کے رولز سمجھ ہی چکی تھی۔

"میں آج واپس جا رہی ہوں تنوی! تم لوگوں کو خدا حافظ بولنے آئی تھی۔"

"ارے اس طرح اچانک۔"

"ہاں بس بہت رو لیا...... میں نے سوچا اب واپس جانا چاہیے۔"

"جلال بھائی سے پوچھ لیا؟" تنوی نے قدرے شرارت سے پوچھا تھا۔

"اس سے کیوں پوچھوں؟" وہ حیران ہوئی پھر اس کی شرارت فوراً سمجھ گئی۔

"نہیں میں نے نہیں پوچھا نہ ہی اسے بتایا ہے...... جاتے ہوئے بتا دوں گی۔" پھر کچھ خیال آنے پر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میں چلتی ہوں تنوی!"

"ارے بیٹھو ناں۔ ثمل دیر لگا رہی ہے تو خود چائے بنا رہی ہو گی ورنہ وہ بہت اچھی چائے بناتی ہے۔"

"اب چائے کا موڈ نہیں رہا۔ تم لوگوں سے ملنا تھا مل لیا۔ اب ذرا تسنیم سے بھی مل لوں اسے کوئی کام تھا مجھ سے۔"

وہ بڑھ کر تنوی کے گلے لگی تھی۔

''میں تمہیں مس کروں گی۔''

''میں بھی...... '' تنوی مسکرائی۔ ''جلال بھائی تو تمہارے جانے سے بہت خوش ہوں گے کیونکہ تم جتنا جلدی جاؤ گی اتنا جلدی ہی تو وہ تمہیں واپس لانے تمہارے پیچھے آئیں گے۔ اور وہ بھی ہمیشہ کے لیے۔''

ماوی اس کی بات پر بے ساختہ ہنس دی تھی۔

''خدا حافظ تنوی!'' وہ کمرے سے باہر آ گئی تھی۔ اب وہ تسنیم کی تلاش میں تھی۔

☆☆☆

رات سے صبح ہو گئی لیکن ولید کی کوئی خیر خبر نہ تھی۔ دانیال حسن اس کی تلاش میں مارے مارے پھرتے رہے انہوں نے ہر اس جگہ اسے تلاش کیا جہاں اس کی موجودگی متوقع ہو سکتی تھی لیکن سب بے سود رہا۔

دانیال حسن گھر واپس آئے تو ان کے کندھے تھکن اور مایوسی سے جھکے ہوئے تھے۔

''ڈیڈی! ولید کا کچھ پتا چلا؟'' اینیا انہیں دیکھ کر لپک کر آئی تھی لیکن ان کا چہرہ اور جھکے ہوئے کندھے اس کے ہر سوال کا جواب تھے۔ اینیا صابن کے جھاگ کی طرح بیٹھ گئی۔

''تم نے اس کے فرینڈز سے پتا کیا؟'' دانیال حسن نے صوفے پر گرنے کے انداز میں بیٹھتے ہوئے پوچھا تھا۔

''حیند کو فون کیا تھا اسی نے باقی سب دوستوں سے پتا کیا ہے لیکن ولید کے بارے میں کسی کو بھی نہیں پتا۔'' وہ کارپٹ پر ان کے پیروں کے قریب بیٹھ گئی تھی۔

''ولی کہاں ہے؟''

''زبردستی کھانا کھلا کر تھوڑی دیر پہلے سلایا ہے۔ بہت رو رہا تھا...... آپ کے لیے کھانا لاؤں؟''

دانیال حسن نے نفی میں سر ہلا دیا تھکن ان کے سارے وجود سے مترشح تھی اینیا کا دل بھر آیا۔ آنسوؤں کو اس نے مہارت سے چھپا لیا تھا

''تم نے کھانا کھایا؟''

اب کی بار اینیا نے نفی میں سر ہلایا تھا۔

''تم تو کھا لیتیں بیٹا! ولید کا پتا چل جائے گا۔'' انہوں نے اینیا کا سر آہستگی سے تھپتھپاتے ہوئے کہا تھا اتنی سی بات کرتے ان کی آواز بری طرح بھرا گئی۔

''ڈیڈی! پلیز......'' اینیا تڑپ کر ان کی طرف پلٹی تھی۔

''ولید جہاں بھی ہو گا خیریت سے ہو گا وہ گھر آ جائے گا آپ پریشان مت ہوں۔''

''تم جاؤ کھانا لگاؤ...... بلکہ ایسا کرو یہیں لے آؤ...... ہم دونوں مل کر کھائیں گے۔'' گو کہ ان کا ہرگز دل نہیں چاہ رہا تھا لیکن محض اینیا کی

خاصا انہوں نے کہا تھا اینیا بھی ان کے خیال سے اٹھ گئی۔

"ڈیڈی!" معاً اینیا کو خیال آیا تھا۔ "ولی نے ممی کو بھی کال کر کے ولید کے بارے میں بتا دیا ہے۔" وہ ڈری ڈری سی بول رہی تھی مبادہ وہ برا منا جائیں۔

دانیال حسن نے گردن موڑ کر اسے دیکھا پھر اثبات میں سر ہلا دیا۔

"میں کیسے تمہارا سامنا کروں گا ثروت!" انہیں کئی خیالات نے ایک ساتھ گھیرا تھا۔

ولید کی ہر بات جیسے ان کا دل چیر کر نکلی تھی آج تک انہوں نے ہر معاملے میں ثروت کی غلطی نکالی تھی اپنی کوتاہیاں بھی اسی کے کھاتے میں ڈالی تھیں۔ پہلی بار احساس ہوا تھا کہ بہت ساری غلطیاں تو ان کی اپنی ہی تھیں۔ ثروت نے تو ہر بار اپنا اور ان کا رشتہ سنبھالا ہی تھا بلکہ یہ رشتہ اگر اب تک قائم تھا تو اس کا کریڈٹ ثروت کو ہی جاتا تھا ورنہ انہوں نے تو کبھی ایسی کوئی کوشش نہیں کی وہ تو ہمیشہ ثروت کو قصوروار ہی ٹھہراتے رہے تھے۔

انہیں لگتا تھا ثروت کی محبت اور وفا اب تک مستقیم کے لیے ہیں اور وہ ان کے ساتھ خوش ہی نہیں ہیں یا شاید در پردہ وہ ثروت کی توجہ اپنی طرف رکھنے کے لیے اس طرح کی باتیں کیا کرتے تھے۔ اس سے ہوا یہ کہ ثروت کی توجہ تو ان کی طرف ہی رہی لیکن اس سارے چکر میں وہ بھول ہی گئے کہ ان کے بچوں پر کیا اثر پڑ رہا ہے۔

ولید نے ان کے سامنے جو کچھ کہا اس سے صاف پتا چلتا تھا وہ ان سے کتنا متنفر ہو چکا ہے پھر جس ذہنی کیفیت میں گھر سے نکلا تھا کچھ بعید نہیں تھا کہ خود کو کوئی نقصان پہنچا لیتا۔ اینیا اگر سچ فیضان میں دلچسپی لینے لگی تھی تو یہ بھی بلاشبہ ان کی ہی کوتاہی تھی ثروت اگر اسلام آباد نہ گئی ہوتیں تو وہ اینیا کو اعتماد میں لے سکتی تھیں وہ اس پر نظر رکھتی تو یہ نوبت ہی نہ آتی۔ اندیشے انہیں ہراساں کر رہے تھے اور پچھتاوے پیچھا نہ چھوڑتے تھے۔ وہ بری طرح غمزدہ تھے۔

☆☆☆

شبیہ اپنے کسی ذاتی کام کے سلسلے میں شہر آیا تھا ایک آدمی سے ملنا تھا اس کام سے فارغ ہو کر وہ لنک روڈ آ گیا جلال نے کچھ چیزیں منگوائی تھیں۔ خریداری کرتے ہوئے وہ ایک لیڈیز بوتیک کے سامنے ٹھٹھک کر رک گیا۔ شوکیس میں ایک بہت خوبصورت سوٹ ڈس پلے کیا ہوا تھا اس سوٹ کو دیکھتے ہوئے اسے بے ساختہ تنوی کا خیال آیا تھا۔ پہلی بار ایسا ہوا تھا کہ وہ تنوی کے لیے کوئی چیز لینے کا سوچے۔ اس خیال کے آتے ہی اس کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی تھی۔ اپنے اندر آنے والی یہ تبدیلی اسے خود بھی اچھی لگ رہی تھی۔

بہرحال اس نے وہ سوٹ سیلز مین سے پیک کرنے کے لیے کہہ دیا اور دوسرے شوکیس کے پاس کھڑا ہو کر انتظار کرنے لگا تبھی اس کی نظر کچھ فاصلے پر کھڑے چند لڑکوں پر پڑی ان میں سے ایک ولید تھا۔ وہ اپنے حلیے سے کچھ بیمار سا دکھائی دیتا تھا اور اس کے چہرے پر کوئی ایسی بات ضرور تھی جو محسوس تو ضرور ہوتی تھی لیکن اسے کوئی نام دینا مشکل تھا۔

شبیہ نے حسب توقع اسے نظر انداز کیا اور بے سبب ادھر ادھر کی چیزوں میں دلچسپی لینے لگا لیکن یکایک اسے احساس ہوا ایسا کرنا مشکل تھا کیونکہ ولید کے ساتھ موجود باقی تین لڑکے اپنے حلیوں سے کچھ مشکوک سے دکھائی دیتے تھے۔ شبیہ نہ چاہتے ہوئے بھی ان لوگوں کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔

وہ لوگ اس سے اتنے فاصلے پر تھے کہ ان کی آوازیں اس تک نہیں پہنچ رہی تھیں لیکن ان کے تاثرات سے یہ اندازہ لگانا ہرگز مشکل نہ تھا کہ وہ لوگ آپس میں جھگڑ رہے ہیں۔ چند منٹ کے بعد وہ سب باہر نکل گئے شبیہ نے بہت چاہا کہ ان سب کو نظر انداز کر دے لیکن اس معاملے میں وہ کچھ لاچاری سی محسوس کر رہا تھا۔ پے منٹ کر کے وہ ان کے پیچھے ہی باہر نکل آیا لیکن جب تک وہ پارکنگ میں پہنچا وہ لوگ غائب ہو چکے تھے شبیہ کو مایوسی ہوئی لیکن تھوڑی دور جا کر وہ چاروں اسے نظر آ گئے ان کے پاس دو سپورٹس موٹر سائیکلیں تھیں جنہیں اتنی بھیڑ میں وہ بہت بے ڈھنگے پن سے چلا رہے تھے۔ شبیہ نے ان کا پیچھا کرنا شروع کر دیا تھا کیونکہ اپنی حرکات سے وہ اسے مشکوک نظر آتے تھے، اور اس کے شکوک کی کچھ ہی دیر بعد تصدیق ہو گئی تھی۔ مین روڈ سے ہوتے ہوئے وہ لوگ یک دم موٹر وے کی طرف مڑ گئے تھے۔ تھوڑا آگے جا کر ایک بار پھر وہ شبیہ کی نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ گو کہ یہ کوئی نامناسب بات نہ تھی لیکن اس نے گاڑی ایک مناسب جگہ پارک کر دی اور خود انہیں تلاش کرنے لگا حالانکہ اسے ولید سے ایسی کوئی انسیت نہ تھی لیکن دراصل اس کی چھٹی حس اسے مسلسل کوئی اشارہ دے رہی تھی جس کی تصدیق تھوڑی دیر بعد ہو ہی گئی۔ یہ علاقہ قدرے ویران تھا اور یہاں درختوں کی بھرمار تھی۔ ایک طرف جھاڑیوں میں اسے کسی کی موجودگی کا احساس ہوا تھا وہ تیزی سے اس طرف آیا۔ اور اس کے تمام اندیشے درست ثابت ہو گئے ولید جھاڑیوں میں اوندھے منہ گرا ہوا تھا اسے بری طرح زدوکوب کیا گیا تھا اور اس کے سر سے خون بہہ رہا تھا ایسا لگتا تھا جیسے کسی نوکیلی چیز سے اس کے سر پر وار کیا گیا ہو۔ شبیہ نے پھرتی سے اسے اٹھا کر گاڑی میں ڈالا اور ریش ڈرائیو کرتے ہوئے ہاسپٹل لے آیا۔

☆☆☆

فیضان نے رینٹ پر ایک اپارٹمنٹ لے لیا تھا اور وہاں شفٹ ہونے کے بعد توقیر صاحب کو فون کیا تھا۔

"میں نے انیکسی فارغ کر دی ہے اور چابی چوکیدار کے حوالے کر آیا ہوں۔ اب آپ دانیال بھائی کو میری طرف سے آگاہ کر دیں کہ انیکسی کی جانچ پڑتال کر لیں کوئی نقصان ہوا ہو تو میں پورا کرنے کے لیے تیار ہوں۔"

"تمہیں وہیں رکنا چاہیے تھا فیضان! میں نے کہا تو تھا دانیال کو تھوڑا وقت دو وہ ساری صورتحال کو سمجھ لے گا۔" توقیر صاحب نے کہا تھا۔

"معاف کیجئے گا توقیر بھائی! لیکن میں اب وہاں رک کر اپنی مزید بے عزتی نہیں کروا سکتا۔" فیضان نے دوٹوک کہا تھا۔

"تم جذباتی ہو رہے ہو جس طرح دانیال نے اصل حقائق کا علم ہوئے بغیر محض جذباتیت سے کام لیا تھا۔"

"آپ بھی مجھے ہی قصوروار ٹھہرا رہے ہیں۔"

"نہیں میں تمہیں قصوروار نہیں ٹھہرا رہا میں صرف تم دونوں کا موازنہ کر رہا ہوں جو خود کو بڑا عقل کل سمجھتے ہو لیکن حقیقتاً جذباتیت کے مارے ہوئے ہو۔ دانیال کو ایک بات پتا چلی تو اس نے بنا سوچے سمجھے ری ایکٹ کرنا شروع کر دیا تم نے تھوڑی بہت مصالحت کی کوشش کی جب کوئی حل نہ نکلا تو بچوں کی طرح جذباتی ہو گئے...... میں مانتا ہوں تم دونوں حق پر تھے لیکن کبھی کبھار حق پر ہونے کے باوجود انسان کو دوسروں کی مجبوریوں کے متعلق سوچ لینا چاہیے...... اور پتا نہیں میں تمہیں یہ سب کیوں سمجھا رہا ہوں۔ تم کون سا دانیال سے کچھ کم ہو کہ عقل والی کوئی بات سمجھ سکو۔ بہرحال ولید ہاسپٹل میں ہے اور دانیال اسی سلسلے میں مصروف ہے جیسے ہی وہ فارغ ہو گا میں اسے تمہارا پیغام دے دوں گا۔ میں نے تو عہد کر لیا ہے اگلی بار کسی کے ساتھ

بھلائی نہیں کروں گا تم دونوں کو بزنس پارٹنر بنانے کی بڑی غلطی ہوئی مجھ سے" توقیر صاحب نے رکھائی سے کہا تھا۔ فیضان کو زبردست جھٹکا لگا۔

"ولید ہاسپٹل میں ہے؟"

"ہاں۔ میری ابھی کچھ دیر پہلے اینیا سے بات ہوئی ہے اسی نے بتایا ہے۔" توقیر صاحب نے اتنا بتا کر فون بند کر دیا فیضان کشمکش و پیچ میں پڑ گئے۔ جس وقت وہ اپنے اپارٹمنٹ کے لیے نکل رہے تھے انہوں نے اینیا کو برآمدے کی سیڑھیوں پر روتے دیکھا تھا اور دانیال حسن پھرتی سے گاڑی نکال رہے تھے لیکن ان کے وہم و گمان میں بھی ایسا خیال نہیں آیا تھا کہ وہ ہسپتال جا رہے ہوں گے۔ فیضان کو یکدم اپنی جذباتیت پر غصہ آیا تھا کاش وہ رک کر ایک بار اینیا سے اس کے رونے کی وجہ پوچھ لیتے تو کچھ نہ کچھ ضرور ان کی مدد کر پاتے لیکن خیر جب انہیں اینیا کے رونے کی وجہ معلوم تھی تب انہوں نے کیا کر لیا تھا جو اب ایسا سوچ رہے تھے۔ انہیں شرمساری نے گھیر لیا تھا۔

☆☆☆

"بظاہر چھوٹے چوہدری کی موت میں بڑی چوہدرائن کا کوئی ہاتھ نہیں تھا لیکن اگر میں یہ کہوں کہ وہی چوہدری کی موت کی ذمہ دار ہیں تو غلط ہرگز نہ ہوگا۔"

تسنیم کا باپ بہت ٹھہر ٹھہر کر اور دھیمی آواز میں بول رہا تھا۔ اس کا بیمار وجود گو کہ اسے اتنا بولنے کی اجازت نہیں دیتا تھا مگر پھر بھی وہ اپنی ساری ہمت صرف کر کے بول رہا تھا۔ ماوی کو اس کی بات سمجھنے میں خاصی وقت کا سامنا تھا۔

"مجھے تو چوہدرائن نے اس سارے معاملے سے بچانے کا لالچ دے کر خاموش کروا دیا تھا لیکن چھوٹے چوہدری کو وہ اٹھتے بیٹھتے طعنے دیا کرتی تھیں۔ پھر جب میں نے ضمیر کی آوازوں سے پریشان ہو کر سچائی ظاہر کرنے کی ٹھانی تو چوہدرائن نے تسنیم کو اپنے پاس رکھ کر مجھے اس کوٹھڑی میں ڈلوا دیا۔ میرے پاس ایسا کوئی راستہ نہیں تھا کہ کسی طرح یہاں سے باہر نکل سکوں۔ ہاں کبھی کبھار کسی ملازم کے ساتھ باہر نکلنے کا موقع مل جاتا تھا۔ ایسے ہی ایک بار میری ملاقات چھوٹے چوہدری سے ہو گئی اس وقت اتفاق سے ملازم بھی موجود نہیں تھا میں نے ہمت کر کے ساری حقیقت چھوٹے چوہدری کو بتا دی۔ لیکن سارے حقائق سے واقف ہونے کے باوجود وہ کچھ نہیں کر سکتے تھے کیونکہ انہیں خون کا رشتہ نہ ہونے کے باوجود تسنیم کی فکر تھی...... مجھے اعتراف ہے وہ بہت عظیم انسان تھے اور میں نے اپنی خود غرضی کے ہاتھوں انہیں پھنسا دیا...... پھر چوہدرائن تو ہمیشہ سے ان کے خلاف تھیں۔ چوہدری صاحب خود کو بے قصور ثابت کرنے کے لیے کچھ بھی نہیں کر سکتے تھے...... کئی مہینوں کے بعد ایسے ہی میری ملاقات چوہدری جی سے ہوئی تب انہوں نے مجھے وہ خط دیا جو تسنیم نے پہلے آپ کی والدہ کو دینے کی کوشش کی تھی اور پھر آپ تک پہنچا...... مجھے معاف کر دیں چھوٹی بی بی! میں صرف چوہدری جی کا ہی نہیں آپ کا بھی گنہگار ہوں۔"

ماوی کیا کہہ سکتی تھی اس کے پاس تو اب کچھ بھی نہ بچا تھا۔

تسنیم کا باپ یکدم ہچکیاں لے کر رونے لگا تھا۔

ماوی اب تک کھڑی ہوئی تھی وہ چند قدم آگے بڑھی اور بوڑھے آدمی کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

"آپ مت روئیں۔ان کی قسمت میں یہی تھا۔" وہ آہستگی سے بولی تھی۔"میں چلتی ہوں۔"

"تسنیم نے بتایا آپ واپس جارہی ہیں۔بیٹی مجھے اس قید سے چھٹکارہ دلوادو۔قانون کی سزا خدا کے عذاب سے تو کم ہوگی۔"

وہ بوڑھا شخص آس بھری نظروں سے ماوی کو دیکھ رہا تھا۔

"میں اکیلی کچھ نہیں کرسکتی ہاں واپس جاکر کوشش کروں گی کہ پولیس کو آپ کی اس جبری قید کے بارے میں اطلاع دے سکوں۔" اس نے دھیمی آواز میں کہا اور دروازے کی طرف بڑھ گئی۔اس کے قدموں میں تھکن ہی تھکن محسوس ہوتی تھی۔

یہ جانتے ہوئے بھی کہ جنت بیگم اس کے باپ کی موت کی ذمہ دار ہے نہ صرف یہ بلکہ اس شخص کو قید کرکے سچ کو چھپا کر قانون کی مجرم بھی بن رہی ہے وہ اس کے خلاف کچھ بھی کرنے سے قاصر تھی۔یہ خیال ہر دوسرے خیال سے زیادہ مایوس کن تھا۔

اسی مایوسی کے زیر سایہ اس نے دروازے پر ہاتھ رکھا دو تین بار دروازے کو دھکیلا اور یکدم اس پر انکشاف ہوا کہ دروازہ باہر سے مقفل کیا جاچکا تھا۔

ماوی نے ہراساں ہوکر دروازہ پیٹ ڈالا تھا۔



ماوی نے ہراساں ہوکر دروازہ پیٹ ڈالا تھا۔

لیکن جلد ہی اسے احساس ہوگیا کہ کوئی بھی کوشش بیکار رہے گی دروازے کو باہر سے بند کیا گیا تھا اور اس کام میں اتنی احتیاط سے کام لیا گیا تھا کہ دروازے کے نزدیک بیٹھے ہونے کے باوجود وہ کنڈی لگنے کی آواز نہیں سن سکی تھی۔کچھ دیر دروازے کو بجانے اور مدد کے لیے پکارنے کے بعد وہ تھک کر اور قدرے مایوس ہوکر بیٹھ گئی۔تسنیم کا باپ دوبارہ گہری نیند میں جاچکا تھا۔گو کہ اگر وہ جاگ بھی رہا ہوتا تو بھی کوئی خاص فائدہ نہ ہوتا کیونکہ وہ تو ماوی سے بھی زیادہ بے بس تھا۔

وہاں بیٹھ کر ماوی کو اپنی حماقت اور الجھی ہوئی زندگی کا احساس از سر نو ہوا تھا۔ابھی وہ انہی سوچوں میں الجھی ہوئی تھی کہ معاً دروازے کے دوسری طرف اسے کھٹکے کا احساس ہوا ماوی سرعت سے دروازے کی طرف لپکی۔دروازہ کھلا اور جو چہرہ اسے دکھائی دیا وہ جلال کا تھا۔

"چلو......" اس سے قبل کہ وہ صورتحال کا تعین کرپاتی جلال نے اس پر ایک نظر ڈالنے کے بعد کہا تھا۔ساتھ ہی وہ آگے بڑھ گیا تھا۔

"جلال۔" ماوی نے اسے بے ساختہ پکارا تھا۔

"جلال! پلیز میری بات سنو۔" ماوی دو قدم اس کی طرف آئی تھی۔شاید بات کرنے کے لیے اس سے اچھا موقع اسے دوبارہ نہ مل پاتا۔لیکن اس کی آواز پر رکنے کی بجائے جلال آگے بڑھتا رہا تھا یہاں تک کہ وہ دونوں حویلی کے مرکزی حصے کے قریب پہنچ گئے۔

"رکو جلال! تم میری بات کیوں نہیں سن رہے۔" ماوی نے سامنے آکر اس کا راستہ روکا تھا۔

"تمہاری ضروری باتیں میں پھر کسی وقت بھی سن سکتا ہوں۔" جلال نے جھنجلا کر کہا تھا۔"اگر بی جان کو ابھی خبر مل گئی کہ میں نے تمہیں

اس کوٹھڑی سے آزاد کروالیا ہے تو وہ پھر تمہیں وہیں پہنچادیں گی اور میں کچھ بھی نہیں کرسکوں گا اور اس کے بعد تمہارا وہی حشر ہوگا جو تسنیم کے باپ کا ہو رہا ہے......" جلال نے کچھ لمحوں کا توقف کیا تھا۔ ماوی کی آنکھیں کچھ پھیل سی گئی تھیں وہ چشم تصور سے خود کو اس چارپائی پر بے یارومددگار لیٹا ہوا دیکھ رہی تھی جو تسنیم کے باپ کے لیے مخصوص تھی۔

"اس سے پہلے کہ کوئی آجائے ہمیں یہاں سے نکل جانا چاہیے۔" جلال نے کہا تھا ماوی نے بنا سوچے سمجھے اس کی تقلید کی۔ حویلی کی دو چار راہداریاں مڑنے کے بعد جلال اسے ایک کمرے میں لے آیا تھا۔

"جب تک میں واپس نہ آؤں اس کمرے سے باہر نکلنے کی حماقت مت کرنا......"

"لیکن جلال!......" ماوی نے کہنا چاہا مگر جلال جلدی میں تھا۔

"پھر بات کریں گے ماوی! ابھی میں جلدی میں ہوں۔ تم پلیز باہر نہ نکلنا۔"

وہ باہر نکلتا چلا گیا ماوی نے لاک لگنے کی آواز سنی تھی پھر وہ گرنے کے انداز میں صوفے پر بیٹھ گئی۔ ایک کمرے سے نکال کر وہ دوسرے کمرے میں قید کردی گئی تھی اور ایسا کیوں ہوا تھا وہ یہ بھی نہیں جانتی تھی صرف وجوہات کے متعلق قیاس آرائی کرسکتی تھی سو کر رہی تھی کیونکہ اس کے پاس اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تھا۔

☆☆☆

شبیہ ہاسپٹل کے کاریڈور میں کھڑا تھا جب اس نے اپنے موبائل فون پر جنت بیگم کی کال ریسیو کی۔

"شبیہ! تم واپس کب آرہے ہو؟"

"میں جس کام کے لیے آیا تھا وہ ابھی پورا نہیں ہوا۔" شبیہ نے کچھ دیر سوچنے کے بعد کہا تھا اس کی نظریں اس دروازے پر مرکوز تھیں جہاں ولید کو رکھا گیا تھا۔ ابھی کچھ دیر پہلے اس کی ملاقات اینیا سے ہوئی تھی۔ اس نے شبیہ کا شکریہ ادا کیا تھا کہ وہ بروقت نہ صرف ولید کو ہاسپٹل لے آیا تھا بلکہ انہیں اطلاع بھی دے دی تھی۔ دانیال حسن نے البتہ ایسی کوئی زحمت گوارا نہ کی تھی۔

"میں جس کام کے سلسلے میں آیا تھا وہ ابھی پورا نہیں ہوا بی جان! شاید دو تین دن مزید رکوں۔" شبیہ نے کہا تھا۔

"کیا کوئی بہت ضروری کام ہے؟" جنت بیگم نے پوچھا۔

"نہیں کوئی اتنا خاص بھی نہیں۔" شبیہ کو جنت بیگم کے انداز میں کچھ خاص بات کا احساس ہوا تھا۔

"ٹھیک ہے پھر تم واپس آجاؤ......"

"خیریت تو ہے نابی جان!"

"ہاں خیریت ہے لیکن حویلی میں تمہاری زیادہ ضرورت ہے اس لیے میں چاہتی ہوں تم ابھی واپس آجاؤ۔" جنت بیگم نے حکمیہ انداز میں کہا تھا۔

"میں ابھی نہیں آسکوں گا بی جان! ابھی کام باقی ہے۔" شبیہ نے کہا تھا۔

"کام پھر کبھی کر لینا میں نے کہا ناں۔ یہاں تمہاری موجودگی زیادہ ضروری ہے۔"

"لیکن......اچھا ٹھیک ہے۔" شبیہ نے اپنی ناگواری پر قابو پاتے ہوئے کہا تھا۔

"میں تمہارا انتظار کر رہی ہوں۔" جنت بیگم نے فون بند کر دیا تھا۔

شبیہ نے فون جیب میں رکھتے ہوئے بیزاری سے نفی میں سر ہلایا تھا کبھی کبھی جنت بیگم اپنے احکامات سے اسے زچ کر کے رکھ دیتی تھیں۔ وہ اسی متعلق سوچ رہا تھا جب یونہی اس کی نظر کاریڈور کے کنارے پر پڑی۔ اینا کی معیت میں حواس باختہ سی ثروت آرہی تھیں۔ ان کا بس نہ چلتا تھا کہ اڑ کر یہاں تک پہنچ جائیں۔ شبیہ دیوار سے ٹیک لگائے کھڑا تھا انہیں آتا دیکھ کر وہ سیدھا ہوا لیکن ثروت اس پر نظر ڈالے بغیر کمرے میں چلی گئی تھیں۔ شبیہ کے دل میں ہوک سی اٹھی۔ غیر ارادی طور پر وہ چاہتا تھا کم سے کم ثروت اس کے سر پر ہاتھ ہی پھیر دیں لیکن ان کے انداز میں صرف ولید کے لیے فکر مندی تھی صرف اس کے لیے آنسو تھے۔ ہر بار کی طرح اس بار بھی ولید اسے خود سے زیادہ خوش قسمت محسوس ہوا تھا اور اس بات نے اس کے دل میں پہلے سے موجود حسرتوں کو اور بڑھا دیا تھا۔

☆☆☆

جلال نے فی الفور شبیہ کو کال کی تھی۔

"تم کہاں ہو شبیہ! واپس کب تک آنا ہے؟" اس نے عجلت پوچھا تھا۔

"کیا قیامت آگئی ہے بھئی۔" شبیہ جھنجلا گیا۔ "ابھی بی جان کا فون آیا تھا وہ بھی یہی پوچھ رہی تھیں۔"

"اچھا بی جان نے بھی تمہیں کال کی تھی۔" جلال کچھ حیران ہوا۔ "حیرت ہے۔"

"بعد میں حیران ہو لینا پہلے مجھے بتا دو آخر معاملہ کیا ہے۔"

"نہیں فون پر بتانے والی بات نہیں ہے تم واپس آجاؤ تب ہی بات ہوگی۔ کتنی دیر میں پہنچ جاؤ گے؟" جلال نے بتا کر پوچھا۔

"میرا آج واپسی کا ارادہ نہیں ہے لیکن بی جان کا آرڈر ہے کہ آج ہی واپس آؤں۔" شبیہ کا انداز اکتاہٹ آمیز تھا۔

"لیکن تم تو آج ہی واپسی کے ارادے سے گئے تھے میرا خیال تھا اب تک تو واپسی کے لیے نکل بھی گئے ہو گے۔"

"ہاں ارادہ تو خیر یہی تھا کہ آج ہی واپس آؤنگا لیکن یہاں ایک مسئلہ ہو گیا تھا۔" اس نے مختصر لفظوں میں ولید کے متعلق اسے بتا دیا۔ "جب تک پولیس انکوائری مکمل نہیں کر لیتی میرا نکلنا مشکل ہے۔ آئی وٹنس کے طور پر میرا بیان لیا جائے گا اور یہ بات میں بی جان کو بھی نہیں بتا سکتا کہ واپس کیوں نہیں آرہا۔ وہ تو سنتے ہی قیامت کھڑی کر دیں گی کہ میں......امی کی فیملی کے ساتھ ہوں۔" اس نے جھجکتے ہوئے کہا تھا کوئی اور وقت ہوتا تو یقیناً جلال اس کے منہ سے ثروت کے لیے امی کا لفظ سن کر خوش ہوتا لیکن اس وقت تو وہ خود الجھا ہوا تھا

"ہاں تمہارا وہاں رہنا ضروری ہے لیکن شبیہ! مجھے بھی یہاں تمہاری ضرورت ہے۔ تم کسی بھی طرح واپس آنے کی کوشش کرو۔"

"آخر ہوا کیا ہے۔ بی جان کی تو خیر اپنی بات منوانے کی عادت ہے تمہیں کیا مصیبت پڑی ہے۔"

جلال نے حقیقت حال سے آگاہ کرنے سے پہلے ایک گہری سانس لی تھی۔

"تم نے بتایا تھا کہ بی جان ماوی کو سزا دینے کا ارادہ رکھتی ہیں لیکن یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ کیا پلاننگ کر رہی ہیں اور میرے تو وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ ماوی کو قید کر کے رکھیں گی۔"

"کیا مطلب......؟" شبیہ الجھا۔

"یار! بی جان نے ماوی کو پچھلی کوٹھڑی میں بند کروا دیا تھا غیر معینہ مدت کے لیے۔ وہ تو مجھے تسنیم نے خبر دے دی اور میں نے بروقت ماوی کو وہاں سے نکال لیا ورنہ بی جان نے تو کان وکان خبر نہ ہونے دینی تھی کہ ماوی کو زمین نگل گئی یا آسمان کھا گیا۔"

"تو یہ کونسی نئی بات ہے بی جان ہمیشہ سے ملازمین کو سزا دینے کے لیے وہاں قید کرواتی رہی ہیں۔" شبیہ نے گہری سانس بھرتے ہوئے کہا تھا۔

"غلط طریقہ کار تو وہ بھی تھا لیکن ہم میں سے کسی نے بھی کبھی ان کو ان کی غلطی کا احساس دلانے کی کوشش نہیں کی۔ سب نے آنکھیں اور کان بند رکھے کہ جو ہو رہا ہے جیسے ہو رہا ہے اسے ویسے چلنے دیں......" جلال کے یہ اعتراضات نئے نہیں تھے وہ اکثر اس طرح کی بات کیا کرتا تھا یہ الگ بات ہے کہ شبیہ نے کبھی اس کی باتوں پر کوئی خاص دھیان نہیں دیا وہ جنت بیگم کا سب سے بڑا حمایتی تھا لیکن آج اسے جانے کیوں جنت بیگم کی زیادتیوں کا احساس ہو رہا تھا شاید ثروت کو والہانہ ولید کی طرف بڑھتا دیکھ کر اس کے اندر کی محرومیاں جاگ اٹھی تھیں اور اسے ہر انسان کے عمل میں برائیاں نظر آنے لگی تھیں۔

"ٹھیک کہہ رہے ہو پھر ماوی اور پھر ملازمین اور ماوی کی حیثیت میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ بی جان کو ہرگز ایسا نہیں کرنا چاہیے۔"

"بات حیثیت کی نہیں انسانیت کی ہے۔" جلال نے کہا۔ "بہرحال تم آ جاؤ۔ بی جان کو صرف تم ہینڈل کر سکتے ہو میرے لیے یہ کام بہت مشکل ہے اور پھر پتا نہیں وہ ماوی کے بارے میں کیا سوچ بیٹھی ہیں۔ انہوں نے اسے کوئی نقصان پہنچایا تو میں زندہ نہیں رہ سکوں گا شبیہ!!"

"اچھا اچھا اب فلمی ہیروز کی طرح زیادہ ایموشنل ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ ماوی اس وقت کہاں ہے؟" شبیہ نے اسے لتاڑتے ہوئے پوچھا تھا۔

"میں نے اسے تمہارے کمرے میں چھپایا ہے۔ بی جان تو یہی سمجھ رہی ہیں کہ وہ کوٹھڑی میں ہے۔ انہوں نے تسنیم کو دھمکا کر ماوی کو وہاں بند کروایا تھا لیکن تسنیم نے مجھے بتا دیا...... اگر بی جان کو ابھی اطلاع ملی کہ ماوی وہاں نہیں ہے تو وہ قیامت اٹھا دیں گی۔ اسی لیے میں چاہتا ہوں تم آ جاؤ۔ ان کے غصے کو قابو کرنا دنیا کا مشکل ترین کام ہے۔"

"اچھا ٹھیک ہے میں آنے کی کوشش کرتا ہوں۔" شبیہ نے ناچار حامی بھر لی تھی۔

☆☆☆

شبیہ نے پولیس اہلکاروں کو آتا دیکھ کرفون بند کر دیا تھا۔انہوں نے آتے ہی رسمی انکوائری شروع کر دی تھی۔دانیال حسن کی چونکہ یہاں موجودگی ضروری تھی سوانہیں بھی اندر سے بلوالیا گیا تھا۔رسمی بات چیت کے بعد پولیس کے اہلکاروں نے شبیہ کو جانے کی اجازت دے دی تھی لیکن دانیال حسن اس معاملے میں کچھ تذبذب کا شکار تھے۔شبیہ نے اس بات کو صاف محسوس کیا تھا۔تبھی جب دانیال حسن نے آفیسر سے اکیلے میں بات کرنا چاہی تو اس کی پیشانی پر بل پڑ گئے تھے۔

"دانیال صاحب کو آپ سے متعلق کچھ تحفظات ہیں مسٹر شبیہ!اس لیے وہ چاہتے ہیں جب تک ان کے بیٹے پر حملہ کرنے والے اصل افراد کا پتا نہ چل جائے آپ کو شہر سے باہر جانے کی اجازت نہ دی جائے۔" آفیسر نے چند منٹ بعد کہا تھا۔

شبیہ کا غصہ عود کر آیا تھا۔

"واٹ ربش......آخر اس بات سے دانیال صاحب ثابت کیا کرنا چاہ رہے ہیں؟ کیا ان کا خیال ہے میں نے ان کے بیٹے کو زخمی کیا ہے۔"اس نے پرطیش لہجے میں پوچھا تھا۔

"وہ آپ کے بارے میں شکوک کا شکار ہیں لہٰذا جب تک اصل مجرموں کا پتا نہیں چل جاتا آپ آؤٹ آف اسٹیشن نہیں جاسکتے۔"

"دیکھئے میرا جانا بہت ضروری ہے۔" شبیہ نے قدرے تحمل سے کہا تھا۔

"سوری اس معاملے میں ہم کچھ نہیں کر سکتے۔جب تک مدعی مطمئن نہیں ہو جاتا آپ کو پرمیشن نہیں دی جاسکتی۔"

شبیہ کی اکتاہٹ میں اضافہ ہوا تھا لیکن اس نے ایک لمبی بحث میں پڑنا مناسب نہیں سمجھا۔مگر اس کے غصے میں ہر آن اضافہ ہو رہا تھا اپنی تمام تر لاتعلقی کے باوجود وہ ولید کو نہ صرف ہاسپٹل لے آیا تھا بلکہ اس کا خیال بھی رکھا تھا اس کے باوجود اس پر شک کیا جا رہا تھا جیسے اس نے ہی ولید کو نقصان پہنچایا ہو۔

"ٹھیک ہے میں دانیال صاحب سے خود بات کر لیتا ہوں۔' اس نے کہا اور کمرے کی طرف بڑھ گیا دروازہ نیم وا تھا شبیہ نے دستک دینے کے لیے ہاتھ اٹھایا ہی تھا کہ اندر سے آتی آوازوں نے اس کا ہاتھ روک لیا۔گو کہ یہ بہت معیوب بات تھی لیکن وہ کان لگا کر سننے لگا کیونکہ اندر اسی کا ذکر ہو رہا تھا۔

"شبیہ مستقیم بھٹی کا بیٹا ہے وہ بھلا میری یا میرے بیٹے کی بھلائی کیوں چاہے گا۔" دانیال حسن کی آواز طیش سے پر تھی۔

"اگر وہ آپ کی یا آپ کے بیٹے کی بھلائی نہ چاہتا تو ولید کو ہاسپٹل کیوں لے کر آتا۔" ثروت کی آواز بھی تیز تھی۔

"ممی ٹھیک کہہ رہی ہیں ڈیڈی!جس وقت مجھے ہاسپٹل لے کر آئے میں ہوش میں نہیں تھا لیکن میں جانتا ہوں اس سب میں شبیہ بھائی کا کوئی ہاتھ نہیں ہے۔" ولید کی نڈھال آواز اسے سنائی دی۔

"فیروز اور اجاج سے کچھ عرصہ پہلے ہی میری دوستی ہوئی تھی اور وہ لوگ پیسے کے لیے کچھ بھی کر سکتے ہیں۔بیس ہزار چھیننے کے لیے مجھے قتل بھی کر سکتے تھے۔اس میں شبیہ بھائی کا کوئی قصور نہیں ہے۔" ولید مستقل اس کی طرفداری کر رہا تھا۔

"تم خاموش رہو ولید! ابھی بچے ہو اس خاندان کی فطرت سے واقف نہیں ہو گھٹیا اور احسان فراموش......" دانیال حسن کی بات نے جیسے اسے بے قابو ہی کر دیا تھا۔

"آپ کو بولتے ہوئے احتیاط کرنا چاہیے۔" وہ ایک جھٹکے سے اندر داخل ہوا تھا۔

"تمہاری ہمت کیسے ہوئی کہ چھپ کر ہماری باتیں سنو" دانیال حسن بھڑک اٹھے تھے۔ ثروت بھی پریشان ہو گئی تھیں۔

"مجھے چھپ کر آپ کی باتیں سننے کی کوئی ضرورت نہیں ہے آپ کی باتیں سارا ہاسپٹل سن رہا ہے۔" شبیہ نے بھی سابقہ انداز میں کہا تھا۔

"غلطی تمہاری نہیں ہے اس خاندان کی ہے جس سے تم تعلق رکھتے ہو۔ اس تربیت کی ہے جو تمہیں ملی ہے۔ تم اور تمہارا باپ......"

"میرے باپ کو بیچ میں مت لائیں۔" شبیہ نے بمشکل اپنا غصہ قابو کیا ہوا تھا لیکن اس نے غرا کر کہا تھا۔

"ثروت اس سے کہو یہاں سے چلا جائے ورنہ میں نہ جانے کیا کر بیٹھوں۔"

"تم جاؤ شبیہ!......" ثروت نے منت بھرے لہجے میں کہا تھا۔

"آپ مجھ سے جانے کے لیے کہہ رہی ہیں جبکہ میں کوئی اختلافی بات بھی نہیں کر رہا۔" شبیہ نے صدمے سے کہا تھا۔

"تم چلے جاؤ۔ تمہاری یہاں موجودگی میرا گھر خراب کر دے گی۔" ثروت رونے لگی تھیں۔

"کونسا گھر ممی!" اینیا نے کہا تھا۔ "وہ گھر جس کی بنیادیں اتنی کمزور ہیں کہ اٹھارہ سال بعد بھی آپ کو اس کے ڈھے جانے کا خدشہ رہتا ہے۔"

"تم خاموش رہو اینیا!......" دانیال حسن غرائے تھا۔ "اور تم اگر ابھی نہیں گئے تو میں ثروت کو طلاق دے دونگا۔"

"ڈیڈی!......" ولید اور اینیا ایک ساتھ ہراساں ہوئے تھے۔

"یہ حیثیت ہے آپ کی اس آدمی کے نزدیک۔" شبیہ نے ثروت کو دیکھا تھا۔ "بہت اس کا رعب سہہ لیا۔ آپ چلیں میرے ساتھ۔"

"تم جاؤ شبیہ!" ثروت رو رہی تھیں۔

"نہیں میں آپ کو لے کر جاؤں گا......" اس نے ثروت کا ہاتھ پکڑ کر باقاعدہ انہیں ساتھ گھسیٹنے کی کوشش کی تھی۔

"تم جاؤ شبیہ!" ثروت مستقل رو رہی تھیں۔

"نہیں آپ چلیں۔"

"شبیہ میں......"

"میں اس ذلیل آدمی کے ساتھ آپ کو نہیں رہنے دوں گا۔" وہ انہیں ساتھ لے جانا چاہتا تھا لیکن اسی پل ثروت کا ہاتھ اٹھا اور اس کے چہرے پر نقش ہو گیا۔ شبیہ گال پہ ہاتھ رکھے ہکا بکا انہیں دیکھ رہا تھا نہ صرف وہ بلکہ سب کا یہی حال تھا۔

☆☆☆

شبیہ آ گیا تھا اور جنت بیگم واقعی غصے میں تھیں نہ صرف جلال ان کے غصے سے پریشان تھا بلکہ مستقیم اور منصور بھٹی کو بھی فکر لاحق تھی۔ سب

انہیں اپنے ارادوں سے باز رکھنے کی اپنی سی کوشش کر چکے تھے لیکن جنت بیگم کی ایک ہی رٹ تھی۔

''جب تک اس لڑکی کو سزا نہیں دوں گی مجھے سکون نہیں آئے گا۔ ہمت کیسے ہوئی ان ماں بیٹی کی کہ مجھ پر انگلی اٹھائیں۔''

''ٹھیک ہے پھر جو آپ کا دل چاہے وہ کریں۔'' شبیہ نے چڑ کر کہا تھا وہ ماں سے تھپڑ کھا کر آیا تھا اگلے پچھلے سارے زخم ہرے ہو گئے تھے انہوں نے اس شخص کے لیے اسے تھپڑ مارا تھا جس سے وہ ساری زندگی خار کھاتا آیا تھا پہلی بار ماں کے لیے دل میں دبی محبت نے جوش مارا تھا اور پہلی ہی بار اس نے منہ کی کھائی تھی۔ تضحیک کا شدید ترین احساس رگوں میں بہنے لگا تھا۔

زندگی میں ہر نعمت سے نوازے جانے کے باوجود خود ترسی جو ساری زندگی اس کے ساتھ رہی اس وقت اور بھی زور آور ہو گئی تھی۔

''مجھے تم سے یہی امید تھی کہ کوئی اور میرا ساتھ دے نہ دے تم ضرور میرا ساتھ دو گے۔'' جنت بیگم نے فخریہ نظروں سے اسے دیکھا تھا کسی نے بھی اس بات پر تبصرے کی ضرورت محسوس نہیں کی حتیٰ کہ خود شبیہ نے بھی نہیں۔ وہ تو بیزاری سے ناک سے مکھی اڑا کر فارغ ہو بیٹھا تھا۔ صرف جلال تھا جو ہراساں ہوا لیکن جنت بیگم کے اگلے مطالبے نے تقریباً سب کو ہی ہکا بکا کر دیا تھا۔

''منصور تم شام تک کسی نکاح خواں کا انتظام کرلو میں چاہتی ہوں آج رات تک ماوی کا نکاح شبیہ سے کر دیا جائے۔'' جتنے سکون سے جنت بیگم نے یہ بات کہی تھی اتنا ہی سب کو جھٹکا شدید لگا تھا۔

''کک...... کیا کہہ رہی ہیں آپ بی جان! ......'' شبیہ نے سب سے پہلے زبان کھولی تھی۔ اس کے انداز میں بے یقینی بھی تھی اور ناپسندیدگی بھی۔

''ہاں ماوی کو حویلی میں رکھنے کا ایک یہی واحد راستہ ہے اسے بھی سزا ملے گی اور اس کی ماں کو بھی۔''

شبیہ نے فرداً فرداً سب کی طرف دیکھا اور اس پر انکشاف ہوا کہ اس نئے مطالبے سے صرف وہ ناواقف تھا یا جلال، جس کا اس بات پر باقاعدہ منہ ہی کھل گیا تھا۔

شبیہ کا دل چاہا کھینچ کر اسے ایک تھپڑ رسید کرے جس میں بس اتنا ہی حوصلہ تھا کہ چھپ چھپا کر نکاح کر سکے اس نکاح کو ڈیفنڈ کرنے کا حوصلہ بالکل نہیں تھا۔ لیکن اگلے ہی لمحے وہ حیران رہ گیا جب جلال نے مضبوط لہجے میں نقطہ اعتراض اٹھایا۔

''یہ آپ ماوی کو سزا دیں گی یا شبیہ کو؟...... اور اس سے ہوگا بھی کیا؟ میں تو یہ ہی نہیں سمجھ پا رہا۔'' اس کا لہجہ تیز تھا۔

''تم خاموش رہو جلال!'' جنت بیگم نے ڈپٹ کر کہا تھا کیونکہ بہرحال اس کا اس طرح اچانک بولنا خود ان کے لیے بھی باعث حیرانی تھا۔

''میں خاموش نہیں رہوں گا بی جان!'' جلال نے کہا۔ ''آخر آپ دوسروں کی زندگیوں کا فیصلہ اتنی آسانی سے کس طرح کر لیتی ہیں یہ سوچے بغیر کہ آپ کے فیصلوں کا ان پر کیا اثر پڑے گا۔''

''تمہیں کس نے اجازت دی کہ میرے معاملات میں دخل دو۔'' جنت بیگم کا غصہ اور شدید ہوا تھا۔

''آپ نے اجازت دی ہو یا نہیں۔ لیکن اس معاملے سے آپ مجھے کسی طرح الگ نہیں کر سکتیں کیونکہ......'' جلال نے پل بھر کا توقف کیا

تھا اور لحظہ بھر کے لیے ہی شبیہ کی جانب دیکھا تھا۔

"کیونکہ ماوی میری منکوحہ ہے......اور میں کسی قیمت پر اس سے دستبردار نہیں ہوں گا۔" اس نے جیسے تابوت میں آخری کیل ٹھونک دیا تھا۔

☆☆☆

فیضان سے توقیر صاحب نے ہاسپٹل چلنے کے لیے کہا تھا۔ وہ تذبذب میں پڑ گئے دل سے تو خیر راضی تھے لیکن کوئی تو بات تھی جوان کی مرضی کے راستے میں بھی حائل ہوتی تھی۔

"میرا نہیں خیال کہ میرا وہاں جانا مناسب ہے دانیال بھائی کا کچھ پتا نہیں اگر ہاسپٹل میں ہی مجھ سے مس بی ہیو شروع کر دیا تو شاید میں بھی اپنا غصہ کنٹرول نہ کر سکوں۔"

"یار! تم کوئی نفسیاتی مریض تھوڑا ہو کہ خود پر قابو ہی نہ رکھ سکوں۔" توقیر صاحب نے جھنجلا کر کہا تھا۔

"ایسی بات دانیال کہتا تو چلو میں مان بھی لیتا کہ گزرے ماہ و سال نے اسے کسی حد تک نفسیاتی مریض بنا ہی دیا ہے۔ جو انسان کسی ایک ہی بات کو لکیر بنا کر زندگی بھر پیٹتا رہے وہ اس کے نفسیاتی بگاڑ کی نشانی نہیں تو اور کیا ہے۔ دانیال ایسا ہی ہے کبھی اپنی زندگی کو پرسکون بنانے کی اس نے کوشش ہی نہیں کی ورنہ ثروت بھابھی کی پہلی شادی کو نظر انداز کرنا کیا مشکل تھا وہ بھی اس صورت میں جب کہ پہلی شادی کی کوئی نشانی بھی ان کے پاس نہیں تھی......میں دانیال کی زندگی کے حالات سے واقف رہا ہوں اسی کے توسط سے ثروت بھابھی پر جو کچھ گزرا اس سے آگاہ ہوں۔ اتنی بڑی باتیں نہیں تھیں جتنی دانیال گرداننا رہا۔ چھوٹی چھوٹی باتوں کا واویلا کیا جائے تو وہ بڑی بن جاتی ہیں......" توقیر صاحب نے گہری سانس بھر کر اسے دیکھا تھا۔

"ان سب باتوں کے باوجود اینیا اچھی لڑکی ہے......شاید تمہیں اس سے بہتر شریک حیات نہ مل سکے۔" فیضان نے چونک کر انہیں دیکھا۔

"میں سمجھا نہیں توقیر بھائی!"

توقیر صاحب ہنس دیے۔

"اس سے زیادہ واضح الفاظ میں بات نہیں سمجھائی جا سکتی۔ تم اچھے خاصے ذہین آدمی ہو نا سمجھی کا مظاہرہ کرو تو بات دوسری ہے۔ میرا مشورہ یہی ہے کہ تمہیں اینیا کے بارے میں سنجیدگی سے سوچنا چاہیے۔ ولید نے اپنے بچپنے میں گو کہ ایک نامعقول بات کی تھی لیکن میرا خیال ہے اس سے معقول بات اور کوئی نہیں ہو سکتی۔ تم اس بارے میں سوچو دوسری صورت میں میں خود فیاض سے بات کروں گا اینیا میں ایسی کوئی بات نہیں کہ بے وجہ اسے نظر انداز کیا جائے......تم جیسے نالائق سے لو میرج کی توقع ہی فضول ہے اس لیے ارینج میرج ہی سہی......ورنہ تم تو ساری زندگی چھڑے ہی پھرتے رہو گے۔" توقیر صاحب کا انداز کچھ ایسا تھا کہ فیضان کو بے ساختہ ہنسی آ گئی۔

"ہنس رہے ہو اس کا مطلب راضی ہو۔"

"اب ایسی بھی کوئی بات نہیں ہے۔" فیضان نے خوش دلی سے کہا تھا۔

"تو کیا اس کا مطلب انکار ہے؟"

"خیر ایسی بھی بات نہیں ہے۔" اس بار فیضان نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا تھا تو قیر صاحب کے چہرے پر بھی دبی دبی مسکراہٹ تھی جیسے سب سمجھ رہے ہوں۔

"مجھے تھوڑا وقت دیں توقیر بھائی! زندگی کے معاملات اتنی جلدی کیسے طے کیے جاسکتے ہیں۔"

"خدا کو مانو یار! اپنی عمر دیکھو اور اپنے ارادے سنو...... تمہاری عمر کے لڑکے اپنے بچوں کو ہائی سکول بھیجنے کی تیاریاں کر رہے ہیں اور تم شادی کا فیصلہ ہی نہیں کر پا رہے۔"

"اب اتنا بھی عمر رسیدہ نہیں ہوں میں۔" فیضان نے جل کر کہا تھا تو قیر صاحب خوب دل کھول کر ہنسے۔ پھر بولے۔

"جو بھی فیصلہ کرو خوب سوچ سمجھ کر کرنا۔ ہاسپٹل چلتے ہو؟ میں ذرا ولید کی خیریت معلوم کرنا چاہ رہا ہوں۔" انہوں نے پوچھا۔

"جی میں بھی چلتا ہوں۔ آپ گاڑی اسٹارٹ کریں میں یہ برتن ذرا کچن میں رکھ کر آرہا ہوں۔" تو قیر صاحب سر ہلا کر باہر کی جانب بڑھ گئے فیضان کچن میں آگئے۔

☆☆☆

"کیونکہ ماوی میری منکوحہ ہے...... اور میں کسی قیمت پر اس سے دستبردار نہیں ہوں گا۔"

جلال کی آواز سارے کمرے میں گونجی تھی اور سب کو جیسے سانپ سونگھ گیا تھا۔

جنت بیگم ہکا بکا اس کی شکل دیکھ رہی تھیں۔

"کیا بکواس کر رہے ہو تم؟" پھر انہوں نے ہی اس خاموشی کو توڑا تھا۔

"یہ بکواس نہیں ہے بی جان! حقیقت ہے کہ میں ماوی سے نکاح کر چکا ہوں۔"

"تو تم ہو وہ جس نے اس چھٹانک بھر کی لڑکی کو میرے مقابل کھڑا کیا۔ اور اسے حویلی لے کر آئے۔" جنت بیگم کی بے یقینی کسی طرح نہ جاتی تھی

"ایسی بات نہیں ہے بی جان!" جلال نے احترام سے کہا تھا مبادا وہ اس کے بولنے کو گستاخی نہ سمجھ لیا جائے۔

"جس وقت میں نے ماوی سے نکاح کیا ہم دونوں ہی نہیں جانتے تھے کہ ماضی کی کوئی کڑی ہم دونوں سے جڑی ہوئی ہے...... ہم...... ہم ایک دوسرے کو پسند کرتے تھے اور میں یہ بھی جانتا تھا آپ پسند کی شادی کی اجازت نہیں دیں گی اسی لیے میں نے خود فیصلہ کیا کہ مجھے شادی کر لینا چاہیے۔"

"اپنی مرضی کر ہی لی ہے تو اب ایک کام اور کر و اپنا بوریا بستر سمیٹو اور حویلی سے دفع ہو جاؤ۔" جنت بیگم غصے میں جیسے پاگل ہی ہو گئی تھی۔ یہ بات نا قابل برداشت تھی کہ پوتے نے اتنا بڑا فیصلہ اس کی مرضی کے بغیر کر لیا۔

"اپنی مرضی سے شادی کرنا کوئی گناہ تو نہیں ہے بی جان!" شبیہ نے بھی زبان کھولی تھی۔

"تم خاموش رہو شبیہ! اور کوئی اس معاملے میں نہیں بولے گا۔ آج تک اس حویلی میں کسی پرندے نے میری مرضی کے بغیر پر نہیں مارا اور اس کی اتنی ہمت کہ شادی کر کے بیٹھ گیا۔ اس میں اتنی عقل بھی نہیں ہے کہ یہ سمجھ سکتا وہ لڑکی اسے اپنے مقصد کے لیے استعمال کر رہی ہے۔"

"آخر آپ کو اعتراض کس بات پر ہے جلال کے نکاح پر یا آپ کی مرضی کے بغیر نکاح پر؟" شبیہ نے چڑ کر پوچھا تھا۔

"ہر بات پر......"

"غصہ مت کریں بی جان! اتنی بڑی بات نہیں ہے یہ۔"

"تم خاموش کیوں نہیں ہو جاتے شبیہ! اور تم......" انہوں نے جلال کی طرف دیکھا۔

"تمہارے پاس دو راستے ہیں یا تو حویلی چھوڑ دو یا ابھی کے ابھی اس لڑکی کو طلاق دے دو......"

گو کہ جلال کا انکشاف سبھی کے لیے حیران کن تھا لیکن جنت بیگم کے اس مطالبے پر سبھی ہکا بکا رہ گئے تھے۔

"اماں! آپ بے کار کی ضد کر رہی ہیں۔" مستقیم نے کہا تھا۔

"جسے میری ضد بے کار لگ رہی ہے وہ بھی ان دونوں کے ساتھ دفع ہو جائے۔"

"خدا کے لیے بی جان ہر معاملے میں بچوں کی طرح ری ایکٹ کرنا چھوڑ دیں۔" شبیہ نے کہا۔

"جلال تو اس نکاح کے لیے راضی بھی نہیں تھا میں نے ہی اسے فورس کیا تھا کہ بی جان کو اپنے بچوں کی خوشیاں عزیز ہیں وہ اعتراض نہیں کریں گی۔" اس نے ہوا میں تیر چلایا تھا۔

جنت بیگم کے لیے ایک اور دھچکا۔

"تو گویا تم بھی شامل تھے اس نکاح میں۔"

"جی میں بھی شامل تھا اور اب آپ یہ ناحق ضد چھوڑ دیں۔ ساری زندگی اپنی من مانی کرنے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ آپکا ہر فیصلہ درست تسلیم کیا جائے۔" وہ بھی اگلا پچھلا حساب آج ہی بے باک کرنے کو تیار بیٹھا تھا۔

"تم میرے فیصلوں کو غلط قرار دے رہے ہو......اس سے پہلے تو کبھی ایسا نہیں ہوا کہ میرا شبیہ میرے کسی فیصلے کو غلط قرار دے......" جنت بیگم کی آواز صدمے سے چور تھی۔

"اس لیے کیونکہ آج تک میں آپ کے دماغ سے سوچتا رہا ہوں۔ میں نے وہی دیکھا جو آپ مجھے دکھاتی رہیں۔ وہ بولتا رہا جو آپ کی زبان سے نکلتا تھا...... میں نے کبھی اپنی عقل تو استعمال ہی نہیں کی بی جان! جو آپ نے کہا وہ سچ مان لیا جو آپ کا حکم ہوا اس کو بجالایا۔ آپ کی ہاں میں ہاں ملاتے میں نے کبھی سوچا ہی نہیں کہ میں کتنے لوگوں کو ہرٹ کر رہا ہوں۔" اسے نجانے کون کون سے پچھتاوے ستا رہے تھے اپنی اگلی پچھلی ساری غلطیاں یاد آنے لگی تھیں۔

"میں جیسی بھی ہوں ٹھیک ہوں۔" جنت بیگم نے غصے سے کہا تھا۔ "یہ طے ہے کہ جلال کو اس حویلی سے جانا ہوگا اور جسے میرے اس فیصلے پر اعتراض ہے وہ بھی اس کے ساتھ جا سکتا ہے۔"

"بی جان! آپ غصہ نہ کریں......" جلال نے کہنا چاہا۔

”خبردار جو تم نے دوبارہ مجھے بی جان کہا۔کوئی رشتہ نہیں ہے تمہارا ہم سے۔“

جنت بیگم کا غصہ بجا سہی لیکن غیر معمولی ضرور تھا شبیہ متعجب سا ہو کر انہیں دیکھتا رہا۔وہ تو ہمیشہ اسی طرح ری ایکٹ کرتی تھیں پھر آج ہی اسے عجیب کیوں لگ رہا تھا۔

”بی جان! پلیز......“

”تم بھی خاموش رہو شبیہ! میرے فیصلوں کو غلط سمجھتے ہو تو تم بھی ان دونوں کے ساتھ چلے جاؤ۔“ جنت بیگم کا پُر طیش لہجہ اسے سلگا گیا تھا۔

”ٹھیک ہے آپ یہ چاہتی ہیں تو میں بھی چلا جاتا ہوں۔“ وہ بھی ان کا پوتا تھا اور غصے میں ان سے دو ہاتھ آگے تھا اس نے ثابت کیا۔

”شبیہ!......“ جلال نے کہنا چاہا لیکن شبیہ نے ہاتھ اٹھا کر اسے بولنے سے روک دیا۔

”پاگل مت بنو شبیہ! اماں اس وقت غصے میں ہیں انہیں نہیں پتا وہ کیا کہہ رہی ہیں تمہارے جانے کا دکھ ہوگا انہیں۔“ مستقیم بھٹی نے دبی آواز میں کہا تھا۔

”مجھے کوئی دکھ نہیں ہوگا۔جب یہ دونوں میری مرضی کے بغیر فیصلے کر سکتے ہیں تو پھر اپنی زندگی خود جئیں۔“ جنت بیگم نے غصے سے کہا تھا۔

”سن لیا آپ نے؟ انہیں کسی کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔“ شبیہ نے طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا تھا۔”باری باری سب کو نکالنے سے بہتر ہے آپ سب کو ایک ہی بار اس حویلی سے نکال دیں کیونکہ آج نہیں تو کل سب آپ کو آپ کے غلط فیصلوں کی وجہ سے چھوڑ ہی دیں گے۔“

”تم ٹھیک کہتے ہو میں نے بہت غلط فیصلے کئے ہیں۔“ جنت بیگم کا انداز عجیب تھا۔”اور سب سے غلط فیصلہ تنوی کو تم سے منسوب کرنا تھا میں اب اپنے اس فیصلے کو درست کرنا چاہتی ہوں تم اس حویلی سے دفع ہو جاؤ اور تنوی کا نام بھی اپنی زبان پر مت لانا۔“

”اماں! خدا کا واسطہ ہے اس معمولی سی بات کو انا کا مسئلہ نہ بنائیں۔“ منصور بھٹی نے منت بھرے انداز میں کہا تھا۔

”کسی بھول میں مت رہیں تنوی سے میں کسی قیمت پر دستبردار نہیں ہوں گا۔“ اس کا انداز چیلنجنگ تھا جنت بیگم کا غصہ شدید ہونے میں لمحہ بھی نہ لگا۔

”یہ تو تمہیں وقت بتائے گا۔“ جنت بیگم نے رخ بدل لیا یہ اس بات کا اشارہ تھا کہ تمہیں اب دفع ہو جانا چاہیئے۔

”چلو جلال!......“ وہ دونوں آگے پیچھے باہر نکل گئے تھے۔

☆☆☆

دانیال حسن، فیضان کے خدشات کے برعکس بڑی خوشدلی سے ملے تھے انہوں نے فیضان سے اپنے رویے کی معافی بھی مانگی تھی جسے فیضان نے بڑے دل کے ساتھ قبول کر لیا تھا۔ولید سے ملاقات ہوئی تو وہ بھی الگ شرمندہ دکھائی دیتا تھا۔اسے تھوڑی دیر میں ڈسچارج کیا جانا تھا تو قیر صاحب کے استفسار پر دانیال حسن نے بتایا کہ اینیا اور ثروت گھر جا چکی ہیں۔

فیضان کو مایوسی ہوئی لاشعوری طور پر وہ اس سے ملنا چاہتے تھے اسے دیکھنا چاہتے تھے۔

''توقیر بھائی!......'' جس وقت وہ دونوں واپسی کا قصد کر رہے تھے فیضان نے سوچ سمجھ کر کہنا شروع کیا۔

''آپ ٹھیک کہہ رہے تھے مجھے اینیا سے اچھی شریک حیات نہیں مل سکتی۔'' ان کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔

''عقل والی بات دیر سے سمجھتے ہو تم۔'' توقیر صاحب اس بات کا مافی الضمیر سمجھتے ہوئے شرارت سے بولے تھے۔

''دانیال بھائی سے آپ اور فیاض بھائی بات کریں گے یا مجھے خود ہی......''

''اب اتنا بھی اپنا بزرگ بننے کی ضرورت نہیں ہے۔'' توقیر صاحب نے خوشگواریت سے ڈپٹ کر کہا تھا۔

''تمہارا رشتہ طے کرنے کے لیے تمہارے بزرگ ابھی زندہ ہیں فیاض اور دانیال سے میں خود ہی بات کرلوں گا...... ہاں البتہ اینیا سے خود بات کرنا چاہو تو اس کی اجازت ہے۔''

توقیر صاحب کے انداز پر فیضان کے چہرے پر جھینپتی ہوئی سی مسکراہٹ آگئی تھی جبکہ توقیر صاحب دل کھول کر ہنس دیے تھے۔

☆☆☆

''تنوی!''

''جی بی جان؟''

''تم جانتی ہو نا تمہارے ماں باپ کے بعد میں نے ہی تمہیں پال پوس کر بڑا کیا ہے؟''

''جی......''

''اور یہ بھی کہ تمہارے ددھیال والے تمہیں رکھنے کو تیار نہیں تھے ان کا خیال تھا تمہاری پیدائش ان کے گھرانے کے لیے منحوس ثابت ہوئی ہے ایسے میں میں نے نہ صرف ان سب کی زبانیں بند کروائی تھیں بلکہ تمہیں اپنے پاس رکھ کر یہ بھی ثابت کیا کہ ان کی باتیں بے بنیاد ہیں۔''

''جی مجھے سب یاد ہے۔ آپ وقتاً فوقتاً بتاتی رہی ہیں مجھے۔''

''میں نے تمہیں اپنی نواسی نہیں بلکہ بیٹی سمجھا ہے۔ تم مجھے زریں سے بھی زیادہ عزیز رہی ہو۔''

''جی ہاں میں یہ بھی جانتی ہوں۔''

''تم اور شبیہ دونوں مجھے اتنے عزیز ہو تبھی میں نے تم دونوں کو ایک دوسرے سے منسوب کیا تھا کہ تم مجھ سے کہیں دور نہ جاؤ ہمیشہ میرے پاس رہو۔ میری آنکھوں کے سامنے......''

تنوی کے پاس ان کے اس سوال کا جواب نہیں تھا یہ تو ان کے دل کے خیالات تھے۔ وہ کیا کہتی سو خاموش رہی۔

''لیکن اب شبیہ تمہیں مجھ سے دور لے جانا چاہتا ہے...... اتنی دور کہ شاید میں تمہیں دوبارہ دیکھ بھی نہیں سکوں گی۔''

تنوی نے چونک کر جنت بیگم کو دیکھا تھا۔

''وہ میری بات نہیں مان رہا میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ وہ ایسا بھی کرسکتا ہے......''

"آخر بات کیا ہے بی جان!" تنوی نے پریشان ہو کر پوچھا تھا۔

"اس بات کو چھوڑ دو۔ اصل معاملہ یہ ہے کہ میں نے تمہارا اور شبیہ کا رشتہ ختم کر دیا ہے......"

"اوہ......" تنوی کے دل کو دھکا سا لگا تھا۔

"اس تعلق میں تمہیں کوئی دلچسپی تھی نہ شبیہ کو۔ یہ رشتہ میری مرضی سے جڑا تھا میری مرضی سے ختم ہو رہا ہے امید کرتی ہوں تمہیں کوئی اعتراض نہیں ہوگا...... کیوں میں ٹھیک کہہ رہی ہوں ناں؟"

تنوی کے پاس الفاظ ختم ہو چکے تھے صرف الفاظ ہی نہیں اس کا تو دل بھی خالی ہو چکا تھا۔ جنت بیگم کے رعب سے نڈھال گردن اثبات میں ہل گئی۔

"دیکھو تنوی! مجھے ذرا بھی امید ہوتی کہ شبیہ تمہیں خوش رکھے گا تمہارا خیال رکھے گا تو میں یہ رشتہ کبھی ختم نہ کرتی۔ شبیہ نے دراصل میری ہر امید پر پانی پھیر دیا ہے میرا خیال تھا میری تربیت اسے ایک کامیاب اور مکمل شخصیت بنائے گی لیکن اپنی ماں کی غیر ذمہ دارانہ روش نے اسے مکمل طور پر نفسیاتی مریض بنا دیا ہے۔ مجھے پہلے بھی اس کی ذہنی حالت کا اندازہ تھا لیکن میرا خیال تھا وہ ٹھیک ہو جائے گا لیکن اب میں مایوس ہو چکی ہوں۔ مجھے یہ بھی فکر ہے کہ کہیں وہ تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچا دے۔" جنت بیگم نے بڑی سمجھداری سے اس کے گرد جال بن دیا تھا وہ پہلے ہی اس کے اثر میں تھی یہ کیسے ممکن تھا اب اس کی باتوں پر ایمان نہ لاتی۔

"وہ حویلی چھوڑ کر جا رہا ہے تمہیں بھی ساتھ لے جانے کی ضد کر رہا ہے۔ تم خود سوچو شبیہ اگر حق پر ہوتا تو کیا میں اس کا ساتھ نہ دیتی جب کہ آج تک میں نے ہی اسے سب سے زیادہ سپورٹ کیا ہے۔ پھر مستقیم کیا اسے اکیلا چھوڑ سکتا ہے...... نہیں ناں؟...... تو میں نے اور مستقیم نے سوچا ہے تمہیں اس کے ساتھ نہ جانے دیا جائے۔ وہ تمہیں ساتھ لے جائے گا اور زبردستی نکاح کرے گا۔ ہمیں یہ منظور نہیں ہے۔ تم عاقل و بالغ ہو اپنی زندگی کا فیصلہ کرنے کا اختیار رکھتی ہو...... تم سمجھ رہی ہو نا تمہیں اب کیا کرنا ہے؟ میں تم سے بہت محبت کرتی ہوں تنوی! اور تم مجھے زریں سے بڑھ کر عزیز ہو۔"

جنت بیگم نے اپنی مرضی کی گیند اس کے کورٹ میں ڈال دی تھی۔ تنوی کا جھکا ہوا سر ہولے سے ہل گیا۔

☆☆☆

"تم بہت جلد بازی سے کام لے رہے ہو۔" جلال نے شبیہ کو اپنا سامان پیک کرتا دیکھ کر پریشانی اور بیزاری سے کہا تھا۔

"میری خاطر بی جان سے جھگڑا کرنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"ضرورت تھی۔ وہ غلط بات کر رہی تھیں۔" شبیہ نے مصروفیت بھرے انداز میں کہا تھا۔

ماوی جو ایک طرف خاموشی سے بیٹھی ان دونوں کو دیکھ رہی تھی اس نے بیزاری سے داہنی ٹانگ بائیں پر منتقل کی تھی اور بازو سینے پر باندھتے ہوئے مزید غور سے ان دونوں کو دیکھنے لگی تھی۔ وہ دونوں جیسے اس کی موجودگی کو یکسر بھلا چکے تھے۔

"تو کون سا انہوں نے آج پہلی دفعہ غلط بات کی ہے۔ وہ ہمیشہ ایسا ہی کرتی ہیں۔ کون سا انہوں نے پہلے کسی کی پرواہ کی ہے۔"

"ٹھیک کہہ رہے ہو وہ ہمیشہ غلط بات کرتی ہیں اور کبھی کسی کی پرواہ نہیں کرتیں لیکن آج سے پہلے مجھے اس بات کا اتنا احساس نہیں تھا۔"

"ٹھیک ہے جو ہونا تھا ہو چکا۔ بی جان نے سزا مجھے دی ہے آخر تمہیں بحث میں کودنے کی کیا ضرورت تھی۔"

"ہاں ہو گیا جو ہونا تھا اب خاموش رہو اور مجھے پیکنگ مکمل کرنے دو۔ میں دوبارہ حویلی میں قدم رکھنا نہیں چاہتا...... اچھا ہو گا تم بھی اپنا سامان سمیٹ لو۔"

جلال نے اس کی طرف سے مایوس ہوتے ہوئے سر جھٹکا تھا۔

"کیا تم دونوں میں سے کوئی مجھے یہ بتانا پسند کرے گا کہ آخر ہوا کیا ہے؟" ماوی نے ان دونوں کو خاموش ہوتا دیکھ کر بیزاری سے کہا تھا۔

"ہاں کیوں نہیں۔ بی جان نے ہم تینوں کو حویلی سے نکال دیا ہے اور اس سارے فساد کی جڑ تم ہو۔" شبیہ نے بنا کسی کی طرف دیکھے سرد لہجے میں کہا تھا۔

"اب تم خود کو انڈر اسٹیمیٹ تو نہ کرو بے شک فساد کی جڑ میں ہوں لیکن تم دونوں کی باتیں سن کر لگتا ہے کہ تم بھی کسی سے کم نہیں ہو۔" ادھار رکھنا تو ماوی نے سیکھا ہی نہیں تھا سو فوراً حساب برابر کر لیا۔

شبیہ کے سوٹ کیس میں شرٹ ٹھونستے ہاتھ رکے اس نے ابرو اچکا کر ماوی کو دیکھا اگلے ہی پل غیر متوقع طور پر اس کے چہرے پر مسکراہٹ دوڑ گئی تھی۔

"زبان بہت چلاتی ہو تم۔ لیکن چونکہ اب میری بھابھی بن چکی ہو اس لیے تمہاری ہر گستاخی معاف کی۔" پھر اس نے روئے سخن جلال کی طرف موڑا۔ "اس کے باوجود مجھے تم سے ہمدردی ہے جلال! بدزبان بیوی اللہ کا عذاب ہوتی ہے۔"

جلال ہنس دیا، ماوی بدمزہ ہوئی۔

"تم نے کبھی بتایا نہیں جلال! تمہارے بھائی کو مسکرانا بھی آتا ہے۔" صاف چوٹ تھی مگر شبیہ اور جلال دونوں نے لطف لیا تھا۔

"نہیں بتایا ہو گا لیکن جلال نے مجھے ضرور بتایا ہے کہ تم تحمل اور پیار سے بھی بات کر لیتی ہو۔ بات تو ناقابل یقین تھی لیکن چونکہ جلال کہہ رہا تھا تو میں نے یقین کر لیا...... ویسے کیا واقعی تم جلال سے پیار سے بات کرتی ہو؟" اس کا انداز دلچسپی لیے ہوئے تھا لیکن ماوی بری طرح جھینپ گئی۔

"کوئی نہیں جی!......" انتہائی مشرقی انداز تھا جلال تو مسحور ہی رہ گیا، پھر شبیہ کے ٹہوکا دینے پر چونکا۔

"خیر مذاق ایک طرف...... لیکن اب میں نے تمہیں بھابھی مان ہی لیا ہے تو تمہارا بھی فرض بنتا ہے کہ دیور کی کچھ مدد کرو۔"

"کیسی مدد......؟"

"حالانکہ تنوی سے بات کرنے میں مجھے خود بھی کوئی دقت نہیں ہو گی لیکن اس وقت شاید یہ مناسب نہ ہو...... اس لیے میں چاہتا ہوں تم اس سے میرے بی ہاف پر بات کرو۔"

"پہیلیاں کیوں بجھوا رہے ہو؟ صاف صاف بتاؤ کیا بات ہے۔"

ماوی بھی چڑ گئی۔

"ابھی ایسا کوئی کام مت کرو جو بی جان کے غصے کو بڑھاوا دے۔" جلال نے تیزی سے کہا تھا۔

"مجھے بی جان کے ڈراوے مت دو جلال! انہوں نے سب کی زندگیاں خراب کی ہیں میرے باپ کی، میری ماں کی اور خود میری......" شبیہ نے ناراضی اور تاسف سے کہا تھا۔

"تمہاری بات اپنی جگہ درست لیکن کبھی کبھی مصالحت کا دامن تھامنا چاہیے۔ چاہے آپ کی مرضی نہ ہو تب بھی۔"

"جلال بالکل ٹھیک کہہ رہا ہے۔" مستقیم اور منصور آگے پیچھے کمرے میں داخل ہوئے تھے ان کے عقب میں عالیہ بھی تھیں اور ان کا چہرہ غیر معمولی طور پر دمک رہا تھا۔ ان کی نگاہیں ماوی پر تھیں۔

"ابھی اماں غصے میں ہیں۔ اگر انہوں نے خودکشی کی دھمکی نہ دی ہوتی تو دوسرے پہلوؤں پر غور کیا جا سکتا تھا تم ان کی ضد سے واقف ہو کچھ الٹا سیدھا کر بیٹھیں تو ہم دنیا کو کیا منہ دکھائیں گے خدا کی ناراضی الگ سہنا پڑے گی۔ ابھی یہی بہتر ہے کہ تم تینوں چلے جاؤ۔ کچھ روز تک ان کا غصہ ٹھنڈا ہوگا تو ہم سب مل کر انہیں پریشرائز کریں گے۔ وہ جلال اور ماوی کی شادی کو ضرور قبول کرلیں گی۔" مستقیم کا انداز بڑا اچھا تھا۔

"آپ کی خام خیالی ہے بابا! بی جان کا پریشرائز ہو جانا ناممکنات میں سے ہے۔" شبیہ نے کہا تھا۔

"معجزے بھی تو ہوتے ہیں بھائی!" یہ منصور چچا تھا۔

شبیہ نے جیسے ناچار قائل ہوتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔

پھر عالیہ نے بڑھ کر ماوی کو خود سے لپٹا لیا۔

"تم تو مجھے ویسے بھی بہت عزیز ہوگئی تھیں اب پتا چلا کہ میرے جلال کی بیوی ہو تو اور بھی پیاری ہوگئی ہو۔" انہوں نے اس کی پیشانی پر بوسہ دیتے ہوئے کہا تھا۔

پھر منصور اور مستقیم نے فرداً فرداً اس کے سر پر ہاتھ پھیرا تھا۔

"ہم نہیں جانتے تمہاری والدہ کو اماں پر کیوں شک ہے لیکن سچ یہی ہے کہ اماں نے نہ رجب بھائی کو قتل کیا اور نہ کروایا ہے...... بہرحال ہماری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں...... خدا تم دونوں کو خوش رکھے۔"

عالیہ نے اپنے ہاتھ سے انگوٹھی اتار کر ماوی کو پہنا دی۔

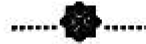
"یہ تمہاری منہ دکھائی ہے۔"

"چچی! پلیز اس تکلف میں نہ پڑیں۔" ماوی نے کہا وہ انگوٹھی نہیں لینا چاہتی تھی۔

"ارے تکلف کیسا؟ یہ تو رسم ہوتی ہے بلکہ مجھے تو شرمندگی محسوس ہو رہی ہے کہ تم کو اپنی پرانی انگوٹھی منہ دکھائی میں دے رہی ہوں۔ اماں کا موڈ ٹھیک ہو جائے تو باضابطہ طور پر تمہیں اس حویلی کی بہو بنائیں گے۔ پھر ساری رسمیں ہوں گی۔"

"تنوی اور حرم تم سے ملنے کے لیے بہت بے چین ہیں۔"

ماوی کا سر ہل گیا تھا اور جس وقت وہ جلال اور شبیہ کی ہمراہی میں حویلی سے نکل رہی تھی اس کے کندھوں پر سب کی محبتوں کا بڑا بوجھ تھا۔



"فیضان کا پروپوزل میرے لیے......" اینیا دم بخود ثروت کو دیکھ رہی تھی۔ ولید گھر آ چکا تھا حالات بظاہر ٹھیک معلوم ہوتے تھے لیکن کوئی بھی نہیں جانتا تھا ان کے ماں باپ کس نہج پر سوچ رہے ہیں۔ ایسے میں اچانک فیضان کا پروپوزل آ جانا بہرحال ایک تعجب آمیز بات تھی وہ بھی اس صورت میں جبکہ وہ جانتی تھی فیضان کے اس کے متعلق کیا خیالات ہیں۔

"اس میں اتنا حیران ہونے کی کیا بات ہے۔" ثروت نے مسکرا کر پیار سے اسے دیکھا تھا۔ "میں تو بلکہ یہ سن کر بہت خوش ہوئی ہوں۔ فیضان اچھا لڑکا ہے۔"

اینیا خاموش رہی اسے ان گنت خیالوں نے گھیر رکھا تھا۔ ان خیالات میں ایک انجانی سی خوشی بھی تھی جو ہر دوسرے خیال پر بھاری تھی۔ اس خوشی کو ثروت کے اگلے چند جملوں نے غارت کیا تھا۔

"میں تو فیضان کے پروپوزل پر بہت خوش ہوں ایک تو یہ کہ ولید نے اپنی ناسمجھی میں جو حماقت کی بات کی تھی اس پر لوگوں کو انگلیاں اٹھانے کا موقع ملنے سے پہلے ہی ان کی زبان بند کرنے کا طریقہ مل گیا دوسرے جتنی جلدی تمہارے فرض سے فارغ ہو جاؤں اتنا اچھا...... ولید اور ولی کی مجھے اتنی فکر نہیں ہے لڑکے ماؤں کے بغیر سنبھل جاتے ہیں مسائل لڑکیوں کے لیے ہوتے ہیں......" وہ بہت سنجیدگی سے بول رہی تھی۔

اینیا کے دل پر بوجھ سا آن رکا، ثروت کا مافی الضمیر سمجھنا اس کے لیے مشکل ہرگز نہ تھا۔

"میں سمجھ رہی ہوں ممی!...... سب سمجھ رہی ہوں...... میرا خیال تھا آپ کے خیالات بدل گئے ہوں گے...... لیکن ڈیڈی نے تو کوئی گنجائش ہی نہیں چھوڑی۔" اس کا لہجہ تاسف سے بھرپور تھا۔

"مرد گنجائش چھوڑتے بھی نہیں ہیں اینیا!" ثروت نے سامنے دیکھتے ہوئے سادہ سے لہجے میں کہا تھا۔

"کیا ڈیڈی نے آپ سے کچھ کہا ہے؟"

"نہیں...... (وہ کچھ کہتے کب ہیں صرف نشتر چبھوتے ہیں)۔"

"پھر آپ ان سے......"

"نہیں اینیا!...... میں اب دانیال کے سامنے خود کو مزید ڈی گریڈ نہیں کروں گی۔" ثروت نے سرعت سے کہا تھا۔

"میں اس رشتے کو نبھانے کی جتنی کوشش کر سکتی تھی میں نے کی۔ اب ہمت نہیں ہے مجھ میں بیٹے!" ان کے لہجے میں آنسوؤں کی آمیزش تھی اور چہرہ برداشت سے سرخ ہو رہا تھا اینیا نے انہیں اپنے ساتھ لگا لیا اسے اپنی ماں پر ترس آیا تھا۔



''تم پاگل تو نہیں ہو ماوی! تم کس طرح اس حویلی سے نکل آئیں؟'' ثمینہ کو تو سنتے ہی پتنگے لگ گئے تھے۔

''اس بات کا کیا مطلب ہے ممی!'' ماوی نے اچنبھے سے پوچھا تھا۔ ''آپ کیا چاہتی ہیں جنت بیگم دھکے مار کر مجھے حویلی سے نکالتی تب مجھے آنا چاہئے تھا؟''

''تم کو وہیں رہنا تھا ماوی! ہر حال میں...... کم سے کم تب تک جب تک تم ثبوت حاصل نہ کر لیتی۔''

ماوی نے اپنا سر پیٹ لیا۔

''ثبوت، ثبوت، ثبوت...... آخر آپ کب سمجھیں گی کہ ثبوت نام کی کوئی چیز سرے سے یہاں ہے ہی نہیں۔ بابا نے خودکشی کی تھی آپ اس حقیقت کو مان کیوں نہیں لیتیں۔'' وہ جیسے پھٹ ہی پڑی تھی۔ جلال جو نیم وا دروازے پر دستک دینے کے لیے ہاتھ اٹھا رہا تھا رک گیا اس کی جیب میں رکھا موبائل وائبریٹ کرنے لگا تھا۔ شبیہ نے اسے رکتے دیکھ کر اشارے سے وجہ پوچھی تھی۔ جلال اسے رکنے کا اشارہ کر کے موبائل دیکھنے لگا اس دوران کمرے سے ماوی کی جھنجلائی ہوئی آواز مسلسل آ رہی تھی۔

''یہ جھوٹ ہے میں مان ہی نہیں سکتی۔''

''آپ کے نہ ماننے سے حقیقت بدل تو نہیں جائے گی۔ اپنی بے جا ضد کے ہاتھوں آپ نے مجھے کہاں کہاں خوار کروایا ہے ممی! جنت بیگم نے صرف مجھے دھکے دے کر نکال دیا ہوتا تو مجھے اتنا افسوس نہ ہوتا کہ کسی پر بھی انگلی اٹھائی جائے تو اس سے یہی توقع کی جا سکتی ہے...... افسوس تو مجھے اس بات کا ہے کہ میرے ساتھ ساتھ جلال اور شبیہ کو بھی حویلی سے نکلنا پڑا۔''

''کیا جلال بھی؟'' ثمینہ کے لیے یہ بات مزید صدمے کا باعث بنی۔

''تو آپ کا کیا خیال ہے یہ پتا چلنے کے بعد کہ جلال مجھ سے نکاح کر چکا ہے وہ بھی جنت بیگم کی مرضی کے بغیر...... تو جنت بیگم اسے سر آنکھوں پر بیٹھاتی۔ میں تو اب تک یہ ہی نہیں سمجھ پا رہی کہ آپ نے جھوٹ بول کر میرا نکاح جلال سے کروایا ہی کیوں تھا...... آخر ایسی کون سی منطق تھی جو اب تک میں سمجھ نہیں پا رہی۔''

''حویلی میں جنت بیگم تمہیں نقصان پہنچانے کی کوشش کرتی تو جلال تمہیں بچا سکتا تھا۔ میرا خیال تھا ایک نہ ایک وقت ضرور آئے گا جب وہ عورت تمہیں حویلی سے نکالنے کی کوشش کرے گی ایسے میں صرف جلال ہو گا جو تمہیں بچا سکے گا۔''

''واہ...... کیا کمال کی پلاننگ تھی آپ کی۔'' ماوی نے زہر خند لہجے میں کہا تھا۔

''ہاں میں نہیں جانتی تھی کہ وہ بیوقوف لڑکا اتنا ناکارہ ثابت ہو گا۔''

''آئی ایم سوری ٹو سے ممی! لیکن آپ کو جلال کے لیے اتنے فضول الفاظ استعمال کرنے کا کوئی حق نہیں ہے جسے آپ ناکارہ کہہ رہی ہیں بیوقوف کہہ رہی ہیں اسی سے جھوٹ بول کر آپ نے مجھے بھی اسے دھوکہ دینے پر مجبور کیا۔ آپ جانتی تھیں میں اس سے محبت نہیں کرتی۔ لیکن آپ نے اس سے جھوٹ بولا کہ میں اس کے عشق میں پاگل ہوں یہ سوچے سمجھے بغیر کہ جلال جیسا شخص کبھی میرے معیار پر پورا نہیں اتر سکتا۔ آپ نے اسے مجھے

حویلی تک پہنچنے کا مہرہ بنایا جبکہ......"

معاً اسے اپنے عقب میں کسی کی موجودگی کا احساس ہوا تھا وہ لاشعوری طور پر پلٹی اور ٹھٹک گئی۔دروازے کے قریب جلال کھڑا تھا اور دکھ اور بے یقینی سے اسے دیکھ رہا تھا۔اس کے عقب میں شبیہ تھا اور وہ خونخوار نظروں سے ماوی کو گھور رہا تھا۔

"جلال!......" ماوی کے حلق سے بمشکل آواز نکلی تھی جلال تیزی سے پلٹ گیا تھا۔

"تم عورتیں......" اس نے نفرت سے زمین پر تھوک دیا تھا ماوی کو اس کی پرواہ نہیں تھی جس کی پرواہ تھی وہ جا چکا تھا اور ماوی کے پاس صرف پچھتاوے رہ گئے تھے فون پر ثمینہ کی آواز مسلسل سنائی دے رہی تھی۔

☆☆☆

"اینیا! تم نے مجھے کوئی جواب نہیں دیا......؟" ثروت نے اس سے اگلے ہی دن پوچھا تھا۔

"کس بارے میں ممی!؟" اینیا سمجھ تو گئی تھی لیکن اس نے بن کر پوچھا۔

"فیضان کے پرپوزل کے بارے میں پوچھ رہی ہوں۔"

"اوہ اچھا......آپ انہیں انکار کردیں ممی! میں فیضان سے شادی نہیں کروں گی۔" اس نے اتنے آرام سے جواب دیا تھا اتنا ہی ثروت کے لیے اس کا جواب غیر متوقع تھا۔

"کیا کہہ رہی ہو اینیا! تم نے اچھی طرح سے سوچا بھی ہے؟"

"میں نے بہت سوچ سمجھ کر جواب دیا ہے ممی! آپ ڈیڈی کو بھی بتا دیں میرا ابھی شادی کا کوئی ارادہ نہیں ہے میں مزید پڑھنا چاہتی ہوں اور اگلے پانچ چھ سال تک آپ لوگ میری شادی کے متعلق سوچئے گا بھی نہیں۔ہاں آپ ڈیڈی سے علیحدگی چاہتی ہیں تو اس فیصلے میں میں آپ کے ساتھ ہوں۔صرف میں ہی نہیں ولید اور ولی بھی آپ کا ساتھ دیں گے۔ویسے بھی اس روز ہاسپٹل میں ڈیڈی آپ کو چھوڑنے کا فیصلہ آدھا ادھورا ہی سہی لیکن سنا چکے ہیں۔آپ نے ہماری خاطر بہت ٹف ٹائم گزارا ہے اب آپ کا وقت ہے اپنی زندگی گزار لیں۔میں آپ سے متفق ہوں آپ کو خود کو مزید ڈی گریڈ نہیں کروانا چاہئے۔" اس نے اطمینان سے کہا اور سیڑھیاں چڑھ گئی رک کر یہ دیکھنے کی زحمت بھی نہ کی کہ ثروت کے تاثرات کیا ہیں۔

☆☆☆

رات کی تاریکی میں وہ سر جھکائے چلا جاتا تھا، مایوس، ناامید اس جواری کی طرح جو نہ صرف زندگی کی بازی ہار گیا ہو بلکہ اس کی زندگی کا کل اثاثہ بھی چھین لیا گیا ہو۔

اس نے وہاں سے دھوکہ کھایا تھا جہاں سے ہرگز امید نہ تھی اپنے کانوں سے نہ سنا ہوتا تو کبھی یقین نہ کرتا لیکن اب کیا کرتا۔

تھک ہار کر فٹ پاتھ پر گر گیا اس کے دماغ میں جیسے طوفان سا بپا ہوا تھا دکھ یہ نہیں تھا کہ محبت نہیں ملی دکھ یہ تھا کہ اسے اتنا ارزاں سمجھا گیا کہ اس کے جذبات سے کھیلتے ہوئے بھی ایک لمحہ نہ سوچا۔کیا وہ اتنا بیکار تھا کہ اس سے محبت نہ کی جائے اسے صرف استعمال کیا جائے۔

وہ فاتر العقل نہیں تھا بیوقوف بھی نہیں تھا صرف سادہ دل تھا سادہ مزاج تھا اور یہی سادگی اس کے لیے عذاب بن گئی تھی کوئی وحشی جانور بن کر اس کی ہر خوشی کو نگل گئی تھی۔

سڑک پر ایک گاڑی زن سے گزر گئی تھی اس کا ملبوس پھڑ پھڑانے لگا۔

ماوی کی محبت نے اس کی شانت زندگی میں بھی ایسے ہی ہلچل مچادی تھی اسے وہ نئی نئی خوشی اچھی لگتی تھی اپنا آپ معتبر لگنے لگا تھا لیکن اب یوں لگ رہا تھا جیسے زندگی ہی ختم ہو گئی ہو۔

ذلت کے احساس سے آنکھوں میں مرچیں سی چبھنے لگی تھیں معاً اس کا سارا وجود کسی گاڑی کی ہیڈ لائیٹ کی روشنی میں نہا گیا آنکھیں بری طرح چندھیا گئی تھیں تو اس نے سرعت سے آنکھوں پر بازو رکھ لیا۔ رگ جاں کو کاٹتی اور آنکھوں میں تیرتی نمی آستین میں جذب ہو گئی تھی۔

گاڑی کے ٹائیر اس سے کچھ فاصلے پر چرچرائے تھے۔

''جلال......'' اس نے شبیہ کی پریشانی میں ڈوبی آواز سنی تھی۔ پھر بوکھلائے ہوئے قدم اس کی طرف بڑھتے چلے آئے۔

''میں تمہیں کب سے ڈھونڈ رہا ہوں...... کچھ احساس بھی ہے میں کتنا پریشان ہو گیا تھا۔'' وہ اس کا بھائی تھا اس کے لیے فکر مند تھا۔

جلال خاموش رہا اس کی آنکھوں میں آنسو نہیں تھے لیکن ایسی ویرانی تھی جیسے وہ بہت دیر تک روتا رہا ہو۔

''جلال کچھ بولو پلیز۔'' شبیہ نے اس کی حالت کے پیش نظر گھبرا کر کہا تھا۔

''کیا بولوں کچھ نہیں ہے بولنے کو۔'' جلال نے آہستگی سے کہا تھا۔

''تو کیا اس گھٹیا لڑکی کے لیے......'' شبیہ نے غصے سے کہنا چاہا لیکن جلال نے تیزی سے اسے ٹوک دیا۔

ماوی کے لیے اس طرح کے الفاظ استعمال مت کرو۔''

''میرا دل چاہ رہا ہے میں اس سے بھی زیادہ برے لفظ استعمال کروں۔''

''نہیں ہرگز نہیں......'' جلال کے لہجے میں تڑپ تھی شبیہ کا دل چاہا اکیسویں صدی کے اس مجنوں کو ایک زوردار تھپڑ رسید کرے۔

''اچھا اٹھو گھر چلتے ہیں۔'' اس نے ہاتھ پکڑ کر جلال کو اٹھانا چاہا لیکن جلال ٹس سے مس نہ ہوا۔

''تم جاؤ شبیہ! میں ابھی یہیں بیٹھنا چاہتا ہوں۔''

''پاگل مت بنو جلال! آخر کب تک اس لڑکی کے لیے اس طرح سڑکوں پر پھرو گے۔ محبت تو وہ تم سے پھر بھی نہیں کرے گی۔'' شبیہ نے ڈپٹ کر کہا تھا۔

''نہ کرے۔ محبت چاہیے بھی نہیں۔ دکھ تو اس بات کا ہے کہ اس نے میری ذات سے اعتماد بھی چھین لیا۔'' اس کا لہجہ اس کے غم کا غماز تھا۔

''پھر بھی تم اس کے لیے یہاں بیٹھے ٹسوے بہا رہے ہو تف ہے تم پر۔'' شبیہ کو زیادہ دیر کسی کا دکھ بانٹنا بھی نہیں آتا تھا۔

''ہاں تف ہے مجھ پر۔'' جلال نے سادگی سے کہا اور حتمی انداز میں اٹھ کھڑا ہوا۔

''چلو گھر چلتے ہیں۔'' وہ گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔ شبیہ نے دیکھا جو کہ کھانے کے بعد وہ غم سے نڈھال تھا۔ اس کے طیش میں اضافہ ہوا تھا۔

''عورت ہوتی ہی ناقابل بھروسہ ہے۔ چاہے وہ بی جان ہو، میری ماں ہو، ماوی ہو یا...... یا تم ہو۔'' وہ بھی کسی نتیجے پر پہنچ کر اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

☆☆☆

''تم نے مجھ سے شادی سے انکار کیوں کیا؟''

فیضان نے اسے راستے میں جالیا تھا۔ اینیا جتنا بھی حیران ہوتی وہ کم تھا یہ فیضان کی شخصیت کا کون سا رنگ تھا وہ قطعی ناواقف تھی۔

''تھی کوئی وجہ اور وہ وجہ میں آپ کو بتانا ضروری نہیں سمجھتی۔''

فیضان اس جواب کی توقع نہیں کر رہے تھے ذرا سا حیران ہوئے۔

''تمہیں کوئی حق نہیں ہے کہ میری فیلنگز کے ساتھ کھیلو۔''

''فیلنگز؟...... کونسی فیلنگز؟......'' وہ چڑ کر بولی تھی۔ ''وہ فیلنگز جن کا اظہار کر کے میں نے آپ سے تھپڑ کھایا تھا؟ یا وہ فیلنگز جن کا احساس دلانے پر آپ نے ماوی سے جھگڑا کیا تھا...... جب تک میں آپ کے پیچھے بھاگتی رہی آپ کو میری ذرا پرواہ نہیں تھی اور اب آپ کو اچانک میرا خیال آ گیا۔''

وہ آج ہی بغیر کسی لحاظ کے اگلے پچھلے حساب برابر کرنے پر تلی بیٹھی تھی۔

''غلط بات...... مجھے پہلے بھی تمہارا خیال تھا اسی لیے کبھی تمہاری حوصلہ افزائی نہیں کر سکا مرد کے لیے کبھی مشکل نہیں ہوتا کہ وہ عورت کے جذبات سے کھیلے۔''

''بہت شکریہ آپ کا کہ آپ نے نہیں کھیلا لیکن جو کیا وہ بھی بہت برا تھا۔''

''تو اب تم اس بات کا بدلہ لو گی؟'' فیضان نے ہنس کر پوچھا تھا انہیں اس کا رویہ بچپنا لگ رہا تھا۔

اینیا نے کسی قدر خفگی سے انہیں دیکھا اور ناراضی سے بولی۔

''آپ جو بھی سمجھیں۔''

''سمجھنا مجھے نہیں آپ کو ہے۔'' فیضان کے لہجے میں کچھ خاص تھا کہ اینیا کا دل تیزی سے دھڑکا۔

''میں اپنے ہر رویے کے لیے شرمندہ ہوں اینیا! تم سے نہیں میں دراصل اپنے دل سے بھاگ رہا تھا اس دل کی خوشی سے بھاگ رہا تھا۔ تم مجھے کب اچھی لگیں یہ تو پتا نہیں صرف اتنا جانتا ہوں کہ ایک بار اچھی لگنے کے بعد تم مجھے بری نہیں لگیں مجھے ڈر تھا ایک بار تمہاری حوصلہ افزائی کر دی تو کہیں تم راستے سے بھٹک نہ جاؤ۔ زریں میری پہلی پسند ضرور تھی محبت نہیں لیکن اسے پسند کر کے بھی میں نے الزام سہا تھا ڈرتا تھا تم سے محبت کا اعتراف تم کو کسی مشکل میں نہ ڈال دے۔ جنہوں نے ساری زندگی کسی الزام کے بوجھ تلے گھٹ گھٹ کر سانس لیتے گزاری ہو وہ غیر ضروری حد تک پھونک پھونک کر قدم رکھنا سیکھ لیتے ہیں اور نقصان اٹھاتے ہیں جیسے میں اٹھانے والا تھا۔ کیا تم مجھے معاف نہیں کر سکتیں...... کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ ہم دونوں ایک اچھی زندگی گزاریں۔'' انہوں نے لاشعوری طور پر اینیا کی طرف دیکھا وہ بنا آواز زار و زار رو رہی تھی۔

وہ حق دق رہ گئے۔

"کیا ہو گیا بھئی...... میں نے کوئی غلط بات تو نہیں کر دی...... میں تو تمہیں......"

"آپ نے غلط بات نہیں کی...... لیکن اتنا وقت کیوں لگایا۔" اس نے روتے ہوئے چڑ کر کہا تھا فیضان ایک لمحے کو ٹھٹکے پھر ہنس دیے۔

"اچھا غلطی ہو گئی اس بار معاف کر دو اگلی بار کے لیے وعدہ ہے صحیح بات ہمیشہ صحیح وقت پر کروں گا اور میرا خیال ہے تم سے یہ کہنے کا اس سے مناسب وقت اور کوئی نہ ہو گا کہ میں تم سے محبت کرنے لگا ہوں۔"

اجیا کے چہرے پر دھنک پھیل گئی تھی۔ محبوب کا اظہار اسے ہوا میں اڑانے کے لیے کافی تھا۔

☆☆☆

جنت بیگم نے تنوی کو اپنی خاص ملازمہ سلیمہ کے ساتھ قریبی شہر جانے کی اجازت دی تھی تاکہ وہ اپنی پسند کی خریداری کر سکے۔ ایسا موقع حویلی کی لڑکیوں کو کبھی کبھار ہی نصیب ہوتا تھا کیونکہ جنت بیگم کو لڑکیوں کا بازاروں میں گھومنا پھرنا کچھ خاص پسند نہ تھا۔ تنوی کو کوئی خاص ضرورت تو نہیں تھی لیکن جنت بیگم کے اصرار پر جانے کے لیے راضی ہو گئی۔

"حمل کو بھی ساتھ لے جاتے ہیں بی جان! مجھے اکیلے اتنا مزہ نہیں آئے گا۔" اس نے کہا تو جنت بیگم نے کچھ دیر سوچا پھر حمل کو بھی اجازت دے دی۔

"سلیمہ! دھیان رکھنا۔ میں تنوی کو صرف اس لیے گھومنے پھرنے کی اجازت دے رہی ہوں تاکہ اس کا ذہن بٹا رہے اور وہ شبیہ کے بارے میں زیادہ نہ سوچ سکے۔ اور ہاں حمل اور تنوی کو بھی تنہا نہیں چھوڑنا۔" جنت بیگم نے بطور خاص سلیمہ کو تاکید کی تھی۔

خدا معلوم اس کے کون سے خدشات تھے جو اسے اس طرح کی احتیاط برتنے کے لیے مجبور کر رہی تھی۔

تنوی اور حمل کو لطف آ رہا تھا یونہی ادھر ادھر گھومتے ہوئے انہوں نے ڈھیروں باتیں کر ڈالیں تھیں تبھی تنوی کو عبیر نظر آ گئی۔

اتنے دن بعد اور یوں اتفاقاً ملاقات ہو رہی تھی تنوی کو بڑا اچھا لگا ایسا محسوس ہوا جیسے اسے اسی مقصد کے لیے بی جان نے بھیجا ہو۔

"عبیر نے اسے خوب دیر تک گلے لگائے رکھا۔

"تمہارے بغیر تو کالج میں مزہ ہی نہیں آتا سچ کہوں تو میں تمہیں بہت مس کرتی ہوں۔"

"نمرہ کیا کر رہی ہے آجکل؟" تنوی نے کچھ خیال آنے پر پوچھا تھا۔

"وہی جو پڑھائی سے دل چرانے والی لڑکیاں عموماً کیا کرتی ہیں یعنی گھرداری۔" عبیر نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا تھا۔

"کیا مطلب؟"

"توبہ ہے بھئی...... تم تو اب تک ویسے کی ویسی ہو یعنی نالائق۔" عبیر نے اپنے مخصوص انداز میں کہا تھا۔

"بھئی اس کی شادی ہو چکی ہے سو آج کل وہ اپنی کپتی ساس کو چاروں شانے چت کرنے کے لیے نئے نئے طریقے سوچتی ہے اور شوہر

کے گندے پاؤں دھودھو کر پیتی ہے۔ بتاؤ یہ بھی کوئی پینے کی چیز ہے؟"

"ارے واقعی نمرہ کی شادی ہو گئی کیا؟ وہ خوش تو ہے؟" تنوی نے خوشگواریت سے پوچھا تھا۔

"خوش کیوں نہیں ہو گی ماشاء اللہ اتنی اچھی سسرال ملی ہے کہ بس۔ اور شوہر تو اتنا گڈ لکنگ ہے کہ نمرہ کو ہر وقت نظر کی دعائیں پڑھ کر پھونکنے کی فکر رہتی ہے۔"

"چلو اچھی بات ہے......لیکن جبیر! وہ عروش......"

"بھئی وہ تو پاگل پن تھا اسے بھول ہی جاؤ......"

"لیکن نمرہ تو کہتی تھی......"

"نمرہ جو بھی کہتی تھی وہ اس کا پاگل پن تھا اور تمہارا پاگل پن یہ ہے کہ ہر ایک کی باتوں پر فوراً یقین کر لیتی ہو بھئی دماغ کے اندر بھی ایک چیز ہوتی ہے جسے عقل کہتے ہیں اسے بھی استعمال کرنا سیکھو۔ یہ نہیں کہ جس نے جو کہا اس پر بھروسہ کر کے اسی کی مرضی کرنے لگے۔ میں تمہیں اس کا ایک قصہ بتاؤں؟" جبیر نے تحمل سے کہا۔ "کالج میں اس کا ہاتھ دیکھ کر ہماری ایک سینئر نے کہہ دیا کہ عنقریب تم کسی مشکل کا شکار ہونے والی ہو......اور تمہیں پتا ہے اس عقلمند نے فوراً اس کی بات پر یقین کر لیا تھا۔" تنوی نے چونک کر جبیر کو دیکھا تھا۔

"تو کیا ثمامہ نے غلط کہا تھا؟"

"یار وہ ہاتھ دیکھ کر بتاتی تو سو فیصد باتیں درست ہی تھی یہ تو میری آزمائی ہوئی بات ہے۔"

"لیکن جبیر تم نے اور نمرہ نے تو مجھے کہا تھا کہ تم دونوں نے ثمامہ سے مجھے تنگ کرنے کے لیے جھوٹ بلوایا تھا۔"

"اوہ ہم نے ایسا کہا تھا؟" جبیر نے چونک کر اسے دیکھا اور جیسے یاد کرنے کی کوشش کی تھی کہ کیا واقعی انہوں نے ایسا کچھ کہا تھا یا نہیں۔

"یار جنت! تم اس وقت اتنا پریشان ہو گئی تھی کہ ہمیں اور کچھ سوجھا ہی نہیں۔" جبیر نے معذرت خواہانہ انداز میں کہا تھا۔

"اس کا مطلب ثمامہ کی باتیں درست تھیں؟" تنوی کو فکر لاحق ہوئی۔

"یار اب تو اس بات کو اتنا وقت گزر چکا ہے کہ تمہیں ویسے ہی بھول جانا چاہیئے تھا......خیر چھوڑو اس بات کو......یہ بتاؤ تمہارا اسٹرا کڑو کیسا ہے؟"

"ایں......؟" اس نے نا سمجھی سے جبیر کو دیکھا تھا۔

"شبیہ کی بات کر رہی ہوں۔"

"وہ ٹھیک ہیں۔" اس کی بجائے کب سے خاموش کھڑی تحمل نے جواب دیا تھا۔

"کچھ پروگریس بھی ہوئی یا ابھی تک وہی اٹھارویں صدی کا ڈھکا چھپا رومینس چل رہا ہے؟" جبیر اور اس کے سوال......تنوی کے لبوں پر مسکراہٹ آ گئی تھی ساتھ ہی بے اختیار ماوی یاد آئی تھی۔ ماوی سے مل کر اسے جبیر یاد آتی تھی اور آج ماوی یاد آ رہی تھی۔

"اچھا جبیر! اب ہم چلتے ہیں۔" اچانک تحمل نے تنوی کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے ساتھ گھسیٹ لیا تھا۔ تنوی کو جبیر کو صحیح طریقے سے خدا حافظ

کہنے کا موقع بھی نہیں مل سکا الٹا یہ بڑی بدتہذیبی کا مظاہرہ ہو گیا تھا۔

"کیا کر رہی ہو نمل! مجھے میر سے بات تو کر لینے دو۔"

"سہیلیوں سے باتیں کرنے کے لیے عمر پڑی ہے یہ موقع نکل گیا تو دوبارہ نہیں ملے گا۔" نمل نے اسے اپنے ساتھ گھسیٹتے ہوئے دبی آواز میں کہا تھا۔

ایک دکان کے سامنے اس نے تنوی کا ہاتھ چھوڑ دیا۔

"تنوی تم اسٹولر لینا چاہ رہی تھی ناں۔ اس شاپ سے دیکھو میں ذرا وہ سامنے والی شاپ سے کچھ گرم کپڑے دیکھ لوں۔ میرے ساتھ آ ؤ سلیمہ! اس دکان پر بڑا رش ہے۔" سلیمہ کے ٹال مٹول کرنے کے باوجود نمل اسے زبردستی ساتھ لے گئی تھی۔ تنوی حیران کہ یہ کیا ہوا پھر کندھے اچکا کر وہ اسٹولرز کی طرف متوجہ ہو گئی۔

چند منٹ بعد اس نے اپنے ساتھ کسی کو آ کر کھڑے ہوتے محسوس کیا تھا سرسری سی گردن موڑ کر اس نے دیکھا اور دھک سی رہ گئی۔

"کیسی ہو؟" وہ شبیہ تھا۔

تنوی نے جلدی سے نمل اور سلیمہ کی تلاش میں نظریں دوڑائیں وہ دونوں نہ جانے کہاں غائب ہو گئی تھیں ڈرائیور تو خیر ان کے ساتھ ساتھ تھا ہی نہیں۔

"اِدھر اُدھر کیا دیکھ رہی ہو میں تم سے بات کر رہا ہوں۔" شبیہ نے حسب عادت ڈپٹ کر کہا تھا۔

"م...... میں جا رہی ہوں...... بی جان نے منع کیا ہے آپ سے بات کرنے سے......"

"کسی دن بی جان کہیں گی کنویں میں چھلانگ لگا دو تو بھی ایک لمحے کی تاخیر نہ کرنا۔ تم جیسے بزدلوں کو یہ کرنا چاہیے۔"

"اور آپ جیسے احسان فراموشوں کو کیا کرنا چاہیے؟"

"اوہو......" تنوی کا اس طرح بولنا بہر حال تعجب خیز بات تھی لیکن شبیہ کو خوشی ہوئی۔

"اچھی بات ہے کہ تم بولنا سیکھ رہی ہو...... اب تمہیں بی جان کے سامنے بھی اپنے حق کے لیے آواز اٹھانی ہے۔"

"آپ مجھے بھڑکانے کی کوشش نہ کریں۔ میں بی جان کے خلاف کبھی جانے کا سوچ بھی نہیں سکتی۔"

"تم انتہائی احمق ہو اپنے فائدے نقصان کا تو تمہیں کچھ پتا ہی نہیں ہے۔ بی جان انتہائی خود غرض ہیں۔"

"آپ کو ان کے بارے میں اس طرح بات نہیں کرنا چاہیے۔"

"کیوں نہ کروں ان سے کوئی رشتہ نہیں ہے میرا۔"

"کہہ دینے سے رشتے ٹوٹ تو نہیں جاتے۔" تنوی نے تیزی سے کہا تھا۔

شبیہ کے لبوں پر دلفریب مسکراہٹ پھیل گئی۔

"اگر ایسی بات ہے تو بی جان کے کہنے سے ہمارا رشتہ بھی نہیں ٹوٹنا۔ یہ سن کر اچھا لگا۔"

"میرا یہ مطلب نہیں تھا۔" وہ جھینپ گئی۔

"تمہارا مطلب جو بھی تھا میں صرف یہ کہنے آیا ہوں کہ تمہاری شادی صرف مجھ سے ہوگی بی جان کچھ بھی کہیں لیکن اگر تم نے کسی اور کے بارے میں سوچا تو یاد رکھنا میں تمہیں اور اسے...... دونوں کو قتل کر دوں گا۔ اپنی چیزوں سے دستبردار ہونا میں نے کبھی نہیں سیکھا اور تم تو پیدا ہوتے ہی میری ہو گئیں تھیں۔ کل یا پرسوں میں حویلی آؤں گا اور تمہیں ساتھ لے جاؤں گا۔ تیاری کر لینا۔" وہ جاتے جاتے رکا۔

"ثمل کو شکریہ ادا کر دینا وہ بروقت اطلاع نہ دیتی تو تم سے ملاقات نہ ہو سکتی۔"

تنوی حیران پریشان اسے جاتا دیکھتی رہی۔

☆☆☆

"تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے تم نے شبیہ بھائی کو انکار کیوں کیا؟" ثمل نے کہا تھا۔

"تو تمہارا کیا خیال ہے مجھے اور کیا کہنا چاہیئے تھا؟" تنوی نے چڑ کر پوچھا تھا وہ یوں بھی اس سے خفا تھی۔

"ان کو انکار نہ کرتی تو بی جان خفا ہو جاتیں۔ اور میں بی جان کو خفا نہیں کر سکتی یہ تم بھی اچھی طرح جانتی ہو۔"

"پاگل مت بنو تنوی بی جان کو خوش رکھنا دنیا کا مشکل ترین کام ہے وہ ان لوگوں میں سے ہیں جو کبھی خوش نہیں ہوتے۔ اپنی خوشی سے کیوں دستبردار ہوتی ہو؟"

"خوشی کیسی بی جان نے رشتہ طے کیا انہوں نے ہی ختم بھی کر دیا۔ نہ میں نے پہلے کوئی اعتراض کیا تھا نہ اب کروں گی۔"

"ہاں کاٹھ کے الو کی طرح زندگی گزارتی رہو تمہارے لیے یہی بہتر ہے۔" ثمل نے چڑ کر کہا تھا تنوی خاموش رہی اسے کچھ نہیں کہنا تھا۔ ویسے بھی بی نان بڑی تھیں تنوی کا خیال تھا وہ زیادہ سمجھتی ہیں اور خود اسے کوئی عقل نہیں آج تک انہوں نے اس کے لیے درست فیصلے کیے ہیں سو یہ فیصلہ بھی درست ہوگا۔ تبھی اس نے واپس آتے ہی انہیں اپنی اور شبیہ کی ملاقات کا بتا دیا تھا۔

جنت بیگم نے بے دریغ ثمل کو ڈانٹا جس ڈانٹ کی ثمل کو تو ہرگز پرواہ نہیں تھی البتہ تنوی کھڑی کانپتی رہی۔

"تمہیں گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے تنوی! وہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔" جنت بیگم نے کہا تھا۔ "شبیہ نے دوبارہ ایسی کوئی حرکت کی تو میں اسے خود سمجھ لوں گی۔"

ان کا لہجہ کسی سوچ کا غماز تھا تنوی اپنے کمرے میں چلی گئی۔

☆☆☆

"میں تنوی کو ساتھ لیے بغیر یہاں سے نہیں جاؤں گا۔" اگلے ہی روز شبیہ نے جنت بیگم کے سامنے کھڑا تھا۔

"کیونکہ آپ کو کوئی حق نہیں ہے کہ ذرا سی بات پر اس کا اور میرا رشتہ ختم کریں۔"

"میں اس کی ولی ہوں میں جو مناسب سمجھوں اس کے حق میں فیصلہ کر سکتی ہوں۔" جنت بیگم کا لہجہ تیز تھا۔

"ولی تو پتا نہیں آپ بس اس کی گارجین ہیں۔ میرا اور اس کا رشتہ زریں پھپھو کے ایما پر طے ہوا تھا اگر رشتہ ختم ہونا ہے تو بھی انہی کو فیصلہ کرنا چاہیے۔" اس نے بڑی عیاری سے کہا تھا جنت بیگم استہزائیہ ہنس دیں۔

"پاگل پن کی باتیں مت کرو شبیہ! زریں کے بعد میں ہی تنوی کی ماں ہوں اس کے بارے میں ہر فیصلے کا اختیار مجھے ہی ہے۔"

"تو پھر آپ کے کہہ دینے سے رشتہ بھی ختم نہیں ہو سکتا۔ تنوی میری عزت ہے اور میں اس سے کسی قیمت پر دستبردار نہیں ہوں گا۔" شبیہ نے اٹل لہجے میں کہا تھا۔

"تم تو اس طرح اکڑ رہے ہو جس طرح وہ تمہاری منگیتر نہیں منکوحہ ہو۔"

"آپ بھول رہی ہیں بی جان! ہم غیرت اور عزت پر جان دینے اور لینے والے لوگ ہیں۔" اس نے کہا۔ "تنوی میری عزت ہے بات صرف یہ ہے۔ لیکن اگر پھر بھی آپ بضد ہیں تو میں بتاؤں میں ہوا میں تیر نہیں چلا رہا نکاح نامہ میرے پاس ہے۔"

"کیا......" وہاں موجود سب لوگوں کو گویا جھٹکا لگا تھا۔

"اور نقلی ہے۔" شبیہ نے پھر اطمینان سے کہا تھا۔ "لیکن اس نکاح نامے کی رو سے جنت بی بی عرف تنوی میری منکوحہ ہے میں اسے آپ کی اجازت کے بغیر بھی یہاں سے لے جانے کا مجاز ہوں اور آپ کو کوئی اختیار نہیں کہ مجھے ایسا کرنے سے روکیں۔"

"تم نے نقلی نکاح نامہ تیار کروایا؟" جنت بیگم کی حیرانی کی حد نہ تھی۔ "مجھے تم سے یہ امید ہرگز نہیں تھی شبیہ!"

"اُمید تو مجھے بھی نہیں تھی کہ آپ نے مجھے میری ماں کے خلاف بھڑکایا ہوگا۔"

"تو اب تم اس بات کا بدلہ لینے کے لیے تنوی کو لے جانا چاہتے ہو......لو تنوی! اس کے عزائم کی داستان اس کی زبان سے ہی سن لو۔" جنت بیگم نے شبیہ کے عقب میں دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تھا۔ شبیہ قدرے ٹھٹھا کر پلٹا اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ تنوی وہاں موجود ہوگی۔ وہ پریشان سی کھڑی تھی۔

"میں آپ کے ساتھ نہیں جاؤں گی۔" اس سے قبل کہ وہ کچھ کہتا تنوی نے تیزی سے کہا تھا۔

"پاگل مت بنو تنوی! صرف میں ہوں جو تمہیں ایک سیکیور لائف دے سکتا۔" شبیہ نے کہا تھا

"مجھے بی جان کے پاس رہنا ہے میں...... میں آپ کے ساتھ نہیں جاؤں گی۔" وہ ہراساں تھی اور بضد بھی۔

"ان کے ساتھ رہو گی تو یہ تمہیں بھی اپنے جیسا بنا دیں گی ضدی اور خود غرض۔"

"اور تمہارے ساتھ رہی تو تم اسے اپنے جیسا بنا دو گے ظالم اور بے حس...... پوچھو تنوی سے وہ تمہیں کتنا ناپسند کرتی ہے۔" جنت بیگم نے استہزائیہ کہا تھا۔

شبیہ نے ناپسندیدگی سے انہیں دیکھا۔

"فیصلہ تمہیں کرنا ہے تنوی! اپنے ساتھ دشمنی مت کرو۔" شبیہ کا انداز اچھا تھا۔

"دشمنی تب ہوگی جب وہ تمہارے ساتھ جائے گی۔" جنت بیگم نے کہا تھا۔

"مجھے تنوی سے بات کرنے دیں۔"

"تم نے سنا تنوی! اس کا لہجہ کتنا گستاخ ہو چکا ہے۔ یہ وہی شبیہ ہے جو کسی کو مجھ سے اونچی آواز میں بات بھی کرنے نہیں دیتا تھا اور اب کس لہجے میں مجھ سے بات کر رہا ہے۔ اس سے بھلا اب کسی اچھائی کی توقع کی جا سکتی ہے؟"

جنت بیگم نے ایک اور کارڈ چل دیا تھا۔ شبیہ کے غصے میں اضافہ ہوا تھا۔

"نہ کریں اچھائی کی توقع۔ لیکن یہ طے ہے کہ تنوی کو میں آپ کے ساتھ نہیں رہنے دوں گا۔ زبردستی بھی لے جانا پڑا تو لے جاؤں گا۔" اس نے حتمی انداز میں کہا تھا۔ "چلو تم میرے ساتھ۔"

"مم...... میں نہیں جاؤں گی۔" وہ کانپنے لگی تھی۔

"تمہاری اجازت نہیں مانگ رہا تم سے چلنے کے لیے کہہ رہا ہوں۔" شبیہ نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ پکڑنا چاہا اسی وقت تنوی کے ہاتھ میں کہیں سے ایک چھوٹا سا ریوالور آ گیا تھا۔

"مم...... میں...... میں نہیں جاؤں گی اور آپ زبردستی بھی نہیں کر سکتے۔" اس نے کانپتے ہاتھوں سے ریوالور اس پر تان رکھا تھا اور اس کے ہاتھوں کی لرزش شبیہ سے مخفی بھی نہیں رہی تھی۔

"تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے تم مجھ پر گولی چلاؤ گی۔" وہ طیش سے بولا تھا۔

"میں چلا سکتی ہوں لیکن آپ کے ساتھ نہیں جاؤں گی۔" وہ ابھی تک کپکپا رہی تھی۔

"میں دیکھتا ہوں تم کیسے چلاتی ہو۔" وہ طیش کے عالم میں آگے بڑھا خوف کے عالم میں تنوی نے ٹریگر پر دباؤ بڑھا دیا تھا معاً فضا میں ایک زوردار آواز گونجی اور سارے کمرے میں سکوت پھیل گیا تھا۔

شبیہ کے قدم تھم گئے اس نے اپنے سینے میں کوئی گرم سلاخ گزرتی محسوس کی تھی۔ اس کے کانوں میں ایسی آوازوں کا شور تھا جیسے ویرانوں میں ہوتا ہے عجیب سا شور، موت کا شور۔

اس کے سامنے کھڑی تنوی کا چہرہ دھندلا ہونے لگا تھا جنت بیگم کا چہرہ بھی...... پھر اسے اپنی ماں کی شکل دکھائی دی تینوں چہرے مدھم ہو رہے تھے اس کی بصارت میں گم ہو رہے تھے۔ شبیہ نے زبردستی بند ہوتی آنکھیں کھولنے کی کوشش کی لیکن ہر منظر اس کی بصارت سے ہمیشہ کے لیے ڈوب گیا تھا۔

☆☆☆

اس رات ماوی جلال کی واپسی کا انتظار کرتی رہی اور انتظار کرتے ہوئے لاؤنج میں ہی سو گئی تھی اگلی صبح اس کی آنکھ قدرے تاخیر سے کھلی۔ کچن سے کھٹ پٹ کی آوازیں آ رہی تھیں وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔ پھر سرعت سے کچن کی طرف لپکی۔

جلال برنر کے قریب کھڑا تھا اور اس کی پشت دروازے کی طرف تھی۔

"جلال!......" ماوی کے قدم جیسے دہلیز نے جکڑ لیے تھے۔

جلال نے مڑ کر دیکھا پھر رخ برنر کی طرف موڑ لیا ہلکی آنچ پر چائے کا پانی ابل رہا تھا۔

"میں جانتی ہوں تم مجھ سے خفا ہو لیکن پلیز مجھے ایک بار اپنی پوزیشن کلیئر کر لینے دو۔" اس نے منت بھرے انداز میں کہا تھا۔

"میں خفا نہیں ہوں ماوی! تم جاؤ یہاں سے......" اس نے سادگی سے کہا تھا۔

"وہ ساری می کی پلاننگ تھی میں نے انہیں منع بھی کیا تھا......"

"میں نے کوئی اعتراض نہیں کیا......"

"تمہیں کرنا چاہیے...... تمہیں مجھ سے لڑنا چاہیے......"

"چائے پیوگی؟"

"مجھے یا می کو کوئی حق نہیں تھا کہ تمہاری فیلنگز سے کھیلتے......"

"میں فروٹ کیک بھی لایا ہوں چائے کے ساتھ کھانا چاہو تو فریج سے نکال لو......"

"می نے تمہیں مہرہ بنایا تا کہ مجھے حویلی میں تم کسی بھی قسم کے نقصان سے بچا سکو......"

"پہلے میں کلمہ چوک سے حلوہ پوڑی کا ناشتہ لانے لگا تھا بہت لذیذ حلوہ پوری ملتی ہے..........."

"آئی ایم سوری جلال!......"

"پھر میں نے سوچا شاید تم نہ کھاؤ......"

"مجھے معاف کر دو میں می کی باتوں سے مجبور ہو گئی تھی......"

"لڑکیاں ڈائیٹ کانشس بہت ہوتی ہیں......"

"اس طرح بی ہیومت کرو......"

"چائے میں کتنی چینی لوگی......" وہ چائے کپ میں نکالنے لگا تھا ماوی نے تیزی سے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"اس طرح تم مجھے ہرٹ کر رہے ہو جلال!......"

"میں ہرٹ کر رہا ہوں میں......" جلال نے اس کا ہاتھ بری طرح جھٹک دیا اس کا خول جیسے چٹخ گیا تھا اور چہرہ ضبط سے لال ہو رہا تھا

ماوی چپ کی چپ رہ گئی۔

"تمہاری ماں نے تمہیں مجبور کیا تھا لیکن تم دودھ پیتی بچی تو نہیں تھیں میری زندگی سے تم نے کھیلا۔ تم نے مجھے بیوقوف بنایا مجھے تم نے استعمال کیا اپنے مقصد کے لیے۔ میں ٹشو پیپر نہیں تھا ماوی! کہ استعمال کر کے پھینک دیا جاتا لیکن تم نے میری ذات کو ٹشو پیپر بنا دیا۔ مجھے اس وقت پر

افسوس ہوتا ہے جب میں پہلی بار تم سے ملا تھا۔ کاش وہ لمحہ میری زندگی میں آیا ہی نہیں ہوتا۔ صرف اور صرف تمہاری وجہ سے اب میں کسی عورت پر اعتبار نہیں کر سکوں گا۔"

اس نے یکدم اتنی بری طرح ری ایکٹ کیا تھا کہ ماوی صم بکم رہ گئی۔ یہ کوئی اور جلال تھا وہ نہیں تھا جسے اب تک ماوی جانتی تھی۔

جلال کو چند منٹ لگے تھے اپنی کیفیت پر قابو پانے میں۔ اس نے گہرے سانس لیے اور چہرے سے پسینہ پونچھتے ہوئے کہا۔

"آج ہم واپڈا ٹاؤن چلے جائیں گے۔" اس نے بس اتنا کہا اور اپنا کپ لے کر کچن سے نکل گیا۔ اس کے موبائل کی بیل بج رہی تھی۔ ماوی وہیں کھڑی رہی اور شیلف پر رکھے کپ سے نکلتی بھاپ کو دیکھتی رہی۔

باہر جلال کے لیے ایک پریشان کن خبر اس کی منتظر تھی۔

"شبیہ کو گولی لگی ہے ہم اسے لے کر لاہور آ رہے ہیں۔"

☆☆☆

"ایک کپ کافی مل سکتی ہے؟" ثروت اپنے لیے چائے بنا رہی تھیں جب انہوں نے اپنے عقب میں دانیال حسن کی آواز سنی۔ ذرا سا چونک کر پلٹیں پھر اثبات میں سر ہلا دیا۔ ساس پین میں دودھ گرم کرنے کے لیے ہلکی آنچ پر رکھا اور خود کافی پھینٹنے لگیں۔ کچن کی خاموش فضا میں کافی پھینٹنے کی آواز بہت گونج رہی تھی۔

دانیال حسن کچھ دیر خاموشی سے ثروت کی پشت کو گھورتے رہے وہ تمہید کا کوئی پہلو تلاش کر رہے تھے۔

"میں نے اینیا سے بات کی تھی۔" معاً ثروت نے ہی خاموشی کو توڑا۔

"کس بارے میں؟" دانیال حسن چونک کر متوجہ ہوئے تھے۔

"فیضان کے پرپوزل کے بارے میں۔" ثروت نے کہا

"انو ابھی شادی نہیں کرنا چاہ رہی وہ ابھی مزید پڑھنا چاہتی ہے۔"

"یہ تو اچھی بات ہے مجھے خوشی ہے کہ میری بیٹی پڑھائی میں دلچسپی لے رہی ہے تمہیں یاد ہے تم بھی چاہتی تھیں کہ ولید اور ولی کے ساتھ ساتھ انو بھی اعلیٰ تعلیم حاصل کرے......" دانیال حسن نے یاد دلایا۔

"میں تو بہت کچھ چاہتی تھی۔" ثروت نے سادگی سے کہتے ہوئے کافی کا مگ دانیال کے سامنے شیلف پر رکھ دیا تھا۔

"اچھا مثلاً؟" دانیال حسن کے لہجے میں دلچسپی تھی۔ ثروت ذرا سا حیران ہوئیں پھر معتدل لہجے میں بولیں

"اس بات کو رہنے دیں اچھا ہوا آپ کو فرصت مل گئی میں آپ سے بات کرنے آپ کی اسٹڈی میں آنے کا سوچ ہی رہی تھی۔"

"تمہیں سوچنے کی کیا ضرورت تھی۔ آ جاتیں مجھے فرصت نہ بھی ہوتی تو تمہارے لیے ٹائم نکالنا کیا مشکل تھا۔" ایسا خوشگوار لہجہ...... ثروت جتنا بھی حیران ہوتیں وہ کم تھا۔

"اس میں اتنا حیران ہونے کی کیا بات ہے؟" دانیال حسن ان کی حیرانی بھانپ کر ہنس دیے۔ پھر انہوں نے مگ شیلف پہ رکھا اور چند قدموں کا مختصر سا فاصلہ عبور کر کے ثروت کا ہاتھ آہستگی سے تھام لیا۔

"آؤ ایک نئی شروعات کرتے ہیں...... سب کچھ بھول کر...... ہر تلخی کو ذہن سے نکال کر...... مجھے معاف کر دو ثروت میری ہر چھوٹی بڑی غلطی کے لیے...... جنت بیگم نے وقتاً فوقتاً میرے ذہن میں تمہارے لیے اتنا زہر بھر دیا تھا کہ میں کسی بھی طرح تمہاری طرف سے اپنا دل صاف ہی نہیں کر سکا۔ تمہاری خدمت گزاری، تمہاری محبت...... مجھے سب بناوٹی لگتا تھا۔ غلطی میری ہے مجھے پہلے ہی تم سے کلیئر کٹ بات کر لینا چاہیے تھی تاکہ اتنے سال بدگمانی کی نذر نہ ہوتے...... کچھ روز پہلے میری مستقیم بھٹی سے بات ہوئی تو اس نے میری غلط فہمی دور کی۔"

"پہلے جنت بیگم نے کچھ کہا اور آپ نے یقین کر لیا اب مستقیم بھٹی نے کہا تو آپ کو اس کی بات کا بھی اعتبار آ گیا...... کل کو کوئی اور آ کر میرے بارے میں کچھ کہہ دے گا تو آپ اس پر بھی یقین کر لیں گے...... ان سب باتوں کے درمیان میری ذات کہاں ہے؟ کیا میں اتنی ناقابل بھروسہ ہوں کہ کوئی بھی کچھ کہتا رہے اور آپ مجھے دو کوڑی کا کرتے رہیں گے۔" ثروت نے روتے ہوئے کہا تھا ان کی باقاعدہ ہچکیاں بندھ گئی تھیں۔

دانیال حسن نے اپنے ہاتھوں سے ان کے آنسو پونچھ ڈالے۔

"میں جانتا ہوں میں نے تمہارے ساتھ بہت زیادتی کی ہے۔ میں جانتا ہوں تمہارے گزرے ہوئے قیمتی سال تمہاری تمام تر خوشیوں کے ساتھ میں تمہیں واپس نہیں کر سکتا۔ لیکن میں آنے والے سالوں کے قیمتی پلوں کو ضائع نہیں ہونے دوں گا...... اس عمر میں گو کہ ایسی باتیں کرنا کچھ نامعقول سی بات لگتی ہے لیکن سچ یہی ہے کہ تم میری پہلی اور آخری محبت ہو۔ مستقیم سے جب تم نے شادی کی تو میں بیان نہیں کر سکتا کہ میرے دل پر کیا گزری تھی مجھے تو یہ بھی یقین ہے کہ تمہاری اور اس کی طلاق میری بددعاؤں کا نتیجہ ہے...... ہمارے گھر میں قربانی کا جانور کاٹنے والی ایک بڑی چھری ہوا کرتی تھی تمہاری شادی کے بعد میں نے ایک مرتبہ وہ چھری نکالی کہ مستقیم کو ذبح کر دوں لیکن پھر دماغ نے سمجھایا کہ یہ تو نری بیوقوفی ہوگی مستقیم کو قتل کر کے مجھے جیل جانا پڑے گا اور اس دوران تمہاری شادی کسی اور سے ہو گئی تو میں کیا کروں گا...... بس اسی خیال نے مجھے مستقیم کو قتل کرنے نہیں دیا۔......"

اب کی بار ثروت کو بے یقینی کے باوجود ہنسی آ گئی دانیال پختہ عمر کے آدمی کم ٹین ایج کا لڑکا زیادہ لگ رہے تھے۔

"میری محبت کی اس سے بڑی نشانی اور کیا ہوگی کہ میری بدگمانی اسی لیے شدید تھی کہ میری محبت بھی شدید تھی...... مجھے معاف کر دو ثروت! میری ہر غلطی معاف کر دو میں نے تمہیں بہت مایوس کیا...... مجھے اپنی ہر غلطی کا احساس ہے میں شبیہ سے بھی معافی مانگ لوں گا لیکن پہلے تمہیں مجھے معاف کرنا ہوگا۔ یہ دیکھو میں تمہارے سامنے ہاتھ بھی جوڑ رہا ہوں۔"

دانیال حسن نے سچ مچ ان کے سامنے باقاعدہ ہاتھ جوڑ دیے تھے۔ ثروت نے جھنجلا کر ان کے ہاتھ کھول دیے پھر انہی ہاتھوں میں سر رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دیں دانیال حسن نے ان کے کندھوں پر بازو پھیلا کر انہیں خود سے قریب کر لیا تھا وہ جانتے تھے اس جل تھل کے بعد جب خوشیوں کا سورج نکلے گا تو ہر منظر نکھر چکا ہوگا اور ان کی عائلی زندگی خوشگواریت کی روشنی میں نہا چکی ہوگی۔ بہت سال برباد ہوئے اب انہیں خوشیاں چاہئیں تھیں اور زندگی سے ان خوشیوں کو حاصل کرنا تھا۔

☆☆☆

قیامت سی قیامت تھی جو حویلی کے مکینوں پر ٹوٹی۔

سب حواس باختہ تھے شبیہ کی حالت خراب تھی ڈاکٹرز کچھ بھی واضح الفاظ میں بتاتے نہ تھے۔گولی دل کے قریب لگی تھی آپریشن فوری طور پر کیا گیا شکر ہے کہ دل کو نقصان پہنچنے سے بچ گیا تھا لیکن وہ بیہوش تھا ڈاکٹرز کا کہنا تھا اگلے چھتیس گھنٹے بہت اہم ہیں۔

سب کا متفقہ فیصلہ تھا وہ حویلی چھوڑ دیں گے کسی کو بھی اب جنت بیگم کی حکمرانی منظور نہ تھی لیکن تنوی کے بارے میں کوئی بھی فیصلہ نہ کر سکا تھا اسے جنت بیگم نے پالا تھا جنت بیگم اس کے متعلق فیصلہ کر سکتی تھی یا تنوی خود اور سب جانتے تھے وہ جنت بیگم کے خلاف جا کر کوئی فیصلہ نہیں کرے گی ابھی تو خیر معاملہ بھی اور تھا سب کو فکر تھی اس سارے معاملے میں تنوی کو پولیس سے کس طرح بچایا جائے۔تعلقات اور پہنچ کا وسیع سلسلہ تھا جو انہوں نے لڑا لیا لیکن بڑی کوشش کے باوجود وہ معاملہ پولیس تک پہنچنے سے نہیں بچا سکے تھے ہاسپٹل کی انتظامیہ نے طبی امداد دینے سے پہلے ہر حال میں پولیس کو خبر کرنا ضروری سمجھا تھا۔

"میں تنوی کو لینے جا رہا ہوں۔" جلال نے کہا تھا۔

"تمہارے جانے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔اماں اسے تمہارے ساتھ نہیں آنے دیں گی۔" مستقیم بھٹی نے کہا تھا۔

"لیکن میں اسے ہر قیمت پر لے کر آؤں گا بی جان واقعی اسے پاگل کر دیں گی۔ابا بتا رہے تھے جس وقت آپ لوگ شبیہ کو ہاسپٹل لیکر آرہے تھے انہوں نے تنوی کو مارنا شروع کر دیا تھا کہ اس نے شبیہ پر گولی چلائی۔"

سب کے دل و دماغ میں بہت سے خدشات و اعتراضات تھے لیکن کسی نے بھی مزید کچھ نہ کہا۔جلال حویلی آیا تو حمل نے فوراً بتا دیا۔

"بی جان نے تنوی کو پہلے مارا پیٹا اور پھر کمرے میں بند کر دیا ہے۔جلال بھائی اس کی حالت بہت خراب تھی مگر بی جان کو اس پر ذرا رحم نہیں آیا۔" جلال کے بدترین خدشات کی تصدیق ہو گئی تھی جنت بیگم سے کوئی اچھی امید تو خیر تھی نہیں اس پر یہ کہ حویلی کے در و دیوار سے لپٹی ویرانی اس کی پریشانی اور خدشات میں اضافہ کرنے کے لیے کافی تھی۔

دوسری طرف جنت بیگم غم سے نڈھال تھی اس نے رو رو کر برا حال کر رکھا تھا عزیز پوتے کو خون میں لت پت دیکھا تھا اب خراب حالت کے خیال ہی سے بے دم ہو رہی تھی یوں لگتا تھا گویا سارا طنطنہ نکل گیا ہو۔

"میرا شبیہ کیسا ہے وہ ٹھیک تو ہو جائے گا ناں؟"

"پہلے آپ مجھے بتائیں تنوی کو کمرے میں کیوں بند کیا ہے۔مجھے لاک کی چابی دیں۔"

"ہرگز نہیں ......" جنت بیگم بری طرح بدکی تھی۔"میں مر جاؤں گی لیکن کمرے کی چابی ہرگز نہیں دوں گی اس نے میرے شبیہ کو تکلیف پہنچائی میں اسے قتل کر دوں گی۔" اس کا انداز عجیب جنونی سا تھا۔

"بی جان اس طرح نہ کریں پولیس کسی بھی وقت تنوی کو گرفتار کرنے پہنچ سکتی ہے اس سے پہلے مجھے اسے کسی محفوظ جگہ پہنچانا ہے۔" اس نے منت آمیز لہجے میں کہا تھا۔

"اچھا ہے آنے دو پولیس کو۔ میں خود اسے پولیس کے حوالے کروں گی۔"

جلال نے عاجز ہو کر اس سے سر کھپانے کا ارادہ ترک کر دیا اور تنوی کے کمرے تک پہنچا اس نے ملازم کو ساتھ لگا کر لاک با آسانی توڑ لیا تھا۔

"تنوی!" وہ کہیں دکھائی نہ دی تو اس نے زور سے پکارا وہ کمرے کے کونے میں ہراساں بیٹھی تھی اسے دیکھ کر لپک کر آئی اور اسکے گلے لگ کر بری طرح رو دی۔

"میں نے جان بوجھ کر گولی نہیں چلائی جلال بھائی! مجھے بی جان نے کہا تھا....." وہ بری طرح کانپ رہی تھی اور رو رہی تھی۔

"کیا.....؟"

"م.....میں سچ کہہ رہی ہوں.....بی.....بی جان نے دیا تھا ریوالور....."

"ڈرو مت تنوی! میں آ گیا ہوں ناں.....میں اپنی بہن کو کچھ نہیں ہونے دوں گا۔" اس نے پیار سے تنوی کے سر کو سہلایا تھا۔

"یہاں بیٹھو اور مجھے بتاؤ کیا ہوا تھا۔ ایسا کیا ہوا تھا کہ تمہیں گولی چلانا پڑی؟"

"مجھے بی جان نے کہا تھا شبیہ تمہیں ضد میں ساتھ لے کر جائے گا اور چونکہ شبیہ کا ان سے جھگڑا ہوا ہے اس لیے وہ مجھے ماریں پیٹیں گے اور قید کر کے رکھیں گے انہوں نے ہی ریوالور دیا تھا کہ اگر شبیہ زبردستی ساتھ لے جانے کا کہیں تو میں ریوالور نکال لوں.....میں ڈر گئی تھی جلال بھائی! لیکن میں قسم کھا کر کہتی ہوں مجھے نہیں پتا ریوالور کیسے چل گیا مجھے چلانا نہیں آتا میں تو صرف ان کو ڈرانا چاہتی تھی پتا نہیں کس نے ریوالور کا کلچ ہٹا دیا تھا۔" وہ روتے ہوئے بتا رہی تھی۔

جلال نے دیکھا اس کے چہرے پر مار پیٹ کے نشان تھے بلاشبہ جنت بیگم نے اسے بری طرح زدوکوب کیا تھا۔

"لیکن تم نے ریوالور نکالی ہی کیوں؟ تم جانتی نہیں تھی کیا شبیہ کو.....وہ لاکھ غصہ ور سہی تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکتا تھا۔"

تنوی اور شدت سے رونے لگی۔

"میرے ساتھ تو بی جان نے بھی کبھی برا نہیں کیا تھا۔ تو پھر اب.....میں کس پہ بھروسہ کرتی مجھے تو دونوں عزیز ہیں۔ لیکن میں نے بی جان کی باتوں میں آ کر شبیہ کو مار دیا.....میں نے مار دیا انہیں۔" وہ اور گھٹ گھٹ کر رونے لگی تھی۔ اس کا دکھ جلال سمجھتا تھا اس کے تاسف میں اضافہ ہوا۔

"شبیہ ٹھیک ہے تنوی! اور تم گھبراؤ نہیں.....میں سب سنبھال لوں گا۔ اٹھ کر منہ ہاتھ دھو لو اور اپنا حلیہ درست کرو اور جو سامان سمیٹنا ہے سمیٹ لو۔ ہمیں ابھی یہاں سے نکلنا ہے۔" جلال نے پیار سے کہا تھا۔

"جلال بھائی.....میں....."

"میں اسے کہیں نہیں جانے دوں گی جلال!" جنت بیگم چیل بن کر تنوی پر جھپٹی تھی۔ "قتل کر دیا اس نے میرے شبیہ کو.....میں مار ڈالوں گی اسے۔"

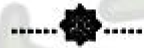
جلال نے بمشکل جنت بیگم کو تنوی سے الگ کیا تنوی بے دم ہو کر زمین پر گر گئی تھی۔

"آخر آپ سمجھتی کیوں نہیں ہیں۔" جلال نے انہیں جھنک دیا تھا۔

"اپنی ضد کے ہاتھوں آپ نے سب برباد کر دیا کتنی زندگیاں ہیں جو آپ نے تباہ کیں۔ہم سب کو ایک ابنارمل زندگی گزارنے پر مجبور کرتی رہیں۔انسان تھیں لیکن خدا بن کر اپنے اردگرد رہنے والوں کی زندگیوں کا فیصلہ کرتی رہیں۔آپ کیوں بھول گئیں بی جان! کہ آسمان پر ایک خدا بھی رہتا ہے۔آپ کو ڈر نہیں لگا کبھی اس سے؟......ہمیں، ہمارے ماں باپ کو ایک ڈری سہمی زندگی دی آپ نے......اور سب کو چھوڑ دیں شبیہ اور تنوی کے ساتھ کیا کیا آپ نے۔شبیہ کو اس کی ماں کے اتنا خلاف کر دیا کہ وہ ان کی عزت نہیں کر پاتا۔اپنی ماں کو بدکردار سمجھتا رہا کہ انہوں نے نہ صرف بھاگ کر شادی کی بلکہ نکاح پر نکاح کرنے کا گناہ بھی سرزد کیا......ثروت آنٹی کے شوہر کو غلط سلط باتیں بتا کر ان کی شادی شدہ زندگی برباد کی۔ان کے شوہر سمجھتے رہے کہ وہ اب بھی مستقیم بھٹی سے ملتی ہیں......تنوی کا کیا حشر کیا آپ نے؟ ڈری سہمی بے کار شخصیت بنا دیا اسے......ماوی نے بے شک آپ پر غلط الزام لگایا لیکن اس الزام کے پیچھے بھی آپ کا ہاتھ تھا آپ نے اس کے باپ کو اپنے طعنوں سے اتنا مجبور کر دیا تھا کہ وہ خودکشی پر مجبور ہو گئے پھر آپ نے سچ کو بھی چھپایا......آپ نے کبھی کیوں نہیں سوچا کہ آپ کو ذہنی معذور اولاد دے کر اللہ سدھرنے کا موقع دے رہا ہے۔آپ غلطیوں پر غلطیاں کرتی رہیں کبھی یہ نہیں سوچا کہ اللہ کو کیا منہ دکھائیں گی۔اپنی محبت میں مبتلا ہو کر آپ کیوں بھول گئیں کہ آپ کو جو اختیارات ملے ہیں وہ اللہ کے اختیارات سے زیادہ ہرگز نہیں ہیں......"

جنت بیگم کو کسی نے پہلی بار آئینہ دکھایا تھا وہ صم بکم سن رہی تھی۔

جلال نے خود بھی بے دم ہو کر سر پکڑ لیا تھا معا اس کی نگاہ تنوی پر پڑی۔وہ ہوش و خرد سے بیگانہ فرش پر پڑی ہوئی تھی۔جلال تیزی سے اس کی طرف لپکا تھا۔



شام کا منظر ابر آلود تھا اور خزاں کی تیز ہوا کے جھونکے شاہ بلوط کے خشک پتوں کو اڑائے پھرتے تھے۔یہ ڈبلن کی ایک رہائشی کالونی کی سنسان سڑک تھی جس پر اکا دکا لوگ دکھائی دے رہے تھے انہی میں سے ایک ماوی تھی اس نے گرم چادر کندھوں پر پھیلا رکھی تھی اور اس کے کھلے ہوئے بال ہوا سے بار بار اس کے چہرے پر پھیل رہے تھے۔وہ سر جھکائے صاف ستھری سڑک پر بے مطلب سی نظریں مرکوز کئے چلی جا رہی تھی۔

ہوا اس کو چھو کر کبھی کبھی تیز تیز بھاگتی تھی اور درخت اس پر اپنے پتے گرا رہے تھے۔

پھر وہ تھک کر ایک گھر کے سامنے نصب لکڑی کے بینچ پر بیٹھ گئی۔

سامنے والی لین میں ایک گھر کے باہر چھوٹی سی بچی کھیل رہی تھی ماوی بے سبب اسے دیکھنے لگی۔اس کا ذہن ہر سوچ سے عاری تھا۔

معا کوئی آہستگی سے آ کر اس کے ساتھ بیٹھ گیا تھا ماوی نے گردن موڑ کر دیکھا وہ شہروز تھا اور گرم کوٹ کے کالرز میں گردن دھنسائے خاموش بیٹھا تھا۔

ماوی نے ایک بار پھر بچی کو دیکھنا شروع کر دیا۔

"کس دن کی روانگی ہے؟" ان دونوں کے درمیان حائل خاموشی کو شہروز نے توڑنے میں پہل کی تھی

"پانچ روز بعد۔"

"کتنے بجے کی فلائیٹ؟" شہروز نے اگلا سوال کیا۔

"شام سات بجے کی۔" ماوی نے جواب دیا

"بہتر تھا تم نہ جاتیں ثمینہ پھپھو کی حالت تمہارے بغیر مزید بگڑ سکتی ہے۔"

"مجھے ان کی فکر ہے لیکن میرا پاکستان جانا بھی ضروری ہے وہاں ایسے کچھ معاملات ہیں جنہیں میں ادھورا چھوڑ آئی تھی انہیں مکمل کرنا ضروری نہ ہوتا تو ابھی بالکل نہ جاتی۔" ماوی نے جواب دیا۔

"تم وہاں جلال کے لیے جا رہی ہو ناں؟" شہروز نے جیسے اس کا امتحان لیا تھا۔

"ہاں۔" ماوی نے ایک بھی پل ضائع کیے بنا کہا تھا شہروز کے دل میں چبھن سی ہوئی۔ کیا تھا جو وہ انکار کر دیتی۔

"ماوی! کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ تم مجھے معاف کر دو؟"

"اوہ پلیز شہروز! اب پھر سے وہی چیپٹر کھول کر مت بیٹھ جانا۔" ماوی نے بیزاری سے کہا تھا۔ "میں تمہیں کتنی بار کہہ چکی ہوں کہ میں تم سے خفا نہیں ہوں۔ کوئی شکایت بھی نہیں ہے مجھے تم سے۔ پھر معاف آخر کس سلسلے میں کروں؟"

"ماوی! وہ لڑکی میری گرل فرینڈ تھی اس نے شرارتاً کہہ دیا کہ وہ میری بیوی ہے اور میں تمہاری آواز سن کر کنفیوز ہو گیا تھا فوری طور پر مجھے یہی سمجھ آیا کہ مجھے اس لڑکی کو اپنی بیوی مان لینا چاہئے۔ ایک غیر لڑکی کو لا کر اپنے ساتھ رکھنا معیوب بات ہے تو میں نے اسے اپنی بیوی کہہ دیا۔ بلیو ماوی میں تمہیں ہرٹ کرنا نہیں چاہتا تھا۔"

"کاش تم نے اس لڑکی سے نکاح ہی کر لیا ہوتا۔ گناہ تو نہ کرتے۔" ماوی نے پہلی بار رکھائی سے کہا تھا۔

"بہر حال یہ تمہارا ذاتی معاملہ ہے خدا کے ساتھ خود ہی نمٹنا میں کون ہوتی ہوں کچھ کہنے والی۔"

"میں جانتا ہوں تم ایسا صرف اس جلال کے لیے کہہ رہی ہو جو کسی طرح سے بھی تمہارے قابل نہیں ہے پھپھو نے مجھے بتایا تھا وہ کس قدر احمق ہے۔"

"تمہیں کوئی حق نہیں ہے کہ میرے شوہر کے بارے میں اس طرح کے الفاظ استعمال کرو۔" ماوی نے تیز لہجے میں کہا تھا۔

"وہ جیسا بھی ہے کم سے کم بدکردار نہیں ہے کسی کو دھوکہ نہیں دیا اس نے الٹا میں اسے دھوکہ دیتی رہی ہوں ممی کے کہنے پر اور یہ بات میرے لیے بہت شرمندگی کا باعث ہے۔ تم نے صحیح کہا میں جلال کے لیے ہی پاکستان جا رہی ہوں چھ ماہ پہلے مجھے ایمرجنسی میں ڈبلن آنا پڑا تھا کیونکہ ممی کی ذہنی حالت بگڑ گئی تھی اور اتنا عرصہ علاج کے باوجود ان کی حالت میں کوئی بہتری نہیں آ رہی تو میں واپس جا رہی ہوں۔ مجھے جلال سے معافی مانگنا ہے اسے منانا ہے......"

"یوں کہو کہ اپنی غلطی کا کفارہ ادا کرنا چاہتی ہو تبھی ساری زندگی اس کے ساتھ گزارنے کا فیصلہ کیا ہے۔" شہروز نے اس کی ذہنی حالت کا بالکل درست تجزیہ کیا تھا۔

ماوی ہنس دی۔

"تم اپنی تسلی کے لیے جو بھی کہہ لو شہروز! مجھے کسی کی پرواہ نہیں ہے اسے اللہ نے میری قسمت میں لکھا ہے اور میں جانتی ہوں وہی میرے لیے بہترین ہے۔ اگر وہ میرے لیے بہترین نہ ہوتا تو آج میں اس کی بجائے تمہاری بیوی ہوتی...... ہم انسانوں سے لڑ سکتے ہیں قسمت سے ہرگز نہیں۔ جو بھی ہوا اگر تم اس پر غور کرو تو تمہیں قسمت کے ہیر پھیر سمجھ میں آنے لگیں گے۔ میرا اور ممی کا پاکستان جانا، وہاں پہلے ثروت آنٹی سے ملنا پھر جلال اور شبیہ سے ملاقات...... تم پہلے بھی تو اپنی گرل فرینڈز کو اپنے فلیٹ پر لاتے ہو گے لیکن مجھے اس بارے میں تبھی کیوں پتا چلا جب میں جلال سے نکاح سے بچنا چاہ رہی تھی...... یہ سارا کچھ اسی لیے تھا شہروز! تا کہ مجھے جلال سے رشتے میں باندھا جا سکے...... میں قسمت سے لڑنا نہیں چاہتی اسی لیے پاکستان جا رہی ہوں...... شاید جو کچھ ممی کی ضد کی وجہ سے بگڑا میں اسے سنوار سکوں۔"

اس نے بات مکمل کی اور اٹھ کر مخالف سمت میں چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی چلی گئی۔ شہروز کی مایوس نظروں نے دور تک اس کا تعاقب کیا تھا۔ سرد ہوا کی بازگشت اسے اپنے کانوں میں سنائی دیتی تھی۔

☆☆☆

مستقیم بھٹی اور جلال آگے پیچھے ہاسپٹل کے اس کمرے سے نکلے تھے جس میں شبیہ کو رکھا گیا تھا۔

کچھ دیر تک وہ دونوں کمرے کے سامنے لگی جالی سے نیچے ہاسپٹل کے لان میں دیکھتے رہے ان کے درمیان محسوس کن خاموشی پھیلی تھی پھر اس خاموشی کو جلال نے توڑنے کی ہمت کی۔

"ڈاکٹرز کیا کہتے ہیں بڑے ابا!"

مستقیم بھٹی کے کندھے جھکے ہوئے تھے اس سوال پر وہ مزید مضمحل دکھائی دینے لگے۔

"ڈاکٹرز کے پاس بھی کوئی تسلی بخش جواب نہیں وہ کہتے ہیں دعا کرو اور بس۔" بات کے اختتام تک وہ رونے لگے تھے۔ جلال کو ان پر ترس آیا۔

"مت روئیں بڑے ابا! اللہ ضرور شبیہ کو صحت یاب کر دے گا۔ مایوسی تو کفر ہے اور آپ اس طرح رو کر مایوسی کا اظہار کر رہے ہیں۔" اس نے پیار سے انہیں ساتھ لگاتے ہوئے کہا تھا مستقیم بھٹی کو اس کی تسلی کے باوجود خود کو سنبھالنے میں کچھ وقت لگا۔

"تنوی کیسی ہے؟" اس بار جلال نے قدرے مایوسی سے لیکن اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔

"اس کی حالت میں کافی بہتری آئی ہے لیکن اب بھی جب اکثر سٹریس کا شکار ہو جاتی ہے تو اوٹ پٹانگ بولنے لگتی ہے۔"

"یہ کیا ہو گیا ہم سب کے ساتھ۔ چند سال بلکہ چند مہینے پہلے تک بھی کسی نے نہ سوچا تھا کہ ہم سب اس طرح کے کرائسس سے گزریں گے۔" مستقیم بھٹی کہہ رہے تھے۔ جلال کا دل اور بھی بوجھل ہو گیا بات تو سچ ہی تھی۔

ان چھ مہینوں میں جیسے ان کے خاندان کا شیرازہ ہی بکھر گیا تھا۔ سب جیسے اپنی بقا کی جنگ لڑنے میں مصروف ہو گئے تھے۔

"بڑے ابا! آج ایک جگہ انٹرویو دینے جانا ہے دعا کیجیے گا۔"

"انٹرویو؟ پہلے والی جاب کا کیا بنا؟"

"وہاں کا سیلری پیکج کچھ خاص نہیں ہے میں اسی لیے کسی بہتر جاب کی تلاش میں ہوں۔"

جلال نے بتایا اور انہیں خدا حافظ کہتا دوسری سمت میں چل دیا۔

☆☆☆

وہ اپنے ڈاکومنٹس لینے حویلی آیا تھا اور حلیمہ کے اصرار پر رات بھر ٹھہرنے کے لیے تیار ہو گیا تھا۔

"اماں تو اپنے کمرے سے نکلتی ہی نہیں ہیں بہت ضرورت ہوئی تو گھنٹی بجا کر کسی ملازم کو بلا لیتی ہیں ہم میں سے کسی کو بھی اندر جانے کی اجازت نہیں ہے۔ سلیمہ (جنت بیگم کی خاص ملازمہ) بتا رہی تھی ان کی طبیعت آج کل ٹھیک نہیں رہتی۔" حلیمہ نے بتایا تھا۔

"آپ نے ان کے کمرے میں جا کر دیکھنا تو تھا۔"

"ہمیں تو اندر جانے کی اجازت ہی نہیں ہے گھر کا کوئی فرد اندر چلا بھی جائے تو چیخنے چلانے لگتی ہیں جو چیز ہاتھ میں آئے اٹھا کر مار دیتی ہیں۔"

"ہاں وہ بہت ضدی ہیں ان کی ہی ضد تو ہم سب بھگت رہے ہیں۔"

"شبیہ اور تنوی کیسے ہیں؟"

"جلال انہیں ان دونوں کے متعلق بتا کر اپنے کمرے میں جانے لگا تو حلیمہ نے ماوی کے متعلق پوچھ لیا۔

"مجھے نیند آ رہی ہے اماں! اور ابھی کام بھی کرنا ہے۔" اس نے نظریں چراتے ہوئے کہا اور وہاں سے چلا گیا حلیمہ کو تاسف نے گھیر لیا، کیا حال ہو گیا تھا ان کے بیٹے کا۔

جلال الدین نے فائل بند کر کے میز پر کھسکا دی اور دائیں ہاتھ سے آنکھیں مسلتا ٹانگیں پھیلا کر نیم دراز ہو گیا۔

آج کا سارا دن ہی بے حد تھکا دینے والا تھا۔ نئی نئی ملازمت، کم تنخواہ لیکن ترقی کے لالچ نے دن رات کولہو کے بیل کی طرح جتے رہنے پر مجبور کر دیا تھا (جنت بیگم نے ان سب کو عاق کر دینے کا فیصلہ کر لیا تھا)۔ پھر لاء چیمبر کے دھکے اور آخر میں پراپرٹی ڈیلر کے ساتھ مغز ماری اور پھر چار گھنٹے کا سفر کر کے گاؤں پہنچنا۔ کبھی کبھار اسے اپنا وجود دیمک لگی لکڑی کی طرح بھربھراتا محسوس ہوتا تھا۔

کتنے دن گزرے وہ سکون سے سو بھی نہیں سکا تھا۔

جوان سب پر گزرا وہ دوہرانے کی ضرورت تو نہیں لیکن وہ سب سے زیادہ مصیبت میں تھا جب دل اور دماغ کی جنگ چھڑ جاتی ہے تو انسان سب سے زیادہ مصیبت میں آ جاتا ہے۔ اس کے ساتھ بھی یہی ہو رہا تھا غم روزگار بھی کم نہ تھے اس پر مستزاد یہ کہ ماوی کو جتنا بھولنے کی کوشش کرتا وہ اتنا ہی اس کے اعصاب پر سوار ہوتی تھی۔

وہ جسے محض محبت سمجھا تھا وہ دراصل عشق نکلا تھا اور عشق بڑا ابتلا گن ہوا کرتا ہے۔

اسے کل صبح دوبارہ لاہور روانہ ہونا تھا لیکن تھکن جیسے سارے وجود پر پھیلی ہوئی تھی۔

کئی دن سے وہ سکون سے سو بھی نہیں سکا تھا۔ ابھی بھی نیند نے پوری طرح اس کے ذہن پر غلبہ نہیں پایا تھا کہ کوئی چیز اس کے ہاتھ سے ٹکرائی اور وہ ہڑبڑا کے سیدھا ہو بیٹھا۔ اس کا دل بے حد بے ہنگم طریقے سے دھڑک رہا تھا۔ آنکھیں پھاڑ کر اس نے اس چیز کو تلاش کرنا چاہا جو اس کے ہاتھ سے ٹکرائی تھی مگر ٹیبل لیمپ کی روشنی میں اسے کچھ بھی دکھائی نہیں دیا کوئی بھی ایسی چیز جو کسی غیر معمولی چیز کی طرف اشارہ کرتی ہو وہ کچھ دیر متلاشی اور خوف زدہ نظروں سے دیکھتا رہا پھر اس کے خوف میں بتدریج کمی واقع ہونے لگی اور بالآخر اس کے لبوں پر جھینپی ہوئی مسکراہٹ پھیل گئی نیند میں ڈر جانا کچھ ایسی غیر معمولی بات بھی نہیں وہ بھی تب جب آپ پچھلے سترہ دنوں سے سو نہ سکے ہوں۔ اب بھی اسے نیند نہیں آ رہی تھی۔

یعنی بے آرام راتوں میں ایک اور بے آرام رات کا اضافہ۔

کبھی کبھی اسے لگتا تھا ماوی اس کے پاس ہی ہے اور یہ بات ہر بات سے زیادہ تکلیف دہ تھی۔

وہ اٹھ کر کھڑکی تک آ گیا اور پردے ہٹا دیے پھر چونک سا گیا۔ شیشے پر بارش کی بوندیں جلترنگ بجا رہی تھیں اور تیز ہوا میں یوکلپٹس کے پتے پھڑپھڑا رہے تھے۔

اس کھڑکی سے حویلی کا باغ صاف دکھائی دیتا تھا جو اس وقت گھپ اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا بڑے پھاٹک کے لیمپ پوسٹ روشن تھے اور جن کی روشنی بارش کی بوندوں کے ساتھ گھل مل کر ڈرائیو وے کے کچھ حصے کو روشن کر رہی تھی۔

جلال الدین کو خیال آیا اگر سفیدے کے درختوں میں گھری ہوئی عمارت کو بالکل سامنے کھڑے ہو کر دیکھا جائے تو یہ عمارت اپنے پہلے تاثر میں بالکل آسیب زدہ لگے گی۔

بالکل چپ چاپ، پرشکوہ مگر پرہیبت۔

اسے ایک اور خیال بھی آیا کہ اس حویلی میں بسنے والے بھی تو نارمل نہیں ہیں سب کے سب عجیب و غریب رویوں کے مالک۔

اسے یاد آیا ماوی بھی یہی کہتی تھی کہ "یہ حویلی نہیں بھوت بنگلہ ہے یا پاگل خانہ...... کوئی بھی یہاں نارمل نہیں لگتا مجھے۔" یاد آئی تو لبوں پر مسکراہٹ بھی آ گئی لیکن اس نے اپنا دھیان بٹا لیا۔

"اب سو جانا چاہیے۔" اس نے آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیا کمرے میں نائیٹ بلب روشن تھا سو وہ بھی گل ہوا مگر دل روشن تھا یادوں سے باتوں سے۔

"کیا خوب ہوتا اگر میں محبت نہ کرتا...... لہٰذا یہ سارا فساد اسی محبت کا پھیلایا ہوا ہے۔"

آج پژمردہ خیالات کی رات تھی سو ایک اور بے کار خیال چپکے سے چلا آیا۔ دل کو رات بھر فراغت ہی فراغت تھی اس نے فوراً دل کو ڈپٹا۔

"گدھے! محبت کی نہیں جاتی ہو جاتی ہے۔"

"اونہہ......" افسردگی پر بدمزگی چھا گئی۔

"بڑی پرانی بات ہے، دنیا کہاں سے کہاں پہنچ گئی۔"

"لیکن میرے تو ابھی بھی چار ہی خانے ہیں اور میں تمہارے بائیں جانب رہتا ہوں۔" دل نے اٹھلا کر اطلاع دی۔

"میں تم سے باتوں میں کبھی نہیں جیت سکتا۔"

"میرے معاملات میں دخل اندازی ترک کردو۔ جیت تمہارا مقدر ہو گی۔"

"اونہہ...... ایک ہی بار تمہاری بات مانی تھی۔ آج تک بھگت رہا ہوں۔"

بحث اور طول پکڑتی لیکن اسی وقت اس کے موبائل کی بپ بجنے لگی۔ موبائل سائیڈ ٹیبل پر رکھا تھا جلال نے جھپٹ کر فون اٹھالیا اور نمبر دیکھے بنا کان سے لگالیا۔

"کیا آپ جلال الدین صاحب بات کر رہے ہیں؟" اجنبی مردانہ آواز تھی۔

جلال چونکا۔ "جی...... جی ہاں۔"

"دیکھئے...... میں انسپکٹر خورشید نواز بات کر رہا ہوں۔ جنت بی بی سے آپ کا کیا تعلق ہے؟" انسپکٹر کی آواز بیحد کرخت تھی۔

جلال الدین کی چھٹی حس نے کوئی سگنل دیا تھا۔

"جی وہ میری......" انسپکٹر نے بدتہذیبی سے اس کی بات کاٹ دی تھی۔

"وہ آپ کی کوئی بھی ہو۔ ہم نے صرف یہ بتانا تھا کہ جنت بی بی ہماری حراست میں ہے۔ تھوڑی دیر پہلے ہم نے اسے فتح شیر کالونی سے اس کے شوہر کے قتل کے الزام میں گرفتار کیا ہے۔ ہمیں خبر ملی تھی کہ آپ جنت بی بی کے رشتہ دار ہیں...... مہربانی فرما کر آپ تھانے تشریف لے آیئے تاکہ کچھ ضروری نوعیت کی کاروائی پوری کی جاسکے۔"

اعلان ختم۔ فون بند۔

جلال کا دماغ ماؤف ہو رہا تھا گویا یہ تھی وہ اطلاع جس کے قبل از وقت اندیشے نے اسے سونے نہیں دیا۔

اس نے اٹھنے کی کوشش کی مگر اپنی جگہ سے ہل بھی نہ سکا۔ صدمے نے اس کی ہمت چھین لی تھی پھر وہ اٹھا اور ڈریسنگ میں گھس گیا۔ چند منٹ بعد جب اپنی برساتی پہن کر وہ بڑی خاموشی سے اس بھوت بنگلے سے نکل رہا تھا تو اس کا دل چاہ رہا تھا خوب چیخ چیخ کر روئے کیونکہ آسمان پر امید کا ایک ستارہ بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

☆☆☆

جلال نے مایوسی اور بے بسی سے اپنے کندھوں کو جھکتا محسوس کیا تھا۔ اچھی بھلی سکون سے گزر رہی تھی۔ کیا پتا تھا کبھی ایسی صورتحال کا سامنا بھی کرنا پڑ سکتا ہے۔

ایک تو رات گئے ملنے والی بری خبر نے یوں بھی اسے ذہنی طور پر ناتواں کر چھوڑا تھا دوسرے مقامی پولیس اسٹیشن کے عملے کا رویہ انتہائی حوصلہ شکن۔

خدا جانے وہ کیوں بھول گیا کہ وہ ملزمہ کے رشتہ دار کی حیثیت سے یہاں آرہا ہے۔ ذہنی طور پر تیار ہو کر آتا تو یقیناً اتنی کوفت کا سامنا نہ کرنا پڑتا۔

"دیکھئے محترم......" بڑی منتوں کے بعد اس کی بات سن لینے پر راضی ہوئے ایس ایچ او نے اپنے اسٹاف ممبرز کی طرح بدتہذیبی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس کی بات کاٹ دی تھی۔

"ہمیں اس سے کوئی غرض نہیں ہے کہ آپ کا ملزمہ سے کیا رشتہ ہے۔ آپ اس کے بھائی ہیں باپ ہیں یا شوہر ہیں۔ اس سے فرق نہیں پڑتا......اہم بات یہ ہے کہ جنت بی بی نے اپنے شوہر کو قتل کیا ہے اور آپ نے ملزمہ کو چھپا کر اس جرم میں اس کا ساتھ دیا ہے......اس حساب سے تو آپ کو بھی اس وقت سلاخوں کے پیچھے ہونا چاہیے تھا شکر کریں کہ ہم نے آپ کو کرسی پر بٹھایا ہوا ہے۔"

"آپ کیسے کہہ سکتے ہیں، میں نے جنت کو چھپا رکھا تھا۔" جلال نے جھنجلا کر کہا تھا

"آپ کا ملازم گواہ ہے۔" ایس ایچ او مسکرایا۔ جلال کے دل و دماغ میں غصے کی شدید لہر اٹھی تھی مگر اس سے پہلے وہ کچھ بولتا اس کے وکیل نے سنجیدگی سے کہا تھا۔

"آپ میرے کلائنٹ پر بے بنیاد الزامات لگا رہے ہیں۔" پھر اس نے ایک فائل ایس ایچ او کے سامنے رکھ دی۔

"یہ جنت کی رپورٹس ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جنت شیزوفرینک (دوہری شخصیت) ہے اور آج سے نہیں بلکہ پچھلے چار سالوں سے زیر علاج ہے وہ جو بھی بولتی ہے یا کرتی ہے اس کی صداقت کو جانچنے کے لیے اس کی بیماری کو مدنظر رکھا جانا ضروری ہے۔" وکیل صاحب تحمل سے وضاحت کر رہے تھے۔

ایس ایچ او نے چونک کر فائل پکڑ لی۔ کچھ صفحات پلٹے پھر باری باری ان دونوں کو دیکھا۔

"یعنی لڑکی پاگل ہے؟"

جلال نے شدت کرب سے آنکھیں بھینچ لیں۔

"کوئی عام انسان جو اس بیماری سے واقف نہیں ہے اس کے لیے شیزوفرینک پاگل ہی ہوتا ہے لیکن دراصل یہ ایک نفسیاتی بیماری ہے جس کی علامات ہر انسان میں الگ ہوتی ہیں۔ جیسے جنت۔ اسے چار سال پہلے یہ لگنے لگا شروع ہوا تھا کہ اس نے اپنے شوہر کو قتل کیا ہے جب کہ وہ تو شادی شدہ ہی نہیں ہے۔"

جلال کی رنگت خطرناک حد تک زرد ہو رہی تھی۔

"تم باہر جا کر بیٹھو......میں معاملات نمٹا کر آتا ہوں۔" اس نے جھک کر جلال سے دھیمی آواز میں کہا تھا۔ جلال خاموشی سے اٹھا اور باہر آ گیا۔ برآمدے کے آگے متوازی چھت سے پانی کی دھاریں بہہ رہی تھیں۔ بارش البتہ رک چکی تھی۔

وہ گرل پر مٹھیاں جما کر اندھیرے کو گھورنے لگا۔

کیسی تھی زندگی۔ اب تو تیز ہوا سے بکھرے پتوں کی مانند لگتی تھی۔ جس روز اس نے رحمت اللہ اور اس کی بیوی کو جنت کی ذمہ داری سونپی تھی کس قدر مطمئن ہو گیا تھا کہ اب سب ٹھیک ہو جائے گا وقت سے بڑا مرہم بھی بھلا کوئی ہے؟ گردش دوراں تو نہ جانے کس کس چیز پر گرد جما دیتی ہے۔

اسے لگا جنت اب محفوظ ہے۔

لیکن آج کی رات قیامت کی رات تھی اس کی آنکھوں میں کرچیاں سی بھرنے لگیں تب ہی ایک ہاتھ اس کے کندھے پر آرکا۔

"فکر مت کرو جلال! سب ٹھیک ہو جائے گا۔" مسعود عرف سعدی نے خفیف سا مسکرا کر کہا تھا۔

جلال کو لگا اس کا دوست مسکراہٹ کے چھینٹے لگا کر امید تازہ کر رہا ہے۔ مگر وہ خود مسکرا بھی نہ سکا۔

"کیا کہتے ہیں؟" مبہم سا سوال تھا۔

"ضمانت کروانا پڑے گی اور ضمانت کے لیے صبح تک کا انتظار کرنا پڑے گا مسئلہ یہ ہے کہ جنت کا بیان ریکارڈ کیا جا چکا ہے اس نے اقبال جرم نہ کیا ہوتا تو معاملہ نمٹانا آسان تھا۔ اب اس کیس پر محنت کرنا پڑے گی۔"

"ہم صبح کا انتظار کر لیتے ہیں۔"

"پاگل مت بنو۔ باقی رات یہاں بیٹھ کر نہیں گزاری جا سکتی۔ ہمیں یہاں سے جانا ہی ہوگا۔"

"جنت یہاں کیسے رہے گی؟" جلال خائف ہوا۔ "نہیں سعدی! میں اسے یہاں اکیلا نہیں چھوڑ سکتا۔" وہ رو دینے کو تھا تنوی بھلے ہی اس کی سگی بہن نہ سہی لیکن ان کے مابین ہمیشہ بہن بھائیوں والا حساب رہا تھا۔

سعدی نے اس کا کندھا مضبوطی سے تھام لیا۔

"مجبوری ہے جلال! یہاں بیٹھنے کی اجازت نہیں ملے گی اور جنت کی فکر نہ کرو لیڈیز اسٹاف بھی ہے یہاں۔ اسے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ صبح عدالت کھلتے ہی ضمانت کے کاغذات تیار کروا لوں گا۔ جلال اسی طرح کھڑا رہا پھر اس نے دل پر پتھر رکھتے ہوئے کہا۔

"کیا میں اس سے مل سکتا ہوں؟"

"میں پہلے ہی پوچھ چکا ہوں مگر ایس ایچ او بڑا اکھڑ انسان ہے۔ پرمیشن نہیں دے رہا۔ اس کے لیے بھی صبح تک انتظار کرنا پڑے گا۔"

"مسعود......" بے بسی نے جیسے اسے پاگل کر دیا تھا، سعدی نے ترحم سے اسے دیکھا۔

"میں نے پہلے ہی کہا تھا یوں چھپا کر رکھنا زیادہ بڑا رسک ہوگا تمہیں اسے پہلے ہی فاؤنٹین ہاؤس بھجوا دینا چاہیے تھا۔" سعدی کی آواز دھیمی تھی۔

"جنت پاگل نہیں ہے سعدی! وہ صرف صدمے کے زیر اثر ہے جوں ہی شبیہ کو ہوش آئے گا اور تنوی اسے دیکھے گی وہ ٹھیک ہو جائے گی۔ اب تک تو وہ یہی سمجھ رہی ہے کہ اس نے شبیہ کو قتل کر دیا ہے۔"

"اور اگر شبیہ کو ہوش نہ آیا تو......" سعدی نے کہا تھا جلال چپ کا چپ رہ گیا یہ وہ ناپسندیدہ پہلو تھا جو اس نے تو کیا کسی نے بھی نہیں سوچا تھا۔

"ایسا مت کہو۔"

"اچھا آؤ گھر چلتے ہیں۔" ایک لمبی چوڑی بحث کے بعد مسعود عرف سعدی نے کہا تھا جلال نے اس بار اس کی بات مان لی تھی لیکن اس کی

آنکھیں جل رہی تھیں اس نے بنا کچھ کہے گاڑی بڑھا دی تھی اور بے مقصد بارش سے بھیگی سڑکوں پر دوڑاتا رہا اسے بار بار رحمت اللہ کا ملتجی لہجہ یاد آ رہا تھا۔

''میری زنانی کی غلطی ہے صاحب! بچوں کی لڑائی میں خود کود پڑی۔ پڑوسیوں نے غصے میں آ کر پولیس کو اطلاع دے دی کہ فلیٹ نمبر بارہ میں کوئی عورت چیختی رہتی ہے۔ پولیس آئی تو بی بی صاحب نے انہیں سب سچ بتا دیا...... معاف کر دو صاحب! ہم سے آپ کا نقصان ہوا مگر آپ تو مائی باپ ہو آپ نے ہی سر سے ہاتھ اٹھا لیا تو کسی عورت کو گھر میں چھپا کر رکھنے کے الزام میں ہم غریب دھر لیے جائیں گے۔'' وہ روتا جاتا تھا اور کہتا جاتا تھا۔ جلال نے زور زور سے آنکھیں جھپک کر آنسوؤں کو دھکیلنا چاہا مگر سینے میں کرب کے جھکڑ چلنے لگے تھے، حلق میں سسکیاں اودھم مچا رہی تھیں۔ آنکھوں میں کرچیوں کی چبھن بڑھنے لگی تھی۔

شبیہ اور تنوی دونوں ہی اسے بہت عزیز تھے خدانخواستہ شبیہ کو کچھ ہو جاتا تو تنوی کا بچنا مشکل تھا وہ بھی اس صورت میں جبکہ وہ اقبال جرم کر چکی تھی۔ کچھ مہینے بیشتر جب شبیہ کو گولی لگی تو ان سب کے منع کرنے کے باوجود جنت بیگم نے پولیس کو اطلاع دے دی تھی اس وقت سے اب تک وہ سب تنوی کو چھپاتے پھر رہے تھے کیونکہ اس کی ذہنی حالت ایسی تھی کہ وہ ہر ایک کے سامنے اپنے جرم کا اعتراف کرنے بیٹھ جاتی تھی۔ اس نے شبیہ کو خون میں لت پت زمین پر پڑا دیکھا تھا اور یہ تصور کر لیا تھا کہ وہ مر چکا ہے۔ سارے فساد کی جڑ بس یہی ایک خیال تھا۔

☆☆☆

''ماوی! ثمینہ آپا بہت دیر سے تمہارا پوچھ رہی ہیں؟'' وہ گھر میں داخل ہوئی تو ممانی نے اس سے کہا تھا۔

''میں پیکنگ مکمل کر لوں تو دیکھتی ہوں۔'' اس کے انداز میں تھکن تھی۔

''بہتر ہوگا کہ پہلے مل لو انہوں نے بہت دیر سے شور مچا رکھا ہے کہ ماوی کو لاؤ وہ مجھے چھوڑ کر پاکستان چلی گئی ہے میں بھی اس کے ساتھ جاؤں گی۔'' ممانی بیزاری سے بتا رہی تھیں وہ لاکھ اچھی سہی لیکن تھیں تو انسان۔ اور اکتاہٹ بھی انسانی فطرت کا حصہ ہے۔

ماوی نے آہستگی سے سر اثبات میں ہلایا اور ممی کے کمرے کی طرف بڑھ گئی اسی وقت سیڑھیوں کے قریب رکھا فون بجنے لگا تھا ماوی چونکہ قریب تھی تو اس نے بڑھ کر ریسیور اٹھا لیا۔

''ہیلو......'' دوسری طرف سے جو خبر دی گئی اسے سن کر ایک پل کے لیے ماوی نے آنکھیں بھینچ لی تھیں۔

''اچھا...... کب؟''

اس کے لہجے میں کچھ ایسا تھا کہ ممانی ٹھہر کر اس کی بات سننے لگیں۔

''کیا بات ہے ماوی! سب خیریت تو ہے ناں؟''

''پاکستان سے فون تھا۔'' ماوی نے آہستگی سے کہا تھا۔ ممانی کو پاکستان سے آئے ہوئے کسی فون کال میں کچھ خاص دلچسپی نہ تھی وہ سرسری سا اثبات میں سر ہلا کر لابی کی طرف چلی گئیں۔

ماوی ثمینہ کے کمرے میں آ گئی۔ ثمینہ بیڈ پر بیٹھیں اپنے الجھے بالوں سے کھیل رہی تھیں ان کا لباس بری طرح ملگجا تھا ماوی کو افسوس سا ہوا

اس کی ماں ہمیشہ اپ ٹو ڈیٹ حلیے میں رہتی تھیں۔ کھڑکی سے آنے والی ابر آلود روشنی ان کے وجود کو گھیرے ہوئے تھی۔

''ممی!'' ماوی نے آہستگی سے پکارا تھا۔

ثمینہ نے فوراً گردن موڑ کر اسے دیکھا۔

''ماوی! تم آ گئی۔'' ان کی آنکھوں میں روشنی سی کوندی تھی۔ ''مجھے پتا تھا تم مجھے چھوڑ کر پاکستان نہیں جا سکتی۔''

''ممی! میں پاکستان جا رہی ہوں۔'' اس نے ان کے پاس بیٹھتے ہوئے آہستگی اور نرمی سے کہا تھا۔

''ہاں ہم دونوں پاکستان جا رہے ہیں۔'' ثمینہ نے سرعت سے کہا تھا۔

''ہم دونوں نہیں ممی! صرف میں جا رہی ہوں آپ یہیں رہیں گی۔'' اس نے نرمی سے کہا تھا۔

''نہیں ماوی! ہم دونوں جا رہے ہیں میں نے تو اپنا سامان بھی پیک کر لیا ہے۔'' ثمینہ بضد تھیں۔ ''ہم دونوں جائیں گے اور جنت بیگم کو سزا دلوائیں گے۔''

''ممی! اب یہ ممکن نہیں ہے ابھی پاکستان سے کال آئی تھی کل رات جنت بیگم کا انتقال ہو گیا ہے۔''

ثمینہ چپ ہو کر کچھ دیر اس کی شکل دیکھتی رہیں جیسے اس کے لفظوں کو تول رہی ہوں، پھر انہوں نے کہا۔

''کیسے؟''

''ہارٹ فیل...... آپ کو پتا ہے ناں ان کے بچوں نے ان سے قطع تعلقی اختیار کر لی تھی حویلی میں اگرچہ وہ تنہا نہیں رہتی تھیں لیکن انہوں نے خود کو ایک ہی کمرے تک محدود کر لیا تھا...... ملازم کہتے ہیں اکثر کمرے میں ہی بند رہتی تھیں کسی ملازم کو بھی آنے کی اجازت نہ تھی ہاں ضرورت کے وقت ملازم کو بیل بجا کر بلا لیتی تھیں۔ دو روز تک کسی کو نہیں بلایا تو ملازمین نے اندر جا کر دیکھا۔ وہ زندہ نہیں رہی تھیں بلکہ ڈاکٹرز کا کہنا ہے وہ دو روز پہلے ہی فوت ہو چکی تھیں۔''

''یہ بھی اس عورت کا کوئی ڈرامہ ہے ماوی! تم مانو یا نہ مانو۔'' اس کے خاموش ہوتے ہی ثمینہ نے تیزی سے کہا تھا۔

''ایسے سخت دل لوگ اتنی آسانی سے نہیں مرتے تم نے دیکھا نہیں جنت بیگم کی عمر کتنی لمبی ہے کئی سالوں سے لگاتار جیے چلی جا رہی ہے۔'' ماوی ان کی طرف دیکھ کر رہ گئی۔

''تم میری بات مانو۔ وہ ابھی بھی زندہ ہے اس نے خود اپنی موت کا جھوٹ بولا ہے تا کہ سزا سے بچ سکے میں سچ کہہ رہی ہوں وہ عورت بہت چالاک ہے تم اس کی چالاکیاں نہیں سمجھ سکتی میں اسے اچھی طرح جانتی ہوں۔''

ثمینہ کا اصرار تھا کہ ختم ہونے کا نام ہی نہ لیتا تھا ماوی نے گہری سانس بھر کر تاسف سے ماں کو دیکھا۔ ایک نہ ایک دن انسان نے مر ہی جانا ہوتا ہے دوسروں کی زندگیوں کے فیصلے کرتے ہوئے پتا نہیں وہ یہ بات سوچتا کیوں نہیں ہے۔ کاش جنت بیگم نے کبھی تو سوچا ہوتا کہ کتنی زندگیاں اس کی بظاہر چھوٹی چھوٹی لیکن بد نما سفاکیوں کی نذر ہو رہی ہیں۔ اگر وہ ایسا سوچتی تو بہت بڑے بڑے نقصان ہونے سے بچائے جا سکتے تھے۔

اور خود ماوی کی بھی وہ کتنی بڑی مجرم بن گئی تھی اس کے باپ نے جنت بیگم کی وجہ سے خودکشی کی تھی اور اس کی ماں جنت بیگم کی وجہ سے اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھی تھی۔نقصان بڑا تھا اور افسوس کی بات یہ کہ اس نقصان کا ازالہ بھی ممکن نہ رہا تھا۔

ماوی خاموشی سے اٹھ کر کمرے سے باہر نکل گئی اس کے سوا کر بھی کیا سکتی تھی۔

☆☆☆

یہ ایک چلچلاتی روشن صبح تھی جب ماوی لاہور پہنچی۔اس کے ساتھ مختصر سا سامان تھا اور فیضان اسے لینے ائیر پورٹ آئے تھے۔

"بہت کمزور ہوگئی ہو۔طبیعت تو ٹھیک ہے ناں۔" فیضان نے فکرمندی سے اس کا سر تھپتھپاتے ہوئے کہا تھا ان تک جنت بیگم کی وفات کی خبر پہلے ہی پہنچ چکی تھی۔

"میں تو خیر ٹھیک ہوں اور آپ کی خیریت نیک مطلوب چاہتی ہوں ...... خیر سے منگنی کروا کے تو آپ پر روپ آ گیا ہے ایسا لگ رہا ہے جیسے کوے کو سفیدی مل دی گئی ہو۔" اس کی طبیعت کی شوخی ابھی بھی ماند نہ پڑی تھی یا وہ دانستہ خود کو فریش ظاہر کرنے کی کوششوں میں تھی بہرحال فیضان قہقہہ لگا کر ہنس دیے۔

"تم نہیں سدھر سکتی ماوی!"

وہ اس کا سامان گاڑی میں رکھنے لگے تھے۔

"اینیا کیسی ہے؟"

"ویسی ہی ......خوبصورت۔" فیضان نے مسکراہٹ دبائی۔

"ہاہ......ہا......اسے کہتے ہیں دل آئے گدھی پر تو پری کیا چیز ہے۔" ماوی نے آہ بھر کر بظاہر تاسف سے کہا تھا فیضان ایک بار پھر ہنس دیے۔

"تم چلو ذرا میں بتاتا ہوں اینیا کو۔"

"بتادیں میں کوئی ڈرتی ہوں اس سے۔" اس نے گاڑی میں بیٹھتے ہوئے خوشگواریت سے کہا تھا۔

چند منٹ خاموشی سے گزرے فیضان گاڑی کو پارکنگ سے نکال کر مین روڈ پر لے آئے تھے۔

"ہم کہاں جائیں گے؟ میرا مطلب ہے آپ کے گھر یا اینیا کی طرف؟"

"جیسے تم مناسب سمجھو......میں تو کہتا ہوں گھر چلتے ہیں تم کھانا کھا کر کچھ دیر آرام کر لینا پھر گاؤں کے لیے روانہ ہوں گے۔ثروت آپا اور دانیال بھائی کا ارادہ بھی ہے جنت بیگم کے جنازے میں شریک ہونے کا۔" فیضان اینیا سے منگنی کے باوجود ثروت کو آپا اور دانیال کو بھائی کہہ کر ہی مخاطب کرتے تھے۔

"نہیں کھانا تو میں نے پلین میں کھا لیا تھا اور آرام کرنے کی ایسی کوئی خاص ضرورت نہیں ہے۔میرا خیال ہے ہمیں گاؤں کے لیے روانہ ہونا چاہیے۔" ماوی نے کہا تھا۔

فیضان نے محض اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔

"ثمینہ آپا کی طبیعت اب کیسی ہے؟"

"ویسی ہی ہے جیسا آپ چھوڑ کر آئے تھے کوئی خاص امپرووومنٹ نہیں ہے۔" ماوی نے مایوسی سے کہا تھا۔

"انفیکشن دن بدن حالت بگڑ رہی ہے میں نے انہیں جنت بیگم کی وفات کا بتایا تو کہنے لگیں یہ بھی اس عورت کا کوئی نیا ڈرامہ ہے وہ اتنی جلدی نہیں مر سکتی۔"

"آپا نے اصل میں اس سب کا بہت اثر لیا ہے ہم میں سے کوئی بھی سمجھ ہی نہیں سکا کہ وہ کس ذہنی حالت سے گزر رہی ہیں۔ سب کا خیال تھا جب بھائی کے بعد وہ سنبھل چکی ہیں لیکن ایسا نہیں تھا ان کے دماغ میں کچھ اور ہی چل رہا تھا ہم بے خبر ہی رہے۔"

ماوی نے کوئی جواب نہیں دیا وہ کھڑکی سے باہر دیکھتی رہی اسے وہ دن یاد آرہا تھا جب وہ پہلی بار پاکستان آئی تھی۔

☆☆☆

"یہ سچ ہے کہ جنت بی بی نے ہم سب کی زندگیاں برباد کیں۔" ثروت نے بسکٹ کی پلیٹ اٹھا کر ماوی کے سامنے رکھتے ہوئے کہا تھا۔

وہ دونوں لان میں بیٹھی تھیں دھوپ ڈھل چکی تھی اور اچھی خاصی خنکی محسوس ہوتی تھی۔ فیضان کو کچھ کام تھا وہ اسے وہاں چھوڑ کر کچھ دیر کے لیے کہیں باہر گئے تھے۔

"شبیہ کی طبیعت اب کیسی ہے؟" ماوی نے دانستہ موضوع تبدیل کرتے ہوئے پوچھا تھا وہ اس موضوع سے حتی المقدور دامن بچانا چاہتی تھی اور یہ بھی جانتی تھی کہ ایسا ہرگز ممکن نہ ہوگا۔

اس کے سوال کے جواب میں ثروت کے چہرے پر افسردہ، متاسف سی مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

"کوئی خاص امپرووومنٹ نہیں ہے اور ڈاکٹرز کوئی بہت حوصلہ افزا جواب بھی نہیں دیتے۔ کبھی کبھی مجھے ایسا لگتا ہے اتنے سالوں کے بعد جو مجھے اپنے بیٹے کو واپس حاصل کرنے کی امید بندھی تھی تو میں اسے بھی کھو دوں گی۔" ان کی آنکھوں میں آنسو چمک رہے تھے ماوی اپنے مگ سے اٹھتی بھاپ کو دیکھ رہی تھی اس کا بوجھل دل اور بھی بوجھل ہو گیا۔

"آپ اتنا مایوس نہ ہوں اللہ آپ کے بیٹے کو تندرست کر دے گا۔" اس نے گہری سانس کو اپنے اندر اتارتے ہوئے کہا تھا۔ اس کے مگ میں ایک آخری گھونٹ باقی تھا اور ماوی سوچ رہی تھی اسے اب مگ واپس رکھ دینا چاہیے۔

"میں کیسے مایوس نہ ہوں جنت بیگم نے بہت برا کیا ہم سب کے ساتھ۔" ثروت ایکدم رونے لگی تھیں۔

"وہ انسانیت سے عاری انسان تھی۔ جلال نے مجھے بتایا ہے کہ اس نے نہ صرف دانیال کے کان بھر رکھے تھے بلکہ شبیہ کو مجھ سے متنفر کرنے کے لیے ایسی ایسی باتیں اس کے ذہن میں ڈال رکھی تھیں کہ میں سوچتی ہوں تو مجھے خود سے شرم آنے لگتی ہے۔ وہ میرے سامنے زندہ ہو کر آئے تو میں اس عورت کو بتاؤں میں اس سے کتنی نفرت کرتی ہوں۔"

''گو کہ یہ بات آپ کو عجیب لگے گی لیکن اچھا ہوگا کہ آپ ان کی ساری زیادتیوں کو بھولنے کی کوشش کریں یہ خود آپ کے حق میں بہت بہتر ثابت ہوگا۔''

''کیا یہ ممکن ہے؟'' ثروت نے کہا تھا۔

''ناممکن تو دنیا میں کچھ بھی نہیں ہے۔'' ماوی نے کہا۔ ''آپ یہ سوچ کر مایوس نہ ہوں کہ کائنات میں جنت بیگم سے بڑی بھی ایک ذات ہے جو ہم سب کے حساب لینے پر قادر ہے۔'' ماوی نے یکدم ان کی بات کاٹ کر کہا تھا۔

''بے شک جنت بیگم نے شبیہ کو آپ سے متنفر کرنے کی ہر ممکن کوشش کی لیکن صرف اللہ تھا جس نے شبیہ کو آپ سے نفرت کرنے نہیں دیا۔ کیا جلال نے آپ کو یہ نہیں بتایا کہ ہر طرح کی لاتعلقی برتنے کے باوجود وہ آپ سے لاتعلق نہیں رہتا تھا اسے آپ کی فکر رہتی تھی نہ صرف آپ کی بلکہ اسے آپ کی پوری فیملی کی فکر رہتی تھی ولید کو ہاسپٹل لے کر جانا اس بات کی سب سے بڑی نشانی ہے اور ایک مرتبہ تو اس نے جلال کے ایک دوست کو اینیا کو گھورنے پر بری طرح پیٹ ڈالا تھا......''

''ہاں یہ بھی جلال نے مجھے بتایا تھا۔'' ثروت نے ہاتھ میں پکڑے سگ کو دیکھتے ہوئے اور دوسرے ہاتھ سے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے کہا تھا۔

''تو یہ سب کس کی مہربانی سے تھا اللہ کی مہربانی سے ناں؟'' ماوی نے اگلا سوال داغا۔

ثروت نے قدرے ناسمجھی سے اسے دیکھا پھر ناسمجھی سے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''تو جو اللہ آپ پر اتنی مہربانی کرتا رہا ہے کیا اس کے لیے آپ جنت بیگم کو معاف نہیں کر سکتیں یا معافی زیادہ بڑا لفظ ہے کیا آپ بھولنے کی کوشش نہیں کر سکتیں۔'' ماوی نے تحمل سے کہا تھا ثروت کے لیے اس کی بات حیران کن تھی۔ ان کا چہرہ تاثرات کو چھپا نہیں سکا۔

''اس اللہ سے آپ کو یہ امید بھی رکھنا چاہئے کہ وہ آپ کے بیٹے کو تندرست ضرور کر دے گا۔'' ماوی کہہ رہی تھی۔

''میں اسے معاف کروں؟ اس عورت نے میری پوری زندگی برباد کر دی۔'' ثروت نے کہا تھا۔

''اور دوسروں کو کسی کو معاف کر دینے کی تلقین کر دینا بہت آسان ہوتا ہے کیا تم اسے معاف کر سکتی ہو جبکہ تمہارے باپ نے اس کی وجہ سے خودکشی کر لی تھی تمہاری ماں اسی عورت کی وجہ سے اس حال کو پہنچی کہ اب اسے ذہنی طور صحت یاب کرنا مشکل ہو رہا ہے۔'' ثروت نے جیسے اس پر چوٹ کی تھی۔

ماوی کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی۔

''میں نے انہیں معاف نہیں کیا لیکن میں ان کی زیادتیاں بھولنے کی کوشش ضرور کر رہی ہوں بھولتے بھولتے ایک دن میں انہیں معاف بھی کر دوں گی وہ بھی صرف اس لیے کیونکہ یہ اللہ کے نزدیک پسندیدہ عمل ہے اور اسی لیے تو آپ کے سامنے بیٹھی ان کی وکالت کر رہی ہوں۔''

''عجیب بات ہے یا تو تمہارا دل بہت بڑا ہے یا پھر تمہیں اپنے ماں باپ کی کوئی پرواہ ہی نہیں ہے۔''

''ماں باپ کی پرواہ ہی تو مجھے حویلی لے گئی تھی اور ویسے بھی جو دنیا سے چلا گیا اس سے خسارہ کر یا اس کے لیے دل میں کوئی شکایت رکھ کر

میں کیا کروں گی پھر سب سے بڑی بات یہ کہ میں اللہ سے مایوس نہیں ہوں میں جانتی ہوں وہ ممی کو ٹھیک کر دے گا۔" ماوی نے پریقین لہجے میں کہا اور مگ میز پر رکھتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ہم سب زندگی میں کچھ نہ کچھ غلطیاں کرتے ہیں ثروت آنٹی! جو کسی نہ کسی طرح خود ہم سے ہی وابستہ لوگوں کی زندگیوں پر اثر انداز ہو رہی ہوتی ہیں۔ سوال یہ نہیں کہ کس نے کس کو چوٹ پہنچائی تو اللہ اسے سزا دے گا یا نہیں سوال یہ ہے کہ ہم سب اپنا اپنا احتساب کس طرح کرتے ہیں اور خود کو ان غلطیوں سے بچاتے ہیں جو کسی دوسرے کی زندگی بھی خراب کر سکتی ہیں۔ جنت بیگم کی غلطیاں کچھ زیادہ بڑی اور شدید تھیں اور ان کی غلطیوں نے بہر حال بہت سارے لوگوں کو متاثر کیا...... لیکن جب ہم اپنی غلطیاں درگزر کر سکتے ہیں تو جنت بیگم کی کیوں نہیں۔ اب وہ اللہ کے پاس ہیں انسانوں کو تکلیف پہنچانے کا حساب وہ خود ان سے لے لے گا...... اور کیا پتا وہ حساب لے بھی چکا ہو۔ ہم نہیں جانتے وہ جان کنی کے وقت کس اذیت سے گزری ہوں گی۔ مرتے وقت اگر انہیں پیاس لگی ہوگی تو حلق سے چند بوندیں بھی اتری ہوں گی یا نہیں۔ خدا نے انہیں مرتے وقت کلمہ ان کی زبان سے جاری ہونے دیا ہوگا یا نہیں۔...... اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ ان کی کسی نیکی کے صلے میں انہیں معاف ہی کر دے تو اللہ ہی معاف کر دے گا تو میں کون ہوتی ہوں کوئی فرد جرم عائد کرنے والی۔"

"ویسے بھی جنت بیگم ان انسانوں میں سے تھیں جن کی جگہ گھروں میں نہیں ری ہیب یا اسائلم میں ہوتی ہے۔ وہ دراصل نفسیاتی مریضہ بن چکی تھیں دوسروں کو تکلیف پہنچا کر خوشی حاصل کرنے والی۔ ان کے اردگرد رہنے والوں نے ان کی محبت میں کبھی انہیں بتایا ہی نہیں کہ وہ کتنی غلط ہیں۔ وہ کہاں کہاں غلطیاں کرتی چلی جا رہی ہیں۔ آپ سوچ رہی ہوں گی میں ان کی حمایت کیوں کر رہی ہوں؟ نہیں میں ان کی حمایت نہیں کر رہی میں تو صرف یہ کہنا چاہتی ہوں کہ جب کسی انسان میں کوئی نفسیاتی بگاڑ پیدا ہو رہا ہوتا ہے تو اس کے لیے صرف وہ انسان قصوروار نہیں ہوتا بلکہ اردگرد رہنے والے اس کے اپنے بھی اتنے ہی قصوروار ہوتے ہیں۔ جنت بیگم کو اگر صحیح راہنمائی ملی ہوتی تو یقیناً وہ ایسی نہ ہوتیں۔"

"میں اگر آپ سے ان کی غلطیوں کو بھولنے کا کہہ رہی ہوں تو صرف آپ کے اپنے ذہنی سکون کے لیے۔ آپ کا نقصان بہت بڑا ہے لیکن یقین مانیں جب بھول جائیں گی تو بہت اچھا محسوس کریں گی۔ یہ مشکل ضرور ہوگا ناممکن نہیں۔"

وہ اتنی مطمئن لگ رہی تھی کہ ثروت اسے دیکھتی رہیں۔ اس کے خیالات نے جیسے سوچ کا کوئی در کھول دیا تھا۔

"مجھے اچھا لگ رہا ہے تمہارے خیالات جان کر۔" ثروت نے پیار سے اسے دیکھتے ہوئے کہا وہ ان کے لیے اینا جیسی ہی تھی۔

"اتنی چھوٹی عمر میں اتنی اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ ہر کوئی نہیں کر سکتا۔ جلال خوش قسمت ہے کہ اسے تم جیسی اچھی بیوی مل رہی ہے۔"

ثروت کی بات کے جواب میں ماوی کو یکدم شرمساری محسوس ہوئی تھی۔

"میرا خیال ہے میں زیادہ خوش قسمت ہوں کہ مجھے جلال جیسا اچھا انسان مل رہا ہے۔" اس نے دھیمی مسکراہٹ کے ساتھ کہا تھا۔ ثروت ہنس دیں۔

اسے کہتے ہیں پرفیکٹ میچ...... ایک روز ہاسپٹل میں میری جلال سے بات ہوئی تو اس نے تمہارے متعلق بھی یہی کہا تھا کہ وہ خود کو زیادہ

خوش قسمت سمجھتا ہے کہ خدا نے تمہیں اس کی قسمت بنایا۔"

ماوی کے لیے یہ ایک خوش گوار احساس تھا کہ جلال نے ناراضگی کے باوجود اس کا ان الفاظ میں ذکر کیا۔ وہ بھرپور طریقے سے مسکرا دی۔ چلو شکر کہیں نہ کہیں تو گنجائش کا احساس ہوا۔

"میں ذرا اینیا کے پاس بیٹھتی ہوں۔"

"اعلیٰ ظرفی بھی کیسی بڑی نعمت ہے خدا کی۔" ثروت نے گرم چادر کو اپنے گرد اچھی طرح لپیٹتے ہوئے ماوی کو بے حد مطمئن انداز میں اندر کی طرف جاتا دیکھ کر رشک سے سوچا تھا۔

خنک شام رات کے پردے میں مدغم ہونے لگی تھی اور آسمان پر تھکے ہارے پرندے اڑان بھر رہے تھے۔

☆☆☆

"پھر کیا......؟" اینیا نے شرمیلی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "فیضان نے میرا ہاتھ پکڑا اور بولے تمہارے بغیر تو اب زندہ رہنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا......"

اس کے چہرے پر رنگ پھوٹ رہے تھے ماوی نے دلچسپی سے اسے دیکھا اور محض چڑانے کو بولی۔

"جھوٹ ...... سراسر جھوٹ...... میں مان ہی نہیں سکتی فیضان ماما نے ایسا کہا ہو۔ کہاں ان جیسا خشک مزاج، بورنگ آدمی اور کہاں اتنی رومینٹک بات۔"

"ارے تمہیں کیا پتا اپنے ماما کا۔ دراصل ہیں کو اکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ۔" اینیا نے خود اپنی ہی بات کا مزہ لیتے ہوئے کہا تھا۔

ماوی مسکراتی رہی اینیا کی دائمی خوشیوں کے لیے اس کے دل سے دعائیں نکل رہی تھیں۔

"میں ٹھیک سے وضاحت نہیں کر سکتی ماوی! کہ میں کتنی خوش ہوں جو چاہتی تھی زندگی میں مل رہا ہے ممی ڈیڈی کے ایشوز ریزولو ہو گئے ولید ٹھیک ہو گیا اور ......اور فیضان کی محبت مجھے مل رہی ہے...... اب تو کبھی کبھی خوف آنے لگتا ہے کہ کہیں یہ سب کوئی خواب تو نہیں۔"

"اللہ نہ کرے کہ یہ خواب ہو...... خدا تمہیں اتنی خوشیاں دے کہ تم بھول ہی جاؤ غم کیا ہوتا ہے۔" ماوی نے کہا تھا۔

"کیسی بڑی اماؤں کی طرح دعائیں دے رہی ہو۔" اینیا شرارت سے ہنسی خوشی تو جیسے اس کے سارے وجود سے پھوٹ رہی تھی۔

"اور تم خود کیسی چھپی رستم نکلی ہو۔ ہوا تک نہیں لگنے دی کہ جلال بھائی کے ساتھ کیا معاملہ چل رہا ہے۔ بتاؤ...... انڈر اسٹینڈنگ ڈویلپ ہوئی نکاح تک ہو گیا اور ہمیں کان و کان خبر تک نہ ہو سکی۔ بھئی واہ......"

ماوی کے پاس اس سوال کے جواب میں ایک مسکراہٹ کے سوا کچھ بھی نہ تھا۔

"اب خالی خولی مسکرانے سے بات نہیں بنے گی مجھے اول سے آخر ساری بات بتاؤ۔"

"کوئی بات ہے ہی نہیں کیا بتاؤں۔" ماوی نے سستی سے نیم دراز ہوتے ہوئے کہا تھا گویا بات رفع دفع کی تھی۔

"ارے بھئی کچھ تو ہوگا بتانے والا.....کوئی خوبصورت سی فیلنگ.....کوئی ڈھکی چھپی ملاقات....." ایمنا نے آنکھیں مٹکا کر کہا تھا ماوی خوب ہنسی۔(اپنی الجھن چھپانے کی ایک فطری سی کوشش) پھر کپڑے جھاڑتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ارے جا کہاں رہی ہو میری بات کا جواب تو دینا ہی پڑے گا۔"

"کوئی بات ہی نہیں ہے ایمنا! تو کیا جواب دوں؟" اس نے سرسری انداز میں کہا تھا۔

"یہ کیسے ممکن ہے.....آخر کچھ نہ کچھ تو ایسا ہوگا جو معاملہ نکاح تک پہنچا۔" ایمنا کو جیسے اس کی بات کا یقین ہی نہیں آ رہا تھا۔

"کاش واقعی کچھ ایسا ہوتا۔" ماوی نے سوچا اس کے دل پر بوجھ سا آن رکا تھا۔

"چلو باہر چلتے ہیں گاؤں جانے کے لیے گاڑی تیار ہو گئی ہوگی۔" وہ کہتے ہوئے باہر نکل گئی تھی۔

☆☆☆

شام اپنے جوبن پر تھی جب وہ سب گاؤں پہنچے۔درختوں میں گھری حویلی پر خاموشی کا راج تھا اور ایک عجیب سی سوگواری چھائی ہوئی تھی۔

ثروت نے سر اٹھا کر حویلی پر جھکے آسمان اور درختوں کو دیکھا اس جگہ سے ان گنت یادیں جڑی تھیں اچھی بری، کڑوی کسیلی.....مگر یادیں تو یادیں ہوتی ہیں اچھی ہوں یا بری.....جب بھی ذہن کے پردے پر نمودار ہوتی ہیں دل و دماغ بوجھل کر دیتی ہیں۔جنت بیگم سے کوئی اچھی یاد تو وابستہ نہیں تھی بس صلہ رحمی کی غرض سے جنازے میں شریک ہونے وہ سب آ گئے تھے پھر ثروت کے دل پر تو ماوی کی باتوں نے بھی بہت اثر کیا تھا دل خود بخود مائل ہوتا چلا گیا تھا معاف کرنے نہ کرنے کی منزل گو کہ ابھی دور تھی البتہ گنجائش ضرور پیدا ہو گئی تھی۔

کچھ ایسے ہی خیالات دانیال حسن کے بھی تھی ان سے جنت بیگم کی کوئی غرض نہ جڑی تھی سوائے اس کے کہ ان کے بیٹے کی سابقہ بیوی ان کی زوجیت میں آ گئی تھی یہ کوئی ایسی غلطی تو نہ تھی کہ ان کی پوری زندگی کا سکون برباد کر دیا جاتا اور بلفرض محال اگر ایسا ہوتا بھی تو جنت بیگم کو کیا اختیار تھا کہ ان کو سزا دیتی۔

کم و بیش سب کے خیالات کا دھارا ایک ہی سمت میں بہہ رہا تھا۔

ماوی نے وہاں کسی کو روتے ہوئے نہیں دیکھا تھا ہاں سب افسردہ ضرور معلوم ہوتے تھے۔کچھ کسان عورتیں ضرور رو رہی تھیں اور جنت بیگم کی اچھائیاں بیان کر رہی تھیں۔

"اماں نے خود کو تنہا کر لیا تھا شبیہ سے دراصل محبت بہت تھی انہیں۔یہ بات برداشت نہیں کر سکیں کہ وہ خدانخواستہ اب اس دنیا میں نہیں رہا۔" حلیمہ نے اسے بتایا تھا۔

"شبیہ زخمی ہوا تھا پھر انہوں نے اور تنوی نے یہ اندازہ کیسے لگا لیا؟"

"بس کیا بتاؤں تمہیں.....جتنے منہ ہوں اتنی باتیں بن جاتی ہیں۔ملازم، گھر والے.....اصل بات تو کہیں گم ہی ہو کر رہ گئی تھی....." ماوی انہماک سے انہیں سن رہی تھی جب اچانک جلال اندر داخل ہوا۔

"امی! آپ نے معاذ کو......" اس کی نظر ماوی پر پڑی اور لفظوں نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا۔

ماوی جیسے تھم سی گئی تھی۔

"کیسے ہو جلال؟" اسے پلٹتا دیکھ کر ماوی نے بے ساختہ پوچھا تھا جلال نے اس کی طرف دیکھا اور بس اثبات میں سر ہلا دیا۔

"امی معاذ کو ذرا باہر بھجوا دیں۔" وہ ماوی کی طرف دیکھے بنا باہر نکل گیا تھا۔

ماوی کا دل اور بھی بوجھل ہو گیا۔

☆☆☆

"انسان خدا نہیں ہوتا کہ خدا بننے کی کوشش کرتے ہوئے دوسروں کی زندگیوں کے فیصلے کرتا چلا جائے۔"

جنت بیگم کی بے حس و حرکت میت کو دیکھتے ہوئے ماوی سوچ رہی تھی انسان تھی سینے میں دل تھا سو موت کے فطری احساس سے آنکھوں میں آنسو بھی آ گئے تھے۔

انسان پیدا ہوتا ہے اور مر جاتا ہے پیدائش اور موت کے اس درمیانی عرصے میں وہ کیا کیا غلطیاں کرتا ہے اگر ایک بار مرنے کا احساس کر لے تو دنیا ہی نہیں اس کی آخرت بھی بدل سکتی ہے۔

جنازہ اٹھایا گیا تو گاؤں کی فضا کلمہ شہادت سے گونج اٹھی تھی کونسی آنکھ تھی جسے اس وقت ماوی نے اشکبار نہ دیکھا ہو۔ موت، موت اور صرف موت زندگی کی سب سے اٹل حقیقت ہے پھر بھی نا سمجھ انسان سبق نہیں سیکھتا۔ اور دوسروں پر عرصہ حیات تنگ کرتا چلا جاتا ہے جیسے جنت بیگم نے پوری تین نسلوں کے سکون کو اپنی خود پسندی کی بھینٹ چڑھا دیا تھا۔ ایک دن مر تو سب نے ہی جانا ہوتا ہے جنت بیگم کی طرح ان کا باپ انہیں "میری جنت" کہہ کر پکارتا ہوا اور فرشتوں سے زیادہ راست گو گردانے یا رجب کی طرح باپ کے گھر سے چوری کے الزام میں نکال دیا گیا ہو۔

"آپ جن لوگوں کو اپنے پیچھے چھوڑ کر جا رہی ہیں ان کے کندھوں پر آپ کی زیادتیوں کا بہت بوجھ ہے جب تک یہ بوجھ کم نہیں ہو گا ان کے دل سے آپ کے لیے دعا نہیں نکلے گی اور جب تک وہ دعا نہیں دیں گے اللہ آپ کے حساب کتاب کا بوجھ ہلکا نہیں کرے گا۔ میں کوشش کروں گی آپ سے خفا لوگوں کو آپ کے لیے راضی کر سکوں مجھے یقین ہے اسی نیکی کے بدلے اللہ میری ممی کو بھی ٹھیک کر دے گا اور مجھے جلال سے بھی معافی دلا دے گا۔" ماوی دل ہی دل میں جنت بیگم سے مخاطب تھی۔

☆☆☆

دو روز حویلی میں گزار کر آج ان سب نے واپسی کا ارادہ کر لیا تھا حویلی اسی طرح سوگوار تھی۔ ماوی جانے سے پہلے جلال سے بات کرنا چاہتی تھی لیکن وہ تھا کہ ایسا کوئی موقع دے ہی نہیں رہا تھا۔ پھر نکلنے سے کچھ دیر قبل اسے موقع مل ہی گیا حرم نے بتایا وہ پچھلی طرف گیا ہے۔

ماوی ایک بھی پل ضائع کیے بغیر اس طرف آ گئی۔ وہ سیڑھیوں پر سر جھکائے بیٹھا تھا۔ شام کے چہرے پر اداسی کا عکس نمایاں ہوتا تھا اور خزاں کی خنک ہوا درختوں کے سوکھے پتے اڑا رہی تھی۔

ماوی متذبذب کھڑی تھی اسے جلال کو کس طرح مخاطب کرنا چاہیے۔

اپنے عقب میں کسی کی موجودگی کا احساس کر کے جلال نے ذرا سی گردن موڑی تھی۔ اسے دیکھ کر خفیف سا حیران ہوا۔

"تم لوگ ابھی تک گئے نہیں؟" اس کی آواز دھیمی تھی۔ ماوی خفیف سی ہو گئی وہ اس بات کی توقع نہیں کر رہی تھی۔

"جلال! میں صرف تم سے ایک بار ایکسکیوز کرنا چاہتی ہوں۔" اس نے جلدی سے اور لجاجت سے کہا تھا۔

"میں خفا ہی نہیں ہوں ماوی! پھر تم کس لیے معذرت کرو گی؟" اس نے پھیکے سے انداز اور بیزاری سے کہا تھا۔

"مجھے اپنی پوزیشن کلیئر کرنے کا ایک موقع تو دو جلال! میں جانتی ہوں میں نے تمہارے ساتھ بہت برا کیا ہے......"

"تم نے برا نہیں کیا میری قسمت نے برا کیا۔" جلال نے یکدم بےزاری سے کہا تھا۔

"تم سے وہ سب ثمینہ آنٹی نے کروایا تھا تمہاری تو کوئی غلطی نہیں۔ ٹھیک ویسے ہی جیسے تمہیں مجھ میں کوئی انٹرسٹ نہیں...... تم جب کہو گی میں تمہیں طل......" اس کی زبان واضح لڑکھڑائی تھی۔ "طل...... طلاق دے دوں گا۔"

ماوی چپ سی رہ گئی اس نے تو فوراً فیصلہ سنا ڈالا تھا۔

"اور اگر میں کہوں کہ مجھے طلاق نہیں چاہیے تو......؟" وہ تیزی سے سیڑھیاں اتر کر اس کے سامنے آئی تھی۔

جلال نے تعجب سے سر اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔

"طلاق نہیں چاہیے تو پھر؟...... بھی اس طرح تو گزارا نہیں ہو سکے گا تمہیں کہیں نہ کہیں تو شادی کرنی ہی ہے اور ایک وقت میں تم دو نکاح نہیں کر سکتیں...... مغربی معاشرے میں پلی ہو میرا خیال ہے یہ بات کسی نے کبھی نہیں بتائی تمہیں۔" جلال نے خیال ظاہر کیا تھا۔

"مغربی معاشرے میں پلی ہوں لیکن تربیت میری اسلامی اصولوں کے مطابق ہوئی ہے میرے ویسٹرن کپڑوں سے تم نے میرے ایتھکس (اخلاقیات) کا انتہائی غلط اندازہ لگایا ہے۔" وہ چڑچڑے پن سے بولی تھی۔

"میں اچھی مسلمان ہوں الحمدللہ۔ اور مشرقی بھی۔ اسی لیے تم سے یہ نہیں کہہ پا رہی کہ میں اپنی ساری زندگی تمہارے ساتھ گزارنا چاہتی ہوں۔" جلال کو بلا آخر ہنسی آ گئی اس مشرقی لڑکی کا انداز ہی ایسا تھا۔

"تم نے جو بھی کیا وہ اپنی ماں کی خوشی کے لیے کیا۔ اپنی غلطی کا اتنا بڑا کفارہ ادا مت کرو۔" چند منٹ بعد جلال نے کہا تھا۔

"کیا مطلب؟"

"تم میرے ساتھ خوش نہیں رہ سکو گی ماوی! کیونکہ تمہیں مجھ سے محبت تھی ہی نہیں۔ اب بھی اگر تم میرے ساتھ رہنا چاہتی ہو تو صرف اس لیے تاکہ اپنی غلطی سدھار سکو۔" وہ کچھ زیادہ ہی حقیقت پسند ہو گیا تھا۔

"بالکل صحیح کہہ رہے ہو مجھے تمہاری کسی بات سے اختلاف نہیں ہے سوائے اس کے کہ میں تمہارے ساتھ خوش نہیں رہ سکوں گی۔ یہ کس کتاب میں لکھا ہے کہ شادی سے پہلے محبت کی جائے تب ہی انسان خوش رہ سکتا ہے میں ایسے کئی لوگوں کو جانتی ہوں جنہوں نے پہلے محبت کی پھر شادی

..... .اوران کی شادی کامیاب نہ رہی......اور میں ایسے لوگوں سے بھی ملی ہوں جنہوں نے شادی کے بعد محبت کی......میں تمہیں پسند کرتی ہوں محبت شادی کے بعد کرلوں گی البتہ......تمہیں مجھ سے پہلے بھی محبت کرنا ہوگی اور بعد میں بھی......محبت لڑکیوں کا پیدائشی حق ہوتا ہے اور تم مجھ سے میرا یہ حق نہیں چھین سکتے۔"

اس کا انداز و حانس بھرا تھا جلال حیران ہوتا ہوا بھی ہنس دیا اس ہنسی میں اقرار تھا۔

ماوی نے ہلکے پھلکے دل اور بھرپور مسکراہٹ کے ساتھ اس کے بازو میں ہاتھ ڈالا اور اپنا سر آہستگی سے اس کے شانے پر لگا دیا۔

"میری ایک بات مانو جلال! بی جان کو تم سب معاف کر دو۔ اللہ کے پاس ان کا حساب آسان ہو جائے گا اور مجھے یقین ہے وہ تمہاری زندگی میں آسانیاں بھی دے گا۔" ماوی کہہ رہی تھی اس سے قبل کہ جلال کوئی جواب دیتا اس کی جیب میں رکھا سیل فون بجنے لگا تھا۔

جلال نے فون کان سے لگایا چند منٹ بات کی پھر ماوی کی طرف دیکھا۔ وہ کچھ خوش تھا کچھ بے یقین۔

"ہاسپٹل سے فون تھا......شبیہ کو ہوش آ گیا ہے۔"

"اوہ......" ماوی خوش ہوئی۔ "یہ تو بہت خوشی کی خبر ہے...... میں نے کہا تھا ناں جلال!......اللہ خوش ہو تو نوازتا ضرور ہے۔"

جلال نے شکرگزار مسکراہٹ کے ساتھ آسمان کی جانب دیکھا تو ی کی رہائی کا دارومدار شبیہ کے ہوش میں آنے پر تھا۔ وہ مطمئن تھا کہ اب سب ٹھیک ہو جائے گا۔

اس نے ماوی کا اپنے بازو پر رکھا ہاتھ تھپتھپایا اور اپنا سر اس کے سر سے لگا دیا۔

ڈھلتی ہوئی شام کا ستارہ آسمان کے کنارے روشن ہو چکا تھا۔ یہ شام کا ستارہ نہیں امید کا ستارہ تھا اور ان دونوں کو دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔

ختم شد

